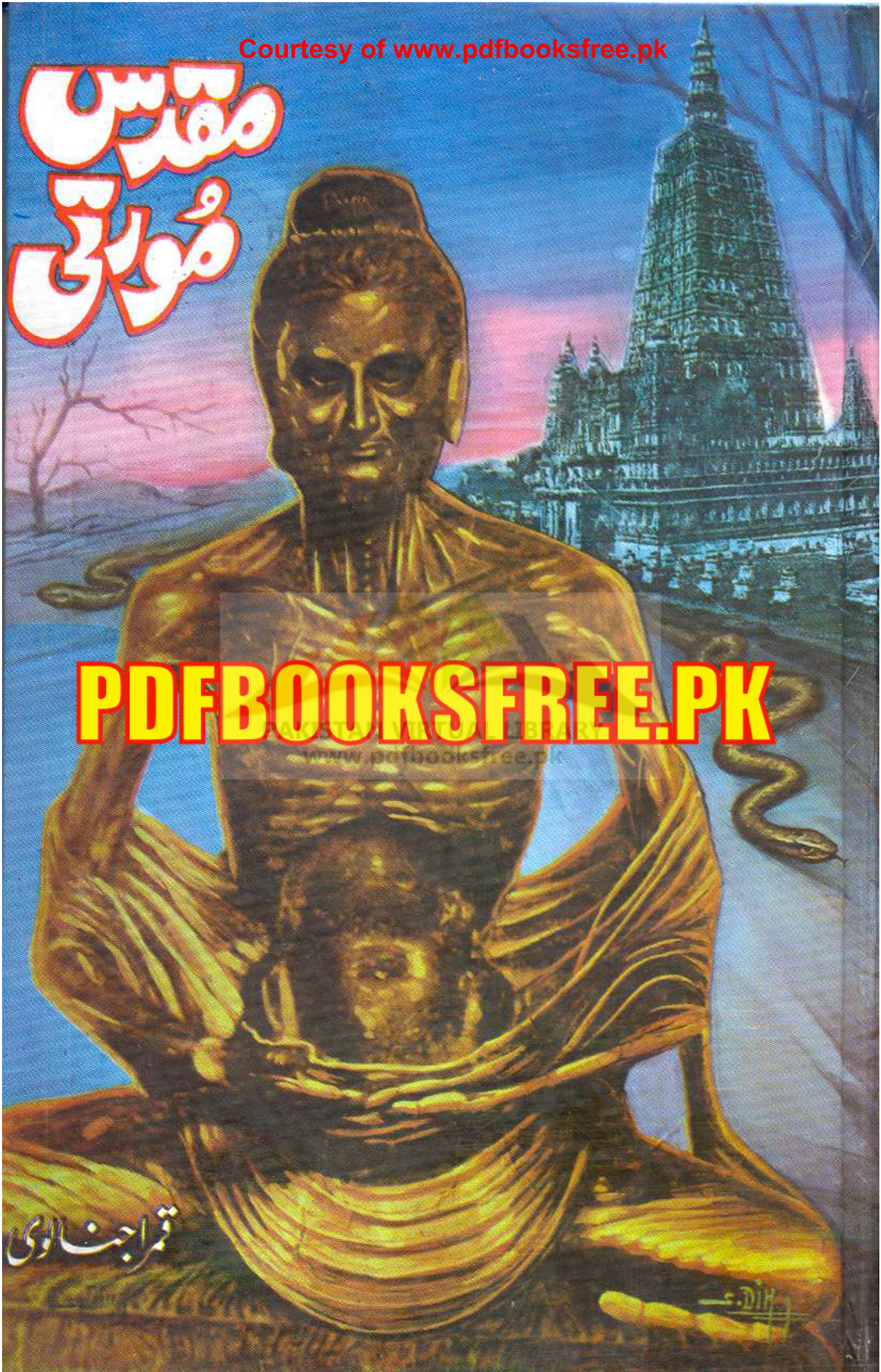

مقدس
موتی
قمر اجنالوی

کراچی سنسر بورڈ سے سنسر شدہ

مقدس مورتی



قمر اجنالوی

ایک حسین و دلآویز پیش کش

مقدس مورتی

قمر اجنالوی



مکتبہ القریش، اُردو بازار، لاہور

ناشر	:	عبدالحفیظ قریشی
مطبع	:	نیر اسد پرنٹرز لاہور
سن اشاعت	:	2010ء
تعداد	:	600
کمپوزنگ	:	کلاسکس کمپیوٹرز
قیمت	:	-/650روپے

فون:7231595۔7352835

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور۔

ISBN 969-38-0043-5

دریچہ

دنیا کی ہر کہانی کسی نہ کسی حقیقت کی نشاندہی کرتی یا کسی واقعہ کا عکس ہوتی ہے۔ مصنف جب کوئی کہانی لکھنے بیٹھتا ہے تو اُس کے ذہن میں ایک مرکزی خیال کے علاوہ بعض واقعات کا ہجوم بھی ہوتا ہے جنہیں وہ محوری نقطہ کے اِرد گرد فنکارانہ انداز میں ترتیب دیتا چلا جاتا ہے۔ خیالات اور واقعات کا یہ ابلاغ حقیقت یا حالات کی منطق سے جتنا قریب ہوگا، قارئین کے لئے اتنا ہی زیادہ دلچسپ ہوگا اور وہ کہانی کے پیچ وخم میں کھو جائیں گے۔ ''مقدس مورتی'' کی کہانی بھی بعض حقیقتوں کی عکاسی کرتی ہے جس کا پلاٹ بودھ آثار اور عقائد پر مشتمل ہے۔

ہندوستان میں یہ عقیدہ صدیوں سے چلا آرہا ہے کہ ایشور (خدا) بعض انسانوں کی شکل میں ظہور لیتا ہے۔ اسی عقیدہ کے مطابق سری رام چندر، سری کرشن اور مہاتما بدھ کو ایشور کے اوتار سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی صراحت کی گئی ہے کہ خدا نے دنیا کی ہر قوم میں مصلح، نبی اور پیغمبر بھیجے ہیں۔ اہل علم مختلف اقوام کے مذہبی پیشواؤں اور مصلحین کو اسی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ مہاتما بدھ دنیا کے پہلے اصلاح پسند اور عارف تھے جنہوں نے انسانی ذات پات اور طبقاتی تقسیم کے خلاف آواز اُٹھائی اور مساوات کی بنیاد رکھی۔ اُن کی مقبولیت کا سب سے بڑا سبب بھی غالباً یہی تھا۔ نصف صدی قبل بودھ ازم دنیا کا سب سے بڑا مذہب تھا جس کی ابتدا ظہورِ مسیحؑ سے پانچ سو برس پہلے ہوئی تھی۔

ہندوستان میں مذہبی پیشواؤں کو ایشور کے اوتار سمجھ کر اُن کی مورتیوں کو ''بھگوان کے رُوپ'' میں پوجا بھی گیا۔ دنیا بھر میں سب سے زیادہ مورتیاں مہاتما بدھ کی بنائی گئیں اور سری رام چندر اور سری کرشن سے زیادہ اُن کی پرستش کی گئی کیونکہ بودھ دھرم ہندوستان سے نکل کر پورے مشرق بعید میں پھیل گیا تھا۔ مہاتما بدھ دیوتاؤں کے قائل نہ تھے۔ خدا کو ایک مانتے اور نجاتِ اخروی پر یقین رکھتے تھے چنانچہ اُنہوں نے نیک اعمال کے اجر پر فلسفہ نروان کی بنیاد رکھی۔ اُنہیں خدا کا گیان اور الہام ہوتا تھا اور اُسی گیان یا عرفان کی روشنی میں اُنہوں نے اپنے ماننے والوں کو وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اُن کی راکھ پوجی نہ جائے مگر یہ حقیقت بڑی دلچسپ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پوجا اُنہی کی ہوتی ہے۔ ہندوستان سے بودھ دھرم کو دیس نکالا دینے کے ساتھ ساتھ بدھ کی تعلیم کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کی گئی اور اُسی مسخ شدہ تعلیم کو بودھوں نے قبول کرلیا۔

''مقدس مورتی'' لکھنے کا سب سے بڑا مقصد بدھ کی تعلیم اور عقائد کی اصل صورت کو غیر

محسوس طور پر قارئین تک پہنچانا تھا۔ علاوہ ازیں کچھ اور مقاصد بھی تھے۔ بعض حلقوں میں یہ خیال بھی تلاش و جستجو کا محور بنا رہا کہ انسانی زندگی غیر طبعی طور پر بڑھائی جا سکتی ہے۔ ''مقدس مورتی'' میں ''جیون بھید'' اسی خیال کی ایک شکل ہے جس سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ اگر انسان غیر طبعی زندگی حاصل کرنے پر قادر ہو جائے تو اُس کے نتائج کس قدر بھیانک ہوں گے۔ ساگر ساؤ جی کا کردار ایک مثال پیش کرتا ہے۔

تھارو کیشپ...... روشن ضمیر ہیرو کے رُوپ میں سامنے آتا ہے جو ظلم اور نا انصافی کے خلاف جدوجہد کرتا ہے اور کہیں دنیا کے قانون اور کہیں خدا کے قانون کے مطابق مجرموں کے خلاف انصاف کی کچہری لگاتا ہے۔ اُسے خواب اور کشف کے ذریعے رہنمائی بھی ملتی ہے۔ جو اس امر کی علامت ہے کہ دنیا میں انسان کی رہنمائی کا یہ عجیب و غریب سلسلہ بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ چلتا ہے اور اگر خدا کی ذات پر کامل یقین کے ساتھ انسان میں خود اعتمادی یا خود شناسی کا جوہر بھی ہو تو اُس کی مشکلیں آسان ہو سکتی ہے اور ''اسم اعظم'' کی برکت جو دراصل اعتماد کامل کی کنجی ہے مصائب کے قید خانے کھول دیتی ہے۔

''مقدس مورتی'' پڑھ کر بعض افراد نے یہ کنجی آزمائی ہے اور اُن میں بھارت کے ادیب مسٹر سدرشن بالی خاص طور سے قابل ذکر ہیں جن کا خط سرورق کے فلیپ پر نقل کیا گیا ہے۔ میں انہیں نئی زندگی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تو یہی کچھ باتیں اس کہانی کی محرک ہوئی تھیں جنہیں ''مقدس مورتی'' کی شکل میں اپنے قارئین تک پہنچا رہا ہوں۔

ایڈیٹر روزنامہ ''مغربی پاکستان''
20 بیڈن روڈ...... لاہور۔

قمر اجنالوی
20 نومبر 1983ء

☆☆☆

O

یہ تصنیف اپنے مرحوم دوست ابن انشا کے نام منسوب کرتا ہوں۔ جنہیں اصرار تھا کہ میں ایسی کہانیاں لکھوں جن میں افسانے، حقیقت، تاریخ، تحیر اور ادب کا فنی امتزاج مل سکے۔

(قمر اجنالوی)

(1)

ساؤگاری

میں تھاروکیشپ ..... جو بدھ آثار پر ایک اتھارٹی سمجھا جاتا ہوں یہ عجیب وغریب، انتہائی پراسرار اور لرزہ خیز کہانی اس لئے قلمبند کر رہا ہوں کہ خود اس کا چشم دید گواہ ہوں۔ یہی حالت یہی واقعات اگر کسی دوسرے شخص نے مجھے سنائے ہوتے تو شاید میں انہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا کیونکہ آدمی دوسروں پر ذرا کم ہی اعتبار کرتا ہے مگر جب اپنے پر گزرتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ دُنیا تو مکڑی کا ایک جال سا ہے جس کا تانا بانا حادثات و واقعات تیار کرتے ہیں۔ اس کہانی کو معرضِ تحریر میں لانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ جو لوگ زندگی کو ''شراب کی بوتل'' سمجھ کر اندھا دُھند خالی کئے جا رہے ہیں، اس کی قدر و قیمت کو سمجھ سکیں۔

مجھے بدھ تاریخ اور اس کے آثار سے زمانہ طالب علمی کے دوران ہی گہری دلچسپی ہو گئی تھی۔ کالج کے فارغ اوقات میں تاریخی کتابوں کے مطالعے اور مختلف معاملات کے کھوج میں کھویا رہتا تھا۔ میرے ساتھی مجھے ''کتابوں کا کیڑا'' کہہ کر چھیڑا کرتے تھے مگر مجھے ہر وقت مطالعے اور تحقیق کی دُھن سمائی رہتی اور میرا بیشتر وقت لائبریری میں گزرتا تھا۔ ان دنوں آسام کے شہر شیلانگ سے ایک بدھ رسالہ ''جوتی پتر'' نکلتا تھا جس میں میرے مضامین اکثر شائع ہوتے اور بدھ گیانیوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ میری تحریروں کو سند کا درجہ حاصل ہو گیا۔

اُسی رسالے میں ایک بار آسام کے مشہور بدھ عالم سروپ ساؤ جی نے بھگوان بدھ کی مورتیوں کے بارے میں ایک ایسا مضمون لکھا جس نے بدھ دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ سروپ ساؤ جی بے شک بڑے مانے ہوئے گیانی اور محقق تھے مگر میرے نزدیک اُن کا مضمون ادھورا تھا۔ معلوم نہیں اُنہوں نے صرف پیتل کی مورتیوں کو کیوں اہمیت دی تھی حالانکہ بھگوان بدھ کی مورتیاں تو سونے، چاندی، تانبے اور دوسری دھاتوں میں بھی ڈھالی گئی تھیں۔ پھر پتھر، سنگ مرمر، ہاتھی دانت، ساگوان، صندل، اخروف وغیرہ کی بھی بے شمار مورتیاں پگوڈوں، عجائب گھروں میں پائی جاتی ہیں اور بیشتر ملکوں کے عجائب گھر اُن سے آراستہ ہیں۔ مگر سروپ ساؤ جی نے صرف پیتل کی مورتیوں پر ریسرچ ضروری سمجھی اور اسکالروں کو دعوت دی تھی کہ وہ اس میدان میں چھان بین کریں کہ پیتل کی مورتیاں دنیا میں کہاں کہاں، کن عجائب گھروں، پگوڈوں یا نجی اداروں میں ہیں۔

میں حیران تھا کہ آخر پیتل کی مورتیاں ہی کیوں؟ اور سروپ ساؤ جی اُنہی مورتیوں کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟

میرا بی۔اے کا آخری سال تھا، امتحان کی تیاری بھی ضروری تھی لیکن جیسا میں بتا چکا ہوں، سروپ ساؤ جی بدھ دنیا کی ایک ممتاز شخصیت سمجھے جاتے تھے اس لئے اُن کی دعوت بھی نظر انداز نہ کر سکا۔ میں نے کئی ماہ کی ریسرچ کے بعد پیتل کی مورتیوں کا ایک گوشوارہ تیار کیا جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ ساتھ ہی ان مورتیوں کی تاریخ اور خصوصیات بھی لکھ دیں۔ جب یہ مضمون ''جوتی پتر'' میں شائع ہوا تو دُھوم مچ گئی۔ رسالے کے ایڈیٹر کا ایک مکتوب مجھے موصول ہوا جس میں میری تحقیقات کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا تھا۔ اُسی مکتوب میں سروپ ساؤ جی کا ایک پتر بھی تھا۔ اُنہوں نے میری ریسرچ کی داد دی اور فرمائش کی تھی کہ میں بھگوان بدھ کی وفات کے بعد پہلی صدی میں تیار ہونے والی پیتل کی مورتیوں پر مزید تحقیق کروں۔ میں سمجھ گیا کہ سروپ جی ابتدائی دور میں تیار ہونے والی مورتیوں سے ضرور کوئی دلچسپی رکھتے ہیں مگر اب امتحان سر پر آ گیا تھا میں اُس کی تیاری میں ایسا مصروف ہوا کہ کسی دوسری بات کا ہوش نہ رہا۔ اور جب امتحان سے فارغ ہوا تو مشرقی بنگال میں اپنی چاچی کے پاس رنگا متی چلا گیا۔

یہ بھی بتا تا چلوں کہ اس دنیا میں ایک بیوہ چاچی کے سوا میرا کوئی نہیں جو رنگا متی میں رہتی ہے۔ اُس نے مجھے پال پوس کر جوان کیا اور محنت مشقت کر کے تعلیم دلوائی ورنہ ماں باپ تو بچپن ہی میں ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اگر چاچی نے میرے سر پر شفقت کا ہاتھ نہ رکھا ہوتا تو شاید میں کسی آشرم مِیں پرورش پاتا یا زمانے کی ٹھوکریں مجھے پامال کر دیتیں۔ چاچی نے خود دُکھ جھیلے مگر میرے سکھ کا خیال رکھا۔ میرے علاوہ اُس کا بھی دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ میری چاچی بھی تھی، ماں بھی اور آتما بھی۔ بی۔اے پاس کرنے کے بعد میری زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ اس کا سہارا بنوں، اُس کے بڑھاپے کو حوادث کی دُھول سے بچاؤں اور اُن عظیم احسانوں کا بدلہ چکاؤں جن کے طفیل میں اس حیثیت کو پہنچا تھا۔ مگر کالج سے نکل کر عملی دنیا میں قدم رکھا تو پتہ چلا کہ نوکری ڈگری سے نہیں، سفارش سے ملتی ہے اور اپنی قسمت کا تالا کھولنے کے لئے یہی کنجی میرے پاس نہیں تھی۔

میں نے 1930ء میں بی۔اے پاس کیا تھا۔ اُس وقت ہندوستان میں بی۔اے پاس آدمی کی اوقات چالیس پچاس روپے ماہوار سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے تو تیس پینتیس روپے کی ملازمت پر بھی کئی پانسے پھینکے مگر نردوں کی اس بازی میں ''تین کانے'' ہی نکلتے رہے۔ پرائیویٹ فرموں اور اداروں پر ''نو ویکینسی'' کے بورڈ آویزاں تھے۔ سرکاری دفتروں میں داخلے کے لئے اگر سفارش نہیں تو رشوت کا جادو چلتا تھا۔ ''کھل جا سم سم'' کا یہ منتر بھی میرے پاس نہیں تھا۔ ہر

طرف سے ناکامی اور مایوسی کا سامنا ہوا تو دل بجھ گیا اور کسی نے میرے اندر سے پکارا......

''تھارو کیشپ! تو بڑا ریسرچ اسکالر بنتا تھا۔ اپنے علم پر بڑا مان کرتا تھا اب پتہ چلا کہ دنیا کو تیرے گیان کی ضرورت نہیں۔ اسے تو کلرک چاہئے، اسٹینوگرافر چاہئے، منشی یا منیم چاہئے جو بہی کھاتوں میں دھیان لگا سکے، من مارے اور دھن پیدا کرے۔ مگر تو ایسی نوکری چاہتا ہے جس سے تیرے علم کی پیاس بجھے اور تیرا شوق جواں ہوتا رہے۔ بھلا اس دنیا میں کسی کے من کی مراد پوری ہوتی ہے جو تیری ہوگی؟''

مایوسی میری آتما کا بوجھ بنتی جا رہی تھی مگر چاچی کے دل میں اُمید کی جوت روشن تھی۔ وہی میرے سونے اُجاڑ سے من میں اُجالا کر دیتی اور پیار سے کہتی۔

''پگلے...... ! بھگوان کے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ایک نہ ایک دن تیری آشا ضرور پوری ہوگی۔''

اُنہی دنوں شیلانگ مِیں بدھ کانفرنس کی خبر ملی۔ مجھے بھی کانفرنس میں شریک ہونے اور بدھ آثار پر تقریر کرنے کی دعوت دی گئی مگر میں تو اِدھر ''ملازمت کے نروان'' میں اُلجھا ہوا تھا۔ علم و تحقیق سے طبیعت کچھ اُچاٹ سی ہو گئی تھی۔ جو تعلیم مجھے پیٹ پالنے کے لئے روٹی اور تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا نہ دلا سکی، اس سے کیا فائدہ؟ پھر چاچی میری پڑھائی کے لئے جس مہاجن سے روپیہ قرض لیتی رہی تھی، اب اُس کا تقاضہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ بھلا وہ کب تک صبر کرتا؟ ان حالات میں شیلانگ کا سفر ممکن نہ تھا مگر چاچی کہنے لگی۔

''تجھے کانفرنس میں ضرور شریک ہونا چاہئے۔ سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے اگر بنگال میں نوکری نہیں مل سکی تو کیا معلوم آسام میں کوئی دروازہ کھل جائے۔''

چاچی کی یہ بات میرے دل کو لگی۔ سوچا، ہوسکتا ہے وہاں ''جوتی پتر'' کے ایڈیٹر میری مرضی کے مطابق کوئی کام تلاش کر سکیں۔ شیلانگ میں اُن کا اثر و رسوخ ضرور ہوگا۔ یہی سوچ کر میں نے سفر کی ہامی تو بھر لی لیکن کرائے اور سفر کے لئے پیسے کہاں سے آئیں گے؟ چاچی نے یہ مشکل بھی آسان کر دی اور مہاجن سے بیس روپے اُدھار لے کر میری جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''چنتا نہ کر...... تو کمائے گا تو سب اُدھار چکا دوں گی۔''

چاچی کی آشیر باد لے کر میں شیلانگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ بدھ کانفرنس میں سروپ ساؤ جی جیسے مہا گیانی سے بھی ملاقات ہو گئی۔ اُنہوں نے ''جوتی پتر'' کے ایڈیٹر کی معرفت خود ہی مجھے سندیس بھیجا تھا۔ وہ شیلانگ کے ایک بودھ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور مجھے تاکید کی گئی تھی کہ میں وہیں اُن سے ملوں۔ پہلی ہی ملاقات میں یوں لگا جیسے صدیوں سے میرے منتظر تھے۔ بدھ عالم کی حیثیت سے میرے دل

میں اُن کی بڑی عزت تھی ویسے بھی اکسٹھ باسٹھ کے پیٹے میں تھے اور بڑے تحمل سے بات کرتے تھے۔ خیال تھا کہ تاریخی آثار پر بات ہوگی، اپنی کہیں گے، میری سنیں گے۔ مگر وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ پوچھنے لگے۔

’’ٹھارو کیشپ! مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم نے بی۔اے پاس کرلیا۔اب آگے کیا ارادہ ہے؟‘‘

شرم تو ضرور آئی لیکن کہنا پڑا۔’’فی الحال نوکری کی تلاش میں ہوں۔‘‘

’’ارے...... تمہیں نوکری کی کیا ضرورت ہے؟‘‘

میں اُنہیں اپنی ضرورت سے کس طرح آگاہ کرتا... خاموش ہو کے رہ گیا۔ وہ خود ہی بولے۔’’مجھے ایک سیکرٹری کی ضرورت ہے۔ اگر تم یہ کام کرسکو تو میری ایک دلی خواہش پوری ہوجائے گی۔‘‘

اُن کے یہ الفاظ میرے دل میں روشنی سی بکھیرتے ہوئے گزر گئے۔ میں نے ملازمت کے لئے کہاں کہاں ٹھوکریں نہیں کھائی تھیں۔ پھر شیلانگ آنے کا ایک مقصد تلاشِ روزگار بھی تھا۔ بھلا سروپ ساؤ جی ایسے مہا گیانی کی پیشکش کیسے قبول نہ کرتا، فوراً ہامی بھرلی۔

’’آپ کی خواہش ہے تو انکار نہیں کرسکتا۔‘‘

اچانک اُنہیں کوئی خیال آیا۔ وہ بولے۔’’میں شہر سے دُور ایک پہاڑی ویرانے میں رہتا ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ تنہائی کی زندگی گزار سکو گے؟‘‘

اس اتفاق پر میں حیران سا رہ گیا۔ کیونکہ مجھے خود شہری ہنگاموں سے نفرت ہے۔ ویسے بھی طبعی طور پر تنہائی پسند واقع ہوا ہوں۔ گویا یہ ملازمت میری طبیعت کے عین مطابق تھی۔ میں نے جواب دیا۔’’مجھے ویرانے شہروں سے اچھے لگتے ہیں۔‘‘

سروپ جی بے حد خوش ہوئے، بولے۔

’’پھر تو یہی سمجھنا چاہئے کہ ہمارا ملاپ بھگوان کو منظور تھا۔‘‘

باتوں ہی باتوں میں اُنہوں نے تنخواہ کا فیصلہ بھی کردیا۔’’دوسو روپے ماہوار‘‘ کے الفاظ سن کر پہلے تو مجھے اپنی سماعت پر شبہ ہوا مگر جب اُنہوں نے وضاحت کی کہ فی الحال دوسو روپے تمہاری ماہوار ضرورت کے لئے کافی ہوں گے تو یوں لگا جیسے کوئی گمشدہ خزانہ ہاتھ آ گیا ہو۔ میں اپنے آپ کو قسمت کا دھنی سمجھنے لگا۔ بی۔اے پاس کو چالیس پچاس روپے سے زیادہ کی نوکری نہیں ملتی تھی مگر میرے نزدیک یہ نوکری نہیں لاٹری تھی۔ میری خوش نصیبی تھی شاید چاچی کی دُعاؤں کے طفیل قدرت مجھ پر مہربان ہوگئی تھی۔ ملازمت کا تقرر یکم جولائی سے ہوا۔ سروپ جی کہنے لگے۔

’’تم پہلی جولائی کو دوسری ٹرین سے باٹی پارہ کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ جانا۔ وہاں میرا نوکر پیکو تمہارا منتظر ہوگا۔ وہ تمہیں میرے پاس لے آئے گا۔‘‘

پھر اُنہوں نے آواز دے کر اپنے نوکر کو بلایا۔ وہ 25'26 سال اور مضبوط جسم کا ایک نوجوان آدمی تھا۔ نقش و نگار برمیوں سے ملتے تھے لیکن بری نہیں آسامی ہی تھا۔ سروپ جی بولے۔’’کشیپ! یہ پیکو ہے تم اسے اچھی طرح دیکھ لو تاکہ شناخت میں آسانی رہے...... اور پیکو! تم بھی کیشپ جی کو پہچان لو۔ پہلی جولائی کو تم انہیں باٹی پارہ کے ریلوے سٹیشن پر ملو گے۔‘‘

میری اور پیکو کی نظریں ملیں اور ہم نے ایک دوسرے کی صورت اپنے اپنے حافظے میں محفوظ کرلی۔ پھر سروپ جی نے یہ کہہ کر مجھے رُخصت کردیا۔’’کل سویرے نو بجے سے پہلے پہلے ایک بار مجھے ضرور مل لینا کیونکہ میں کل ہی باٹی پارہ جا رہا ہوں۔‘‘

میں خوش خوش اپنی قیام گاہ پر لوٹ آیا۔ اب ملازمت کے لئے ’’جوتی پتر‘‘ کے ایڈیٹر سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی میری مشکل خود بخود حل ہوگئی تھی۔ مارے خوشی سے زمین پر پاؤں نہ لگتے تھے۔ میں تو ہواؤں میں اُڑ رہا تھا۔ کہاں تیس پینتیس کی نوکری کے لئے مارا مارا پھرتا تھا کہاں دوسو روپے ماہوار کا قرعہ نکل آیا۔ یہ رقم میری توقع اور ضرورت سے کہیں زیادہ تھی۔ الف لیلہ میں ابوالحسن کا قصہ پڑھا تھا۔ وہ بے چارہ سوتا تو اپنے جھونپڑے میں تھا مگر رات کو اُس کی آنکھ بغداد کے زبیدہ محل میں کھلتی تھی جہاں وہ اپنے آپ کو ایک شہزادے کے رُوپ میں دیکھ کر دنگ رہ جاتا۔ کچھ ایسا ہی معاملہ میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ سوچنے لگا کہیں میں بھی بے چارے ابوالحسن کی طرح سوتے جاگتے کا خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ مگر شیلانگ کا سفر کوئی خواب نہ تھا۔ سروپ ساؤ جی سے ملاقات کوئی سپنا نہ تھی۔ بھگوان کی مہربانی سے میری سوئی ہوئی ہمت پہلی انگڑائی لے کر جاگ اُٹھی اور میری نئی زندگی کا خوشگوار سفر شروع ہونے والا تھا۔ مگر اب نئی اُلجھن آپڑی۔ چاچی سے جو روپے لے کر آیا تھا وہ شیلانگ میں خرچ ہو چکے تھے۔ اب باٹی پارہ کا کرایہ اور راستے کا خرچ کہاں سے لوں گا؟ میرے پاس ویسٹرن کی ایک گھڑی تھی اسے بیچنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ گھڑی چاچی نے بڑے شوق سے خرید کردی تھی اور اُس کی نشانی میں اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا۔’’جوتی پتر‘‘ کے ایڈیٹر مجھ پر مہربان تھے لیکن اُن سے اُدھار مانگتے ہوئے شرم آتی تھی۔ سوچا ہٹاؤ صبح سروپ جی سے ملنے کے بعد سیدھا پوسٹ آفس جاؤں گا۔ اس کے ذریعے چاچی کو نوکری کی خوشخبری بھی دُوں گا اور چالیس پچاس روپے کا منی آرڈر بھی منگوالوں گا۔ بے چاری مہاجن سے بندوبست کر ہی دے گی۔ پھر اب تو قرضہ اُترنے کی صورت بھی نکل آئی تھی۔

دوسرے دن اپنے سفر کے بارے میں سروپ جی سے آخری ہدایت لینے کے لئے نو بجے سے پہلے ہی اُن کے ہوٹل پہنچ گیا۔ وہ تیار بیٹھے غالباً میرا انتظار کررہے تھے۔ دیکھتے ہی بولے۔

’’کیشپ! مجھے پتہ چلا ہے تمہارے ماں باپ، بھائی بہن تو نہیں صرف ایک چاچی ہے، جو

رنگامتی میں رہتی اور تمہیں بہت چاہتی ہے۔تم میرے ساتھ اگر پہاڑ پر چلے گئے تو کہیں اُسے اعتراض تو نہیں ہوگا؟''

''یہ پوچھیے چاچی کو کتنی خوشی ہوگی کہ مجھے آپ جیسے بدھ گیانی کے ہاں جگہ مل گئی ہے۔''

''پھر تم پہلی جولائی کو باڑی پارہ پہنچ رہے ہو نا؟''

''جی ہاں...... میری طرف سے بالکل شانت رہئے میں وقت اور وعدے کا پابند ہوں۔''

پھر اُنہوں نے ایک لفافہ میری طرف بڑھایا۔''اس میں تمہارا کرایہ اور سفر خرچ ہے۔''

سروپ جی کی اس پیشکش نے مجھے ایک زحمت سے بچا لیا۔اب رنگامتی سے منی آرڈر منگوانے کی ضرورت نہ تھی۔اُسی وقت پیگو رکشہ لے آیا۔سروپ جی مجھ سے رخصت ہو کر رکشہ میں بیٹھے اور لاری اڈے کی طرف روانہ ہو گئے۔میں نے بھی پوسٹ آفس کی راہ لی۔چاچی کو نوکری کا ٹیلی گرام جو دینا تھا۔

پوسٹ آفس سے فارغ ہو کر سرائے میں پہنچا۔سروپ جی کے دیئے ہوئے لفافے کو کھولا تو سو روپے کا نوٹ برآمد ہوا۔خوشی کی انتہا نہ رہی۔اب تو میں ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں بھی خرید سکتا تھا۔دو دن پہاڑ کے سفر کی تیاری کرتا رہا۔تین دن شیلانگ کی سیر و تفریح میں گزر گئے۔30 جون کو سیر سے لوٹ کر سرائے میں آیا تو منیم جی نے ایک چٹھی مجھے تھما دی۔چٹھی رنگامتی سے آئی تھی اور چاچی نے لکھا تھا۔

''کیشپ بیٹے! تیرا تار اور پانچ سو روپے کا منی آرڈر مل گیا۔تیری نوکری کی خبر سنی تو من میں خوشیوں کے دیپ جل اُٹھے۔میں نہ کہتی تھی کہ تیری کامنا ضرور پوری ہوگی۔اب خوب جی لگا کے کام کرنا اور اس نوکری کو بھگوان کی دیا سمجھنا۔تو نے جو روپے بھیجے ہیں اُن سے سب لیا دیا اُتر گیا ہے مگر میں کہتی ہوں مالک سے اتنی بڑی رقم پیشگی لینے کی کیا ضرورت تھی؟ قرضہ چند مہینے بعد بھی اُتر سکتا تھا۔مجھے صرف مہاجن کے بیاج کا ڈر تھا۔چل اچھا ہوا اُس کا سارا حساب چکتا کر دیا ہے۔پر مالک نے اتنی بڑی رقم دے کر تجھ پر وشواش کیا ہے تو اُن کا وشواش قائم رکھنا......''

ابھی میں چٹھی پڑھ رہا تھا کہ منیم منی آرڈر کی رسید لے کر آ گیا۔بولا۔''معاف کرنا کیشپ بابو! ڈاکیہ چٹھی کے ساتھ یہ رسید بھی دے گیا تھا۔میں آپ کو دینا بھول گیا۔''

منی آرڈر کی رسید دیکھ کر میری حیرت اور بھی بڑھ گئی۔اُس پر میرا ہی نام اور سرائے کا پتہ لکھا تھا حالانکہ میں نے چاچی کو کوئی منی آرڈر نہیں بھیجا تھا۔ظاہر ہے میرے حال پر یہ مہربانی سروپ ساؤ جی نے کی تھی۔مگر کیوں؟ جب اُنہوں نے پہلی بار میرے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار اور چاچی کا ذکر کیا تو میں اُسی وقت چونکا تھا کہ اُنہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟ مگر وہ

تو پوربی بنگال کے شہر رنگامتی میں میرے گھر کا ایڈریس بھی جانتے تھے۔عقیدت کے باوجود اب اُن کی ذات بڑی پراسرار بنتی جا رہی تھی اور میں یہ راز سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ میری ذات میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔

اوّل تو اُنہوں نے پچاس ساٹھ روپے کی بجائے مجھے دو سو روپے ماہوار پر اپنا سیکرٹری رکھا، دوسرے باڑی پارہ کے کرائے اور سفر خرچ کے لئے ایک سو روپے عطا کر دیئے جبکہ پچیس تیس روپے میں کام چل سکتا تھا۔تیسرے مجھ سے ذکر کئے بغیر رنگامتی میں چاچی کے نام میری طرف سے پانچ سو روپے کا منی آرڈر بھی کر دیا۔میرا دماغ ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھا۔اُن کا ہر معاملہ دوسروں سے مختلف اور ہر بات غیر معمولی تھی۔ایک بودھ عالم کی حیثیت سے سروپ جی کو غائبانہ جانتا تھا مگر شیلانگ میں وہ مجھے کسی جادوگر کی طرح ملے اور اچانک میرے حال پر مہربان ہو گئے۔آخر اُنہیں مجھ سے کیا غرض ہے کہ ابھی میں ڈیوٹی پر پہنچا بھی نہیں اور اُنہوں نے میرے لئے تجوری کا منہ کھول دیا ہے۔بے شک سروپ ساؤ جی آسام کے ''ساؤ خاندان'' کی یادگار اور کتنے ہی بڑے سیٹھ یا لکھ پتی کیوں نہ ہوں پھر بھی ایک اجنبی پر اس طرح دولت نچھاور کرنا چہ معنی دارد؟ ذہن میں طرح طرح کے خیال، قسم قسم کے وسوسے رینگنے لگے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ میری قسمت کا ستارہ چمکا ہے یا یہ بھی ستاروں کی کوئی چال ہے؟

میں اس اندھیرے میں کوئی راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔زندگی کے نئے معمے کو حل کرنے میں کوشاں تھا...... کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔دل نے کہا۔''تھارو کیشپ! کیوں بھٹکتے ہو؟ آدمی کے خیالات ہی اُس کے دشمن ہوتے ہیں۔اس جال سے باہر نکل آؤ۔''

دل کی یہ آواز سن کر میں نے اندیشوں کی گرد ذہن سے جھاڑ دی اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔تقدیر کا سمجھ میں نہ آنے والا کھیل شروع ہو چکا تھا۔

باڑی پارہ کا سفر بھی نیا تھا اور راستہ بھی اَن دیکھا۔شیلانگ سے رونگیا تک لاری جاتی تھی آگے ریل کا سفر تھا اور جنم پتری کے مطابق یہ سفر میری زندگی میں لکھ دیا گیا تھا۔

یکم جولائی کو جب میں دوسری ٹرین سے باڑی پارہ پہنچا، سروپ جی کا آسامی نوکر پیگو پلیٹ فارم پر میرا منتظر تھا۔باڑی پارہ سے گاڑی جنوب کی طرح تیز پور کو مڑ جاتی ہے جو آسام کا سب سے بڑا شہر ہے۔زیادہ تر مسافر تیز پور ہی جا رہے تھے۔باڑی پارہ کے سٹیشن پر گنتی کے چند آدمی اُترے جن میں ایک میں تھا۔پیگو نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے مجھے پرنام کیا اور میرے ہاتھ سے اٹیچی کیس تھام لیا۔میرے خیال کے مطابق منزل کہیں آس پاس ہی تھی کیونکہ باڑی پارہ ایسٹرن ریلوے کا آخری سٹیشن تھا۔یہاں سے چند میل کسی پہاڑی ویرانے کی طرف سفر کرنا ہوگا جس کا سروپ جی نے ذکر کیا تھا مگر ریلوے سٹیشن سے نکلتے ہی پیگو نے بتایا۔

"یہاں سے ہمیں رُپا جانا ہے۔ 45-50 میل کا پہاڑی سفر ہے۔ وہاں تک پہنچتے اڑھائی تین گھنٹے لگ جائیں گے اس لئے کھانا یہیں کھالیا جائے۔ کیونکہ راستے میں کہیں اچھا کھانا نہیں ملتا۔"

رُپا کا نام سن کر میں چونک سا گیا۔ میں تو سمجھتا تھا سروپ جی کا ویرانہ باٹی پارہ کے قرب و جوار میں ہوگا مگر پیکو کی اطلاع نے میرے خیال کی تردید کر دی۔ اس تردید سے احساس کو جھٹکا لگا۔ اس کے ساتھ ایک عجیب سی خوشی بھی ہوئی۔ سفر اگرچہ 45-50 میل مزید بڑھ گیا لیکن رُپا اس علاقے کا صحت افزاء مقام ہے۔ آسام کے امیر لوگ گرمیوں کے دو تین مہینے رُپا یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر گزارتے ہیں۔ اب سروپ جی کے ناتے مجھے بھی یہ مقام دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔ ایک ہوٹل سے دوپہر کا کھانا کھا کر نکلے تو ڈیڑھ بج گیا تھا اور ٹھیک دو بجے باٹی پارہ سے ایک چھوٹی لاری رُپا کے لئے روانہ ہوتی تھی۔ پیکو نے پہلے ہی لاری کی دو نشستیں ریزرو کرا رکھی تھیں۔ اڈے پر پہنچے تو لاری تیار تھی۔ ہم نے سامان اندر رکھا اور اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ ہمارے بیٹھتے ہی لاری کا بوڑھا انجن پھڑپھڑایا اور نیا سفر شروع ہو گیا۔

رُپا، باٹی پارہ سے ٹھیک شمال میں واقع ہے۔ پندرہ سولہ میل تک ہموار علاقہ ہے، پھر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جن پر ربڑ کے درخت پھیلتے چلے گئے ہیں۔ جوں جوں آگے بڑھیں پہاڑی سلسلہ بلند سے بلندتر اور درخت بتدریج گھنے اور اونچے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سانپ کی طرح پیچ وخم کھاتی سڑک پر لاری اُڑی جا رہی تھی۔ میں کھڑکی سے بدلتے ہوئے مناظر بھی دیکھ رہا تھا اور کبھی کبھی یہ بھی سوچنے لگتا کہ حالات اور اتفاقات آدمی کو کہاں کہاں لئے پھرتے ہیں۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ رُپا کا سفر کروں گا مگر قسمت مجھے آسام کے اس پہاڑی علاقے کی طرف لے آئی تھی جس کا اونچا سلسلہ تبت سے جا ملتا ہے۔ یہ میری زندگی کا ایک انوکھا سفر تھا۔ راستے میں لاری دو تین جگہوں پر رُکی۔ مسافر اُترتے اور چڑھتے رہے۔ زندگی کا سفر بھی ایسے ہی جاری رہتا ہے۔ کسی کی منزل نزدیک، کسی کی دُور ہوتی ہے مگر رُکتا کوئی نہیں۔ ہمارا سفر بھی جاری تھا۔ اور جوں جوں رُپا قریب آرہا تھا پہاڑی مناظر کی دلکشی بڑھتی جا رہی تھی۔ بلند و بالا چوٹیاں گویا آسمان سے باتیں کر رہی تھیں جن پر ربڑ کے جنگل "خوابوں کے شہر" بن کر پھیلے تھے۔ رُپا سے چند میل اِدھر ہی فلک بوس پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ مقام بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع اور انتہائی خوبصورت ہے۔ میں نے ایسے دلکش نظارے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اُدھر بلندیاں ہیں تو اِدھر پستیاں...... نیچے جھانکو تو سینکڑوں فٹ گہری وادیوں پر موت کا سناٹا چھایا رہتا ہے۔ نشیب وفراز قسمت کے ہوں یا پہاڑوں کے، آدمی کو ان سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔

اُن دنوں لاری رُپا سے پانچ چھ میل اِدھر ہی رُک جاتی تھی کیونکہ بعض چٹانیں گرنے سے

راستہ کئی جگہ سے مسدود ہو گیا تھا اور رُپا تک پہنچنے کے لئے خچروں پر سفر کرنا پڑتا تھا۔ یہاں بھی پیکو نے پہلے ہی سے دو خچروں کا بندوبست کر رکھا تھا۔ سائیس ہمارے منتظر تھے۔ ہم لاری سے اُترے اور بقیہ سفر خچروں پر شروع ہوا۔ ابھی راستے میں تھے کہ سورج اُونچے پہاڑوں پر سونا بکھیر کر رُخصت ہو گیا اور شام نے اپنی سرمئی زلفیں کھول دیں۔ رُپا پہنچے تو گہرا اندھیرا چھا چکا تھا۔ مجھے اندھیرے کی نہیں منزل کی فکر تھی۔ نہ جانے سروپ جی کا پہاڑی ویرانہ یہاں سے کتنی دُور ہو اور تاریکی میں کتنی دُور جانا پڑے۔ اب اندھیرے کے ساتھ بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر پہلی بار سردی بھی محسوس ہونے لگی۔ جی چاہتا تھا کہ بس جلد سے جلد ٹھکانے پر پہنچوں اور گرم گرم لحاف میں گھس جاؤں۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ خچر ایک چوبی عمارت کے سامنے رُک گئے۔ دروازے پر کیروسین کی قندیل روشن تھی۔ اُس کی مدھم سی روشنی میں یہ چوبی عمارت اپنی ساخت کے اعتبار سے کسی پگوڈے کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ میں نے حیرت سے پیکو کی طرف دیکھا جو خچر سے اُتر چکا تھا۔ ظاہر ہے یہ سروپ جی کا "پہاڑی ویرانہ" تو نہیں ہو سکتا تھا۔ فوراً ہی پتہ چل گیا کہ وہ ایک سرائے تھی جہاں عموماً بودھ مسافر قیام کرتے تھے۔ پیکو نے کہا۔

"رات ہم اسی سرائے میں ٹھہریں گے۔"

میں بے حد پریشان ہو گیا۔ "سرائے میں کیوں...... کیا ہماری منزل ابھی دُور ہے؟"

"زیادہ دُور نہیں البتہ راستہ خراب ہے اور ہم اندھیرے میں سفر نہیں کر سکتے۔ پھر آپ دن بھر کے تھکے ماندے ہیں۔ رات آرام کرنے کے بعد سویرے تازہ دم چلیں گے۔ مالک کا حکم ہے کہ آپ کو سفر میں کوئی تکلیف نہ ہو۔"

پیکو نے غلط نہیں کہا تھا۔ میرا سارا دن سفر میں گزرا تھا۔ شیلانگ سے رونگیا تک لاری اور وہاں سے باٹی پارہ تک ریل کا سفر...... باٹی پارہ سے رُپا تک پھر لاری اور خچر کی سواری نے مجھے تھکا دیا تھا۔ پھر سردی بھی بڑھ گئی تھی اور اندھیرے کے ساتھ ساتھ پہاڑ کی ٹھنڈی ہوائیں بھی مزاج پوچھ رہی تھیں۔ میں نے یہ سوچ کر کہ سروپ جی سے صبح ہی ملنا مناسب ہوگا، پیکو سے اتفاق کر لیا۔ سرائے کے نیپالی مالک نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ جب ہم صحن سے گزر رہے تھے، پیکو نے اُس کے ساتھ نیپالی زبان میں باتیں شروع کر دیں جنہیں میں سمجھ ہی نہ سکا بس اندازہ تھا کہ وہ میرے ہی بارے میں بات چیت کر رہے ہیں۔ دالان سے گزر کر ہم ایک صاف ستھرے کمرے میں داخل ہوئے جہاں بستر بڑے سلیقے سے بچھا تھا۔ پیکو کہنے لگا۔

"یہ کمرہ آپ کے لئے ہے۔"

ساتھ والا کمرہ اُس نے سنبھال لیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ سرائے میں قیام کا انتظام بھی پہلے ہی سے کر لیا گیا تھا اور ہر کام ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی تو مجھے

یہ سفر پراسرار سا معلوم ہونے لگتا جیسے الف لیلہ کے ابوالحسن کی طرح میں بھی کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ سب سے عجیب بات تو یہ تھی کہ اپنی منزل کے متعلق میری ہر توقع غلط ثابت ہوئی تھی۔ کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مسافر کو اپنی منزل کا علم ہونا چاہئے مگر یہاں سفر تو تھا، منزل کی کوئی خبر نہ تھی۔ اور اگر پیکو کے بقول منزل قریب ہی تھی تو بھی میرے اور اُس کے درمیان ایک رات کا فاصلہ حائل ہو گیا تھا۔

ابھی ہاتھ منہ دھو کر فارغ ہوا تھا کہ ایک نوکر کھانا لے کر آ گیا۔ باہر تیز ہوا چلنے لگی تھی اور میں اپنے جسم میں کپکپی محسوس کر رہا تھا۔ کھانے کے بعد گرم گرم قہوے کی ایک پیالی پی کر بستر میں جا گھسا اور ایسا بے سدھ ہو کر سویا کہ صبح آنکھ کھلی۔

کھڑکی کھول کر دیکھا تو سورج طلوع ہو چکا تھا۔ بودھ سرائے میں زندگی کی ہلچل شروع ہو چکی تھی اور ملحقہ کمرے میں پیکو کسی کو ناشتے کے متعلق ہدایات دے رہا تھا۔ اُس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا وہ یہاں سے جلد از جلد روانہ ہو جانا چاہتا ہے۔ میں خود منزل پر پہنچنے اور سروپ جی سے ملنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ فوراً بستر سے نکلا۔ اُسی لمحے پیکو کمرے میں داخل ہوا اور کہنے لگا۔ ''آپ نہا دھو کر تیار ہو جائیں۔ میں نے پانی گرم کرا دیا ہے۔ ناشتہ بھی تیار ہے۔ بس ہم آدھے گھنٹے میں یہاں سے چلے جائیں گے۔''

سفر کی تھکاوٹ تو رات بھر گہری نیند سونے سے اُتر گئی تھی۔ پھر گرم پانی سے نہا کر بدن کھل گیا اور میں خود کو تازہ دم محسوس کرنے لگا۔ اندازے کے مطابق ہمیں رُپا سے کسی سمت چند میل سفر کرنا تھا اور چند میل چھ یا سات میل سے زیادہ نہ ہو سکتے تھے۔ پیکو نے ناشتہ کرتے ہی کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ باہر دو بھوٹانی سائیس خچر لئے تیار کھڑے تھے۔ اسی اثنا میں سرائے کا مالک کھانے کی ایک بڑی باسکٹ لے کر پہنچ گیا جس میں کم از کم چھ آدمیوں کا کھانا ہوگا۔ پیکو نے وہ بانس کی ٹوکری ایک سائیس کے حوالے کر دی۔ میں نے تعجب سے پوچھا۔

''پیکو! یہ کھانا کس لئے باندھ لیا؟''

''دوپہر کا کھانا ہے۔ سفر میں بھوک تو لگے گی۔ اور اس رستے میں کہیں کھانا نہیں ملتا۔''

یہ سن کر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا سفر چھ سات میل کا نہیں بلکہ کچھ طویل ہے۔ اور دوپہر بھی راستے میں کٹے گی۔ اب میرے دل میں منزل کا تجسس بڑھ گیا اور میں نے پوچھ ہی لیا۔ ''آخر ہمیں جانا کہاں ہے..... منزل کا کوئی نام و نشان بھی ہے یا نہیں؟''

''کیوں نہیں.....'' پیکو نے شمال کی جانب ہاتھ لہرا کر کہا۔ ''ان پہاڑوں کے پیچھے ایک سندر وادی ہے رتنا گری..... جہاں ساؤ خاندان کی قدیم حویلی ''ساؤ گاری'' صدیوں سے آباد ہے۔''

منزل کا نام واقعی سندر تھا۔ ذہن میں ایک حسین خاکہ اُبھرا مگر اصل سوال مسافت کا تھا۔

میں نے پوچھا۔ ''یہاں سے رتنا گری کا فاصلہ کتنا ہوگا؟''

''یہی کوئی تیس میل۔'' پیکو نے انکشاف کیا۔ ''اگر سفر کی رفتار تیز رہی تو ہم شام تک رتنا گری پہنچ جائیں گے۔''

میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ سروپ جی کے ہاں ملازمت بھی غیر متوقع طور پر ملی تھی اور یہ سفر بھی عجیب حالات میں شروع ہوا تھا۔ ہر پڑاؤ پر ایک نیا انکشاف میری حیرتوں میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ پہلے تو میں نے باٹی پارہ ہی کو اپنی منزل سمجھ لیا تھا۔ وہاں سے روانگی ہوئی تو سوچا وہ ''پہاڑی ویرانہ'' رُپا کے آس پاس ہوگا جہاں سروپ جی رہتے ہیں مگر اب وہ ''پہاڑی ویرانہ'' رتنا گری کی سندر وادی میں تبدیل ہو گیا تھا جو رُپا سے تیس میل شمال میں واقع تھی اور پہاڑی راستوں کے تیس میل میدانی علاقوں کے چالیس پینتالیس میل سے کم کیا ہوں گے۔ پھر سواری بھی خچر کی گویا پیدل ہی چلنا تھا......

میں نہیں جانتا تھا کہ رتنا گری کی وادی میں حالات کیسے ہوں گے اور مجھے وہاں کون سی خدمات انجام دینے کے لئے بلایا گیا ہے؟ لیکن سفر ناگزیر تھا اور شاید قسمت بھی فیصلہ کر چکی تھی کہ کچھ بھی ہو مجھے ہر حال میں آگے جانا ہے۔ میں نے اپنی قسمت کا فیصلہ قبول کیا۔ رکاب میں پاؤں رکھا، خچر پر سوار ہوا اور یہ سوچتا آگے بڑھا کہ دیکھوں تو سہی اس سفر کا انجام کیا ہوتا ہے۔

کل جب ہم رُپا میں داخل ہوئے تھے رات کا اندھیرا اُتر آیا تھا اور میں اُس اندھیرے میں اُس پہاڑی بستی کے خدوخال اچھی طرح نہ دیکھ سکا تھا۔ اُونچے پہاڑوں کے پُر ہول سناٹے اور تاریکی کی چادر میں لپٹی ہوئی اس اُداس اور خاموش بستی پر کسی عمر رسیدہ بڑھیا کا گمان گزرا تھا جو بڑھاپے کی چوکھٹ پر آخری دن کاٹ رہی ہو۔ لیکن آج دن کے اُجالے، مسکراتی کرنوں، گنگناتے جھرنوں اور اُونچے اُونچے درختوں کی ناچتی، جھومتی شاخوں کے درمیان یہی بستی پربتوں کی نئی نویلی دُلہن لگ رہی تھی۔ پتھر کی عمارتوں اور چوبی مکانوں کے درمیان راستوں کے نشیب و فراز زندگی کی پستی اور بلندی کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ بچے، بوڑھے، جوان سب خوش نظر آ رہے تھے۔ اُن کے چہروں پر سورج نے روشنی کا غازہ مل دیا تھا اور وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ رُپا واقعی ایک خوبصورت مقام تھا اور اُسے چھوڑتے ہوئے کچھ یوں لگا جیسے میں ایک ہنستی بستی دنیا کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ وہ بودھ سرائے جس میں ہم نے رات کاٹی، بستی کے آخری سرے پر واقع تھی اور یہیں سے ایک پُر پیچ راستہ شمالی پہاڑوں کی طرف نکلتا تھا۔ جس کی طرف پیکو نے ہاتھ اُٹھا کر اشارہ کیا تھا، خچر اُسی راستے پر ہانک دیئے گئے۔

رُپا کو پیچھے چھوڑ کر ہم شمال مغرب کی جانب بڑھتے رہے۔ وہی پہاڑوں کا پُر ہیبت سلسلہ تھا۔ اُن کی ڈھلانوں پر ربڑ کے جنگلات کی دلفریبی تھی، پیچ و خم کھاتی پہاڑی پگڈنڈیاں تھیں جو

ناگنوں کی طرح اِدھر سے نکلتیں اور اُدھر غائب ہو جاتیں۔ ان پگڈنڈیوں پر جنگلوں میں کام کرنے والی عورتوں اور مردوں کے ہیولے حرکت کرتے دکھائی دیتے تھے۔ یہاں زندگی کٹی پھٹی لہروں کی مانند چلتی پھرتی نظر آ رہی تھی۔ مگر چار پانچ میل کے بعد جنگلات چھٹنے لگے۔ ان کی بجائے ساگوان اور دوسرے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس سفر میں پہاڑی درختوں کے یہی جھنڈ دلچسپی کا واحد ذریعہ تھے۔ آٹھ دس میل کی مسافت اُنہی کے خوبصورت نظاروں میں طے ہو گئی۔ راستہ صاف تھا، رفتار بھی تیز تھی۔ وقت گزرنے اور سفر کٹنے کا احساس بھی نہ ہو سکا۔ لیکن آگے دنیا ہی بدلی ہوئی نظر آئی...... درختوں کے جھنڈ ختم ہو گئے اور اب ننگے پہاڑ سینہ تانے، سر اُٹھائے خاموش کھڑے تھے۔ راستہ تنگ اور دُشوار گزار ہوتا چلا گیا۔ مگر معلوم ہوتا تھا خچر بھی اس راستے پر چلنے کے عادی ہیں اور اُن کے مالک بھی۔ وہ بے خوف آگے بڑھتے رہے۔ یہ دنیا تو صرف میرے لیے نئی تھی۔

سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ ان پہاڑوں پر نہ تو کسی بستی کے آثار تھے نہ دُور دُور تک کوئی انسان ہی دکھائی دیتا۔ بس میں تھا، پیگو تھا، دو خچر تھے اور اُن کے مالک۔ اُوپر آسمان کی نیلگوں وسعتیں، نیچے ننگے پہاڑوں کا پُر ہول سناٹا جو خچروں کی ٹاپوں سے مجروح ہو رہا تھا۔ اِرد گرد دہشت تھی، ویرانی تھی اور سفر خاموشی سے جاری تھا۔ ہم رُوحوں کی مانند چپ چاپ کسی نئی دنیا کی طرف بڑھ رہے تھے اور اس ماحول میں یہ احساس بار بار میرے ذہن کو ڈس رہا تھا کہ میں مہذب دنیا سے بتدریج دُور اور دُور ہوتا جا رہا ہوں۔

پندرہ سولہ میل چلنے کے بعد دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے ہم ایک ندی کنارے رُک گئے۔ یہ ندی دُور کہیں برفانی چوٹیوں کے سینے سے نکلتی اور پہاڑوں کے دامن میں بہتی مشرق کی طرف چلی گئی تھی۔ اُس کے کناروں پر کہیں کہیں روئیدگی بھی تھی۔ اور لمبی لمبی شاخوں والے چھتری دار درخت بھی۔ پانی میٹھا اور سرد تھا۔ کھانے کے بعد ایک درخت کے نیچے چند لمحے آرام بھی کیا۔ سفر میں کہیں نہ کہیں وقفہ تو ضرور ہوتا ہے۔ یہ وقفہ اسکولوں، دفتروں، کارخانوں، کھیتوں اور کھلیانوں میں ہر جگہ ضروری ہے جسے ہم ''زندگی کا انٹرول'' کہتے ہیں۔ ہمارے آج کے سفر کا انٹرول پہاڑی ندی پر ہوا تھا۔ پیگو نے کہا۔

''یہ ندی رُپا اور رتنا گری کے بالکل درمیان واقع ہے۔ آدھا راستہ اِدھر آدھا اُدھر...... بیچ میں یہ پانی کی لکیر ہے جو اس سفر کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ رُپا سے چلیں یا رتنا گری سے، یہاں پڑاؤ ضرور ہوتا ہے۔''

میرا اپنا ذہن آدھا اِدھر، آدھا اُدھر ہو کے رہ گیا تھا۔ پیچھے کی فکر بھی تھی، آگے کا خیال بھی۔ اور میں خود تقدیر کے نصف راستے پر بیٹھا سوچ رہا تھا آخر سروپ ساؤ جی مہذب دنیا سے اتنی

دُور ایک پہاڑی ویرانے میں کیوں رہتے ہیں؟ اور اُنہوں نے مجھے کس مقصد کے لئے اپنا سیکرٹری مقرر کیا ہے؟ آدمی کا ذہن پریشان ہو تو شمشان کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور خیالات اس شمشان کے بھوت پریت بن جاتے ہیں۔ شیلانگ میں تو دو سو روپے کی نوکری جسے میں لاٹری سمجھ بیٹھا تھا، ابوالحسن کے خواب کی طرح سوتے جاگتے کا قصہ معلوم ہوئی تھی مگر فرق یہ تھا کہ ابوالحسن اپنے جھونپڑے میں سوتا تھا اور رات کو آنکھ زبیدہ محل میں خوش لباس کنیزوں کے درمیان کھلتی تھی۔ میری آنکھ ان چٹیل، ننگے پہاڑوں پر کھلی تھی اور اب یہی نوکری ایک بھاری جواء معلوم ہونے لگی تھی۔

اس سارے سفر کے دوران میں نے پیگو کو بے حد ہوشیار اور چاق و چوبند پایا۔ وہ ایک خاموش طبع مگر خوش اخلاق خدمت گزار بھی تھا اور ایک چالاک رہبر بھی جو مسافر کو منزل کا پتہ نشان بتائے بغیر اپنے ساتھ لگائے رکھنے کا گر جانتا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو باتی پارہ ہی میں سفر کے اُن مرحلوں سے آگاہ کر سکتا تھا جن سے مجھے گزرنا تھا۔ مگر اُس نے مصلحتاً خاموشی مناسب سمجھی۔ مسلسل سفر میں منزل کی دُوری کا احساس نہ ہونے دیا اور مجھے ان اُونچے اُجاڑ پربتوں تک لے آیا تھا جہاں زندگی خود ایک بھاری چٹان معلوم ہونے لگی تھی۔ سروپ جی نے پیگو کو میری رہبری کے لئے اسی لئے مقرر کیا تھا کہ وہ گھڑی کی سوئیوں کی طرح ٹھیک رفتار سے چلنے والا آدمی تھا جو گرد و پیش سے بے نیاز صرف اپنے مقصد اور سفر کا خیال رکھتا تھا۔ پہاڑی ندی پر بھی جہاں سفر کا وقفہ محض اس لئے ہوا تھا کہ مزید چلنے کے لئے جسموں کی توانائی بحال کر لی جائے وہ وقت اور فرض سے غافل نہیں تھا۔ اُس نے وقفے کو طول نہیں دیا اور پہاڑوں کے سائے ڈھلتے دیکھ کر فوراً سفر پر تیار ہو گیا۔ دونوں سائیس شاید اُس کے اشارے ہی کے منتظر تھے۔ جھٹ پٹ خچر لے کر آ گئے۔ ہم نے سامان لپیٹا، پڑاؤ اُٹھایا، خچروں پر سوار ہوئے اور پراسرار سفر شروع ہو گیا۔

اب ہم ہمالیہ کے اُن سر بفلک پہاڑوں کی جانب بڑھ رہے تھے جن کا رفیع و عظیم سلسلہ تبت سے جا ملتا ہے اور جن کی بلندیاں آسمان کے سینے میں کھب رہی تھیں۔ راستہ پہلے سے کہیں زیادہ دُشوار گزار ہو گیا تھا۔ خنکی بھی بڑھ گئی تھی۔ میں نے وہ کوٹ پہن لیا جو شیلانگ سے لے کر چلا تھا۔ شمال کی طرف اُونچے پہاڑوں پر برف چمک رہی تھی۔ بعض چوٹیاں تو برف کے سفید کلس سجائے ہمارے سروں پر کھڑی تھیں جو چودہ چودہ، پندرہ پندرہ ہزار فٹ اُونچی تھیں۔ اُن کے درمیان پھیلی ہوئی گھاٹیوں میں آوارہ ہوائیں خانہ بدوش لڑکیوں کی طرح گویا جھانجھ بجاتی رقص کر رہی تھیں۔ مگر جب پُر شور ہواؤں کا کوئی قافلہ چکر کھاتا پہاڑی دروں سے گزرتا تو یوں لگتا جیسے اُجاڑ پربتوں اور کوہستانی ویرانوں کی رُوحیں چلا رہی ہوں۔

کہیں اُونچی چٹانوں کا بے ترتیب سلسلہ تھا، کہیں ڈھلانوں پر درختوں کی ٹکڑیاں تھیں، کہیں

تنگ گہری کھائیاں۔ اور ہم سورج کی فرار ہوتی روشنی میں اُن کے حاشیوں پر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ اگر اس تنگ لکیر کو جو کبھی چٹانوں کے دامن اور کبھی گھاٹیوں کے سینے سے گزرتی تھی "راستہ" کہا جا سکتا ہے تو یہ راستہ مداری کا وہ رسہ تھا جس پر چلتے ہوئے ہر لمحہ جان کا خطرہ درپیش رہتا ہے۔ مجھے ایسے راستے پر سفر کرنے کا تجربہ نہیں تھا پھر میں زندگی کی اس خطرناک لکیر کو عبور کرتے ہوئے ڈرتا تھا اس لئے خچر کی سواری چھوڑ کر پیدل چلنے لگا۔ پتلی سی پہاڑی پگ ڈنڈی سے جب نگاہ نیچے جاتی تو سینکڑوں فٹ گہرے کھڈ اور کھائیاں ٹوٹی پھوٹی قبروں کا منظر پیش کرتی تھیں۔ مجھے دیکھ کر پیکو بھی خچر سے اُتر آیا اور آگے آگے چلنے لگا۔ ہم موت کی اُسی لکیر پر تھے کہ سورج مغربی پربتوں کے پیچھے روپوش ہو گیا اور چاروں طرف شام کے ملگجے سائے لہرا گئے۔ انہی سایوں میں ہم موت کی ٹیڑھی میڑھی لکیر سے گزر کر ایک چٹیل گھاٹی میں داخل ہوئے۔ آگے راستہ ہموار تھا اس لئے پھر خچروں پر سوار ہو گئے۔ خچر تھک گئے تھے مگر پیکو اُن کی رفتار بڑھانے پر اصرار کر رہا تھا۔ اُس نے بھوٹانی سائیسوں سے کہا۔

"اندھیرا بڑھ جانے سے پہلے ہمیں پُل سے گزر جانا چاہئے۔"

"اچھا...... تو ابھی کوئی پُل بھی عبور کرنا ہے؟" میں سوچنے لگا۔ پیکو نے تو کہا تھا ہم شام تک رتناگری کی وادی میں پہنچ جائیں گے۔ مگر شام ہولے ہولے رات کا کالا کفن اوڑھ رہی تھی اور سفر جاری تھا اور منزل ابھی تک نظروں سے اوجھل تھی۔ شاید پیکو نے میرے ذہن میں اُبھرنے والے خیال کی آہٹ سن لی تھی۔ اندھیرے میں پلٹ کر بولا۔ "پُل پار کر لینے کے بعد ہم رتناگری کے قریب پہنچ جائیں گے۔ آگے صرف تین میل کا راستہ ہے۔"

میرے نزدیک اب تین اور تین سو میل میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ذہن تو "پُل" کے لفظ پر رُک گیا تھا اور میں سوچنے لگا شاید راستے میں کوئی خطرناک پہاڑی نالہ پڑتا ہو گا جسے عبور کرنے کے لئے پُل تعمیر کیا گیا ہو گا مگر پون میل کا راستہ طے کرنے کے بعد جب خچر ایک جگہ روک دیئے گئے تو مجھے پہاڑی نالہ تو کہیں نظر نہ آیا البتہ اندھیرے میں ایک پُل ضرور دکھائی دے رہا تھا اور یہ دیکھ کر میں دم بخود رہ گیا کہ ہم جس گھاٹی پر کھڑے تھے اُسے پچیس تیس فٹ چوڑی اور حدِ نظر تک پھیلی ہوئی دراڑ نے جو سینکڑوں فٹ گہری تھی، دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اُس دراڑ پر درختوں کے لمبے لمبے تنے رکھ کر اُوپر لکڑی کے موٹے تختے جوڑ دیئے گئے تھے۔ اس طرح موت کی اُس گہری اور لمبی سرنگ پر ایک چوبی پُل بنایا گیا تھا جس کی چوڑائی چار فٹ سے زیادہ نہ تھی۔ رات کے اندھیرے میں جو ہولے ہولے گہرا ہوتا جا رہا تھا یہ "موت کا پُل" میرے ذہن پر مکڑی کے جالے کی طرح جھولنے لگا کیونکہ اس چار فٹ چوڑی چوبی پٹڑی پر کوئی جنگلہ، کوئی سہارا نہیں تھا۔ دونوں سمتیں کھلی تھیں۔ اگر اس چوبی پٹڑی پر چلتے چلتے کوئی جانور

بدک یا پھسل جائے تو یہی سینکڑوں فٹ گہری اور تاریک دراڑ اُس کی "آخری آرام گاہ" تھی جہاں گر کر اُس کی ہڈیوں کا بھی سرمہ بن جاتا۔

تو یہ تھا وہ پُل جس کے پار رتناگری کی وادی تھی۔ ہم خچروں سے اُتر آئے۔ اندھیرا تو ہو چکا تھا۔ اس اندھیرے میں مجھے پیکو کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھی سے مخاطب تھا۔ "پُل ذرا احتیاط سے پار کرنا ہو گا۔ آپ میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں۔" یہ کہہ کر وہ آگے ہو لیا اور میں اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ دونوں سائیس اپنے اپنے خچر کی باگ سنبھالے میرے عقب میں تھے۔ پیکو تو بے دھڑک دوسرے کنارے پر پہنچ گیا لیکن میرے پاؤں یوں بوجھل ہو رہے تھے جیسے کسی نے بیڑیاں ڈال دی ہوں اور اُن کا بھاری لوہا چلنے نہ دے۔ دراصل یہ میرے احساس کی بیڑیاں تھیں جو اس گہری اور طویل دراڑ کو دیکھ کر پیدا ہوا۔ غیر محفوظ پُل خوف کی زنجیر بن کر میرے قدموں سے اُلجھ رہا تھا۔ چلتے ہوئے سوچنے لگا اگر اندھیرے میں پاؤں غلط پڑ گیا، قدم ڈگمگا گئے یا کوئی چوبی تختہ ہی ٹوٹ گیا تو سیدھا پاتال میں گروں گا اور موت کی اُس گہری کھائی میں گرنے سے پہلے ہی رُوح میرے جسم کو چھوڑ چکی ہو گی۔ آخر جسم کو سینکڑوں فٹ کی گہرائی تک پہنچتے پہنچتے دو اڑھائی منٹ تو لگ ہی جائیں گے جبکہ رُوح کا پنچھی صرف دو اڑھائی سیکنڈ میں جسم کا پنجرہ خالی کر جاتا ہے۔ بس اس خیال ہی سے ایک چکر سا آیا، بدن کانپا، ساتھ ہی قدم ڈگمگا گئے مگر ٹھیک اُسی لمحے پیکو نے لپک کر مجھے سہارا دیا اور ہاتھ پکڑ کر دوسرے کنارے پر لے آیا۔ یہ سب کچھ چند لمحوں میں ہو گیا۔ اگر پیکو مجھے پکڑ نہ لیتا تو شاید میں پل سے لڑھک گیا ہوتا اور آج یہ عجیب و غریب کہانی معرضِ تحریر میں نہ آتی۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر جب میرے حواس درست ہوئے تو میں خود حیران تھا کہ گھر سے نکل کر موت کے راستے پر کہاں بھٹک رہا ہوں؟ دونوں سائیس اپنے اپنے خچر سمیت پُل پار کر آئے تو پیکو مجھ سے مخاطب ہوا۔

"کیشپ بابو......! اب آپ بے فکر خچر پر سوار ہو جائیں۔ اندھیرا بے شک بڑھ گیا ہے پھر بھی جانور اپنا راستہ پہچانتے ہیں۔"

سائیس نے سہارا دے کر مجھے خچر پر سوار ہونے میں مدد دی اور پھر ہم آگے بڑھے۔ بے ڈول کھردری چٹانوں اور اُونچی نیچی پہاڑیوں سے گھری ہوئی یہ وسیع و عریض گھاٹی جسے خطرناک دراڑ نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، اُس نئے پہاڑی سلسلے پر ختم ہوتی تھی جو پورب سے پچھم کے رُخ پھیلا تھا۔ یہ نیا سلسلہ پُل سے قریباً ایک میل آگے شروع ہوا۔ رات کے اندھیرے میں پہاڑ کالے عفریتوں کی طرح سر اُٹھائے کھڑے تھے اور میں سوچ رہا تھا اس تاریکی میں اُن کے ٹیڑھے میڑھے حاشیوں پر چلنا جان جوکھوں سے کم نہ ہو گا۔ مگر یہ اندیشہ غلط ثابت ہوا۔ ہم پہاڑوں کے درمیان ایک درّے سے گزرنے لگے۔ دونوں طرف جھاڑیوں اور

چھتری دار بازوؤں کو پھیلائے درختوں کے سیاہ جھنڈ بھی نظر آئے۔ جب ہوا اُن کی شاخوں سے گزرتی پہاڑی جنگلوں کی مخصوص ''شوکار'' سنائی دیتی مگر میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ ہوا کی یہ آہیں اور کراہیں پہاڑوں کے سینے سے نکل رہی ہیں یا میرے کلیجے سے؟

درّہ نصف میل سے زیادہ طویل نہیں تھا۔ اُس کا گھماؤ کاٹ کر جب ہم باہر نکلے تو سامنے ایک وسیع اور ناہموار ڈھلان دُور تک ایک گہری وادی کے پیٹ میں اُترتی چلی گئی تھی اور جہاں ڈھلان ختم ہوتی تھی وہاں کچھ روشنیاں سی ٹمٹماتی نظر آ رہی تھیں جیسے تاریک فضا میں جگنو ٹانک دیئے ہوں۔ وہ روشنیاں کسی بستی کا پتہ دے رہی تھیں اور رُپا چھوڑنے کے بعد ان پہاڑی ویرانوں میں پہلی بار کسی آبادی کے آثار دکھائی دیئے تھے۔ پیگو نے اپنا خچر درّے کے دہانے پر روک لیا، پھر دور ٹمٹماتی روشنیوں کی طرف ہاتھ لہرا کر بولا۔

''وہ ہے سامنے رتناگری۔''

روشنیوں کی اُس لکیر تک جو ڈھلان کے حاشیے پر تھرتھرا رہی تھی، فاصلہ ڈیڑھ میل کے لگ بھگ ہوگا۔ ہمارے پیچھے پہاڑی درّے میں جسے ہم نے عبور کر لیا تھا، تند آوارہ ہوائیں زخمی پرندوں کی مانند پھڑپھڑا رہی تھیں اور سامنے رتناگری کی وادی تھی۔ ہم آہستہ آہستہ نشیب میں اُترنے لگے۔ راستہ کہیں سیدھا، کہیں ٹیڑھا، کہیں ہموار اور کہیں ناہموار تھا مگر خچر با آسانی چلتے رہے۔ وہ بستی جس کے آثار سامنے تھے فی الواقع ایک دُور افتادہ پہاڑی ویرانے میں واقع تھی جس کے اِردگرد اُونچے پربتوں کے سیاہ حصار کھڑے تھے۔ سروپ ساؤجی نے پہلی ہی ملاقات میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ ایک پہاڑی ویرانے میں رہتے ہیں۔ مگر میں یہی سمجھا تھا کہ اُن کا قیام شہر سے دُور کسی ایسے پہاڑی مقام پر ہوگا جہاں آمد و رفت میں کوئی دُشواری نہ ہوگی۔ بعض لوگ طبعاً شہری ہنگاموں سے دُور بھاگتے اور آبادی سے ہٹ کر رہنا پسند کرتے ہیں، سو سروپ جی بھی کسی ایسی ہی جگہ رہتے ہوں گے جو شہر سے چند میل کے فاصلے پر ہوگی لیکن یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُن کی رہائش مہذب دنیا سے اتنی دُور ہمالیہ کے اُونچے پہاڑوں کے درمیان ایک ایسی بستی میں ہوگی جہاں شاید بوقت ضرورت کوئی طبّی امداد بھی نہ مل سکے۔ آخر وہ ایسے ویرانے میں کیوں رہتے ہیں جہاں نہ تار برقی کا سلسلہ ہے نہ ڈاک وغیرہ کی آمد و رفت کا کوئی انتظام۔ حتیٰ کہ اگر آدمی مر جائے تو بقول مرزا غالب کوئی نوحہ گر بھی نہ ملے۔ میرا ذہن اسرار کے انہی اندھیروں میں بھٹک رہا تھا۔

دُور لرزتی، کانپتی روشنیوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ رتناگری ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں پچاس ساٹھ مکان ہوں گے۔ اُن مکانوں میں مختصر آبادی ہوگی جس کی ضرورتیں اسی پہاڑی ویرانے تک محدود ہوں گی اور بستی کے لوگ پانچوں اُنگلیوں کی طرح مل جل کر رہتے ہوں

گے۔ مگر جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے میرے تصور کا نقشہ بھی بدلتا چلا گیا۔ وادی میں اُترتے ہی ایک وحشت ناک سناٹے میں میری کانچ کی سی خوش فہمیاں چکنا چور ہو گئیں۔ تصور کا وہ آخری سہارا بھی، جسے میرے ذہن نے ایک بستی کی شکل دے دی تھی، ایک جھٹکے سے ٹوٹ کے رہ گیا کیونکہ یہاں کسی بستی کا نام و نشان نہ تھا۔ دُور نزدیک کہیں مکانات تھے نہ کھیت اور نہ کسی آبادی کا پتہ چلتا تھا۔ اُونچے اور کالے کالے پربتوں سے گھرے ہوئے اس وسیع و عریض ویرانے میں جہاں مرگھٹوں کی سی اجل گرفتہ، منحوس خاموشیاں طاری تھیں، بس سنگ و چوب کی ایک قلعہ نما عمارت جس کا نام ''ساؤگاری'' تھا، یکّا و تنہا کھڑی تھی اور اُس کے اُونچے برنجی پھاٹک پر کچھ آدمی غولِ بیابانی کی طرح مشعلیں اُٹھائے چپ چاپ شاید ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر میرا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ماحول کی وحشت دل و دماغ کو ڈسنے لگی اور اس ویرانے میں ''ساؤگاری'' کسی جادوگر کی طلسمی عمارت معلوم ہونے لگی۔ بھاری جبوں میں ملبوس وہ مشعل بردار، جن کی تعداد سات تھی، بالکل بھوتوں کی مانند بے حس و حرکت کھڑے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق نظر آئے۔ اُن کے وجود پر مجھے اُن سات خبیث دیوتاؤں کا شبہ ہوا جو ہندو شاستروں کے بقول ویرانوں میں رہتے اور کبھی کبھی چمگادڑوں کا رُوپ دھار کر سیاہ راتوں میں شکار کے لئے پرواز کرتے ہیں۔

اس اثناء میں ہمارا مختصر قافلہ پھاٹک پر پہنچ گیا مگر اُن ساتوں میں کوئی اپنی جگہ سے ہلا نہ آگے بڑھا۔ اگر وہ ہمارا استقبال ہی کرنے کے لئے نہ جانے کب سے کھڑے تھے تو استقبال کا یہ طریقہ بھی بڑا عجیب و غریب تھا۔ پھاٹک کے قریب دونوں خچر رُک گئے۔ پیگو اور میں نیچے اُترے اور جونہی میرے پاؤں زمین پر پڑے، وہ ساتوں بھوت ایک ایک قدم آگے بڑھے اور اپنی گردن جھکا کر بڑے میکانکی انداز میں میرا رسمی سواگت کرنے لگے لیکن اُن کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔

پیگو نے اُن پر کوئی توجہ نہیں دی جیسے وہ مٹی کے مادھو یا پھر تاش کی دُکیاں تکیاں ہوں۔ لیکن اپنے ایک سے لباس اور ایک سی حرکات و سکنات کی وجہ سے وہ ساتوں مجھے عجیب سے لگے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے مشعلوں کی کانپتی، تھرتھراتی روشنیوں میں وہ سب کسی عامل کے معمول دکھائی دیتے، جادو کے پتلے معلوم ہوئے جن کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں تھی لیکن رتناگری کی اس ویران وادی میں اُن کا عامل، اُن کا جادوگر کون تھا؟

پیگو کے اشارے پر دونوں سائیس خچروں کی لگامیں تھامے آگے بڑھے تو ساتوں بھوتوں نے کائی کی طرح چھٹ کر انہیں راستہ دیا اور سائیس آگے پیچھے برنجی پھاٹک میں داخل ہو گئے۔

جانوروں کے گزرنے کے بعد پیکو نے مجھے اشارہ کیا، پھر میرا اٹیچی کیس اُٹھا کر خود بھی میرے ساتھ ساتھ ہولیا۔ مشعل بردار بھوتوں میں سے کسی نے زبان تک نہ ہلائی۔ جب میں پیکو کے ساتھ پھاٹک کی طرف بڑھا تو وہ ساتوں چپ چاپ ہمارے پیچھے چلنے لگے۔ برنجی پھاٹک ایک ڈیوڑھی میں کھلتا تھا جس کی پتھریلی دیواروں پر قدیم بودھ طرز کے نقش و نگار کھدے ہوئے تھے لیکن ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی جس چیز نے مجھے متاثر کیا وہ سامنے کی دیوار میں پرانا ساگوانی دروازہ اور اُس کی چوکھٹ کے اُوپر ایک محراب نما طاقچے میں بھگوان بدھ کی مرمریں مورتی تھی جو آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ سات مشعلوں کی روشنی میں سنگ مرمر کی وہ مورتی کسی زندہ آدمی کی مانند ہمیں گھور رہی تھی جس کی آنکھوں میں پتلیوں کی جگہ سبز رنگ کے انتہائی چمکیلے اور بیش قیمت زمرد جڑے ہوئے تھے۔

اُس مورتی میں ایک انجانی کشش تھی۔ اُس کی گھورتی ہوئی پتلیوں میں ایک چمکتا دمکتا سوال تھا۔ مرمر کے اُن ہونٹوں پر ایک خاموش آواز تھی......

''تھارو کیشپ! تو یہاں کیا لینے آیا ہے؟ دو سو روپے ماہوار تیرے لئے یقیناً ایک بڑی رقم ہے مگر تو نہیں جانتا ویرانوں میں لوگ کمانے نہیں نروان حاصل کرنے آتے ہیں۔''

میں حیران سا، کھویا کھویا سا بھگوان کی مورتی کو تکے جا رہا تھا۔ مورتی کی زمردیں آنکھوں اور مرمریں ہونٹوں نے مجھ سے جو سوال کیا وہ دراصل میرے ہی پریشان خیالات کی ''آواز'' تھی اور مجھے اپنے ہی سوال کا جواب دینا تھا مگر میرے پاس کوئی جواب نہ تھا اگر تھا تو اُسے زبان تک لانے کی ہمت نہ تھی۔ بس قسمت کی لکیر، حالات کی مجبوری اور زمانے کی گردش مجھے یہاں کھینچ لائی تھی۔ بھگوان بدھ کی وہ مورتی جو میرے سامنے مجسم سوال بن گئی تھی بے شک اعلیٰ مرمر کی تھی۔ آنکھوں میں دنیا کے بہترین پنے جڑ دیئے گئے تھے لیکن زمرد اور مرمر بھی تو پتھر ہیں اور پتھر کے سامنے ایک زندہ انسان اپنے دُکھوں کی کتاب کیوں کھولے؟ زندگی کی مجبوریاں تو ہر آدمی کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔ گوتم بدھ جب زندہ تھے انسانی دُکھوں اور مجبوریوں کے یہ افسانے اُن کے جیون کی کتاب میں بھی تحریر ہوئے تھے۔ پھر میں نے من ہی من میں مورتی سے باتیں کیں۔

''بھگوان......! آپ اپنی جوان اور سندر گوپا کو کپل وستو کے راج محل میں چھوڑ کر گیا کے جنگلوں میں نکل گئے تھے۔ میں اپنی بوڑھی چاچی کو پوربی بنگال کے شہر رنگامتی میں چھوڑ کر اس ویرانے میں آ گیا ہوں۔ فرق صرف یہ ہے آپ نے مُکتی اور نروان کے لئے راج محل چھوڑا، میں نے اچھی نوکری اور اچھی زندگی کے لئے اپنا گھر تیاگ دیا۔ آدمی کو دنیا میں صرف جینے کے لئے بھی گھر چھوڑنا پڑتا ہے۔''

ساتوں مشعل بردار بھوت میرے عقب میں کھڑے تھے۔ مشعلوں کی زرد شعاعیں بھگوان بدھ کی مورتی پر کانپ رہی تھیں جس کی آنکھیں جیسے مجھ پر ہنسنے لگی تھیں۔ اس خاموشی میں اچانک میں نے اپنے پیچھے ''ساوَ گاری'' کا برنجی پھاٹک بند ہونے کی آواز سنی۔ پلٹ کر دیکھا تو سات مشعل بردار انسانی بھوتوں کے درمیان آٹھواں آدمی جو غالباً چوکیدار تھا، بھاری کواڑ بند کر کے لوہے کی زنجیر چڑھا رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھ پر مہذب دنیا کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

ڈیوڑھی کے ساگوانی دروازے سے گزر کر میں سرخ پتھروں کی ایک غلام گردش میں داخل ہوا اور اُسے پار کر کے ''ساوَ گاری'' کے وسیع و عریض صحن یا پارک میں پہنچ گیا جس پر کسی اُجڑے ہوئے کھیت کا گمان ہوتا تھا۔

پیکو میری رہنمائی کر رہا تھا۔ ساتوں مشعل بردار چپ چاپ ہمارے پیچھے پیچھے تھے اور ہم صحن کی درمیانی روش پر آگے بڑھ رہے تھے۔ مشعلوں کی لرزتی ہوئی روشنی میں ہمارے طویل بے ہنگم سائے آگے آگے بھاگے جاتے تھے۔ لیکن ذرا ٹھہریئے! بہتر یہ ہو گا پہلے میں ''ساوَ گاری'' کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کرتا چلوں تاکہ اس کہانی کو پڑھنے والے اس کی وسعت اور ساخت کا اندازہ کر سکیں۔ ویسے بھی آدمی کو چاہیئے وہ جس عمارت کے اندر جائے اُس کا حدود اربعہ اچھی طرح ذہن نشین کر لے کیونکہ داخل ہونے کا دروازہ تو ہر گھر اور ہر عمارت میں ہوتا ہے، دیکھنا یہ چاہیئے کہ وہاں سے باہر نکلنے کا بھی کوئی دروازہ ہے یا نہیں۔

''ساوَ گاری'' کی عمارت کم و بیش آٹھ ایکڑ رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں زمین اور اُس کی ملکیت کا جھگڑا تو تھا نہیں۔ یہ عمارت رتناگری کی پوری وادی میں بھی تعمیر ہو سکتی تھی جو کئی میل کے طول و عرض میں پھیلی اور پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی مگر ''ساوَ گاری'' تعمیر کرنے والے کاریگروں نے اس وادی کا وہی قطعہ پسند کیا تھا جو عام سطح سے نسبتاً اُونچا تھا۔ یہ احتیاط اس لئے مدنظر رکھی گئی تھی کہ بارش کا پانی نشیب کی طرف بہتا رہے اور عمارت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ پرانے زمانے میں قلعے تعمیر کرنے والے عمارت کی کرسی اُونچی رکھتے تھے۔ ''ساوَ گاری'' کی کرسی بھی اُونچی تھی۔ آٹھ ایکڑ رقبے کے اس قطعے پر چاروں طرف پتھروں کی پندرہ سولہ فٹ بلند اور مضبوط فصیل تھی مگر یہ عجیب بات تھی کہ اتنی وسیع اور قلعہ نما عمارت میں داخلے کا صرف ایک دروازہ تھا اور میں اُسی دروازے سے ''ساوَ گاری'' میں داخل ہوا تھا۔ یہ دروازہ جنوب کی سمت تھا۔ جبکہ دو منزلہ رہائشی مکانات کا سلسلہ جو ایک چھوٹے سے محلے کا نقشہ پیش کرتا تھا، شمال کی طرف واقع اور کم از کم دو ایکڑ پر مشتمل تھا۔

جیسا میں نے بتایا ہے ''ساوَ گاری'' ایک قلعہ نما عمارت تھی۔ شمال کی جانب دو منزلہ [illegible]ات اور باقی تین اطراف فصیل کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے کمروں کی قطار جیسے عام

طور پر قلعوں میں سپاہیوں کی بارکیں ہوتی ہیں۔ ان کمروں کے سامنے ہر جانب طویل غلام گردشیں تھیں۔ دراصل یہ غلام گردشیں پوری عمارت کے چاروں طرف ایک گوٹ سی بناتی اور دومنزلہ رہائشی حصے کے سامنے سے بھی گزرتی تھیں۔ اُن کا سلسلہ جنوبی دروازے کی ڈیوڑھی سے شروع ہوتا اور ''ساؤ گاری'' کے چاروں اطراف ایک خوبصورت حاشیہ بناتا تھا۔ اگر آدمی ڈیوڑھی سے نکل کر ایک جانب سے غلام گردش میں چلتا تو پوری عمارت کے حاشیے پر گھومتا ہوا پھر وہیں آجاتا جہاں سے چلا تھا۔

عمارت کا صحن یا میدان یا پارک کم از کم چار ایکڑ پر پھیلا ہوا تھا اور اسی سے اُس کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ یہاں پھولوں کے پودے تھے، بے ترتیب کیاریاں تھیں، چھوٹے چھوٹے کھیت تھے جن میں سبزیاں کاشت کی جاتی تھیں اور اُن کی منڈیروں پر جنگلی پھولوں کی جھاڑیاں تھیں۔ کہیں کہیں کبڑے درخت تھے اور اُن کے درمیان ایک دوسرے کو قطع کرتی ہوئی روشیں یا پگڈنڈیاں تھیں مگر بڑی روش شمالاً جنوباً واقع تھی جو صحن کو دو حصوں میں تقسیم کرتی۔ جنوبی دروازے کی ڈیوڑھی سیدھی رہائشی حصے کی طرف چلی گئی تھی اور میں پیکو کے ہمراہ اُسی روش پر چل رہا تھا۔

ہمارے عقب میں سات آدمی بھوتوں کی طرح بے آواز چل رہے تھے۔ میں حیران تھا اُن کے قدموں کی چاپ کیوں سنائی نہیں دیتی؟ اچانک پلٹ کر دیکھا تو ساتوں ننگے پاؤں نظر آئے۔ اتنے بلند پہاڑی مقام پر جہاں سردی سے آدمی کے دانت بجنے لگتے تھے اور بدن کانپ کانپ جاتا تھا، اُن کا ننگے پاؤں پھرنا یقیناً ایک اچنبھا تھا۔ شاید وہ اس دنیا کے آدمی نہیں تھے اور ان پر گرمی سردی کا اثر نہ ہوتا تھا۔ اس روش پر جو کسی بیوہ کی مانگ کی طرح اُجڑی اُجڑی سی لگ رہی تھی، چلتے چلتے میرے سینے میں کتنے ہی غم جاگ اُٹھے۔ ذہن میں کتنے ہی وسوسے رینگنے لگے۔

''ساؤ گاری'' بودھ طرزِ تعمیر کی قدیم عمارت تھی۔ اُس کی عمر رسیدہ ڈیوڑھی، بوڑھی دیواریں اور ماضی کے زخموں سے چور پرانی غلام گردشیں ان گنت موسموں اور وقت کی بے شمار گردشوں سے گزری تھیں اور اندھیری رات میں مہذب دنیا سے کوسوں دُور ایک پہاڑی ویرانے میں یہ یکا و تنہا عمارت اُن روحوں کا مسکن معلوم ہوتی تھی جو مکتی اور نجات کے لئے بے چین رہتی ہیں۔

چاروں طرف پہاڑوں کا ہیبت ناک سناٹا مسلط تھا جسے کبھی کبھار زخمی ہواؤں کی کربناک سسکار مجروح کردیتی۔ مشعلوں کی تھرتھراتی روشنی میں ہم خاموشی سے روشنی کے اُس نقطے کی طرف بڑھتے رہے جو رہائشی حصے کے وسط میں نظر آرہا تھا۔ قریباً ڈیڑھ فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم دومنزلہ عمارتوں کے قریب پہنچ گئے جن کے سامنے سے گزرتی ہوئی غلام

ردش میں سروپ ساؤ جی گرم گاؤن پہنے کھڑے تھے اور پاس ہی بھورے رنگ کے لباس میں یک لڑکا جس کا قد تین فٹ سے زیادہ نہیں تھا لالٹین اُٹھائے کھڑا تھا۔ دُور سے یہی لالٹین روشنی کا نقطہ'' بن کر نظر آرہی تھی۔ جونہی میں غلام گردش کے قریب پہنچا، سروپ جی جلدی سے آگے بڑھے اور بڑی گرم جوشی سے اپنا سرد ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر بولے۔

''تھارو کیشپ! میں اس ویرانے میں تمہارا سواگت کرتا ہوں۔''

اُن کے الفاظ میں ایک عجیب سی بات تھی جسے میں کوئی معنی نہ پہنا سکا۔ اگرچہ طویل اور غیر یقینی سفر نے مجھے پریشان کردیا تھا پھر بھی اُن کا دل رکھنے کے لئے کہہ دیا۔

''میں وعدے کے مطابق حاضر ہوگیا ہوں۔''

سروپ جی میرا ہاتھ تھامے ایک دو لمحے غلام گردش میں کھڑے رہے، پھر اُنہوں نے بتایا۔

''ہر آدمی کی کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ یہ پہاڑی ویرانہ میری کمزوری ہے۔ تمہیں بلایا تو یہاں میں نے ہے مگر خواہش کسی اور کی ہے۔''

یہ ایک نئی بات تھی جس نے مجھے حیران کردیا۔

''میں تو کسی اور کو نہیں جانتا۔'' شاید میری آواز میں گھبراہٹ تھی۔ کیونکہ ''کسی اور'' کا شاف اچانک ہوا تھا۔ ''کون ہے وہ؟''

''ایک دن خود بخود جان لوگے۔'' یہ کہہ کر وہ پیکو سے مخاطب ہوئے جو میرے پیچھے کھڑا ۔ ''پیکو......! کیشپ جی کا سامان ان کے کمرے میں پہنچادو۔''

پیکو میرا اٹیچی کیس اُٹھائے اُس ڈیوڑھی میں داخل ہوگیا جو رہائشی حصے کے عین وسط میں قع تھی۔ میں اور سروپ جی اُس ڈیوڑھی کے کھلے دروازے کے پاس ہی کھڑے تھے۔ پھر ہوں نے مشعل برداروں کی طرف دیکھا جو غلام گردش سے پرے صحن میں مٹی کے پتلوں کی ح خاموش کھڑے تھے۔ میں اُن کی خدمت گزاری پر حیران اور خاموشی کا مطلب سمجھنے سے صر تھا۔ سروپ جی نے خود ہی بتایا۔

''یہ ساؤ گاری کے بھکشو ہیں۔ ان ساتوں نے اپنی زبانیں صرف اس لئے کٹوا دی ہیں کہ کے منہ سے کوئی بری بات نہ نکل سکے۔''

میں اس اطلاع پر مزید حیران ہوا اور اُنہیں حیرت سے دیکھنے لگا۔ اُن کی خاموشی کا معمہ تو ہوگیا لیکن یہ حقیقت کتنی خوفناک تھی کہ ساؤ گاری کے یہ سات بھکشو اپنی زبانیں کٹوا کر یائی سے محروم ہو چکے تھے۔ سروپ جی نے اُنہیں ہاتھ کے اشارے سے کچھ سمجھایا اور وہ وں مشعلیں اُٹھائے چپ چاپ ایک طرف چل دیئے۔ میں عالم حیرت میں کھڑا اُنہیں ے دیکھتا رہا۔ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی کہ اس پہاڑی ویرانے میں جہاں دنیا کو تیاگ

کر انہوں نے سروپ جی کے ساتھ رہنا منظور کر لیا تھا، جہاں کوئی دنیاوی ہنگامہ نہ تھا، سماج اور برادری کا جھگڑا نہ تھا، طبقاتی کشمکش اور دولت کی تقسیم نہ تھی، ان جھگڑوں کو اپنی زبان میں کٹوانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

غالباً سروپ جی نے میری اس ذہنی کیفیت کو بھانپ لیا تھا۔ میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے۔

"تھارو کیشپ! اس دنیا میں سب کچھ ہوتا ہے۔ ہم خواہشات کی ٹہنیاں کاٹتے چھانٹتے ہیں مگر وہ پھلتی پھولتی رہتی ہیں۔ جو لوگ دنیا سے بھاگتے ہیں، دنیا اُن کے پیچھے بھاگتی ہے اور کبھی کبھی دنیا سے پیچھا چھڑانے کے لئے آدمی کو کچھ قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ آؤ اندر چلیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اُس لڑکے کے ہاتھ سے لالٹین خود پکڑ لی جو ضمیمے کی طرح اُن کے ساتھ ہی لگا ہوا تھا۔ وہ ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو میں بھی اُن کے پیچھے ہولیا۔ ڈیوڑھی کی اس جانب قدیم وضع کی ایک کھلی اور نیم تاریک سی راہداری تھی جو کم از کم دس فٹ چوڑی اور ایک سو فٹ طویل ہوگی۔ وہاں صرف ایک قندیل روشن تھی جس کی مدھم روشنی میں یہ سرنگ نما راہداری عجیب منظر پیش کر رہی تھی۔ راہداری کی دونوں سمتوں میں چند دروازے تھے۔ پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد سروپ جی نے مغربی جانب کا ایک دروازہ کھولا۔ لالٹین کی روشنی میں ایک کمرے کے خدوخال نظر آئے جو کافی کھلا اور معمولی سامان سے آراستہ تھا۔ دروازے کی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک چوبی زینہ اُوپر جاتا اور گھوم کر دوسری منزل کی بالکونی پر ختم ہوتا تھا۔ سروپ جی نے کہا۔

"یہ تمہاری نشست گاہ ہے...... مگر سونے کا کمرہ اُوپر ہے۔ آؤ تمہیں دکھاؤں۔"

لالٹین کی زرد روشنی میں زینے کی پوری 13 سیڑھیاں چڑھ کر اور ایک چوبی بالکونی سے گزر کر ہم سونے کے کمرے میں پہنچے جہاں چارپائی پر بستر بچھا تھا۔ ایک چھوٹی میز بھی موجود تھی جس پر میرا اٹیچی کیس دھرا تھا۔ اٹیچی کیس پیکو ہی یہاں چھوڑ گیا تھا۔ ایک دیوار پر کپڑے ٹانگنے کے لئے کھونٹیاں لگی تھیں۔ جنوب کی طرف چھوٹا سا غسل خانہ بھی تھا۔ یوں لگا جیسے طویل سفر طے کر کے کسی پہاڑی سرائے میں آ گیا ہوں جہاں مسافروں کی ضرورت کا ہر سامان موجود ہے۔ اچانک سروپ جی کہنے لگے۔

"اس ویرانے میں تمہیں شہر کا سا آرام تو نہیں مل سکتا، پھر بھی میں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

میرے ذہن میں کئی سوال گیلی لکڑیوں کی طرح سلگ رہے تھے۔ میں بہت کچھ جاننا، بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا اور میں نے پوچھ ہی لیا۔

"آبادی سے کوسوں دُور آپ ہمالیہ کے اس ویرانے میں کیوں رہتے ہیں؟"

"میں جانتا تھا تم یہ سوال ضرور کرو گے اور مجھے یہاں آباد ہونے کی وجہ بتانا ہوگی۔ لیکن تھارو کیشپ! بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو پوچھے بغیر بھی بتائی جاتی ہیں۔ اگر تم یہ سوال نہ کرتے تو بھی میں تمہیں ان حالات سے ضرور آگاہ کرتا جو مجھے اس ویرانے میں لے آئے ہیں۔"

"کیسے حالات؟"

"میرا خیال تھا کل پرسوں کسی وقت اطمینان سے سب کچھ بتا دوں گا مگر تم نے آتے ہی سوال کیا ہے تو جواب بھی آج ہی سن لو۔"

یہ کہہ کر سروپ جی نے لالٹین کھونٹی کے ساتھ لٹکا دی پھر ایک چوبی کرسی پر بیٹھ گئے اور مجھے چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کمرے میں قدیم طرز کی منقش چوکیاں بھی رکھی گئی تھیں جو تین چار صدیوں قبل بودھ گھرانوں میں عام طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ اگر "ساؤ گاری" صدیوں پرانی عمارت تھی تو یہاں کی ہر چیز بھی ماضی کی یادگار معلوم ہوتی تھی جیسے ہم کئی صدیاں پیچھے پلٹ گئے ہوں۔

دو دن کے مسلسل سفر کی وجہ سے اگرچہ جسم تھک گیا تھا۔ مجھے آرام کی ضرورت تھی اور منزل پر پہنچ کر بھوک بھی چمک اُٹھی تھی۔ لیکن "ساؤ گاری" کے حالات جاننے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ میں تھکن اور بھوک کو بھول کر سروپ جی کے بالمقابل بیٹھ گیا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگے......

"یہ کہانی تین صدیاں پہلے شروع ہوئی تھی جب ساؤ خاندان کے جدِ اعلیٰ گوچی ساؤ نے ہمالیہ کے اس ویرانے میں یہ عجوبہ روزگار عمارت تعمیر کرائی اور دنیا ترک کر کے "ساؤ گاری" کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا تھا۔ تم یہ سن کر حیران ہو گے کہ اُس وقت سے لے کر آج تک یہ عمارت کبھی خالی نہیں ہوئی۔ گوچی ساؤ کے بعد میرے خاندان کے سبھی لوگ اسی عمارت میں اپنی عمریں پوری کر کے دنیا سے رُخصت ہو گئے۔ اب میں یہاں کا وارث ہوں اور مجھے بھی اپنے جدِ اعلیٰ کی وصیت کے مطابق یہیں جینا یہیں مرنا ہے۔

میں یہ بھی بتا دوں کہ گوچی ساؤ باٹی پارہ کا ہندو جاگیردار تھا اور اُس میں وہ تمام برائیاں موجود تھیں جو عیاش اور ظالم جاگیرداروں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ کسانوں سے بڑا بے رحمانہ برتاؤ کرتا اور سندر لڑکیوں کو زبردستی اُٹھا لیتا جیسے باز چڑیوں پر جھپٹتا ہے۔ اُس کی بدکاری کے افسانے دُور دُور تک مشہور تھے۔ کنواریاں تو کیا سہاگنیں بھی اُس کے سائے سے بھاگتی تھیں۔ وہ پنڈتوں، پروہتوں کو روپے پیسے سے خوش رکھتا اس لئے وہ بھی اُس کے گُن گاتے اور کہا کرتے تھے کہ ہر مالک بھگوان کا روپ ہوتا ہے اور اپنی سی کرتا ہے۔

ایک دن کوئی دیہاتی کسان بیٹی کا جہیز خریدنے بانٹی پارہ میں آیا۔ جوان اور سندر لڑکی بھی ساتھ تھی جسے بابل کا گھر چھوڑ کر سسرال جانا تھا۔ گوچی ساؤ بازار سے گزر رہا تھا کہ لڑکی پر نظر پڑ گئی اور وہ اپنے آدمیوں کو اشارہ کرتا نکل گیا۔ اُس کے جاتے ہی کتے شکار پر جھپٹے اور لڑکی کو لے بھاگے۔ کسان مقابلے میں زخمی ضرور ہوا لیکن اُس نے حملہ آوروں کا پیچھا نہ چھوڑا اور گرتا پڑتا حویلی تک پہنچ گیا جہاں اُس کی بیٹی کی عزت لوٹنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حویلی میں اُس کا سامنا گوچی ساؤ سے ہوا جس پر وحشت سوار تھی۔ باپ نے بیٹی کو چھڑانے کی کوشش کی مگر جاگیردار کے ہاتھوں مارا گیا۔ باپ کی لاش خون میں لت پت نظر آئی تو بیٹی نے کلیجے میں کٹار بھونک لی اور خود بھی ڈھیر ہو گئی...... بیچاری جان تو نہ بچا سکی مگر عزت بچا کر لے گئی اور گوچی ساؤ کو شراپ دے کر مر گئی۔ اس طرح دو جانیں گوچی ساؤ کی وحشت کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ بانٹی پارہ کا کوئی آدمی اُس کے خون آلود دامن کی طرف اُنگلی اُٹھانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ سب جانتے تھے اُٹھنے والی اُنگلی اور بولنے والی زبان کاٹ دی جائے گی۔ لوگوں نے اپنے ہونٹ سی لئے، زبانیں بند کر لیں۔ آگ سینوں میں سلگتی رہی مگر دُھواں نہ اُٹھا۔ باپ کی غیرت اور بیٹی کی عزت خون کے دریا میں ڈوب گئی لیکن کوئی گواہی کوئی شہادت فراہم نہ ہو سکی۔ اُسی رات دونوں لاشیں جلا دی گئیں اور تند ہوا اُن کی راکھ بھی اُڑا کر لے گئی......

یہ ایک ایسا بھیانک واقعہ تھا جسے گوچی ساؤ بھولنے کے باوجود بھول نہ سکا۔ کٹار تو لڑکی نے اپنے کلیجے میں بھونکی تھی مگر اُس کی چبھن گوچی ساؤ کے سینے میں ڈیرہ جما کر بیٹھ گئی۔ وہ راتوں کو ڈراؤنے سپنے دیکھتا ہوا اچانک جاگ اُٹھتا، پھر نیند اُس سے دُور بھاگ جاتی۔ رُوح کی بے چینی اُسے پاگل کرنے لگی۔ اُٹھتے بیٹھتے وہ لڑکی اُس کے تصور کی محراب میں آ کر کھڑی ہوتی اور کہتی...... "گوچی ساؤ! میرا شراپ جیون بھر تیرا پیچھا کرے گا۔"

وہ آتما کا سکھ حاصل کرنے کے لئے برہمنوں کے پاس گیا مگر اُنہوں نے یہ کہہ کر اُسے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ کسان اور اُس کی بیٹی نے پچھلے جنم میں کوئی پاپ کیا تھا جس کی سزا اُنہیں اس جنم میں ملی ہے۔ گوچی ساؤ کے ہاتھوں اُن کا بلیدان ہو گیا ہے وہ برہمنوں کو دان کرے تو اُس کے من کی چنتا آپ سے آپ دُور ہو جائے گی۔ اُس نے برہمنوں پر دھن برسایا، مندروں میں چڑھاوے دیئے۔ تیرتھ یاترا بھی کی لیکن آتما کی چنتا دُور نہ ہو سکی۔ رُوح کی بے چینی اُسے اندر ہی اندر ڈسے جا رہی تھی۔ اُنہی دنوں اُس کی ملاقات ایک بدھ ارہت (مہا پروہت) سے ہوئی۔ اُس نے کہا۔

"گوچی ساؤ! تم نے مہا پاپ کیا ہے۔ جب تک کفارہ ادا نہ کرو تمہاری آتما کو شانتی نہیں مل سکتی۔ تم لوگوں کو دھوکہ دے سکتے ہو، اپنے پربھو کو دھوکہ نہیں دے سکتے جو تمہارے من میں رہتا

ہے۔ گناہ کا کفارہ دو۔ اپنے پربھو کو راضی کرو تمہیں چین مل جائے گا۔"

گوچی ساؤ کو یہ بات اچھی لگی۔ اُس نے ہندو دھرم چھوڑ کر بدھ مت اختیار کر لیا۔ گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لئے آدھی جائیداد کسان کے بیوی بچوں کو دان کر دی پھر من کی شکتی کی خاطر بدھ بھکشو بن کر نگر نگر گھومنے اور سچائی کا پرچار کرنے لگا۔ برہمنوں نے بانٹی پارہ کے جاگیردار کا یہ رُوپ دیکھا تو اُن کے ماتھوں پر بل پڑ گئے۔ لوگوں نے کفارے کی بات سنی تو دنگ رہ گئے۔ عورتوں نے اُسے دنیا کے عیش و آرام سے منہ موڑ کر ننگے پاؤں بھٹکتے دیکھا تو کلیجے تھام لئے۔ وہ کنواریاں اور سہاگنیں جو گوچی ساؤ کے سائے سے بھی دُور بھاگتی تھیں اب اُس کے چرن چھونے لگیں اور اس طرح اُس نے نجات کا راستہ تلاش کر لیا۔

اُسے بدھ مت اختیار کئے تیسرا سال تھا کہ تبت کا ایک لاما اناتھ بنڈو ہندوستان کے ان علاقوں کی یاترا کرنے نکلا جہاں بھگوان بدھ نے زندگی گزاری اور نروان حاصل کیا تھا۔ اُس نے کانگٹو کے قریب تبت کی سرحد پار کی اور جب آسام کے پہاڑوں میں داخل ہوا تو رتنا گری کی اس وادی میں پڑاؤ ڈال دیا۔ آسام کے بدھ بھکشو اُس کا سواگت کرنے یہیں پہنچ گئے۔ اُن میں گوچی ساؤ بھی تھا جو یہ سن کر بھاگا آیا تھا کہ اناتھ بنڈو اپنے گیان سے جیون کا بھید جان چکا ہے۔ اپنی آدھی جائیداد کا کفارہ دینے کے بعد بھی وہ بانٹی پارہ کا سب سے امیر آدمی تھا۔ اُس نے بھکشوؤں کا تمام خرچہ خود ادا کیا اور اناتھ بنڈو کے لئے بھی قیمتی سوغاتیں لے کر آیا۔ بدھ لاما نے گوچی ساؤ کی سوغاتیں قبول کیں اور آشیرباد دے کر اپنے پاس ٹھہرایا پھر اُسے گیان اور نروان کی تپسیا سکھائی اور ایک دن تنہائی میں وہ جیون بھید بھی بتا دیا جسے جاننے کے لئے گوچی ساؤ رتنا گری تک آیا تھا۔ وہ جیون بھید بھگوان بدھ کی ایک امانت تھی جو اسی پہاڑی ویرانے میں ساؤ خاندان کے بانی تک پہنچی۔ پھر اُس نے نروان حاصل کرنے کے لئے دنیا چھوڑ دی اور اس وادی میں "ساؤ گاری" کی یہ عمارت تعمیر کرائی جس کا سنگ بنیاد بدھ لاما اناتھ بنڈو نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا۔ گوچی ساؤ کو اس عمارت میں سچ مچ گیان مل گیا اور اُس نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ "ساؤ گاری" کو کبھی غیر آباد اور ویران نہ ہونے دیا جائے۔ اس واقعے کو تین صدیاں گزر چکی ہیں لیکن اُس دن سے لے کر آج تک یہ عمارت ہمیشہ آباد ہی ہے اور میرے بعد بھی آباد رہے گی۔ یہ کہانی تمہارے اس سوال کا جواب ہے کہ میں دنیا سے دُور اس پہاڑی ویرانے میں کیوں رہتا ہوں۔"

میں اُن کی باتیں بڑی توجہ سے سنتا رہا۔ رتنا گری ساؤ خاندان کے نروان کی وادی تھی جو تین صدیوں سے یہیں آباد تھا۔ اُسی تعلق اور خاندانی روایات کے مطابق سروپ ساؤ جی بھی اس دُور اُفتادہ مقام پر رہنے کے لئے مجبور تھے۔ اسی وادی میں اُن کے بزرگ یکے بعد دیگرے

دنیا سے رخصت ہوتے گئے اور آگ اُن کے جسموں کو کھا گئی۔ سروپ جی بے شک ساؤ خاندان کے وارث اور ایک مہا گیانی تھے لیکن وہ نئے زمانے سے گزر رہے تھے اور نئے زمانے کا انسان دنیا سے فرار حاصل نہیں کر سکتا۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا آپ نہیں جانتے کہ دنیا کو آپ کی ضرورت ہے؟''

''مگر دنیا سے زیادہ ''ساؤ گاری'' کو میری ضرورت ہے۔''

''ان پہاڑوں کو...... ان دیواروں کو...... ان پتھروں کو آپ سے کیا لینا ہے؟''

سروپ جی اُداس لہجے میں بولے۔ ''تھارو کیشپ! ساؤ گاری سے مجھے وہی سمبندھ ہے جو آتما کو شریر سے ہوتا ہے۔ تم یہ سن کر حیران ہو گے کہ جب تک یہاں لوٹ نہ آؤں ایک چنتا سی لگی رہتی ہے۔''

''یعنی آپ خود بھی ساؤ گاری سے باہر رہنا پسند نہیں کرتے؟''

''یہی سمجھ لو۔''

اسی اثنا میں نوکر کھانا لے کر آ گیا اور سروپ جی کھڑے ہو گئے۔

''اچھا کیشپ! اب صبح ملاقات ہو گی۔ تم کھانا کھا کر آرام کرو۔'' پھر دروازے کی طرف پلٹتے ہوئے اُنہوں نے نوکر کو ہدایت کی۔ ''شاسترو! کیشپ جی کے آرام کا دھیان رکھنا۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔''

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئے اور میں چوبی زینے پر اُن کے قدموں کی آہٹ سنتا رہا جو بتدریج دُور اور مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ کیسی عجیب کہانی سنائی تھی اُنہوں نے......! میرا ذہن اُسی کے تانے بانے میں اُلجھ کے رہ گیا۔ اچانک شاسترو کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''پربھو......! کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

○○○

(2)

بھگوان کی نرتکی

میں نے چند لمحوں کے لئے اپنے ذہن کے تاریک گوشوں میں دبکے ہوئے اندیشوں کو پرے بھگایا اور کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر نوالہ حلق سے نہ اُترا تھا کہ میرا دھیان ماضی کے اندھیروں میں اُڑتا ہوا پھر گوچی ساؤ کا تعاقب کرنے لگا۔ اُس کے گیان اور نروان کی کہانی میرے اندر مکڑی کا ایک جال سا بننے لگی اور جب میں گوچی ساؤ کے نروان سے سروپ ساؤ جی کے گیان تک آیا کھانا ختم ہو چکا تھا۔ نوکر نے میرے ہاتھ دُھلائے۔ جب میں بستر پر بیٹھ گیا تو اُس نے قہوے کی گرم گرم پیالی پیش کی تو پہلی بار اُسے غور سے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا...... کھانے کے دوران میں نے اُس پر توجہ نہیں دی تھی مگر اب شاسترو کو دیکھ کر ورطہ حیرت میں ڈوب گیا۔ میرے سامنے دنیا کا آٹھواں عجوبہ کھڑا تھا......

اُس کا قد تین ساڑھے تین فٹ کے درمیان تھا جس کی وجہ سے میں اُسے چھوٹا سا لڑکا سمجھتا رہا۔ چہرے پر ابھی تک آٹھ برس کے بچے کی سی معصومیت کا عکس دکھائی دے رہا تھا جس پر عمر کی پختگی غالب آ چکی تھی۔ بھلا سات آٹھ سال کے بچے کے منہ پر مونچھیں کہاں ہوتی ہیں؟ مگر شاسترو کی مونچھوں نے اُس کی عجیب سی ہیئت بنا رکھی تھی۔ لگتا تھا جیسے کسی شریر بچے نے مصنوعی مونچھیں لگا لی ہوں۔ لیکن وہ مونچھیں سو فیصد اصلی تھیں اور وہ اُن مونچھوں سے 45,40 سال کا ایک جوان آدمی نظر آتا تھا۔

میں اُس بونے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ عام بونوں کی طرح نہ تو اُس کا جسم غیر متوازی تھا نہ کمر پر کسی کوہان کا نشان۔ البتہ عمر، قد اور شکل میں کوئی تناسب، کوئی توازن نہ تھا۔ نہ جانے کیوں چالیس پینتالیس کے اس جوان بچے کو دیکھ کر میرے ذہن میں ایک اذیت ناک خیال اُبھرا جیسے یہ پیدائشی بونا نہیں بلکہ بمشکل سات آٹھ برس کا ہو گا تو کسی آہنی سانچے میں پڑا پڑا جوان ہو گیا۔ گزرتے وقت اور بڑھتی ہوئی عمر کے چہرے پر اپنے نشان چھوڑ دیئے لیکن جسم کی نشوونما نہ ہو سکی اور اس طرح وہ بیک وقت بچہ اور جوان دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک مجھے یاد آیا کہ ایک بار کلکتہ کے جنوبی علاقے بالی گنج میں ایک مرد اور ایک عورت دو عجیب الخلقت بچوں کو جن کی ٹانگوں اور جسموں میں کوئی تناسب نہ تھا ریڑھی پر ڈال کر بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ چند ہی روز میں اُنہوں نے تین چار ہزار روپے اکٹھے کر لئے مگر کلکتہ کے

اخبار ''اسٹیٹس مین'' (STATES MAN) نے یہ لرزہ خیز کہانی شائع کر کے لوگوں کو دم بخود کر دیا کہ سی آئی ڈی نے سینٹ پاوٗل کیتھڈرل کے قریب ہی ایک تہہ خانے میں چھاپہ مار کر اُس مرد اور عورت کو گرفتار کر لیا جو عجیب الخلقت بچوں کو بھگوان کا کرشمہ ظاہر کرتے تھے۔ اخبار نے یہ عجیب انکشاف بھی کیا کہ پولیس نے تہہ خانے سے دو کمسن بچے برآمد کئے ہیں جنہیں لوہے کے شکنجے میں کس کر ''عجیب الخلقت'' بنایا جا رہا تھا۔

میں سوچنے لگا کہیں شاسترو بھی کسی ایسے ہی عمل سے تو نہیں گزرا؟ پھر خیال آیا بعض بچے ماں کے گربھ ہی سے ناقص البدن پیدا ہوتے ہیں مگر شاسترو ناقص البدن یا نامکمل ہرگز نہ تھا۔ اعضاء میں توازن پایا جاتا تھا۔ حیرت تو بس اُس کی عمر پر تھی جیسے وہ سات آٹھ برس ہی میں چالیس پینتالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو۔ جی میں آئی شاسترو سے کچھ پوچھوں پھر سوچا ممکن ہے وہ بھی سروپ جی کی طرح کوئی عجیب وغریب کہانی سنانے بیٹھ جائے۔ اِدھر تھکاوٹ سے بدن ٹوٹ رہا تھا اور میں جلد سو جانا چاہتا تھا۔ شاسترو کی کہانی تو کل پرسوں کسی دن بھی سنی جا سکتی ہے اس لئے قہوہ پی کر میں نے اُسے رُخصت کر دیا اور بستر میں دبک گیا لیکن آدمی کے خیالات تو بستر پر بھی اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ لیٹتے ہی گوچی ساوٗ، سروپ جی، ساوٗ گاری کے سات گونگے بھکشو جنہوں نے اپنی زبانیں خود کاٹ ڈالی تھیں اور عجیب الخلقت شاسترو کسی پراسرار ڈرامے کے کرداروں کی طرح ذہن کے سٹیج پر آ کھڑے ہوئے اور میں اُنہی کرداروں میں اُلجھ گیا۔

سروپ جی نے کہا تھا کہ اُن کے جدِ اعلیٰ گوچی ساوٗ نے نروان کی خاطر دنیا چھوڑ دی اور ساوٗ گاری میں اُسے گیان مل گیا۔ دنیا تو بھگوان بدھ نے بھی چھوڑی تھی۔ اُس وقت وہ راجکمار گوتم سدھارتھ تھے۔ راج پاٹ کے ساتھ دنیا کی ہر شے ترک کر دی حتیٰ کہ اپنی پیاری بیوی گوپا سے بھی کنارہ کشی کر لی اور گیا کے جنگلوں میں جا بیٹھے۔ لیکن گوچی ساوٗ نے دنیا نہیں چھوڑی، باٹی پارہ کو چھوڑا تھا۔ صرف نقلِ مکانی کی تھی کیونکہ وہ رتناگری کی وادی میں ''ساوٗ گاری'' ایسی عظیم الشان عمارت بنوا کر اپنے بیوی بچوں سمیت یہیں آباد ہو گیا تھا۔ خدمت کے لئے نوکر چاکر بھی تھے پھر یہ وصیت بھی بڑی تعجب خیز تھی کہ اُس کی اولاد ساوٗ گاری کو کبھی ویران اور غیر آباد نہ ہونے دے یعنی گوچی ساوٗ نے محض شہری سکونت چھوڑی، دنیا ترک نہ کی تھی۔ بس جیون کا چولا بدل لیا تھا۔ بھلا ترکِ دنیا کے ساتھ ساوٗ گاری کی تعمیر، اس قلعہ نما عمارت میں بیوی بچوں اور نوکروں چاکروں سمیت رہائش، پھر نسل در نسل اس عمارت کو آباد رکھنے کی خواہش آخر کیا معنی رکھتی ہے؟ شاید اس گوشہ نشینی اور ترکِ شہریت میں بھی کوئی مصلحت پوشیدہ تھی......! اور اب سروپ جی اُس عمارت سے آتما اور شریر کا رشتہ جوڑ بیٹھے تھے۔

قریباً آدھی رات تک میں انہی خیالوں میں کھویا رہا۔ گوچی ساوٗ کی کہانی عجیب اور سروپ جی کی باتیں عجیب تر تھیں۔ پھر پہاڑی ویرانوں کے درمیان ساوٗ گاری کی عمارت میں رہنے والے سات گونگے بھکشو اور عجیب الہیت شاسترو...... یہ سب کیا تھا اور میں کہاں آ گیا تھا؟ باہر طوفانی جھکڑ چلنے لگے تھے۔ پہاڑی درّوں اور گلیوں میں تیز ہوائیں چیختی پھر رہی تھیں اور اُن کی سنسناہٹ سے رتناگری کا پہاڑی ویرانہ یوں گونج رہا تھا جیسے کسی طوفانی رات میں دوارکا کے بھوت ماتم کر رہے ہوں۔ میری آنکھوں کی گلیوں میں نیند لڑکھڑا رہی تھی۔ نیم خوابیدگی کے عالم میں ذہن کبھی نیند کے خمار سے گزرتا، کبھی بیدار ہو جاتا، کبھی میں ہوا کے دوش پر اُڑنے لگتا کبھی خود کو بستر پر محسوس کرتا۔ میرا سوتا جاگتا ذہن اس غنودگی میں سرسراتی، سنسناتی ہواؤں کے درمیان کچھ غیر انسانی آوازیں بھی سن رہا تھا جو ہواؤں کے ساتھ ڈوبتی، اُبھرتی اور کبھی کبھی آہوں، کراہوں میں تبدیل ہو جاتی تھیں اور وہ غیر انسانی آوازیں اس قدر کربناک تھیں کہ دماغ سے ماتمی چیخوں کی طرح ٹکرا رہی تھیں۔

کیا رتناگری کے ویرانے میں ارواحِ خبیثہ رہتی ہیں جو پُر ہول راتوں میں چمگادڑوں اور چنڈالوں کی طرح اپنے مسکنوں سے نکل آتی اور ویرانے میں سسکیاں بھرتی ہیں؟ غنودگی کے باوجود میں ہواؤں کے شور میں غیر انسانی چیخوں اور گھٹی گھٹی کراہوں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔ نیند کا غلبہ اگرچہ بڑھ گیا تھا مگر نیم خوابیدہ ذہن میں چھید سے ہو رہے تھے اور سوتا جاگتا ہوا احساس زخمی ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں وہ سات بھکشو یاد آئے جن پر پہلی ہی نظر میں مجھے خبیث دیوتاؤں کا شبہ گزرا تھا کیونکہ ہندو شاستروں میں لکھا ہے وہ ساتوں خبیث دیوتا راتوں کو چمگادڑوں کی شکل اختیار کر کے ویرانوں میں اُڑتے اور انسانوں کا راستہ روکتے ہیں۔

وہ ماتمی کراہیں اور غیر انسانی آوازیں جن پر مجھے ارواحِ خبیثہ کی چیخوں کا گمان ہوا کیسی تھیں؟ میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے نیند کے غلبے میں میرے سوتے جاگتے ذہن نے کوئی سپنا دیکھا ہو۔ آدمی سپنوں ہی میں انہونی شکلیں دیکھتا اور ان کہی باتیں سنتا ہے۔ اگر میں نے وہ آوازیں خواب میں سنیں تو ان کے درمیان شاسترو کی ''پچکاریں'' کہاں سے آ گئی تھیں جنہیں میں نے صاف پہچان لیا تھا؟

میں بستر میں لیٹے لیٹے سوچنے لگا۔ خواب اور سپنے بھی تو انسان کے اپنے ہی خیالوں کا تصور ہوتے ہیں۔ وہ بیداری میں جو کچھ سوچتا ہے، نیند میں وہی سوچیں سپنوں میں ڈھل جاتی ہیں۔ میں سونے سے قبل ساوٗ گاری کے متعلق عجیب عجیب باتیں سوچتا رہا ہوں اور شاسترو کی ہیئت کے بارے میں بھی طرح طرح کے خیال پریشان کرتے رہے ہیں اس لئے نیند کی حالت میں وہی پریشان کن خیال ماتمی چیخوں میں ڈھل گئے اور میں سپنے میں اپنے ہی ذہن کی آوازیں سنتا

رہا۔ ضرور میں نے کوئی سپنا ہی دیکھا تھا۔ شکلیں تو بھول گیا بس آوازیں یاد رہ گئیں۔

ایک بار پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے گھوڑے بیچ کر سوتا اور اپنے گرد و پیش سے بالکل غافل ہو جاتا لیکن میں نے غیر معمولی حالات میں ایک غیر معمولی سفر کیا تھا اور منزل پر پہنچنے کے بعد کئی وسوسے، کئی اندیشے دماغ کی کوٹھریوں میں رینگنے لگے تھے اس لئے شعور نیند میں بھی خطرے کی آہٹیں سنتا رہا۔ یہی باتیں سوچتے سوچتے نہ جانے کب نیند آئی اور میں کب سو گیا۔ مگر وہ کربناک چیخ ہی تھی جسے سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ یہ کوئی سپنا، کوئی خواب، کوئی وہم نہ تھا۔ میں حالت بیداری میں اُس چیخ کی بازگشت بھی سن رہا تھا جو رتناگری کے ہونکتے ہوئے سناٹے میں گم ہو رہی تھی۔

چیخ کی آواز تو ضرور سنی مگر اُس کی سمت کا تعین نہ کر سکا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا، کمرے میں زرد روشنی پھیلی تھی۔ میں سونے سے پہلے لالٹین بجھانا بھول گیا تھا۔ اس کا کوئی سبب تو نہیں بتا سکتا۔ نہ جانے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں جس چیخ کی آواز سن کر جاگا ہوں وہ نچلی منزل کے کسی کمرے سے اُبھری تھی۔ اس احساس کے ساتھ ہی ذہن میں دبکے ہوئے اندیشوں نے انگڑائی لی۔ لالٹین کی روشنی میں اپنی ویسٹرن کی گھڑی دیکھی تو صبح کے چار بج رہے تھے۔ اگر میں کسی قصبے یا بستی میں ہوتا تو کسی مرغ کی بانگ ضرور سنتا۔ اسی سے مرغ بانگ دیا کرتے ہیں کیونکہ میری گھڑی کے مطابق تھوڑی ہی دیر میں صبح کاذب نمودار ہونے والی تھی۔

اُس چیخ نے جسے میں نے بیداری میں سنا تھا مجھے بہت پریشان کر دیا۔ کچھ دیر انتظار کرتا رہا کہ شاید کوئی چیخ پھر سنائی دے مگر ساؤ گاری پر دوبارہ پراسرار سناٹا چھا گیا اور اُس سناٹے میں میرا پورا وجود ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گیا کہ رتناگری کے اس ویرانے میں کون سا ناٹک کھیلا جا رہا ہے؟

طویل سفر نے جسم شل کر دیا اور جوڑ جوڑ پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا۔ پھر رات کی پریشان خیالی کے باعث پوری نیند بھی نہ لے سکا جس سے سر اس قدر بوجھل اور بھاری لگ رہا تھا جیسے کسی جہاز کا لنگر سمندر کی لہروں کے درمیان ڈگمگ ڈگمگ ڈول رہا ہو۔ مکمل نیند ہی میرے ٹوٹتے بدن اور ہچکولے کھاتے دماغ کو سکون دے سکتی تھی۔ میں نے اُٹھ کر لالٹین بجھائی پھر تھکے ہارے مسافر کی طرح بستر پر ڈھیر ہو گیا اور کمبل تان لیا۔ نیند کی لڑکھڑاتی ہوئی لہریں میرے شعور اور لاشعور کے کواڑ بند کر کے ذہن کے دالان میں گھومنے لگیں۔ لیکن ابھی آنکھ ٹھیک سے لگی نہ تھی کہ پھر ایک کربناک چیخ میری سماعت سے ٹکرائی اور نیند کا سارا طلسم ٹوٹ گیا......

میں تڑپ کر اُٹھا اور بستر پر اکڑوں بیٹھ کر اُس سمت کا تعین کرنے لگا جدھر سے چیخ اُبھری تھی۔ اب کربناک چیخ سسکتی ہوئی آہوں کراہوں میں ڈھل گئی تھی اور بلاشبہ یہ دردناک آوازیں کہیں

نیچے سے آ رہی تھیں جیسے کسی شخص کو اذیت ناک عذاب دیا جا رہا ہو...... میں بدحواسی کے عالم میں وحشت انگیز آہوں اور کراہوں کو سننے لگا جو ڈیڑھ دو منٹ کے بعد بند ہو گئیں لیکن کسی مظلوم ہستی کی مصیبت اور اذیت کے تصور نے میری رُوح کو اس قدر بے چین کر دیا کہ اپنے بدن پر ٹھنڈے پسینے کی نمی محسوس کرنے لگا۔

باہر طوفانی ہواؤں کے جھکڑ غالباً تھم گئے تھے کیونکہ اب نہ تو پہاڑی گلیوں میں اُن کے وحشیانہ رقص کی سنسناہٹ اور برہمی کا شور تھا، نہ درختوں کی شاخوں سے ٹکرا کر نکلنے والی تیز "شوکار" سنائی دیتی تھی۔ اس کے برعکس چاروں طرف ایک بھیانک سناٹا ہونک رہا تھا جیسے ڈینو ساری دور کا کوئی عظیم الجثہ عفریت چٹانوں کے پیچھے لیٹا لمبے لمبے، گہرے گہرے سانس لے رہا ہو۔ ساؤ گاری کی قدیم الایام عمارت پر چھانے والی خاموشی بھی اذیت کے سانس لے رہی تھی لیکن کوشش کے باوجود میں معلوم نہ کر سکا کہ کراہنے کی آواز کدھر سے آئی تھی کیونکہ اُس ستم رسیدہ آواز کی سمتیں حیرت انگیز طور سے تبدیل ہوتی رہی تھیں اور کسی ایک سمت کا تعین کرنا مشکل تھا۔ پھر اُن دبی دبی گھٹی گھٹی سی آہوں، کراہوں کے درمیان کسی کے قدموں کی مدھم سی چاپ بھی ہوا کے آوارہ خرام جھونکے کی طرح اِدھر اُدھر بھٹکتی پھر رہی تھی۔

کبھی تو یوں لگتا جیسے کوئی شخص نچلی منزل کی غلام گردش میں ہوا کے دوش پر اُڑا جا رہا ہو......

کبھی محسوس ہوتا کہ قدموں کی چاپ چھت سے آ رہی ہے۔ وہ پراسرار آہٹ بھی ایک معمہ بن گئی تھی۔ کبھی نزدیک سے نزدیک تر آ جاتی اور یوں لگتا کوئی آدمی بھاری قدموں کے ساتھ میری چھاتی پر چل رہا ہو۔ اس وقت چھت پر ہلکی سی دھمک بھی اُبھرتی جس کے نیچے میں سو رہا تھا۔ کبھی وہی آہٹ یکلخت اپنا رُخ تبدیل کر کے دُور سے دُور تر ہو جاتی۔ گویا کوئی بھٹکتی ہوئی رُوح ہوا کے ساتھ اُڑتی بیرونی ڈیوڑھی کے بھاری پھاٹک سے سر پٹخ رہی ہو۔

میں اُوپر نیچے، دائیں بائیں، آگے پیچھے ہر جانب، ہر سمت بھاگتی دوڑتی، اُبھرتی ڈوبتی آہوں کراہوں کے درمیان سرسراتی آہٹیں سن سن کر پاگل ہوا جاتا تھا۔ یہ آہیں، یہ آہٹیں میرے دل و دماغ میں گویا کیل ٹھونک رہی تھیں اور رُوح میں شگاف سے پڑ رہے تھے۔ میں اپنے آپ کو اُس کھنڈر کی مانند محسوس کرنے لگا تھا جس کی دیواریں اور چھتیں ٹوٹ پھوٹ رہی ہوں مگر اچانک گہری خاموشی اور بھیانک سناٹے نے جس پر سانس لیتی ہوئی موت کا گمان ہوتا تھا، مجھے کچل کر رکھ دیا۔ یہ بھیانک سناٹا پہاڑوں کا بوجھ بن کر میرے دل پر آ گرا تھا۔

سردی کے باوجود میں پسینے میں بھیگ گیا۔ بدن پر ایک لرزش طاری تھی۔ اب مجھے اندھیرے سے وحشت ہونے لگی۔ گھبرا کر اُٹھا، لالٹین دوبارہ روشن کر دی اور کمرے کا جائزہ لے کر پھر بستر پر آ بیٹھا۔ نیند تو اُڑ چکی تھی مگر اس کے ساتھ بھیانک اندیشے ذہن کے کونے

کھدروں سے نکل کر چمگادڑوں کی طرح پرواز کرنے لگے اور رات کے چار بجے بستر پر بیٹھا اُن ماتمی آوازوں اور غیر انسانی چیخوں کے متعلق سوچنے لگا جنہیں میں سپنے کی پرچھائیاں سمجھ بیٹھا تھا مگر اب اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ وہ وحشت ناک غیر انسانی آوازیں جو نیم غنودگی کی حالت میں میرے ذہن سے ٹکراتی رہیں، میرا وہم نہ تھیں بلکہ اُن چیخوں، آہوں اور کراہوں کی طرح حقیقت پر مبنی تھیں جنہیں میں نے حالت بیداری میں سنا تھا۔

وہ تمام اندیشے اور وسوسے جو ذہن کے تاریک گوشوں اور دراڑوں میں دبک گئے تھے ایک بار پھر کینچلی بدل کر باہر نکل آئے۔ مذہبی احترام کے باوجود سروپ جی کی شخصیت پراسرار معلوم ہونے لگی۔ ممکن ہے گوچی ساؤ کے بدھ دھرم قبول کرنے، تبتی لاما ناتھ بنڈو سے ملنے اور دنیا ترک کر کے رتنا گری کی وادی میں قلعہ نما عمارت تعمیر کرنے کی رُوداد سراسر افسانہ ہو اور ساؤ گاری کی تعمیر کا مقصد ہی کچھ اور ہو..... مہذب دنیا سے کوسوں دُور ایک پہاڑی ویرانے میں ساؤ خاندان کا محض گیان اور نروان کی خاطر نسل در نسل قیام یقیناً ناقابل فہم تھا۔ پھر یہ خیال آگ میں سرخ کی ہوئی آہنی سلاخ کی طرح بار بار میرے ذہن کو جلانے اور داغنے لگا کہ سروپ جی نے غیر معمولی تنخواہ کا لالچ دے کر مجھے کیوں ملازم رکھا اور اس ویرانے میں اُنہیں ایک پرائیویٹ سیکرٹری کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

میں پہلے بھی اس مسئلے پر سوچ بچار کر چکا تھا لیکن رات کے آخری حصے میں جب ماتمی چیخوں، غیر انسانی آوازوں اور دردناک آہوں کراہوں نے میری نیند لوٹ لی تھی، یہ خیال کسی بھیانک خطرے کی علامت بن کر ذہن کو ڈسنے لگا اور میں بستر سے اُچھل کر فرش پر آ گیا۔ لالٹین کی زرد روشنی میں اپنے جسم کو بغور دیکھا اور اس بات پر افسوس کرنے لگا کہ کیوں میں نے سوچے سمجھے بغیر ایک ایسی ملازمت قبول کر لی جو مجھے کسی بہت بڑے خطرے سے دوچار کرنے والی ہے۔ کیسی حماقت سرزد ہوئی تھی مجھ سے۔ مگر انسان کی ضرورت اور تنگ دستی کا دوسرا نام مجبوری ہے اور یہی مجبوری کبھی کبھی اس کے گلے میں موت کا پھندا بن جاتی ہے۔

میں نے سوچا وہ اَن دیکھی اور پراسرار طاقت جسے لوگ ''قسمت'' کہتے ہیں میرا ہاتھ پکڑ کر اس ویرانے میں لے آئی ہے تو مجھے اس کے اندھے فیصلے کے مطابق کام کرنا ہوگا۔ اب میں اتنا مجبور اور کمزور بھی نہیں کہ آسانی سے مارکھا جاؤں۔ فوراً ہی میرے دل میں عزم و ارادہ کی ایک نئی لہر سرسرائی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ جب یہاں آ ہی گیا ہوں تو مجھے ہوشیار اور محتاط رہ کر اُن پراسرار حالات کی حقیقت معلوم کرنا ہوگی جو اس عمارت سے وابستہ ہیں اور سروپ جی کتنے ہی پارسا کیوں نہ ہوں بہرحال اُن کی کھال کے اندر ایک آدمی چھپا بیٹھا ہے اور میں اسی چھپے ہوئے آدمی کو بے نقاب کرتے رہوں گا۔

ویسٹرن کی گھڑی کے مطابق رات اپنے پچھلے پہر سے گزر رہی تھی اور میرے اندازے کے مطابق صبح کاذب ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی مگر ایک انجانی خواہش نے مجبور کر دیا کہ میں اس کمرے سے باہر نکلوں اور کھوج لگاؤں کہ ساؤ گاری میں کیا ہو رہا ہے۔

میں نے کوٹ پہنا اور چوبی زینہ اُتر کر نیچے آ گیا۔ پھر راہداری سے گزر کر اُس ڈیوڑھی میں پہنچا جہاں رات سروپ جی نے میرا استقبال کیا تھا۔ ڈیوڑھی کے دروازے کا ہوڑا اندر ہی سے بند کیا گیا تھا۔ میں نے ہوڑا گھمایا، کوارڑ کھولے اور غلام گردش میں نکل آیا جو عمارت کے چاروں طرف حاشیے کی مانند پھیلی ہوئی تھی مگر دروازے سے نکلتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا۔ باہر دھوپ چمک رہی تھی..... سورج کافی بلند ہو چکا تھا اور اُس کی سنہری روشنی میں ساؤ گاری کی عمارت میری حالت پر خندہ زن تھی۔ میں نے گھبرا کر رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ وہ اس وقت بھی چار بجا رہی تھی۔ کان لگا کر آواز سننے کی کوشش کی تو اُس کی نبض بند ہو چکی تھی۔ اب یاد آیا کہ میرے دو دن عجیب و غریب سفر میں گزرے تھے اور میں گھڑی کو چابی دینا بھول گیا تھا۔ ویسٹرن گھڑی نے زندگی میں پہلی بار دھوکہ دیا اور اب یہ پریشانی لاحق ہو رہی تھی کہ اس ویرانے میں گھڑی کا وقت کیسے درست ہوگا؟

یہی سوچتا ہوا غلام گردش کی تین سیڑھیاں اُتر کر صحن میں پہنچ گیا۔ ٹھیک اُسی لمحے میری نظر شاسترو پر پڑی جو مغربی فصیل کی برجی سے نکل رہا تھا۔ غالباً اُس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ بڑی تیزی سے پھدکتا ہوا میری طرف بڑھا۔ اُس کی تیز رفتاری دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ باغیچے کی ایک جنگلی باڑھ پھلانگتے وقت تو اُس نے بندروں کی روایتی چستی کو بھی مات کر دیا پھر وہ دانت نکالے میرے سامنے کھڑا تھا۔

''پربھو! اچھا ہوا آپ جاگ گئے ہو۔ میں آپ ہی کو دیکھنے جا رہا تھا۔''

سوچا کہیں دن کے دس گیارہ بجے تک سوتے رہنا میرا معمول ہی نہ سمجھ لیا جائے اس لئے جان بوجھ کر نوکر پر خفا ہونے لگا۔

''شاسترو! اتنا دن چڑھ آیا اور تو نے مجھے جگایا بھی نہیں..... میں تو صبح سویرے اُٹھنے کا عادی ہوں۔''

''پربھو! میں سویرے ہی جگا دیتا پر مالک کا حکم تھا کہ آپ کو آرام کرنے دیا جائے کیونکہ مسلسل سفر کی وجہ سے آپ تھک گئے ہوں گے۔''

جونہی اُس نے گردن اُوپر اُٹھائی اُس کے بازوؤں کے حلقے میں ایک سیاہ بلی دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ ''ارے شاسترو! یہ بلی تو بڑی پیاری ہے۔''

سیاہ ریشمی کھال میں بلی کی سبز آنکھیں نیلم کی طرح چمک رہی تھیں۔ شاسترو کہنے لگا۔

’’یہ سامی بلی ہے پربھو! اس کا نام سومی ہے۔‘‘

’’مگر اس ویرانے میں یہ بلی کہاں سے آ گئی؟‘‘

’’آئی نہیں، لائی گئی ہے۔ ایک سال ہوا مالک کے ساتھ میں نے برما کا سفر کیا اور وہیں سے ایک جوڑا لے آیا۔‘‘ پھر شاستر و اچانک اُداس نظر آنے لگا اور غمزدہ لہجے میں بولا۔ ’’مگر تین دن ہوئے راما مر گیا۔‘‘

’’راما کون؟‘‘

’’سومی کا ساتھی...... اُس کا نام راما تھا۔ جب سے سومی اپنے پریتم سے بچھڑی ہے، اُس وقت سے آٹھوں پہر سوگ مناتی رہتی ہے۔‘‘

’’یہ تو بہت برا ہوا شاستر و! ساتھی کے بغیر زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔‘‘

’’کیا بتاؤں پربھو! اس سومی کی بچی نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ رات بھر چیختی، چلاتی، روتی اور بین کرتی ہے۔ تین راتیں ہو گئیں اسے سوگ مناتے ہوئے۔ یہ راما کو بھولتی ہی نہیں۔ دن تو جیسے تیسے کٹ جاتا ہے مگر رات کو اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو سومی کی چیخیں سن کر میرا کلیجہ بھی پھٹنے لگتا ہے۔ اس کی آہیں کراہیں بے چین کر دیتی ہیں۔ تین راتوں سے میں اسے گود میں لئے پھرتا ہوں۔ مجھے ڈر تھا کہیں سومی کی چیخیں سن کر آپ کی نیند اُچاٹ نہ ہو جائے۔ رات بھر اسے گود میں لئے کبھی باغ میں پھرتا، کبھی چھت پر نکل جاتا۔ آدھی رات کو بڑی مشکل سے چپ ہوئی مگر تھوڑی دیر پہلے اس نے پھر چیخنا اور کراہنا شروع کر دیا تو میں اسے برجی پر لے گیا۔ راما اور سومی اُسی برجی پر رہتے تھے۔‘‘ یہ کہہ کر شاستر و نے مغربی فصیل کی برجی کی طرف اُنگلی اُٹھا دی۔ پھر اچانک میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ’’پربھو! رات سومی کی چیخیں سن کر کہیں آپ پریشان تو نہیں ہوئے؟‘‘

رات جس پریشانی میں کٹی اس کا ذکر پہلے ہی کر چکا ہوں۔ لیکن یہ حقیقت جان لینے کے بعد کہ رات جو چیخیں اور غیر انسانی آوازیں میرے سوتے جاگتے ذہن سے ٹکراتی رہیں وہ سومی کی تھیں تو مجھے اپنے آپ پر غصہ بھی آنے لگا کہ یونہی میں نے ان چیخوں کو پراسرار بنا دیا اور سروپ جی کے متعلق بھی شکوک و شبہات کا اظہار کرتا رہا۔ اگر میں سروپ جی سے کوئی اُلٹا سیدھا سوال کر بیٹھتا تو کتنی شرمندگی اُٹھانی پڑتی۔ شاستر و نے میرے ذہن سے گزشتہ رات کے تمام منحوس اندیشے دُور کر دیئے اور اب میں بڑے غور سے سومی کو دیکھنے لگا۔ وہ شاستر و کے بازوؤں میں یوں دبکی ہوئی تھی جیسے یہ بازو اُس کے سکون کا گہوارہ ہوں۔ اُس کے سیاہ بال ریشم کی مانند ملائم اور چمکدار تھے۔ سبز آنکھیں ہیرے کی طرح فروزاں تھیں جیسے اُس کی گول گول آنکھوں میں پتلیوں کی جگہ پنے کی گولیاں جڑ دی گئی ہوں۔ راما کی موت کے بعد اس

ویرانے میں سومی کا اُداس و غمگین ہو جانا بالکل فطری تھا۔ یہاں اُسے دوسرا ساتھی مل بھی نہ سکتا تھا۔ میں نے اُس کی پنے جیسی سبز آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’سومی کی بجائے اس کا نام پنا ہونا چاہئے تھا۔ دیکھو نا! اس کی آنکھیں پنے کی طرح سبز ہیں۔‘‘

’’پربھو! اگر یہاں سچ مچ کی ایک پنا نہ ہوتی تو میں سومی کا نام پنا ہی رکھ دیتا۔ مگر پنا کے ہوتے ہوئے یہ مشکل ہے۔ وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔‘‘

’’کون پنا......؟‘‘

’’ایک نرتکی ہے یہاں...... جس کا نام جل پنا ہے۔‘‘

’’ساوَ گاری میں نرتکی کا کیا کام؟‘‘

’’وہ بھگوان کی نرتکی ہے پربھو!‘‘

’’اچھا......‘‘ میرے لئے یہ اطلاع دلچسپ بھی تھی اور حیرت انگیز بھی کہ ساوَ گاری میں کوئی نرتکی بھی رہتی ہے۔ مگر میں نے جان بوجھ کر اُس کا ذکر وہیں چھوڑ دیا اور پوچھنے لگا۔

’’راما کے بغیر اب تمہاری سومی کا کیا ہو گا شاستر و؟‘‘

’’بس تھوڑے دن کی پریشانی ہے...... پھر اس کا دل لگ جائے گا۔‘‘ وہ سومی کو پیار سے دیکھتا ہوا بولا۔

’’مگر اس ویرانے میں کون سی دلچسپی ہے کہ اس غریب کا دل بہل سکے؟‘‘

’’پربھو! عورت ہو یا بلی۔ جب ماں بن جاتی ہے تو اس کے سب دُکھ دُور ہو جاتے ہیں۔ سومی بھی چند روز میں ماں بننے والی ہے۔ پھر یہ اپنے بلونگڑوں کے ساتھ کھیلتی رہے گی۔‘‘

شاستر و سومی کے ہونے والے بچوں کا ذکر اس دلچسپی سے کر رہا تھا جیسے وہ بھی اسی کنبے کا کوئی فرد ہو...... اچانک اُسے کوئی بات یاد آ گئی۔

’’پربھو! آپ نہا دھو کر فارغ ہو جاؤ تو میں ناشتہ لے آؤں۔ مالک آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں نے پانی گرم کر دیا ہے۔ آؤ! آپ کو غسل خانے تک لے چلوں۔‘‘

پھر اُس نے سومی کو جھولا دیتے ہوئے قلانچ بھری اور مغربی فصیل کی طرف ہو لیا۔ میں چپ چاپ اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

مشرقی آسمان پر سورج کا سنہرا رتھ سفید ابر پاروں کی طرف بڑھ رہا تھا جو دھوئیں کے لکّوں کی طرح اُڑتے پھر رہے تھے۔ ہوا زیادہ تیز نہ تھی مگر اس کے جھونکوں سے درختوں کی شاخیں بدمست شرابیوں کی مانند جھوم رہی تھیں۔ ساوَ گاری کے وسیع و عریض پارک میں پھولوں کی جھاڑیاں اور کبڑے درختوں کی شاخیں اپنی بانہیں پھیلائے جیسے مجھے ’’خوش آمدید‘‘ کہہ رہی تھیں۔ یہ تھا ساوَ گاری میں میرے پہلے دن کا آغاز جو خلافِ توقع بڑا خوشگوار تھا۔ غسل اور

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد سروپ ساؤ جی سے ملنا تھا جو شاید مجھے میرے فرائض اور ڈیوٹی سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔

سروپ جی کا کمرہ اُس سرنگ نما راہداری کے آخری سرے پر واقع تھا جو دس فٹ چوڑی اور سو فٹ سے کم طویل نہ تھی۔ جہاں راہداری ختم ہوتی تھی وہاں ایک دیوار اس رہائشی محل کو دو حصوں میں تقسیم کرتی تھی جس کے وسط میں مہاگنی کا مہیب و منقش دروازہ نجی رہائش گاہ میں کھلتا تھا۔ مگر شاسترو نے دیوار سے پندرہ سولہ قدم اِدھر ہی دائیں جانب ایک بھاری دروازے کو دھکیلا۔ کواڑ کھلے تو ہم ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوئے مگر میں فرطِ تعجب سے دہلیز ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔

سامنے کی دیوار پر چینی طرز کا ایک پرانا مگر انتہائی خوبصورت کلاک آویزاں تھا جس پر ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ رتنا گری کے ویرانے میں ایک چینی کلاک دیکھ کر میرا ذہن بھی اُس کے پنڈولم کی طرح حرکت کرنے لگا۔ اُس کلاک نے میری ایک مشکل تو آسان کر دی اور میں نے وہیں کھڑے کھڑے اپنی گھڑی کا ٹائم درست کیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ کلاک ڈیڑھ صدی پرانا اور چین کے شاہی خاندان کی یادگار ہے جسے سروپ جی نے کسی ڈچ سیاح سے بھاری قیمت دے کر حاصل کیا تھا۔ علم و تحقیق کے ساتھ ساتھ اُنہیں قدیم نوادرات جمع کرنے کا شوق تھا چنانچہ اُن کے کمرے میں متعدد پرانی اشیاء بڑے قرینے اور سلیقے سے سجائی گئی تھیں۔ اُن میں اشوک اعظم کی لاٹھ کا ایک مرمریں ماڈل اور بھگوان بدھ کی دو قد آدم نایاب چوبی مورتیاں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں جو رنگت اور ماہرانہ تراش خراش کے اعتبار سے ہو بہو بھگوان بدھ کی شبیہہ معلوم ہوتی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بہ نفسِ نفیس کمرے میں موجود ہیں۔ دونوں مورتیاں وسطی دیوار کے ساتھ پہلو بہ پہلو ایستادہ تھیں جن سے اُس ہال نما کمرے میں تقدس کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ نادر اشیاء سے آراستہ کمرے کو دیکھ کر مہذب دنیا سے دُوری و علیحدگی کا احساس نہ جانے کس طرف پرواز کر گیا کیونکہ میں تو جیسے کسی شہری بنگلے کے ڈرائنگ رُوم یا کسی میوزیم میں آ پہنچا تھا۔

سروپ جی ایک کرسی پر بیٹھے میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ اُنہوں نے ہنستی آنکھوں اور مسکراتے چہرے سے میرا سواگت کیا اور مجھے رُکتے دیکھ کر بولے۔

''رُک کیوں گئے تھارو کیشپ! آگے آؤ۔''

اُن کی آواز نے مجھے چونکا دیا کیونکہ میں کمرے کے ساز و سامان اور آرائش میں محو ہو گیا اور اپنے آپ کو کسی شہر ہی میں محسوس کرنے لگا تھا...... پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ سروپ جی نے ...... جی مجھے دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور شاسترو سے مخاطب ہوئے جو چند قدم

...ے ہی رُک گیا تھا۔

''شاسترو! ہم دونوں دوپہر کا کھانا اسی کمرے میں کھائیں گے۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

بونا ملازم وہیں سے اُلٹے قدموں لوٹ گیا۔

میرا خیال تھا سروپ جی مجھے اُن ذمہ داریوں سے آگاہ کریں گے جن کے لئے میں یہاں ...ا گیا ہوں۔ وہ ضروری امور سمجھائیں گے جو مجھے سیکرٹری کی حیثیت سے ادا کرنا تھے مگر اُنہوں نے رسمی طور پر بھی میرے فرائض کا ذکر نہ کیا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ وہ اس بات پر ...ا مے پریشان معلوم ہوتے تھے کہ مجھے ایک لمبا سفر کر کے شہری آبادیوں سے دُور اس پہاڑی ویرانے میں آنا پڑا لیکن اپنے جدِ اعلیٰ گوپی ساؤ کی وصیت کے مطابق وہ اس دُور افتادہ مقام پر رہنے کے لئے مجبور تھے یہ اُن کی خاندانی مجبوری تھی جس سے نجات ممکن نہ تھی۔ پھر اب تو وہ خود بھی اس پہاڑی ویرانے میں سکون محسوس کرنے لگے تھے۔ اُنہوں نے کہا۔

''تھارو کیشپ! مجھے یہ ادھیکار تو نہیں کہ تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں اس ویرانے میں رہنے پر مجبور کروں مگر تم نے خود کہا تھا کہ تمہیں ویرانے شہروں سے اچھے لگتے ہیں اس لئے میں نے تمہیں یہاں بلا لیا ہے۔ اگر تم چاہو تو اب بھی اپنا فیصلہ بدل سکتے ہو۔''

میں حیران تھا کہ کیا جواب دُوں۔ اُنہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ چھپائی تھی بلکہ شیلانگ ہی میں واضح کر دیا تھا کہ وہ شہر سے دُور پہاڑی ویرانے میں رہتے ہیں۔ اب ساؤ گاری میں رہائش یا واپسی کا فیصلہ بھی میری مرضی پر چھوڑ دیا۔ میں اُن کی صاف گوئی سے بڑا متاثر ہوا۔ ٹھیک اُسی لمحے کسی نادیدہ طاقت نے میرے ذہن کے غرفے سے نکل کر مجھ سے سرگوشی کی۔

''تھارو کیشپ! جب ایک اَن دیکھے راستے پر چل پڑے ہو تو اب واپس جانا شیوۂ مردانگی نہیں، جو وعدہ کر چکے ہو اُس پر قائم رہو اور دیکھو تو سہی پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔''

یہ میری تقدیر کی سرگوشی تھی جو مجھے شہروں سے نکال کر اس ویرانے میں کھینچ لائی اور اصرار کر رہی تھی کہ واپس نہ جاؤں۔ میں نے اپنی تقدیر کو مایوس نہیں کیا اور سروپ جی سے بولا۔

''اگر واپس جانا ہوتا تو آتا ہی کیوں؟ میں اپنے فیصلے تبدیل کرنے کا عادی نہیں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ آدمی کو مستقل مزاج ہونا چاہئے۔ پھر بھی میں تمہاری مرضی کو اہمیت دیتا ہوں۔ بعض اوقات تنہائی پسند آدمی بھی ویرانوں سے گھبرا جاتا ہے اور شہروں کا رُخ کرتا ہے۔''

''آدمی شہر میں رہے یا ویرانے میں...... اپنی تقدیر سے تو نہیں بھاگ سکتا۔''

سروپ جی نے چونک کر مجھے دیکھا اور میں نے اپنی بات جاری رکھی۔

''شہروں میں رہ کر آدمی اپنے آپ کو گم کر دیتا ہے مگر ویرانوں میں خود کو ڈھونڈ نکالتا ہے۔''

’’ٹھیک کہتے ہو کیشپ! اپنے آپ کو ڈھونڈ نا ہی زندگی کا مقصد ہے۔‘‘

’’ہر آدمی کے اندر ایک ویرانہ ہوتا ہے سروپ جی! وہ ویرانہ رتنا گری کا ہو یا اُس کی اپنی آتما کا، نروان کی تلاش میں اُسے کبھی نہ کبھی اس ویرانے میں آنا ہی پڑتا ہے۔‘‘

سروپ جی کے حلق سے ایک چیخ سی نکلی۔ ’’مجھے بے حد خوشی ہے تھارو کیشپ! کہ میں نے صحیح آدمی کا انتخاب کیا ہے۔ ساؤ گاری میں تمہاری آمد ضرور میری مکتی کا ذریعہ بنے گی اور میں جیون کے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔‘‘

ان الفاظ کی سنگینی نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ساؤ خاندان نے تو گوچی ساؤ کے ذریعے مکتی اور نجات کا راستہ تلاش کر لیا تھا پھر سروپ جی کو کس مکتی کی تلاش تھی جس کے لئے اُنہوں نے میرا انتخاب کیا اور ’’جیون کے عذاب‘‘ سے نجات چاہتے تھے۔ میں پریشان ہو کر بولا۔

’’میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔‘‘

’’سمجھ جاؤ گے...... سمجھ جاؤ گے۔‘‘ اُن کی آواز کسی شدید کرب سے بوجھل ہوگئی۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا بھی چاہتے ہیں، کچھ چھپانا بھی چاہتے ہیں اور اُن کے اندر چھپ کر بیٹھے ہوئے کسی سربستہ راز نے اُن کی زندگی کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ مگر وہ سربستہ راز، وہ سر نہاں کیا ہے جس نے اُن کی زبان پر تالے ڈال دیئے ہیں؟ میرے ذہن میں اگرچہ کئی سوال داؤ و رولے کی طرح چکر کاٹ رہے تھے اور سب سے اہم سوال تو یہی تھا کہ مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟ میرے فرائض کیا ہیں، کام کیا ہے اور ساؤ گاری میں نروان کا وہ کون سا پراسرار دروازہ ہے جو میرے بغیر کھل ہی نہیں سکتا؟ یہ سب باتیں پوچھنے سے تعلق رکھتی تھیں مگر سروپ جی کی بزرگی اور اُن کے ذہنی کرب کے خیال سے میں نے کوئی سوال مناسب نہ سمجھا کیونکہ باتیں کرتے کرتے رتنا گری کے ویرانے سے نکل کر وہ اپنی آتما کے ویرانے میں داخل ہو گئے تھے اور یہ ویرانہ رتنا گری کے ویرانے سے کہیں زیادہ دُور افتادہ، سنسان اور پُرہول تھا جہاں وہ بالکل یکا و تنہا کھڑے اپنی نجات کے لئے پکار رہے تھے اور میں ان حالات میں اُنہیں مزید پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ خود ہی کہنے لگے۔

’’بعض دُکھ آدمی کو ورثے میں ملتے ہیں۔ میرا دُکھ بھی موروثی ہے۔‘‘

’’مگر دوسروں سے اپنا دُکھ بیان کر دینے سے آدمی کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔‘‘

’’نہیں تھارو کیشپ! میرا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہے مگر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بے شک میں شہروں اور آبادیوں سے دُور بیٹھا ہوں مگر تم اس ویرانے میں رہ کر بھی دنیا سے رابطہ قائم رکھ سکتے ہو۔ کیونکہ ساؤ گاری میں ہر ہفتے ڈاک آتی جاتی ہے۔‘‘

اُن کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میری حیرت اور مسرت کی انتہا نہ رہی۔

’’کیا واقعی یہاں ڈاک آتی جاتی ہے......؟‘‘

’’ہاں...... مگر ہفتے میں صرف ایک بار۔ سنیچر کے دن ایک آدمی ڈاک لے کر ڑپا جاتا ہے اور ڈاک خانے تک پہنچاتا ہے۔ واپسی پر وہ ساؤ گاری کے پتے پر آنے والے خطوط اور پارسل لے آتا ہے۔‘‘

یہ اطلاع میرے لئے بے حد حوصلہ افزا تھی کہ مہذب دنیا سے کوسوں دُور ہونے کے باوجود رتنا گری کا ویرانہ مہذب دنیا سے منسلک ہے۔ اس اطلاع کے بعد شہری آبادی سے دُوری اور علیحدگی کا جاں سوز احساس پہلے سے کچھ اور کم ہو گیا۔

باتوں کے دوران وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ جب شاسترو کھانا لے کر آیا تو میں نے چینی کلاک کی طرف دیکھا، دو بجنے والے تھے۔ سروپ جی نے بتایا۔ ’’میں دوپہر کا کھانا قریباً ایک بجے کھاتا ہوں مگر آج تمہاری وجہ سے ایک گھنٹہ دیر ہو گئی کیونکہ دیر تک سوتے رہنے کی وجہ سے تم نے صبح کا ناشتہ گیارہ بجے کیا تھا۔‘‘

میں نے اُن سے معذرت کی کہ میری وجہ سے اُن کے معمول میں ایک گھنٹہ کی تاخیر ہو گئی ہے۔ کھانا کافی پُرتکلف بھی تھا اور لذیذ بھی۔ سبزیوں کے علاوہ گوشت، انڈے، مچھلی، چاول ہر شے موجود تھی اور نروان کے متلاشی بدھ بھکشو اور گیانی پُرتکلف کھانے نہیں کھاتے۔ سوچا شاید یہ خاص اہتمام میری خاطر کیا گیا ہو اور میں محسوس کر رہا تھا کہ ساؤ گاری کی بجائے ڑپا یا بائی پارہ کے کسی ہوٹل میں بیٹھا ہوں۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو سروپ جی کہنے لگے۔ ’’میرا خیال ہے تم چند روز آرام کرو۔‘‘

اُن کی اس بات سے مجھے اپنے فرائض کے بارے میں پوچھنے کا بہانہ مل گیا۔

’’میرا اصول تو یہ ہے کہ پہلے کام پھر آرام۔ یہ بتایئے میرے ذمے کام کیا ہے؟‘‘

’’کام بھی دیکھا جائے گا تھارو کیشپ! پہلے آرام کرو۔‘‘

میں حیران رہ گیا کہ اُنہوں نے مجھے ایک غیر معمولی تنخواہ پر ملازم رکھا اور سفر کے اخراجات کے علاوہ میری چاچی کو پانچ سو روپے بھی بھجوا دیئے لیکن کام کے بارے میں پوچھا تو آرام کرنے کا مشورہ دے کر ٹال گئے، پھر شاسترو سے مخاطب ہوئے۔

’’تم کیشپ کو رتنا گری کی سیر کراؤ اور ان کے آرام کا پورا خیال رکھو۔‘‘

یہ تھی ساؤ گاری میں سروپ جی سے میری پہلی ملاقات جس نے مجھے ایک نئے تحیر سے دوچار کر دیا۔

ملاقات سے فارغ ہو کر میں اپنے کمرے میں آ گیا اور سوچنے لگا کہ آخر سروپ جی نے مجھے کس مقصد کے لئے اپنا سیکرٹری رکھا ہے؟ اب تو ساؤ گاری کی عمارت ہی میری چھوٹی سی

یا تھی اور یہ کمرہ گویا میرا کنجِ تنہائی تھا مگر دل کی ڈھارس کا ایک سہارا ضرور مل گیا تھا کہ میں اس کنجِ تنہائی میں رہتے ہوئے بھی خط و کتابت کے ذریعے بیرونی دنیا سے تعلق رکھ سکتا ہوں۔ یہاں ہفتے میں ایک بار ڈاک آتی جاتی تھی اگرچہ ڈاک کے دو دن گزر چکے تھے کیونکہ میں پیکو کے ہمراہ اتوار کی رات کو یہاں پہنچا تھا۔ آج سوموار تھا اور اگلے سنیچر میں پورے پانچ دن پڑے تھے مگر جی میں آئی کیوں نہ آج ہی چاچی جی کے نام چٹھی لکھ دُوں اور اُسے بتاؤں کہ میں کہاں آ گیا ہوں۔ چٹھی لکھنے میں کچھ وقت بھی کٹ جائے گا اور دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔ ابھی اس بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ شاسترو آ دھمکا اور بولا۔

"پربھو! باہر سماں بڑا خوشگوار ہے اور ایسے خوبصورت موسم میں رتنا گری کی سیر من کو شانتی دیتی ہے۔"

"سیر بھی ہوتی رہے گی شاسترو! مجھے تو ساؤ گاری کے بارے میں کچھ بتا، یہاں کون کون رہتا ہے؟"

"کیا بتاؤں...... گنتی کے چند آدمی ہیں اور ایک دو روز میں آپ سب کو پہچان لو گے۔ اس چھوٹی سی دنیا میں زیادہ فاصلے نہیں مگر ساؤ گاری کے باہر دنیا بڑی وسیع اور سندر ہے۔ آپ رتنا گری کو دیکھو گے تو اس وادی کو پسند کرو گے پربھو!"

رتنا گری کی سیر کا مشورہ سروپ جی نے بھی دیا تھا اور اب شاسترو بھی اصرار کر رہا تھا کہ میں اس کے ساتھ وادی کی سیر کرنے چلوں مگر کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ پہاڑوں کی سیر شام کی بجائے صبح کو کرنی چاہئے۔ شام کے اندھیروں میں پہاڑوں پر بھٹک جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ میں نے کہا۔ "رتنا گری کی سیر کل پہلے پہر کریں گے۔ آج آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

شاسترو کچھ دیر بیٹھا اپنی دلچسپ باتوں سے میرا دل بہلاتا رہا۔ وہ جسمانی لحاظ سے بے شک بونا اور نامکمل آدمی تھا لیکن دماغی طور پر عام لوگوں سے کہیں زیادہ مکمل اور بڑے منطقی انداز میں باتیں کرتا تھا۔ چار بجے جب جانے لگا تو بولا۔ "پربھو! یہاں آپ کی دیکھ بھال میں ہی کروں گا۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو مالک سے شکایت نہ کرنا بلکہ مجھی پر اپنا غصہ نکال لینا۔"

"ارے میں جانتا ہوں تو کوئی غلطی نہیں کرے گا۔"

"کروں گا پربھو......! ہر آدمی سے کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہو جاتی ہے۔ صرف بھگوان غلطی نہیں کرتا۔"

میں اُس بونے کی یہ "قد آور بات" سن کر محظوظ ہوا اور مسکرا کر بولا۔

"اگر تجھ سے کوئی غلطی ہو بھی گئی تو تیری ہی طرح دلچسپ ہوگی۔"

شاسترو نے دانت نکوس دیئے۔ "بھول رہے ہو پربھو! کوئی غلطی دلچسپ نہیں ہوتی۔"

"ارے ہوتی ہے...... جیسے تو خود ایک مجسم غلطی ہے۔"

وہ ہنس دیا۔ "اچھا...... میں کوشش کروں گا اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ دلچسپ ہو۔"

یہ کہہ کر وہ رخصت ہو گیا۔ رات کے کھانے پر اُس سے پھر ملاقات ہوئی۔ کہنے لگا۔ "پربھو! آج رات گھوڑے بیچ کر سو جانا! صبح تک سفر کی تھکاوٹ بالکل دُور ہو جائے گی۔"

اُس رات واقعی بڑی گہری نیند آئی۔ ایسا بے سدھ ہو کر سویا کہ کوئی ہوش نہ رہا اور صبح جاگا۔ جاگا کہاں، جگایا گیا۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو شاسترو میرا کندھا ہلا رہا تھا۔

"اُٹھو پربھو......! دیر ہو گئی۔"

میں انگڑائی لیتا ہوا اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پوری نیند لینے سے جسم ہلکا ہلکا سا لگ رہا تھا۔

"ارے شاسترو! آج تو خوب نیند آئی۔"

"وہ تو آنی ہی تھی۔ کیونکہ رات مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تھی۔"

"کیسی غلطی؟"

"میں نے آپ کے قہوے میں نیند کی ایک گولی ملا دی تھی۔"

"وہ کس لئے؟"

"نیند کی گولی کس لئے ہوتی ہے؟"

"مگر میں تو گولیوں کا عادی نہیں۔" میں نے آنکھیں دکھائیں۔

"شما کر دو پربھو......! غلطی ہو گئی۔"

"جا معاف کیا۔ کیونکہ تیری غلطی دلچسپ تھی۔ میں رات بھر مزے سے سویا۔"

ابھی بستر ہی پر تھا کہ یکایک ساؤ گاری کی پوری عمارت گھنٹیوں کے شور سے گونجنے لگی۔ میں گھبرا کر بستر سے اٹھا کہ شاید صبح ہی صبح کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے اور ساؤ گاری کے باسیوں کو کسی خطرے سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ میرے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار دیکھ کر شاسترو مطمئن لہجے میں بولا۔

"گھبراؤ نہیں پربھو! یہ پوجا کی گھنٹیاں ہیں۔"

"پوجا کی گھنٹیاں؟"

"ہاں...... ہر منگل کے دن یہاں ناچ پوجا ہوتی ہے۔ آج بھی منگل ہے۔"

ناچ پوجا کا سن کر ذہن میں ایک نیا احساس انگڑائی لینے لگا۔ یہ نئی بات معلوم ہوئی تھی۔

"مگر ناچ پوجا ہوتی کہاں ہے؟"

"مندر میں اور کہاں ہو گی؟"

"اچھا...... تو یہاں کوئی مندر بھی ہے۔"

"اس عمارت میں بھگوان بدھ کا ایک مندر ہے اور ساؤ گاری میں رہنے والے بھکشو اسی حصے میں رہتے ہیں۔"

میں نے سوچا یہ ساؤ گاری تو بڑی عجیب و غریب عمارت معلوم ہوتی ہے۔ تین صدیوں سے یہاں نروان اور گیان کا سلسلہ جاری ہے۔ مہذب دنیا سے کوسوں دُور ہونے کے باوجود ہفتے میں ایک بار ڈاک بھی آتی جاتی ہے۔ ایک مندر بھی ہے جہاں ہر ہفتے "ناچ پوجا" ہوتی ہے۔ "ناچ پوجا" سے پہلے گھنٹیاں بھی بجتی ہیں اور شاسترو نے کسی نرتکی کا ذکر بھی کیا تھا جو ساؤ گاری پر حکومت کرتی ہے۔ کیا نام ہے اُس کا...... پنا...... نہیں جل پنا اور شاسترو نے کہا تھا کہ وہ بھگوان کی نرتکی ہے۔ کل جب اُس نے جل پنا کا ذکر چھیڑا تو جانے کیوں میں نے اُس کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہ کی حالانکہ کرنی چاہئے تھی۔ بھلا ایک دُور افتادہ ویرانے میں نرتکی کا کیا کام؟ پھر ساؤ گاری کی چھوٹی سی دنیا میں رہنے والے ہر باسی کو ایک دوسرے کا حال تو جاننا چاہئے مگر میں نے اس طرف توجہ ہی نہ دی تھی۔

"ارے شاسترو...... تو نے بتایا تھا یہاں کوئی نرتکی بھی رہتی ہے۔"

"بھگوان کی نرتکی...... جل پنا ہے اُس کا نام۔"

"وہی ناچتی ہوگی مندر میں۔"

"ہاں...... کیونکہ وہ صرف ناچ پوجا کے لئے یہاں آئی ہے۔"

"آئی ہے یا لائی گئی ہے؟"

"دونوں ہی باتیں ہیں۔ مگر ناچتی کیا ہے جادو کرتی ہے۔"

"پھر تو ناچ پوجا میں جانا چاہئے۔"

"وہ تو جانا ہی ہوگا کیونکہ سروپ جی کا حکم ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"پربھو! ہر بات کا مطلب پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کچھ باتیں خود بھی سمجھنا چاہئیں۔ مالک کا حکم ہے ساؤ گاری کے کسی باسی کو ناچ پوجا سے غیر حاضر نہیں ہونا چاہئے اور میں اتنی سویرے اسی لئے آیا ہوں کہ آپ کو مندر میں لے چلوں۔ مندر بھی تو دکھانا ہے۔"

"مجھے تو علم ہی نہ تھا کہ یہاں کوئی مندر بھی ہے۔"

"اب تو پتہ چل گیا نا...... ویسے بھی آپ کو مندر میں تو جانا ہی تھا۔ ناچ پوجا کے لئے نہ سہی جل پنا کو دیکھنے۔"

میں نے حیرت زدہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا اور وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"پربھو! اگر میں نے غلط کہا ہے تو ایک بار پھر شما کر دو۔"

معذرت کے اس دلچسپ انداز پر میں بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"اچھا تو چل...... جل پنا ہی کو دیکھنے چلتے ہیں۔"

مجھے تیار ہونے میں دیر نہیں لگی۔ ناچ پوجا عام پوجا پاٹ سے کچھ مختلف بھی ہوتی ہے اور پُرکشش بھی۔ بڑے بڑے مندروں ہی میں اُس کا اہتمام ہوتا ہے یا خاص آشرموں میں۔ مگر ساؤ گاری میں ناچ پوجا کا سندیس اور گھنٹیوں کا شور دل میں ایک عجیب سی کشش پیدا کر رہا تھا۔ میں نے اپنے من میں جھانکنے کی کوشش کی تو پوجا سے زیادہ جل پنا کو دیکھنے کے لئے کھد بد سی ہو رہی تھی اور یہ کھد بد کیوں نہ ہوتی اُس عورت کو تو ضرور دیکھنا چاہئے جو ساری دنیا کو تیاگ کر اس ویرانے میں بھگوان کی نرتکی بن کر آئی ہے۔"

میں شاسترو کے ساتھ کمرے سے نکل کر اُس غلام گردش میں آ گیا جو ساؤ گاری کے چاروں طرف ایک خوبصورت گوٹ کی طرح پھیلی تھی۔ گھنٹیوں کی مترنم آوازیں ابھی تک گونج رہی تھیں اور اُبھرتے ہوئے سورج کی روشنی میں یہ کھنکھناتی آوازیں پہاڑوں سے ٹکرا کر ایک مقدس "صدائے بازگشت" پیدا کر رہی تھیں۔ ہم غلام گردش میں پچھم کی سمت ہو لئے۔ فصیل کے ساتھ ساتھ ایک تنگ سی گلی عمارت کے پچھلے حصے میں چلی گئی تھی۔ گلی کے اختتام پر ساگوان کا ایک بھاری دروازہ تھا جس پر قدیم بدھ طرز کے نقش و نگار کھدے ہوئے تھے۔ دروازے کے ساتھ ہی سات سیڑھیوں کا ایک سنگی زینہ مندر کی راہداری میں اُترتا تھا جو برآمدے کی طرح بڑے بڑے بھاری مگر پست قامت ستونوں پر کھڑی مندر کے اردگرد پھیلی تھی۔ اسی راہداری یا برآمدے کی چھت کے ساتھ کانسی کی درجنوں گھنٹیاں دُور تک آویزاں تھیں جنہیں پیتل کی ایک لمبی زنجیر نے باہم منسلک کر رکھا تھا۔ اس زنجیر کا سرا پچھم کی جانب بیٹھے ہوئے ایک بدھ بھکشو کے ہاتھ میں تھا۔ وہ زنجیر ہلاتا تو چھت سے لٹکتی ہوئی درجنوں گھنٹیاں ایک ساتھ بجنے لگتی تھیں۔

ہم دونوں برآمدے میں چلتے رہے اور ہمارے سروں کے اُوپر کانسی کی گھنٹیاں ایک سرور آمیز آہنگ سے بجتی رہیں۔ پھر ایک چوڑا اور بھاری دروازہ عبور کر کے ہم اُونچی چھت والے ایک ہال کمرے میں داخل ہوئے جس کی نیم تاریک فضا میں سندل کی خوشبو بسی تھی۔ یہ خوشبو بھگوان کی عزیز تھی اسی نسبت سے بدھ مندروں اور پگوڈوں میں صندل سلگایا جاتا ہے اور یہ بھی بھگوان بدھ کا مندر تھا۔

ہال میں اندھیرے کی وجہ سے فوری طور پر اُن لوگوں کی شکلیں تو دکھائی نہ دے سکیں جو ناچ پوجا کے لئے جمع ہوئے تھے البتہ پچھلی دیوار کے وسط میں بھگوان بدھ کا سولہ سترہ فٹ اُونچا اور بھاری بھرکم مجسمہ ضرور نظر آیا جو مندر کی اُونچی چھت سے ٹکرا رہا تھا۔ یہ مجسمہ سرخ رنگ کے پتھر سے تراشا گیا اور بھگوان بدھ کی اُس مخصوص کیفیت کو پیش کرتا تھا جس میں اُنہیں نروان حاصل

ہوا۔ ہم دونوں اُس کے قریب ہی ایک دیوار سے لگ کر بیٹھ گئے۔

ہولے ہولے ملگجے اندھیرے میں ساوَگاری کے باسیوں کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔ اُن کی تعداد میرے اندازے سے کہیں زیادہ تھی کیونکہ پتھر کی طرح جن ساکت و صامت پرچھائیوں کو میں نے شمار کیا وہ چوبیس تھیں۔ پانچ پرچھائیاں ایک الگ صف میں بیٹھی دکھائی دیں۔ وہ پانچوں عورتیں تھیں اور یہ انکشاف واقعی حیران کن تھا کہ یہاں کم از کم پانچ عورتیں بھی رہتی ہیں۔ میں تو سمجھتا تھا ساوَگاری میں گنتی کے صرف دس بارہ آدمی ہوں گے لیکن اب پتہ چلا کہ معاملہ کچھ مختلف ہے۔ اتنے لوگوں کی موجودگی ظاہر کرتی تھی کہ ساوَگاری ایک چھوٹی سی بستی کی حیثیت رکھتی ہے اور دنیا سے علیحدگی اور تنہائی کا احساس کچھ اتنا پریشان کن نہیں ہو سکتا جتنا شروع شروع میں مجھے ہوا تھا۔ وہ ساتوں بھکشو بھی جنہوں نے اپنی زبانیں کٹوا دی تھیں اپنے مخصوص گیروے چولوں میں ایک طرف حلقہ سا باندھے بیٹھے تھے۔ اُن کے پیچھے کچھ اور بھکشو بھی اسی لباس میں موجود تھے۔ پیگو اور ساوَگاری کے واحد بیرونی پھاٹک کا چوکیدار بھی ایک جانب بیٹھے دکھائی دیئے۔

ابھی میں مندر میں موجود لوگوں کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ سروپ جی ایک پروہت کے ہمراہ پچھمی دروازے سے داخل ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ پروہت گنجال تھا جو سروپ جی کے بعد ساوَگاری کی سب سے اہم شخصیت تھی۔ اُن کے بیٹھتے ہی گونجتی ہوئی گھنٹیوں کا شور یکلخت تھم گیا اور مندر کی سانس لیتی خاموشی میں پروہت گنجال نے اپنے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی۔ اس اشاراتی آواز کے ساتھ ہی کسی نادیدہ گوشے میں ڈھولک، بانکیا اور کانسی کی تھالیاں ایک مخصوص آہنگ سے بجنے لگیں۔ یہ تبت، برما اور آسام کے بدھ آشرموں کی خاص موسیقی تھی جس کی گت پر ایک نرتکی گھنگھروؤں کے چھناکے توڑتی اور اپنی دونوں ہتھیلیوں پر پیتل کے دیئے لہراتی عقبی دروازے سے اس طرح نمودار ہوئی جیسے آکاش کی کوئی اپسرا کرنیں بکھیرتی ہوئی دھرتی پر اُتر آئے۔

مندر کے ملگجے اندھیرے میں جو دیوں کی روشنی میں زردی مائل ہلکے سے اُجالے میں بدل گیا تھا۔ اور صبح کے وقت ناچ پوجا میں دیئے گویا طلوع آفتاب کی علامت تھے۔ نرتکی کا چہرہ تو صاف دکھائی نہ دیتا تھا مگر کپکپاتی، تھرتھراتی شعاعوں کے عکس ایک سڈول کندنی بدن اور گورے سے مکھڑے کی جھلک دکھا رہے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یقیناً وہ سندر ہو گی۔ ہوا کے جھونکے کی لہر لیتی وہ بھگوان بدھ کے حضور پہنچی اور اپنی دونوں بانہیں لہرا کر گردن جھکا دی۔ پیتل کے دیئے اُس کی صاف ہتھیلیوں پر فروزاں تھے جن کی زرد کرنیں بھگوان کے سرخ جسم پر منعکس ہو رہی تھیں۔ دو تین لمحے اسی حالت میں خمیدہ رہنے کے بعد وہ سنگیت کے ساتھ گت

بھرتی، چھناکے جگاتی اور دیئے لہراتی ناچ کے بھاؤ کاٹنے لگی۔ ڈھولک، بانکیا اور کانسی کی تھالیوں کی مدھر تال پر اُس کے گھنگھروؤں کی موسیقی اور ناچ کی دلکشی گویا جادو بکھیر رہی تھی۔ کبھی وہ بدن لچکاتی کبھی دوہری ہوتی، کبھی ناگن کی طرح جھومتی اور کبھی موجِ گرداب کی طرح گھومتی ہوئی خود بھی ایک موجِ فروزاں نظر آتی تھی اور اس حالت میں بھی دونوں دیئے اُس کی ہتھیلیوں پر جیسے جم کر رہ گئے تھے۔ اُس کے رقص کا ہر بھاؤ، گت بھرنے کا ہر انداز، سم اُٹھانے کا ہر زاویہ اتنا دلکش تھا کہ آنکھیں پلک تک جھپکنا بھول گئیں۔ میں نے بنگال کی آرٹ کونسلوں، کلا آشرموں اور ناچ سبھاؤں میں ہندو اور بدھ رقص کے کئی نمونے، کئی انداز دیکھے تھے۔ بھارت ناٹیم سے لے کر منی پور تک جو آسام ہی کا ایک مخصوص ناچ ہے، رقص کی کتنی ہی قسموں کا نظارہ کیا تھا لیکن ایسا سندر ناچ پہلی بار دیکھ رہا تھا جسے دیکھ کر من کو ایک عجیب سی شانتی مل رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے آدمی سر سنگیت کی لہروں میں ڈوبنے لگا ہے اور دل میں گیان کی جوت سی روشن ہو رہی ہے۔ مندر میں بیٹھا ہر آدمی کہیں کھو کے رہ گیا تھا۔ یہ ناچ بھگتی کا ایک اچھوتا رنگ تھا جس نے میرے ذہن میں جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا کر دی۔

اچانک وہ ناچ کا توڑا کاٹتی، گھنگھرو چھنکاتی اور بدن گھماتی پلٹی اور بانہیں لہراتی ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے دیوں کو اپنے کندھوں تک لے گئی۔ دیوں کی روشنی میں اُس کا چہرہ گلاب کی طرح کھلتا نظر آیا۔ وہ بے حد سندر اور نوجوان تھی۔ سولہ سترہ برس کی عمر لیکن رقص کے فن میں پختہ۔ اب مجھ پر یہ بھید بھی کھل گیا کہ شاستر و نے اُس کا خصوصی ذکر کیوں کیا تھا۔ اسی لمحے شاستر و نے سرگوشی کی۔

"پربھو......! یہ ہے جل پنا...... بھگوان کی نرتکی۔"

میں جل پنا کو دیکھنے میں کھو سا گیا تھا۔ شاستر و میری محویت دیکھ کر دھیرے سے بولا۔

"میرا خیال ہے پنا آپ کے من مندر میں ناچ رہی ہے۔"

یہ خیال کچھ غلط نہ تھا۔ میں پنا کے پاؤں کی ہر جنبش اور گھنگھروؤں کا ہر چھناکا اپنے دل کی کوٹھری میں سن رہا تھا۔ اور ہر دھماکے کی لرزش جیسے میری پیاسی آتما کو سکون بخش رہی تھی۔ پنا کے ناچ نے مجھے بھگتی کے ایک نئے رُخ سے آشنا کیا تھا۔ وہ اپنے گھنگھرو بجاتی اور دیئے لہراتی ایک بار پھر گھوم گئی۔ ساتھ ہی اُس نے اپنی بانہوں کو بھی تیزی سے گھمایا اور دیئے ایک دائرے میں چکر کاٹنے لگے۔ اُن کی لویں تھرتھرا کر باریک ہو گئیں۔ پھر لہر لے کر اُس نے دونوں دیئے بھگوان کے چرنوں میں رکھ دیئے اور خود بھی وہیں ڈھیر ہو گئی۔

بھگوان کے چرنوں میں گرتے ہی ڈھولک، بانکیا اور کانسی کی تھالیوں کی موسیقی ہولے ہولے کسی گہرے ساگر میں ڈوبتی چلی گئی...... ناچ پوجا ختم ہو گئی اور پنا کی طرح ہر کوئی اپنے

آپ کو بھگوان کے شرن میں محسوس کر رہا تھا۔ پروہت گنجال نے اُٹھ کر اُسے آشیر باد دی اور وہ بھگوان کے چرنوں سے اُٹھ کر دھیرے دھیرے چلتی سروپ جی کے پاس آئی جو کھڑے ہو گئے تھے مگر اُن کے علاوہ مندر میں موجود کسی شخص نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ وہ اُس کی طرف اپنا بازو لہراتے ہوئے بولے۔

''دھنیا واد ہے جل پنا......! تو ہمارے من کو شانتی دیتی ہے۔ تتھا گت تیرے من کو شانتی دیں گے۔''

پنا گردن جھکائے چپ چاپ کھڑی رہی۔ اسی اثناء میں سروپ جی نے مجھے آواز دی۔

''تھارو کیشپ...... یہاں آؤ!''

میں گھبرا کر اُٹھا اور اُن کے قریب پہنچ گیا۔ جل پنا نے مجھے اور میں نے اُسے دیکھا اور سروپ جی نے ہم دونوں کا تعارف کرایا۔

''یہ تھارو کیشپ ہیں پنا! اسی سال بی۔ اے پاس کیا ہے اور بدھ تاریخ کے اسکالر بھی ہیں۔ میری درخواست پر یہاں آئے ہیں۔ اب ساؤ گاری ہی میں قیام کریں گے۔''

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئے۔ ''اور یہ جل پنا ہے تھارو کیشپ! بھگوان کی نرتکی جس نے اپنا جیون ناچ پوجا کے لئے وقف کر دیا ہے۔''

ہم دونوں نے ایک دوسرے کو ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور ایک بار پھر ہماری نگاہیں ٹکرائیں۔ اس بار میں نے پنا کو غور سے دیکھا تو کچھ یوں لگا جیسے پہلے بھی اسے کہیں دیکھ چکا ہوں، اُسے جانتا ہوں مگر کہاں دیکھا تھا؟ اس کے بارے میں کیا جانتا ہوں؟ اس وقت کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اپنے حافظے پر زور دیا، ماضی کی یادداشتوں کے ورق اُلٹنے کی کوشش کی لیکن جل پنا نام کی کوئی لڑکی وہاں موجود نہ تھی۔ پھر آنکھوں کو یہ صورت آشنا سی کیوں لگی ہے؟ اسے دیکھ کر دل میں شناسائی کی لہر سی کیوں اُبھر آئی ہے؟ میں سوچ بھی رہا تھا اور محسوس بھی کر رہا تھا کہ ہمارے قریب ہی کھڑا پروہت گنجال نہ صرف میری حالت کا بغور جائزہ لے رہا ہے بلکہ جل پنا پر بھی اُس کی نظر ہے۔ غالباً سروپ جی نے بھی یہ کیفیت بھانپ لی۔ اچانک وہ گنجال کی طرف اشارہ کر کے بولے۔ ''تھارو کیشپ! ان سے ملو...... یہ پروہت گنجال ہیں جو یہاں بھکتی، گیان اور نروان کی تپسیا سکھاتے ہیں۔''

میں نے اُسے بھی ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا لیکن اُس نے بڑی سرد مہری سے میرے سلام کا جواب دیا۔ سروپ جی بتانے لگے۔ ''جب سے ساؤ گاری کی عمارت تعمیر ہوئی ہے یہاں گیان دھیان کی تپسیا جاری ہے اور اس کے ساتھ ناچ پوجا کی رسم بھی گوچی ساؤ نے خود جاری کی تھی جس پر تین صدیوں سے عمل ہو رہا ہے۔ مگر دو سال پہلے جب روپ نرتکی کا اچانک دیہانت ہو

گیا تو ناچ پوجا موقوف ہو گئی اور ساؤ گاری پر اُداس سناٹا چھایا رہنے لگا۔ پھر چاند گرہن کی ایک رات بھگوان بدھ نے پروہت گنجال کو درشن دیئے اور بتایا کہ برما کے شہر مانڈلے میں جل پنا رہتی ہے جسے ہم نے اپنی نرتکی سویکار کیا ہے۔ ہم بھگوان کی آ گیا پر مانڈے گئے اور جل پنا کو اپنے ساتھ لے آئے۔ اسی دن سے یہ ''بھگوان کی نرتکی'' بن گئی۔ جل پنا بھگوان کی دین اور پروہت گنجال کی دریافت ہے۔ یہ اس کا بہت دھیان رکھتے ہیں کیونکہ خود بھگوان نے انہیں جل پنا کا سرپرست مقرر کیا ہے۔''

یہ عجیب و غریب کہانی سن کر میں دنگ رہ گیا۔ یہ انکشاف حیرت انگیز تھا کہ ساؤ گاری میں گزشتہ تین صدیوں سے ناچ پوجا ہو رہی ہے اور جب رُوپ کی اچانک وفات کے باعث یہ رسم موقوف ہو گئی تو خود بھگوان نے پروہت گنجال کو درشن دے کر جل پنا کی نشاندہی کی یعنی وہ برما کی رہنے والی اور مانڈے سے لائی گئی ہے مگر میں تو کبھی برما نہیں گیا پھر جل پنا کو کہاں دیکھا تھا میں نے؟ اس کی صورت آشنا کیوں معلوم ہوتی ہے؟ کہیں میں نے اسے سپنے میں تو نہیں دیکھا؟ اور جب میں لڑکیوں کے سپنے دیکھتا ہی نہیں تو پھر جل پنا کی صورت مجھ سے آنکھ مچولی کیوں کھیل رہی ہے؟

ساؤ گاری کے متعلق اس وقت تک جتنی معلومات حاصل ہوئی تھیں اُن میں جل پنا کا افسانہ طلسم ہوشربا کی طرح سب سے انوکھا اور حیرت انگیز تھا۔ اس کا عجیب حالات میں یہاں پہنچنا مزید اُلجھن پیدا کر رہا تھا کیونکہ پنا ایسی نوجوان اور سندر لڑکی کا عین آغاز شباب میں دنیا کو تیاگ کر مہذب دنیا سے کوسوں دور رتنا گری کے پہاڑی ویرانے میں آنا اور اپنے جیون کی ساری کامناؤں کا گلا گھونٹ کر ''بھگوان کی نرتکی'' بن جانا عقل و شعور سے بعید تھا۔

میں نے اپنی سوچوں کی چلمن سے جھانک کر جل پنا کو دیکھا تو یوں لگا جیسے اُس کا سڈول کندنی بدن لوہے کی گرم سلاخ کی مانند تپ کر، سرخ ہو کر، خم کھا کر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن گیا ہے اور مجھ سے پوچھ رہا ہے۔ ''کیشپ بابو! میں اس ویرانے میں کیوں آئی ہوں، میں نے اپنے جیون کو موت کا سفید کفن پہنا کر نرتکی کا رُوپ کیوں دھار لیا ہے......؟''

فوراً ہی میں نے اپنے ذہن کو جھٹک کر اس کا دروازہ بند کر لیا کیونکہ پنا کا کندنی بدن سوالیہ نشان کی طرح دوہرا ہو کر مجھے جو کہانی سنانا چاہتا تھا میں اُسے سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ کم از کم پہلی ہی ملاقات میں اُس کی زندگی کی کوئی المناک داستان سننے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ آخر جلدی بھی کیا ہے؟ پھر سہی اور میں نے اُس سے منہ موڑ لیا۔ شاید پنا مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی، میرے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر میں سروپ جی کے ساتھ ہی مندر سے نکل آیا اور اپنے ''گائیڈ'' شاسترو کو بھی وہیں چھوڑ آیا۔

مندر سے نکل کر ہم ساؤ گاری کی غلام گردش میں آ گئے اور چپ چاپ چلتے رہے۔ سروپ جی کی خاموشی اذیت ناک محسوس ہوتی تھی جیسے اُن کے اندر کوئی شے ٹوٹ پھوٹ رہی ہو اور وہ نہیں چاہتے کہ کوئی دوسرا اس توڑ پھوڑ کی آواز بھی سن سکے۔ چلتے چلتے اچانک اُنہوں نے پوچھا۔

''ٹھاروکیشپ! تمہیں پنا کیسی لگی؟''

ارے...... میں چونک کر رہ گیا۔ یہ سوال میری توقع کے بالکل برعکس تھا جسے میرا ذہن سمجھنے سے انکار کر رہا تھا۔ آخر پنا کے بارے میں اُنہیں میری پسند جاننے کا خیال کیوں آیا؟ جی میں آئی جو کچھ میرے ذہن نے سوچا تھا سب بیان کر دوں لیکن میں نے تحمل اور مصلحت سے کام لیا اور کہا۔ ''میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ساؤ گاری میں کوئی مہان نرتکی ایسی بھی رہتی ہوگی جو ناچ کلا میں اتنی ماہر ہے کہ اپنی نظیر نہیں رکھتی۔''

''بے شک وہ بہت اچھا ناچتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اُس کا فن بھگوان کی دین ہے۔ مگر تم یہ سن کر حیران ہو گے کہ اُس نے یہاں آنے میں کوئی حیل وحجت نہیں کی تھی اور یہ بات آج تک میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے۔''

''یعنی آپ کے نزدیک یہاں آنے سے پہلے اُسے کوئی حیل وحجت کرنی چاہئے تھی؟''

''آبادی سے دُور ایک پہاڑی ویرانے کو اپنا مسکن بنانے سے پہلے ایک سندر لڑکی کو کچھ پس وپیش تو کرنا ہی چاہئے تھا۔ مگر چھوڑو اس بات کو۔'' وہ پہلو بچا کر دوسری طرف نکل گئے اور کہنے لگے۔ ''مجھے تو چنتا ہے کہ کہیں تم یہاں سے اُکتا نہ جاؤ۔''

''آپ کو میری چنتا نہیں کرنی چاہئے۔''

ہم ڈیوڑھی سے گزر کر سرنگ نما راہداری میں آ گئے تھے۔ سروپ جی میرے کمرے کے پاس آ کر ایک لمحے کے لئے رُکے پھر آگے بڑھ گئے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتے تھے مگر کہنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ اور اب وہ بھی میرے لئے ایک سوالیہ نشان بن گئے تھے۔ آخر اُنہوں نے مجھ سے کیوں پوچھا تھا کہ جل پنا مجھے کیسی لگی؟ یہی سوچتا ہوا میں اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

○○○

(3)

اجل بدوش بڈھا

جل پنا عجیب رُوپ میں سامنے آئی تھی اور ساؤ گاری میں اُس کی آمد یقیناً خلافِ توقع اور پُراسرار تھی۔ سروپ جی اُس کے بارے میں کچھ بتائے بغیر نکل گئے تھے اور میں اپنے کمرۂ نشست میں بیٹھا اسی معمے میں اُلجھا ہوا تھا۔

ابھی تک میرا بیشتر وقت اُوپر کے کمرے میں گزرا تھا۔ آج پہلی بار نشست گاہ میں بیٹھنے کا خیال آیا اور میں دری کی ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر جل پنا کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ کوشش کے باوجود ابھی تک یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اُسے کہاں دیکھا تھا...... دیکھا بھی تھا یا نہیں؟ مگر حیرت تو اس بات پر تھی ذہن سے یہ خیال نکلتا ہی نہیں تھا کہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔ حالانکہ وہ برما سے آئی تھی اور میں کبھی خواب میں بھی برما نہیں گیا تھا۔ یہ ایک عجیب گورکھ دھندہ تھا۔ دل و دماغ یونہی تو کسی کی صورت آشنائی کی ہامی نہیں بھرتے۔ یہ خیال بھی پریشان کر رہا تھا کہ جل پنا نے نوجوانی ہی میں دنیا ترک کر کے سنیاس کیوں لے لیا؟ خود سروپ جی کو بھی یہ بات کھٹک رہی تھی کہ وہ کچھ کہے سنے اور پس وپیش کئے بغیر یہاں آ گئی تھی۔

آرام کرسی پر لیٹے لیٹے ذہن میں مختلف سوچیں اُبھرنے لگیں۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں ہر لڑکی بیٹھے بیٹھے سپنے، نئی نئی آرزوؤں کے تاج محل تعمیر کرتی اور دل ونگاہ میں قیامت کے جلوے بسا لیتی ہے۔ کوئی بانکا گبھرو گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کے خوابوں میں آتا ہے کہ اپنی پریم نگری میں لے جائے۔ کوئی البیلا دیوتا لوگوں کی نظروں سے چھپ کر اُس کے من مندر میں آ بیٹھتا ہے۔ اردگرد ستاروں کے جگنو، بہاروں کے رنگ اور پھولوں کی خوشبو بکھیر دیتا ہے، چمکتی صبحوں اور ملگجی شاموں میں وہ آپ سے آپ پیار کے گیت الاپنے لگتی ہے۔ شفق رنگ اُجالوں اور بھیگی بھیگی چاندنی راتوں میں اُس کے تار خود بخود بج اُٹھتے ہیں۔ وہ کسی سے ملنے کے لئے آٹھوں پہر بے چین رہتی، جھومتی ہوئی کالی گھٹاؤں سے شکوے کرتی، نشیلی ہواؤں کی طرح کاوے کاٹتی اور اُڑتے پنچھیوں سے باتیں کرتی ہے۔ یہی عمر تو زندگی کا سب سے حسین اور رنگین زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ زمانہ کسی افسانے کی طرح شروع ہوتا ہے اور سندر سپنے دیکھنے میں گزر جاتا ہے۔ مگر جل پنا اپنے جیون کی ساری خوشیاں، جوانی کی ساری آرزوئیں، پریم کے سارے سپنے ایک گٹھری میں باندھ کر خلیج بنگال کے گہرے پانیوں میں پھینک آئی اور آسام کے ان سر بفلک

پہاڑوں کے درمیان ایک دُور افتادہ ویرانے میں آ بیٹھی تھی جس پر ساؤ خاندان کے پراسرار حالات نے اپنا سایہ ڈال رکھا تھا۔

کیا باپ نے اس کا راستہ نہیں روکا تھا؟ ماں نے اپنی ممتا کا واسطہ نہ دیا تھا؟ کوئی بھائی نہ تھا کہ اُس کے جیون میں خوشیوں کے رنگ بھرتا؟ کوئی بہن نہ تھی کہ اُسے جوانی میں ترکِ دنیا سے روکتی؟ آخر وہ سب کو چھوڑ کر، ہنستی بستی دنیا سے منہ موڑ کر یہاں کیوں چلی آئی؟ اچانک میرے ذہن سے آواز آئی...... ''تھارو کیشپ! زندگی کی مجبوریاں تو ہر کسی کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔ نہ جانے بیچاری پر کون سی بپتا پڑی تھی، کون سی مصیبت ٹوٹی تھی جو اُسے یہاں تک گھسیٹ لائی مگر تم پنا کے لئے اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو؟''

واقعی عجیب بات تھی کہ میں جل پنا کے بارے میں یونہی سوچے جا رہا تھا۔ آخر کوئی واسطہ بھی ہو؟ ساؤ گاری میں اور بھی بہت سے لوگ ہیں اور یہ تو آج ہی پتہ چلا کہ رہنے والوں کی تعداد تین بتیس کے لگ بھگ تھی جس میں کچھ عورتیں بھی تھیں۔ پھر میرے ذہن میں ایک جل پنا ہی کیوں آگھسی؟ مگر فوراً خیال آیا وہ نوجوان ہے، سندر ہے، کلاکار ہے اور ایک پڑھے لکھے آدمی کو اس کے بارے میں سوچنا ہی چاہئے۔

''اچھا تو تمہیں اُس کی جوانی اور سندرتا کی فکر کھائے جا رہی ہے تھارو کیشپ! کہیں دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟'' میں فوراً من ہی من میں معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ ''اچھا بابا...... نہیں سوچتا اُس کے بارے میں۔ مگر یہ تو بتاؤ اُسے دیکھ کر خود ہی چونک کیوں گئے تھے؟ اُس سے آشنائی کا تعلق کیوں نکال بیٹھے تھے......؟ حالانکہ تم نے پہلے کبھی اُسے دیکھا بھی نہیں۔''

اور یہ معمہ تو فی الواقع انتہائی پراسرار لگ رہا تھا کہ میں اُسے دیکھ کر حیران سا کیوں رہ گیا تھا؟ میرے دل میں آشنائی کا درد کیوں جاگ اُٹھا تھا؟ اسی معمے میں اُلجھا ہوا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور شاستر و اندر آیا۔ مگر یہ دیکھ کر میری حیرت کا ٹھکانہ نہ رہا کہ اُس کے ساتھ جل پنا بھی آئی تھی...... اسی لباس میں جس میں اُس نے رقص کیا تھا۔ میں ہڑبڑا کر کرسی سے اُٹھا۔
شاستر و کی زبان میں تو ہر وقت چابی بھری رہتی تھی۔ آتے ہی شروع ہو گیا۔

''پربھو...... آپ تو مندر سے فوراً ہی چلے آئے۔ حالانکہ جل پنا ملنا اور کچھ باتیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھ سے شکایت کرنے لگی کہ کیشپ جی ایک پل بھی نہیں ٹھہرے اور بھاگ لئے۔ میں نے کہا ساؤ گاری سے نکل کر کہاں جائیں گے؟ اپنے کمرے میں ہوں گے۔ تمہیں وہیں لئے چلتا ہوں جی بھر کے باتیں کر لینا۔ سمجھ گئے پربھو! اس طرح میں جل پنا کو لے آیا ہوں۔''

کاش اُس بونے کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ ہوتے کیونکہ میں خود جل پنا سے ملنے کو بے چین ہو رہا تھا۔ آگے بڑھ کر اُس کا سواگت کیا اور کہا۔

''پنا جی! میں یہاں نیا ہوں نا...... اگر کوئی بھول ہو جائے تو مجھے دوش نہیں دینا۔''

اُس نے عجیب سے انداز سے، جس میں اُس کے اندر کی پنا سمٹ آئی تھی، مجھے دیکھا اور بولی۔ ''کیشپ جی! میں آپ کو دوش دینے نہیں صرف ملنے آئی ہوں۔''

اُس کی آواز بھی بے حد دلکش تھی...... یوں لگا جیسے دُور کسی پہاڑی مندر میں چاندی کی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''میں تو اُسی دن سے آپ کی راہ دیکھ رہی تھی جس دن پیکو آپ کو لینے کے لئے باٹی پارہ روانہ ہوا تھا۔ مگر آج ملاقات بھی ہوئی تو بہت مختصر تھی۔ شاید آپ جلدی میں تھے۔ آپ سے ملنے کی آشا بھڑک اُٹھی اور شاستر و کے ساتھ یہاں چلی آئی۔ آپ کو برا تو نہیں لگا؟''

''ارے......! یہ پوچھو کتنا اچھا لگا ہے۔'' جل پنا کی زبان سے یہ سن کر تو میرا من جھوم گیا تھا کہ وہ کئی دن سے میری راہ دیکھ رہی تھی، میرا انتظار کر رہی تھی اور میں ایسا بدھو کہ مندر میں اُس کے ناچ کی تعریف بھی نہ کر سکا، اُس سے ایک لفظ نہ کہہ سکا۔ چھی چھی...... کیسا آدمی ہوں میں بھی! پھر میں نے اُسے دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، مگر وہ اُس وقت تک نہیں بیٹھی جب تک میں نہیں بیٹھ گیا۔ شاستر و ہمارے قریب ہی فرش پر پھسکڑی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے بہتیرا کہا کہ وہ بھی کرسی پر بیٹھے لیکن وہ یہی کہتا رہا۔

''مجھے فرش پر بیٹھنے میں آنند ملتا ہے۔''

جل پنا کہنے لگی۔ ''کیشپ بابو! میں نے ''جوتی پتر'' میں آپ کے کئی مضمون پڑھے ہیں۔ یہ رسالہ سروپ جی کے پاس آتا ہے اور اُسی وقت سے آپ کو دیکھنا چاہتی تھی۔'' اچانک جیسے بادلوں کے آنچل میں بجلی چمکتی ہے اُسے کوئی بات یاد آئی اور کہنے لگی۔ ''کیشپ جی! آپ نے ناچ کلا پر جو مضمون لکھا تھا وہ تو میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ میں نے اُس سے بہت کچھ سیکھا۔ ''جوتی پتر'' کا وہ رسالہ آج بھی میں نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔''

ایں گل دیگر شگفت میں جل پنا کی بات سن کر دنگ رہ گیا اور اپنے جسم میں حیرت اور خوشی کی ایک عجیب سی سنسنی محسوس کرنے لگا۔ ہر لکھنے والا چاہے وہ شاعر ہو، کہانی نویس یا تحقیق و جستجو کی وادیوں میں بھٹکنے والا مجھ جیسا محقق، اپنی تعریف سن کر، داد و تحسین حاصل کر کے ضرور خوش ہوتا ہے۔ اس کے لئے یہ احساس بڑا راحت بخش ہوتا ہے کہ لوگ اُس کی تحریروں کے حوالے سے اُسے جانتے اور پسند کرتے ہیں۔ مگر داد دینے، تعریف کرنے والی جل پنا ایسی نوجوان اور سندر دوشیزہ ہو تو پھر وہ آپ سے آپ آسمان پر اُڑنے لگتا ہے۔ جیسے جل پنا نے میری تعریف کر کے مجھے آکاش پر اُڑا دیا تھا۔ بدن میں ایک پُرکیف سی تھرتھری ہو رہی تھی۔ اس کہانی کے پڑھنے والے شاید میری کیفیت کا صحیح اندازہ نہ کر سکیں کیونکہ ایسی باتیں وہی سمجھ سکتا ہے جس

کے ساتھ پیش آتی ہیں۔ میں اپنی خوشی کو الفاظ کے غلاف میں لپیٹتا ہوا بولا۔

"یہ تو میرے دھن بھاگ ہیں کہ تم پہلے ہی سے مجھے جانتی ہو۔"

"منطقی شاسترو نے فوراً گرہ لگائی۔ "پربھو! میرا خیال ہے آپ کچھ بھول گئے ہو۔ جل پنا صرف جانتی ہی نہیں بلکہ آپ کو دیکھنا اور ملنا بھی چاہتی تھی۔"

"ہاں شاسترو! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ کیونکہ جب دل میں کسی کو دیکھنے اور ملنے کی آشا پیدا ہوتی ہے تو ایک رُوحانی تعلق جنم لیتا ہے۔"

"اسی لئے تو میں حیران تھا کہ آپ مندر سے چلے کیوں آئے؟"

"بس بس...... کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں پہلے ہی اپنی بھول پر معذرت کر چکا ہوں۔ کیوں پنا! تم نے مجھے معاف کر دیا ہے نا؟"

"کیسی بھول اور کیسی معافی کیشپ بابو! مجھے اور شرمندہ نہ کریں...آپ تو ایک مہان آدمی ہیں۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ میں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں۔ شہر میں نوکری نہ ملی تو اس ویرانے میں چلا آیا۔"

جل پنا نے جیسے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کے خیال سے پوچھا۔

"یہ رتنا گری کی وادی کیسی لگی آپ کو؟"

جی میں آیا بے اختیار کہہ دُوں۔ "یہ پوچھو تم کیسی لگی ہو۔" مگر شاسترو کی موجودگی میں یہ کوئی اچھی بات نہ تھی۔ پھر بھی میں نے جواب دیا۔ "پہلے تو بڑا پریشان ہوا کہ شہروں سے کالے کوسوں دُور کہاں آ گیا ہوں مگر ایک دو دن کے اندر ہی بہت سی باتوں کا انکشاف ہوا ہے اور اب تو یہ جگہ بڑی سندر لگ رہی ہے۔ یہاں شاسترو ہے، اس کی سیامی بلی سوی ہے، بھگوان بدھ کا ایک مندر ہے جہاں ہر منگل کو ناچ پوجا ہوتی ہے اور تم جیسی نرتکی ہے جس کا ناچ دیکھ کر بھگوان اور دیوتا بھی وجد میں آ جاتے ہوں گے۔ کیا بتاؤں یہ رتنا گری تو سپنوں کی نگری معلوم ہونے لگی ہے۔"

جل پنا اپنی تعریف سن کر خوش ہوئی۔ گال سرخ ہو گئے۔ مگر بظاہر بولی۔

"آپ تو خواہ مخواہ میری تعریف کرنے لگے۔"

"خواہ مخواہ نہیں...... واقعی تم خود بھی سندر ہو اور تمہارا ناچ بھی دل موہ لینے والا ہے۔ بڑا ہی پیارا اور انوکھا انگ ہے...... تم نے ناچ کہاں سے سیکھا؟"

"بچپن سے شوق تھا۔ پتا جی نے اُستاد رکھ دیا تھا مگر ناچ کلا تو اُس وقت پوری ہوئی جب میں اپنے شہر دکامتی سے مانڈے پہنچی۔ وہاں گورو آبنی کا ناچ آشرم ہے۔ اُنہوں نے مجھے یہ گن سکھایا۔ اُنہی کی دیا ہے کہ اتنا ناچ لیتی ہوں۔" اچانک اُس کے ہونٹوں پر ایک سسکی اُبھری

اور وہ یکلخت اُداس ہو گئی۔

"کیا ہوا......؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"کچھ نہیں کیشپ بابو......! بس اچانک بچپن یاد آ گیا۔ میں نے چھوٹی عمر ہی میں بڑے دکھ اٹھائے اور ماں باپ کے سائے سے محروم ہو گئی۔ اگر ناچ کا شوق نہ ہوتا تو شاید کبھی کی مر گئی ہوتی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو...... مریں تمہارے دشمن۔" میں اُس کی زندگی کے بارے میں پہلے بھی سوچتا رہا تھا۔ اب اُس نے خود اپنے دُکھوں کی کتاب کھول دی تو کہا۔ "معلوم ہوتا ہے میری طرح تم بھی بہت دُکھی ہو۔ کیا مجھے اپنے جیون کی کہانی نہیں سناؤ گی؟"

"چھوڑیئے کیشپ جی......! بڑی طویل اور اُلجھی ہوئی کہانی ہے میری۔ سنیں گے تو آپ بھی اُلجھ جائیں گے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کہانی سن کر اُسے سلجھا سکوں۔"

"میں نے کہا نا رہنے دیجئے۔" اُس نے اپنے جیون کی کتاب پھر بند کر لی۔ "کبھی موقع ملا تو سناؤں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" میں نے بھی اصرار مناسب نہیں سمجھا۔

"اب تو ناچ ہی میرے جیون کا سکھ چین ہے۔" اُس نے ایک بار پھر بات کا رُخ بدل دیا۔ "اگر آپ کو بُرا نہ لگے تو ایک بنتی کروں......؟"

"کہو کیا بات ہے؟"

"آپ ناچ وِدیا کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ کیا مجھے یہ وِدیا سکھائیں گے؟"

"مگر میرا علم تو صرف کتابوں تک محدود ہے اور کتابوں کی باتیں تجربے سے مختلف ہوتی ہیں۔"

"پھر کیا ہے...... جو کچھ آپ جانتے ہیں مجھے بھی سکھا دیں۔"

میں خاموش ہو کر سوچنے لگا کہ ناچ وِدیا کے بارے میں اُسے کیا سکھاؤں گا؟ وہ تو خود بہت اچھا ناچتی ہے۔ مجھے خاموش دیکھ کر کہنے لگی۔

"ساؤ گاری میں ناچ کلا کو جاننے والا تو کوئی ہے نہیں اور میں نے سنا ہے اگر کلا کار سیکھنا سکھانا چھوڑ دے تو اُس کے گن کو زنگ لگ جاتا ہے۔ آپ تھوڑا سا وقت دے دیا کریں تو کچھ سیکھنے اور سمجھنے آ جایا کروں گی۔"

"اگر میں تمہاری سیوا کر سکوں تو مجھے خوشی ہو گی۔"

اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ خود میرے دل میں بھی خوشی فوارے کی طرح اُچھل رہی تھی کہ جل پنا سے میل جول کا ذریعہ خود بخود نکل آیا ہے۔ جی تو یہی چاہتا تھا

اُسے آج اور اسی وقت ناچ وِدّیا سکھانا شروع کر دُوں مگر اس خیال سے کہ کہیں شاسترو کو میرے دل کا چور پکڑنے کا موقع نہ مل جائے میں نے کہا۔

"پنا جی! میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں مگر ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ ساؤ گاری میں مجھے کیوں بلایا گیا ہے؟ میرے فرائض کیا ہوں گے؟ سروپ جی چند روز تک کام کے بارے میں آگاہ کر دیں گے تو پتہ چلے گا مجھے یہاں کیا کرنا ہے، تبھی کوئی وعدہ کر سکوں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "میں جانتی تھی آپ مجھے نراش نہیں کریں گے۔"

"اور میں سوچتا ہوں یہاں فرصت کا جو سمے ملے وہ دوسروں کی سیوا کے لئے وقف کر دوں۔"

جل پنا نے "دوسروں" کا مفہوم سمجھ کر شرم سے گردن جھکا لی۔

"یہ آپ بار بار "خدمت" اور "سیوا" کے الفاظ کیوں بولتے ہیں؟"

"پھر کیا بولوں... کیا کہوں؟"

ناگہاں شاسترو نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ "لفظوں کے ہیر پھیر میں کیوں پڑتے ہو پربھو! مطلب تو کام سے ہے۔"

"میں نے کام سے کب انکار کیا ہے؟ ناچ وِدّیا ہی تو سکھانی ہے نا!"

"بے شک...... اور ساؤ گاری کی دنیا اتنی بڑی نہیں جہاں رہنے والوں کے راستے مختلف سمتوں کو جاتے ہوں۔ یہاں تو سب کا ایک ہی راستہ اور ایک ہی منزل ہے۔ پربھو! یہ بہت اچھا ہوا کہ ناچ وِدّیا سکھانے پر راضی ہو گئے ہو۔ یہ ناچ وِدّیا پنا سے میل جول کے لئے ایک دروازے کا کام دے گی۔"

بوڑھے شاسترو کی اس بات نے مجھے چونکا دیا۔ "تمہیں تو اس میل جول پر کوئی اعتراض نہیں؟"

"میں تو کہتا ہوں کل ہی سے سبق دینا شروع کر دو! جب تک مالک ڈیوٹی نہیں سونپتے آپ کو ناچ وِدّیا سکھانے کی فرصت ہی فرصت ہے۔"

"ہاں کیشپ جی! شاسترو ٹھیک کہتا ہے۔ آپ آگیا دیں تو کل سے اپنا پاٹ شروع کر دُوں؟"

"جیسے تم چاہو۔"

جل پنا کے عارضوں پر گلاب سے کھل اُٹھے۔ آنکھوں میں بہاریں مسکرانے لگی۔

"تو پھر میں کل سویرے آجاؤں گی۔"

شاسترو نے مداخلت کی۔ "یہ یاد رکھنا! کل سے انہیں میرے ساتھ رتنا گری کی سیر کو بھی جانا ہے اس لئے تمہیں اپنی ناچ وِدّیا سے سویرے ہی فارغ ہو جانا چاہئے۔"

اس طرح شاسترو کے ذریعے ساؤ گاری کی نرتکی سے میرا میل جول شروع ہوا۔ دوسرے دن سورج چڑھنے کے ساتھ ہی اُس کے سندر روپ کی روشنی میرے کمرے کو، میرے من کو جگمگا

رہی تھی۔ کمرۂ نشست میں ہم دونوں تنہا تھے۔ وہ کہنے لگی۔

"کیشپ جی! نہ جانے کیوں میرا من کہتا تھا میں ایک نہ ایک دن آپ سے ضرور ملوں گی۔ میرے من کا کہا پورا ہو گیا۔"

"کچھ اور بھی کہتا تھا تمہارا من؟"

"ہاں کہتا تھا...... میں آپ سے ناچ وِدّیا سیکھوں گی۔"

میں نے باتوں سے اندازہ لگایا کہ اُسے ناچ سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا مگر یہ معمہ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ نوجوانی ہی میں دنیا تیاگ کر کالے کوسوں دُور یہاں کیوں چلی آئی تھی؟ جبکہ اس عمر میں لڑکیاں دنیا کی بہاریں دیکھنا اور ان بہاروں میں خود بھی ایک رنگین کہانی بن جانا چاہتی ہیں۔ یہ بات شروع ہی میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جل پنا سے میری دلچسپی کی یہ وجہ ہرگز نہ تھی کہ وہ بے حد سندر، انتہائی پُرکشش اور سڈول بدن رکھتی تھی۔ بے شک یہ خوبیاں ہر نوجوان عورت کا زیور اور اُس کی دلکشی کا راز سمجھی جاتی ہیں، جو مردوں کا دل کھینچ لیتی ہیں۔ مگر میری دلچسپی کی وجوہ کچھ اور ہی تھیں۔

اوّل...... اُسے دیکھتے ہی میرے ذہن میں یہ خیال کیوں اُبھرا تھا کہ میں نے یہ صورت پہلے بھی کہیں دیکھی ہے۔ حالانکہ وہ برما کے شہر مانڈلے سے یہاں آئی تھی۔

دوم...... اُس نے عین آغازِ شباب میں بھگوان بدھ کی نرتکی بننا کیوں قبول کر لیا اور کسی حیل و حجت کے بغیر (جیسے سروپ ساؤ جی نے بھی کہا تھا) رتنا گری کے اس پہاڑی ویرانے میں کیوں آگئی تھی جہاں اُس کے لئے کسی قسم کی کوئی بھی دلچسپی نہ تھی۔

اگر اُس کی خوبصورتی اور پُر بہار جوانی کو دلچسپی کا سبب قرار دیا جائے تو بھی مجھے انکار نہیں ہو گا۔ میرے نزدیک یہ تعجب کی بات اس لئے نہیں کہ ہر لکھنے والے انسان کا ذہن ایک ایسا ریڈار ہوتا ہے جس پر کائنات کی ہر خوبصورتی منعکس ہوتی ہے اور حسین مناظر کی طرح وہ سندر عورتوں سے بھی دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ خوبصورتی کو بھگوان کا روپ مانتا ہے۔ لہٰذا اس ناتے بھی پنا سے دلچسپی کا جذبہ شامل تھا۔ اُس نے ساؤ گاری میں ایک طرح کی راہبانہ زندگی اختیار کر لی اور اپنے سندر بدن اور پھولوں کے سے رنگین جوبن کو بھگتی پوجا کے لئے وقف کر دیا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی یقیناً اس میں کوئی گہرا راز چھپا ہوا تھا جسے میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔

میں عجیب و غریب حالات میں ساؤ گاری آیا تھا۔ اور جب آ ہی گیا تو اس سے باہر کی دنیا بھی ضرور دیکھنا تھی جو شاسترو کے بقول بڑی خوبصورت تھی۔ پروگرام کے مطابق دوسرے روز وہ گیارہ بجے میرے پاس آ گیا اور ہم رتنا گری کی سیر کے لئے چل پڑے۔ ساؤ گاری کے اُونچے اور مضبوط برجی پھاٹک سے نکل کر، جہاں ایک چوکیدار ہر وقت موجود رہتا اور دروازے

کی ڈیوڑھی سے ساتھ والے کمرے ہی میں رات گزارتا تھا، جب ہم باہر آئے تو سورج مشرق کے نیلے پربتوں سے جھانک رہا تھا اور اُس کی روپہلی کرنیں چوٹیوں پر روشنی کا غازہ بکھیر رہی تھیں۔ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ رتناگری کی وادی کئی میل میں پھیلی تھی اور اُس کے چاروں طرف اُونچے نیچے پہاڑوں کا ایک حصار سا کھڑا تھا۔ جس روز میں پیکو کے ہمراہ اس وادی میں داخل ہوا، رات ہو چکی تھی۔ کچھ رات کی سیاہی اور کچھ اپنے من میں چھانے والے اندیشوں کی تاریکی میں یہ پہاڑی ویرانہ بڑا ہولناک لگا تھا۔ مگر آج صبح کے اُجالے میں وادی کو دیکھا تو ان پہاڑوں کے دامنوں میں نیچر کی خوبصورتی کو انگڑائیاں سی لیتے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ یہ وادی اپنے نام کی طرح سندر اور ان دیکھے سپنوں کا سورگ معلوم ہوتی تھی۔

پہاڑوں کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں اور ان کی ترائی میں پھیلے ہوئے ہرے بھرے جنگل آدم کی جنت گم گشتہ کی یاد دلاتے تھے۔ شمال کی جانب حد نظر تک نیلے پربتوں کا جو سلسلہ دکھائی دیا اُن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں اور میلوں دُور سے یوں نظر آتیں جیسے قدرت نے ان کے سروں پر سفید رُومال باندھ دیئے ہوں۔ دُوری کی وجہ سے وہ برفانی چوٹیاں دُھند میں لپٹی دکھائی دے رہی تھیں البتہ قریب کے پہاڑ اور ان کی بلندیاں سورج کی روشنی میں ایک روح پرور نظارہ پیش کر رہی تھیں۔ پھر ان پہاڑوں کی ترائیوں میں سرسبز جنگلوں اور ان جنگلوں میں اپنی لمبی لمبی بانہیں پھیلائے ٹھنڈی ہوا میں بدمست شرابیوں کی طرح جھومتے ہوئے مختلف اقسام کے پہاڑی درختوں کی بہار آدمی کے دل و دماغ میں قدرت کی رنگا رنگی کا حیران کن اثر پیدا کرتی تھی۔ ان جنگلوں میں مہاگنی کے درخت بکثرت تھے۔ شاسترو نے بتایا۔

''ساؤ گاری کے باسی انہیں 'مہاگنی کے جنگل' کہتے ہیں۔''

میلوں میں پھیلی رتناگری کی وادی کہیں ہموار، کہیں کچھوے کی پیٹھ کی طرح اُبھری ہوئی، کہیں چٹیل، کہیں خودرو جھاڑیوں اور لمبی لمبی گھاس کے تختوں سے آراستہ تھی۔ جنوب کی طرف دُور تک ایک قدرتی نشیب تھا جو قریباً نصف پون میل کے بعد فراز میں تبدیل ہو گیا تھا۔ ایک جگہ رُک کر میں نے جنوب کی سمت اُس راستے کو دیکھا جس پر چل کر اس وادی میں پہنچا تھا۔ دو ڈھائی میل دُور وہ عمودی چٹانیں نظر آ رہی تھیں جن کے درمیان بل کھاتا ہوا درّہ عبور کر کے ہمارا مختصر سا قافلہ رتناگری کی حدود میں داخل ہوا تھا۔ یہ راستہ اُجاڑ اور ایک پیالے کی پشت کی مانند اُبھرا ہوا تھا۔ اُس جانب پہاڑ بھی زیادہ تر چٹیل تھے جن پر کہیں کہیں چھتری دار درخت بازو پھیلائے کھڑے تھے مگر رتناگری کی باقی تین اطراف سرسبز و شاداب جنگلوں سے گھری ہوئی تھیں بلکہ مشرقی پربت کی ترائی میں پھیلا ہوا جنگل جو پہاڑ کے فراز کے ساتھ بتدریج بلند ہوتا چلا گیا تھا بہت ہی گھنا اور دلکش تھا۔ شاسترو کی رہنمائی میں، میں نے اُسی جنگل کا رُخ کیا جو

ساؤ گاری سے کم از کم ڈھائی تین میل کی مسافت پر تھا۔ چلتے چلتے اچانک میرے ذہن میں ایک سوال اُبھرا۔ ''شاسترو! کیا ان جنگلوں میں جانور نہیں؟''

''کیوں نہیں...... لومڑیاں، ہرن، چکارے اور خرگوش وغیرہ ملتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی برفانی ریچھ بھی بھٹکتا ہوا آ جاتا ہے۔ مگر درندے ان جنگلوں میں نہیں ملتے۔''

''حیرت ہے......'' میں ٹھٹک کر رُک گیا۔

''اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟''

''ارے بدھو! جہاں ہرن اور چکارے ہوں، جنگلوں کے درمیان برفانی چشمے بہتے ہوں وہاں شیر، چیتے اور باگھ ضرور آتے ہیں۔ ایسی وادیاں تو درندوں کی جنت ہوتی ہیں۔ جہاں شکار اور پانی ملے وہاں اُنہیں اور کیا چاہئے؟''

شاسترو نے اپنی آنکھیں پٹ پٹائیں اور عجیب سے انداز میں کہنے لگا۔

''پربھو! کیا دنیا جہان کی سب باتیں جانتے ہو؟''

میں اُس بونے کے اس عجیب سے سوال پر حیران رہ گیا۔ وہ بولا۔ ''آپ بدھ دھرم کے گیانی اور تاریخ کے ماہر ہو جس کی وجہ سے مالک آپ کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ پھر آپ ناچ کلا کے گُن بھی جانتے ہو جن کے کارن پنا آپ کی دیوانی ہوئی پھرتی ہے۔ اب جنگلوں اور جانوروں کے بارے میں یہ باتیں...... جیسے آپ کی عمر جنگلوں میں گھومتے اور شکار کھیلتے گزری ہے۔''

میں مسکرا دیا۔ ''ارے شاسترو! یہ باتیں تو آدمی اپنی عقل سے بھی جان لیتا ہے۔ تو مجھے ان جنگلوں کے بارے میں بتا! میرے حساب کے مطابق درندوں کو یہاں ہونا چاہئے۔ پھر کیوں نہیں ہیں؟''

''وہ اس لئے کہ رتناگری کے اردگرد بڑے اُونچے پہاڑ ہیں اور جو درندے یہاں پہلے سے رہتے تھے، اُنہیں ختم کر دیا گیا ہے۔''

ہم مشرقی جنگل کی طرف چلتے رہے۔ چلتے چلتے اُس نے بتایا۔ ''تین صدیاں پہلے جب اس وادی میں ساؤ گاری کی عمارت تعمیر کی گئی، ان جنگلوں میں انسانوں کے ساتھ ساتھ درندے بھی رہتے تھے اور ساؤ گاری کے بعض بھکشو ان کا لقمہ بنے تھے جس کی وجہ سے بہت سے بھکشو زپا اور ہاٹی پارہ چلے گئے مگر ساؤ خاندان کے بزرگوں نے بعض شکاریوں کو دعوت دی اور اس طرح تمام خطرناک درندوں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ چند سال پہلے نہ جانے کہاں سے ایک پہاڑی چیتا وادی میں آ گھسا جس نے بہت سے ہرن اور چکارے ختم کر دیئے۔ مگر ایک برفانی ریچھ کے ساتھ مقابلے میں چیتا اور ریچھ دونوں مر گئے۔ اس کے بعد یہاں کوئی درندہ نہیں آیا۔''

بہر حال یہ کہانی سننے کے بعد اس خیال کی تصدیق ہوگئی کہ یہاں درندے کسی وقت ضرور آباد

رہے اور چونکہ شروع شروع ہی میں اُن کا خاتمہ کر دیا گیا تھا لہٰذا اُن کی نسل آگے نہیں چل سکی۔ لیکن کسی بھی جانب سے کوئی بھولا بھٹکا باگھ چیتا اس سورگ میں آ سکتا اور رتنا گری کے جنگلوں میں رہنے والے جانوروں کے علاوہ ساؤ گاری کے باسیوں کے لئے بھی خطرہ بن سکتا تھا۔

کوئی ایک گھنٹے بعد ہم مشرقی پربت کی ترائی میں پہنچ گئے اور گھنے جنگل کے کنارے کنارے پھرتے رہے۔ اس جنگل کا نظارہ اتنا دلفریب تھا کہ جی چاہنے لگا یہیں ایک کٹیا بنا کر آباد ہو جاؤں۔ مہاگنی کے علاوہ چیل اور ربڑ کے درختوں کے جھنڈ بھی تھے اور ایک جانب نرکلوں کا بیلا دُور تک چلا گیا تھا۔ چند ایک چکارے بھی نظر آئے جو گردنیں اُٹھا کر ہمیں حیرت سے دیکھتے رہے، پھر گھاس چرنے میں مصروف ہو گئے جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ یہاں شکار نہ ہوتا تھا۔

دوپہر کی سیر سے لوٹے تو بھوک خوب چمک اُٹھی تھی۔ سیر ہو کر کھانا کھایا اور سو گیا۔ پھر میں ہر روز رتنا گری کے کسی نہ کسی جنگل کا رُخ کرتا اور سیر و تفریح سے لطف اُٹھاتا۔ دراصل میں اس سندر وادی کے سارے اہم مقامات اور راستے دیکھ لینا چاہتا تھا۔ ان ایام میں جل پنا صبح کے وقت میرے کمرے میں آ کر ناچ کلا کے بارے میں میری کتابی وِدّیا سننے آ جاتی۔ مگر میں نے ابھی اُسے رام کہانی سنانے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ دراصل میری خواہش تھی کہ وہ خود ہی کسی روز اپنے جیون کی کتاب میرے سامنے کھول دے۔ البتہ اس عرصے میں مجھ پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ وہ ساؤ گاری میں ''بھگوان کی داسی'' کہلاتی اور بڑی عزت کی نظروں سے دیکھی جاتی تھی۔ وہ یہاں صرف سروپ سیاؤ جی یا پروہت گنجال کی پابند تھی اور اپنے بھگتی ناچ کی وجہ سے سب کے دلوں پر حکومت کرتی تھی۔

ایک دن میں شاسترو کے ہمراہ مہاگنی کے اس جنگل سے لوٹ رہا تھا جس کا سلسلہ رتنا گری کی شمالی ڈھلانوں سے شروع ہو کر میلوں تک چلا گیا تھا کہ اُس نے چلتے چلتے اچانک پنا کا ذکر چھیڑ کر مجھے حیران کر دیا۔

''پربھو......! جب آپ ساؤ گاری میں نہیں آئے تھے، پنا بہت کم باہر نکلتی اور اپنا سارا وقت بھگتی پوجا میں گزار دیا کرتی تھی مگر اب......''

وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور میں نے بے چین ہو کر پوچھا۔ ''اب کیا ہے؟''

وہ رُک کر عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اُس کی گول گول آنکھوں میں شبے کی جھلکیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ اُس نے دبے دبے لفظوں میں جواب دیا۔

''اب اُس کا زیادہ وقت آپ کے پاس یا آپ کے انتظار میں بیت جاتا ہے اور یہ کوئی اچھی بات نہیں۔''

''صاف صاف بات کر شاسترو! تو کیا کہنا چاہتا ہے؟''

''میں آپ کی طرح وِدوان نہیں پربھو! پر تھوڑی سی پریم وِدّیا تو ہر آدمی کو آتی ہے۔''

''پریم وِدّیا؟''

''ہاں پربھو! یہ پریم وِدّیا کسی پاٹ شالا میں پڑھائی نہیں جاتی، آپ سے آپ آ جاتی ہے۔''

''اگر پنا مجھ سے ملنے آ جاتی ہے تو ناچ کلا سیکھنے، سمجھنے کے لئے۔ اس کا پریم وِدّیا سے کیا واسطہ؟'' میرے ہاتھ میں مہاگنی کی ایک لمبی چھڑی تھی۔ میں نے وہ چھڑی اُس پر لہرائی تو شاسترو کسی بندر کی طرح اُچھل کر پرے ہٹ گیا۔ میں نے غصے سے کہا۔ ''کیا تو سمجھتا ہے میں پنا سے پریم کرنے لگا ہوں؟''

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔ ''میرے سمجھنے نہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے؟ پر آج کل پنا آپ کے کمرے کے چکر کاٹتی رہتی ہے۔ اور جب آپ نہیں ملتے تو بے چین سی کیوں ہو جاتی ہے؟''

میں نے پریشان نظروں سے اُس کی طرف دیکھا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ میرے پاس ناچ وِدّیا سیکھنے آتی ہے۔ پھر اُس کا یہ سوال بالکل بے معنی یا انتہائی معنی خیز تھا۔

''کیا تو نہیں جانتا وہ میرے پاس کیوں آتی ہے؟''

''پربھو! ساؤ گاری میں صرف میں نہیں اور لوگ بھی رہتے ہیں اور پنا کو آپ کے کمرے میں آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ پنا آپ کے پاس کیوں آتی ہے۔''

یہ الفاظ سن کر میں چونک اُٹھا۔ اُس نے بتایا۔ ''ابھی کل کی بات ہے۔ پروہت گنجال نے مجھ سے پوچھا تھا یہ پنا آج کل کیشپ جی کے پیچھے کیوں پھرتی ہے؟ میں نے جواب دیا کیشپ جی سنگیت، کلا اور ناچ وِدّیا کے بھی گیانی ہیں اور پنا اُن سے ناچ وِدّیا سیکھنے کی آشا رکھتی ہے۔ جس پر پروہت گنجال بڑا حیران ہوا۔ کچھ سمجھے پربھو! اگر یہی بات کسی دن مالک نے مجھ سے پوچھ لی تو اُنہیں کیا جواب دوں گا؟''

''تو اس میں جھوٹ کیا ہے...... پنا ناچ وِدّیا ہی سیکھنے تو آتی ہے۔''

''پر وہ سیکھنے نہیں، آپ کو کچھ سکھانے آتی ہے۔'' شاسترو کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ تھی اور گول گول آنکھوں میں معنی خیز چمک۔ ''میرا خیال ہے وہ آپ سے پریم کرنے لگی ہے۔ آپ اُسے ناچ وِدّیا سکھا رہے ہیں اور وہ آپ کو پریم وِدّیا پڑھا رہی ہے۔''

''ہشت......'' میں نے اُس کی بات کو تمسخر میں اُڑانے کی کوشش کی۔ ''ارے، مورکھ! مجھے آج تک دنیا کی کسی عورت سے پریم نہیں ہوا، نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ میرے جیون کی کتاب میں عورت کے پریم کا کوئی ورق ہی نہیں۔ سمجھا......؟''

''یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی پربھو! ہر آدمی کے جیون کی کتاب میں پریم کا ورق ضرور ہوتا ہے۔''

''مگر میرے جیون کی کتاب خالی ہے۔''

''آپ کے جیون میں پریم نہیں تو نہ سہی مگر آپ پنا کی بات کیسے کر سکتے ہیں؟ اُس کے جیون کی کتاب میں تو پریم چتر ہوگا۔ آپ اُسے پریم کرنے سے نہیں روک سکتے۔''

منطقی شاسترو یکلخت مجھے سو سال کا بوڑھا مدبر نظر آنے لگا۔ میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔''سن! اوّل تو پنا مجھ سے پریم کرنے نہیں سچ مچ وِدّیا سیکھنے آتی ہے۔ اور اگر تیرا خیال ٹھیک ہے تو بھی مجھے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ تالی ایک ہاتھ سے کبھی نہیں بجتی۔''

''یہ تو ٹھیک ہے پربھو! آج آپ کو پنا سے پریم نہیں مگر کل ہو بھی سکتا ہے۔''

میں نے ایک بار پھر اُس کی طرف چھڑی لہرائی، اُس نے پھر قلانچ بھری اور دُور کھڑا مسکرانے لگا۔''ارے شاسترو! تجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں خود ہی پنا کو سمجھا دُوں گا کہ مجھ سے زیادہ ملے نہ ہی کوئی آشا رکھے۔''

''نہیں پربھو! آپ یہ ہرگز نہیں کہہ سکو گے۔''

''کیوں نہیں کہہ سکوں گا؟''

''اس لئے کہ یہ بات سن کر پنا کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''پھر تو ہی بتا میں کیا کروں؟''

''ابھی آپ کچھ نہ کرو اور چپ رہو! وقت آنے پر میں خود ہی کوئی راستہ نکال لوں گا۔ مگر آپ کو پروہت گنجال سے بچنا ہوگا۔ سمجھے نا میری بات؟''

ہم پھر اپنے راستے پر ہو لئے۔ میں دل ہی دل میں شاسترو کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اُس نے کس خوبصورتی کے ساتھ مجھے قبل از وقت ہوشیار کر دیا ورنہ ممکن ہے کسی بے احتیاطی سے نہ صرف سروپ جی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا بلکہ کسی پریشانی میں بھی مبتلا ہو جاتا۔ غالباً شاسترو کا مطلب بھی یہی تھا کہ میں ذرا احتیاط برتوں۔ اُس نے پروہت گنجال سے خاص طور پر خبردار کیا تھا۔ جب ہم ساوَ گاری کے پھاٹک پر پہنچے تو شام گہری ہو گئی تھی اور چراغ روشن ہو گئے تھے۔ ابھی باغیچے سے گزر کر غلام گردش میں قدم رکھا تھا کہ پیگو مل گیا جو کل کسی خاص کام سے رُپا گیا تھا۔ اُس نے بتایا۔

''مالک نے کہا ہے آپ آتے ہی اُن سے ملیں اور کھانا بھی اُن کے ساتھ ہی کھائیں۔''

شاسترو تو وہیں سے مغربی فصیل کی برجی کی جانب ہو لیا کیونکہ ایک ہی دن پہلے اُس کی سیامی بلی سومی نے چار پیارے پیارے بلونگڑے جنے تھے جنہیں مغربی برجی میں رکھا گیا تھا۔ شاسترو کے بقول وہ برجی سومی اور اُس کے سورگباشی پریتم راما کی مستقل رہائش گاہ اور اُن کے پریم کی یادگار تھی۔ وہاں وہ سومی کے نئے کنبے کی دیکھ بھال خود کرتا تھا۔ اور میں سروپ جی سے

ملنے کی خاطر پیگو کے ہمراہ ہو لیا۔ وہ اپنے کمرۂ ملاقات میں شاید میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ اس کمرے میں قدیم نادر اشیاء کے علاوہ جن کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں ایک پرانا فانوس بھی چھت کے ساتھ آویزاں تھا جس میں بیک وقت درجنوں شمعیں روشن تھیں اور اُن کی روشنی سے کمرہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ اُنہوں نے مجھے اپنے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پیگو سے کہا۔

''کھانا یہیں لے آؤ!''

وہ کمرے سے نکلا تو سروپ جی نے خاکی کاغذوں میں لپٹی ہوئی ایک انتہائی بوسیدہ کتاب نکالی جس کے اوراق مٹیالے، موٹے، بھدے اور بڑے خستہ سے تھے۔ یہ کوئی قلمی نسخہ تھا جو قدیم آسامی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ قلمی کتاب میری طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگے۔

''تھارو کیشپ! یہ انتہائی قیمتی اور نایاب قلمی نسخہ میرے ایک دوست نے ریاست منی پور سے بھیجا ہے اور پیگو آج ہی رُپا سے لے کر آیا ہے۔ اس میں بھگوان بدھ کی قدیم مورتیوں کی تاریخ درج ہے۔ میں چاہتا ہوں پہلے تم اس کا مطالعہ کر لو، میں بعد میں پڑھوں گا۔ پھر ہم آپس میں تبادلہ خیالات کریں گے۔ یہ قلمی نسخہ دراصل منی پور کے راجہ کی ملکیت ہے اور انہوں نے میری درخواست پر بھیجا ہے۔ یوں تو اس میں بھگوان بدھ کی بہت سی نادر اور تاریخی مورتیوں کا ذکر ہے جو آج بھی دنیا کے بعض عجائب گھروں اور پگوڈوں میں موجود ہوں گی لیکن میں چاہتا ہوں تم بھگوان بدھ کے بعد پہلی صدی میں تیار کی جانے والی پیتل کی مورتیوں پر گہری نظر سے غور کرو اور پھر ان کی ایک الگ فہرست تیار کرو۔''

میں اُن کی بات سنتے ہی چونک اُٹھا۔ ذہن میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔ آخر سروپ جی پیتل کی مورتیوں کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟ مجھے وہ دن یاد آئے جب میں بی۔اے کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا تو بھگوان بدھ کی مورتیوں پر اُن کا ایک تہلکہ خیز مضمون شائع ہوا تھا اور اُنہوں نے اسکالروں کو انہی مورتیوں کے بارے میں مزید تحقیق کی دعوت دی تھی جس پر میں نے ہزاروں مورتیوں کی فہرست شائع کر دی تھی۔ پھر اُنہوں نے ''جوتی چتر'' کے ایڈیٹر کی معرفت فرمائش کی تھی کہ میں بھگوان بدھ کی وفات کے بعد پہلی صدی میں تیار ہونے والی صرف پیتل کی مورتیوں کے بارے میں مزید تحقیق کروں۔ آج وہ ایک پرانی اور بوسیدہ قلمی کتاب اسی مقصد کے لئے میرے سپرد کر رہے تھے اور میں دل ہی دل میں حیران تھا کہ آخر پیتل کی مورتیاں ہی کیوں اور وہ بھی پہلی صدی کی؟

یہ سوال میرے ذہن میں اُس وقت بھی پیدا ہوا تھا مگر میں امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ اور آج جب دو سو روپے ماہوار پر اُن کا سیکرٹری مقرر ہو چکا تھا یہ سوال پھر مجھے پریشان کر رہا تھا۔ کہیں اُنہوں نے اسی مقصد کے لئے تو مجھے نوکر نہیں رکھا؟ مگر محض مورتیوں کی تحقیق کے

لئے اس قدر روپیہ خرچ کرنے کا مقصد؟ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اُن کی آواز سنائی دی۔

"کیا سوچنے لگے تھارو کیشپ؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے اُن سے اپنی ذہنی پریشانی کا اظہار مناسب نہ سمجھا اور بولا۔

"یہ کتاب بہت پرانی معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں.... اور بوسیدہ بھی ہے۔ ذرا احتیاط سے پڑھنا کہیں اس کے اوراق پھٹ نہ جائیں۔ اس کی دوسری کاپی اب دنیا بھر میں کہیں دستیاب نہیں ہو سکتی۔"

جی میں آئی، پوچھوں تو سہی آخر پیتل کی مورتیوں میں کیا رکھا ہے؟ بھگوان کی چاندی، سونے کی مورتیاں بھی تیار ہوئی ہیں اُنہیں کیوں نظر انداز کیا جائے؟ مگر خیال آیا پیتل کی مورتیوں کے ساتھ ضرور کوئی پراسرار بات وابستہ ہے جس کا ذکر وہ مناسب نہیں سمجھتے۔ اتنی دیر میں پیکو کھانا لے آیا۔ کھانے کے دوران بھی وہ یہی تاکید کرتے رہے کہ کتاب میں جہاں پیتل کی مورتیوں کا ذکر آئے اُسے علیحدہ کاغذ پر نوٹ کرتا جاؤں۔ کھانے کے بعد اُنہوں نے مجھے رخصت کر دیا۔ اور قلمی نسخہ اُٹھا کر میں اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ یہ پہلا کام تھا جو ساؤ گاری میں میرے سپرد کیا گیا تھا۔ اس لئے میرا فرض تھا کہ سروپ جی کی ہدایت کے مطابق پوری توجہ کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کروں۔

میں راہداری سے گزرتا اپنی رہائش گاہ میں آیا اور چوبی زینہ طے کر کے کمرے میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا کہ کھونٹی کے ساتھ لالٹین جل رہی تھی۔ حیران ہوا کہ لالٹین کس نے جلائی؟ اُس کی روشنی میں بستر پر نظر پڑی تو دل دھک سے رہ گیا۔ جل پنا بڑی بے تکلفی سے بستر پر دراز گہری نیند سو رہی تھی۔ یقیناً میری بوکھلاہٹ قابل دید ہو گی۔ مگر بھگوان کا شکر ہے یہ منظر دیکھنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ میں حیرت پاش نظروں سے اُس "فتنہ خوابیدہ" کو دیکھنے لگا۔ وہ بڑے دلکش انداز میں لیٹی تھی اور نیند کی حالت میں اُس کے بدن کے جوہر کچھ اور کھل گئے تھے۔ لالٹین کی زرد روشنی میں اُس کا رُوپ آکاش کی سندر اپسراؤں کو بھی مات کر رہا تھا۔ بھرپور جوانی اور دمکتا ہوا حسن، جل پنا کی شکل میں میرے بستر پر ایک قیامت محوِ آرام تھی...... میں سحر زدہ حالت میں گم صم کھڑا دیکھتا رہا مگر اُسے جگانے یا کمرے میں ٹھہرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ شاستر و نے آج ہی تو احتیاط کی طرف توجہ دلائی تھی۔ آج ہی ساؤ گاری میں مجھے پہلا فرض سونپا گیا تھا اور میں رات ہی کو کتاب کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا۔ فوراً ایک فیصلہ کیا، دبے پاؤں کمرے سے نکلا کہ کہیں پنا کی نیند نہ ٹوٹ جائے پھر تیز تیز قدموں سے راہداری عبور کر کے بیرونی غلام گردش میں آ گیا...... دُور مغربی فصیل کی برجی کے نیچے روشنی کا ہالہ تھرتھرا رہا تھا۔ ہوا کی طرح اُڑا وہاں جا پہنچا۔ شاستر و سومی کے کنبے سے مل کر برجی سے نکل رہا تھا اُس نے چراغ آگے

بڑھا کر غور سے دیکھا اور مجھے پریشان و بدحواس دیکھ کر بولا۔

"کیا ہوا پربھو؟"

"ارے شاستر و! ہونا کیا تھا، وہ پنا ہے نا..... اس وقت میرے بستر پر سو رہی ہے۔ بھلا میں وہاں کیسے بیٹھ سکتا ہوں؟"

"دیکھا پربھو! میری بات سچ نکلی۔ اُسے ضرور آپ سے پریم ہو گیا ہے۔"

"پریم وریم کو گولی مار! اب میرا کوئی بندوبست کر دے۔"

"کیا کر دُوں؟" اُس کی گول گول پتلیاں ناچنے لگیں۔

"میرا مطلب ہے یہاں کوئی ایسا کمرہ نہیں جہاں میں اطمینان سے بیٹھ کر کچھ کام کر سکوں؟ سروپ جی نے یہ کتاب دی ہے اور میں آج ہی رات اسے پڑھنا چاہتا ہوں۔"

"اصل کتاب کو تو آپ نے پڑھا ہی نہیں اور اُسے بستر پر کھلی چھوڑ آئے ہو۔"

"میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔ کسی ایسے کمرے میں لے چل جہاں میں رات گزار سکوں۔ میں پنا کو جگانا اور بے آرام نہیں کرنا چاہتا۔"

"تو مطلب یہ ہوا، پنا سو رہی ہے اور آپ کے من میں اُس کی چنتا جاگ رہی ہے۔ پربھو! سیانے کہتے ہیں جب......"

"شاستر و کے بچے! چپ رہ اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہ کر۔"

اُس نے اُلوؤں کی طرح دیدے گھمائے، پھر بولا۔ "کمرے تو کئی خالی پڑے ہیں مگر آپ کے قابل نہیں۔ ہاں، ایک کمرہ ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔" پھر وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر ایک تنگ سی راہداری میں گھستا چلا گیا جو عمارت کے شمالی حصے میں جاتی تھی۔ پچاس ساٹھ قدم کے بعد یہ راہداری ایک اور راہداری سے مل گئی جو شرقاً غرباً پھیلی تھی۔ شاستر و اُسی راہداری میں مُڑ گیا۔ پھر اُس کے قدم ایک دروازے پر رُکے، کواڑ کھول کر اندر داخل ہوا۔ میں نے دیئے کی روشنی میں کمرے کا جائزہ لیا۔ تین کرسیوں کے علاوہ وہاں ایک کاؤچ بھی تھا اور فرش سے صرف تین فٹ کی اُونچائی پر دیوار میں ایک طاقچہ تھا جس میں شمع دان رکھا تھا۔

شاستر و نے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔ "کیوں پربھو...... اس پر سو جاؤ گے؟"

"ارے ٹھیک تو ہے۔"

"پھر میں بستر کا بندوبست کرتا ہوں۔" ساتھ ہی اُس نے طاقچے کی شمع روشن کر دی اور مجھے وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ لوٹ کر آیا تو بغل میں ایک مختصر سا بستر تھا جسے اُس نے کاؤچ پر بچھا کر لگا دیا اور بولا۔ "اگر کوئی چیز رہ گئی ہو تو بتاؤ! وہ بھی لے آؤں۔"

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ صرف دیا سلائی طاقچے میں رکھ دے اور چلا جا......"

اُس کے نکلتے ہی میں نے دروازے کی کنڈی چڑھادی، پھر تکیے سے کمر لگا کر قلمی کتاب کھولی اور آرام سے ورق گردانی کرنے لگا۔ اوراق اس قدر بوسیدہ ہو چکے تھے کہ ذرا سی بے احتیاطی سے پھٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ پھر جو آسامی زبان استعمال کی گئی تھی اُس میں قدیم تبتی زبان کے علاوہ برما کی کاچن (CACHIN) ریاست کی پرانی بولی کے بھی بے شمار الفاظ میری سمجھ سے بالا تھے۔ یہ کتاب کسی بدھ بھکشو نے ایک صدی قبل لکھی اور بھگوان بدھ کی ان نادر مورتیوں کی تاریخ بیان کی تھی جو اُن کے سورگباش ہونے کے بعد یادگار کے طور پر بنائی گئی تھیں۔ مگر اس نسخے میں زیادہ تر سنگ و چوب کے علاوہ سونے چاندی اور صندل کی مورتیوں کا ذکر تھا اور اُن کی تاریخ کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ وہ کس کس ملک کے عجائب گھر یا پگوڈے میں ہیں۔ کہیں کہیں پیتل کی مورتیوں کا بھی حال لکھا گیا تھا جن میں اکثر دوسری صدی یا اس کے بعد تیار کی گئی تھیں۔ بہر حال مصنف نے بڑی محنت اور تحقیق سے کام لیا تھا۔ آدھی رات تک مطالعہ کرتے کرتے میں نے پیتل کی تین ایسی مورتیوں کا سراغ لگا لیا جو پہلی صدی میں بنائی گئی تھیں۔ اُن میں ایک لندن کے برٹش نیشنل میوزیم میں...... دوسری چین کے شہر میکاؤ کے تاریخی پگوڈا میں...... اور تیسری کلکتہ کے فورٹ ولیم عجائب گھر میں رکھی گئی تھی۔

میں نے علیحدہ کاغذ پر اُن تینوں مورتیوں کی تفصیلات درج کر لیں۔ کتاب کے آخر میں دسویں صدی بکرمی کے بعد کی مختلف النوع مورتیوں کی تاریخ و تفصیل لکھی تھی جس کا پڑھنا یا نہ پڑھنا برابر تھا۔ کیونکہ سروپ ساؤ جی صرف پہلی صدی میں تیار ہونے والی پیتل کی مورتیوں میں دلچسپی رکھتے تھے اس لئے آدھی رات کے بعد میں نے قلمی نسخے کو احتیاط کے ساتھ بند کر کے ...... ایک طرف رکھ دیا اور شمع گل کر کے بستر میں دبک گیا۔

آج سارا دن مہاگنی کے جنگل میں گھومتا رہا تھا۔ پہاڑی ترائی کے نشیب و فراز طے کرنے کے باعث بدن تھک گیا تھا۔ پھر ساؤ گاری میں اپنے پہلے کام کی اہمیت کے پیش نظر آدھی رات تک مطالعے میں کھویا رہا۔ یوں جسم کے ساتھ دماغ کی مشقت بھی ہو گئی تھی۔ تھکن اور نیند کے خمار سے آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ پھر بھی بستر میں لیٹ کر بھگوان بدھ کی مورتیوں میں اُلجھ کر رہ گیا اور سوچنے لگا آخر سروپ جی پیتل کی کون سی مورتی تلاش کرنا چاہتے ہیں؟

یہی سوچتے سوچتے نہ جانے کب غنودگی کا جھونکا آیا اور میں نیند کے جنگل میں پہنچ گیا۔ معلوم نہیں کب تک بے سدھ سویا رہا۔ مگر انسان کا ذہن تو نیند میں بھی جاگتا رہتا ہے اور میرا ذہن بھی کچھ آہٹیں سی سن رہا تھا جیسے کوئی کمرے میں گھس آیا ہو...... میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی خواب تھا یا نیم بیداری کی کیفیت، تاہم میں محسوس کر رہا تھا کہ سرہانے کی جانب کوئی میرے اُوپر جھکا ہوا ہے جس کا بوجھ میرے دل و دماغ پر پڑ رہا ہے۔ اس انجانے

بوجھ کو پرے ہٹانے کے لئے میں نے خواب یا غنودگی کے عالم میں لیٹے لیٹے اپنا دایاں بازو اُوپر اُٹھایا اور غالباً اُسے جھٹکا بھی دیا تا کہ جو کوئی بھی مجھ پر جھکا ہوا ہے پرے ہٹ جائے۔ مگر میرا ہاتھ کسی انسانی جسم کی بجائے سرد اور سخت دھات سے ٹکرا گیا...... جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت جو کوئی بھی مجھ پر جھکا ہوا ہے اُس نے پرانے زمانے کے شہسواروں کی طرح کسی دھات کا مضبوط سینہ بند اور جوشن پہن رکھا ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی ذہن میں ایک سردی رو دوڑنے لگی۔ میرا ہاتھ دھات کو چھو کر پھر سینے سے آ لگا تھا۔ میں دل ہی دل میں حیران بھی ہو رہا تھا کہ وہ کون ہو سکتا ہے اور اپنے قلب و ذہن میں خوف بھی محسوس کر رہا تھا۔ اسی حالت میں آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تا کہ اُسے دیکھ سکوں۔ لیکن آپ شاید میری بے بسی کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آنکھوں کی پلکیں باہم پیوست ہو کر رہ گئی تھیں...... پپوٹے پھڑک اور تڑپ رہے تھے لیکن آنکھیں کوشش کے باوجود کھل نہیں رہی تھیں۔ مجھ پر شدید خوف غالب آ گیا تھا۔ سینے پر دباؤ کچھ اور بڑھ گیا اور سخت تشویش ہو رہی تھی کہ آخر میری آنکھیں کھل کیوں نہیں پاتیں؟ اچانک دل کو گیان ہوا کہ اسی پراسرار ہستی نے میری آنکھوں کو اپنے طلسم میں جکڑ لیا ہے جو میرے اُوپر جھکی ہوئی ہے اور اگر میں نے اس قید سحر سے رہائی حاصل نہ کی تو شاید ہمیشہ کے لئے اپنی بینائی کھو بیٹھوں۔

اسی عجیب سے احساس کے تحت میں نے اپنی قوتِ ارادی سے اُس پراسرار ہستی کے طلسم کو توڑ دینے کا عزم کر لیا مگر جونہی میں نے یہ ارادہ کیا وہ ہستی میرے سرہانے سے خود پیچھے ہٹ گئی اور تیزی سے گھوم کر دروازے کی طرف ہو لی۔ میں اُس کے بدن پر دھات کی کھڑکھڑاہٹ صاف سن رہا تھا۔ ٹھیک اُسی لمحے میری آنکھیں کھل گئیں...... لیکن اردگرد تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اس اتھاہ تاریکی میں میرے کان اور میرا ذہن اُسی عجیب سی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ کسی فوری جذبے کے ساتھ میں بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں اگرچہ اندھیرا تھا لیکن میں خود مکمل طور پر بیدار تھا۔ پہلے اگر میرا ذہن نیند کی حالت میں کوئی عجیب و غریب سپنا بھی دیکھ رہا تھا تو بیداری کے ساتھ ہی وہ سپنا، وہ خواب ٹوٹ جانا چاہئے تھا۔ لیکن میں عین حالت بیداری میں بھی کمرے کے اندر "دھات کے قدموں" کی آواز سن رہا تھا جو انسانی قدموں کی چاپ سے مختلف تھی...... اور اُس آواز کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سی کھڑکھڑاہٹ بھی سماعت سے ٹکرا رہی تھی جو غالباً اُس پراسرار ہستی کے جوشن اور سینہ بند سے پیدا ہو رہی تھی۔ مجھ پر بدستور ایک عجیب سا خوف طاری تھا لیکن حقیقت معلوم کرنے کے لئے میں نے بڑی عجلت سے کام لیا اور دیا سلائی جلا کر طاقچے میں رکھی شمع روشن کر دی۔ کمرے میں روشنی ہو گئی اور اُس روشنی میں میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا وہ اسی قدر حیرت ناک، دہشت ناک اور لرزہ خیز تھا کہ

میرے پسینے چھوٹ گئے اور میں بمشکل اپنی چیخ روک سکا بلکہ درست یوں ہے کہ مارے دہشت کے میرے حلق سے چیخ نکل ہی نہ سَکی......

کیا آپ یقین کریں گے کہ شمع کی روشنی میں، میں نے بھگوان بدھ کی پیتل کی ایک قد آدم مورتی کو (جو اُن کے جیون کے آخری ایام کی عکاسی کرتی تھی جب وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے تھے) اپنے قدموں پر چلتے اور ہولے ہولے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا...... یہ ایک ایسا خوفناک نظارہ تھا کہ میں کانپنے لگا۔ اُس دہشت انگیز نظارے نے ایک اور بھیانک حقیقت واضح کردی کہ یا تو میں اس وقت بھی کوئی ڈراؤنا سپنا دیکھ رہا ہوں یا جسے میں بستر میں لیٹے لیٹے کوئی خواب یا سپنا سمجھ رہا تھا وہ بھی اسی خوفناک حقیقت کا ایک حصہ تھا۔ مگر اس امر میں کوئی شبہ نہ تھا کہ اب میں جاگ رہا تھا اور اس بیداری کا ثبوت وہ شمع تھی جو طاقچے میں روشن ہو چکی تھی اور جس کی روشنی میں ''پیتل کا بھگوان'' اپنے پاؤں گھسٹتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے بھگوان کی مورتی نے پیتل کا بازو بڑھا کر دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر نکل گئی...... کواڑ ہلکی سی ''چرر'' کے ساتھ بند ہو گئے۔ اب پیتل کے قدموں کی آواز اور دھات کی وہی مخصوص کھڑکھڑاہٹ راہداری سے آرہی تھی اور آواز سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ بھگوان بدھ کی مورتی راہداری کی مشرقی سمت بڑھ رہی ہے۔ شاید وہ اُسی سمت سے آئی تھی۔ میرے جی میں آئی کہ بستر سے اُٹھ کر دروازے پر جاؤں اور راہداری میں نکل کر دیکھوں تو سہی کہ پیتل کی ایک بے جان مورتی آپ سے آپ کس طرح چل رہی ہے؟ لیکن میرے حواس پر خوف اس قدر غالب آ گیا تھا کہ بدن میں جنبش کرنے کی سکت ہی باقی نہ تھی۔ میں اپنے جاگتے ہوئے ذہن اور بیدار جسم کے ساتھ بستر پر گم صم ہو کر رہ گیا تھا مگر راہداری میں اُبھرنے والی ہلکی ہلکی کھڑکھڑاہٹ اور پیتل کے قدموں کی چاپ بدستور سن رہا تھا جو بتدریج دُور اور دُور ہوتی جارہی تھی۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں یہ راہداری شرقاً غرباً واقع اور بہت طویل تھی۔ اُس کے وسط میں ایک دروازہ تھا جو اُسے دو حصوں میں تقسیم کرتا تھا۔ اچانک راہداری کا وہی وسطی دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور مورتی راہداری کے مشرقی حصے میں داخل ہو گئی...... ''پیتل کی چاپ'' اگرچہ اب مدھم ہو گئی تھی پھر بھی میں کچھ دیر تک کان لگا کر اُسے سنتا رہا۔ پھر یوں لگا جیسے مورتی کوئی زینہ چڑھ رہی ہو۔ آخر پیتل کی چاپ بالکل بند ہو گئی لیکن چند لمحوں کے بعد میں نے کمرے کی چھت پر ایک عجیب سی دھمک محسوس کی۔ پھر چاروں طرف مکمل سناٹا چھا گیا۔

میری داستان پڑھنے والے یقیناً اس واقعے پر حیران ہوں گے اور ہر صحیح الفکر آدمی کو اس پر حیران ہونا چاہئے۔ میں خود ایک تعلیم یافتہ آدمی ہوں اور توہمات میں یقین نہیں رکھتا۔ مگر جو کچھ میں نے بیان کیا اُس میں کوئی مبالغہ، کوئی جھوٹ نہیں۔ پیتل کی ایک مورتی کو زندہ انسانوں کی

طرح چلتے پھرتے دیکھ کر مجھ پر جو کیفیت گزر گئی اُسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے کیونکہ الفاظ اس کیفیت کا اظہار نہیں کر سکتے۔ عجیب سی دہشت اور لرزتے دھڑکتے ہوئے خوف نے میرے اعضاء بالکل سن کر دیئے تھے اور میرا بدن اگر پیتل کا نہیں تو پتھر کا ضرور بن گیا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ رات کو کمرے کا دروازہ میں نے خود بند کیا اور اُس کی کنڈی چڑھا دی تھی۔ پھر وہ دروازہ آپ سے آپ کیسے کھل گیا اور مورتی کمرے میں کس طرح داخل ہوئی؟ لیکن یہ سب کچھ سوچنا قطعی بے کار تھا۔ جب ساؤ گاری میں پیتل کی ایک مورتی زندہ انسانوں کی طرح چل پھر سکتی ہے تو بند دروازے بھی آپ سے آپ کھل سکتے ہیں۔

دو تین منٹ تک میں بستر پر ساکت و صامت، دم بخود بیٹھا رہا۔ جب ذرا ہوش آیا تو اس خیال نے قلب و ذہن میں ایک نئی بے چینی اور بدن میں ایک نئی سنسنی پیدا کردی کہ دنیا کا ایک محیر العقل اور فکر و شعور کی قوتوں کو مفلوج کر دینے والا حیرت انگیز واقعہ میری آنکھوں کے سامنے گزر چکا ہے۔ مگر میرے اعضاء جو شدتِ خوف سے سن ہو کر رہ گئے تھے دھیرے دھیرے بحال ہونے لگے۔ میں نے اپنی ٹانگوں پر جو چند لمحے قبل پتھر کی معلوم ہوتی تھیں، ہاتھ پھیرا اور محسوس کیا کہ اُن کی شریانوں میں خون کی گردش پھر شروع ہو گئی ہے۔ اسی حالت میں اپنے جسم کو جھنجوڑا، بازو ہلائے اور ویسٹرن کی گھڑی پر نظر ڈالی تو یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ آج بھی صبح کے چار بجا رہی تھی لیکن آج گھڑی بند نہ تھی بلکہ اُس کی سوئیاں میرے دل کی طرح دھڑک رہی تھیں۔

اب میں بستر میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ جو کچھ میں نے دیکھا اسے کیا سمجھوں؟ وہم...... سپنا یا حقیقت؟ اگر یہ سپنا تھا تو بیداری کے بعد اس کا تسلسل کیوں جاری رہا؟ اور میں اپنی جاگتی آنکھوں سے وہ خواب کیسے دیکھتا رہا؟ اگر یہ حقیقت تھی تو پیتل کی کسی بے جان مورتی کا یوں (خواہ بھگوان کی مورتی ہی کیوں نہ ہو) جیتے جاگتے انسانوں کی طرح چلنا پھرنا کیسے ممکن ہے؟ میں جتنا اس واقعہ پر غور کرتا اُتنی ہی میری حیرت اور پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ خیال آیا کہیں یہ سب کچھ میرے اپنے ہی وہموں، اپنے ہی خیالوں کی تصویر تو نہ تھی کیونکہ سروپ ساؤ جی کے ساتھ ابتدائی تعلق ہی کے زمانے سے پیتل کی ایک مورتی میرے ذہن میں گھسی رہی ہے اور جب سے میں ساؤ گاری میں آیا ہوں کئی عجیب واقعات کے علاوہ پیتل کی مورتی بھی میرے دماغ میں لگاتار کھڑی ہے۔ آج تو خاص طور پر قلمی نسخے کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی مجھے بھگوان کی ایسی مورتی کا خیال پریشان کرتا رہا جو اُن کی وفات کے بعد پہلی صدی میں تیار کی گئی تھی۔ حتیٰ کہ جب میں کتاب بند کر کے سونے کے لئے بستر میں گھسا میرا ذہن پیتل کی ایک ایسی ہی مورتی میں اُلجھا ہوا تھا جس سے کوئی بھی ماہر نفسیات یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ رات کو جو کچھ میر

نے دیکھا وہ دراصل ایک خواب ہی تھا۔ کیونکہ بیشتر خواب انسانوں کے اپنے ہی پریشان خیالوں کی تصویر ہوتے ہیں۔

اگر یہ نفسیاتی تجزیہ درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ میرا دماغ اس قدر مجہول اور قوتِ مشاہدہ اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ میں خواب اور حقیقت میں فرق نہیں کر سکتا۔ گویا ایک ایسے دماغی عارضے میں مبتلا ہو چکا ہوں جس کا اگر فوری اور باقاعدہ علاج نہ کرایا گیا تو ضرور میں کچھ عرصے میں پاگل ہو جاؤں گا۔ اس وحشت اثر احساس نے مجھے لرزا دیا مگر نہ جانے کیا بات تھی میرے تمام حواس اس خیال کی تردید کر رہے تھے اور قلب و ذہن کے علاوہ میری آنکھوں کو بھی اس بات پر اصرار تھا کہ میں نے سب کچھ بقائمی ہوش و حواس دیکھا ہے اور خواب کہہ کر اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا جس سے میں تھوڑی دیر پہلے دوچار ہوا۔ مگر واقعہ اس قدر عجیب، محیر العقل اور ناقابل یقین تھا کہ ہر سننے والا مجھی کو پاگل قرار دے گا۔ بھلا پیتل کی مورتیاں بھی کبھی زندہ انسانوں کی طرح چلتی پھرتی دیکھی گئی ہیں؟ یہ بھی سوچا کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی زندہ آدمی مورتی کے خول میں گھس کر مجھے ڈرانے آ گیا ہو۔ مگر کسی کو یہ ناٹک کھیلنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر کوئی زندہ آدمی بند دروازے کس طرح کھول سکتا ہے؟ اور سب سے عجیب بات تو یہ تھی کہ میں نے مورتی کو جس طرح گھسٹ گھسٹ کر چلتے دیکھا وہ کسی زندہ انسان کی رفتار سے قطعی مختلف اور ماورائی انداز تھا۔ وہ چال کسی جیتے جاگتے آدمی کی ہرگز نہ ہو سکتی تھی۔ بالکل یوں نظر آیا تھا جیسے کوئی رُوح چل رہی ہو..... لہٰذا ثابت ہوا کہ ٹھاکر وکیشپ کا دماغ چل گیا ہے اور وہ ایسے انہونے واقعات بھی دیکھ لیتا ہے جو حقیقت کی دنیا میں رونما نہیں ہوتے یا پھر وہ ایک ناقابل یقین کہانی سنا کر خود کو ایک مافوق الفطرت آدمی ثابت کرنا چاہتا ہے۔

اچانک خیال گزرا کہ اور کسی سے نہ سہی لیکن شاستر و سے ضرور پوچھنا چاہئے کیا ساوُ گاری میں بھگوان بدھ کے ان آخری ایام کی کوئی مورتی ہے جب وہ بے حد لاغر اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے؟ اور کیا کسی اور نے بھی پیتل کی اس مورتی کو چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ مگر فوراً ہی اس خیال کو مسترد کر دیا کیونکہ یہ بات سنتے ہی شاسترو پہلے تو میری ہنسی اُڑائے گا پھر اپنے منطقی لہجے میں جواب دے گا..... "پربھو! پیتل کی مورتیاں صرف سپنوں میں چل پھر سکتی ہیں جس طرح خیالی گھوڑے صرف آدمی کے ذہن میں دوڑا کرتے ہیں۔ بھلا ان باتوں کا حقیقت کی دنیا سے کیا واسطہ؟"

اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ کسی سے بھی اس عجیب و غریب واقعے کا ذکر نہیں کروں گا۔ شاسترو سے بھی نہیں کیونکہ کوئی بھی اسے سچ ماننے پر تیار نہ ہوگا۔ تاہم اپنے طور پر تحقیق ضرور کروں گا کہ میں نے جو کچھ دیکھا اس میں کوئی سچائی بھی ہے یا سب کچھ میرے اپنے ذہن کی ترتیب دی ہوئی

ایک کہانی تھی جسے میں نے سپنے یا مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح میں "عالم کشف" میں دیکھا۔ میں نے ایک بار پھر ویسٹرن کی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ب چار بج کر دس منٹ ہو چکے تھے اور کوئی خواب یا کشف نہ تھا۔ مجھے بیدار ہوئے اور دیا روشن کئے بارہ تیرہ منٹ بیت گئے تھے۔ صبح کاذب کا وقت تھا۔ ٹھیک اُسی وقت میں نے چھت پر چلنے پھرنے کی دھمک محسوس کی۔ تھوڑی دیر کے بعد کسی کے کراہنے اور اذیت ناک لہجے میں چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میرے بدن میں پھر خوف انگیز سنسنی دوڑ گئی۔ یا مظہر العجائب..... ! آخر ساوُ گاری میں کیا ہو رہا ہے؟ اذیت ناک کراہیں سن کر فوراً خیال آیا کہیں شاسترو کی سیامی بلی کو آج پھر اپنے پریتم کی یاد تو نہیں ستانے لگی؟ لیکن یہ خیال اس لئے درست نہ ہو سکتا تھا کہ سومی کئی راتوں سے بالکل خاموش تھی اور چار بچوں کی ماں بن جانے کے بعد اب اُس کے کراہنے اور چیخنے چلانے کا کوئی کارن نہ تھا۔ پھر آج جو آوازیں میری سماعت سے ٹکرا رہی تھیں وہ غیر انسانی ہرگز نہ تھیں۔ یہ درست ہے بلیوں کے رونے چلانے پر اکثر اوقات انسانی آوازوں کا شبہ ہوتا ہے مگر جو آہیں، کراہیں میں سن رہا تھا وہ سو فیصد کسی دُکھی انسان کی تھیں۔ مگر انسانی آوازیں ہونے کے باوجود وہ غیر ارضی معلوم ہوتی تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے آدمی کی بجائے کسی آدمی کی آتما عذاب میں مبتلا ہو۔

یہ بھی عجیب بات تھی کہ آج رات نہ تو آوازوں کی سمت تبدیل ہوئی نہ قدموں کی آہٹوں کا رُخ بدلا، تڑپنے کراہنے اور چلانے کی غیر ارضی مگر انسانی آوازیں بھی آ رہی تھیں اور چھت پر کسی کے چلنے پھرنے کی دھمک اُس کی بے قراری کا اظہار بھی کر رہی تھی۔ میں بستر پر اکڑوں بیٹھا دیر تک یہ غمناک آوازیں سنتا رہا۔ تھوڑی دیر پہلے بھگوان بدھ کی مورتی کا کھٹکا سن کر بیدار ہوا تھا۔ وہ پیتل کی مورتی تھی یا کوئی غیر ارضی ہستی یا کوئی بدرُوح..... بہرحال میرے کمرے میں کوئی آیا ضرور تھا اور اس راہداری میں پیتل کے قدموں کی آواز سن کر دہشت کے مارے میری رگوں میں خون منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ اب چھت پر قدموں کی دھمک اور کراہتی ہوئی غیر انسانی آوازیں میرے دل و دماغ میں میخیں سی گاڑ رہی تھیں۔ میں بار بار گھڑی دیکھتا، وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ کم و بیش پون گھنٹے تک اکڑوں بیٹھا یہ آوازیں سنتا اور حیران ہوتا رہا۔ پھر بستر پر لیٹ گیا مگر اب نیند کہاں..... ویسے بھی صبح ہو رہی تھی۔ غالباً چھ بجے کے قریب شاسترو جگانے کے لئے آیا اور مجھے بیدار دیکھ کر بولا۔

"پربھو! معلوم ہوتا ہے آج رات بھر جاگتے رہے ہو۔"

میں بستر سے نکل آیا اور پوچھا۔ "شاسترو! رات بھر تیری سیامی بلی پھر روتی چلاتی رہی؟"

میں نے یہ سوال جان بوجھ کر کیا۔ خیال تھا وہ حیرت کا اظہار کرے گا کیونکہ وہ آوازیں بلی

کی ہرگز نہ تھیں۔ مگر میری بات سن کر اُس کے چہرے پر گہری افسردگی چھا گئی اور غمزدہ لہجے میں کہنے لگا۔ ''پربھو! وہ میری سیامی بلی نہیں بلکہ ایک بوڑھا بلا ہے جس کی آوازوں نے آپ کو ضرور پریشان کیا ہوگا۔''

''بوڑھا بلا؟'' میں نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ ''مگر تو نے بتایا تھا کہ یہاں صرف سومی اور راما ہی لائے گئے تھے۔ پھر یہ بوڑھا بلا کہاں سے آ گیا؟ میں نے تو یہاں کوئی بلا نہیں دیکھا۔''

''وہ سچ مچ کا بلا نہیں پربھو!''

''تو پھر کون ہے؟''

''سروپ ساؤ جی کے بوڑھے دادا ساگر ساؤ جی۔''

''سروپ جی کے دادا؟''

''جی ہاں...... بہت بوڑھے ہیں...... عمر ایک سو چالیس برس کی ہو چکی ہے اور چھٹی پشت سے اُن کا سلسلہ نسب ساؤ خاندان کے بانی گوپی ساؤ سے ملتا ہے جس نے نروان حاصل کرنے کے لئے رتناگری کے اس ویرانے میں ساؤ گاری کی یہ عمارت بنوائی تھی۔''

سروپ جی کے دادا ساگر ساؤ جی کے ذکر کے ساتھ میں اُن کی ایک سو چالیس سال کی عمر سن کر دنگ رہ گیا۔ بڑا عجیب انکشاف ہوا تھا کہ سروپ جی کے دادا ابھی تک زندہ ہیں۔ ایک سو چالیس برس کی عمر بھی انتہائی غیر معمولی تھی۔ گویا وہ عمر کی ڈیڑھ صدی پوری کر رہے تھے۔ شاسترو نے بتایا۔ ''ساگر ساؤ جی بڑے ضعیف ہو چکے ہیں۔ جان سینے میں اٹکی ہوئی ہے۔ نہ دم نکلتا ہے نہ چین آتا ہے۔ نہ جانے سانس کس طرح چل رہا ہے؟ کبھی کبھی انہیں دورہ پڑتا ہے تو کراہنے اور چلانے لگتے ہیں۔ رات اُنہیں پھر دورہ پڑا تھا مالک اپنے دادا کے لئے بڑے دُکھی ہیں۔ بیچارے رات بھر پریشان رہے۔''

یہ معلومات میرے لئے حیرت انگیز تھیں۔ اخبارات میں بعض طویل العمر آدمیوں کے بارے میں خبریں پڑھی تھیں۔ کچھ عرصہ پہلے 128 سال کی عمر میں وفات پانے والے ایک آدمی کی تصویریں بھی چھپی تھیں مگر معلوم نہ تھا کہ ساؤ گاری میں ایک سو چالیس برس کا کوئی بوڑھا بھی رہتا ہے۔

''تعجب ہے...... میں نے ساگر ساؤ جی کو نہیں دیکھا، نہ سروپ جی نے اُن کا ذکر کیا۔''

''پربھو! آپ کو یہاں آئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ویں۔ پھر آپ ساؤ گاری کے سب باسیوں سے ملے کب ہو؟ میں نے بتایا نا ساگر ساؤ جی بڑے کمزور ہیں۔ بس ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے ہیں۔ چل پھر نہیں سکتے۔ سال میں تین چار مرتبہ ڈولی پر لٹا کر انہیں رتناگری کی

پر کرائی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے مالک نے آپ سے ان کا ذکر مناسب نہ سمجھا ہو۔ مگر وہ اُنہی کی فکر میں کھوئے رہتے ہیں۔'' پھر شاسترو نے فوراً بات کا رُخ بدل دیا۔ ''پربھو! آپ جلدی سے منہ دھو کر ناشتہ کر لو۔ ہو سکتا ہے مالک شہر چلے جائیں اور جانے سے پہلے آپ کو بلا لیں۔''

''مگر اپنے بیمار دادا کو چھوڑ کر وہ شہر کیوں جانے لگے؟''

''وہ شہر گئے بھی تو اُنہی کی خاطر جائیں گے۔ کبھی کبھی دوائیں لینے کے لئے باٹی پارہ تک جایا کرتے ہیں۔''

''یہ تو بتا ساگر ساؤ جی کو بیماری کیا ہے؟''

''بڑھاپا سو بیماریوں سے بڑی بیماری ہے۔''

پھر بڑھاپا بھی ایک سو چالیس برس کا۔ شاسترو نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا۔ مجھے خیال آیا ممکن ہے سروپ جی کسی کام کے لئے بلا لیں اس لئے اپنا حلیہ ٹھیک کر لینا چاہئے مگر اپنے کمرے کا رُخ کرنے سے پہلے پوچھا۔ ''ارے شاسترو تو نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ پنا میرے کمرے سے چلی گئی یا......''

شاسترو نے میری بات کاٹ دی اور زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ ''پربھو! وہ آپ کے کمرے سے تو چلی گئی ہے مگر آپ کے دل سے نہیں گئی۔ میرا وشواس ہے وہ اس سمے بھی آپ کے دل کی کوٹھری میں سو رہی ہوگی۔''

منطقی بونے نے میرے دل کا چور پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ حالانکہ میرے دل کی کوٹھری میں تو پنا کی جگہ اب بھگوان بدھ کی وہ مورتی گھس آئی تھی جسے میں نے رات چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ میں نے اُسے گھورا۔ ''یہ صبح ہی صبح تو نے کیا بکواس شروع کر دی؟''

وہ پھر مسکرایا۔ ''پربھو! شما کر دو، غلطی ہو گئی۔ پنا آپ کے دل میں نہیں بلکہ رات بھر آپ کے کمرے میں آپ کے بستر پر سوئی ہے۔ میں صبح ہی صبح کمرے میں گیا تو جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی پوچھنے لگی کہ کیا کیشپ جی رات کو کمرے میں نہیں آئے تھے؟ میں نے جواب دیا اوّل تو ہم جنگل سے گہری شام کو لوٹے تھے پھر رات کو مالک کے دادا کی حالت پھر خراب ہو گئی تھی اس لئے کیشپ جی بھی اُن کے ساتھ بیمار کی دیکھ بھال کرتے رہے اور ابھی تک وہیں ہیں۔ پربھو! مجھے صرف آپ کی خاطر جھوٹ بولنا پڑا۔ اگر میں بتا دیتا کہ کیشپ جی تمہاری وجہ سے دوسرے کمرے میں سوئے ہیں تو شاید اُسے اپنی غلطی پر دُکھ ہوتا اور یہ کوئی اچھی بات نہ تھی۔ آخر پنا یہ کہتی ہوئی آپ کے کمرے سے چلی گئی۔'' شاسترو! کیشپ جی کو یہ نہ بتانا کہ رات بھر میں اُن کے کمرے میں سوئی تھی۔'' مگر میں آپ کو سب کچھ بتا رہا ہوں۔''

میں تین فٹ کے اُس بونے کی عقل مندی اور ہوشیاری پر خوش ہوا۔ اُس نے کمرے سے

میری غیر حاضری کا کیسا عمدہ بہانہ ڈھونڈا تھا۔ میری طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ''اب آپ کسی خوف کے بغیر اپنے کمرے میں جا سکتے ہو۔ میں پیگو سے کہہ آیا ہوں آپ کا ناشتہ کمرے میں پہنچا دے۔ اور پریشان ہونے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میرے سوا کسی نے بھی پنا کو آپ کے کمرے سے نکلتے نہیں دیکھا نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ پنا کہاں اور آپ کہاں سوئے تھے؟ اب آپ جانو آپ کا کام جانے۔ مجھے مالک کے غسل کے لئے پانی گرم کرنا ہے اس لئے جا رہا ہوں۔''

یہ کہہ کر اُس نے بستر اُٹھایا اور کمرے سے نکل گیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے میں بھی کمرے سے نکلا اور راہداری میں آ گیا۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں یہ راہداری شرقاً غرباً پھیلی تھی۔ مشرقی جانب کچھ فاصلے پر راہداری میں ایک بڑا دروازہ تھا اُس دروازے کے پرے ایک چوڑا زینہ نظر آیا جو قوس نما خم کھاتا اُوپر جاتا تھا۔ دروازے کے کواڑ کھلے تھے شاید اس لئے کہ رات مورتی اُسی دروازے سے گزری تھی۔ زینے کے ساتھ ہی سنگ سرخ کا ایک قد آدم مجسمہ نصب تھا۔ اُس راستے باہر جانے کی بجائے جس راستے میں یہاں آیا تھا، بے اختیار میرے قدم مشرقی جانب اُٹھنے لگے۔ پھر کھلا دروازہ عبور کر کے میں اُسی مجسمے کے پاس آ گیا اور پہلی نظر ہی میں اُسے پہچان لیا۔ وہ سروپ ساؤ کی مورتی تھی اور اس چابک دستی سے بنائی گئی تھی کہ اصل اور نقل میں سوائے لباس کے کوئی فرق معلوم نہ ہوتا تھا۔ سروپ جی کی مورتی کے گلے میں تازہ پھولوں کا ایک ہار لٹک رہا تھا جو شاید تھوڑی دیر پہلے پہنایا گیا تھا کیونکہ پھولوں کی پتیوں پر ابھی اوس کی نمی موجود تھی اور ان سے بھینی بھینی مہک اُٹھ رہی تھی۔

یہ مورتی فن سنگتراشی کا کمال قرار دی جاتی تھی۔ چہرے کے خدوخال اور خطوط بڑی عمدگی سے تراشے گئے تھے۔ حتیٰ کہ ماتھے کی لکیریں اور چہرے کی ہلکی، مدھم سی جھریاں بھی دکھائی دے رہی تھیں جو اُن کے بڑھاپے کی پہلی علامت تھی۔ مورتی سنگ تراشی کے فن کا منہ بولتا ثبوت تھی بس ایک آتما نہیں تھی جس سے وہ پیکر سنگ ایک چلتی پھرتی ہستی میں بدل جاتا۔ البتہ جس بات نے مجھے حیران کیا وہ مورتی کا لباس تھا جو دو تین صدی پرانا تھا اور میں حیران تھا آخر قدیم زمانے کا لباس پہن کر سروپ جی کو مورتی بنوانے کا شوق کیوں چرایا؟

ابھی میں مورتی کا جائزہ لے رہا تھا کہ زینے پر کسی کے قدموں کی چاپ اُبھری۔ پھر میں نے سروپ ساؤ جی کو دیکھا وہ بڑی پریشانی اور بدحواسی کی حالت میں تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اُترتے بلکہ پھلانگتے ہوئے نیچے آئے اور مجھے وہاں کھڑا دیکھ کر ایک دم ٹھٹک سے گئے۔

''ارے تھارو کیشپ! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

میں بوکھلا کر رہ گیا۔ ''یہ...... یہ مورتی دیکھنے آ گیا تھا۔

''اچھا اچھا...... دیکھو......'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گئے اور دروازہ کھول کر جو زینے

کے عین سامنے تھا، باہر نکل گئے۔ میں حیران و ششدر دیکھتا ہی رہ گیا۔ یہاں ایک دلچسپ انکشاف ہوا۔ وہ جس دروازے سے باہر نکلے تھے وہ اُس راہداری میں کھلتا تھا جس کی ایک جانب میرا کمرہ واقع تھا اور اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اُسی راہداری میں سروپ جی کا کمرۂ ملاقات بھی تھا۔ غالباً وہ کسی کام سے اپنے کمرے تک گئے تھے۔ اُن کی گھبراہٹ پر میں پریشان بھی تھا اور حیران بھی۔ وہ کچھ ایسی افراتفری میں دکھائی دیئے تھے جیسے کسی مریض کی جان خطرے میں ہو۔ شاید میں کچھ غلط کہہ گیا ہوں، ساؤ گاری میں جو معاملہ درپیش تھا وہ دنیا کے عام دستور سے کچھ مختلف بلکہ اُلٹ تھا کیونکہ سروپ جی کے دادا ''زندگی کے عذاب'' میں مبتلا تھے۔ اُن کی جان پر بن جانا بلکہ جان نکل جانا تو ایک خوشی کی بات تھی۔ پھر سروپ جی اتنے پریشان اور گھبرائے ہوئے کیوں تھے؟

وہ قلمی نسخہ جو سروپ جی نے رات ہی میرے سپرد کیا تھا، اپنی بغل میں دبائے اسی سوچ بچار میں محو تھا کہ تین چار منٹ کے بعد وہ اُسی دروازے سے پھر آتے دکھائی دیئے۔ مجھے دیکھ کر پھر ٹھٹکے، رُکے اور بولے۔ ''کیشپ! اس وقت میں کچھ پریشان اور جلدی میں ہوں۔ بس آدھ گھنٹے کے بعد تم سے مل سکوں گا۔''

غالباً وہ سمجھ رہے تھے میں اُن سے ملاقات کے لئے آیا ہوں۔ میں نے فوراً وضاحت ضروری سمجھی۔ ''میں ملاقات کے لئے نہیں آیا تھا۔''

''تو پھر......؟''

''وہ آپ کے...... دادا......''

''ہاں...... وہ بیمار ہیں۔''

''کیا میں اُنہیں دیکھ سکتا ہوں؟''

''کیوں نہیں...... میرے ساتھ آؤ!''

پھر میں اُن کے ساتھ چوڑا، خم دار زینہ چڑھنے لگا۔ اُنہوں نے بتایا۔

''دادا پر کبھی کبھی دورہ پڑ جاتا ہے۔ اس وقت بھی دورہ پڑا ہوا ہے۔ میں اپنے کمرے میں اُن کے لئے ایک دوا تلاش کرنے گیا تھا۔''

''کیا دوا مل گئی؟''

''ہاں......'' اُن کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی شیشی تھی جس میں پیلے رنگ کی سیال دوا نظر آ رہی تھی۔

زینہ عبور کر کے ہم ایک گیلری میں داخل ہوئے، پھر ایک دو راہداریاں عبور کر کے مغرب کی سمت ایک لمبے کمرے میں پہنچ گئے۔ میرے اندازے کے مطابق یہ طویل، تابوت نما کمرہ ٹھیک

اُس کمرے کے اُوپر واقع تھا جہاں میں نے رات بسر کی تھی۔ مگر اُسے کمرے کی بجائے ایک تاریک قبر، غار یا ڈربہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اُس میں کوئی کھڑکی تھی نہ روشن دان...... بس سرخ پتھروں کا ایک لمبا سا تابوت تھا جس کی چھت کے درمیان ایک چھوٹا سا گول خمدار سوراخ شاید گندی ہوا کے اخراج یا روشنی کی خاطر بنایا گیا تھا۔

کمرے میں آتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے کسی مرگھٹ یا مقبرے میں آ گیا ہوں۔ چند سال پہلے کسی انگریز مصنف کی کتاب میں پہلی یا دوسری صدی عیسوی کے بعض عیسائیوں کے بارے میں پڑھا تھا جو یہودیوں اور رومنوں کے ڈر سے ان پہاڑی غاروں میں آ چھپے جنہیں ''کیٹا کومز'' کہتے ہیں۔ بعد ازاں وہی پہاڑی غار اُن کے مقبرے بن گئے تھے۔ یہ کمرہ بھی جس میں سروپ جی مجھے لے کر داخل ہوئے ایک غار نما مقبرہ ہی تھا۔ اُس کی نیم تاریکی میں سب سے پہلی صورت جو نظر آئی وہ پروہت گنجال کی تھی جسے شاید آخری رسوم کی ادائیگی کے لئے بلایا گیا تھا۔ کم از کم میرا خیال یہی تھا۔ پروہت گنجال نے مجھے حیرت سے دیکھا بلکہ میں کہوں گا اُس میں ناپسندیدگی زیادہ تھی۔ سروپ جی نے اُس کی ناپسندیدہ نظروں کو بھانپ لیا تھا، فوراً بولے۔

''تھاروکیشپ نے دادا کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی اس لئے انہیں ساتھ لے آیا ہوں۔''

میں نے محسوس کیا مجھے اپنے ساتھ لا کر سروپ جی نے شاید پروہت گنجال کی نظر میں پاپ یا کوئی جرم کیا تھا اور اس کے جواب میں اُنہیں اپنی صفائی پیش کرنا پڑی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے ایک گوشے کی طرف اُنگلی اُٹھائی۔ میں نے اُن کی اُنگلی کی سیدھ میں دیکھا تو اُس گوشے میں فرش پر کائی بچھی تھی اور ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ...... ایک مشت اُستخواں جسے اگر ہم انسان کہہ سکتے ہیں تو وہ اُس کائی پر بے حس و حرکت لیٹا تھا۔ پہلی ہی نظر میں گمان گزرا جیسے وہ صدیوں سے اسی طرح زندگی کے دن پورے کر رہا ہے اور وہ عظیم و لازوال ہستی جسے لوگ قدرت کہتے ہیں، اس بوڑھے فرتوت کی جان نکالنا بھول گئی ہے۔ وہی سروپ ساؤ جی کا بوڑھا دادا ساگر ساؤ جی تھا جو ایک سو چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا تھا......!

اس کمرے، مقبرے یا تابوت میں چارپائی نام کی کوئی شے نہ تھی۔ اگرچہ یہ کمرہ جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا، اُس کی مستقل رہائش گاہ تھا مگر چند کپڑوں کے علاوہ جو کھونٹی پر لٹک رہے تھے، وہاں کوئی قابلِ ذکر چیز نظر نہ آئی۔ اسی گوشے میں ایک طرف کانسی کے چند برتن تھے یا دو تین چوبی چوکیاں جو بدھ گھرانوں میں عموماً کرسیوں کی بجائے بیٹھنے کے کام آتی ہیں اُس تابوت نما کمرے کی کل کائنات تھیں۔ ہاں ایک اور چیز بھی تھی...... بھگوان بدھ کی پیتل کی ایک قد آدم مورتی جو مریض کی نظروں کے سامنے دوسرے گوشے میں کسی جیتے جاگتے آدمی کی طرح ایستادہ تھی...... میں اُسے دیکھتے ہی دم بخود رہ گیا اور خوف کی ایک لہر میرے جسم میں

دوڑنے لگی۔ کیونکہ یہ سو فیصد وہی مورتی تھی جو رات اپنے پیتل کے قدموں سے چل کر میرے کمرے میں آئی اور قلب و ذہن کے علاوہ میرے جسم کو بھی ماؤف کر کے چلی گئی تھی۔ میں اُسے دوسری بار سروپ جی کے بوڑھے دادا کے کمرے میں دیکھ رہا تھا اور یہ احساس مجھے پریشان کرنے لگا کہ رات حقیقت یا رویا میں جو مورتی میرے کمرے میں آئی اور جس کے قدموں کی آواز میری سماعت سے ٹکراتی رہی وہ یہی تھی جو ساگر ساؤ جی کے اس ''تابوت'' میں کھڑی ہے۔ اس احساس کے ساتھ ایک بار پھر مجھ پر وحشت سی طاری ہونے لگی۔ حالانکہ میں وہاں تنہا نہ تھا۔ سروپ جی تھے، پروہت گنجال تھا، اُس کا نائب شنکر تھا اور وہ تینوں بوڑھے کو دوا پلانے پر غور کر رہے تھے جس کی حالت دیکھ کر میں تو یہی سمجھا تھا کہ وہ پران چھوڑ چکا ہے۔

مریض کائی کے بچھونے پر کسی لاش کی مانند بے حس و حرکت لیٹا چھت کو گھورے جا رہا تھا۔ شاید ''گھورنے'' کا لفظ مناسب نہ ہوگا کیونکہ اس میں زندگی کا تاثر ملتا ہے اور میں نے جس ڈھانچے کو دیکھا اُس میں زندگی نام کی کوئی شے نہ تھی۔ پھر بھی وہ چھت کو ''گھور'' رہا تھا شاید اس لئے کہ اُس کی آنکھیں جن کے ڈیلوں پر چربی کی ہلکی سی سفید تہہ چڑھ آئی تھی، تارہ بنی چھت کی کڑیوں پر لگی تھیں۔ پلکیں اور بھنویں رُوئی کی طرح سفید تھیں۔ سر کے بال دیکھ کر معلوم ہوتا تھا گویا سر پر برف کی پوٹلی رکھ دی گئی ہے۔ البتہ داڑھی مونچھیں اس عمر اور اس حالت میں بھی صاف تھیں اور شیو کئے کئی دن ہو گئے تھے اس لئے چہرے پر نکلے ہوئے بالوں کا سفید غبار سا بکھرا نظر آ رہا تھا۔ جھریوں بھرے چہرے کی ہر لکیر زندگی کے طویل سفر کی کہانی بیان کر رہی تھی مگر اس چہرے پر جس کی کھال ڈھیلی پڑ چکی تھی سب سے عجیب، سب سے ہولناک اُن بوڑھی آنکھوں کی ویرانی تھی جو زندگی کے ایک سو چالیس موسم دیکھ چکی تھیں۔

میں نے وہ آنکھیں اور اُن کی ویرانی بھلانے کی بہت کوشش کی مگر آج تک نہیں بھول سکا۔ وہ آنکھیں کسی مرگھٹ کی طرح اُجاڑ، سنسان، خوفناک اور اُن کے اندر پتلیاں پتھر یا شیشے کی گولیوں کی مانند ساکت و صامت تھیں۔ یوں تو ساگر ساؤ جی کا پورا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا جس پر جھریوں بھری بوڑھی کھال ڈھیلی پڑ جانے سے جسم کی ہیئت کذائی ایک عجیب لرزہ خیز منظر پیش کر رہی تھی۔ لیکن ان آنکھوں کی ویرانی تو ایک ''خاموش فریاد'' بن کر رہ گئی اور میرے اندر کا تھاروکیشپ وہ فریاد سن رہا تھا جو کہہ رہی تھی......

''مجھے دنیا سے، جیون سے، اس شریر سے نجات دلاؤ!''

نہ صرف ان ویران، اُجاڑ آنکھوں میں بلکہ پورے جسم میں کوئی حرکت، کوئی جنبش نہ تھی۔ گویا وہ پتھر کا کوئی ڈھانچہ تھا جس میں زندگی کا دم تھا...... مجھے تو یوں لگا جیسے بوڑھے کی آتما شریر چھوڑ کر جا چکی ہے اور اُسے جیون کے عذاب سے نجات مل گئی ہے۔ مگر دراصل ایسا نہ تھا۔ وہ

استخوانی جسم، مرجھائی ہوئی میلی کھال جسے ہڈیاں بھی چھوڑ چکی تھیں، جھریوں سے بھرا ہوا چہرہ جس پر گہری، کالی لکیروں نے مکڑی کا جال سا بن دیا تھا، رُوئی کی مانند سفید بال، چھت پر لگی ہوئی اُداس خالی خالی دہشت انگیز کھلی آنکھیں اور اُن آنکھوں کی پتلیوں پر چڑھی ہوئی چربی کی سفید تہہ دیکھ کر میرے جسم میں بے پناہ رنج وغم کے ساتھ خوف کی ایک ٹھنڈی لہر سرسرائی اور جسم و رُوح سمیت میرا پورا سراپا کانپ کے رہ گیا کیونکہ اس وقت جو انسان میرے سامنے تھا وہ زندگی اور اس کے ولولہ انگیز ہنگاموں سے کوسوں دُور جا چکا اور ایسی منزل پر پہنچ گیا تھا جہاں زندگی کا ہر راستہ ختم ہو جاتا اور آدمی پر اُس کے بھوت کا شبہ ہونے لگتا ہے۔

بونے شاسترو نے ساگر ساوَ جی کے بڑھاپے کا ذکر کچھ اس طرح کیا تھا کہ بے اختیار میرے دل میں 140 سال کے بوڑھے کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور یہی خواہش مجھے اس تابوت نما کمرے تک لے آئی تھی۔ مگر اب سوچ رہا تھا کاش میں نے یہ خواہش نہ کی ہوتی کیونکہ اس ارذل عمر بوڑھے کو دیکھ لینے کے بعد میرے دل میں جینے اور زندہ رہنے کی وہ تمام آرزوئیں جن کی خاطر آدمی شہروں اور ویرانوں میں بھاگا پھرتا ہے دم توڑ گئی تھیں جیسے کسی نے ان حسین آرزوؤں کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا تھا۔ انسان کا وہ انجام جو ساگر ساوَ جی کی شکل میں نظر آیا اتنا وحشت انگیز تھا کہ کمزور دل کا کوئی آدمی اُسے دیکھنے کی بھی تاب نہیں لا سکتا۔

میں ایک سکتے کی سی حالت میں کھڑا تھا مگر سروپ جی اور پروہت گنجال اُس لاش کے قریب بیٹھے اُسے دوا پلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک خیال آیا کہ مجھے خود کو سنبھالنا چاہئے۔ ایک جھرجھری سی لے کر میں نے اپنے حواس درست کئے اور اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ پروہت گنجال نے بوڑھے کا بایاں بازو اُوپر اُٹھایا، ایک دو لمحے اُٹھائے رکھا پھر چھوڑ دیا اور بے جان بازو ہڈی کی طرح آپ سے آپ ''دھپ'' کی آواز کے ساتھ فرش پر آ گرا۔ کمرے میں آواز نے موت کا سا لرزہ پیدا کر دیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی بوڑھے کے بائیں بازو میں خفیف سی حرکت پیدا ہوئی جیسے چیونٹی ایک قدم چل کر رُک گئی ہو۔ میں یہ دیکھ کر کانپ اُٹھا کہ یہ لاش ابھی زندہ ہے۔ اچانک سروپ جی نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

''کیشپ...... ذرا آگے آؤ!''

سردی کے باوجود مجھے پسینہ آ گیا تھا۔ کپکپاتے جسم کے ساتھ آگے بڑھا اور اُن کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اب ساگر ساوَ جی کا چہرہ میری آنکھوں سے بہت قریب تھا۔ مگر اتنی قربت کے باوجود بوڑھے کے چہرے پر زندگی کا کوئی نشان دکھائی نہ دیا۔ وہ چہرہ موت کے ایلچی کی طرح سرد، بے حس اور بھیانک تھا۔ اور تھوڑی دیر پہلے چیونٹی کی سی جو حرکت نظر آئی، پھر معدوم ہو چکی تھی۔

سروپ جی نے دوا کی وہ شیشی اُٹھائی جسے نچلے کمرے سے لے کر آئے تھے اور پروہت

گنجال سے کہا: ''ذرا ان کا منہ کھول دو اور کیشپ! تم ان کی مدد کرو!''

پروہت نے بوڑھے کا منہ کھولنے کے لئے زور لگایا مگر وہ اتنی سختی سے بند تھا کہ کھل نہ سکا۔ پھر اس نے لوہے کی ایک پتلی لیکن مضبوط تلاخ بوڑھے کے منہ میں ڈال کر زور لگایا۔ میں نے جبڑا سنبھالا اس طاقت آزمائی کے نتیجے میں ایک جھری سی پیدا ہوئی اور سروپ جی نے اُس جھری میں پیلی سیال دوا کے دس قطرے گن گن کر ٹپکائے۔ شنکر نے جو سرہانے کی طرف بیٹھا تھا بوڑھے کا سر اُوپر اُٹھایا تاکہ دوا کے قطرے حلق کے اندر چلے جائیں۔ چند لمحوں کے بعد اُسے چھوڑ دیا گیا اور اکڑا ہوا جسم کائی کے بچھونے پر ساکت ہو گیا۔ ساگر ساوَ جی کا جسم برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ اُس میں جیون کی کوئی گرمی نام کو بھی نہ تھی بلکہ جب میں نے منہ کھولنے کے لئے بوڑھے کا جبڑا سنبھالا تو موت کی سی وہ ٹھنڈک میرے ہاتھوں میں بھی سرایت کرتی چلی گئی۔ مگر اب میں دیکھنا چاہتا تھا کہ پیلی سیال دوا کے دس قطرے ایک سو چالیس سال کے اس بوڑھے پر کیا اثر کرتے ہیں؟ میری طرح سروپ جی، گنجال اور شنکر بھی بڑے غور سے ہڈیوں کے اس ڈھانچے کو دیکھ رہے تھے جو کائی کے بچھونے پر چت لیٹا تھا۔

آٹھ زندہ آنکھیں دو ایسی کھلی آنکھوں پر ٹکی ہوئی تھیں جن میں زندگی کا کوئی دم نہ تھا۔ پپوٹوں میں کوئی حرکت نہ تھی نہ پلکوں میں کوئی جنبش۔ پھر پتھرائی ہوئی پتلیاں تو کوئی اور ہی خبر دے رہی تھیں جن سے خوف آتا تھا۔ چند ساعتیں اسی کیفیت میں گزر گئیں۔ شاید بوڑھا جسم زندگی کی حرکت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا تھا۔ مگر دو منٹ کے بعد پیلے سیال نے حیرت انگیز معجزہ دکھایا۔ سب سے پہلے بوڑھے کے ماتھے پر اُبھری ہوئی نسوں میں معمولی سی حرکت ہوئی پھر وہ نسیں دم توڑتے ہوئے کسی کیچوے کی مانند تڑپنے لگیں۔ ساتھ ہی سفید پلکوں میں لرزش ہوئی، پھر آنکھوں کے اندر سفید پتلیاں کانپ کر رہ گئیں اور تارہ سی آنکھوں میں زندگی کا دم لوٹ آیا۔ اسی اثناء میں بوڑھی آنکھوں سے ڈھلتے نیل کے دو قطرے نکل کر بوڑھی کھال پر لڑھک گئے اور مکڑی کے جال کی طرح چہرے کی لاتعداد جھریوں میں بھی جیون کی لہر دوڑنے لگی۔ بوڑھے نے ایک دو بار پلکیں جھپکیں اور گیلی پلکوں کی اوٹ سے اپنے تیمارداروں اور معالجوں کو یوں دیکھا جیسے اُن سے شکایت کر رہا ہو کہ اس بوڑھے جسم کے جال سے زندگی کا دم کیوں نہیں نکلتا؟

میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک مُردے کو زندہ ہوتے دیکھا۔ اُس بوڑھے چہرے پر نظر ڈالی جو چند لمحے پہلے موت سے ہمکنار تھا مگر اب اُس پر ایک عجیب سی مایوسی اور بے یقینی طاری تھی۔ ان اُجاڑ اور ویران آنکھوں کو دیکھا جن میں اب حسرت اور بے چارگی تھی۔ میں وہ کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا کیونکہ کسی بھی زبان کے الفاظ یہ کیفیت بیان کرنے سے

قاصر ہیں جس سے بوڑھا دوچار تھا۔ البتہ جب میں اُس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا تو جھریوں کے جال میں لپٹی ہوئی وہ صورت کچھ دیکھی بھالی سی معلوم ہوئی۔ پھر میں نے سروپ جی کی طرف دیکھا۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ دادا پوتے کی شکلوں میں کافی مشابہت پائی جاتی تھی جسے ساگر ساوٗ جی کے غیر معمولی بڑھاپے نے اپنی جھریوں میں چھپالیا تھا۔ میں نے سوچا جب ساگر ساوٗ جی ساٹھ پینسٹھ برس کی عمر کا ہوگا یقیناً اُس کی صورت اِس وقت کے سروپ ساوٗ جی سے بہت ملتی جلتی ہوگی۔ بعض خاندانوں میں نہ صرف باپ بیٹا بلکہ دادا پوتا بھی حیرت انگیز حد تک ہم شکل ہوتے ہیں۔ بہرحال سروپ ساوٗ جی اور ساگر ساوٗ جی میں اگر کوئی مشابہت تھی بھی تو موخر الذکر اجل بدوش بوڑھے نے یکسانیت کا ہر نقش غارت کر دیا تھا اور مشابہت کا بس ایک سراب سا باقی رہ گیا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد بھی بوڑھا بدستور کائی کے بستر پر لیٹا رہا مگر اُس کی آنکھوں میں تحیر کی جھلک اب صاف نظر آ رہی تھی جو شاید مجھے دیکھ کر پیدا ہوئی تھی کیونکہ میں اُس کے لئے بالکل نیا آدمی تھا۔ وہ چند لمحے بڑے غور سے میری طرف دیکھتا رہا جیسے میرا حدودِ اربعہ جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اُس کے خشک ہونٹ جو تھوڑی دیر پہلے لکڑی کی طرح سخت ہو گئے تھے، ہولے ہولے پھڑپھڑائے اور بوڑھے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی جس کا مطلب سمجھنے سے میں قاصر تھا۔ اُس نے جس زبان میں بات کی وہ زبان تو بے شک آسامی تھی مگر الفاظ میرے لئے اجنبی تھے۔ پھر بڑھاپے کی وجہ سے لہجہ بھی قابو میں نہ تھا۔ الفاظ کی بجائے اُس کے حلق سے ''سس...... سس...... سوں...... سوں...... سر......'' کی ایک لایعنی چیخ نکل کر رہ گئی مگر قیاس کہتا تھا کہ وہ میرے ہی بارے میں کچھ پوچھ رہا ہے۔

یہ قیاس غلط نہ تھا۔ سروپ جی ہاتھوں سے اشارے کر کے میرے متعلق بتانے لگے۔ میں نہیں جانتا اُنہوں نے اشاراتی زبان میں بوڑھے کو کیا بتایا؟ کیا سمجھایا؟ مگر دوسرے لمحے ساگر ساوٗ جی کی ویران آنکھوں میں آس کی ایک کرن سی چمکنے لگیں۔ کچھ دیر دادا پوتے میں ''اشاراتی گفتگو'' ہوتی رہی، پھر سروپ جی مجھ سے کہنے لگے۔

''بڑھاپے کی وجہ سے ان کی سماعت ضائع ہو چکی ہے۔ بلند آواز میں چلا چلا کر بات کی جائے تو بھی شاید ہی کوئی لفظ کان میں پڑتا ہے اس لئے اشاروں سے سمجھانا پڑتا ہے۔''

اگر اسے جیون کہہ سکیں تو بوڑھے ساگر ساوٗ جی کا جیون واقعی قابلِ رحم تھا۔ لیکن وہ ''زندہ'' کب تھا؟ مجھے معلوم ہوا کہ وہ بڑی دیر تک سکتے کی حالت میں مُردہ سا پڑا رہتا ہے نہ صرف سروپ جی بلکہ ساوٗ گاری کا ہر باسی پرارتھنا کرتا تھا جسم کے پنجرے سے رُوح کا پنچھی اُڑ جائے مگر بوڑھے کی جان کچھ ایسی اٹکی تھی کہ نکلنے کا نام نہ لیتی۔

ہم سب خاموشی اور حسرت سے اُس کی طرف دیکھتے رہے۔ بوڑھے سوکھے، مرجھائے ہوئے جسم کے اندر سانس چل رہی تھی۔ میں ساگر ساوٗ جی کی اس قابلِ رحم حالت میں محو تھا کہ اچانک محسوس ہوا دو آنکھیں مجھے گھور رہی ہیں۔ میں نے ذرا گردن گھما کر دیکھا تو واقعی پروہت گنجال کی نظریں مجھے گھور رہی تھیں۔ مگر میرے گردن گھماتے ہی اُس نے فوراً اپنا رُخ بدل لیا۔ اُن آنکھوں میں جن کی میں صرف ایک ہی جھلک دیکھ پایا، مجھے نفرت کی چنگاریاں سلگتی نظر آئی تھیں اور میں اس نفرت کا سبب نہ سمجھتا تھا۔ آخر ساوٗ گاری کا یہ بدھ پروہت مجھ سے نفرت کیوں کرنے لگا تھا؟

میں ابھی اسی بات پر غور کر رہا تھا کہ بوڑھے ساگر ساوٗ جی کے حلق سے ایک بار پھر مبہم اور ناقابلِ فہم الفاظ کی سسکاریاں نکلنے لگیں۔ میں نے ان الفاظ پر غور کیا یقیناً وہ آسامی زبان ہی کے الفاظ تھے مگر صدیوں پرانے جو پچھلی ڈیڑھ دو صدیوں سے متروک ہو چکے تھے۔ بوڑھے کا لہجہ بھی صاف نہ تھا۔ اُس کے منہ سے الفاظ ''سس...... سس...... فف...... فف'' کر کے نکلتے۔ اس لئے وہ کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ معلوم ہوتے تھے۔ اس مرتبہ بوڑھے نے اپنے پوتے سے فرمائش کی کہ وہ اپنی پڑپوتی کو ملنا اور دیکھنا چاہتا ہے۔ میرے لئے یہ انکشاف بھی دلچسپی سے خالی نہ تھا کہ سروپ جی کی کوئی بیٹی بھی ہے۔ یہ بات بوڑھے کی فرمائش ہی سے معلوم ہوئی تھی۔ اس اشاراتی گفتگو میں جو سروپ جی اور بوڑھے کے درمیان ہو رہی تھی میرا بھی ذکر آیا اور بوڑھے نے سمجھایا تھا کہ ساوٗ گاری میں میرا خاص خیال رکھا جائے اور مجھے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ جب سروپ جی نے مجھے اس کی ہدایت اور خواہش سے مطلع کیا تو میں نے رسمی طور پر جواب دیا کہ وہ میری طرف سے اس مہربانی کا شکریہ ادا کریں اور بتائیں کہ مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں۔ اس پر بوڑھے کی آنکھوں میں اطمینان کی جھلک پیدا ہوئی تھی مگر میں حیران تھا آخر اُسے میرے آرام کی اتنی فکر کیوں ہے؟

میں بظاہر تو بوڑھے کی طرف متوجہ تھا لیکن کبھی کبھی چور نظروں سے بھگوان کی مورتی کو بھی دیکھ لیتا تھا جو کونے میں کھڑی اپنی پیتل کی آنکھوں سے مجھے گھور رہی تھی اور دل ہی دل میں اس بات پر متعجب تھا کہ میں نے پیتل کا یہی ڈھانچہ رات کو چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ آخر بھگوان کی مورتی کو مجھ سے کیا کام تھا کہ وہ بوڑھے کے کمرے سے نکل کر میری خوابگاہ میں بھٹکتی رہی؟

اب میں رات کے واقعے کو خواب نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ اس وقت وہی مورتی میرے سامنے موجود تھی جسے رات میں نے نیند کی حالت میں اپنے سرہانے کھڑا محسوس کیا تھا، جس کے پیتل کے جسم سے میرا ہاتھ ٹکرایا تھا، جسے میں نے گھسٹ گھسٹ کر چلتے دیکھا تھا اور بقائمی ہوش و حواس اُس کے قدموں کی آواز سنی تھی۔ حیرت، خوف اور تجسّس کے مارے میرا برا حال تھا اور میں اس

عجیب و غریب معمے کو سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر پیتل کی مورتی زندہ آدمی کی طرح کیسے چل پھر سکتی ہے؟ میرے جسم پر ایک لرزشِ خفی طاری تھی۔ آخر میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ سروپ جی میری اس کیفیت کو دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''تھارو کیشپ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

میں نے اُن کی آواز سن کر خود کو سنبھالا۔ ''جی ہاں...... ٹھیک ہوں۔''

''تم کچھ خوفزدہ معلوم ہوتے ہو...... کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔''

''شاید دادا کے بڑھاپے نے تمہیں پریشان کر دیا ہے۔ جو بھی انہیں دورے کی حالت میں دیکھتا ہے، گھبرا جاتا ہے اور بڑھاپے سے ڈرنے لگتا ہے۔ یہ زندگی موت سے بدتر ہے مگر جب تک سانس کی ڈور ٹوٹ نہ جائے آدمی زندہ رہنے پر مجبور ہے۔''

میں کہنا چاہتا تھا کہ میرے خوف اور تعجب کی وجہ ساگر ساؤ جی کا بڑھاپا نہیں، بھگوان کی مورتی ہے جسے اس کمرے میں دیکھ کر میری سوچ کی کڑیاں ٹوٹ پھوٹ رہی ہیں اور خود کو سنبھال نہیں پایا۔ لیکن میں نے کسی بھی حالت میں مورتی کا ذکر مناسب نہ سمجھا اور سروپ جی کے خیال کا سہارا لے کر بولا۔

''میں بیمار کو دیکھنے تو آ گیا مگر جو کچھ میں نے دیکھا وہ میرے لئے ایک اچنبھا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی۔''

''پریشانی ہمیں نہیں، تمہیں ہوئی ہے۔''

اس کے بعد میں نے سروپ جی سے رخصت لی اور بھگوان کی مورتی پر اچٹتی سی نظر ڈالتا ہوا اُس تابوت نما کمرے سے نکل گیا۔

○○○

(4)

بلاوا

زینہ اُتر کر میں سروپ ساؤ جی کے مجسمے کو دیکھے بغیر اُس کے قریب سے گزر گیا اور دوازہ عبور کر کے جو شمالاً جنوباً پھیلی دوسری راہداری میں کھلتا تھا، اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ ستر و دروازے پر میرا منتظر تھا۔ غالباً اُسے پتہ چل گیا تھا کہ میں سروپ جی کے ساتھ اُن کے ال عمر دادا کو دیکھنے چلا گیا ہوں۔ وہ پوچھنے لگا۔ ''کیوں پربھو...... ! بوڑھے کو دیکھ آئے ہو؟''

''ہاں! بڑی قابل رحم حالت ہے اُس کی۔'' دروازے سے گزر کر میں اپنے کمرۂ نشست میں دری کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''شاید اب وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے۔''

''تیس بتیس سال پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ بوڑھا اگر چند گھڑیوں کا نہیں تو چند دنوں کا ہمان ہے۔ مگر وہ تو مرنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ نہ جانے جیون میں کون سا پاپ کر بیٹھا ہے کہ ں بڑھاپے میں اس کا دُکھ بھوگ رہا ہے۔''

جب تک میں نے بوڑھے کو نہیں دیکھا تھا، شاستر و کی باتیں کچھ اُوپری اُوپری لگتی تھیں لیکن ب تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ ضرور اُس سے کوئی بڑا پاپ سرزد ہوا تھا جس کی سزا گت رہا ہے۔ یہ سوچتے سوچتے اچانک میں نے پوچھا۔

''کیوں شاستر و! سروپ جی کی کوئی بیٹی بھی ہے؟''

''ہاں...... ہے۔''

''مگر کہاں ہے؟ میں نے تو آج تک اُس کی شکل نہیں دیکھی۔''

''جب وہ یہاں رہتی ہی نہیں تو آپ اُسے دیکھتے کہاں؟''

شاستر و کو سیدھا جواب دینے کی بجائے گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت تھی۔ بات چیت کا انچ پیچ خاصا دلچسپ ہوتا تھا۔ میں نے اُس کی طرف دیکھا۔

''یہاں نہیں تو پھر کہاں رہتی ہے؟''

''بائی پارہ میں۔'' اس مرتبہ اُس نے سیدھا جواب دیا۔

''بائی پارہ میں کیوں؟''

''پڑھتی ہے وہاں۔'' پھر وہ مجھے بتانے لگا۔ ''سندر متی نام ہے اور اپنے نام کی طرح سندر بھی ہے۔ بائی پارہ کے مشن سکول میں تعلیم پاتی اور وہیں ہاسٹل میں رہتی ہے۔ دو تین مہینے میں

ایک بار چھٹی لے کر آتی اور دو تین دن رہ کر واپس چلی جاتی ہے۔ البتہ گرمیوں یا کرسمس کی چھٹیوں میں دیر تک ٹھہرتی ہے۔ مالک اُس سے بڑا پیار کرتے ہیں۔ اکلوتی بیٹی ہے نا......''

میں نے بتایا کہ بوڑھے ساگر ساؤ جی نے اپنی پڑپوتی سے ملنے کی خواہش کی ہے۔ جس پر شاسترو کہنے لگا۔ ''پھر تو مالک آج ہی پیکو کو باٹی پارہ بھیج دیں گے یا خود جائیں گے۔''

''مگر سروپ جی کی دھرم پتنی؟''

''گیارہ برس ہوئے سورگباش ہو چکی۔ سندرمتی اُس وقت چھ سات برس کی تھی۔''

اس طرح سندرمتی کی عمر کا معمہ بھی خود بخود حل ہو گیا اور میں اپنے ذہن میں سترہ اٹھارہ سال کی سندرمتی کی خیالی تصویر بنانے لگا۔ سروپ جی کی بیٹی کو یقیناً خوبصورت ہونا چاہئے کیونکہ وہ خود بھی مثالی نقش و نگار کے آدمی ہیں۔ لیکن اچانک شاسترو کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''پربھو! میں جانتا ہوں آپ کیا سوچتے ہو۔ اس وقت آپ کا ذہن باٹی پارہ کے مشن سکول اور اُس کے ہاسٹل کے اِردگرد گھوم رہا ہے تاکہ سندرمتی کی ایک جھلک دیکھ سکو۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے پھر ساؤ گاری میں لوٹ آؤ۔ میں آپ کے لئے ایک سندیس لے کر آیا ہوں۔''

''کس کا سندیس؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''پنا کے سوا آپ کو یہاں اور کون سندیس بھیج سکتا ہے؟''

''اچھا.....تو یہ چکر ہے۔'' خیال آیا شاید یہ بونا میرے ''دل کا چور'' پکڑنے کے لئے سندیس کی چال چل رہا ہے۔ میں نے گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا تو بڑی معصومیت سے بولا۔

''گھورتے کیوں ہو پربھو! کسی کا سندیس پہنچانا کوئی پاپ یا جرم تو نہیں۔''

''مگر مجھے کسی سندیس کی ضرورت نہیں۔''

''ہے پربھو!''

''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے آپ کو نہ سہی آپ کی آتما کو سندیس کی ضرورت ہے۔''

''تجھے میری آتما سے کیا واسطہ؟''

''جس طرح دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اسی طرح آتما کو بھی آتما سے واسطہ پڑتا ہے۔ میں جانتا ہوں آپ کی آتما جو کسی کا دل نہیں دُکھا سکتی، خود بھی پریم کی پیاسی ہے۔''

میں نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور اس بات پر بڑا حیران تھا کہ یہ تین فٹ کا بونا دوسرے کے دل اور رُوح تک کیسے رسائی حاصل کر لیتا ہے؟ حالانکہ نہ تو اس نے کسی سکول کالج میں تعلیم پائی ہے نہ دانشوروں اور حکمت شناس لوگوں کی سوسائٹی میں بیٹھا ہے۔ پھر بھی بات بڑے پتے کی کہہ جاتا ہے۔ میں اپنے قارئین کے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میری

رُوح واقعی پریم کی پیاسی تھی اور شاسترو نے یہ بات کہہ کر گویا میرے ''دل کا چور'' پکڑ ہی لیا تھا۔ مگر میں بھلا اتنی آسانی کے ساتھ بونے کے ہاتھ آنے والا کب تھا؟ ذرا خفگی سے بولا۔

''ارے احمق! تجھے پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے عورت سے پریم نہیں ہو سکتا کیونکہ میرے جیون کی کتاب میں پریم کا کوئی ورق نہیں۔ پھر بھی اگر تو سمجھتا ہے کہ ناچ وِدّیا کے بہانے میں پنا سے پریم کرتا ہوں تو یہ تیری بھول ہے۔ میں کل سے اُسے ناچ وِدّیا سکھانا بند کر دُوں گا۔''

کہنے کو تو میں نے کہہ دیا مگر اندرونی کیفیت کا کیا ذکر کروں؟ اس بات میں میرے کسی ارادے کا دخل نہ تھا۔ دل کے کواڑ تو پنا کو دیکھتے ہی کھل گئے تھے اور میں چاہتا تھا وہ میرے دل کی کوٹھڑی میں گھس کر اس کے کواڑ بند کر لے اور صبح و شام یہیں بیٹھی رہے۔ میری بات سنتے ہی شاسترو تڑپ اُٹھا۔

''پربھو! قول دے کر پھر جانا مردوں کا شیوہ نہیں۔ پنا کو ناچ وِدّیا سکھانے کا قول دے چکے ہو۔ اگر پھر گئے تو وہ کیا سوچے گی آپ کے بارے میں؟''

''پھر تو میرے ساتھ اُلٹی سیدھی باتیں کیوں کرتا ہے؟''

''میں تو ہمیشہ سیدھی سیدھی بات کرتا ہوں۔''

''بے شک تیری ہر بات جلیبی کی طرح سیدھی ہوتی ہے۔''

شاسترو مسکرا کر بولا۔ ''اب پنا جی کا سندیس بھی سن لو۔ اُس نے کہا ہے وہ آج تیسرے پہر اترکے پربت کی طرف مہاگنی کے جنگل میں آپ کا انتظار کرے گی۔ بڑا ہی خوبصورت اور سندر جنگل ہے پربھو! اس کا نام ''سندر بن'' ہونا چاہئے تھا مگر ساؤ گاری کے باسی اُسے اناتھ بن کہتے ہیں۔ کیونکہ تین صدیوں پہلے تبت کے لاما اناتھ بنڈو نے اُسی جنگل میں چند روز سمادھی لگائی تھی۔

''مگر مجھے کیا پڑی ہے کہ ''اناتھ بن'' میں جاؤں؟''

''اُس نے تاکید کی تھی کہ کیشپ جی سے کہنا ''ضرور آئیں...... ضرور آئیں...... ضرور آئیں۔'' تین بار کہا تھا اُس نے۔ آپ کو ایک بار تو جانا چاہئے۔''

''میں نہیں جاؤں گا......بس کہہ دیا۔''

''آپ جاؤ گے پربھو!''

''وہ کیوں؟''

''اس لئے کہ پنا آپ سے کوئی بہت ضروری بات کہنا چاہتی ہے۔ کیا خبر آپ ہی کے بھلے کی ہو۔''

''اگر ایسی بات ہے تو مجھے یہاں بھی بتا سکتی ہے۔ آخر ''اناتھ بن'' میں ملاقات کرنے کی

کیا تک ہے؟"

"کوئی نہ کوئی تک تو ضرور ہوگی۔"

"خیر...... مجھے نہیں جانا وہاں۔"

"انکار میں کیا رکھا ہے...... جانا چاہئے۔ جنگل کی تنہائی میں کھل کر بات ہو سکتی ہے۔ ہر پریمی بات چیت کے لئے تنہائی چاہتا ہے۔"

"تو کسی دن پٹ جائے گا میرے ہاتھوں۔"

"شما کر دو پربھو! میں زبان روکنے کی بڑی کوشش کرتا ہوں مگر جب پنا اور آپ کا ذکر ہوتا ہے تو پریم کی بات خواہ مخواہ بیچ میں آ جاتی ہے۔"

میں چپ چاپ اُس کی بات سنتا رہا۔ جب وہ کہہ چکا تو میں نے گفتگو کا رُخ ہی بدل دیا۔

"اچھا شاسترو......! جا کے یہ تو معلوم کر سروپ جی خود باٹی پارہ جا رہے ہیں یا پیکو کو بھیج رہے ہیں؟"

شاسترو تو فوراً میرے حکم کی تعمیل کے لئے کمرے سے نکل گیا اور میں وہیں بیٹھا سوچنے لگا آخر ایسی کون سی بات ہو سکتی ہے جس کی خاطر جل پنا نے مجھے شمالی پہاڑ کے جنگل میں بلانا ضروری سمجھا ہے؟ اگر کوئی اہم بات ہے تو کیا مجھے کمرے میں نہیں بتا سکتی؟ ابھی میں اسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ شاسترو لوٹ آیا اور خبر لایا۔

"مالک سندر متی کو لینے خود باٹی پارہ جا رہے ہیں۔ پیکو بھی اُن کے ساتھ جائے گا۔ اور پربھو! آپ یہاں بیٹھے ہو مگر پیکو آپ کا ناشتہ کبھی کا اُوپر کے کمرے میں چھوڑ گیا ہے۔ اب تو ٹھنڈا ہو چکا ہوگا۔ اگر کہو تو گرم کر لاؤں؟"

"نہیں...... آج ٹھنڈا ناشتہ چلے گا۔"

"تو پھر دیر کس بات کی۔ پیکو نے بتایا ہے کہ مالک دس بجے روانہ ہوں گے۔ اور جانے سے پہلے کیشپ بابو سے بھی ملیں گے۔ میرا خیال ہے آپ نے ابھی ہاتھ منہ بھی نہیں دھویا۔"

اُوپر کے کمرے میں جا کر میں نے ہاتھ منہ دھو کر جلدی جلدی ناشتہ کیا اور فوراً اپنی چاچی کے نام ایک چٹھی لکھ دی تا کہ سروپ جی باٹی پارہ پہنچ کر وہ چٹھی اپنے ہاتھ سے مشرقی بنگال کے شہر رنگامتی کے لئے پوسٹ کر دیں۔ میں اس دوران چاچی کے نام ایک خط پہلے بھی بھجوا چکا تھا، مگر ابھی تک جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ نئی چٹھی میں تاکید کی تھی کہ وہ ہر ہفتے مجھے ایک خط ضرور بھیجتی رہے۔ اگر ہو سکے تو شہر کی دلچسپ خبریں بھی لکھا کرے تا کہ اس پہاڑی ویرانے میں ان خبروں سے لطف اُٹھا سکوں۔ چٹھی لے کر آرام گاہ کا زینہ اُتر رہا تھا کہ سروپ جی کو دیکھ کر حیران رہ گیا جو شاسترو کے ہمراہ کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ اُن کے ہاتھ میں ایک

پرانی کتاب تھی۔ نشست گاہ میں کھڑے کھڑے اُنہوں نے وہ کتاب میرے حوالے کر دی اور کہا۔ "میں سندر متی کو لینے باٹی پارہ جا رہا ہوں۔ واپسی میں تین چار دن لگ جائیں گے۔ اس عرصے میں یہ کتاب بھی دیکھو۔ اور ہاں، تمہیں شہر سے کوئی چیز منگوانی ہو تو بتا دو! لیتا آؤں گا۔"

"مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ بس یہ چٹھی باٹی پارہ سے چاچی کے نام پوسٹ کر دیں۔"

اُنہوں نے چٹھی لے کر جیب میں رکھ لی اور وہیں سے پلٹے۔ میں اور شاسترو عمارت کے بیرونی پھاٹک تک اُن کے ساتھ آئے۔ باہر پیکو اور سائیس خچر لئے کھڑے تھے۔ ٹھیک دس بجے دونوں باٹی پارہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ میرا خیال تھا پروہت گنجال بھی اُنہیں رخصت کرنے آئے گا مگر یہ خیال غلط نکلا۔ سروپ جی اپنی بیٹی کے علاوہ باٹی پارہ سے بوڑھے دادا ساگر ساؤ جی کے لئے کچھ دوائیں بھی لینے گئے تھے۔ ایک ایسے مریض کا علاج میری سمجھ سے بالاتر تھا جس کی زندگی کا ہر نفس تارِ عنکبوت کی طرح کمزور ہو چکا اور ہر آن لرزتا، کانپتا رہتا تھا۔ لیکن وہی کمزور سا تارِ نفس ٹوٹنے کا نام نہ لیتا تھا۔ ساؤ گاری میں وہ دن یقیناً بڑی خوشیوں بلکہ جشن کا دن ہوگا جب ساگر ساؤ جی کی ارتھی اُٹھے گی اور اس کے فرسودہ و ناکارہ بوڑھے جسم کو ساؤ خاندان کے آبائی مرگھٹ میں چتا پر رکھ کر جلا دیا جائے گا۔ مگر موت ہمیشہ کنی کترا کر نکل جاتی تھی اور اُس کا بڑھاپا زمانے کے کچھ نئے زخم کھانے اور زندگی کا نیا عذاب بھگتنے کے لئے باقی رہ جاتا تھا۔

زندگی کا یہ تصور کتنا بھیانک اور عبرتناک تھا۔ میں اپنے کمرے کی طرف چلتے ہوئے یہی سوچتا رہا۔ جب آدمی موت و حیات کے ان عقدوں کے بارے میں غور کرتا ہے تو زندگی کی ہر دلکشی اُس سے دور بھاگ جاتی ہے۔ رتناگری کی سندر وادی میں طلوع ہونے والا وہ دن بڑا دلکش اور پُر بہار تھا مگر رات بھگوان کی مورتی کو چلتے پھرتے دیکھ کر اور آج صبح ہی صبح ساگر ساؤ جی کے درشن کر لینے کے بعد میری نظروں میں زندگی کا مفہوم ہی بدل گیا تھا اور رتناگری تو کیا مجھے اپنے جیون کی وادی میں بھی کوئی دلچسپی نظر نہ آتی تھی۔ جب شاسترو کے ساتھ اپنے کمرے میں لوٹ آیا تو نشست گاہ میں میز پر کاغذ کا ایک ٹکڑا رکھا تھا جس پر چند سطریں تحریر تھیں اور نیچے جل پنا کے دستخط تھے۔ میرے قاری ساؤ گاری کی سندر زنکی کا وہ پیغام جاننے کے لئے بڑے بے چین ہوں گے جو اُس نے میرے نام لکھا تھا اس لئے وہ مختصر سی تحریر یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔ اُس نے لکھا تھا......

"کیشپ جی!

نمستے۔ تھوڑی دیر پہلے شاسترو کو ایک سندیس دیا تھا وہ آپ کو مل گیا ہوگا۔ آپ سے ملنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے آج تیسرے پہر "اناتھ بن" میں ضرور آئیں...... ضرور آئیں...... ضرور آئیں۔ اور مجھے آشا ہے آپ ضرور آئیں گے۔ بس یہی کہنے آئی تھی۔" (جل پنا)

میں نے رقعہ پڑھ کر میز پر رکھ دیا مگر جل پنا کی اس تحریر نے میرے من میں ایک عجیب سی ہلچل مچا دی۔ میں اُس کا خط پہچاننا چاہتا تھا۔ یہ اُسی کی تحریر تھی اور شاسترو کا یہ بیان غلط نہ تھا کہ اُس نے تین بار آنے کی تاکید کی تھی۔ مگر میں اس بونے کے سامنے ''اناتھ بن'' جانے سے انکار کر چکا تھا اس لئے مناسب یہی تھا کہ اب انکار ہی پر قائم رہوں۔ چنانچہ بڑی بے پروائی سے دری کی آرام کرسی پر جھول گیا۔

شاسترو نے پہلے مجھے دیکھا، پھر میز سے رقعہ اُٹھا کر پڑھنے لگا۔ وہ معمولی سا پڑھا لکھا تھا اور پڑھنا لکھنا بھی یہیں سیکھا تھا۔ میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''پربھو! پنا نے اپنے رقعے میں بھی تین بار آنے کی تاکید کی ہے۔ اب آپ کا ایک بار جانا تو ضروری ہو گیا ہے۔''

''میں بھی تین بار انکار کرتا ہوں۔ نہیں جاؤں گا...... نہیں جاؤں گا...... نہیں جاؤں گا۔''

وہ حیران سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ ''کیوں نہیں جاؤ گے پربھو؟''

''تو یہاں سے نکل اور جا کر پنا کو میرا سندیس دے کہ اگر کوئی ضروری بات ہے تو آج سہ پہر کو کمرے ہی میں اُس کا انتظار کروں گا۔''

''اگر کہتے ہو تو چلا جاتا ہوں۔ مگر میرے خیال میں اُسے سندیس دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''فائدہ کیوں نہیں؟ بیچاری اتنی دُور جانے اور میرا انتظار کرنے کی زحمت سے بچ جائے گی۔''

''اور میرے نزدیک اس کا کوئی فائدہ اس لئے نہیں کہ آج تیسرے پہر آپ اناتھ بن جاؤ گے اور پنا سے ملاقات کرو گے۔''

''تیرا یہ خیال کبھی پورا نہیں ہو گا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آج روزمرہ کی سیر کے لئے بھی نہیں جاؤں گا۔ سمجھا؟''

''میں تو سمجھتا ہوں مگر آپ کو سمجھانا ذرا مشکل ہے پربھو! کیونکہ آپ بہت بڑے گیانی ہو۔ بڑے ودھوان ہو۔'' پھر وہ پلٹتا ہوا بولا۔ ''میں مندر کا ایک چکر لگا لیتا ہوں۔ اگر پنا مل گئی تو سندیس پہنچا دُوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا اور میں وہیں آرام کرسی پر لیٹا لیٹا دوسری کتاب دیکھنے لگا جو سروپ جی جاتے ہوئے دے گئے تھے۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ اُن کی واپسی تک اسے بھی پڑھ ڈالوں۔ مگر میں کوشش کے باوجود کتاب کی طرف توجہ نہ دے سکا کیونکہ آنکھوں کے سامنے بار بار رات کا واقعہ گھومنے لگ جاتا یا بوڑھے ساگر ساؤ جی کے اجل بدوش بڑھاپے کا خیال آ جاتا اور اس کے ساتھ ہی بوڑھے کے تابوت نما کمرے کے ایک گوشے میں کھڑی بھگوان کی مورتی میرے تصور میں چلنے پھرنے لگ جاتی تھی۔

ساؤ گاری میں ابھی تک مجھے ملازمت کے فرائض سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ سروپ جی

نے اُلٹا آرام اور سیر کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ مگر اب محسوس ہو رہا تھا کہ میری خدمات صرف پیتل کی ایک خاص مورتی کا کھوج لگانے کے لئے حاصل کی گئی ہیں۔ اس احساس کے ساتھ ہی میں نے سر کو جھٹک کر بھگوان کی اُس مورتی کو باہر نکال دیا جو اب میرے ذہن میں بھٹکتی پھر رہی تھی اور غور کرنے لگا اگر واقعی میری ملازمت کا مقصد کسی مورتی کی تلاش ہے تو مجھے اس پر کیا اعتراض ہے؟ لیکن اعتراض کا کوئی پہلو نظر نہ آیا۔ تحقیق و جستجو کا کام تو میرے مزاج کے عین مطابق تھا البتہ یہ بات ضرور غور طلب تھی کہ کیا میرے فرائض صرف مورتیوں کی تحقیق تک محدود رہیں گے یا ان کی کوئی دوسری شکل بھی ہو گی؟

ابھی تک یہی بات پردۂ راز میں تھی کہ سروپ جی بھگوان کی کسی مورتی کی تلاش میں ہیں اور اس کی تلاش کا مقصد کیا ہے؟ ادھر عجیب و غریب حالات کا جو سلسلہ شروع ہوا، اُس نے مجھے بہت پریشان کر دیا تھا۔ جل پنا ایسی سندر اور کنواری لڑکی کا اس ویرانے میں ناچ بھگتی کی زندگی گزارنا تو حیرت انگیز تھا ہی مگر ساؤ گاری کی قدیم الایام عمارت میں بھگوان کی مورتی کا بھٹکتے پھرنا ایک طرفہ تماشہ تھا جس کے متعلق ابھی تک میں اپنے آپ کو مطمئن نہیں کر سکا تھا۔ حالانکہ یہ شعبدہ میری آنکھوں کے سامنے پیش آیا تھا۔ پھر اُس بوڑھی اور سال خوردہ عمارت میں ایک سو چالیس برس کے پیر فرتوت کی موجودگی بھی بڑی حیرت انگیز تھی جس کا شمار مُردوں میں تھا نہ زندوں میں۔ مگر سب سے حیران کن اور سنسنی خیز بات تو یہ تھی کہ بھگوان کی جو مورتی رات مجھے چلتی پھرتی ملی، اُسے میں نے دن کے اُجالے میں بوڑھے ساگر ساؤ جی کے تابوت نما کمرے کے ایک گوشے میں ایستادہ دیکھا تھا۔ حالانکہ اگر پہلے مورتی دیکھ چکا ہوتا اور بعد میں وہ مجھے چلتی پھرتی نظر آتی تو ضرور میں اسے اپنے ذہن کا کوئی کرشمہ قرار دیتا۔ لیکن معاملہ بالکل اُلٹ پیش آیا تھا۔ جب آدمی اس قسم کے کسی محیر العقول واقعے کی اصلیت کو سمجھ نہیں پاتا تو اُس کے اعصاب پر انجانا خوف طاری ہو جاتا ہے۔ یہی خوف میرے دل میں سینده لگا رہا تھا جس پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا لیکن ابھی تک ناکام رہا تھا اور حقیقت ہے اب مجھے ساؤ گاری کی پوری عمارت سے خوف آنے لگا تھا۔

جب میں نے ان واقعات پر غور کیا جو غیر معمولی رفتار کے ساتھ پیش آئے تھے تو اس نتیجے پر پہنچا کہ ساؤ گاری پر اسرار کا گہرا پردہ پڑا ہے اور حالات کی تہہ میں کوئی رازِ سربستہ پنہاں ہے یا کوئی انتہائی لرزہ خیز واقعہ ہو گزرا ہے جس سے یہاں کے باسی بھی بے خبر ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے نروان اور گیان کی طویل تپسیا نے جو مسلسل تین صدیوں سے جاری تھی، ساؤ گاری کو ایک ایسی ''روحانی اور کراماتی عمارت'' میں تبدیل کر دیا ہو جہاں قدیم روحوں کی آمد و رفت رہتی ہو۔ اس خیال کے ساتھ ہی وہ سات گونگے بھکشو بھی جن کے درشن پچھلی ہی رات ہوئے تھے، ہندو

شاستروں کے سات خبیث دیوتا معلوم ہونے لگے جو راتوں کو مختلف شکلیں اختیار کر لیتے یا چمگادڑ بن کر سنسان فضا میں پرواز کرنے لگتے ہیں۔ اچانک خیال آیا کہیں بھگوان کی مورتی میں کسی خبیث دیوتا کی رُوح تو نہیں گھس گئی تھی جو مجھے دہشت زدہ کرنے کے لئے اُسے بوڑھے کی ''کیتا کومبز'' سے باہر نکال لائی لیکن میں نے فوراً ہی اس خیال کو مسترد کر دیا۔ میرے نزدیک کسی خبیث دیوتا کی رُوح بھگوان بدھ کی مورتی میں داخل نہیں ہو سکتی پھر میں اس قسم کے روحانی ''تصرفات'' کو مانتا ہوں نہ ہندوؤں کی طرح آواگون کا قائل ہوں کہ ایک رُوح بار بار جسم تبدیل کرتی رہتی ہے۔

میرا ذہن بھول بھلیوں میں اُلجھتا جا رہا تھا۔ ان پریشان خیالات سے چھٹکارا پانے کی خاطر میں روحوں کے چکر سے نکل کر زندہ انسانوں کے بارے میں سوچنے لگا تو ذہن میں ''سندرمتی'' کا نام کسی مدھر سنگیت کی طرح گونجنے لگا۔ یہ انکشاف بھی بڑا دلچسپ تھا کہ سروپ جی کی ایک سندر بیٹی ہے جو باٹی پارہ کے مشن سکول میں پڑھتی اور کبھی کبھار یہاں آتی ہے۔ ''مگر تھارو کیشپ! تم سندرمتی کے بارے میں کیوں سوچنے لگے...... کیا واسطہ، کیا تعلق ہے تمہارا اس سے؟ اگر وہ سندر ہے تو کیا ہوا؟ ارے تمہیں تو جل پنا کی ملاقات منظور نہیں جو اناتھ بن میں بلا رہی ہے اور تم تین بار انکار کر چکے ہو کہ نہیں جاؤ گے...... نہیں جاؤ گے...... نہیں جاؤ گے۔ بھلے آدمی! جاؤ یا نہ جاؤ مگر پنا کو چھوڑ کر سندرمتی کے پیچھے کیوں بھاگنے لگے؟'' کسی نے مجھے جھنجھوڑ دیا اور میں نے جیسے اپنے آپ سے سوال کیا۔ ''مگر یہ پنا مجھے کیوں بلا رہی ہے؟ کہیں پریم کا اظہار تو نہیں کرنا چاہتی؟''

ایک سندر کنواری نرتکی، سنسان جنگل کی تنہائی اور پریم کا اظہار...... یہ تصور ہی کتنا رومان آفرین تھا۔ شاید میں نے ملاقات سے انکار کر کے اچھا نہیں کیا۔ ابھی اسی سوچ میں تھا کہ شاسترو دوپہر کا کھانا لے کر آ گیا۔ کھانے کے دوران ہم دونوں خلافِ معمول خاموش رہے۔ نہ میں نے پوچھا کہ اُس نے میرا سندیس پنا کو پہنچا دیا ہے یا نہیں اور نہ اُس نے کوئی بات کی۔ جب وہ خالی برتن سمیٹ کر واپس جا رہا تھا تو ایک پل کے لئے دروازے پر رُک گیا اور سرد لہجے میں بولا۔ ''پربھو! آج سیر کرنے تو جاؤ گے نہیں اس لئے تین بجے میرا آنا بیکار ہے۔ میں نے سوچا ہے کیوں نہ آج سومی کے بچوں کے لئے نیا گھر بنا ڈالوں۔''

''یہ تو اچھی بات ہے شاسترو! آدمی کو کچھ نہ کچھ بناتے ہی رہنا چاہئے۔''

''سوائے ہوائی قلعوں کے پربھو!''

میں اُس کی بات سن کر چونکا مگر وہ میرے کمرے سے نکل گیا تھا اور اُس نے یہ چبھتا ہوا فقرہ شاید میرے...... لئے استعمال کیا تھا۔ سوچتا رہا اس سے شاسترو کا مطلب کیا تھا؟ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آ سکا۔

رنتا گری کی وادی میں سیر کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ بس حالات کے مطابق پروگرام بنتا تھا۔ پھر بھی تین چار دن سے معمول بن گیا تھا کہ شاسترو تین بجے تک میرے پاس پہنچ جاتا اور ہم دونوں سیر کو نکلتے تھے۔ مگر آج میں نے جل پنا کی ملاقات سے انکار کیا تو ساتھ معمول کی سیر بھی ملتوی کر دی صرف شاسترو کو یہ بتانے کے لئے نہ تو میں جل پنا سے پیار کرتا ہوں نہ اُس کی ملاقات میرے لئے کوئی اہمیت رکھتی ہے۔ حالانکہ من اُس سے ملنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ آج تو میں نے اُسے ناچ ودیا بھی نہیں پڑھائی تھی کیونکہ اس سمے سروپ جی کے بوڑھے دادا کے تابوت نما کمرے میں تھا۔ اگر شاسترو نے میرا سندیس پنا کو پہنچا دیا ہوتا تو وہ ضرور مجھ سے ملنے کے لئے آ جاتی۔ پنا کا نہ آنا ثابت کر رہا تھا کہ شاسترو نے اُسے میرا سندیس نہیں پہنچایا۔

میں نے پنا کے زبانی اور تحریری پیغام کے جواب میں صاف کہہ دیا تھا کہ اس سے ملنے اناتھ بن نہیں جاؤں گا مگر تین فٹ کا وہ بونا کہہ رہا تھا۔ ''نہیں پربھو! آپ جاؤ گے۔'' یعنی شاسترو سمجھتا تھا میں جل پنا سے پیار کرتا ہوں اور اُس کے پیغامِ ملاقات کو مسترد نہیں کر سکتا۔ اس کے خیال اور قیافے کو غلط ثابت کرنے اور اس کا منہ بند کر دینے کا یہی موقع تھا اس لئے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ آج ساؤ گاری سے نکلوں گا ہی نہیں۔ مگر جوں جوں وقت گزر رہا تھا، لمحے بیت رہے تھے دل کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ جب میری ویسٹرن کی گھڑی نے پونے تین بجائے تو ساتھ ہی دل کا الارم بجنے لگا اور ذہن کے پردوں میں چھپ کر بیٹھی ہوئی کسی پُراسرار، انجانی ہستی نے مجھے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کا مشورہ دیا۔

''ارے تھارو کیشپ! تم اس بونے شاسترو کی منطق سے ڈر گئے جو پریم کی اُلٹی سیدھی باتیں کرتا رہتا ہے مگر جل پنا کو کس بات کی سزا دے رہے ہو؟ وہ آج اناتھ بن جائے گی اور جب تم نہیں ملو گے تو کیا اُس کا نازک سا دل نہیں ٹوٹ جائے گا؟ پگلے! پریمی تو پیار کی پہلی ملاقات کے لئے جان کی بازی لگا دیتے ہیں اور تم دریا کے اُلٹے رُخ بہہ رہے ہو صرف اس لئے کہ شاسترو کی غلط فہمی دُور کر سکو یا اُسے غلط فہمی میں مبتلا کر دو۔ پھر تین فٹ کے اس بونے کا کیا قصور؟ تمہارے اور جل پنا کے پریم ہی کی بات تو کرتا ہے جو غلط بھی نہیں۔ کتنے مورکھ ہو جس نے تمہیں سندر نرتکی سے ملایا اور میل جول کا رستہ نکالا، اُسی سے دل کی بات چھپاتے ہو؟''

میرے پُراسرار ناصح نے مجھے ''مورکھ'' کہا تو دل پر ایک چوٹ سی پڑی۔ واقعی چاہئے تو یہی تھا میں شاسترو سے دل کی بات چھپانے کی بجائے اُسے اپنا رازدار بنا لیتا لیکن جب آدمی ایک بار کسی حقیقت سے انکار کرتا ہے تو اُسے چھپانے کے نت نئے بہانے ڈھونڈتا اور ایک جھوٹ کی خاطر سو جھوٹ بولتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت میری تھی۔ میں شاسترو سے کہہ چکا تھا کہ

جل پنا سے پریم نہیں کرتا بلکہ میرے جیون کی کتاب میں کسی بھی عورت کے پریم کا ورق نہیں۔ اب اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے اڑیل ٹٹو کی طرح اپنے کمرے میں جم کر بیٹھ گیا اور انکار میرے وقار اور میری انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ میرے ناصح مشفق نے پھر سمجھایا۔ ''کیوں ضد کرتے ہو تھارو کیشپ! ابھی ملاقات کا وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ جا کر پنا سے ملو۔ یہ وقت نکل گیا تو شاید زندگی بھر پچھتاتے پھرو۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔''

اور میں نے جواب دیا۔ ''بس ایک بار کہہ دیا نہیں جاؤں گا تو نہیں جاؤں گا۔ آخر مرد کی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ پھر میں ایک بدھ گیانی ہوں۔ میرے بھی کچھ اصول ہیں۔ کیا میں تین فٹ کے بونے سے مات کھا جاؤں گا؟''

اپنے ناصح کو کورا جواب دے کر میں کتاب پڑھنے لگا۔ یہ نئی کتاب جو سروپ جی دے گئے تھے، ہندی زبان میں بھگوان بدھ کی مورتیوں کی تاریخ تھی۔ میں آسامی، بنگلہ اور انگریزی کے علاوہ ہندی بھی جانتا تھا مگر جب کتاب کھولی تو ایک ایک لفظ کی جگہ دو دو بلکہ کئی کئی الفاظ نظر آنے لگے۔ میں نے سر جھٹکا تو الفاظ کچھ ٹھیک سے دکھائی دیئے مگر پھر ایک ایک لفظ کے کئی کئی ہمزاد کتاب کے صفحے پر آ کھڑے ہوئے اور لفظوں کے لاتعداد ہمزاد میری نظروں میں گھومنے اور ناچنے لگے۔ جب الفاظ ناچ رہے ہوں تو ان کا مطلب کس طرح سمجھ میں آ سکتا ہے؟ میں نے دوبارہ اپنا سر جھٹکا اور لفظوں کے ہمزادوں سے پیچھا چھڑانے کی کوششیں کیں۔ لیکن اب ناچتے، گھومتے ہوئے الفاظ نے کتاب کے صفحے پر جل پنا کی تصویر اختیار کر لی۔ یہ تصویر بار بار بگڑتی اور بار بار بنتی تھی۔ ایک بار تو پنا کے ساتھ وہ تین فٹ کا بونا شاسترو بھی رائفل کے دھماکے کی طرح ''ٹھاہ'' کر کے کتاب کے صفحے پر آ دھمکا اور میری طرف مسکرا کر دیکھتا ہوا بولا...... ''پربھو! کیا ڈر گئے؟''

میں نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔ کیونکہ ذہن میں جو ہلچل مچی تھی اس کی وجہ سے مطالعہ بیکار تھا۔ پہلے مجھے اس شاسترو کے بچے سے نمٹ لینا چاہئے جس نے خواہ مخواہ پریشان کر دیا ہے۔ لیکن ادھر کتاب رکھی، اُدھر میرے پراسرار ناصح مشفق نے پھر سرگوشی کی......

''معلوم ہوتا ہے واقعی شاسترو سے ڈرتے ہو۔''

''میں ڈرتا ورتا کسی سے نہیں۔''

''پھر کمرے میں بند ہو کر کیوں بیٹھ گئے ہو...... باہر کیوں نہیں نکلتے؟''

''صرف اس بونے کو تھوڑی سی منطق پڑھانا چاہتا ہوں۔''

''مگر اس نے تو تمہارا پڑھنا حرام کر دیا۔ تم نے کتاب کے ایک دو ورق پڑھے ہوں گے۔ سچ سچ بتاؤ کچھ پلے بھی پڑا؟''

''الفاظ ہی ناچ رہے تھے۔ پلے کیا خاک پڑتا......؟''

''تھارو کیشپ! اپنے دماغ کو پریشان نہ کرو۔ اگر پنا سے نہیں ملنا چاہتے تو نہ سہی۔ مگر اس کمرے سے تو نکلو اور معمول کی سیر کرنے جاؤ۔ سیر سے دل و دماغ کو سکون ملتا ہے۔''

میں نے سوچا بات تو ٹھیک ہے۔ سیر سے طبیعت بہل جائے گی۔ باہر دن بڑا خوبصورت اور موسم خوشگوار ہے اس موسم میں یہاں دبکے رہنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ جب سیر کے لئے ساؤ گاری سے نکلوں گا شاسترو سمجھے گا میں جل پنا سے ملنے جا رہا ہوں۔ لیکن صرف سیر کر کے لوٹ آؤں گا اور یہ اس بونے پر ایک اور چوٹ ہو گی۔ اچانک سرگوشی پھر سنائی دی۔

''بے شک سیر کر کے لوٹ آنا مگر باہر تو نکلو اور سیر کرتے کرتے اناتھ بن کی طرف ہی نکل جاؤ تو کیا حرج ہے؟ جل پنا کو چاہتے ہو تو اس سے ملتے کیوں نہیں......؟ تھارو کیشپ! یہ انا اور وقار کی باتیں سب ڈھکوسلے ہیں۔ پیار کیا ہے تو جرأت بھی دکھاؤ۔''

ٹھیک اس وقت مجھ پر انکشاف ہوا کہ وہ پراسرار، انجانی ہستی جو میرے ذہن کے پردوں میں چھپ کر بیٹھی مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نواز رہی ہے کوئی اور نہیں بلکہ خود میرے اندر کا تھارو کیشپ ہے۔ اس انکشاف سے مجھے ایک نیا حوصلہ ملا کہ میرا ''اندرونی آدمی'' میرے ساتھ ہے۔ میں نے سیر کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور یہ فیصلہ بھی کیا کہ آج شاسترو کے بغیر تنہا سیر کرنے جاؤں گا۔ لیکن مصلحت اندیش عقل کہہ رہی تھی کہ اناتھ بن کی طرف ہرگز نہیں جانا چاہئے۔ رنگا رنگی کی وادی میں پریم کا کھیل خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ خیر، میں نے کتاب الماری میں رکھی اور کمرے سے نکل کر ساؤ گاری کے وسیع و عریض صحن میں آ گیا، پھر اس عمارت کے واحد بیرونی پھاٹک کی طرف ہو لیا۔ روش پر چلتے چلتے جب میں نے پچھمی فصیل کی برجی پر نظر دوڑائی تو شاسترو کو سوئی کے بلونگڑوں کے لئے نیا ڈربہ بناتے ہوئے دیکھا۔ ناگہاں اس نے بھی مجھے بیرونی پھاٹک کی طرف جاتے دیکھ لیا اور حیران سا کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا۔ لیکن میں نے جان بوجھ کر نظر چرائی جیسے اُسے دیکھا ہی نہیں اور عام رفتار سے چلتا پھاٹک پر پہنچ گیا۔ یقیناً شاسترو اپنے من میں پیچ و تاب کھا رہا ہو گا کہ آج میں نے اُسے اپنے ہمراہ کیوں نہیں لیا؟ لیکن اس کی بے چینی تو اس وقت دیکھنے والی ہو گی جب میں پنا سے ملے بغیر سیر سے لوٹ آؤں گا۔ یہی سوچتا ہوا ساؤ گاری سے باہر آ گیا اور جب اپنی گھڑی پر نظر ڈالی، ٹھیک تین بجے تھے۔ گویا میں معمول کی سیر سے ایک منٹ بھی لیٹ نہیں ہوا تھا۔

باہر دن واقعی بڑا سنہرا، خوبصورت اور شاعروں کی زبان میں ''رومانٹک'' تھا۔ پہاڑوں کی دنیا میں ایسا خوبصورت سنہرا دن اور اس قسم کا خوشگوار موسم خوش نصیبی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ سوچا تو یہی تھا مشرقی پربت کے گھنے جنگل کا رُخ کروں گا جہاں شاسترو کے ہمراہ پہلے بھی

گھومتا رہا تھا۔ لیکن پھاٹک سے نکل کر غیر شعوری طور پر شمالی پربت کی طرف ہولیا اور میرے قدم خود بخود اناتھ بن کی جانب اُٹھنے لگے جو شمالی پربت کی ترائی میں پھیلا دُور ہی سے دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔ میں ابھی تک اُس جنگل کی طرف نہیں گیا تھا نہ اُدھر کا راستہ دیکھا تھا۔ تھوڑی ہی دُور جا کر احساس ہوا کہ ارے میں تو بے دھیانی میں اناتھ بن کو جا رہا ہوں۔ مگر اس بے دھیانی میں اگر میرا نہیں تو شاید قدرت کے ارادے کا دخل تھا اور میں نے سوچا جب قدرت خود مجھے اس راستے پر لے آئی ہے تو راستہ بدلنا درست نہ ہوگا۔ آج شمالی پربت کی سیر سہی۔

درختوں کے سائے لمبے ہونا شروع ہو گئے تھے اور رتنا گری کی وادی میں پھیلی جھاڑیوں سے یہاں کی مخصوص مہک اُڑ رہی تھی۔ میں اُن جھاڑیوں کے درمیان ایک پتلی سی پگڈنڈی پر چلتا رہا لیکن ابھی ڈیڑھ دو فرلانگ چلا تھا کہ اچانک محسوس ہوا کوئی میرے پیچھے پیچھے چلا آتا ہے اور چھپ چھپ کر تعاقب کر رہا ہے اور اُس کے تعاقب کا انداز کچھ ایسا ہے کہ اگر میں پلٹ کر دیکھنا بھی چاہوں تو اُسے دیکھ نہ سکوں۔ بھلا شاسترو کے علاوہ یہاں اور کون میرا تعاقب کر سکتا تھا؟ اُس نے مجھے پچھمی برجی سے دیکھ لیا تھا کہ آج اکیلا ہی ساؤ گاری سے باہر جا رہا ہوں۔ اُسے تجسس ہوگا کہ میں کدھر جاتا ہوں لہٰذا چھپ چھپ کر میرا پیچھا کر رہا ہوگا۔ مگر میں اُسے چھپنے نہ دُوں گا۔ چلتے چلتے اچانک پلٹ کر دیکھا تو عقب میں سرسراتی جھاڑیوں کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ اپنے پیچھے بہت دُور کہیں جھاڑیوں کے درمیان ایک موج ہوا سی گزرتی دیکھی۔ لمبی لمبی جنگلی گھاس، کائی اور جھاڑیوں کی شاخوں کے درمیان اس قسم کی لہریں تو جگہ جگہ پیدا ہو رہی تھیں۔ یہ لہریں تین فٹ کے بونے کے تعاقب سے پیدا نہ ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود چھٹی حس خبردار کر رہی تھی کہ کوئی پراسرار وجود میرا پیچھا کر رہا ہے اور میں اناتھ بن کی طرف جاتا ہوا دیکھا جا رہا ہوں۔

ایک لمحہ رُک کر عقب کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد دوبارہ اُسی راستے پر ہولیا جو اب چھوٹے چھوٹے اور کبڑے درختوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔ ابھی زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ میرے پیچھے ایک عجیب سی آواز بلند ہوئی۔ میں نے بجلی ایسی سرعت کے ساتھ مڑ کر دیکھا لیکن اس بار بھی کوئی وجود، کوئی سایہ نظر نہ آسکا البتہ ایک عجیب و غریب آواز کی گونج ضرور سنائی دے رہی تھی۔ میں کھڑا ہو کر اُس آواز کو سننے لگا جو کسی طوفانی ہوا کی طرح رتنا گری کے طول و عرض میں گھومتی اور پہاڑوں سے ٹکراتی پھر رہی تھی۔ اس آواز میں کبھی اُونچے اُونچے پربتوں کی شور انگیز ہواؤں کے قہقہے سے تڑپتے تھے، کبھی ویرانوں کے پُرہول سناٹوں کی سرگوشیاں سنائی دیتی تھیں۔ وہ آواز کبھی اس قدر قریب آجاتی جیسے میرے سر پر گونج رہی ہو اور کبھی اتنی دُور بھاگ جاتی کہ اس پر محض سانس کی آمد و رفت کا شبہ ہونے لگتا۔ میں اُسے سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنے

لگا۔ آخر اُسے پہچان لیا...... کیونکہ اب وہ آواز بڑے شوخ مگر پراسرار سے لہجے میں ڈھل کر میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی اور یہ تھے اُس کے الفاظ......

"کیوں پربھو! میں نے نہیں کہا تھا کہ آج پنا سے ملنے جاؤ گے...... ضرور جاؤ گے...... اور جا رہے ہو...... ہو ہو ہو۔"

"تو یہ آواز اُسی بونے شاسترو کی تھی جس کی منطق نے مجھے پریشان کر دیا تھا اور وہی ہوا کے بگولے کی طرح جھاڑیوں اور لمبی لمبی گھاس میں لہریں لیتا ہوا میرا تعاقب کر رہا تھا۔ مگر نہیں...... شاسترو کو تو میں ساؤ گاری کی مغربی فصیل کی برجی پر بلونگڑوں کا نیا گھر تعمیر کرتے ہوئے چھوڑ آیا تھا اور وہ اس وقت فصیل کی برجی پر آنجہانی راما کی آل اولاد کے درمیان بیٹھا ہو گا۔ مگر اُس کا بھوت ضرور چپکے چپکے دبے پاؤں چلتا میرے پیچھے نکل آیا ہوگا۔ وہی آواز کی گونج بن کر رتنا گری کی فضا میں گھومتا اور پہاڑوں سے سر ٹکراتا پھر رہا اور الفاظ میں ڈھل کر میرا مذاق اُڑا رہا ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے شاسترو کے بھوت کو میری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں، میرے ہاتھ چھو نہیں سکتے۔ صرف میرے اندر کا تھارو کیشپ اُسے دیکھ سکتا، چھو سکتا ہے۔ میں تو اُس کی آواز ہی سن سکتا ہوں۔ بہت اچھا...... شاسترو کے بھوت کو پیچھا کرنے دو، مذاق اُڑانے دو۔ دیکھتا ہوں یہ میرا کیا بگاڑتا ہے؟

یہ سوچ کر میں پھر آگے بڑھا اور اپنی رفتار پہلے سے تیز کر دی۔ مگر اب میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ بونا بھوت بھی اُچھلتا، پھدکتا میرے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اگر میں اُسے دیکھ سکتا تو اُس کی اُچھل کود کا نظارہ ضرور کرتا مگر میں تو اُس کے بارے میں صرف محسوس کر سکتا تھا۔ جب میں کچھ اور تیزی سے چلنے لگا تو اُس کی اُچھل کود بھی تیز ہوگئی اور یہ سوچ کر مجھے اطمینان ہوا کہ وہ مجھ سے بہت چھوٹا بلکہ صرف تین فٹ کا بونا ہے اس لئے میری رفتار کا ساتھ نہیں دے سکے گا اور کہیں نہ کہیں پیچھے سے اتر ہی جائے گا۔ اس خیال سے میں نے مزید تیز تیز چلنا شروع کر دیا جس پر دوڑنے کا گمان ہوتا تھا تا کہ اُس بھوت سے پیچھا چھوٹے۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ میری تیز رفتاری کی وجہ سے وہ بہت پیچھے رہ گیا ہے اور میرا ساتھ نہیں دے سکے گا تو یوں لگا جیسے اُس نے اُچھل کر فضا میں چھلانگ لگائی ہو...... پھر ہوا میں تیرتا میرے پیچھے لپکا اور بہت قریب آگیا ہو...... پھر اُسے سوجھی بھی تو بہت ہی عجیب سوجھی۔ ہوا میں تیرتا ہوا وہ عین میرے سر پر اُڑنے لگا۔ پھر نا گہاں سر کی کھڑکی کھول کر اندر گھس گیا اور میرے دماغ کے دالان میں بڑے آرام سے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ میں تو اُس سے پیچھا چھڑانے کی خاطر تیز تیز چلنے لگا مگر وہ بھوت اب میرے سر پر سوار ہو گیا اور دماغ پر قبضہ جما کر بیٹھ گیا تھا۔ اُس کی اس حرکت سے میں سخت اُلجھن بلکہ پریشانی محسوس کرنے اور سوچنے لگا کہ اس بھوت کو سر سے اُتارنا

چاہیے ورنہ یہ میرے ساتھ ہی ساتھ لگا رہے گا۔ اپنے دماغ کو اُس کی گرفت سے آزاد کروانے کے لئے میں نے ایک زبردست جھرجھری لی اور سر کو زور زور سے اِدھر اُدھر، دائیں بائیں جھٹکا تا کہ وہ بھوت میرے دماغ کی کھلی کھڑکی سے نیچے گر جائے یا خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ مگر ہوا یہ کہ اُس خبیث نے بڑی پھرتی اور ہوشیاری سے اُٹھ کر میرے دماغ کی کھڑکی کے دونوں کواڑ کھٹاک سے بند کر دیئے اور پھر جلدی سے کنڈی چڑھا دی۔ میں نے دماغ کی کھڑکی زور سے بند ہونے اور اُس کی کنڈی چڑھنے کی آواز سنی تو تلملا کر رہ گیا اور بڑے غصے میں گرجا۔

''شاستر و کے بچے! باہر نکل اور دفع ہو جا۔''

جواب میں اُس کی آواز سنائی دی اور یہ آواز میرے دماغ سے آ رہی تھی جہاں وہ میری اجازت کے بغیر زبردستی گھس کر بیٹھ گیا تھا۔

''پربھو! مجھے باہر کیوں نکالتے ہو؟ کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا؟''

''ارے بھتنے! تو میرے دماغ میں کیوں گھس آیا ہے؟''

''یہ ایک مہان گیانی کا دماغ ہے۔ بڑا اُونچا، بڑا کھلا، بڑا آرام دہ۔ اگر یہاں نہ گھستا تو اور کہاں جاتا؟ کیونکہ آپ تو پیچھا چھڑا رہے تھے، مگر مجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے پربھو؟''

''بدمعاش......! میرا مذاق اُڑاتا ہے؟''

''ہرگز نہیں...... بھلا میں یہ گستاخی کا ہے کو کرنے لگا؟''

''پھر کیوں آیا ہے؟''

''کچھ یاد دلانے آیا ہوں۔''

''میں جانتا ہوں تو کیا یاد دلانے آیا ہے۔ مگر جو کچھ تو سمجھ رہا ہے وہ غلط ہے۔''

''کیا غلط ہے؟''

''تیرا خیال ہے میں پنا سے ملنے جا رہا ہوں۔''

''تو اور کہاں جا رہے ہو پربھو! یہ راستہ اناتھ بن ہی کو جاتا ہے۔''

''ارے احمق! سیر کرنے نکلا ہوں...... گھوم پھر کر لوٹ جاؤں گا۔''

''پہلے تو سیر کرنے کے لئے کبھی اناتھ بن کی طرف نہیں گئے۔''

''پہلے نہیں گیا تو آج سہی۔ حسبِ معمول کسی بھی طرف جا سکتا ہوں۔''

''آج حسبِ معمول نہیں خلافِ معمول جا رہے ہو۔ جل پنا نے بلایا ہے نا اناتھ بن میں؟''

جی میں آئی اُس شاستر و کے بھوت کو کان سے پکڑ کر دماغ سے باہر گھسیٹ لوں۔ کمبخت جانتا ہے کہ میں جل پنا ہی سے ملنے جا رہا ہوں۔ اچانک خیال آیا اس وقت وہ میرے دماغ میں گھسا بیٹھا ہے اس لئے جو کچھ سوچوں گا فوراً سمجھ لے گا لہٰذا مجھے پنا کے بارے میں نہیں

سوچنا چاہیئے۔ ٹھیک اسی لمحے شاستر و کے بھوت نے میرے دماغ کی کھڑکی کھول کر باہر جھانکا اور دانت نکوستے ہوئے بولا۔ ''پنا کے بارے میں سوچنا کیوں بند کر دیا پربھو؟''

عجیب مصیبت تھی۔ میں کوئی ایسی بات سوچ ہی نہیں سکتا تھا جس کی اُسے خبر نہ ہو سکتی۔ کیونکہ وہ میرے دماغ کے اندر ہی تو گھسا بیٹھا تھا۔ دھیان بٹانے کی خاطر میں نے پوچھ لیا۔

''تو کہتا ہے میری آج کی سیر خلافِ معمول ہے مگر میں تو حسبِ معمول سیر کو نکلا ہوں۔''

''معمول کی سیر میں، میں بھی آپ کے ہمراہ ہوتا تھا۔ مگر آج مجھے تو ساوگاری میں چھوڑ آئے ہو۔ پھر یہ سیر خلافِ معمول نہیں تو اور کیا ہے؟''

''ساوگاری میں کہاں...... تو، تو میرے دماغ میں گھسا بیٹھا ہے۔''

''مگر یہ خلافِ معمول نہیں۔ میں تو آج کل اکثر آپ کے دماغ ہی میں گھسا رہتا ہوں۔ کیونکہ آپ اکثر میرے ہی بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔''

''اچھا اب دماغ سے نکل...... میرا پیچھا چھوڑ۔''

''یہ تو بتا دو پربھو! جا کہاں رہے ہو...... ارادہ کدھر کا ہے؟''

''ابے کہہ جو دیا سیر کر کے لوٹ جاؤں گا۔ مجھے کسی سے ملنا ونا نہیں۔''

''تو پھر یہیں بیٹھا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ کے سر پر سوار رہوں گا۔''

''جاؤ گے نہیں؟''

''صرف ایک شرط پر۔''

''کیا شرط ہے؟'' میں نے غصے میں پوچھا۔

''ناراض کیوں ہوتے ہو پربھو! ذرا دھیرے بولو اور وعدہ کرو سیدھے اناتھ بن جاؤ گے اور جل پنا سے ملو گے۔''

''ابے میں جل پنا سے ملوں نہ ملوں تجھے کیا لینا دینا ہے؟''

''لینا تو کچھ نہیں شاید کسی وقت دینا پڑ جائے۔ پنا ایک اناتھ لڑکی ہے۔ اُسے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے پربھو! اس لئے آپ کو اُس سے ضرور ملنا چاہیئے۔''

''تو یوں بول نا! اب مجھے تیری شرط منظور ہے۔ سیدھا اناتھ بن جاؤں گا۔''

''جا تو آپ پہلے بھی وہیں رہے تھے مگر مجھ سے چوری۔ خیر اب کوئی بات ہوئی نا!''

''کیوں میرا دماغ خراب کر رہا ہے بھتنے! اب نکل یہاں سے اور بھاگ جا۔''

''شانت رہو پربھو! جا رہا ہوں۔''

پھر یوں لگا کہ شاسترو کے بھوت نے میرے دماغ کی کھڑکی کے دونوں پٹ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی اور ہوا میں تیرتا واپس چلا گیا جہاں سے آیا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ مجھے نظر تو نہیں آ سکتا تھا البتہ اُس کے نکلتے ہی مجھے اپنا دماغ ہلکا پھلکا سا محسوس ہونے لگا۔ سر سے ایک انجانا بوجھ اُتر گیا تھا۔ پھر میں نے آگے قدم بڑھایا اور اناتھ بن کی سمت چل دیا لیکن ناگہاں کہیں دُور سے باوُورولے کی طرح گھومتی، چکراتی اور گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''پربھو! میں نے کہا تھا آپ جل پنا سے ملنے جاؤ گے اور جا رہے ہو۔ ہو ہو ہو، ہی ہی ہی۔''

اُس کی ہنسی کی لہریں میرے ذہن سے ٹکرا رہی تھیں جیسے بہت دُور کی کوئی چیز ریڈار پر منعکس ہوتی ہے۔ میں نے اپنے سر کو جو ابھی اُس کے قبضے سے آزاد ہوا تھا، ایک دو بار جھٹک دیا پھر شاسترو کی ہنسی کی گھنٹیاں فضا میں تحلیل ہونے لگیں اور آہستہ آہستہ وہ آوازیں اور اُن کی شیطانی گونج خاموشیوں میں ڈوب گئی مگر رتناگری کے کبڑے درختوں کے درمیان مُڑی تڑی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے میں سوچ رہا تھا آخر مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں غیر مرئی آوازیں کیوں سنتا ہوں؟ آپ سے آپ باتیں کیوں کرنے لگتا ہوں جیسے کسی دوسرے سے مخاطب ہو رہا ہوں۔ حالانکہ اپنا مخاطب بھی میں ہی ہوتا ہوں، کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ اور رات کو میں پیتل کی ایک بے جان مورتی کو چلتے پھرتے دیکھتا اور سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی خواب نہیں حقیقت ہے۔ میرا ذہن اصرار کرتا ہے کہ میں نے بھگوان کی مورتی کو بقائمی ہوش و حواس چلتے پھرتے، حرکت کرتے اور بھٹکتے ہوئے دیکھا ہے جیسے وہ مجھے کچھ بتانا چاہتی ہے مگر کچھ کہے سنے بغیر لوٹ جاتی ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ جسے میں کبھی خواب، کبھی سپنے، کبھی کشف، کبھی کرامت اور کبھی حقیقت کے نام سے تعبیر کرتا ہوں۔ کبھی شاسترو کا بھوت میرے دماغ میں آ گھستا ہے اور میں اُس سے کیسی کیسی عجیب باتیں کرنے لگتا ہوں۔ کیسی کیسی انہونی باتیں سوچتا ہوں اور ایک نا معلوم سی لہر جو میرے ذہن کے کسی گوشے میں سرسراتی ہے، پربتوں کی شور انگیز ہواؤں کا رُوپ دھار کر گونجتی اور کبھی پُر ہول ویرانوں کے سناٹوں میں ڈھل کر مجھ سے سرگوشیاں کرنے لگتی ہے۔ یہ تو سب کسی بیمار ذہن کی علامتیں ہیں۔ تو کیا تھاروکیشپ جیسے مہان گیانی کا دماغ پاگل پن کی طرف بڑھ رہا ہے؟

میں نے چلتے چلتے اپنا پاؤں زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ ''تھاروکیشپ پاگل نہیں ہو سکتا۔'' فوراً مجھے پاؤں میں شدید درد کا احساس ہوا اور میں تڑپ کر انہی قدموں رُک گیا۔ دراصل جوش کی حالت میں، میں نے اپنا پاؤں زمین کی بجائے ایک پتھر پر دے مارا تھا اور مجھے چوٹ آ گئی تھی۔ لیکن میں نے اس چوٹ کو نظر انداز کر دیا کیونکہ جو چوٹ میرے دماغ پر پڑی وہ اُس سے کہیں زیادہ کاری اور تکلیف دہ تھی۔ یعنی میں پاگل ہو رہا ہوں...... واہ یہ بھی بھلا کوئی بات

ہوئی؟ اچانک میرے اندر کا آدمی بولنے لگا......

''تھاروکیشپ......! تم رنگامتی میں تو ایسے خواب نہیں دیکھتے تھے۔ ایسی غیر مرئی آوازیں نہیں سنتے تھے۔ یہ تبدیلی ساؤ گاری میں آنے کے بعد پیدا ہوئی ہے جہاں بھگوان کی مورتی تمہارے سرہانے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ جہاں عجیب الخلقت شاسترو کا بھوت تنہائی میں تمہیں آوازیں دیتا اور پھر آ کر تمہارے سر پر سوار ہو جاتا ہے اور تم جل پنا سے ملنے کا وعدہ کر کے اُس سے پیچھا چھڑاتے ہو۔ ارے یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے......کیا ہے......کیا ہے......؟''

میں حیران ہوا کہ میرے اندر کے تھاروکیشپ نے بھی تین بار میرے پاگل پن کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور جل پنا نے بھی تین ہی بار ملنے کی تاکید کی تھی۔ مگر مجھے اپنے آپ پر پورا اعتماد تھا کہ میں پاگل ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بھئی اگر رات بھگوان کی مورتی کو بھٹکتے دیکھنا میرا خواب یا پاگل پن تھا تو دوسری صبح وہی مورتی مجھے موت کے مریض ساگر ساؤ جی کے کمرے میں کیوں نظر آئی تھی؟ اُس تابوت نما کمرے میں پیتل کے بھگوان کی موجودگی تو کوئی خواب، کوئی سپنا یا سحر نہیں تھا۔ میں وہ مورتی جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور کمرے میں کھڑے سروپ ساؤ جی، پروہت گنجال اور شنکر کی آوازیں سن رہا تھا۔ پھر میں نے اس اجل بدوش بوڑھے ساگر ساؤ جی کو دوا پلانے کے سلسلے میں مدد کی تھی۔ کیا ان تمام شواہد کے باوجود میں اپنے آپ کو پاگل سمجھوں؟ نہیں...... یہ تمام چیزیں ثابت کرتی ہیں کہ تھاروکیشپ پاگل ہرگز نہیں۔

میرا ذہن انہی خیالات کے تانے بانے میں اُلجھا ہوا تھا۔ آخر میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ ساؤ گاری کے حالات ہی پُراسرار ہیں اور بھگوان کی سندر ناری جل پنا کا بلاوا کوئی سپنا نہیں۔ نہ جانے اُس نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ کون سے راز کا انکشاف کرنا چاہتی ہے؟ اور میں انکار کے باوجود اُس سے ملنے جا رہا ہوں۔



(5)

سؤر گ اور سانپ

شاسترو کا بھوت میرے وہم کی تخلیق تھا یا کچھ اور..... میں خواہ مخواہ اپنی ذہنی حالت پر بگڑتا رہا۔ دراصل وہ ایک عجیب سی کیفیت تھی جس سے میں دوچار ہوا اور آدمی پر بعض اوقات اس قسم کی کئی کیفیتیں گزر جاتی ہیں۔ میں نے شاسترو کے بھوت یا اپنے وہم سے سمجھوتہ کر لیا تھا کہ جل پنا سے ضرور ملوں گا اور اب ایک مُڑے تڑے راستے پر اناتھ بن کی طرف چلا جا رہا تھا۔

ہو سکتا ہے اس آپ بیتی کے پڑھنے والے مجھے اگر پاگل نہیں تو ''وہمی آدمی'' سمجھیں کیونکہ بھگوان بدھ کی مورتی اور شاسترو کے بھوت کے بارے میں جو کچھ بیان کر چکا ہوں اُسے پڑھنے کے بعد بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ میرے دماغ کا کوئی پرزہ ضرور ڈھیلا ہے اور میں انہونی باتیں سوچتا پھر پریشان خیالی کا مریض ہوں۔ مگر قارئین کو اس بات پر اعتماد کرنا چاہئے کہ میں صحیح الدماغ تعلیم یافتہ آدمی ہوں اور توہمات پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ اکثر دماغی مریض یا پاگل اپنے آپ کو صحیح الدماغ ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب و غریب آپ بیتی جو میں بیان کر رہا ہوں اس سچائی کا ثبوت پیش کرے گی کہ میں نے کسی حالت میں اپنے ذہن اور خیالات کو فہم و شعور کی گرفت سے نکلنے نہیں دیا۔ مجھ پر بعض ایسی اضطراری اور ہیجانی کیفیتیں بھی گزریں کہ خود کو ''پاگل'' سمجھنے لگا۔ پھر بھی ہر موقع پر علم اور شعور نے میری رہنمائی کی اور میں ساؤ گاری کے پیچیدہ اور ناقابل یقین حالات سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ان میں جل پنا کا معاملہ بھی ایک راز سربستہ بنا ہوا تھا۔

وہ ناچ بھگتی کے لئے ساؤ گاری میں آئی یا لائی گئی تھی اور پہلی ہی ملاقات میں مجھے صورت آشنا بھی لگی۔ لیکن ہزار کوشش کے باوجود میری یادداشت ماضی کا کوئی ورق اُلٹ کر شناسائی کی کسی پرانی یاد کو تازہ نہ کر سکی تھی اور اب میں سوچنے لگا تھا کہ صورت آشنائی میرا وہم ہے۔ ممکن ہے میں نے پنا جیسی کوئی دوسری لڑکی دیکھی ہو۔ یہ بات بھی کتنی دلچسپ تھی کہ بونا شاسترو میرے اور پنا کے میل جول کا ذریعہ بنا اور ایک دن اُسی نے ملنا جلنا کم کرنے کی تاکید کر دی کیونکہ بقول اُس کے پروہت گنجال کو شبہ ہو گیا تھا کہ شاید پنا مجھ سے پریم کرنے لگی ہے۔ پھر یہ معاملہ بھی بڑا عجیب تھا کہ جب اسی احتیاط کی خاطر میں نے جنگل کی تنہائی میں جل پنا کی ملاقات سے انکار کر دیا تو اُس نے منہ بسور لیا۔ یہ سارے واقعات حیرت انگیز بھی تھے اور مجھ

جیسے آدمی کے لئے جو غالباً الف لیلہ کے ابوالحسن کی طرح سوتے جاگتے کا کوئی خواب دیکھ رہا تھا، پریشان کن بھی۔ میں نے چلتے پھرتے ان سب باتوں پر غور کیا اور ناگاہ اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مُڑا تڑا راستہ جس پر سفر شروع کیا تھا کہیں پیچھے رہ گیا ہے اور میں اُسے چھوڑ کر ناک کی سیدھ چلا جا رہا ہوں۔ یہ احساس بھی میرے کانشنس نے دلایا تھا کہ آگے کوئی چیز حائل ہے۔ اب جو دیکھا تو سامنے ایک بلند ٹیلہ اونٹ کے کوہان کی مانند میری راہ روکے کھڑا تھا۔

یہ پہاڑی ٹیلہ دُور تک چلا گیا تھا۔ اُس کی خطرناک ترچھی ڈھلان پر جھاڑیاں پھیلی تھیں اور ان کے درمیان کہیں کہیں کبڑے درخت جیسے گردن نہوڑائے کھڑے تھے۔ میں اپنے خیالوں میں گم راستہ بھٹک کر اِدھر آ گیا تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ٹیلہ عبور کر کے دوسری طرف پہنچ جاؤں۔ چنانچہ بائیں جانب سے ترچھی ڈھلان چڑھنے لگا۔ ذہن میں سوچ بچار کی تمام کھڑکیاں بند کر دیں کیونکہ ڈھلان کہیں اُونچی، کہیں نیچی تھی۔ اگر بے دھیانی میں پاؤں غلط جگہ پڑ جاتا تو نیچے لڑھک جاتا۔ ڈھلان پار کر کے میں ٹیلے کے اُس حاشیے پر پہنچ گیا جو ایک سفید لکیر یا گوٹ کی شکل میں اُوپر جاتا تھا اور اس لکیر پر گھومتا ہوا آگے بڑھا۔ زندگی میں آدمی کو مشکلات کے کئی پہاڑ عبور کرنا پڑتے ہیں جو اس ٹیلے سے کہیں زیادہ دُشوار گزار ہوتے ہیں۔ میں ان مشکلات کا عادی ہوں لہٰذا ٹیلے کی بلندی تک پہنچنے میں کوئی خاص مشکل پیش نہ آئی۔ مگر بلندی پر پہنچ کر انکشاف ہوا یہ ٹیلہ نہیں بلکہ شالی پربت کا سلسلہ ہے جو اُونچی نیچی پہاڑیوں کے ذریعے اُس بلند پہاڑ تک چلا گیا تھا جس کی ترائی میں اناتھ بن کا گھنا اور سندر جنگل پھیلا تھا اور اب اناتھ بن تک پہنچنے کے لئے مجھے انہی پہاڑیوں کے ساتھ آگے بڑھنا تھا۔ ذہن میں جل پنا سے ملنے اور اُس کی ضروری بات سننے کی لگن اتنی شدید تھی کہ پہاڑی اونچ نیچ اور ان مشکلوں کی پرواہ کئے بغیر چل پڑا جو کوہستانی راستوں میں عموماً پیش آتی ہیں۔ پھر یہاں تو کوئی راستہ تھا ہی نہیں۔ بس مجھے پہاڑی نشیب و فراز کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا تھا۔

پہاڑوں کے ٹیڑھے، ترچھے حاشیے پر چلتا ابھی تھوڑی دُور گیا تھا کہ اچانک جلترنگ کی آواز نے چونکا دیا۔ سوچا کہیں جل پنا ہی نے تو میری رہنمائی کے لئے ساز نہیں چھیڑ دیا، آگے دیکھا تو دائیں جانب آٹھ دس فٹ کی بلندی سے پانی کی ایک دھار پتھروں سے ٹکراتی اور جلترنگ پیدا کرتی کسی کھائی میں گر رہی تھی۔ یہ کھائی کہیں چھ سات فٹ، کہیں تین چار فٹ چوڑی اور کافی گہری تھی۔ پانی اُس کے اندر ہی اندر بہتا ہوا نجانے کدھر غائب ہو گیا تھا۔ میں ایک تنگ جگہ سے کھائی عبور کر کے پھر آگے بڑھا۔ اس پہاڑی سلسلے پر کہیں کہیں درخت بھی تھے مگر سرسبز جھاڑیوں سے ڈھکی ترچھی ڈھلان ایک حسین منظر پیش کرتی تھی۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد ہموار

جگہ نظر آئی جس پر سفر آسان ہو گیا۔ لیکن یہاں ایک اور گہری کھائی دیکھ کر ٹھٹھک گیا جس کے کناروں پر کگرونڈے کی جھاڑیاں اپنی لمبی لمبی بانہیں پھیلائے جھول رہی تھیں۔ کھائی میں جھانک کر دیکھا تو پانی کی لکیر ہلکی آواز میں بہہ رہی تھی۔ دراصل یہ وہی چشمہ تھا جو دو اڑھائی فرلانگ پیچھے ایسی ہی ایک کھائی میں غائب ہو کر پہاڑوں کے اندر ہی اندر بہتا یہاں آ نکلا تھا۔ یہ انکشاف بڑا عجیب تھا کہ ان پہاڑیوں کا سینہ کہیں کہیں سے کھوکھلا ہے جس کے اندر پانی کا چشمہ بہتا ہے۔ میں یہ کھائی بھی عبور کر کے ایک ایسی گھاٹی پر چڑھنے لگا جو کچھوے کی کھوپڑی کی طرح گول تھی۔ اس چڑھائی میں پہلے ٹیلوں کے برعکس زیادہ اینچ پیچ نہیں تھے۔ چند ہی لمحوں کے بعد میں گھاٹی کی کھوپڑی پر کھڑا تھا۔

بلندی پر پہنچ کر دیکھا تو چند فرلانگ کے فاصلے پر سامنے شمالی پربت کا بلند سلسلہ نظر آیا جس کی ترائی میں گھنا اور خوبصورت جنگل حد نگاہ تک پھیلا تھا۔ یہ رتنا گری کا سب سے سندر پہاڑ اور مظاہر قدرت کا سب سے عجیب و دلکش نمونہ تھا۔ اُس کی برف پوش چوٹیاں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں جن کا سلسلہ شمال کی طرف تبت کے پہاڑوں سے جا ملتا اور شرقاً غرباً کانگٹو سے لداخ تک پھیلا تھا۔ اس عظیم سلسلہ کوہ کا کوئی انت ہی نہ تھا۔ میں نے اُس پربت کے ترچھے نشیب کو دیکھا تو دنگ رہ گیا کیونکہ کم و بیش تین میل تک پھیلا ہوا نشیب ایک قدرتی سٹیڈیم کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ دراصل شمالی پربت کی ڈھلان چھوٹے چھوٹے مگر طویل قطعوں میں بٹ گئی تھی جنھوں نے سیڑھیوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ قدرتی سیڑھیاں کہیں دس پندرہ، کہیں بیس پچیس فٹ چوڑی مگر ڈھلان کے ساتھ ساتھ قریباً تین میل تک لمبی اور قدرت کی صناعی کا ایک حیرت انگیز شاہکار تھیں۔ نیچر کے کاریگر نے انہیں اپنے ہاتھ یا ارادے سے بنایا تھا۔ میں نے ایسا عجیب اور دلفریب نظارہ آج تک نہ دیکھا تھا۔ جہاں سیڑھیاں ختم ہوتی تھی وہاں سے ترائی شروع ہو گئی تھی جس میں مہاگنی، صنوبر، شاہ بلوط، سیتا برچھ اور بڑ کے قدیم الایام درختوں کے گھنے جھنڈ تھے۔ یہی وہ ''اناتھ بن'' تھا جہاں جل پنا نے مجھے ملنے کی دعوت دی تھی اور یہ جنگل خلیج بنگال کے لمبے ڈیلٹے پر پھیلے ہوئے ''سندر بن'' سے کہیں زیادہ سندر اور دلکش تھا۔

اب مجھے گھاٹی سے اُتر کر اس جنگل میں پہنچنا تھا جہاں ساؤ گاری کی نرتکی کسی جگہ بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ اسی لمحے میں نے ایک عجیب سی آواز سنی جو ہوا کے دوش پر گھومتی (کیونکہ ہوا مخالف سمت چل رہی تھی) میری سماعت سے ٹکرائی۔ مگر میں نے آواز کو جنگل کی شوکار یا ہوا کی آوارہ لہر سمجھ کر اُس پر دھیان نہ دیا اور گھاٹی کی کھوپڑی پر چلتا آگے بڑھا تاکہ اُس کی ڈھلان اُتر کر اناتھ بن میں پہنچ جاؤں۔ نظریں شمالی پربت کی ترائی کے اُوپر قدیم سٹیڈیم کی سیڑھیوں پر جمی تھیں اور قدم پتھروں اور جھاڑیوں کے درمیان نشیب میں اُتر رہے تھے۔ اچانک

پھر کسی آواز نے مجھے چونکا دیا..... پہلے جسے میں ہوا کی آوارہ لہر سمجھا تھا وہ دراصل ایک انسانی بلکہ نسوانی آواز تھی جو کہیں نیچے.....اور نیچے.....اور بہت نیچے سے آئی تھی اور مسلسل آ رہی تھی۔ اُنہی قدموں رُک کر میں نے آواز کی سمت میں نظر دوڑائی تو یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ نیچے اور نیچے جہاں اس گھاٹی کا نشیب ختم ہوتا تھا، جل پنا ایک چٹان پر کھڑی مجھے آوازیں دے رہی تھی اور ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ سمجھا بھی رہی تھی۔ پہلے تو یہی خیال آیا کہ وہ مجھے اپنی موجودگی کی اطلاع دے رہی ہے اور اپنے پاس بلا رہی ہے۔ مگر اُس کے ہاتھ کے اشاروں اور آواز کی چیخ و پکار سے پتہ چلا کہ مجھے کسی خطرے سے آگاہ کر رہی ہے۔ وہ قریباً دو اڑھائی سو فٹ نیچے کھڑی تھی۔ ہوا مخالف تھی اور میں اُس کے الفاظ ٹھیک طرح سن نہیں رہا تھا تاہم اُس نے کسی خطرے کا احساس ضرور دلایا اور میں انہیں قدموں کھڑا اُس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

اُس نے ہاتھ کے اشاروں سے مجھے آگے بڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر چند الفاظ بھی کانوں تک پہنچ گئے۔ وہ کہہ رہی تھی میں یہاں سے پیچھے ہٹ جاؤں اور گھاٹی کی بائیں ڈھلان سے نیچے اُتروں۔ جب اس کا مطلب سمجھ کر واپس مُڑا تو وہ بھی اُسی جانب بھاگی جدھر سے مجھے نیچے اُترنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ میں گھاٹی کی کھوپڑی پر گھومتا ہوا بائیں جانب کا نشیب اُترنے لگا۔ پنا اب دکھائی نہیں دے رہی تھی، لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں اُس کی آواز پھر سننے لگا۔

''اِدھر..... کیشپ بابو!..... اِدھر آئیں میری طرف۔'' اور میں پتھر پھلانگتا، ٹھوکریں کھاتا، پھسلتا، سنبھلتا آواز کی سمت بڑھ رہا تھا۔ جب میں نصف سے زیادہ ڈھلان اُتر چکا، ڈھلان کے بڑے درختوں کے درمیان اُس کا سر دکھائی دیا اُس نے بھی مجھے دیکھ لیا اور جھاڑیوں سے بچتی، پتھروں سے گزرتی میری طرف بڑھی۔ میں اُس کی جانب لپکا اور ایک درخت کے نیچے ہم دونوں نے ایک دوسرے کو تھام لیا..... میں نے غور سے دیکھا تو وہ صنوبر کا درخت تھا جس کے نیچے ہم ملے تھے اور یہ ملاپ ایک اچھا شگون تھا۔ کہیں پڑھا تھا کہ جو پریمی صنوبروں کی چھاؤں میں ملتے ہیں اُن کی محبت پروان چڑھتی ہے۔ جی چاہا کہ جل پنا کو، جو گھبراہٹ اور پریشانی کی حالت میں زیادہ سندر لگ رہی تھی، اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں مگر پنا نے اس کا موقع ہی نہیں دیا اور بتانے لگی۔

''کیشپ بابو! جس طرف سے آپ نیچے اُتر رہے تھے اُدھر ایک بہت بڑا کھڈ ہے جس میں ایک چتکبرا سانپ رہتا ہے۔ کھڈ اُوپر سے دکھائی نہیں دیتا۔ اگر آپ چند قدم اور آگے بڑھتے تو اس میں گر گئے ہوتے۔''

اُس کی آواز میں ابھی تک گھبراہٹ اور چہرے پر پریشانی کی لہر تھی اور یہ لہر میرے من کو پیار کا سندیس دے رہی تھی۔ غالباً وہ بھانپ گئی کہ میں نے اُس کی بات پر توجہ نہیں دی اور

معاملے کی نوعیت کو سمجھنے کی بجائے کسی دوسرے خیال میں کھو گیا ہوں وہ اچانک ہاتھ پکڑ کر مجھے نشیب کی طرف گھسیٹنے لگی۔ میں حیران رہ گیا۔ اُس کی چال میں ہرنی کا سا طرارہ تھا۔ وہ پتھروں کو پھلانگتی، جھاڑیوں کے درمیان سے بے خوف گزرتی، کاوے کاٹتی اور مجھے سنبھالتی ڈھلان پر بھاگتی چلی گئی۔ چند لمحوں میں ہم نیچے آ گئے۔ پھر مجھے کھینچتی ہوئی اُس چٹان کے پاس لے آئی جہاں تھوڑی دیر پہلے کھڑی آوازیں دے کر مجھے آگے بڑھنے سے منع کر رہی تھی۔ اُس نے بلند گھاٹی کی طرف ہاتھ لہرایا اور کہا۔ ''ذرا اُدھر دیکھئے!''

میں نے اُس کے ہاتھ کی سیدھ میں دیکھا تو پہلی بار معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا اور پتہ چلا کہ مرتے مرتے بچا ہوں۔ گھاٹی سے اُترتے ہوئے جہاں میں جل پنا کی آواز سن کر رُک گیا تھا وہ جگہ لگر کی طرح آگے بڑھی ہوئی تھی جس کے نیچے 35,30 فٹ کا بھیانک خلا تھا۔ اور اُس خلا کے نیچے ایک بہت ہی خوفناک کھڈ کسی عفریت کی مانند اپنے جبڑے کھولے لیتا تھا۔ اُوپر سے خلا نظر آتا تھا نہ کھڈ کیونکہ لگر کے سرے کو جھاڑیوں کی لمبی لمبی شاخوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ اگر میں چھ سات قدم اور آگے بڑھا ہوتا تو خلا میں لڑھکتا سیدھا کھڈ میں گرتا مگر یہ خوش قسمتی تھی کہ جل پنا نے مجھے دیکھ لیا اور آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ میں نے تصور میں اپنی اُس حالت کا اندازہ لگایا تو بدن پر کپکپی سی دوڑ گئی۔ ٹھیک اُس وقت جب میں کھڈ کو دیکھ رہا تھا ایک بہت بڑا سانپ اُس کے دہانے پر رینگتا نظر آیا جس نے شاید ہمیں دیکھ لیا تھا کیونکہ ہماری طرف منہ کر کے اُس نے اپنا چوڑا پھن اُٹھایا اور جھومنے لگا...... میری نبضوں میں ٹھنڈی لہر گزرنے لگی۔ اب میں جل پنا کی گھبراہٹ اور پریشانی کا مطلب سمجھ رہا تھا اور اُس کی طرف مُڑتے ہوئے بولا۔

''واقعی تم نے مجھے مرنے سے بچا لیا۔ مگر اس کے لئے تمہارا شکریہ ادا نہیں کروں گا۔''

''کیوں......؟'' اُس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''شکریے کا لفظ بہت چھوٹا ہے۔''

اُس کی آنکھیں جھک گئیں۔ ''میں حیران ہوں آپ گھاٹی پر کیسے پہنچ گئے؟''

''راستہ بھٹک گیا تھا۔''

''کہتے ہیں بھٹکنے والے منزل سے دُور ہو جاتے ہیں۔''

''مگر میں بھٹک کر اپنی منزل کے قریب آ گیا ہوں۔''

ساتھ ہی میں نے اُس کے سندر مکھڑے کو پیار سے دیکھا۔ اب کے اُس کی گردن بھی جھک گئی اور وہ شرما کر ایک طرف ہو لی۔ منزل اور مسافر میں بھی ایک گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ اس تعلق کو سمجھتی تھی۔ اُس کا رُخ جنگل کی طرف تھا جو شمالی پربت کی ترائی میں گھنے اور پراسرار سپنوں کی طرح پھیلتا چلا گیا تھا۔ وہ رُکی نہیں، جانتی تھی کہ اب مسافر اپنی منزل گم نہیں کر سکتا۔

میں اُس کے پیچھے چل پڑا۔ غالباً یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ اُس نے مجھے جنگل کی تنہائی میں کیوں بلایا ہے پھر بھی میں اُس کی زبان سے سننا چاہتا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے اور اپنے پریم کی کلپنا کا اظہار کن الفاظ میں کرتی ہے۔ میں نے چلتے چلتے آواز دی۔ ''ذرا سنو تو......!''

وہ اُنہی قدموں رُک گئی۔ میں نے بھی اُس کے قریب پہنچ کر قدم روک لئے۔

''تم نے کسی ضروری بات کے لئے بلایا تھا مجھے۔''

''ہاں کیشپ بابو! وہی بات کرنے جا رہی ہوں۔''

''وہ بات یہاں نہیں ہو سکتی کیا؟''

''نہیں...... قریب ہی ایک سمادھی ہے وہیں بات ہو گی۔''

''اس جنگل میں سمادھی؟''

''ہاں...... !'' میری حیرت کو بھانپ کر وہ بتانے لگی۔ ''سنا ہے تین صدیاں پہلے جب تبت کا بدھ لاما اناتھ بندو رتنا گری کی وادی سے گزرا تو اُس نے اسی جنگل میں گیان دھیان کا پاٹ کیا اور ان بھکشوؤں کو نروان کا اُپدیش دیا تھا جو باٹی پارہ سے اُس کا سواگت کرنے آئے تھے۔ پھر جب وہ ہندوستان سے گیا کی یاترا کر کے لوٹا تو واپسی پر اسی وادی میں اُس کا دیہانت ہو گیا اور ساؤ خاندان کے بانی گوپی ساؤ نے اُس کی راکھ اور ہڈیاں اسی جنگل میں دفن کر کے ایک سمادھی بنا دی تھی۔ جبھی اس جنگل کو ''اناتھ بن'' کہتے ہیں۔ آیئے! میں آپ کو وہ سمادھی دکھاتی ہوں۔''

یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی تھی کہ اناتھ بندو واپسی پر رتنا گری کی وادی میں فوت ہوا اور یہیں جنگل میں اُس کی سمادھی بنا دی گئی تھی۔ اناتھ بندو کے گیان دھیان اور نروان کے اُپدیش کا حال تو پہلے بھی سن چکا تھا، اُس کی سمادھی کے انکشاف نے مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دی اور میں چپ چاپ جل پنا کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

ترائی کے حاشیے پر صنوبروں اور سیتا برچھ کے درختوں کے چھدرے سے جھنڈ تھے جن سے گزر کر ہم مہاگنی اور برگد کے بوڑھے اور گھنے درختوں کی طرف بڑھنے لگے اور ایک چشمے پر پہنچ گئے جو شمالی پربت کی ڈھلان سے اُتر کر جنگل میں ناگن کی طرح بل کھاتا مغرب کی طرف بہہ رہا تھا۔ اُس کے دونوں کناروں کو گھنی جھاڑیوں نے ڈھانپ لیا تھا۔ اس گھنے اور سندر جنگل میں چشمہ دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے آدم کی گمشدہ جنت میں آ گیا ہوں...... ہاں یہ ایک جنت ہی تھی، ایک سورگ جس میں ایک تنہا مرد اور ایک تنہا عورت چشمے کے کنارے کنارے رواں تھے اور اپنے ازلی دشمن سانپ کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ میں نے اس خیال سے اپنے بدن میں سنسنی سی محسوس کی کہ اناتھ بن کی جنت میں بھی ایک سانپ موجود ہے۔ چشمے کے مُڑے تڑے کنارے پر چلتے ہوئے ہم برگد کے ایک گھنے اور سال خوردہ درخت کے قریب پہنچ گئے جس کی

بے شمار لمبی لمبی جٹائیں مُردہ سانپوں کی طرح زمین تک جھول رہی تھیں۔ اُن مارنما جٹاؤں کی چلمن سے پتھروں کا ایک محرابؑ دار کھنڈر سا نظر آیا جو پرانے زمانے کے کسی مقبرے کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ اُس کھنڈر کے درمیان سفید پتھروں کی ایک سمادھی بھی دکھائی دی۔ گھنے جنگل، بہتے چشمے، برگد کے بوڑھے درخت، ان گنت جٹاؤں اور جنگل کے سناٹے نے عجیب سا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ یقیناً یہ جگہ مکتی اور نروان کے متلاشیوں کے لئے بڑی موزوں تھی۔ جل پنا نے میرا بازو تھام لیا۔ ہم جھولتی جٹاؤں کی چلمن ہٹاتے محرابی کھنڈر کی دیوار تک آ گئے اور چند لمحے خاموش کھڑے اناتھ بنڈو کی سمادھی دیکھتے رہے۔ اچانک پنا نے خاموشی توڑی۔

''کیشپ بابو! ساؤ گاری کے باسی اس جگہ کو پوتر مانتے اور سمجھتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں جھوٹ نہیں بول سکتا ورنہ اُس پر اناتھ بنڈو کا شراپ پڑے گا۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے میں آپ کو یہاں کیوں لائی ہوں۔''

میں نے حیرت پاش نظروں سے اُس کی طرف دیکھا کیونکہ اُس کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ خود ہی کہنے لگی۔ ''میں آپ سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتی ہوں۔ اگر چہ مجھے یہ ادھیکار تو نہیں پھر بھی آشا رکھتی ہوں جو کچھ پوچھوں گی آپ اس کا صحیح جواب دیں گے۔''

میری حیرت دم بدم بڑھ رہی تھی۔ ''پوچھو...... کیا پوچھنا چاہتی ہو؟''

''پہلے آپ کو وچن دینا ہو گا کہ میرے اور آپ کے درمیان جو باتیں ہوں گی، اُن کا کسی تیسرے آدمی کو علم نہیں ہو گا۔''

''کیا مجھ پر بھروسہ نہیں؟''

''بھروسہ نہ ہوتا تو بلانے کی ہمت نہ کرتی۔''

''پھر وچن کی پابندی کیوں؟''

''اپنی گرتی ہوئی ذات کو سہارا دینا چاہتی ہوں۔'' وہ اسرار کی پتلی بنی میرے پہلو میں کھڑی تھی۔ میں نے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ کر وچن دیا کہ ہمارے درمیان جو باتیں ہوں گی پردۂ راز میں رہیں گی۔ جب وچن دے چکا تو اُس نے اپنی کٹوراسی آنکھیں اُٹھائیں اور مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے پہلا سوال کیا۔

''شہر سے اتنی دُور آپ ان پہاڑوں پر کیوں آئے ہیں؟''

میں اس سوال پر بڑا حیران ہوا اور مسکرا کر بولا۔ ''یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں تمہیں۔ یہاں نوکری کرنے آیا ہوں۔''

''آپ جیسے پڑھے لکھے اور مہان آدمی کو شہر میں بھی نوکری مل سکتی تھی۔ پھر ساؤ گاری میں کیوں؟''

میں اُسے کیسے سمجھاتا کہ شہروں میں نوکری ڈگری اور قابلیت سے نہیں رشوت اور سفارش سے ملتی ہے۔ یہ بتاتے ہوئے بھی شرم آ رہی تھی کہ سیٹھوں، مہاجنوں، کارخانوں اور دفتروں کو منشی، منیم، کاریگر اور کلرک چاہئیں۔ گیانی اور عالم نہیں۔ میں نے اُس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ ''سنو جل پنا......! مجھے تمہارے سوال کا کیا جواب دینا چاہئے، یہ میں نہیں جانتا مگر تم سچی بات سننا چاہتی ہو تو سچ یہ ہے کہ پچھلے دنوں شیلانگ کی بدھ کانفرنس میں سروپ جی سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ اُنہیں ایک سیکرٹری کی اور مجھے نوکری کی ضرورت تھی۔ ہماری ضرورتوں نے آپس میں سمجھوتہ کر لیا اور میں یہاں آ گیا۔''

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ آپ جیسا آدمی دنیا تیاگ کر ویرانے میں آ بسے۔''

سروپ جی نے بتا دیا تھا کہ وہ ایک پہاڑی ویرانے میں رہتے ہیں مگر میں ہرگز نہیں جانتا تھا وہ مہذب دنیا سے اتنی دُور رہتے ہوں گے۔'' اچانک مجھے جل پنا کا خیال آ گیا۔ ''تم بھی تو بھری پری دنیا چھوڑ کر یہاں آئی ہو۔''

''میں تو تقدیر کی ایک ٹھوکر، برے دنوں کی ایک کہانی ہوں جسے وقت کے بے رحم ہاتھ نے لکھا ہے۔ کبھی موقع ملا تو اپنی کہانی سناؤں گی۔ مگر اس وقت جواب دینے کی بجائے جواب سننا چاہتی ہوں۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کو اپنی نوکری کا مقصد تو معلوم ہو گا؟''

''یہی بات تو میں خود نہیں جانتا کہ اس نوکری کا مقصد کیا ہے؟

وکیل کو مقدمے کا علم نہ ہو اور وہ عدالت میں بحث کے لئے پیش ہو جائے، ڈاکٹر مرض نہ جانتا ہو اور علاج شروع کر دے...... کیا یہ اچنبھے کی بات نہیں کیشپ بابو؟''

''ہے...... مگر میں خود پریشان ہوں کہ یہ راستہ کہاں ختم ہو گا جس پر چل رہا ہوں۔''

''سروپ جی نے نہیں بتایا کچھ؟''

''نہیں...... مگر تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہی ہو؟''

اُس نے جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور ایک نیا سوال کر دیا۔

''پروہت گنجال سے آپ کی کب سے دشمنی ہے؟''

''میری اُس سے کیا دشمنی ہو گی؟ ساؤ گاری میں آنے سے پہلے میں نے اُس کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔''

''اُس کے نائب شنکر سے کوئی جھگڑا ہوا ہے آپ کا؟''

''ہرگز نہیں۔''

''پھر وہ آپ کی جان کا دشمن کیوں ہو رہا ہے؟''

پنا کے یہ الفاظ ہتھوڑے کی ضرب بن کر میرے دماغ پر پڑے۔ میں نے پروہت گنجال کی

آنکھوں میں اپنے لئے نفرت کی چمک دیکھی تھی مگر اس کا کارن، اس کا سبب نہ جان سکا تھا۔ آج پنا کی زبانی پتہ چلا کہ شنکر بھی مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔ یعنی گورو اور چیلے کو میرا ساؤ گاری میں آنا اچھا نہیں لگا اور یہ عجیب بات تھی کیونکہ میں سروپ جی کی خواہش پر یہاں آیا اور ابھی تک اپنی آمد کے اصل مقصد سے بے خبر تھا۔ پنا کی اطلاع کسی خطرے کی نشاندہی کر رہی تھی۔ میں نے اضطراب کی حالت میں دونوں ہاتھ اُس کے شانوں پر رکھ دیئے۔

''صاف صاف بتاؤ! ماجرا کیا ہے۔۔۔ تمہیں گنجال اور شنکر کی دشمنی کا علم کیسے ہوا؟''

وہ ایک ساعت چپ رہی، پھر بتانے لگی۔

''کل جب میں ناچ وِدیا کا پاٹ لے کر لوٹی اور پروہت گنجال کے وارانڈے سے گزری تو کمرے سے مدھم آواز میں باتیں کرنے کی بھنک کان میں پڑی۔ شاید میں دھیان بھی نہ دیتی کہ کواڑ کیوں بند ہیں اور وہ کمرے میں ہولے ہولے کس سے باتیں کر رہا ہے کہ ناگاہ آپ کا نام سن کر چونکی، ٹھٹکی، قدم آپ سے آپ رُک گئے اور میں بند کواڑوں سے لگ کر سننے لگی کہ بھلا تھارو کیشپ کا نام کس سلسلے میں لیا جا رہا ہے۔ پروہت گنجال شنکر سے کہہ رہا تھا۔ ''صرف تھارو کیشپ پر نظر رکھو! ابھی کسی کارروائی کی ضرورت نہیں۔''

''ضرورت کیوں نہیں گورو دیو! بلی پہلے ہی دن مار دینی چاہئے۔ آپ آگیا دیں تو کیوں نہ اُسے ختم کر کے تو تھ۔۔۔ کس کھڈ کھائی میں پھینک دوں؟ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔'' شنکر کی یہ بات سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ آپ کو جان سے مار دینے کی کیوں سوچ رہا ہے؟ پھر پروہت گنجال کی سرگوشی سنائی دی۔

''ابھی کچھ دن شانت رہو! میں دیکھوں گا۔ گھی سیدھی اُنگلی سے نہ نکلا تو پھر اُنگلی ٹیڑھی کرنی پڑے گی۔ ابھی کوئی قدم اُٹھانا ٹھیک نہیں۔''

''ان دنوں میں اگر تھارو کیشپ نے کام۔۔۔'' مگر گنجال نے شاید شنکر کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اُس کی بات روک دی تھی، پھر تیز سرگوشی میں کہنے لگا۔

''جب تک ہمارا کام نہ ہو جائے تم چپ رہو۔ تھارو کیشپ سے میں خود نمٹ لوں گا۔ اب جاؤ!'' یہ سن کر شنکر دروازے سے نکلنے والا ہے، میں تیزی سے مُڑی اور دبے پاؤں اپنے کمرے میں آگئی اور سوچنے لگی آخر پروہت گنجال اور شنکر کو آپ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ یہاں زمین کا کوئی مسئلہ نہیں، جائیداد کا بٹوارہ نہیں، ذات پات کا جھگڑا نہیں پھر وہ آپ سے کیوں نمٹنا چاہتے ہیں؟ مجھے جو پریشانی ہوئی بیان نہیں کر سکتی۔ چین برباد ہو گیا، دل اُڑنے لگا سوچا ابھی بھاگتی ہوئی جاؤں اور آپ کو خطرے سے آگاہ کر دوں۔ پھر خیال آیا ابھی ابھی تو آپ سے مل کر آ رہی ہوں اگر دوبارہ گئی تو شاید کوئی غلط مطلب سمجھے۔ پھر پروہت گنجال نے شنکر کو ہدایت

کی تھی کہ آپ پر نظر رکھے۔ ہو سکتا ہے وہ چھپ کر نگرانی کر رہا ہو اس لئے یہی مناسب سمجھا کہ جب سہ پہر کے وقت آپ سیر کرنے چلے جائیں گے تو آپ کے کمرے پر کسی کی نظر نہ ہوگی۔ میں چھپ کر کمرے میں پہنچ جاؤں گی اور آپ کی واپسی کا انتظار کروں گی۔ میں نے یہی کیا اور شام تک وہاں بیٹھی انتظار کرتی رہی۔ آپ سیر سے لوٹے بھی تو کمرے میں نہیں آئے۔ تھک ہار کر آپ کے بستر پر لیٹی اور سو گئی۔ صبح شاسترو نے آ کر جگایا اور بتایا کہ آپ تو رات بھر سروپ جی کے بوڑھے دادا کی خبر گیری کرتے رہے ہیں۔ پھر میں صبح ہی صبح وہاں سے بھاگی اور ناچ وِدیا کے لئے بھی نہ آ سکی۔ سوچا آپ رات بھر جاگے ہیں، دن کو سو جائیں گے۔ آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی مگر خطرے سے آگاہ کرنا بھی ضروری تھا۔ شاسترو کے ہاتھ سندیس بھجوایا کہ سہ پہر کو مجھے اناتھ بن میں ضرور ملیں۔ جب آپ سروپ جی کو ساؤ گاری کے پھاٹک پر رخصت کر رہے تھے کمرے میں رقعہ بھی چھوڑ آئی تھی۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے، میں خطرے کی اطلاع دینے کے لئے کتنی بے چین اور پریشان تھی۔ اگر آپ نہ آتے تو مجھے افسوس ہوتا۔''

پنا کی زبانی یہ کہانی سن کر میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ پروہت گنجال کی نفرت کا پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں۔ اب معلوم ہوا کہ میں تو باقاعدہ گورو اور چیلے کی زد میں ہوں۔ مگر حیرت یہ تھی کہ آخر مجھ سے کون سا جرم سرزد ہو گیا ہے جس کی پاداش میں مجھے ہلاک کر دینے کی تجویزیں سوچی جا رہی ہیں؟ یہی سوال پنا کو پریشان کر رہا تھا۔ بے چین سی ہو کر پوچھنے لگی۔ ''آپ نے پوری بات سن لی ہے کیشپ بابو۔۔۔! دشمنی کا کوئی کارن سمجھ میں آیا؟''

''نہیں۔ پروہت گنجال سے میرا کوئی جھگڑا نہیں۔ میں نے اُس کے کسی معاملے میں ٹانگ نہیں اڑائی پھر وہ نفرت کیوں کرتا ہے۔۔۔ مجھ سے نمٹنا کیوں چاہتا ہے؟''

''اب تو مجھے بھی اُس سے ڈر آنے لگا ہے۔''

''تمہیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''پروہت گنجال کی نظریں آج کل میرا بھی تعاقب کر رہی ہیں۔ دو دن پہلے کی بات ہے وہ مندر میں مجھ سے ملا اور کہنے لگا۔ ''تم بدلتی جا رہی ہو جل پنا!'' مگر اُس نے میرے بدلنے کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ صرف اتنا کہا۔ ''یہ مت بھولنا کہ تم بھگوان کی نرتکی ہو بس۔۔۔'' اور یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا۔ کیشپ بابو! اُس کی آنکھوں میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔''

جل پنا کی یہ اطلاع بھی فکر انگیز تھی۔ اِدھر میرے ذہن میں شنکر کی قاتلانہ تجویز اور پروہت گنجال کے الفاظ گونج رہے تھے کہ وہ مجھ سے خود نمٹ لے گا۔ تصور میں اُس کا چہرہ ایک شیطانی ہیولے کی طرح گھومنے لگا اور دماغ کے ہر گوشے، ہر خانے، ہر پردے سے ایک ہی آواز سنائی دینے لگی۔ ''خطرہ۔۔۔ خطرہ۔۔۔ خطرہ۔۔۔'' ان آوازوں کے درمیان جنہیں صرف میں سن رہا

تھا کسی نے مجھے مشورہ دیا کہ میں واقعات پر غور کروں۔ شنکر اور پروہت گنجال کی باتوں پر زیادہ توجہ دُوں اور خطرے کی وجہ ڈھونڈ نکالوں۔ یہ میرے اندر کا تھارو کیشپ تھا جس نے ذہن کو ایک نئی لائن پر ڈال دیا اور میں سوچنے لگا بھلا شنکر مجھے کیوں ختم کر دینا چاہتا ہے؟ اُس نے تو یہ بھی کہا تھا۔ ''ان دنوں میں اگر تھارو کیشپ نے کام...... '' اور میں نے اس نامکمل فقرے کو پورا کر دیا۔ ''اگر تھارو کیشپ نے کام بگاڑ دیا۔'' پروہت گنجال نے اُسے حکم دیا تھا۔ ''جب تک ہمارا کام نہ ہو جائے تم چپ رہو۔'' اب ذہن میں بات واضح ہو گئی کہ ساؤ گاری میں پروہت گنجال کوئی ایسا کام کر رہا ہے کوئی ایسا ناٹک کھیل رہا ہے جسے میں بگاڑ سکتا ہوں۔ اُس کی پچویشن تبدیل کر سکتا ہوں اور کسی ناٹک یا ڈرامے کا مصنف جو ڈائریکٹر بھی ہو نہیں چاہتا کہ اُس کے کھیل کی پچویشن تبدیل ہو جائے یا کوئی اداکار جسے وہ کٹھ پتلی کی طرح نچا رہا ہو اپنا کردار بدل دے۔ دو دن پہلے پروہت گنجال نے شاسترو سے بھی اس اندیشے کا اظہار کیا اور پوچھا تھا۔ ''یہ جل پنا آج کل کیشپ جی کے پیچھے کیوں بھاگی پھرتی ہے؟'' اور شاسترو کے منطقی ذہن نے اس سوال سے نتیجہ اخذ کیا تھا کہ پروہت گنجال کو شبہ ہے شاید جل پنا آپ سے پریم کرنے لگی ہے۔ اور جل پنا میں اس کے سوا اور کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی کہ وہ میرے پاس آنے جانے یا شاید مجھ سے پریم کرنے لگی تھی۔ یکلخت جیسے کسی رشی کو گیان ہوتا ہے، کسی ملہم پر وحی اُترتی ہے ایک شور آفرین دھماکے سے میرے ذہن کے دریچے کھل گئے اور مجھ پر یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ جل پنا کو مجھ سے پریم نہیں کرنا چاہئے ورنہ پروہت گنجال کی پچویشن تبدیل ہو جائے گی۔ پنا کا وہ کردار بدل جائے گا جو گنجال کے ڈرامے میں پہلے سے طے شدہ ہے۔ اب میں اس نفرت کا سبب بھی سمجھ گیا جو میں نے اُس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں دیکھی تھی اور اُس دشمنی کا معمہ بھی حل ہو گیا جس کی وجہ سے شنکر مجھے قتل کر کے میری لوتھ کسی کھائی یا کھڈ میں پھینک دینا چاہتا تھا۔ پروہت گنجال کی باتوں سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ جل پنا کو اپنی ''ملکیت'' سمجھتا اور ساؤ گاری میں اُسے کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے اسی لئے اُسے ہرگز پسند نہیں تھا کہ پنا مجھ سے میل جول رکھے، مجھ پر اعتماد کرنے لگے کیونکہ میں اُسے گنجال کا آلہ کار نہ بننے دُوں گا۔

اناتھ بندو کی سمادھی کے پاس کھڑے کھڑے مجھے جو گیان ہوا وہ میرے اور جل پنا کے باہمی لگاؤ سے تعلق رکھتا تھا اور پروہت گنجال کا یہ خیال مذہبی اعتبار سے غلط بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ جب پنا اپنی سندر جوانی کو ناچ بھگتی کے لئے وقف کر چکی، بھگوان کی نرتکی بن گئی اور اسی مقصد کے لئے اپنا جیون گزارنے کا وچن دے چکی ہے تو پھر بھگوان کی نرتکی کو کسی سے پریم کرنے کا حق نہیں رہتا۔ وہ مسلسل میری خاموشی اور سوچ بچار سے بڑی پریشان ہو گئی تھی اور

میں ابھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ جو عجیب و غریب گیان مجھے ہوا ہے جل پنا کو اس سے آگاہ کروں یا خاموش رہوں؟ دل اور دماغ کے درمیان ایک عجیب سی کشمکش جاری تھی۔ وہ میری یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا سی گئی اور اپنی پریشانیوں کو الفاظ میں سمیٹتی ہوئی بولی۔ ''کیشپ بابو! آپ چپ کیوں ہو گئے؟ بولتے کیوں نہیں...... کچھ بولئے نا! میرا من گھبرا رہا ہے۔''

میں نے سوچ لیا کہ حقیقت اُس پر واضح کر دینی چاہئے۔

''سنو جل پنا! پروہت گنجال کو میرا اور تمہارا میل جول پسند نہیں اور اسی لئے وہ میرا دشمن بن گیا ہے۔''

''اُسے ہمارا میل جول کیوں پسند نہیں؟''

''کیونکہ تم بھگوان کی نرتکی ہو۔ وچن دے چکی ہو کہ اپنا جیون ناچ بھگتی میں گزارو گی اور تمہیں یہ وچن نہیں توڑنا چاہئے۔''

''آپ سے کس نے کہا کہ میں وچن دے چکی ہوں؟''

میں نے حیرت پاش نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ ''کیا تم نے کوئی وچن نہیں دیا...... کوئی قسم نہیں کھائی؟''

''نہ کوئی قسم کھائی ہے نہ کوئی وچن دیا ہے۔''

''اور پروہت گنجال کا تم پر کوئی ادھیکار نہیں؟''

''کیسا ادھیکار کیشپ بابو...... ! بھگوان کی نرتکی ہوں، پروہت گنجال کی نہیں۔ اگر اُس نے مجھ پر ادھیکار کا دعویٰ کیا ہے تو غلط ہے۔ میں کسی کی پابند نہیں، اپنے شوق سے ناچتی ہوں اور بھگوان شاکیہ منی کے سامنے ناچتے ہوئے مجھے سکون ملتا ہے۔''

میں اُسے حیرت اور تعجب کی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اب وہ ایک نئی جل پنا دکھائی دے رہی تھی۔ میرے دل سے ایک بوجھ اُتر گیا تھا اور یہ جان کر میری بے قراری کو قرار سا آ گیا تھا کہ اُس نے کوئی وچن نہیں دیا، اُس پر کسی کا ادھیکار نہیں۔ میں زیرِ لب بولا۔

''پھر تو سب ٹھیک ہے۔''

پہاڑی جنگل کی ہوا کا ایک جھونکا اُس کی زلفوں سے کھیلتا اور ساڑھی کے آنچل میں لہریں پیدا کرتا گزر گیا۔ وہ کہنے لگی۔ ''جب پروہت گنجال مجھ پر بگڑا تھا کہ میں بدل رہی ہوں اور چیتاؤنی دے کر لوٹ گیا تھا کہ ''تم بھگوان کی نرتکی ہو بس...... '' تو میرے من میں اسی وقت شبہ گزرا تھا اُسے آپ سے میرا ملنا جلنا اچھا نہیں لگا اور چاہتا ہے کہ میں آپ سے نہ ملوں۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکتی...... نہیں کر سکتی۔''

مجھے یوں لگا جیسے اُس کے سینے میں جذبات کا ایک طوفان موجزن ہے اور جوار بھاٹے

کے ساتھ ساتھ اُس کا دل کبھی ڈوبتا، کبھی اُبھرتا ہو۔ اسی عجیب سی کیفیت میں اُس کی ہرنی کی سی آنکھوں میں نئی چمک پیدا ہوئی اور وہ آنکھیں مجھ سے مخاطب ہوئیں، بولنے لگیں اور جل پنا اپنی زبان میں مجھے ان کی بولی سمجھانے لگی۔

"کیشپ بابو! میں نے پوچھا تھا کہ آپ شہروں کو چھوڑ کر، دنیا تیاگ کر ان پہاڑوں پر کیوں آگئے ہیں؟ آپ نے ساؤ گاری میں نوکری کیوں کر لی اور اس نوکری کا مقصد کیا ہے؟ تو آپ نے بڑا عجیب سا جواب دیا اور نوکری کا مقصد سمجھنے سے انکار کیا۔ مگر میں بتاتی ہوں کہ آپ ساؤ گاری میں صرف میرے لئے آئے ہیں یا بلایا تو بے شک سروپ جی نے ہے لیکن وہ بھگوان شاکیہ منی کی پراسرار طاقت اور شکتی ہے جو آپ کو یہاں تک کھینچ لائی ہے کیونکہ بھگوان جانتے ہیں کہ جل پنا قسمت کی آنکھ سے ٹپکا ہوا ایک آنسو ہے جسے تھارو کیشپ کے دامن کی ضرورت ہے ورنہ وہ مٹی میں مل جائے گی۔ تو اب سمجھے کہ شہروں سے دور اس ویرانے میں آپ آئے نہیں لائے گئے ہیں جس طرح ایک برس پہلے میں ماڈلے کے ناچ آشرم سے یہاں لائی گئی تھی کیونکہ بھگوان کو یہی منظور تھا کہ ہم دونوں رتنا گری کے اس سورگ میں ملیں۔"

ناگاہ مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک نیا آدم ہوں اور رتنا گری کی جنت میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ نیکی اور بدی کے درخت کی پہچان کروں اور اس حوا کو جو جل پنا کے رُوپ میں سب سے تنہا اور اکیلی ہے، سہارا دوں۔ پھر مجھے جنت کے اس شیطان کا بھی خیال آیا جس نے عورت کو بہکایا تھا اور میرے اندر کا تھارو کیشپ بول اُٹھا۔ "پروہت تنجال ہی وہ شیطان ہے جو ساؤ گاری میں بھی رہتا ہے اور سانپ کے رُوپ میں رتنا گری کے ایک پہاڑی کھڈ میں بھی بسیرا کر لیتا ہے۔" اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب پنا نے پہاڑی ٹیلے کا وہ کھڈ دکھایا جس میں گرتے گرتے بچا تھا تو اُس کے دہانے پر رینگتے ہوئے سانپ کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں مجھے اُس پر پروہت تنجال کا شبہ ہوا تھا تو معلوم ہوا کہ رتنا گری کی یہ وادی میرے اور جل پنا کے لئے ایک سورگ، ایک جنت کی حیثیت رکھتی ہے جہاں بھگوان شاکیہ منی نے ہمارا ملاپ کرایا ہے۔ کیونکہ پنا کا یہی خیال تھا اور اس جنت میں ایک سانپ بھی ہماری تاک میں تھا مگر میں نے فی الحال سانپ کو نظر انداز کر دیا اور جل پنا کے الفاظ کی مٹھاس میں کھو گیا جو سمجھی تھی کہ میں ساؤ گاری میں صرف اس کی خاطر آیا یا بھیجا گیا تھا اور اُس نے بھگوان کے حوالے سے اپنے پریم کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ اُس کی آنکھوں کی چمک میں، دل کے مدوجزر میں، پورے وجود میں میرے ساتھ کسی تعلق کی ایک شدید خواہش کروٹیں لے رہی تھی جبھی تو اُس نے خود کو "قسمت کی آنکھ کا آنسو" اور مجھے "ایک دامن" قرار دیا تھا۔ مگر میں تو اس "آنسو" کو اپنی قسمت کا ستارہ سمجھ رہا تھا جو ساؤ گاری کے کالے آکاش پر چمکا اور شکرہ یا زہرہ کی طرح ایک نئی سمت اشارہ کر رہا تھا۔ یہ

جان کر جل پنا مجھ سے خاص لگاؤ رکھتی اور ساؤ گاری میں میری آمد کو اپنی خوش نصیبی سمجھتی ہے، میرے سراپا میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اچانک میں نے پوچھا۔

"کیا واقعی تم یہی سمجھتی ہو میں یہاں خود نہیں آیا بلکہ تمہارے لئے لایا گیا ہوں؟"

"یہ میرا وہم نہیں، وشواس ہے۔" اب وہ میرے ساتھ آ لگی اور میں اُس کے سندر، جوان اور کنوارے بدن کی گرمی اور تازگی محسوس کرنے لگا۔ اُس نے بتایا۔ "جس دن سے آپ آئے ہیں میرے من کو شانتی مل گئی ہے۔ ساؤ گاری کی چھوٹی سی ویران سی دنیا بڑی سندر لگنے لگی ہے اور کوئی مجھے کہتا ہے کہ آپ میرے ہیں...... صرف میرے۔ میں نہیں جانتی مجھے آپ سے یہ لگاؤ، یہ پریم کیوں ہے؟ مگر میں نے آپ کو اپنا بھگوان مان لیا ہے۔"

یہ کہہ کر جل پنا نے اپنا سر میرے کندھے پر رکھ دیا اور میرے بازو آپ سے آپ اُس کی کمر کے گرد حمائل ہو گئے۔ میں اُس کے ہاتھوں کا ارتعاش، جوان بدن کی کیف آور لرزش، سینے کا زیر و بم اور دل کی دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا اور جنگل، پہاڑ، جھرنے، چشمے، درخت سب کے سب مسکراتے، بولتے، گنگناتے، جلترنگ بجاتے ہمارے اردگرد رقص کر رہے تھے۔ اور رتنا گری کی پوری وادی، پوری کائنات ہم دونوں کے محور پر گھوم رہی تھی۔ شاید جنت گم گشتہ میں عورت اور مرد کا پہلا ملاپ بھی اسی طرح ہوا تھا اور یہ کائنات ان کے گرد بھی اسی طرح گھومی تھی۔ مگر اچانک یہ گردش تھم گئی...... پہاڑوں، جھرنوں، جنگلوں اور درختوں کا رقص رُک گیا...... رتنا گری کی وادی پھر اصل حالت پر آ گئی کیونکہ پنا مجھ سے الگ ہو چکی اور سمادھی کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہہ رہی تھی۔

"کیشپ بابو! میں نے اس پوتر استھان پر اپنے پریم کا اقرار کیا اور آپ نے مجھے گلے لگایا ہے۔ یہ رشتہ، یہ سمبندھ کبھی نہیں ٹوٹنا چاہئے۔"

"پریم کے رشتے کہاں ٹوٹتے ہیں؟ تم میرا پہلا پیار ہو اور پہلا پیار امر ہوتا ہے۔"

جل پنا کے عارضوں پر سرخی سی دوڑ گئی جیسے شفق کا رنگ بکھر جائے لیکن جنگل کے سائے گہرے ہو گئے تھے اور بوڑھے برگد کے نیچے شام کا سماں ہونے لگا تھا حالانکہ پچھم کی جانب آکاش پر ابھی سورج اپنی روشنی بکھیر رہا تھا۔ ہم دونوں خوش تھے اور جنگل کی مہک میں اب ہمارے پیار کی مہک بھی شامل ہو گئی تھی۔ وقت کی نزاکت کا تقاضہ تھا کہ لوٹ چلیں کیونکہ سورج غروب ہونے میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا تھا اور ساؤ گاری تک ہمیں اڑھائی تین میل چلنا تھا۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا تو جل پنا کو بھی واپسی کا خیال آیا۔ ہم دونوں ہاتھ باندھ کر سمادھی کو پرنام کر کے پلٹے اور برگد کی لمبی لمبی جٹاؤں کی چلمن سے گزر کر چشمے کے کنارے کنارے چلنے لگے۔

آج سے میں اور جل پنا پریم کی ڈور میں بندھ گئے تھے اور شاید رتنا گری کی وادی میں میرے آنے کا یہی مقصد تھا کہ ایک ایسی لڑکی کا ساتھی بن جاؤں جو نہ جانے کن حالات کا شکار ہو کر اس دنیا میں پہنچ گئی تھی۔ چلتے چلتے وہ کہنے لگی۔

''کیشپ بابو......! میں سوچ رہی ہوں سروپ جی ہاٹی پارہ سے لوٹ آئیں تو اُن کے سامنے پروہت گنجال کو بتا دُوں گی کہ میں آپ سے پریم کرتی ہوں۔ پھر دیکھوں گی وہ کیا......''

''ارے......'' میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''ایسی غلطی کبھی بھول کے بھی نہ کرنا۔''

وہ ٹھٹھک کر رُک گئی۔ ''کیوں......کیا برائی ہے اس میں؟''

''ابھی تو یہی معلوم نہیں کہ پروہت گنجال کیا ناٹک کھیل رہا ہے اور تمہیں پریم سے کیوں روکنا چاہتا ہے۔ اگر بات اُس کی مرضی کے خلاف ہوئی تو کام بگڑ جائے گا۔''

''پھر میں کیا کروں؟'' وہ پھر میرے ساتھ چلنے لگی۔

''بس خاموش رہو!''

''مگر وہ میری وجہ سے آپ کا دشمن بن گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں یہ دشمنی ختم ہو جائے اور آپ پر کوئی آنچ نہ آئے۔''

''تم نے اُس کے سامنے پریم کا اقرار کر لیا تو اُس کی دشمنی ختم نہ ہوگی بلکہ بڑھ جائے گی۔ اور شاید شنکر کچھ کر گزرے۔''

اُس کے ہونٹوں پر سسکی کی آواز اُبھری، پھر مجھ پر گرتے گرتے اُس نے میرا بازو تھام لیا اور پریشان سے لہجے میں بولی۔ ''اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میں برباد ہو جاؤں گی کیشپ بابو!''

''تم نے مجھے اتنا کمزور کیوں سمجھ لیا ہے پنا......!'' میں اُسے دائیں بازو کے گھیرے میں لے کر آگے بڑھا۔ ''میں صرف کتابیں نہیں پڑھتا، خطرے سے نمٹنے کی ہمت بھی رکھتا ہوں۔''

''آپ نہیں جانتے پروہت گنجال کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔''

''اور تم یہ نہیں جانتی کہ تھاروکیشپ کے ہاتھ کتنے مضبوط ہیں۔'' میں اُسے سمجھانے لگا۔ ''آدمی صرف بے خبری یا اندھیرے میں مار کھاتا ہے مگر تم نے مجھے ہوشیار کر دیا ہے تو مات میری نہیں گنجال کی ہوگی۔''

اُس کی ہرنی کی سی وحشت زدہ آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔ میں اُس کے دل پر چھائے ہوئے پریشانی کے سائے دُور کر دینا چاہتا تھا۔ ''میرا ہاتھ تھاما ہے تو مجھ پر بھروسہ بھی کرو۔ اب تم اکیلی ہو، نہ میں تنہا ہوں۔ ہم دونوں مل کر ہر مشکل کا سامنا کریں گے۔''

یہ سن کر وہ کچھ مطمئن سی نظر آنے لگی اور میں سوچ رہا تھا کہ پروہت گنجال نہ جانے مجھ سے کس طرح نمٹنا چاہتا ہے۔ ممکن ہے وہ اندھیرے میں وار کرے اس لئے مجھے بھی اُس سے پنجہ

لڑانے اور ہر حملہ ناکام بنا دینے کے لئے ہر وقت چوکس رہنا ہوگا کیونکہ اس وقت میں مہذب دنیا سے کوسوں دُور ایک ایسے پہاڑی ویرانے میں ہوں جہاں کوئی قانون لاگو نہیں۔ اگر وہ کسی کو ہلاک بھی کر دے تو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اُس نے اپنے چہرے پر پارسائی کا نقاب ڈال رکھا ہے اور ساؤ گاری کا کوئی باسی بھی اُس پر شبہ نہیں کر سکتا۔ اچانک میرے اندر سے آواز آئی۔

''ارے تھاروکیشپ! پنجہ لڑانے کی سوچ رہے ہو، دماغ لڑانے کی کیوں نہیں سوچتے؟ محبت اور جنگ میں ہر فریب جائز ہوتا ہے۔ پڑھے لکھے آدمی ہو کوئی ترکیب نکالو کہ ساؤ گاری کا پروہت چوکڑی بھول جائے۔ مکار دشمن کو دھوکے سے مارنا چاہئے۔ سمجھے!'' اس کے ساتھ ہی ایک عجیب سا خیال ذہن میں آیا۔ ایک نئی ترکیب سوجھ گئی۔ ترکیب میرے اندر کے تھاروکیشپ ہی نے مجھے سمجھائی تھی کہ میں پروہت گنجال کو دھوکہ دُوں مگر اس ترکیب کو آزمانے کے لئے جل پنا کا تعاون ضروری تھا۔

چشمہ پیچھے رہ گیا۔ ہم گھنے جنگل سے نکل آئے تھے۔ اب چھدرے درختوں کے درمیان سے وہ پہاڑی ٹیلہ نظر آ رہا تھا جس کے کھڈ میں اس جنت کے سانپ کو رینگتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نے چلتے چلتے کہا۔

''جل پنا! تم یہی چاہتی ہو نا کہ پروہت گنجال یا اُس کا نائب شنکر مجھ پر حملہ نہ کرے؟''

''ہاں کیشپ بابو......! آپ کو پا لینے کے بعد یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ میری توجہ سے آپ پر کوئی کشٹ آئے۔''

''پھر تمہیں گنجال کو اپنے اعتماد میں لینا ہوگا۔ اُس پر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ تم مجھ سے پریم نہیں کرتیں۔''

''آپ چاہتے ہیں میں جھوٹ بولوں؟''

''اس میں حرج ہی کیا ہے؟''

''مگر میں جھوٹ موٹ بھی اپنے پیار سے انکار نہیں کر سکتی کیشپ بابو! وہ بات کمزور ہوتی ہے جس میں دل زبان کا ساتھ نہ دے سکے۔''

''یہ تو پروہت گنجال کو دھوکہ دینے کی ترکیب ہے۔ تم اس سے شکایت کرو گی کہ ناچ وڈیا کے بارے میں بہت کچھ جاننے کے باوجود میں تمہیں کچھ سکھا نہیں رہا صرف ٹال مٹول کرتا رہا ہوں۔ ہر روز جب تم میرے پاس آتی ہو، کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جاتا ہوں، تمہاری پرواہ نہیں کرتا اور میرا سلوک بھی اچھا نہیں ہوتا۔''

وہ اُنہی قدموں رُک گئی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''اتنا سا جھوٹ بول دینے میں تو کوئی حرج نہیں مگر اس سے ہوگا کیا؟''

''کم از کم گنجال کا یہ شبہ دُور ہو جائے گا کہ ہم ایک دوسرے سے پیار کرنے لگے ہیں۔ اگر

اُس کی دشمنی کی وجہ ہمارا پیار ہے تو اُس کا رویہ بدل جائے گا اور میں اُسے دھوکے میں رکھ کر یہ بھید معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ تمہیں مانڈلے سے ساؤ گاری میں لانے کا اصل مقصد کیا ہوسکتا ہے۔''

اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

''آپ نے بالکل ٹھیک سوچا ہے۔ گنجال کو دھوکے میں رکھنا چاہیئے۔''

جب ہم شمالی پربت کے جنگل سے ساؤ گاری کی طرف روانہ ہوئے، مغربی آسمان پر سورج پہاڑوں کی اوٹ میں روپوش ہونے والا تھا اور رتنا گری کی وادی پر شام کے سائے پھیلنے والے تھے۔ ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اور دلوں میں پیار کی دھڑکنیں سمیٹے تیز تیز چل رہے تھے اور جنگل، پہاڑ، جھرنے ایک بار پھر بولتے، گنگناتے، ناچتے محسوس ہو رہے تھے۔ جل پنا کی کیفیت کچھ عجیب تھی۔ اُس کی آواز بدل گئی تھی، بات کرنے کا انداز بدل گیا تھا، رفتار بدل گئی تھی اور اب یوں چل رہی تھی جیسے کوئی پہاڑی چشمہ پتھروں سے ٹکراتا، جلترنگ بجاتا گزر رہا ہو یا ہوا کا بدمست جھونکا لہر لیتا آگے بڑھتا ہے۔ شام کا ملگجا اندھیرا اُترنے سے پہلے ہی ہم ساؤ گاری کے قریب پہنچ گئے۔ واپسی پر سفر کا مطلق احساس نہ ہوا۔ شاید اس لئے کہ راستہ سیدھا تھا اور رفیق سفر جل پنا تھی۔ اڑھائی تین میل کا فاصلہ باتوں ہی باتوں میں طے ہو گیا تھا مگر ساؤ گاری کے پھاٹک میں ہم اکٹھے داخل نہیں ہوئے۔ جل پنا کو پہلے بھیج دیا، خود دس پندرہ منٹ کے بعد پہنچا اور ساؤ گاری کے وسیع وعریض صحن کے درمیان سے گزرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

غالباً کسی کو بھی اس بات کا علم نہیں ہو سکا تھا کہ میں شمالی پربت کے جنگل میں بھگوان کی نرتکی سے مل کر آ رہا ہوں۔ مغربی فصیل کی برجی پر شاسترو دکھائی نہ دیا۔ شاید وہ سوتی کے کنبے کا نیا گھر بنا کر کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ مگر دل ہی دل میں اُس کے ''بھوت'' کا بے حد شکر گزار تھا جس نے مجھے جل پنا سے جنگل میں ملنے کی ترغیب دی تھی۔ اگر آج اُس سے نہ ملتا تو ساری عمر افسوس رہتا۔ یہی سوچتا راہداری سے گزر کر اپنے کمرۂ نشست میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کمرے میں لالٹین روشن تھی اور اُس روشنی میں شاسترو کسی بھوت کی طرح فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پھدک کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے تعجب سے پوچھا۔

''ارے شاسترو! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟''

''آپ کا انتظار کر رہا تھا پربھو! بہت دیر لگا دی۔''

''ہاں دیر تو ہو گئی۔ مگر مجھے افسوس ہے آج سیر کے لئے تجھے ساتھ لے جانا بھول گیا۔''

میرا خیال تھا وہ ناراضگی کا اظہار کرے گا، اپنی منطق میں جلی کٹی سنائے گا اور منہ بسور کر بات کرے گا۔ مگر مسکرا کر کہنے لگا۔ ''کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی ایسی بھول ہو جانی چاہیئے۔ یہ کہو

جل پنا سے ملاقات ہوئی؟''

میں اس اچانک سوال پر گھبرا سا گیا اور اپنا سابقہ رویہ برقرار رکھتے ہوئے بولا۔

''کیا تو سمجھتا ہے میں جل پنا سے ملنے گیا تھا؟''

''اور کہاں گئے تھے؟'' اُس نے ہنستی مسکراتی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور کہا۔ ''آپ نے وعدہ کیا تھا مجھ سے کہ جل پنا کو ملنے ضرور جاؤ گے۔''

''ارے کب وعدہ کیا تھا میں نے؟''

''بھول گئے پربھو! ساؤ گاری سے نکل کر جب اناتھ بنڈو کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں مجھ سے کیا باتیں ہوئی تھیں؟''

میں بوکھلا کے رہ گیا۔ ''تو کہاں تھا اُس وقت؟''

''ساؤ گاری میں۔''

''پھر راستے میں مجھ سے باتیں کرنے والا کون تھا؟''

''وہ بھی میں ہی تھا۔''

''ارے تو یہاں بھی تھا اور وہاں بھی...... بھوت ہے یا آدمی؟''

''بگڑتے کیوں ہو پربھو! جب دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اور ایک دوسرے کا خیال پریشان کرتا ہے تو آدمی دُور رہ کر بھی اپنے من کی بات کر لیتا ہے۔'' پھر وہ بتانے لگا۔ ''میں پچھلی برجی سے آپ کو شمالی پربت کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا تو میرا خیال آپ کے پیچھے لگ گیا اور میں نے من ہی من میں آپ کو ایک بار پھر سمجھایا کہ پنا سے ملنا بہت ضروری ہے۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے آپ کہہ رہے ہو کہ جل پنا سے ضرور ملوں گا۔ اور پربھو! اگر آپ اُس سے نہیں ملے ہو تو میرا من جھوٹا ہے۔''

بونے شاسترو کی زبان سے یہ عجیب وغریب ماجرا سن کر دنگ رہ گیا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ''شاسترو کا بھوت'' جو راستے میں سر پر سوار ہو گیا تھا، میرے وہم کی تخلیق ہے یا محض میری پریشان خیالی کا نتیجہ۔ مگر یہ سن کر کہ وہ ساؤ گاری کی پچھلی برجی پر کھڑا مجھے اناتھ بن کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا اور اُس نے اپنے من ہی من میں مجھے جل پنا سے ملنے کی تاکید ہی نہیں کی بلکہ ملاقات کا وعدہ بھی لے لیا تھا۔ میں حیرت کی منجدھار میں ڈوبتا چلا گیا اور بونا شاسترو سچ مچ ایک بھوت ہی دکھائی دیا۔ لیکن ٹھیک اُسی لمحے میرے اندر سے آواز آئی۔

''پریشان کیوں ہوتے ہو تمہارو کیشپ! جسے شعبدہ سمجھ رہے ہو، اُسے دُور بیٹھے دو آدمیوں کے ذہنی رابطے یا ''ٹیلی پیتھی'' کا نام کیوں نہیں دیتے؟''

اور یہ انکشاف بھی بڑا حیران کن تھا کہ میں شاسترو سے یا شاسترو مجھ سے دُور ہونے کے

باوجود ذہنی رابطہ قائم کر لیتے ہیں۔ میں سوچ اور پریشانی میں گم تھا کہ شاسترو کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ”کیا سچ مچ جل پنا سے نہیں ملے ہو پربھو......؟“

”ارے...... وہ تو میں تجھے یونہی بنا رہا تھا۔ جل پنا سے مل آیا ہوں۔ بات چیت بھی ہوئی ہے۔ سب ٹھیک ہے۔ مگر یہ بتا آج شنکر تو ساؤ گاری سے باہر نہیں نکلا؟“

”نہیں...... آج میں نے اُسے باہر جاتے نہیں دیکھا۔ میرا خیال ہے اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ کیونکہ پروہت گنجال اُس کے لئے کوئی دوا تیار کر رہا تھا۔“

اس کا مطلب یہ تھا کہ آج شنکر میری نگرانی نہیں کر سکا یا جب میں سیر کرنے نکل جاتا ہوں نگرانی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ وہ غالباً اس بات کی دیکھ بھال پر مقرر کیا گیا تھا کہ میں جل پنا سے کب ملتا، کیا باتیں کرتا اور کیا پروگرام بناتا ہوں؟ اُس سے ملاقات چونکہ ساؤ گاری ہی میں ہوتی تھی اس لئے میری نگرانی بھی ساؤ گاری تک محدود تھی۔ غالباً پروہت گنجال یا شنکر کو یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ہم اس بوڑھی عمارت سے باہر کسی جنگل میں بھی مل سکتے ہیں۔ میں نے سوچا کیوں نہ ہر روز کی ملاقات کو بھی جوان کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی ہے، غیر اہم بنا دیا جائے۔ فوراً ایک تجویز ذہن میں آئی اور میں نے اُس سے پوچھا۔ ”ارے شاسترو! صبح کے وقت جب جل پنا میرے پاس ناچ وِدیا سیکھنے آتی ہے، تو کہاں ہوتا ہے؟“

”اُس سمے تھوڑی سی یوگا کرتا ہوں۔“

”کل سے تیری یوگا بند......“

”وہ کیوں پربھو؟“

”تو جل پنا کو اپنے ساتھ لے کر آیا اور جایا کرے گا۔ اور جب تک وہ میرے کمرے میں رہے گی، تو بھی موجود رہے گا۔“

اُس نے پلکیں جھپکائیں، کان کھجایا، ایک دو پل خاموش رہا، پھر بولا۔ ”اپنے بچاؤ کا یہ گر اچھا ہے پربھو...... !مگر جل پنا کو اُسی طرح آنے دو جیسے وہ ہر روز آتی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے تو اپنی یوگا نہیں چھوڑ سکتا؟“

”نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں پنا کے ساتھ آنے جانے لگا تو یہ ایک نئی اور انوکھی بات ہوگی اور ساؤ گاری میں ایسی کوئی ریت نہیں کہ کسی پر پہرہ بٹھایا جائے یا اُس کی دیکھ بھال کی جائے۔ پھر وہ تو بھگوان کی نرتکی ہے، اس پر کون پہرہ بٹھا سکتا ہے؟“

خیال آیا جب یہ ایک نئی بات ہوگی تو خواہ مخواہ سب کی توجہ کا ذریعہ بنے گی اس لئے شاسترو کے مشورے پر اپنی تجویز مسترد کر دی۔

جل پنا سے ”اناتھ بن“ میں ملنے کے بعد میری زندگی کا دھارا ہی بدل گیا تھا۔ اب اُس

مقصد سمجھ میں آنے لگا اور ساؤ گاری میں میری آمد قدرت کی مرضی معلوم ہونے لگی۔

رات کا کھانا کھا چکنے کے بعد جب شاسترو برتن لے کر چلا گیا تھا، میں بستر پر نیم دراز دیر تک انہی خیالوں میں گم رہا کہ بی۔اے کرنے کے بعد اگر مجھے کلکتہ، ڈھاکہ یا رنگامتی ہی میں کوئی نوکری مل جاتی تو نہ میں آسام آتا، نہ شیلانگ کی بدھ کانفرنس میں شریک ہوتا، نہ سروپ جی سے ملاقات ہوتی، نہ وہ مجھے ملازمت کی پیشکش کرتے، نہ میں ساؤ گاری میں آتا، نہ جل پنا سے مل پاتا...... گویا شہروں میں نوکری کا نہ ملنا ہی سروپ جی سے ملنے، ساؤ گاری میں آنے اور جل پنا ایسی سندر نرتکی سے پیار کرنے کا سبب بن گیا تھا۔ یہ دنیا اسباب کا کارخانہ ہے۔ یہاں ہر بات کا کوئی سبب اور ہر سبب کی کوئی علت ہوتی ہے۔ ایک چیز دوسری چیز کا ذریعہ بنتی اور ایک سبب دوسرا سبب پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح قسمت یا زندگی کا سلسلہ چلتا ہے۔

بی۔اے کرنے کے بعد جب میں نوکری کی تلاش میں بھٹک رہا تھا، اپنی بدنصیبی پر کڑھتا اور خود کو کوسا کرتا تھا کہ میں بھی کیا نصیب لے کر پیدا ہوا ہوں مگر آج وہی ”بدنصیبی“ مجھے ساؤ گاری تک لے آئی تھی اور جل پنا سے ملاقات کے بعد میں اپنے آپ کو انتہائی خوش نصیب آدمی سمجھنے لگا۔ اس کی خاطر پروہت گنجال تو کیا ہر شیطان سے ٹکر لینے پر تیار ہو گیا تھا۔ کل تک اس بات پر پچھتا رہا تھا کہ سوچے سمجھے بغیر ساؤ گاری کیوں آ گیا؟ آج یوں لگ رہا تھا اگر ساؤ گاری نہ آتا تو زندگی کی سب سے بڑی خوشی سے محروم ہو جاتا اور شاید ساری عمر پچھتاتا بھی۔

اب مجھے ہر قیمت پر ساؤ گاری میں رہنا تھا۔ جل پنا کی حفاظت کرنا تھی، اپنے آپ کو بچانا تھا اور اس کے لئے ضروری تھا کہ میں سروپ جی کا مزید اعتماد حاصل کر لوں اور انہوں نے جو کام میرے سپرد کیا ہے، اس میں غفلت نہ برتوں...... ارے! وہ باٹی پارہ جاتے ہوئے جو کتاب مجھے دے گئے تھے آج اُسے تو پڑھ ہی نہیں سکا اور دوسرے خیالوں میں کھویا رہا ہوں۔

بھگوان بدھ کی مورتیوں کے بارے میں ہندی زبان کی وہ تاریخ میں نے کمرۂ نشست میں رکھی تھی اور جنگل سے واپسی کے بعد اُس کا دھیان ہی نہ رہا حالانکہ آج رات مجھے اس کا مطالعہ کرنا تھا۔ فوراً بستر سے نکل کر لالٹین اُٹھائی اور چوبی زینہ اُتر کر نیچے آیا۔ پھر الماری سے کتاب لے کر پلٹ رہا تھا کہ معاً خیال آیا کل رات کی طرح کہیں آج بھی بھگوان کی مورتی بھٹکتی ہوئی میرے کمرے میں نہ آ جائے۔ میں نے لالٹین کی روشنی میں کمرے کا اچھی طرح جائزہ لیا کہ وہ پہلے ہی آ کر کسی جگہ چھپ نہ گئی ہو مگر کمرہ خالی تھا۔ پھر دروازے کی کنڈی دیکھی وہ بھی چڑھی ہوئی تھی۔ یہ اطمینان کرنے کے بعد زینے پر پاؤں رکھا، سونے کے کمرے میں لوٹ آیا اور کتاب لے کر بستر پر نیم دراز ہو گیا تو نہ جانے کیوں یہ سوچنے لگا کہ ”پیتل کا بھگوان“ شاید میرے کمرۂ نشست کی چوبی سیڑھیاں نہیں چڑھ سکے گا۔ حالانکہ یہ بے تکی سوچ تھی۔ جب پیتل

کی مورتی بند دروازے کھول سکتی ہے تو سیڑھیاں کیوں نہیں چڑھ سکتی؟

بہت اچھا..... اگر آج مورتی آئی بھی تو پوچھوں گا۔ ''بھگوان! ساوگاری میں کیا کرتے پھر رہے ہو؟ اور جل پنا یہاں کیوں لائی گئی ہے؟'' اور اس کے ساتھ ہی پروہت گنجال کا خیال سانپ بن کر میرے ذہن کی پگڈنڈی پر رینگنے لگا۔ میں نے فوراً اُس سانپ کو ذہن سے جھٹک دیا اور محسوس کیا کہ میں کچھ زیادہ ہی سوچنے اور خیالوں کی دنیا میں بھٹکنے لگا ہوں..... یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ مجھے کام کی فکر ہونی چاہیے۔

میں نے تمام خیالوں، وہموں، وسوسوں کو بھگا دیا، دماغ کی کھڑکی بند کر لی اور یکسوئی کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کرنے لگا۔ اب کوئی خیال مجھے پریشان نہ کر سکتا تھا کیونکہ کتاب کا اندازِ تحریر دلچسپ تھا۔ مورتیوں کی تحقیق پر بڑی محنت کی گئی تھی۔ میں اُس کی عبارتوں میں محو ہوتا چلا گیا۔ اس کتاب میں بھی پیتل کی صرف تین مورتیوں کا ذکر تھا جو بھگوان بدھ کے سورگ باش ہونے کے بعد پہلی صدی میں تیار کی گئی تھیں۔ میں نے ان مورتیوں کی تفصیلات بھی نوٹ کر لیں۔ میرے اندازے کے مطابق تینوں مورتیوں کا حال اُس قلمی نسخے ہی سے نقل کیا گیا تھا جس کا رات مطالعہ کر چکا تھا کیونکہ مورتیوں کا ذکر یہاں بھی اُسی ترتیب سے تھا یعنی ایک لندن کے برٹش میوزیم میں، دوسری چین کے شہر میکاؤ میں اور تیسری کلکتے کے فورٹ ولیم عجائب گھر میں۔ اوّل الذکر دونوں مورتیوں کے بارے میں قلمی نسخہ اور ہندی تاریخ کے مصنف کی معلومات یکساں تھیں۔ البتہ اس کتاب میں تیسری مورتی پر کچھ مزید اظہارِ خیال کیا گیا تھا۔ میں نے اس عبارت پر غور کیا اور اُسے بھی ایک علیحدہ کاغذ پر نقل کر لیا۔ یوں تھی وہ عبارت۔

''بعض لوگوں کا وچار ہے کلکتے کے فورٹ ولیم عجائب گھر میں جو مورتی رکھی گئی وہ اُنیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے شہر پٹنہ کی کھدائی سے دستیاب ہوئی تھی جس کا بدھ مت کے ماننے والے ملکوں میں بڑا چرچا ہوا۔ بہت سے بدھ حکمرانوں نے اُسے حاصل کرنے کی کوشش بھی کی۔ بعض بھکشو فورٹ ولیم کے اردگرد چکر لگاتے رہے اور کلکتے میں مورتی کے لئے ہنگامے بھی ہوئے۔ مگر ایسٹ انڈیا کمپنی سرکار کے گورنر جنرل نے اس مورتی کو شمالی ہندوستان کے کسی عجائب گھر میں محفوظ کرا دیا تھا جس کا پھر کوئی پتہ نہ چل سکا۔ کہتے ہیں کہ بدھ بھکشوؤں اور عالموں کے نزدیک یہ مورتی بڑی مقدس سمجھی جاتی تھی کیونکہ اُسے بھگوان بدھ کے خاص اور بڑے ہی پیارے ششش (شاگرد) آنند بھکشو نے اس کے سورگ باش ہونے کے بعد تیار کرایا تھا۔''

جب میں آخری سطریں نقل کر رہا تھا، اچانک خیال آیا کہ بھگوان کے شاگرد آنند بھکشو اور اس کی تیار کردہ مورتی کا ذکر پہلے بھی کبھی سن چکا ہوں۔ میں کتاب بند کر کے اپنی یادداشت

کے صحرا میں نکل گیا کہ کہیں نہ کہیں اُس یاد کو ڈھونڈ نکالوں جو نہ جانے کہاں کھو گئی تھی مگر کوشش کے باوجود اُس کا کوئی سراغ نہ پا سکا۔ سوچا کہیں اس مضمون میں تو مورتی کا ذکر نہیں کیا تھا جو میں نے سروپ جی کی اپیل پر ''جوتی پتر'' کے لئے لکھا تھا؟ کچھ کاغذات وغیرہ میں اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ ان میں مضمون کا اصل مسودہ اور ''جوتی پتر'' کا رسالہ بھی موجود تھا۔

بستر سے نکل کر اٹیچی کیس سے رسالہ اور مسودہ دونوں نکال لئے لیکن مضمون کا جائزہ لیا تو اُس میں آنند بھکشو کی مورتی کا کہیں ذکر نہ تھا اور یہ ایک عجیب بات ہوئی تھی کہ میں نے بھگوان بدھ کی مورتیوں کے بارے میں ایک مضمون بڑی تحقیق اور محنت سے لکھا مگر سب سے اہم بلکہ مقدس مورتی کا ذکر کرنا بھول ہی گیا تھا۔ حالانکہ میرے ذہن میں یادوں کا جو باؤ برولا سا اُڑا تھا اُس کے مطابق میں نے آنند بھکشو والی مورتی کا ذکر کہیں سکول کے زمانے میں سنا تھا۔ مگر کہاں..... کب.....؟ اس وقت کچھ یاد نہ آ رہا تھا۔ میں نے بار بار اپنے ذہن پر زور دیا، بار بار پرانی یادوں کے نقوش کھرچنے کی کوشش کی مگر یوں لگتا تھا پرانی یادوں کے ساتھ میں اپنا ذہن بھی کہیں رکھ کے بھول گیا ہوں۔ جب حافظے کی لوح پر یادِ رفتہ کا کوئی نقش اُجاگر نہ ہو سکا تو اٹیچی کیس بند کر کے پھر بستر پر آ گیا۔

یہ تو یاد نہ آ سکا کہ آنند بھکشو کی مورتی کا ذکر کب، کہاں اور کس سے سنا تھا لیکن کتاب سے جو عبارت نقل کی تھی اُس کے نیچے ایک نوٹ کا اضافہ کر دیا اور لکھا:۔

''آنند بھکشو نے بھگوان کی جو مورتی بنوائی تھی، اُسے بدھ دھرم میں واقعی بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ میں نے خود غالباً سکول کے زمانے میں کہیں اس کے بارے میں بعض دلچسپ باتیں سنی تھیں مگر اس وقت کچھ یاد نہیں آ رہا کہ یہ ذکر کس نے کیا تھا۔ اگر یاد آ جائے تو شاید آنند بھکشو کی مورتی پر کچھ روشنی پڑ سکے۔''

ضروری نہیں تھا کہ سروپ جی جس مورتی کی تلاش میں ہیں وہ یہی ہو مگر میں نے احتیاطاً ساری باتیں نوٹ کر لی تھیں کہ کہیں ذہن سے یہ خیال بھی محو نہ ہو جائے۔ رات کافی گزر چکی تھی اور میں تھک بھی گیا تھا لہٰذا سونے کی تیاری کرنے لگا۔ لالٹین بجھائی تو نہیں البتہ اُس کی لو مدھم کر دی تھی جس سے کمرے کا اُجالا ملگجا ہو گیا تھا۔ یہ احتیاط اس لئے ضروری سمجھی کہ اگر رات کو کوئی کمرے میں داخل ہو تو اُس کی صورت دیکھ سکوں۔ پھر بستر میں دبک گیا اور لمبی تان کر ایسا سویا کہ کچھ ہوش نہ رہا۔

رات نہ تو بھگوان کی مورتی کمرے میں آئی نہ شنکر آ سکا جس کے بارے میں خیال تھا کہ اگر وہ چاہے تو نیند کی حالت میں میرا گلا بھی گھونٹ سکتا ہے۔ صبح معمول کے مطابق بیدار ہوا اور

حوائج ضروری سے فارغ ہونے اور ہاتھ منہ دھونے کے بعد کمرۂ نشست میں آ بیٹھا۔ جل پنا صبح ہی صبح آ جایا کرتی تھی۔ میں بڑی بے چینی کے ساتھ اُس کا انتظار کرنے لگا۔ آج گھڑی کی سوئیوں کی رفتار شاید مدھم ہو گئی تھی اور وقت جیسے چیونٹی کی چال سے گزر رہا تھا۔ میں بار بار گھڑی دیکھتا اور بار بار دروازے پر جل پنا کے قدموں کی آہٹ سننے کی کوشش کرتا۔ وقت بہر حال گزر رہا تھا اور گھڑی کی سوئیاں بھی حرکت میں تھیں۔ لیکن آج پنا نے خلافِ معمول آنے میں دیر کر دی تھی۔ جب ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد بھی وہ نہ آئی تو میں پریشان سا ہو گیا۔ اُس نے اتنی دیر کبھی نہ کی تھی۔ نہ جانے آج کیا بات ہوئی ہے؟ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟ کہیں پروہت گنجال نے نہ روک دیا ہو، کوئی جھگڑا نہ ہو گیا ہو۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا اور ہر پل، ہر گھڑی میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی کہ ناگاہ دروازے پر آہٹ ہوئی، کواڑ کھلے مگر جل پنا کی بجائے شاسترو کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

میری آنکھوں میں حیرت کی جھلملیاں سی دیکھ کر وہ بولا۔ ''کیا بات ہے پربھو! بڑے پریشان بیٹھے ہو؟''

''جل پنا ابھی تک نہیں آئی ہے۔'' میں نے اپنی پریشانی کا اظہار کر دیا۔ ''ضرور کوئی بات ہوئی ہے۔ پروہت گنجال نے اُسے روکا ہے ورنہ وہ تو بہت جلدی آ جاتی ہے۔''

''وہ آج نہیں آئے گی۔''

شاسترو کی اس بات نے مجھے مزید حیران کر دیا۔ ''کیوں......؟''

''آج ناچ پوجا کا دن ہے۔ اور اُسے مندر میں ناچنا ہے۔''

''ارے...... '' میرے ذہن سے فکر کا بوجھ ٹل گیا۔ ''مجھے تو یاد ہی نہیں تھا۔''

''آج کل بہت بھولنے لگے ہو پربھو! اسی لئے تو یاد دلانے آیا ہوں کہ آج ناچ پوجا کے لئے مندر جانا ہے۔''

اور اُسی لمحے مندر میں کانسی کی گھنٹیوں کی آواز بلند ہوئی اور سادگاری کی پوری عمارت اُن کے مدھر شور سے گونجنے لگی۔ یہ گھنٹیاں مندر میں بھی بج رہی تھیں، میرے کانوں میں بھی اور من میں بھی۔ کیونکہ یہ بھگوان کی سندر رتکی کے بھگتی ناچ کی اطلاعی گھنٹیاں تھیں۔ شاسترو نے بتایا۔

''سروپ جی یہاں ہوں نہ ہوں، منگل کے دن ناچ پوجا ضرور ہوتی ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''جب سروپ جی نہیں ہوتے، ناچ کے بعد جل پنا کو آشیرباد کون دیتا ہے؟''

''پروہت گنجال۔''

مجھے یہ بھی دیکھنا تھا کہ پروہت گنجال آج اُس سے کس طرح پیش آتا ہے۔ یہی سوچتا ہوا کرسی سے اُٹھا۔ شاسترو تو مجھے لینے ہی آیا تھا۔ میں اُس کے ساتھ کمرے سے نکلا اور طویل

راہداری میں چلنے لگا۔ باہر گھنٹیوں کا شور اردگرد کے پہاڑوں سے ٹکرا کر ایک عجیب سی صدائے بازگشت پیدا کر رہا تھا جیسے کسی کارواں کے کوچ کرنے کی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ مگر ان کا شور رخصتی کا پیغام نہیں بلکہ ایک بلاوا تھا۔

شاسترو میرے پیچھے پیچھے چلتا آ رہا تھا۔ آسمان پر بادل بھاگے پھرتے تھے اور پہاڑی دَرّوں سے ہوا کی شوکار سنائی دے رہی تھی۔ ہم چلتے رہے۔ آخر مندر کی بیرونی غلام گردش سے گزر کر آگے پیچھے چند سیڑھیاں اُترے اور نیم تاریک ہال میں داخل ہوئے جہاں بہت سے ''سائے'' فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے اور بھگوان بدھ کے عظیم الہیئت مجسمے کے چرنوں میں دو چراغ روشن تھے جن کی مدھم روشنی ہال میں مکر اُجالا سا کر رہی تھی۔ میں شاسترو کے ساتھ ٹھیک اُسی جگہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا جہاں پچھلے منگل کو بیٹھا تھا۔

بھگوان بدھ کے عظیم الجثہ مجسمے کے سامنے جس کا سر اُونچی چھت سے ٹکرا رہا تھا، پیتل کے خوشبو دانوں میں جو مجسمے کے قریب ہی تھے، صندل کی خوشبو سلگ رہی تھی جو بدھ کو بہت پسند تھی۔ چند ہی لمحوں میں پروہت گنجال اپنے نائب شنکر کے ساتھ عقبی دروازے سے نمودار ہوا اور ہال میں دُور تک بیٹھے ہوئے ''خاموش سایوں'' پر اچٹتی سی نظر ڈال کر جن پر ''مٹی کی مورتوں'' کا گمان ہوتا تھا عظیم مجسمے کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے اپنے حلق سے ایک مخصوص آواز نکالی جس کے ساتھ ہی کہیں کانسی کی تھالیوں، ڈھولک اور بانسریوں کا مدھر سنگیت شروع ہو گیا اور جل پنا پہلے کی طرح گھنگھرو بجاتی، جادو جگاتی عقبی سیڑھیوں سے تھرکتی نیم تاریک ہال میں جلوہ گر ہوئی اور بھگوان کے سرخ مجسمے کے سامنے پہنچ کر ناچ بھگتی کا مظاہرہ کرنے لگی۔

آج اُس کا لباس بھی مختلف تھا اور ناچ کا انگ بھی بدلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ لباس سے جسم کی دلکشی عیاں ہو رہی تھی۔ اُس نے ایک ایسی لڑکی کا رُوپ دھار لیا تھا جو مکتی اور نجات کی تلاش میں نکلتی ہے مگر موہ مایا کے جال میں پھنس کر بھگوان کو ناراض کر لیتی ہے۔ آخر اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ پیار اور دولت کے سب بندھن توڑ کر بھگوان کی طرف بھاگتی ہے۔ اس عرصے میں چونکہ نجات کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس لئے سنگیت کے کربناک شور میں جو اُس کے من کی بےکلی کا اظہار کرتا ہے وہ نراش ہو کر تڑپتی اور فرش پر گر جاتی ہے۔

میں یہ تمثیلی ناچ دیکھ کر پریشان سا ہو گیا جس میں عورت کے موہ مایا کے جال میں اُلجھنے سے بچنے کی تلقین کی گئی تھی کیونکہ اس طرح وہ ابدی نجات سے محروم ہو جاتی ہے۔ مگر یہ ناچ کسی اور کو نہیں خود جل پنا ہی کو سمجھانے کی خاطر ترتیب دیا گیا تھا کہ کسی پیار کے جال میں نہ پھنس جائے۔ وہ قریباً آدھ گھنٹے تک ناچتی اور مختلف جذبوں کا اظہار کرتی رہی۔ جب سنگیت کے بے ہنگم شور میں تڑپ کر گر گئی پروہت گنجال نرم قدموں سے بڑھا اور اُس کے قریب پہنچ کر رُک

گیا۔ موسیقی تھم گئی۔ ساز خاموش ہو گئے۔ جل پنا کھڑی ہوئی تو گنجال نے لمبی آستین والا بازو لہرا کر اُسے آشیر باد دی اور کہا۔

''دھن بھاگ جل پنا! تو نے عورت کے من کی کلپنا کو ناچ بھگتی کے رنگ میں پیش کیا۔ بھگوان تیرے من کو بھی شکتی دے۔ مگر یہ ناچ جیسا میں چاہتا تھا ویسا نہیں ہو سکا۔ اس کے لئے تجھے اور محنت کرنی ہوگی۔''

جل پنا گردن جھکا کر خاموش کھڑی رہی بالکل کسی مسحور معمول کی طرح، تو معلوم ہوا یہ تمثیلی ناچ پروہت گنجال ہی کے ہوشیار ذہن نے ترتیب دیا تھا۔ ناچ پوجا ختم ہو چکی تھی مگر ساؤ گاری کے سب باسی بدستور چپ چاپ بیٹھے تھے کیونکہ جب تک گنجال اُنہیں جانے کی آ گیا نہ دیتا یا خود ہال سے نکل نہ جاتا وہ باہر نہیں جا سکتے تھے۔ ان کے ساتھ میں بھی بیٹھا تھا۔ ناگاہ گنجال نے میری جانب ہاتھ اُٹھایا اور بولا۔

''کیشپ جی! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ذرا یہاں آئیں۔''

اس خلافِ توقع بات پر میں حیران بھی رہ گیا اور پریشان بھی ہوا کہ نہ جانے وہ مجھے کیوں بلا رہا ہے؟ لیکن مندر میں اُس کا حکم ماننا بہر حال ضروری تھا۔ میں دل میں یہ ٹھان کر اُٹھا کہ اگر اُس نے جل پنا سے ملنے جلنے کے بارے میں کوئی ناگوار بات کی تو منہ توڑ جواب دُوں گا۔ قریب پہنچا تو اُس نے اپنی سانپ کی سی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ سے ایک شکایت ہے۔''

''میرا ماتھا ٹھنکا۔'' مگر میں نے آپ کو کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔''

''شکایت مجھے نہیں جل پنا کو ہے۔''

''جل پنا کو اگر کوئی شکایت ہے تو مجھ سے کہہ سکتی ہے۔ یہ ناچ وِدّیا سیکھنے روز میرے پاس آتی ہے۔''

''اسی بات کی شکایت ہے کیشپ جی! آپ ناچ کلا کے اتنے بڑے گیانی ہیں پر پنا کو کچھ سکھاتے نہیں، دھیان نہیں دیتے اس پر۔''

میں نے حیران سی نظروں سے جل پنا کی طرف دیکھا جو گردن لٹکائے، سر جھکائے خاموش کھڑی تھی..... اچھا تو اُس نے میری بتائی ترکیب استعمال بھی کر ڈالی اور دلچسپ بات تو یہ ہوئی کہ اس کا نتیجہ میری توقع کے عین مطابق نکلا۔ اب خود پروہت گنجال ساؤ گاری کے تمام باسیوں کے سامنے مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ میں جل پنا کو ناچ وِدّیا نہیں سکھاتا، اس پر دھیان نہیں دیتا۔

''تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں پنا کو ناچ وِدّیا سکھاؤں؟''

''کیوں نہیں؟ یہ ناچ کلا سے پیار کرتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کی ناچ کلا امر ہو جائے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مہاراج! مگر میں یہاں ناچ وِدّیا سکھانے نہیں آیا۔''

''یہ میں جانتا ہوں کیشپ جی! آپ سروپ جی کے بلاوے پر آئے ہیں۔ پر میں بھی ساؤ گاری کا پروہت ہوں۔'' پھر اُس نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور ایک پل ٹھہر کے کہا۔ ''آپ کو میری بات ماننی ہوگی۔ آپ جل پنا کو ناچ وِدّیا سکھائیں گے۔ کیونکہ یہ میں کہتا ہوں۔''

''میں تو خود چاہتا تھا وہ اصرار کرے، مجھ پر زور دے، میں کچھ کتراؤں، پہلو بچاؤں تا کہ وہ مجھے جل پنا کا پریمی نہ سمجھے مگر اُس کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ میں کچھ پریشان سا ہو گیا جیسے وہ حکم دے رہا تھا۔ میرے انکار کو بے معنی سمجھتا تھا۔ حالانکہ خود اس ترکیب کا شکار ہو گیا تھا جو میرے اندر کے تھارو کیشپ نے بنائی تھی۔ میں نے انکار مناسب نہ سمجھا یا پھر انکار نہ کر سکا اور بولا۔

''آپ کہتے ہیں تو آئندہ میں جل پنا پر پوری توجہ دُوں گا۔ اسے ناچ کلا سکھاؤں گا۔''

''شکریہ کیشپ جی! میری یہ چنتا دُور ہوئی۔'' پھر وہ پنا سے مخاطب ہوا۔ ''آج سے تم کیشپ جی کی شِشں (شاگرد) بن گئی ہو۔''

پنا نے فوراً میرے چرن چھو لئے اور میں سوچ رہا تھا اگر پروہت گنجال نے ''شِشں'' کا لفظ استعمال نہ کیا ہوتا تو بات کتنی خوبصورت ہوتی..... ''آج سے تم کیشپ جی کی بن گئی ہو۔'' مگر وہ اتنی آسانی کے ساتھ ہم دونوں کے بیچ سے کس طرح نکل جاتا؟ کہنے لگا۔

''یہ ساؤ گاری میں بھگوان کی نرتکی بن کے آئی ہے۔ اس کا جیون ناچ بھگتی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اب ناچ ہی اس کا نروان ہے۔ یہ آپ بھی یاد رکھیں۔''

یہ کہہ کر وہ مُڑا اور عقبی دروازے کی سمت چلنے لگا۔ شنکر لپک کر اُس کے پیچھے ہو لیا اور دونوں ہال سے نکل گئے۔ اُس کے آخری الفاظ کسی میخ کی طرح میرے دل میں کھب گئے تھے۔ ''یہ آپ بھی یاد رکھیں۔'' ان الفاظ میں پروہت گنجال مجھے دھمکی دے گیا تھا کہ ناچ وِدّیا کے سوا میں جل پنا سے اور کوئی تعلق نہ رکھوں اور یوں لگا جیسے اس فقرے نے تلوار کی طرح میرے وجود کو دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ میں کچھ ایسا کھو سا گیا کہ جل پنا کو بھی بھول گیا جو ابھی تک میرے پاس ہی کھڑی تھی۔ اور جب نظر اُٹھا کر دیکھا تو ساؤ گاری کے باسی ہمارے اردگرد جمع ہو چکے تھے۔ وہ سب مجھ سے ملنے اور باتیں کرنے کے مشتاق تھے کیونکہ شاستر و کہہ رہا تھا......

''پربھو! یہ لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں، کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ان کی بات سن لو۔''

میں اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو تعداد میں 32 تھے۔ کچھ جوان، کچھ بوڑھے مگر زیادہ

پکی عمر کے لوگ ہی تھے۔ اُن میں وہ سات بھکشو نظر نہ آئے جنہوں نے اپنی زبانیں کٹوا دی تھیں۔ غالباً پروہت گنجال کے نکلتے ہی وہ اپنے حجروں میں چلے گئے تھے۔ کچھ عورتیں بھی آسام کا قبائلی لباس پہنے ایک جانب کھڑی تھیں۔ پچھلے منگل کو میں نے ناچ پوجا میں صرف پانچ عورتیں دیکھی تھیں مگر آج اُن کی گنتی آٹھ تھی۔ میرے اندازے کے مطابق ساؤ گاری کی آبادی ایک چھوٹی سی بستی ہی کے لگ بھگ تھی۔ ایک بوڑھا جس کا جسم تو بے شک ابھی مضبوط تھا لیکن سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے اور عمر کے گزرے ہوئے سال چہرے کی جھریوں میں بدل گئے تھے سب سے آگے کھڑا تھا، شاسترو نے تعارف کرایا۔

''پربھو! یہ گونا ہے۔ لوگ اسے گونا دادا یا گونا مکھیا کہتے ہیں۔''

گونا دادا نے فوراً مجھے پرنام کیا اور کہا۔ ''ہم ساؤ گاری میں آپ کا سواگت کرتے ہیں پربھو! آپ کا آنا سب کے لئے بھاگوان ہو۔''

''گونا......! شاید تم سب سے پہلے یہاں آئے تھے۔'' میں نے یونہی بات چلائی۔

''ہم باہر سے نہیں آئے نہ ہم نے باہر کی دنیا دیکھی ہے۔''

''تو پھر......؟'' میری حیرت بڑھنے لگی۔

''ہم سب نے یہیں جنم لیا ہے پربھو! اور یہیں اپنا جیون بِتا کر بھگوان کے پاس چلے جائیں گے۔ ہمارے پرکھوں نے بھی یہی کیا تھا۔''

شاسترو مجھے سمجھانے لگا۔ ''ساؤ پریوار کے بانی گوچی ساؤ کے جو نوکر اور سیوک بدھ دھرم قبول کر کے ساؤ گاری میں بس گئے تھے یہ لوگ اُنہی کی اولادیں ہیں۔ کچھ چلے گئے کچھ یہاں رہ گئے۔ اب گونا دادا ان لوگوں کے مکھیا ہیں۔''

یہ انکشاف بڑا حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھا کہ وہ لوگ تین صدیوں سے نسل در نسل یہیں آباد رہے اور باہر کی دنیا سے اُن کا کوئی تعلق نہ تھا۔ شاید ساؤ خاندان کے ساتھ اُس کے نوکروں نے بھی مکتی اور نروان کے لئے دنیا ترک کر کے ساؤ گاری کی سکونت اور تنہائی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ گونا دادا نئی نسل کا سب سے معمر آدمی اور سب کا بزرگ تھا اس لئے اُن کا مکھیا کہلاتا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ ''ابھی ایک برس ہوا کہ جل پنا آئی اور یہاں پھر سے ناچ پوجا ہونے لگی۔ اب آپ آئے ہیں اور پنا کو ناچ کلا سکھائیں گے پربھو! ناچ پوجا ہو یا نہ ہو ہمیں یہیں رہنا، یہیں جینا، یہیں مرنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں آپ دونوں بھی یہاں سکھی رہیں۔ ہمیں آپ کی سیوا کر کے آنند ملے گا۔ اب ہمیں آگیا دیں۔''

گونا مکھیا نے ایک بار پھر پرنام کیا اور ''جے بھگوان'' کہہ کر مڑا۔ اس کے ساتھ ہی ساؤ گاری کے سب باسی ''جے بھگوان'' کہتے اُس کے پیچھے ہو لئے اور ہال سے نکل گئے۔

میں، جل پنا اور شاسترو وہیں کھڑے اُنہیں جاتا دیکھتے رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ اُن سب کا جنم مرن تو ساؤ گاری سے بندھا ہے مگر میں اور جل پنا یہاں باہر سے آئے یا لائے گئے ہیں اس لئے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم یہاں اُداس نہ ہوں۔ جل پنا تو اُن کے لئے ''پرانی'' ہو چکی تھی صرف میں نیا تھا۔ اُنہوں نے میرے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا اور یہ اچھی بات تھی۔ اب میں یہاں تنہا نہ تھا۔ اچانک شاسترو کی آواز سنائی دی۔ ''پربھو! کیا گونا دادا کے ساتھ آپ بھی باہر چلے گئے ہو؟ اب واپس آ جاؤ نا! یہاں جل پنا آپ کی واپسی کا انتظار کر رہی ہے۔''

میں نے فوراً رُخ بدلا اور معذرت کی۔ ''معاف کرنا جل پنا......! میں ان لوگوں کے دھیان میں کھو گیا تھا جن کے باپ دادا اسی عمارت میں جیون گزار کر رخصت ہو گئے اور اب وہ بھی اپنے پرکھوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔''

''بہت سیدھے لوگ ہیں بیچارے۔'' پھر وہ ساؤ گاری کے باسیوں کے علاوہ جیسے شاسترو کی موجودگی کو بھی نظر انداز کر کے بولی۔ ''اب تو پروہت گنجال نے بھی آگیا دے دی ہے کیشپ بابو! کیا اب بھی آپ مجھے ناچ کلا نہیں سکھائیں گے؟''

''سکھانی ہی پڑے گی۔ بھلا پروہت گنجال کا حکم کیسے ٹال سکتا ہوں؟''

میرے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر شاسترو فوراً بول اُٹھا۔ ''مجھے بھی کچھ سکھا دو پربھو! ناچ کلا نہیں۔ میں بھلا کیا ناچوں گا۔ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔ بس کوئی ایسا منتر سکھا دو کہ میں بھی کسی کو چکمہ دے سکوں۔ پروہت گنجال کی باتیں سن کر تو یوں لگا جیسے گنگا ہی اُلٹی بہنے لگی ہو۔''

''ہشت......'' میں نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ہو سکتا تھا ٹُنکر کسی نادیدہ گوشے میں چھپ کر دیکھ رہا ہو اور ہماری باتیں بھی سن رہا ہو۔ مگر بو نے منطقی نے میرے اس خیال کو مسترد کر دیا۔

''ڈرو نہیں پربھو......! یہاں ہم تینوں کے سوا صرف ایک بھگوان ہے وہ بھی پتھر کا جسے ہماری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔''

''ارے احمق! دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''دیواروں کے کان ہوں یا ہاتھ پاؤں۔ مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ پروہت گنجال نے آپ کو جل پنا سے ملنے اور ناچ وِدیا سکھانے کی آگیا دے دی ہے۔''

''تو جسے آگیا سمجھ رہا ہے وہ ایک دھمکی ہے۔''

''کیا کہتے ہو پربھو؟''

''ٹھیک کہتا ہوں۔ پروہت گنجال ایک ایسا بادل ہے جس میں صرف پانی ہی نہیں بجلیاں بھی بھری ہوئی ہیں۔''

جل پنا پریشان سی نظر آنے لگی۔ ''شاید میں نے شکایت کرنے میں جلدی کی ہے۔''

''نہیں...... تم جب بھی شکایت کرتیں نتیجہ یہی نکلتا۔ مگر کچھ برا نہیں ہوا۔ میں پروہت گنجال کو زیادہ سمجھنے لگا ہوں۔''

''اور وہ دھمکی کیا ہے؟ میں نے تو کوئی دھمکی نہیں سنی۔''

''اُس کے لہجے میں چھپی ہوئی تھی۔ پھر بتاؤں گا۔'' میں نے جل پنا کو تسلی دی۔ ''تم اپنا آنا جانا جاری رکھو اور اُس کا اعتماد ٹوٹنے نہ دو۔''

شاسترو نے ایک نئی بات بتائی۔ ''دھمکی پروہت گنجال کے لہجے میں نہیں آنکھوں میں ہوتی ہے پربھو!''

اچانک مجھے خیال آیا کہ ہمارا مندر کے ناچ ہال میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا مناسب نہیں۔ میں نے جل پنا کو رخصت کر دیا اور خود شاسترو کے ساتھ باہر نکل آیا...... ساؤ کاری کی غلام گردش میں چلتے ہوئے بھی میرے ذہن میں گنجال کا یہ فقرہ سانپ کی طرح بل کھاتا رینگ رہا تھا کہ..

''جل پنا کا جیون ناچ بھگتی کے سوا اور کچھ نہیں اور ناچ ہی اس کا نروان ہے۔ یہ آپ بھی یاد رکھیں......'' مگر یہاں کے باسیوں کو تو ناچ پوجا سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ ناچ پوجا ہو یا نہ ہو انہیں ہر حال میں یہیں رہنا، یہیں جینا، یہیں مرنا ہے۔ پھر ناچ بھگتی کیوں؟ اور پروہت گنجال اس پر اتنا زور کیوں دے رہا ہے؟ یہ سوال بار بار میرے ذہن میں پھنکارنے اور کروٹیں بدلنے لگا۔

OOO

(6)

جل پنا کی کہانی

غلام گردش سے عمارت کی وسطی ڈیوڑھی میں داخل ہو کر ہم اُس لمبی راہداری میں نکل آئے جس میں کچھ فاصلے پر میرا کمرہ تھا۔ مندر سے اُس راہداری تک میرا ذہن لگاتار ''کیوں...... کیوں......'' کی گردان کرتا رہا اور جب اپنے کمرۂ نشست میں داخل ہوا تو باہر بادلوں نے ڈھول سا بجا دیا اور ادھر میرے اندر کا تھارو کیشپ چلا اُٹھا......

''معلوم کرو پروہت گنجال جل پنا کی ناچ بھگتی پر اتنا زور کیوں دیتا ہے؟''

اور اب پتہ چلا اس ''کیوں'' کی گرہ کھل جائے تو اس سربستہ ڈور کا سرا میرے ہاتھ میں آ جائے گا۔ دری کی آرام کرسی پر بیٹھنے بلکہ گرنے کے ساتھ ہی میں نے پھٹی پھٹی نظروں سے شاسترو کی طرف دیکھا۔ یہی منطقی ہونا اس ''کیوں'' کی گرہ کھول سکتا ہے۔ شاید اُس نے میری دلی کیفیت کا اندازہ کر لیا تھا۔ کہنے لگا۔

''من کیوں چھوٹا کرتے ہو پربھو! جل پنا کے لئے آپ کو پروہت گنجال سے اُلجھنا ہوگا۔''

''بیٹھ جا شاسترو!''

وہ فرش پر آلتی پالتی مار کے بیٹھ گیا۔ ''ارے کرسی پر۔''

''نہیں پربھو......! اُونچی جگہ پر بیٹھنے سے ڈر لگتا ہے۔''

''اچھا...... تو مجھے بتا تو جل پنا کے بارے میں کیا جانتا ہے، وہ یہاں کیسے آئی تھی؟''

''آئی نہیں، لائی گئی تھی پربھو!''

''جو کچھ بھی ہوا، جس طرح ہوا، میں سننا چاہتا ہوں۔''

''میں جانتا ہوں آپ کا من بے چین ہے۔ مگر پنا کی کہانی سن کر اور بے چین ہو جاؤ گے۔''

''تو میری چنتا نہ کر...... شاید میں کسی نتیجہ پر پہنچ جاؤں۔''

''وہ تو پہنچ جاؤ گے۔ کیونکہ جب کلپنا بڑھ جاتی ہے، من شانتی کا راستہ ڈھونڈتا اور کسی راہ پہ لگ جاتا ہے۔''

پھر وہ جل پنا کی کہانی بیان کرنے لگا۔

''یہ کہانی بڑی عجیب و غریب ہے پربھو! ساؤ کاری کی پہلی نرتکی رُوپ تارا مر گئی تو یہاں ناچ پوجا کی گھنٹیاں بجنی بند ہو گئیں۔ دو اڑھائی برس مندر میں گھنٹیاں نہیں بجیں اور پروہت

گنجال بڑا پریشان رہنے لگا۔ ایک برس پہلے کی بات ہے اور وہ چاند کی اُنیسویں رات تھی جب چاند کو پورا گرہن لگا تھا۔ وہ رات پروہت گنجال نے مندر کے اُس بڑے کمرے میں گزاری جہاں بھگوان بدھ کے عظیم مجسمے کے سامنے ناچ پوجا ہوا کرتی تھی اور اب بھی ہوتی ہے۔ دراصل چاند گرہن کی رات وہ پوجا کرنا چاہتا تھا مگر پوجا کے دوران اُسے نیند آ گئی اور اُس نے ایک عجیب سپنا دیکھا اور دوسرے دن ساوگاری کے سب باسیوں کے سامنے سروپ جی کو سنایا۔

وہ کہتا ہے چاند گرہن کی رات وہ شام ہی سے اُس کمرے میں بند ہو گیا اور بھگوان بدھ کے سامنے گیان دھیان لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ ٹھیک اُس سمے جب پورا چاند گرہن میں آ گیا اُس پر نیند طاری ہونے لگی۔ معلوم نہیں وہ نیند کی غنودگی تھی یا کسی غیبی طاقت کا اثر تھا۔ مگر اُس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ پھر وہیں بھگوان کے چرنوں میں ڈھیر ہو گیا اور نیند آ گئی۔ سوتے سوتے کیا دیکھتا ہے کہ بھگوان بدھ کا مجسمہ جس کا سر اُنیس بیس فٹ اُونچی چھت کو چھو رہا تھا۔ تیز روشنی کی پھوار میں نہا گیا اور ایسی تیز تھی وہ روشنی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں اور دنیا میں پہلے کبھی ایسی روشنی نہیں دیکھی تھی۔ نہ جانے وہ کہاں سے آ رہی تھی مگر اس کا ایک شعبدہ یہ بھی ہوا کہ بھگوان کے مجسمے میں زندگی کا دم دوڑ گیا۔ پتھر کا مجسمہ زندہ ہو گیا...... پتھریلی آنکھوں کے اندر پتلیاں حرکت کرنے لگیں۔ وہ بھاری ہونٹ جو صرف چند گھڑیاں پہلے پتھر کے تھے، پھڑکنے لگے جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں۔

پروہت گنجال نے بتایا وہ بھگوان بدھ کی بے شمار مورتیاں اور درجنوں مجسمے دیکھ چکا ہے جو اُن کے جیون کی مختلف حالتوں کی عکاسی کرتے ہیں مگر مندر کا وہ پیکر مجسمہ اُن کی جوانی کے اس سمے کی یاد تازہ کرتا ہے جب وہ راج پاٹ چھوڑ کر کپل وستو سے نکل گئے اور گیا کے جنگل میں ایک جگہ آلتی پالتی مارے گیان دھیان میں مگن تھے۔ اس حالت میں اُن کے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے ہیں اور بدن پر ایک گیروی چادر ہے۔ جب پتھر کے اس عظیم بھگوان میں جو بیٹھنے کی حالت میں بھی بیس فٹ تک اُونچا اور مندر کی چھت سے ٹکراتا ہے، جیون کی لہر دوڑ گئی، پران لوٹ آئے اور سانس چلنے لگی اور پتھر کا پیکر ایک زندہ آدمی کے شریر میں بدل گیا تو اتنے مہیب اور مہان بھگوان کو جیتا جاگتا دیکھ کر اُس پر خوف طاری ہو گیا وہ تھر تھر کانپنے لگا اور دل میں ہول پیدا ہوا کہ یہ انہونی کیسے ہو گئی؟ وہ کچھ بولنا چاہتا تھا پر انجانی دہشت کے مارے آواز گلے سے نہ نکلتی تھی۔ وہاں سے بھاگ جانے کی سوچ رہا تھا مگر پاؤں اُٹھتے تھے نہ ٹانگوں میں ہلنے جلنے کی سکت رہ گئی تھی۔ اچانک آلتی پالتی مار کے بیٹھے ہوئے بھگوان نے اپنے گھٹنے سے دایاں ہاتھ اُٹھایا ساتھ ہی چھاتی اور کندھے پر لٹکتی ہوئی چادر کا آنچل ہوا سے پھڑپھڑانے لگا۔ اس ہوا میں صندل کی مہک رچی تھی اور صندل کی اس مہک کی طرح جو سورگ کی کسی کھلی کھڑکی سے نکل

کر آ رہی تھی، وہ مکتی گھر سے باہر آ گئے اور اپنے پتھر کے اس پہاڑ سمان مجسمے میں آتما بن کر سما گئے پھر اُن کا بھاری اور لمبا بازو آشیرباد دینے کے لئے لہرایا، ہونٹ کھل گئے اور منہ سے بڑی رعب دار آواز نکلنے لگی جس میں بڑی دھاک تھی، بڑا جلال تھا۔ وہ ڈرا اور سہما ہوا بھگوان کے چرنوں میں پڑا آواز سن رہا تھا اور یہ کہہ رہی تھی وہ پُرجلال آواز......

”ڈرو نہیں گنجال......! ڈرو نہیں...... تم بڑے بھاگوان ہو کہ تتھا گت نے تمہیں درشن دیئے کیونکہ تم نے ہماری سیوا کی ہے۔“

یہ سن کر گنجال کو ڈھارس بندھی، من کو شانتی ملی اور آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو بھگوان کے سر کے اردگرد جو ابھی تک مندر کی چھت سے چھو رہا تھا چاند کی کرنوں کا ایک ہالہ بن گیا تھا جیسے چاند خود تو گرہن میں تھا مگر اُس کا سارا رُوپ، سارا اُجالا، سارا نور اس ہالے میں سمٹ آیا تھا۔ بھگوان کے ہونٹ پھر ہلے اور آواز آئی۔

”ہم تمہیں کچھ بتانے آئے ہیں، تمہارے من کی کلپنا دُور کرنے آئے ہیں اس لئے جو کچھ ہم کہتے ہیں دھیان سے سنو! کیونکہ اسی میں تمہاری اور ساوگاری کی بھلائی ہے۔“

پروہت گنجال ہمہ تن گوش ہو گیا اور کمرے میں بھگوان کی آواز گونجنے لگی۔ ”سنو......! یہاں سے کوسوں دُور پوربی دکھن میں برما کا ایک شہر مانڈلے ہے۔ اُس شہر کے ناچ آشرم میں ایک بے سہارا اور اناتھ لڑکی رہتی ہے جس کا نام جل پنا ہے۔ ہم نے اُسے ساوگاری کے لئے چن لیا ہے۔ وہ ہماری داسی اور نرتکی ہے۔ تم سروپ جی کے ساتھ مانڈلے جاؤ اور جل پنا کو لے آؤ۔ ہم چاہتے ہیں ساوگاری میں پوجا کی گھنٹیاں پھر بجیں۔ خبردار......! جل پنا پر کوئی آنچ نہ آئے۔ ہم تمہیں اُس لڑکی کا گورو اور رکھوالا بناتے ہیں۔ ہمیں وچن دو کہ تم ایسا ہی کرو گے۔“

پروہت گنجال نے اپنا سر جھکا دیا اور بھگوان کے چرنوں کو چھو کر کہا کہ وہی کرے گا جو کہا گیا ہے اور وچن دے کر جب اُس نے سر اُٹھایا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ جیتا جاگتا، بولتا بھگوان پھر پتھر بن گیا تھا۔ اب اُس کے ہونٹوں پر آواز اور نتھنوں میں جیون کی سانس نہ تھی۔

یہ دیکھ کر اُس پر ایک نئی دہشت طاری ہو گئی اور بدن پھر تھرتھرانے لگا...... جس لڑکی کو ساوگاری میں لانے کا حکم دیا گیا تھا وہ اُس کے بارے میں کچھ بھی نہ پوچھ سکا تھا۔ لڑکی ایک پہیلی بن گئی تھی جسے گنجال کا ذہن سمجھ نہ سکا مگر اُس نے سوچا کہ بھگوان ساوگاری میں ناچ پوجا کی گھنٹیوں کا شور سننا چاہتے ہیں تو وہ اپنا وچن پورا کرے گا۔ سویرے جب آنکھ کھلی وہ مجسمے کے چرنوں میں اوندھے منہ پڑا تھا اور اس بات پر حیران کہ رات اُس نے کیسا عجیب سپنا دیکھا ہے؟ پھر سروپ جی اور ساوگاری کے سب باسی بھی اُس کا سپنا سن کر شش و پنج میں پڑ گئے۔ کوئی کچھ نہیں بولا۔ پر گنجال کہنے لگا۔ ”یہ سپنا نہیں بھگوان کی چمتکار تھی۔ اگر ہم اُس اناتھ لڑکی کو

یہاں نہ لائے جو مانڈلے کے ناچ آشرم میں رہتی ہے تو پھر ہم پر بھگوان کا کرودھ ٹوٹے گا۔ کیونکہ میں اُس لڑکی کو لانے کا وچن دے چکا ہوں۔"

"مگر کون جانتا ہے مانڈلے میں کوئی ناچ آشرم ہے بھی یا نہیں اور وہاں جل پنا نام کی کوئی لڑکی رہتی بھی ہے یا نہیں؟" سروپ جی نے اپنی پریشانی کا اظہار کر دیا۔

"جب بھگوان نے کہا ہے تو وہاں آشرم بھی ہوگا اور لڑکی بھی۔"

"اگر لڑکی ہوئی تو بھی شہر چھوڑ کر اس ویرانے میں کیوں آنے لگی؟"

"یہ میں نہیں جانتا پر مجھے اتنا وشواس ہے اگر مانڈلے کے ناچ آشرم میں جل پنا مل گئی تو ہمارے ساتھ آنے سے انکار نہیں کرے گی۔"

سب لوگ حیران تھے کہ اس عجیب وغریب سپنے کا مطلب کیا ہے اور ایک برمی لڑکی کو یہاں بلانے میں کیا بھید ہے۔ تھوڑی دیر میں شنکر بھکشو جو پروہت گنجال کے اشاروں پر چلتا ہے، وہاں آ گیا۔ جب اُسے پتہ چلا کہ رات کو اُس کے گورو نے کوئی سپنا دیکھا ہے جس میں مانڈلے کے کسی ناچ آشرم کا ذکر بھی آیا ہے تو کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اچانک اُچھل پڑا اور بولا۔

"میں ایک بار برما کے شہر مانڈلے گیا تھا۔ کئی سال ہو گئے اس بات کو مگر اب یاد آیا کہ میں نے وہاں ایک ناچ آشرم کا چرچا سنا بلکہ اُسے دیکھا بھی تھا۔"

جب شنکر نے مانڈلے کے ناچ آشرم کی تصدیق کر دی تو گنجال کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا اور اُس نے پوچھا۔ "کیا تم نے وہاں کوئی ایسی اناتھ لڑکی بھی دیکھی جس کا نام جل پنا ہو؟"

"ناچ آشرم میں اناتھ لڑکیاں ہی رہتی ہیں مہاراج! میں نہیں جانتا وہاں کوئی جل پنا بھی تھی یا نہیں۔ یہ بات تو آشرم کا گورو بتا سکتا ہے۔"

"تم اُس سے ملے تھے؟ کیا نام ہے گورو کا؟"

"ملا تو تھا مگر اس وقت نام یاد نہیں رہا۔ کوئی اچھا سا نام تھا۔"

"ذرا سوچو..... نام یاد کرو!"

شنکر سوچنے لگا اور تین چار پل کے بعد بولا۔ "کچھ کچھ یاد پڑتا ہے..... اُس کا نام شاید آنبی تھا..... گورو آنبی..... ہاں یہی نام تھا۔"

"تو بس..... اب مانڈلے جانا ہی پڑے گا۔" گنجال نے سروپ جی سے کہا۔ "ہم شنکر کو اپنے ساتھ لے کر چلیں گے جو ہمیں ناچ آشرم میں پہنچا دے گا۔"

"میں نہیں جاؤں گا مانڈلے۔" شنکر نے انکار کر دیا۔

"جاؤ گے کیوں نہیں؟"

"اس لئے کہ آشرم کے نیپالی چوکیدار سے میرا جھگڑا ہو گیا تھا۔ جب میں اُس سے جان

چھڑا کر بھاگا تو وہ بھی میرے پیچھے بھاگا اور تلسی کی جھاڑیوں میں گر پڑا تھا۔"

"اس میں تمہارا کوئی دوش نہیں۔"

"مگر بعد میں پتہ چلا کہ گرنے سے اُس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ تلسی کی جھاڑیوں میں لوہے کی ایک سلاخ گڑی تھی جو آنکھ میں اُتر گئی اور آنکھ جاتی رہی۔"

گنجال کچھ سوچ کر بولا۔ "ہاں..... اس حالت میں تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔ مگر کیا تم ناچ آشرم کا ایسا پتہ بتا سکتے ہو کہ ہم آسانی سے وہاں پہنچ جائیں؟"

"مانڈلے میں گورو آنبی کا ناچ آشرم ڈھونڈنا مشکل نہیں مہاراج! وہ پرانے پگوڈے کے پاس ہی تو ہے۔"

"یہ بتا کر تم نے ہماری مشکل آسان کر دی ہے۔" پھر وہ سروپ جی سے کہنے لگا۔ "مانڈلے میں ناچ آشرم کا پتہ چل گیا ہے۔ اب ہمیں سفر کی تیاری کرنی چاہئے۔"

سروپ جی کچھ پریشان اور شاید برما جانے کے لئے تیار بھی نہ تھے۔ وہ خاموش رہے اور خاموشی آدھی رضامندی ہوتی ہے۔ کہنے لگے۔ "تم اکیلے ہی مانڈلے چلے جاؤ!"

"نہیں..... آپ کو میرے ساتھ جانا ہوگا۔ بھگوان کا یہی حکم ہے۔"

میں نے کئی بار دیکھا ہے جب پروہت گنجال اپنی کوئی بات منوانے کے لئے زور دیتا اور اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اُنہیں گھورتا ہے تو سروپ جی اُس کی مرضی کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ اُدھر گنجال نے "جانا ہوگا" کہا، اِدھر مالک نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مگر پربھو.....! پروہت گنجال نے جو سپنا سنایا اور شنکر نے مانڈلے کے ناچ آشرم کی جو کتھا بیان کی اُس پر سروپ جی نے وشواس کر لیا ہو تو کہہ نہیں سکتا پر میں نے وشواس نہیں کیا تھا۔"

"تو نے کیوں وشواس نہیں کیا؟"

"مجھے شنکر کی کتھا جچی نہ تھی۔ یوں لگا کہ وہ صرف مانڈلے جانے سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور میرا یہ شبہ غلط نہ تھا جیسا کہ میں آگے چل کر بیان کروں گا۔"

"مجھے تو جل پنا کی کہانی سننی ہے جو کچھ تو جانتا ہے سناتا جا۔"

"ہاں پربھو! وہ تو سناؤں گا ہی۔" پھر وہ بتانے لگا.....

"تیسرے دن چار آدمیوں کا ایک قافلہ ساؤ گاری سے نکلا۔ سفر لمبا تھا اور سروپ جی بوڑھے۔ اُنہوں نے مجھے اور پیگو کو بھی ساتھ لے لیا۔ رُپا میں خچر اور سائیس چھوڑ دیئے گئے جہاں سے ہم لوگ بائی پارہ پہنچے اور ایک دن وہاں ٹھہرے۔ میں نے ابھی تک آپ کو یہ نہیں بتایا کہ بائی پارہ میں ساؤ خاندان کی کچھ زمین اور جائیداد بھی ہے اور اسی آمدنی سے ساؤ گاری کے خرچے چلتے ہیں۔ ایک رات بائی پارہ میں ٹھہرنے اور سندر جی سے ملنے کے بعد ہم ریل

گاڑی سے تیز پور روانہ ہو گئے اور وہاں دریائے برہم پتر میں بھاپ سے چلنے والی کشتی کا دریائی سفر شروع ہوا۔ یہ سفر بڑا دلچسپ تھا۔ بڑی بڑی دریائی کشتیاں پوربی بنگال کے شہر چٹا گانگ اور وہاں سے کاکس بازار تک جاتی ہیں۔ آگے برما کی طرف خشکی کا سفر تھا مگر آپ کو اس بات سے کیا لینا ہے کہ اس سفر میں ہم پر کیسی کیسی کٹھن مشکلیں آئیں۔ میں اُنہیں چھوڑ کر صرف یہ بتاتا ہوں کہ ہم کالاوان کے علاقے سے برما میں داخل ہوئے تھے اور بڑے جان جوکھوں کا سفر طے کر کے مانڈلے پہنچے۔

یہ تو آپ بھی جانتے ہوں گے کسی زمانے میں مانڈلے ہی برما کی راجدھانی کہلاتا تھا۔ انگریزی سرکار نے رنگون کو راجدھانی بنا لیا پر مانڈلے آج بھی برما کا دل ہے جس میں برمی بدھوں کی سینکڑوں آشائیں دل کے ساتھ دھڑکتی ہیں۔ شہر کیا ہے پرانی بدھ عمارتوں اور پگوڈوں کا ایک سندر دیس ہے۔ راج محل کی پرانی دیواروں کے پیچھے وہ تاریخی پگوڈا ہے جسے صدیوں پہلے برما کے ایک راج پتی نے بنوایا اور بھگوان بدھ کی مورتیوں سے سجایا تھا۔ ہم بازاروں اور گلیوں سے نکلتے اُس پرانے پگوڈا کے پاس پہنچ گئے جس کے سامنے ایک پرانی عمارت تھی۔ وہاں پہنچ کر پروہت گنجال نے ایک برمی سے پوچھا کہ گوروآنبی کا ناچ آشرم کہاں ہے؟ اُس نے پرانی عمارت کی طرف ہاتھ اُٹھایا۔

''آپ لوگ دریا کنارے کھڑے ہو کر دریا کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔ وہ رہا آنبی کا ناچ آشرم۔''

ہم سڑک پار کر کے اُس بوڑھی عمارت کی طرف ہو لئے اور ایک تنگ سی گلی میں چلتے آشرم کی ڈیوڑھی میں پہنچے جس کا آبنوسی دروازہ قدیم کاریگری کا اعلیٰ نمونہ تھا بلکہ کواڑوں پر کھدی ہوئی بدھ چتر کاری اور پھول پتی دیکھ کر یوں لگا جیسے یہ ڈیوڑھی کسی سمے پگوڈا ہی کا حصہ رہی ہو گی۔ اُس کی دیواروں پر بھگوان کی درجنوں چھوٹی موٹی مورتیوں کی ایک گوٹ بھی بنی ہوئی تھی اور ڈیوڑھی کی چھت سے کانسی کی بہت بڑی گھنٹی لٹک رہی تھی۔ اچانک کہیں سے ایک موٹا تازہ چوکیدار آ دھمکا۔ ہم اُس کی شکل دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئے۔ برمیوں کی بجائے اُس کا چہرہ نیپالیوں سے ملتا جلتا تھا اور ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ وہ ایک بڑا سا لٹھ لئے ڈیوڑھی کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ شنکر نے اپنی کتھا میں اُسی چوکیدار کا ذکر کیا تھا۔ پروہت گنجال نے اُس کانے نیپالی چوکیدار کو دیکھ کر سروپ جی کے کان میں کہا۔

''اچھا ہوا شنکر ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ ورنہ یہ گورکھا اُسے ہرگز نہ چھوڑتا۔''

سروپ جی کو اگر شنکر کی کہانی پر پہلے کوئی شک بھی تھا تو چوکیدار کو دیکھ کر وہ شک جاتا رہا۔ نیپالی ہمیں حیرت کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ گنجال نے آگے بڑھ کر بتایا۔ ''ہم گوروآنبی سے ملنا چاہتے ہیں۔ جا کر کہو آسام کے پربتوں سے سروپ جی اور پروہت گنجال آئے ہیں۔''

یہ سنتے ہی نیپالی چوکیدار اُچھل کر پرے ہٹ گیا، پھر ڈیوڑھی سے نکل کر آشرم کی لمبی راہداری میں بھاگتا چلا گیا۔

شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ آشرم کے اندر دیئے بتی کی روشنی نظر آنے لگی تھی اور ہم ڈیوڑھی میں کھڑے سوچ رہے تھے نہ جانے گوروآنبی کا برتاؤ کیسا ہو گا؟ اچانک لمبی راہداری میں کھٹ کھٹ کی آواز اُبھری اور ایک بوڑھا برمی جس کے سر اور داڑھی کے بال اُسترے سے منڈے ہوئے تھے، کھلی آستینوں والا زرد کرتا پہنے جو گھٹنوں تک لمبا تھا اور پاؤں میں لکڑی کی کھڑاؤں دبائے کھٹ کھٹ کرتا آتا دکھائی دیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے وہی کانا نیپالی چوکیدار لٹھ اٹھائے آ رہا تھا۔ بوڑھے برمی نے ڈیوڑھی میں پاؤں رکھتے ہی کہا۔

''میں ہوں آنبی اور سواگت کرتا ہوں آپ لوگوں کا۔''

پروہت گنجال نے فوراً جان پہچان کرائی۔ ''میں ساؤ گاری کا پروہت ہوں اور یہ ہیں آسام کے بدھ گیانی اور ساؤ گاری کے وارث سروپ ساؤ جی۔''

بوڑھے نے سروپ جی کو دیکھا جیسے انوکھی صورت نظر آ گئی ہو۔ دو چار پل ٹکٹکی باندھ کر انہیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتا رہا۔ اُس کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ اُنہیں دیکھ کر اچنبھے میں رہ گیا ہے۔ پھر برمی کی بجائے صوبہ کاچن کی ملی جلی برمی اور آسامی بولی میں اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا۔ ''وہی...... بالکل وہی...... بال برابر فرق نہیں......''

ہم بھی حیران تھے۔ نہ جانے سروپ جی کو دیکھ کر اُسے اتنا اچنبھا کیوں ہوا ہے اور اُس کی حیرانی میں کون سے اسرار چھپے ہوئے ہیں کہ پروہت گنجال نے پوچھ ہی لیا۔

''کیا بات ہے گوروآنبی! سروپ جی کو دیکھتے ہی حیرت اور چنتا میں کیوں پڑ گئے ہو؟''

''بات ہی بڑے اچنبھے کی ہے۔''

اب سروپ جی بولے۔ ''اگر بتا دو تو ہماری چنتا بھی دُور ہو جائے گی۔''

''بتا دُوں گا...... سب کچھ بتا دُوں گا پربھو!'' پھر اُس نے جھک کر سروپ جی کے چرن چھو لئے۔ ''اندر چلئے! آپ کا آنا مبارک ہو۔''

بوڑھے آنبی کا رویہ ابھی تک پراسرار تھا۔ پھر سروپ جی اور پروہت گنجال اُس کے ساتھ ساتھ ہو لئے۔ میں اور پیگو سامان اُٹھائے پیچھے پیچھے تھے۔ لمبی راہداری سے نکل کر ہم لوگ ایک کھلے صحن میں آ گئے جس پر کالی اور سفید سلوں کا فرش بچھا تھا۔ پرلی طرف پرانی دو منزلہ عمارت کھڑی تھی جس کے چاروں اطراف بھاری، گول اور چھوٹے قد والے ستونوں کا ایک برآمدہ تھا۔ گوروآنبی کے پیچھے پیچھے ہم نے کالی اور سفید سلوں کا فرش پار کیا اور برآمدے میں پہنچ گئے جس کے گول ستون بودھ فن تعمیر کا نمونہ تھے۔ ان کے اُوپر نیچے دونوں سروں پر پچی -

کاری کی گئی تھی۔ برآمدے کے پورب اور پچھم میں دونوں جانب سیڑھیاں تھیں جو اُوپر کی منزل پر جاتی تھیں۔ اُوپر سے بہت سی لڑکیوں کی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ آشرم کی لڑکیوں کے رہائشی کمرے اُوپر کی منزل پر تھے۔ برآمدے میں ادھیڑ عمر کا ایک اور آدمی ملا۔ اُس نے بھی گھٹنوں تک زرد رنگ کا لمبا کرتہ پہن رکھا تھا۔ شکل چینیوں سے ملتی تھی اور بھاری پپوٹوں کے بیچ آنکھیں جھریوں کی مانند دکھائی دے رہی تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ کمر تک جھک کے دوہرا ہو گیا۔ جب سیدھا ہوا تو گورو آنبی نے ہماری طرف اشارہ کرتے ہوئے اُسے بتایا۔

''بھگتائی.....! یہ آسام کے بدھ گیانی سروپ ساؤ جی اور یہ پروہت گنجال ہیں۔''

وہ ایک بار پھر دوہرا ہو گیا اور راستہ دکھاتا ہوا آگے آگے چلنے لگا۔ اُس نے برآمدے میں چند قدم چلنے کے بعد ایک دروازہ کھولا اور خود جھک کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ ہم آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے جس کی چھت کے ساتھ کانچ کا بڑا جھاڑ لٹک رہا تھا اور اُس میں دس بارہ موم بتیاں جل رہی تھیں جن سے کمرہ روشنی میں نہا گیا تھا۔ کمرے میں بید کی کرسیاں رکھی تھیں۔ سروپ جی، گنجال اور گورو آنبی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ چینی صورت کا بھگتائی، میں اور پیگو کھڑے رہے۔ آنبی نے بیٹھے بیٹھے کہا۔ ''بھگتائی! مہمانوں کے لئے کھانے پینے کا بدوبست کرو۔ سامان اندر رکھوا دو اور ساتھ والا کمرہ کھول دو۔''

بھگتائی اُنہی قدموں باہر نکل گیا اور آنبی سروپ جی سے کہنے لگے۔

''پربھو! یہ سیوک کب تک کھڑے رہیں گے۔ انہیں آپ ہی بیٹھنے کی آگیا دیں۔''

مالک کے اشارے پر میں اور پیگو فرش پر بیٹھ گئے تو گورو آنبی نے سفر کی بات چھیڑ دی کہ ہمالیہ کے اُونچے پہاڑوں سے اُتر کر مانڈلے تک آنے میں کئی دن لگے ہوں گے اور راستے میں تکلیفیں بھی اُٹھائی ہوں گی۔ سروپ جی نے بتایا کہ سفر بے شک کٹھن اور طویل تھا مگر ناچ آشرم میں پہنچتے ہی سب تکلیفیں بھول گئے ہیں۔ اتنے میں بھگتائی لوٹ آیا۔ گورو آنبی نے پوچھا۔

''مہمانوں کے لئے بھوجن کب تک تیار ہو جائے گا؟''

چینی شکل کے بھگتائی نے جھک کر جواب دیا۔ ''جل پنا کو بول آیا ہوں گورو دیو! وہ بھوجن تیار کرا رہی ہے۔''

جل پنا کا نام سن کر ہم چاروں پر حیرت کا بھونچال سا گزر گیا۔ اُدھر سروپ جی اور گنجال کو بید کی کرسیوں نے اِدھر مجھے اور پیگو کو کمرے کے فرش نے جیسے جھٹکا دے کر ہلا دیا۔ یہ وہ نام تھا جو پروہت گنجال کے سپنے کی تعبیر بن کر ہماری سماعت سے ٹکرایا تھا، جس کے لئے ہم ہمالیہ کے اُونچے اُونچے پربتوں سے اُتر کر بنگال کے میدانوں اور دریاؤں کو عبور کر کے اور برما کے جنگلوں سے گزرتے مانڈلے شہر میں آ ئے تھے۔ وشواس نہیں تھا کہ وہ سپنا اُسی طرح پورا ہو گا

جس طرح ہم نے سنا تھا۔ مگر تعبیر سپنے سے زیادہ عجیب و غریب تھی جس نے سروپ جی کو بھی دنگ کر دیا۔ وہ کرسی سے اُٹھے اور اُن کے ساتھ ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ گورو آنبی نے اُنہیں حیران سی نظروں سے دیکھا۔ ''کیا ہوا پربھو؟''

''جل پنا کون ہے؟''

''ایک اناتھ لڑکی۔ اسی آشرم میں رہتی ہے۔'' آنبی نے جواب دیا اور بتانے لگا۔ ''کچھ دن پہلے میں نے جل پنا کے بارے میں ایک عجیب سپنا دیکھا تھا جس میں......''

''تم نے بھی کوئی سپنا دیکھا تھا؟'' سروپ جی حیرت کی تصویر بن گئے۔

''ہاں...... بڑا انوکھا تھا وہ سپنا۔ مگر کون جانتا تھا میرا سپنا اس طرح پورا ہو گا اور آپ میرے مہمان بنیں گے۔ جب میں نے آپ کو دیکھا تو گنجال جی نے پوچھا تھا میں حیرت اور اچنبھے میں کیوں پڑ گیا ہوں۔ مگر آپ بیٹھیں تو بتاؤں وہ اچنبھے کی بات کیا تھی۔''

گورو آنبی کی درخواست پر سب لوگ پہلے کی طرح بیٹھ گئے اور وہ کہنے لگا۔

''پربھو! ہو سکتا ہے میری باتیں سن کر آپ حیران ہوں۔ میں بھی حیران ہوا تھا مگر بھگوان کے رُوپ نیارے ہیں۔ تو یوں ہوا آج سے ٹھیک پندرہ دن پہلے میں نے رات کو ایک عجیب سپنا دیکھا۔ وہ چاند گرہن کی رات تھی جب بھگوان بدھ میرے سپنے میں آئے اور ناچ آشرم کی ایک اناتھ اور لاوارث لڑکی جل پنا کے بارے میں کچھ ہدایات دیں۔ بھگوان نے کہا تھا جل پنا میرے پاس امانت ہے۔ مگر بہت جلد ہمالیہ کے اُونچے پربتوں سے اُتر کر کچھ لوگ آئیں گے اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ مجھے تاکید کی گئی تھی میں آنے والوں کا سواگت کروں اور امانت اُنہیں سونپ دُوں۔ میں سپنے میں بڑا حیران تھا کہ نہ جانے آنے والے کون ہوں گے، میں اُنہیں کس طرح پہچانوں گا مگر بھگوان نے آپ سے آپ میرے دل کی بات جان لی اور ایک طرف اُنگلی اُٹھا کر کہا۔ ''اُدھر دیکھو آنبی!'' اور جب میں نے اُنگلی کی سیدھ میں دیکھا تو آکاش سے بادل کا ایک ٹکڑا اُترتا دکھائی دیا۔ وہ نیچے اور نیچے بالکل میرے قریب آ کر غبارے کی طرح پھٹ گیا اور بادل کی سفید دُھول سے ایک صورت نمودار ہوئی۔ بھگوان نے کہا۔ ''اس صورت کو پہچان لو! اور جب یہ تمہارے پاس آئے تو لڑکی اس کے حوالے کر دو۔'' اچنبھے کی بات یہ تھی پربھو......! وہ صورت ہو بہو آپ کی تھی۔ بلکہ میں تو کہوں گا آپ ہی تھے جو بادل سے نمودار ہوئے۔ یہی وجہ ہے جب میں نے آسام سے آنے والے اجنبی لوگوں کے بارے میں سنا تو باہر بھاگا اور دروازے پر آپ کی صورت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ میں نہیں جانتا وہ سپنا تھا یا کچھ اور مگر سویرے جب آنکھ کھلی میں بستر کی بجائے فرش پر اوندھے منہ پڑا تھا اور یہ بھگتائی مجھے اُٹھا کر پوچھ رہا تھا کہ رات میں بستر پر کیوں نہیں سویا؟ جب میں نے بتایا کہ رات عجیب

سپنا دیکھا ہے اور میں نہیں جانتا کہ بستر سے اُٹھ کر فرش پر کیسے آ گیا تھا تو بھگتائی بھی سن کر پریشان رہ گیا..... تو یہ ہے وہ پراسرار واقعہ جو میرے ساتھ پیش آیا۔ اب خود فیصلہ کریں کہ آپ کو دیکھ کر مجھے حیرت ہونی چاہئے تھی یا نہیں؟''

گوروآنبی کی اس کہانی نے ہم سب کو چکر میں ڈال دیا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا یہ بھید کیا ہے؟ چاند گرہن کی رات اُدھر پروہت گنجال ساؤ گاری میں بھگوان بدھ کے مجسمے کو زندہ ہوتے دیکھتا اور یہ حکم سنتا ہے کہ سروپ جی کو ساتھ لے کر برما کے شہر مانڈلے جائے اور ناچ آشرم سے جل پنا کو لے آئے۔ اِدھر سینکڑوں میل دُور مانڈلے میں چاند گرہن کی اسی رات بھگوان گوروآنبی کے سپنے میں آتے اور ہدایت کرتے ہیں کہ وہ جل پنا کو ہمالیہ سے آنے والے لوگوں کے ساتھ روانہ کر دے اور سپنے میں آنبی کو سروپ جی کی صورت بھی دکھائی جاتی ہے تاکہ کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔ اب آپ ہی سوچو پربھو! کوئی اس چمتکار سے کیسے انکار کر سکتا ہے؟ کیونکہ اس بات کی گواہی تو میں بھی دے سکتا ہوں کہ پچھلے دو سال سے پروہت گنجال اور شنکر ساؤ گاری سے باہر نکلے ہی نہ تھے۔ کوئی دوسرا آدمی بھی برما گیا نہ باہر کا کوئی آدمی ساؤ گاری میں آیا تھا کہ گوروآنبی سے مل کر کوئی کتھا کہانی بنائی جاتی۔ پھر کون جانتا تھا کہ چاند کی اُنیسویں رات کو گرہن ہوگا اور اُس رات برما اور آسام کے درمیان سینکڑوں میل کی دُوری پر بالکل ایک جیسے واقعات رونما ہوں گے۔ یہی وہ سمجھ میں نہ آنے والے اسرار تھے جنہوں نے مالک کو خوفزدہ کر دیا۔ وہ کچھ دیر چپ چاپ بیٹھے گوروآنبی کے بیان پر سوچتے رہے، پھر پوچھنے لگے۔

''جل پنا کون ہے..... کہاں سے آئی تھی؟''

آنبی نے بتایا۔ ''مانڈلے کے اُتر میں کالنگ حکامتی نام کا شہر مشہور ہے۔ جل پنا نے اُسی شہر میں جنم لیا تھا مگر چھوٹی عمر ہی میں بیچاری کے ماں باپ اور چچا وغیرہ سب چل بسے اور وہ دنیا میں اکیلی رہ گئی۔ تین سال پہلے کی بات ہے ایک آدمی جسے میں نہیں جانتا کہ کون تھا مگر وضع قطع سے جوگی دکھائی دیتا تھا اُسے لے کر آشرم میں آیا اور بولا کہ جل پنا ایک بے سہارا لڑکی ہے اور میں اُسے سہارا دُوں۔ یہ آج سے یہیں رہے گی۔ پھر وہ لڑکی کو میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا اور آج تک واپس نہیں آیا۔ عجیب بات یہ ہے جل پنا بھی اُس پراسرار آدمی کو نہیں جانتی۔ لیکن حکامتی سے اُس کے ساتھ آ گئی تھی۔ میں تو سمجھتا ہوں وہ آدمی ضرور ''بھگوان کا بھگت'' تھا جو ایک بے سہارا لڑکی کا سہارا بنا۔ جل پنا بڑی سندر، تمیز والی کلاکار اور فرمانبردار لڑکی ہے۔ اُس نے یہاں کسی سے جھگڑا نہیں کیا نہ کبھی میرا کہا ٹالا ہے۔ بس ناچ سے گہرا لگاؤ رکھتی ہے اور اُس سے اپنے اُجاڑ من کو بہلاتی ہے۔ میں نے تو اُسے بھی اپنا سپنا سنایا اور یہ کہہ کر اُس نے چپ سادھ لی تھی۔ ''بھگوان ہی جانے میری منزل کہاں ہے؟''

ابھی گوروآنبی یہ کہہ رہا تھا کہ ایک سندر اور کومل سی لڑکی جو برمی لباس میں بھی آکاش کی کوئی اپسرا لگتی تھی، نرم قدموں کے ساتھ جیسے ہوا کا کوئی جھونکا آتا ہے، بے آواز کمرے میں داخل ہوئی اور بولی۔ ''گورودیو! مہمانوں کے لئے بھوجن تیار ہے۔''

ہم سب کی نظریں آپ سے آپ اُس لڑکی کی طرف اُٹھ گئیں جیسے وہ اچانک جادو کی کسی پٹاری سے نکل آئی تھی۔ آنبی بولا۔ ''یہی جل پنا ہے۔''

پروہت گنجال نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ سروپ جی اُس کی سندرتا اور سادگی دیکھ کر دنگ رہ گئے، پھر اُس سے مخاطب ہوئے۔ ''آگے آؤ بیٹی!''

وہ پھولوں کی کچی ٹہنی کی طرح بل کھاتی، لہراتی آگے بڑھی اور مالک کے پاس آ کر رُک گئی۔ گوروآنبی نے کہا۔ ''میرا سپنا پورا ہو گیا جل پنا.....! سروپ جی ہمالیہ کے اُونچے پربتوں سے اُتر کر تجھے لینے آئے ہیں۔''

اُس نے عجیب سی نظروں سے جن میں آشا، نراشا، حیرت، پریشانی، شک، یقین، بھروسہ، مجبوری، بے کسی سب کچھ تھا، سروپ جی کو دیکھا اور فوراً جھک کر اُن کے چرن چھونے لگی۔ مالک نے دُعا دی۔ ''جیتی رہو اور بتاؤ کیا تم ہمارے ساتھ چلنے پر راضی ہو؟''

وہ خاموش رہی۔ یوں لگتا تھا اپنے من میں کوئی فیصلہ کر رہی ہے۔

''ہم صرف تمہاری مرضی جاننا چاہتے ہیں جل پنا.....!''

''میں کون اور میری مرضی کیا.....'' جل پنا نے جواب دیا۔ ''بھگوان کا یہی فیصلہ ہے کہ مجھے یہاں جانا ہے تو انکار کیسے کر سکتی ہوں؟''

''دھن وا دلڑکی.....!'' پروہت گنجال نے آشیرباد دیتے ہوئے کہا۔ ''بھگوان تیری رکھشا کریں گے۔''

اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے اس بات کا فیصلہ ہو گیا کہ جل پنا ہمارے ساتھ جائے گی۔ پھر ہم نے بھوجن کیا اور رات کو گھوڑے بیچ کر سوئے۔ دوسرے دن آنکھ کھلی تو سورج مونگ کنگ کے پوربی پہاڑوں پر چمک رہا تھا۔ نہا دھو کر سفر کی رہی سہی تھکاوٹ دُور کی اور ناشتہ کر کے مانڈلے کی سیر کرنے نکلے۔ جیسا میں پہلے بتا چکا ہوں مانڈلے پگوڈوں اور پرانی عمارتوں کا شہر ہے۔ مالک وہ تاریخی پگوڈا دیکھنے کے خواہشمند تھے جس میں بھگوان بدھ کی سینکڑوں مورتیاں رکھی ہیں۔ اُنہوں نے مورتیاں بڑے شوق سے دیکھیں اور پگوڈا کے ارہت سے پوچھا۔

''کیا یہاں پیتل کی کوئی ایسی مورتی نہیں جو شاکیہ منی بدھ کے سورگباش ہونے کے بعد پہلی صدی میں بنائی گئی ہو؟''

ارہت نے انکار میں گردن ہلائی۔ جب ہم پگوڈا سے نکل رہے تھے، اچانک مجھے سیامی

بلیوں کا ایک جوڑا پسند آ گیا جو صحن میں کلیلیں کر رہا تھا۔ میں بھاگا بھاگا ارہت کے پاس گیا اور بلیوں کی خواہش کی۔ وہ پہلے تو حیرت سے مجھے دیکھتا رہا، پھر بولا۔

''میں راما اور سومی کا جوڑا تمہیں بھینٹ کرتا ہوں۔''

اُس نے ایک بھکشو کو بلا کر حکم دیا کہ بلیاں مجھے دے دی جائیں۔ اور پربھو! اس طرح ہم مانڈلے سے جل پنا کے ساتھ راما اور سومی کو بھی ساؤ گاری میں لے آئے۔ واپسی پر کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ جل پنا نے ہمارے ساتھ آنے میں کوئی حیل وحجت نہیں کی تھی۔ ساؤ گاری میں آتے ہی پروہت گنجال نے بتایا کہ اسے بھگوان کے مندر میں بھگتی ناچ کرنا ہے۔ وہ بڑی خوشی سے اس بات پر تیار ہو گئی اور ساؤ گاری کی خاموش فضا میں ایک بار پھر ناچ پوجا کی گھنٹیاں بجنے لگیں...... تو یہ ہے جل پنا کی وہ کہانی جو میں جانتا ہوں۔ ہاں ایک بات جو ابھی تک نہیں بتائی یہ ہے کہ میں نے مانڈلے میں ناچ آشرم کے گورکھا چوکیدار سے چھپ کر ملاقات کی اور اُس کی آنکھ پھوٹ جانے پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔

''شاید چند سال پہلے جب تم آشرم کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے کسی اجنبی سے تمہارا جھگڑا ہو گیا تھا اور تم اُس کے پیچھے بھاگے تھے۔ پھر تلسی کی جھاڑیوں میں گر پڑے جہاں لوہے کی ایک سلاخ گڑی تھی اور وہ سلاخ تمہاری آنکھ میں کھب گئی ہوگی۔''

کانا چوکیدار اپنی اکیلی آنکھ سے پٹر پٹر مجھے دیکھنے لگا۔ ''تجھے یہ بات کس نے بتائی؟''

''کسی نے نہیں...... میں نے خود سوچا ہے کہ یہی ہوا ہوگا۔''

گورکھا قہقہہ مار کے ہنس دیا۔ ''کیا تو ہر وقت اسی قسم کی اُلٹی باتیں سوچتا اور ہوائیاں اُڑاتا رہتا ہے؟''

''کیا میں نے کوئی ہوائی اُڑائی ہے؟ کوئی جھوٹ بولا ہے؟''

''ارے بونے! میری یہ آنکھ تو لڑکپن میں پھوٹ گئی تھی۔ ایک غنڈے نے چاقو مار دیا تھا۔ اُن دنوں میں کھٹمنڈو میں تھا۔''

یہ سن کر میں حیران رہ گیا۔ ''کہیں مجھے جھوٹا بنانے کے لئے خود تو جھوٹ نہیں بول رہے؟''

''تیرے سے کیوں جھوٹ بولوں گا؟'' پھر اُس نے اپنی جیب سے بٹوا نکالا اور اپنے لڑکپن کی ایک تصویر مجھے دکھائی۔ ''یہ دیکھ! کیا تصویر بھی جھوٹ بول سکتی ہے؟''

واقعی تصویر اُس کے لڑکپن کی تھی جس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اُس کی آنکھ کھٹمنڈو ہی میں ضائع ہو گئی تھی...... تو پربھو! شنکر نے نیپالی چوکیدار سے اپنے جھگڑے اور تلسی کی جھاڑیوں میں اُس کے گرنے کی جو کتھا سنائی، وہ ساری جھوٹی تھی۔ میرے خیال میں پروہت گنجال بھی جانتا تھا وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ پھر بھی اُس نے جھوٹ کو سچ مان لیا بلکہ ناچ آشرم کی ڈیوڑھی میں

کانے چوکیدار کی طرف اشارہ کر کے سروپ جی کو یہ وشواس دلایا تھا کہ اچھا ہوا شنکر ساتھ نہیں آیا ورنہ گورکھا اُسے ہرگز نہ چھوڑتا۔ یہی وہ بات ہے جس سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ جل پنا کے معاملے میں کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ مگر ایک دوسرے سے سینکڑوں میل دُور رہ کر بھی پروہت گنجال اور گوروآنبی کا ٹھیک چاند گرہن کی رات ایک ہی قسم کا سپنا دیکھنا بڑا ہی انوکھا واقعہ ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ شاید ایسا ہی ہوا ہو مگر بھگوان بدھ کو جل پنا سے اتنی دلچسپی کیوں ہو گئی تھی کہ اُسے مانڈلے کے ناچ آشرم سے ساؤ گاری کے ویرانے میں لانے کی خاطر اتنا جتن کرنا پڑا۔ گنجال نے جل پنا کو ''بھگوان کی نرتکی'' بنا دیا ہے۔ پر میں سوچتا ہوں بھلا بھگوان کو نرتکی کی کیا ضرورت ہے؟

پربھو...... ! آپ تو بہت پڑھے لکھے ہو شاید کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ۔ مگر میں ان عجیب اور پراسرار واقعات کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرے چھوٹے سے ذہن کی کھڑکیاں زور زور سے کھلنے اور بند ہونے لگتی ہیں جیسے کہیں آندھی چل رہی ہو اور تیز ہوا ان کھڑکیوں کو اِدھر اُدھر دھکیل رہی ہو۔ اُس سے مجھے خیال آتا ہے شاید جل پنا بھی آندھی کا جھونکا یا ہوا کی لہر ہے جو اِدھر اُدھر اُڑتی پھر رہی ہے، سمندر کی موج ہے جسے قرار نہیں، رات کی آنکھوں کا ایک سندر اور پریشان سا خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں۔ مگر یہ خیال اس وقت آیا کرتا تھا جب آپ ساؤ گاری میں نہیں آئے تھے۔ اور اب آ گئے ہو تو یوں لگتا ہے پنا صرف خواب یا سپنا نہیں بلکہ کسی سپنے کی ایک سندر تعبیر بھی ہے۔ پربھو! اگر مجھ سے بھول چوک ہو جائے تو شما کر دو۔ بس میں جل پنا کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتا۔''

○

شاسترو کی زبانی یہ کہانی سن کر میں ورطہ حیرت میں ڈوب گیا۔ پروہت گنجال اور گوروآنبی کے سپنے بالکل جادو کے قصے لگے۔ ایک ہی رات دونوں کو ایک ہی قسم کی ہدایت اور تاکید کی گئی جو ناقابل فہم تھی۔ پھر بھگوان کے کوہ پیکر مجسمے کا زندہ ہو کر کلام کرنا تو طلسم ہوشربا سے کم نہ تھا۔ بھلا آج کی دنیا میں اس قسم کی کرامتیں کہاں ظاہر ہوتی ہیں؟ اور جب میں ان عجیب وغریب انہونی باتوں پر غور کر رہا تھا، میرے ذہن کی کھڑکی کا پٹ دھیرے سے کھل گیا اور اندر سے آواز آئی...... ''تھارو کیشپ! مہاراج شاکیہ منی کے پہاڑ سمان مجسمے کے زندہ ہو جانے اور باتیں کرنے پر حیران ہو رہے ہو؟ ارے گنجال نے تو سپنا دیکھا تھا اور سپنے میں پتھر کے مجسمے کیا پہاڑ اور درخت بھی کلام کر سکتے ہیں۔ مگر تم اپنی کہو۔ عین بیداری کی حالت میں بھگوان کی مورتی کو زندہ آدمیوں کی طرح چلتے پھرتے اور پیتل کے پاؤں گھسیٹتے ہوئے دیکھ چکے ہو۔ اگر تم لوگوں کو یہ واقعہ سناؤ تو کون وشواس کرے گا؟ سب تمہیں پاگل سمجھیں گے...... کہیں پیتل کی مورتیاں بھی

چلتی پھرتی ہیں؟''

''تو پھر.....؟''

''نہ تم پاگل ہو نہ مورتی کا ظہور کوئی افسانہ ہے۔ اسی طرح شاید گنجال پر بھی وہی کیفیت گزری ہو جو تم پر گزری تھی۔ بس ذرا سوچنے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ممکن ہے کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ۔''

اس کے ساتھ ہی کھڑکی کا پٹ پھر دھیرے سے بند ہو گیا اور یوں لگا کہ میرے اندر کا آدمی جا چکا ہے۔ وہ غالباً میرے خیال کی اصلاح کرنے اور یہ سمجھانے آیا تھا کہ میں پروہت گنجال یا گورو آنبی کے سپنوں کو اپنے ''خواب بیداری'' پر قیاس کر کے اصل معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کروں اور حالات کی یہ صورت واقعی بڑی عجیب تھی۔ جب میں اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کو ایک سچ، ایک حقیقت سمجھتا ہوں تو گنجال اور آنبی کے سپنوں کو جادو یا طلسم ہوشربا قرار دینا تو صریحاً انیائے تھا۔ مجھے ان واقعات پر کسی دوسرے پہلو سے غور کرنا ہو گا مگر اس حیرت کا دوسرا پہلو آخر کون سا ہے؟

میں نے سوچا ہو سکتا ہے چاند گرہن کی رات وہ سپنے اسی طرح دیکھے گئے ہوں جس طرح بیان کئے گئے ہیں اور اس عجیب و غریب اتفاق کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ جل پنا کی ذات کو چاند گرہن سے کوئی خاص نسبت ہو جس کے باوجود میں اس خیال سے دستبردار نہ ہو سکا کہ پروہت گنجال اور شنکر بھکشو ساؤ گاری میں کوئی ناٹک کھیل رہے ہیں جو جل پنا کو کسی پراسرار خطرے کی طرف لے جا رہا ہے۔ خود میرے اندر کا آدمی بھی اس خطرے کی آہٹ سن چکا تھا جبھی تو اُس نے ساؤ گاری میں ناچ بھگتی کی وجہ معلوم کرنے کے لئے مجھ پر زور دیا اور میں جل پنا کی کہانی سننے بیٹھ گیا تھا کہ وہ یہاں کیسے لائی گئی تھی۔

شاسترو اب فرش پر بیٹھا حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ جب میری خاموشی طویل ہو گئی تو بولا۔ ''آپ نے جل پنا کی کہانی تو سن لی پربھو! اب کسی نتیجے پر بھی پہنچے ہو یا نہیں؟''

''ارے نتیجے پر پہنچنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ حالات پر اسرار کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ پھر جل پنا کی کہانی کا انت بھی تو نہیں ہوا، کہانی چل رہی ہے اور نتیجہ اُسی وقت نکلتا ہے جب کسی کہانی کا انت ہو جائے۔''

''یہ تو ٹھیک ہے..... پر کہانی کہاں تک چلے گی؟''

''بہت جلد ختم ہو جائے گی۔''

اچانک بڑے زور کا ہولناک دھماکہ ہوا جس سے ساؤ گاری کی پوری عمارت لرز اُٹھی..... میرے کمرے کی کھڑکیاں دروازے سب ہل گئے۔ میں آرام کرسی پر اُچھل سا گیا اور حیران و خوفزدہ نظروں سے شاسترو کو دیکھنے لگا۔

''ڈر گئے پربھو.....؟''

''یہ دھماکہ کیسا تھا؟''

''بجلی کی کڑک تھی۔ آج رتنا گری کے آکاش پر بادلوں کے دَل چھا رہے ہیں۔ موسم بدل گیا ہے۔ اور جب رتنا گری میں موسم بدلتا ہے بادل گرجتے ہیں، بجلیاں کڑکتی ہیں۔''

''میں نے بجلی کی ایسی زبردست کڑک پہلے کبھی نہیں سنی۔''

''یہاں بجلیاں کڑکتی نہیں گرتی بھی ہیں۔ اور جب بجلی گرتی ہے بڑا ہولناک دھماکہ ہوتا ہے۔ یہ دھماکہ بھی بجلی کے گرنے کا تھا۔''

''تو پھر ضرور یہ بجلی ساؤ گاری ہی پر گری ہے۔''

''نہیں پربھو! دکھن کی طرف دو میل دُور ایک پہاڑ ہے۔ بجلیاں صرف اُسی پر گرتی ہے۔ اُسے ''بجلیوں کا پربت'' کہتے ہیں۔''

میں نے حیرت زدہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ ''تمہارا مطلب ہے اُس پہاڑ کے علاوہ بجلیاں رتنا گری میں اور کہیں نہیں گرتیں؟''

''ہاں! یہی مطلب ہے میرا۔ برسات گرمیوں کی ہو یا سردیوں کی۔ بادل رتنا گری کے آکاش پر بدمست ہاتھیوں کی طرح بھاگتے اور چنگھاڑتے رہتے ہیں۔ پر بجلیاں صرف ''بجلیوں کے پربت'' پر ٹوٹا کرتی ہیں۔ وہ کالا پہاڑ ریا کی طرف جانے والے راستے میں پڑتا ہے۔ اُس پر اتنی بجلیاں گر چکی ہیں کہ جھلس کر رہ گیا ہے۔ اگر دیکھنا چاہو تو کسی دن دکھلاؤں گا۔''

یہ ایک اور نئی بات معلوم ہوئی تھی کہ رتنا گری میں بجلیاں صرف ایک ہی پہاڑ پر ٹوٹتی ہیں۔

''پھر تو کالا پہاڑ ضرور دیکھنا چاہئے جسے تم ''بجلیوں کا پربت'' کہتے ہو۔''

''مگر برسات کے دنوں میں اُدھر جانا ٹھیک نہیں۔'' بونا شاسترو پھدک کر کھڑا ہو گیا جیسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔ ''اب مجھے آگیا دو پربھو! میں تو بھول ہی گیا، سرما کے بادلوں کی رُت آ گئی اور سوی کے بچوں کی خاطر جو نیا گھر بنایا ہے ابھی اُس کی چھت پر مٹی ڈالنی ہے۔ آپ بھی کپڑے بدل لو۔ باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ اب یہاں سردی خاصی بڑھ جائے گی۔''

یہ کہہ کر وہ بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا اور میں پھر خیالوں کی دنیا میں کھو گیا۔ باہر بادل یوں گرج رہے تھے جیسے آسمان پر ڈھول بج رہے ہوں مگر دوبارہ بجلی کا کڑکا سنائی نہیں دیا۔ میں سوچ رہا تھا یہ رتنا گری کی وادی بھی خوب ہے۔ یہاں برسات کے دنوں میں موسلا دھار بارشیں ہوتی ہیں۔ سردیوں میں برف بھی گرتی ہے جس سے اردگرد کے پہاڑ، جنگل کے راستے ڈھک جاتے ہیں۔ (یہ باتیں مجھے شاسترو ہی نے سیر کے دوران بتائی تھیں) اس وادی کے شمالی پہاڑ کی ترائی ایک ایسے سندر سورگ کا نمونہ پیش کرتی ہے جس پر آدم کی جنت گم گشتہ کا

گماں ہوتا ہے اور اُس جنت میں ایک سانپ بھی رہتا ہے مگر جنوب میں ''بجلیوں کا پربت'' بھی ہے جہاں برسات میں آسمان سے آگ برستی رہتی ہے۔ ایک طرف جنت ہے دوسری طرف جہنم اور درمیان میں ساؤ گاری کی یہ قدیم الایام عمارت جو کالے پہاڑ پر گرنے والی بجلیوں کے دھماکوں سے خستہ اور کمزور ہو چکی ہے اور ایک ایسی دنیا کا منظر پیش کرتی ہے جسے مسلمان ''عالم برزخ'' کہتے ہیں اور اس بوڑھی سال خوردہ عمارت میں ہر منگل کو پوجا کی گھنٹیاں بجتی ہیں اور مندر میں ''بھگوان کی نرتکی'' ساؤ گاری کے باسیوں کی خاطر ''بھگتی ناچ'' کرتی ہے جنہیں اپنے پرکھوں کی طرح ہر حال میں یہیں رہنا، یہیں جینا، یہیں مرنا ہے۔

نہ جانے کب تک بیٹھا انہی خیالوں میں کھویا رہا۔ دوپہر کے کھانے پر شاسترو سے پھر ملاقات ہوئی۔ کہنے لگا۔ ''پربھو! آج بھی آپ کے ساتھ سیر کے لئے نہیں جاسکوں گا۔''

''ارے..... اس موسم میں سیر کیسی؟ بادل گرج چمک رہے ہیں۔''

''گرج چمک سے کیا ڈرنا...... بجلی گری بھی تو دھن کے کالے پہاڑ پر گرے گی۔ مگر اس موسم میں رتنا گری کا روپ کچھ اور نکھر جاتا ہے۔ بادلوں کے اندھیرے میں پربت اور جنگل بڑے سندر لگتے ہیں۔''

''بجلی کا ڈر نہ سہی، برکھا کا تو ہے۔''

''ابھی برکھا نہیں ہوگی۔ یہاں کئی کئی دن اسی طرح بادلوں کے جمگھٹے رہتے ہیں۔''

''پھر بھی میں اس موسم میں اکیلا کہیں نہیں جاؤں گا۔''

''من بہل جائے گا۔''

''ارے شاسترو! اکیلے آدمی کا من تو سورگ میں بھی بے کل ہو جاتا ہے۔''

''ٹھیک کہتے ہو پربھو! آدمی کا سورگ آدمی کے ساتھ ہے۔'' پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''یہاں کمرے میں بھی تو تنہا ہی رہو گے۔''

''دیواروں سے باتیں کروں گا۔''

''وہ تو ایک نہ ایک دن ہر پربھی کو کرنی پڑتی ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ خالی برتن لے کر فوراً کمرے سے نکل گیا اور اُس کے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہے۔ مگر اب نہ تو میں اُس پر بگڑا اور نہ اُس کی بات ہی بری لگی۔ شاسترو کے سامنے اعترافِ محبت کر چکا تھا۔ اب وہ منطقی بونا میرا خدمت گار بھی تھا اور محرم راز بھی۔

کچھ دیر کمرے میں بیٹھنے کے بعد بدلتے موسم کا نظارہ کرنے ساؤ گاری کے وسیع و عریض صحن میں آ گیا۔ باہر نکلتے ہی ہوا نے مزاج پرسی کی۔ رتنا گری کا آسمان گھنے گھور بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ دوپہر کے سمے بھی شام کا سا اندھیرا لگ رہا تھا۔ تیز ہوائیں گھٹاؤں کو اِدھر اُدھر

اڑائے پھرتی تھیں اور اُن کے سیاہ دل بدمست ہاتھیوں کی طرح چنگھاڑتے ایک دوسرے کو تاڑتے آپس میں گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ پہاڑوں کی گھاٹیوں، گلیوں، درّوں اور جنگلوں میں وحشی ہوائیں سسکارتی، شوکتی ہوئی گزرتیں تو یوں لگتا جیسے ہندو شاستروں کے دیوتا دھرتی پر اتر کر اودھم مچا رہے ہوں۔ آکاش پر بادلوں کے ڈھول بجتے تو دل پر ہول سا طاری ہوتا تھا۔ ہوا کی تیز لہروں سے ساؤ گاری کے کبڑے درخت، پھولوں کی جھاڑیاں اور پودے دوہرے ہو جاتے تھے۔ موسم بالکل بدل گیا تھا اور سرد ہوا جسم کے اندر سرایت کرنے لگی تھی۔ میں اس خیال سے فوراً پلٹا کہ کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے۔ اب تو کمرے میں بھی سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ بستر میں گھس کر مورتیوں کی اُس ہندی تاریخ کی ورق گردانی کرنے لگا جس میں اب میری دلچسپی کی کوئی بات نہیں تھی لیکن وقت کاٹنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔

شام ہوتے ہی گہرا اندھیرا چھا گیا تھا۔ شاسترو رات کا کھانا بھی وقت سے پہلے ہی لے آیا اور بتانے لگا کہ اُس نے سومی کے نئے گھر کی چھت لیپ پوت دی ہے اور اب اُس کے بچے مینہ پانی سے بالکل محفوظ رہیں گے۔ اگر اُس بونے کے بس میں ہوتا تو کسی کو دکھی نہ ہونے دیتا اور جل پنا کے لئے بھی ایک ایسا مندر بنا ڈالتا جہاں کوئی پروہت گنجال اُس کی نگرانی نہ کرتا، وہ اپنے من کی کلپنا میں گم ہو کر ناچتی اور ناچتی چلی جاتی اور دیوتا آکاش کے نادیدہ گوشوں میں چھپ چھپ کر اُس کا ناچ دیکھتے اور اُس کی شبھ کامنائیں پوری کرتے۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ فوراً بول اُٹھا۔

''پربھو! کیسی انہونی باتیں سوچتے ہو...... بھلا میں جل پنا کے لئے مندر کیوں بناؤں گا؟ وہ تو آپ کے من مندر میں ناچ رہی ہے۔ آپ ہی اُس کے دیوتا ہو۔'' اور میں شاسترو کے اس حیرت انگیز گیان پر ہکا بکا رہ گیا۔ نہ جانے اُس نے وہ بات کس طرح معلوم کر لی جو ابھی میرے ذہن کے نہاں خانوں میں گھوم رہی تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ پوچھتا وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ ''زیادہ سوچنا اچھا نہیں پربھو......! قہوہ پی کر سو جاؤ۔''

میں چوبی زینے پر اُس کے قدموں کے اُترنے کی آواز سنتا رہا، پھر بیرونی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آہٹ ہوئی۔ وہ جا چکا تھا۔ میں نے میز سے کیتلی اُٹھا کر قہوہ پیالی میں انڈیلا اور چسکیاں لینے لگا۔ یہ تین فٹ کا بونا میری سمجھ سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ آخر وہ ان کہی باتیں کس طرح سمجھ لیتا ہے؟ اُس کا دماغ ہے یا جادو کا آئینہ؟ اور وہ کون سی طاقت ہے جو اُس کے شعور کو دوسروں کے ذہن پڑھ لینے کا گیان عطا کرتی ہے......؟

میرے اندر کے تھارو کیشپ نے بھی کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ شاید وہ ذہن کے دریچے بند کر کے سو گیا تھا۔ ناگاہ خیال آیا ابھی تو مجھے نچلے کمرے کا دروازہ بند کرنا ہے۔ قہوہ ختم کر کے

لالٹین اُٹھائی اور بالکونی کا زینہ اُتر کر نیچے آ گیا۔ پھر بیرونی دروازے کی کنڈی چڑھا کر کل کی طرح آج بھی کمرۂ نشست کا جائزہ لیتا رہا۔ ابھی تک بھگوان کی مورتی کے خیال نے پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ کسی رات پھر چلی آئے۔ مگر مورتی سے زیادہ شنکر بھکشو کا دھڑکا لگا تھا۔ آج کی رات خلافِ معمول سرد، تاریک اور بھیانک تھی۔ اور ایسی ہی رات کسی جرم کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ میں بزدل نہیں، نہ خطروں سے ڈرتا ہوں۔ مگر مہذب دنیا سے الگ ایک دُور افتادہ مقام پر جہاں قانون کی عملداری نہیں ہر قسم کی احتیاط ضروری تھی۔ کمرۂ نشست کو اچھی طرح دیکھ کر اور لکڑی کی سیڑھیاں چڑھ کے اُوپر کمرۂ خواب میں لوٹ آیا پھر لو مدھم کر کے لالٹین کھونٹی سے لٹکا دی اور بستر میں آ گھسا۔

شاسترو نے جلد سونے کا مشورہ نہ دیا ہوتا پھر بھی آج جلد سو جانا چاہتا تھا کیونکہ مطالعے کے لئے کوئی کتاب نہیں تھی۔ ویسے بھی آج دن بھر پریشان رہا تھا اور دل و دماغ کے سکون کی خاطر نیند ضروری تھی۔ باہر بادل گرج چمک رہے تھے۔ وحشی ہوائیں اژدہوں کی طرح پھنکار رہی تھیں اور کبھی کبھی رعد کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی مگر بجلی کی آواز سے کہیں زیادہ پروہت گنجال کا خیال ذہن میں دھماکے سے کرتا رہا اور میں غنودگی کی حالت میں بھی یہی سوچتا رہا کہ وہ جل پنا کو ساؤ گاری میں کیوں لایا ہے اور اس ویرانے میں ناچ بھگتی کا مقصد کیا ہے؟

اچانک میرے اونگھتے ہوئے ذہن کو عجیب سا جھٹکا لگا اور محسوس ہوا کہ کوئی پراسرار قوت مجھے اپنے پاس بلا رہی ہے..... اشارے کر رہی ہے کہ میں اُس کی طرف چلا آؤں۔ شاید میں نے پھر کوئی سپنا دیکھنا شروع کر دیا تھا کیونکہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی قوت مجھ پر غلبہ پانے کی زبردست کوشش کر رہی ہے۔ میں اُسے دیکھ نہیں سکتا مگر وہ کہیں دُور سے میرے حواس مضمحل کر رہی تھی اور میرا وجود جیسے پگھلتا جا رہا تھا۔ ناگہاں کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے بستر پر چت پڑا ہوں۔ لالٹین کی مدھم سی روشنی میں مجھے اپنا وجود صاف نظر آتا ہے جو کسی گہری نیند میں کھو چکا ہے اور میرے نتھنوں سے نیلے سے دُھویں کی ایک لہریا لکیر خارج ہو رہی ہے جو میرے سر کے اُوپر بل کھانے اور گھومنے لگتی ہے۔ وہ نیلی سی لہر جو دراصل دُھویں سے کوئی مختلف شے تھی جب خارج ہو چکی تو بستر پر میرا جسم کسی مُردے کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا جیسے اس میں جیون کی کوئی رمق باقی نہ ہو..... پھر یوں ہوا کہ میں نے نیلگوں دُھویں کو یا جو کچھ بھی وہ تھا، تیزی سے اُڑتے اور دروازے کی سمت بڑھتے دیکھا۔

شاید وہ سپنا ہی تھا مگر بڑا عجیب، بڑا ہی بھیانک تھا وہ سپنا کہ میرا وجود تو بستر پر بے جان پڑا تھا اور میں اُسے دیکھ بھی رہا تھا۔ دُھویں کی اُڑتی ہوئی موج پر بھی نظر تھی اور سوچ بھی رہا تھا کہ یہ صرف دُھویں کی لکیر نہیں بلکہ ایک پورا آدمی..... ایک پورا تھارو کیشپ ہے جو میرے شریر

سے باہر نکل آیا ہے۔ پھر میں نے اُس نیلی لکیر کو دروازے کی ایک باریک سی جھری سے باہر نکلتے دیکھا اور اس کے ساتھ ہی یوں لگا کہ میری رُوح مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے اور میں موت کی ٹھنڈی اور اندھیری گہرائیوں میں ڈوب رہا ہوں جن کی تہہ کہیں نظر نہیں آتی...... اور ایسا گمبھیر اور گھور تھا وہ اندھیرا جیسے قبروں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور میں اُس اندھیرے میں اُترتا چلا گیا۔ نیچے ہی نیچے...... پھر اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ اس اتھاہ اندھیرے میں ایک دروازہ جو صندل کی لکڑی کا بنا ہوا ہے، روشنی کے مدھم سے ہالے میں کسی طلسم کی طرح نمودار ہوتا ہے۔ اُس کے دونوں کواڑ آپ سے آپ کھل جاتے ہیں اور نیلگوں دُھویں کی وہی لہر جو میرے جسم بلکہ میرے کمرے سے بھی نکل گئی تھی، اس صندلیں دروازے میں داخل ہو رہی ہے مگر جونہی دہلیز پار کر کے کمرے میں پہنچتی ہے وہیں رُک کر دُھویں کے ایک ستون میں بدل جاتی، پھر آنِ واحد میں ایک جیتے جاگتے آدمی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ تو میں خود یعنی تھارو کیشپ ہوں.....!

وہ کمرہ جہاں میں داخل ہوا ایک ایسے حجرے یا غار کی مانند تھا جہاں رشی منی گیان دھیان میں بیٹھتے اور نروان کی تپسیا کرتے ہیں یا رُوحوں سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ اُس کی فضا میں صندل کی بھینی بھینی خوشبو اُڑ رہی تھی۔ خیال آیا ضرور یہ کسی رشی کا حجرہ ہے جو اس تنہائی میں کوئی چلہ کاٹ رہا ہو گا اُسی نے مجھے طلب کیا ہے۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ مہمان تو حاضر تھا اور میزبان غائب کیونکہ مجھے بلانے والا خود کہیں دکھائی نہ دیتا تھا۔ میں اُس حجرے یا گپھا کو جو کسی سُرنگ کی مانند طویل تھی، حیرت کی نظروں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھا جو مدھم سی نیلی روشنی میں کسی عالمِ خواب اور ماورائی دنیا کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ حالانکہ اُس کی چھت، فرش اور دیواریں پتھروں سے تعمیر کی گئی تھیں۔ دُور جہاں سرنگ نما حجرہ ختم ہوتا تھا ایک خوبصورت محراب میں بھگوان بدھ کی مرمر کی ایک مورتی جو اُن کی جوانی کے زمانے کی تھی، نیلی روشنی کے ہلکے سے غبار میں لپٹی ہوئی نظر آئی اور مورتی کی آنکھوں میں پتلیوں کی جگہ دو ہیرے چمک رہے تھے جن سے سبز روشنی پھوٹ رہی تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ یہ سرنگ تو شاید مکتی گھر یا سورگ کا راستہ ہے۔ لیکن ابھی چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ ناگہاں کہیں سے ایک پُرجلال، پُرہیبت آواز آئی......

"رُک جا تھارو کیشپ! تو اس سمے مہاراج شاکیہ منی تتھاگت کے حضور حاضر ہے جس کے رُوپ میں لازوال شکتی کی اس آتما نے ظہور لیا جسے لوگ ایشور اور بھگوان کہتے ہیں۔"

یہ پُرجلال آواز سن کر میں اُنہی قدموں رُک گیا۔ پھر ایسی آواز اور ایسے لہجے میں جسے شاید میں پہلے بھی کہیں سن چکا تھا مگر اُس میں کچھ تبدیلی پائی جاتی تھی مجھے حکم دیا گیا۔

"کان لگا کر اور دھیان سے سن! جل پنا بھگوان کی نرتکی ہے۔ اُسے موہ مایا کے جگت میں

واپس نہیں جانا۔ تجھے وچن دینا ہوگا، پرتگیا کرنی پڑے گی۔ اگر وہ تجھ سے پریم بھی کرنے لگے تو اُس سے دُور رہے گا، اُسے اپنے پاس نہ آنے دے گا اور اُسے نراش کر دے گا۔"

"کیوں.....؟" میں نے بے اختیار پوچھ لیا۔

"اگر اُس پر کسی مرد کے پریم کی چھایا بھی پڑ گئی تو جان سے جائے گی اور اُس کی آتما سدا کے لئے ساوگاری اور رتنا گری میں بھٹکتی رہے گی۔"

میں یہ سن کر سکتے میں آ گیا۔ مگر اس بات پر اعتبار نہیں آ رہا تھا کہ پریم کسی کے جیون کا خاتمہ بھی کر سکتا ہے اس لئے نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا وچن دُوں جو میرے اور جل پنا کے درمیان تلوار بن کر لٹکتا رہے۔ میرے اندر ایک شدید کشمکش ہونے لگی۔ پنا کی زندگی کا خیال بھی تھا اور اپنے پریم کی شکست بھی منظور نہ تھی۔ میں حیران تھا کہ اگر یہ آواز کسی رشی کی ہے تو وہ کیوں نہیں جانتا کہ میں اناتھ بندو کی سمادھی پر جل پنا کو اپنے پریم کا قول دے چکا ہوں اور اُسے توڑ کر نیا وچن دینا گویا اناتھ بندو کا شراپ مول لینا تھا جو اس وقت مکتی گھر میں بھگوان بدھ کے پاس بیٹھا ہوگا۔ میں اسی سوچ میں گم تھا کہ مورتی کے عقب سے وہ پُراسرار آواز پھر بلند ہوئی..... "چپ کیوں ہے تھارو کیشپ! شاکیہ منی گوتم نے اپنی گوپا کو، اپنی یشودھرا کو چھوڑا تھا۔ تجھے جل پنا کو چھوڑنا ہوگا..... وچن دے! اقرار کر کہ تو جل پنا کا پیار ٹھکرا دے گا.....!"

نہ جانے کہاں سے مجھ میں اتنی شکتی آ گئی۔ جواب دیا۔ "میں شاکیہ منی گوتم نہیں مہاراج!"

"اس کا مطلب ہے تو نرتکی کا بھلا نہیں چاہتا۔"

"چاہتا ہوں..... اور اس بات کا وچن بھی دے سکتا ہوں۔"

"مورکھ! بھلا بھی چاہتا ہے اور اُسے موہ مایا کے جگت میں لے جانے کی آشا بھی رکھتا ہے؟"

اچانک دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ آگے بڑھ کر اس رشی کے درشن تو کروں جو غالباً مورتی کے پیچھے چھپا بیٹھا ہے اور کیسے جانتا ہے کہ میں جل پنا کو موہ مایا کی دنیا میں واپس لے جانا چاہتا ہوں؟ میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھا لیکن شاید اُس پُراسرار ہستی نے میرا ارادہ بھانپ لیا۔ فوراً گرجتی ہوئی آواز آئی۔

"رُک جا مورکھ..... رُک جا.....!"

نہ چاہتے ہوئے بھی وہیں رُک گیا مگر دوبارہ آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو قدم اُٹھ ہی نہ سکے۔ یوں لگا جیسے میرے پاؤں پتھر کے فرش پر جم کے رہ گئے ہوں یا اُن میں کیل ٹھونک دی گئی ہو۔ کوشش کرنے کے باوجود میں اپنا ایک بھی پاؤں نہ اُٹھا سکا۔

"تو اس سمے میرا غلام ہے اور میری آگیا کے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ تجھے میرا حکم ماننا ہوگا۔ میں کہتا ہوں وچن دے کہ تو جل پنا سے پریم نہیں کرے گا۔"

میں محسوس کر رہا تھا کہ شاید اُس کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکوں گا۔ میرے ذہن میں عجیب سے جھماکے ہو رہے تھے جیسے دو متضاد قوتیں ٹکرا رہی ہوں۔ پھر آپ سے آپ میرے ہونٹ ہلنے لگے میں اُس کی مرضی کے مطابق وچن دینے پر تیار ہو گیا تھا..... لیکن ابھی الفاظ زبان پر نہیں آئے تھے کہ دُور کہیں بجلی کا تڑاکا ہوا اور سرنگ نما حجرہ لرز اُٹھا۔ بھگوان کی مورتی کانپ گئی۔ ٹھیک اُسی لمحے مورتی کے عقب میں ایک ننگا پاؤں دکھائی دیا اور اُس پاؤں میں ٹخنے کے قریب پیتل کا پتلا سا گول کڑا تھا۔ فوراً ہی وہ پاؤں پھر غائب ہو گیا اور آواز آئی۔

"چلا جا مورکھ..... چلا جا! تو نے میری برسوں کی تپسیا بھرشٹ کر دی۔ اب چلا جا یہاں سے۔ کیونکہ یہ میں کہتا ہوں۔"

اور آن کی آن میں وہ سارا منظر ہی اوجھل ہو گیا..... نہ کوئی حجرہ تھا، نہ کوئی مورتی تھی، نہ وہ پراسرار آواز تھی۔ میرے چاروں طرف پھر اندھیرے ہی اندھیرے تھے اور میں اُن اندھیروں میں نیچے گرنے کی بجائے اُوپر اُبھر رہا تھا جیسے کسی قبر کے پیٹ سے نکل رہا تھا۔ گہرے اندھیروں میں نیلگوں دُھویں کی وہ لکیر سی پھر نمودار ہوئی جو ایک سمت اُڑتی چلی جا رہی تھی۔ یکلخت کیا دیکھتا ہوں کہ وہ نیلی لہر پھر کسی دروازے کی جھری میں داخل ہو رہی ہے اور یہ دیکھ کر مجھے شناخت ہوئی کہ وہ میرا ہی کمرہ ہے جہاں اب بھی لالٹین کی مدھم سی روشنی نظر آتی ہے۔ اس روشنی میں مجھے ایک بار پھر اپنا بے حس و حرکت جسم بستر پر دکھائی دیا۔ نیلے دُھویں کی لہر ایک دو چہرے پر چکر لگا کر میرے نتھنوں میں داخل ہونے لگی اور میرے مُردہ جسم میں زندگی کا دم لوٹ آیا۔ میں نے اپنے آپ کو بستر پر ہلتے اور اونگھتے دیکھا جیسے شدید کمزوری سے بدن ٹوٹ رہا ہو۔ نہ جانے کب تک اسی حالت میں پڑا رہا لیکن وہ بجلی کا زبردست تڑاکا ہی تھا جسے سن کر میں ہڑبڑا کر اُٹھا اور سر جھنجھوڑنے لگا..... گویا بجلی میرے سر پر گری تھی۔

چند منٹ میں حواس بجا ہوئے تو دیکھا کہ میں بستر پر گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوں اور کمرے میں مدھم سا اُجالا پھیلا ہے..... تو جو کچھ میں دیکھتا رہا وہ ایک خواب تھا، ایک سپنا تھا جس کے اثر سے ابھی تک میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ اور یہ کوئی اچھی علامت نہ تھی کہ آج کل میں عجیب و غریب اور بے تکے سپنے دیکھنے لگا ہوں۔

فوراً بستر سے اُٹھ کر لالٹین کی بتی اُونچی کی، روشنی بڑھ گئی اور اُس روشنی میں کلائی کی گھڑی دیکھی تو چار بجے تھے۔ اور میں اس اتفاق پر بڑا حیران ہوا کہ جب بھی کوئی سپنا دیکھ کر بیدار ہوتا ہوں گھڑی چار ہی بجا رہی ہوتی ہے۔ باہر آکاش پر بادل گرج رہے تھے اور کہیں جنگلوں میں ہوائیں بجاتی گزر رہی تھی۔ میں پھر بستر میں گھس کر سوچنے لگا کہ آخر آج کل میں یہ اُلٹے سیدھے سپنے کیوں دیکھنے لگا ہوں..... کہیں میری دماغی حالت بگڑ تو نہیں رہی؟ میں کسی ذہنی

مرض کا تو شکار نہیں ہو رہا؟ ایک پڑھے لکھے، صاحب شعور آدمی کو اتنا پریشان خیال بھی نہیں ہونا چاہئے کہ وہ میری طرح وہموں اور سپنوں میں گم ہو جائے۔

سوچا صبح صبح کوئی ورزش کرنی چاہئے، اپنا دھیان کسی مقصد کی طرف لگانا چاہئے ورنہ دھیرے دھیرے میں پاگل ہو جاؤں گا۔ مگر ابھی تو ساؤ گارتی میں آنے کا مقصد بھی معلوم نہ ہوا تھا اور میں خود ہی سمجھ بیٹھا تھا کہ پیتل کی ایک خاص مورتی کی تحقیق و جستجو کے لئے بلایا گیا ہوں۔ دیر تک طرح طرح کے منصوبے بناتا رہا۔ مگر آج میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو کچھ کمزور محسوس کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا میرے ذہن کو ایک طویل اور کٹھن سفر کرنا پڑا ہے۔

دن چڑھے میں ہاتھ منہ دھو کر کمرۂ نشست میں آ بیٹھا۔ جل پنا اُسی کمرے میں بیٹھ کر ناچ وِدّیا سیکھتی تھی۔ تھوڑی دیر میں شاستری ناشتہ لے کر آ گیا۔ وہ بڑا ہشاش بشاش نظر آتا تھا۔ میں نے کہا۔ ”ارے شاستری تو روز یوگا کرتا ہے۔ تھوڑی سی یوگا مجھے بھی سکھا دے۔“

وہ پٹر پٹر مجھے دیکھنے لگا، پھر مسکرایا۔ ”پربھو! آج سورج گھٹاؤں میں چھپا ہوا ہے۔ مگر ادھر ایک نیا سورج چڑھ رہا ہے۔“

”پگلے! نیا سورج نہیں، نیا چاند چڑھا ہے۔“ میں نے اُس کے محاورے کی اصلاح کی۔

”یہ تو اور بھی اچھا ہے پربھو...... ! نیا چاند دن کو چڑھ رہا ہے۔“

”بول سکھائے گا مجھے یوگا؟“

”پر یوگا تو سورج چڑھنے سے پہلے ہونی چاہئے۔“

”ارے اپنی آنکھ تو آج کل چار بجے کھل جاتی ہے۔“

”پھر میں آپ کو بلا لیا کروں گا پربھو!“

اچانک بیرونی دروازہ کھلا اور جل پنا پروہت گنجال کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ یہ بات بالکل خلافِ معمول اور خلافِ توقع پیش آئی تھی۔ پروہت گنجال پہلی بار اور وہ بھی جل پنا کے ساتھ میرے کمرے میں آیا تھا۔ میں نے اُٹھ کر سواگت کیا۔ میری طرح شاستری بھی اُس کی اچانک آمد پر حیران تھا۔ وہ بڑے وقار کے ساتھ چلتا آگے آیا اور بولا۔

”کیشپ جی! کل میں نے جل پنا کو سب کے سامنے آپ کی شِشّیہ بنایا تھا۔ آج اسے خود آپ کے شرن میں دینے کے لئے آیا ہوں۔“

”آپ کا آنا میری عزت افزائی ہے مہاراج...... ! جو وعدہ کیا ہے پورا کروں گا۔ اب جل پنا کو ناچ وِدّیا سکھانا میری چنتا ہے آپ کی نہیں۔“

”دھن واد کیشپ جی! آپ نے میرا مان رکھا۔ پھر میں ایک اور بات بھی یاد دلانے آیا ہوں۔“ پروہت گنجال نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اور یہ

بات یاد رکھیں کہ اب ناچ ہی اس کا نروان ہے۔“

میں نے اپنے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگتے محسوس کیا اور میری نظریں جھک گئیں۔ میں یہ دیکھ کر چونک اُٹھا کہ پروہت گنجال نے پاؤں میں ٹخنے کے اُوپر پیتل کا ایک پتلا سا گول کڑا پہن رکھا تھا۔ اور میری آنکھوں میں رات کے سپنے کا منظر گھومنے لگا جب بجلی کا تڑاکا ہونے پر سرنگ کا پتھر و لرز اُٹھا تھا، مرمر کی مورتی کانپ گئی تھی اور میں نے اُس کے عقب میں ایسا ہی ایک پاؤں دیکھا تھا۔ فوراً نظریں اُٹھائیں اور پروہت گنجال کو غور سے دیکھا۔ وہ بولا۔

”مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ اب آ گیا دیں۔“

”مگر جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ آپ نے نہیں سنا۔“

”آپ کہیں، میں سنوں گا۔“

”صرف یہ کہنا ہے مجھے کہ آئندہ اگر کبھی سپنے میں بلائیں تو مورتی کے پیچھے چھپ کر بات نہ کریں۔“

میں نے، جل پنا نے، شاستری نے سب نے دیکھا کہ پروہت گنجال کے چہرے پر ایک زلزلہ سا گزر گیا۔ آنکھوں سے چنگاریاں سی اُڑیں مگر فوراً ہی اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پرسکون لہجے میں کہا۔

”اپنے سپنے کا کسی دوسرے کو دوش نہیں دینا چاہئے کیشپ جی! نمسکار......“

کہہ کر پروہت گنجال پلٹا اور اُسی وقار کے ساتھ جس وقار کے ساتھ آیا تھا کمرے سے چلا گیا۔ جل پنا اور شاستری حیرت پاش نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں کھڑا سوچ رہا تھا رات جو کچھ میں نے دیکھا، وہ سپنا نہیں کچھ اور تھا...... ایک طلسم...... ایک شعبدہ۔ مگر جل پنا اور شاستری کے اصرار پر بھی اُنہیں کچھ بتانے سے انکار کر دیا کیونکہ اب جنگ میرے اور پروہت گنجال کے درمیان شروع ہو چکی تھی...... اور وہ جان گیا تھا کہ میں جل پنا سے پریم کرتا ہوں۔

○○○

(7)

پریم وِدّیا

پروہت گنجال جس حالت میں، جس تیزی سے گیا تھا اس نے جل پنا کو پریشان کر دیا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اناتھ بن میں ہم دونوں نے گنجال کو دھوکہ دینے کی جو تجویز سوچی تھی وہ کامیاب رہی ہے۔ اب اُسے ہمارے ملنے اور ناچ وِدّیا کا سلسلہ جاری رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ مندر میں ناچ پوجا کے بعد ساوگاری کے سارے باسیوں کے سامنے جل پنا کو میری شِشّ بنا چکا اور آج صبح ہی صبح اُسے ساتھ لے کر میرے پاس چھوڑنے آیا تھا جس سے یہی ظاہر ہوتا تھا وہ ہماری چال میں آ گیا ہے۔ لیکن معاملہ اس کے اُلٹ تھا اور وہ خود ایک چال چل رہا تھا جو میں نے پکڑ لی۔ جل پنا نہیں سمجھتی تھی کہ میں نے گنجال سے کیا بات کہہ دی ہے جسے سن کر وہ بری طرح چونکا۔ نہ صرف چونکا بلکہ بظاہر ہر معاملے کو ٹال کر جلد لوٹ بھی گیا مگر یہ تو میں ہی جانتا تھا کہ میرے الفاظ نے اُس کے دل و دماغ میں کیا ہلچل مچا دی تھی اور اب ہمارے درمیان ایک ایسی کشمکش، ایک ایسی جنگ شروع ہو گئی تھی جس کے انجام سے نہ میں واقف تھا نہ پروہت گنجال۔

جل پنا نے بات بگڑتی دیکھی تو پریشان ہو گئی۔ حیران شاسترو بھی تھا کہ میں نے سپنے کا بھالا مارا تو گنجال تڑپ کر چل دیا مگر اُس کی سمجھ میں بھی کچھ نہ آیا کہ ہوا کیا ہے۔ جل پنا کا خیال تھا میں نے ساوگاری کے پروہت کو ناراض کر دیا ہے، وہ پریشان لہجے میں بولی۔

"آپ نے خواہ مخواہ کھیل بگاڑ دیا، شاید گنجال ناراض ہو گیا ہے۔"

"وہ مجھ سے راضی کب تھا؟"

"پہلے ایک پردہ تو پڑا ہوا تھا۔"

"میں نے وہ پردہ خود اُٹھا دیا ہے کیونکہ ہمارے درمیان کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے کھیل اور میں اُس کی چال کو سمجھ گیا ہوں۔"

"مگر آپ تو کسی سپنے کی بات کر رہے تھے۔"

"یہ اُسی سپنے کی تعبیر ہے۔"

شاسترو ابھی تک خاموش کھڑا شاید کچھ اور ہی سوچ رہا تھا، اچانک بولا۔

"آج کل سپنے بہت دیکھنے لگے ہو پربھو......!"

"بعض جگہیں سپنوں کے لئے بڑی مناسب ہوتی ہیں۔ ساوگاری ایسی ہی جگہ ہے جہاں

آدمی عجیب و غریب سپنے دیکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"مجبور کیوں ہو جاتا ہے؟ سپنے تو آدمی کے اپنے ہی خیالوں کی پرچھائیاں ہوتے ہیں۔"

"ارے بدھو! ہر خیال اپنا نہیں ہوتا۔" میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "کبھی کبھی آدمی دوسروں کے خیال کا غلام بن جاتا اور سمجھتا ہے کہ جو کچھ سوچتا یا جو کچھ دیکھتا ہے اور اُس کے اپنے ہی ذہن کی تصویر ہے۔"

شاسترو نے آنکھیں پٹ پٹائیں۔ "آپ بہت پڑھے لکھے ہو پربھو! شاید آپ کی باتیں میری بدھی میں نہ آ سکیں۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ زینہ سپنے دیکھنا کوئی اچھی بات نہیں۔"

"اس میں برائی کیا ہے؟"

"زیادہ سپنے یا تو بھگوان کے اوتار دیکھتے ہیں یا پھر وہ لوگ جو پاگل پن کی لکیر پر کھڑے ہوتے ہیں۔"

بونے منطق کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میں اندر سے کانپ گیا کیونکہ چند روز سے خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ کہیں میرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ کہیں میں آہستہ آہستہ پاگل تو نہیں ہو رہا؟ پھر اپنے دماغی علاج کے بارے میں سوچا تھا مگر آج کے واقعے سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ شاید میں سپنے نہیں دیکھتا، وہ تو کچھ اور ہی کیفیت ہوتی ہے جسے میں خواب سمجھ لیتا ہوں۔ خواب یا سپنے نیند کی حالت میں آتے ہیں مگر میں جو سپنے دیکھتا ہوں اُن کی لڑی بیداری میں بھی نہیں ٹوٹتی۔ بھگوان بدھ کی مورتی اُس وقت میرے سرہانے آ کر کھڑی ہو گئی جب میں سو رہا تھا مگر جاگ بھی گیا تو مورتی میری آنکھوں کے سامنے چلتی اور اپنے پیتل کے پاؤں گھسیٹتی ہوئی دروازے سے نکل گئی اور میں راہداری میں اُس کے قدموں کی آہٹ سنتا رہا تھا۔ رات میں نے پھر عجیب و غریب سپنا دیکھا۔ اس سپنے میں بجلی کی کڑک بھی سنی تھی۔ مرمر کی مورتی کے پیچھے ایک پاؤں بھی نظر آیا تھا اور اس پاؤں میں پیتل کا ایک کڑا بھی دیکھا تھا۔ مگر آج پروہت گنجال کو دیکھا تو وہی پاؤں تھا، وہی کڑا تھا جس نے مجھ پر یہ حقیقت کھول دی کہ میں جس کیفیت کو خواب سمجھتا ہوں وہ کوئی اور ہی بات ہے۔

شاسترو نے غیر معمولی دماغ پایا تھا۔ اُس کی یہ بات غلط نہ تھی کہ زیادہ اور اُلجھے ہوئے سپنے دیکھنا پاگل پن کی علامت ہوتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں وہ خوابوں کی فلاسفی سے واقف نہ تھا صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ آدمی دن بھر جن خیالوں میں محو رہتا ہے وہی رات کو سپنے بن کر آتے ہیں۔ کہنے لگا۔

"میں جانتا ہوں آج کل بہت سوچنے لگے ہو۔ سوچنا بند کر دو، سپنے نہیں آئیں گے۔"

"ارے..... تو سمجھتا ہے دوسروں کی طرح میں بھی دن بھر جو کچھ سوچتا ہوں وہ رات کو

سپنے میں دیکھتا ہوں؟''

''بگڑتے کیوں ہو پربھو! آدمی کی کھوپڑی کے اندر بہت سی کوٹھڑیاں ہوتی ہیں جن میں اُس کی سوچیں بسیرا کر لیتی ہیں۔ رات سوتے وقت وہ کوٹھڑیاں کھلتی اور بند ہوتی رہتی ہیں اور سپنے انہی کوٹھڑیوں سے دبے پاؤں نکل کر بند آنکھوں کی گلیوں میں گھومنے لگتے ہیں۔ تو پربھو! آج کل آپ کے ذہن کی کوٹھڑیوں میں بھی بڑی چہل پہل لگی ہوئی ہے۔ یہ بھیڑ ذرا کم کر دو اور چین کی نیند سویا کرو۔''

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ تین فٹ کا بونا خوابوں کی فلاسفی مجھ سے بھی بہتر جانتا ہو گا۔ میں اُس کی باتیں سن کر دنگ رہ گیا۔

''ارے یہ دماغ کی کوٹھڑیاں کیا ہوتی ہیں؟''

''کبھی شہد کا چھتا دیکھا ہے پربھو! آدمی کا دماغ بھی چھتے کی طرح ہوتا ہے۔ بس کوٹھڑیاں ہی کوٹھڑیاں۔ اِدھر سے نکلو اُدھر سے گھس جاؤ۔ دن کو تو دھیان اِدھر اُدھر لگا رہتا ہے مگر آدمی کے سوتے ہی سوچیں اُن کوٹھڑیوں سے نکل آتی اور سپنے بن جاتی ہیں۔''

''تو نے یہ باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟''

''سیکھی نہیں، آپ سے آپ سوچ لی ہیں۔'' شاسترو بتانے لگا۔ ''اسی لئے میں سونے سے پہلے سوچ کی کوٹھڑیاں بند کر لیتا ہوں۔ سپنے نہیں دیکھتا۔''

میں حیرت سے اُس کا منہ تکنے لگا۔ غالباً جل پنا بھی سمجھ رہی تھی کہ رات میں نے کوئی اُلٹا سیدھا سپنا دیکھ لیا ہے اور اسی لئے پروہت گنجال سے اُلجھ بیٹھا ہوں مگر میں اُن دونوں کو یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ رات میں نے کیا تماشہ دیکھا تھا؟ نہ ہی سمجھا سکتا تھا کہ وہ سپنا یا خواب نہیں، کچھ اور تھا۔ اچانک پنا نے پوچھ لیا۔ ''کیا سپنا دیکھا آپ نے؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے بات چیت کا رُخ بدل دیا۔ بس یہ سمجھ لو ہم نے گنجال کے ساتھ جو کھیل شروع کیا تھا وہ ختم ہو گیا۔''

''کھیل تو اب شروع ہوا ہے پربھو!'' بات شاسترو نے پکڑ لی۔ ''اور جب کھیل شروع ہو جائے تو اس کے منظر نہیں بدلتے۔''

''مگر چال بدل گئی ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''پروہت گنجال جان گیا ہے کہ جل پنا میرے پاس پاس کیوں آتی ہے۔''

''یہ بات تو وہ پہلے بھی جانتا تھا۔''

''اب معاملہ کچھ اور ہے۔''

ابھی الفاظ میری زبان پر تھے کہ راہداری میں قدموں کی مدھم سی چاپ اُبھری، پھر دروازہ کھلا اور بالکل غیر متوقع طور پر پروہت گنجال کمرے میں داخل ہوا۔ ہم تینوں اُس کی اچانک واپسی پر حیران و ششدر رہ گئے۔ وہ بڑے اطمینان سے چلتا میرے قریب آیا۔

''کیشپ جی! رستے میں خیال آیا شاید اچانک میرا چلے آنا آپ کو برا لگا ہو اس لئے لوٹ آیا۔ اگر مجھ سے کوئی بھول ہو گئی ہو تو شما چاہتا ہوں۔''

میں تو ابھی اُس کی خلاف توقع واپسی پر حیران تھا کہ اس عجیب وغریب رویئے نے مزید حیرت میں ڈال دیا۔ آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ میں نے بھی اپنا رویہ بدل دیا۔

''آپ خواہ مخواہ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں مہاراج! میں تو ساؤ گاری میں ایک مہمان ہوں۔ اگر مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی ہو تو اُسے بھول جائیں۔''

''کیشپ جی! بھول تو میری تھی کہ آپ کو وسوسے میں ڈال کر چلا گیا۔ آپ شما کر دیں گے تو میرے من کی چنتا دُور ہو جائے گی۔''

''مجھے آپ کی طرف سے کوئی وسوسہ نہیں۔ میرا من صاف ہے۔''

''دھن واد.....'' اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''میں تو جل پنا کو آپ کے پاس چھوڑنے اور تاکید کرنے آیا تھا کہ اسے نرتش بنایا ہے تو گورو بن کر دکھایئے۔''

''میں گورو نہیں، خود کلا کا پجاری ہوں۔ پھر بھی جو کچھ جانتا ہوں ضرور سکھاؤں گا۔ آپ کی آگیا کا پالن جو کرنا ہے۔''

''سو بھاگیہ ہے میرا۔'' پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''ایک آدھ گھنٹے کے لئے آتی ہے اگر آپ زیادہ سمے دے سکیں تو اور اچھا ہو گا۔ کوئی شام کا سمے بھی رکھ لیں۔''

میں چونک گیا کہ دن میں دو بار ہمیں ملنے کا موقع دے کر وہ کیا چاہتا ہے۔ ''شاید شام کا سمے نہ دے سکوں۔ میرا وقت تو سروپ جی کی مٹھی میں بند ہے۔''

''سروپ جی آ جائیں تو کہوں گا کہ اپنی مٹھی کھول دیں۔ میری طرح وہ بھی جل پنا کو ایک مہان نرتکی کے رُوپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''پھر تو سوچنا پڑے گا۔''

''اب مجھے آگیا دیں اور اپنی پاٹھ شالا لگائیں۔'' پھر جل پنا سے مخاطب ہوا۔ ''اپنے نئے بھگتی ناچ کے بارے میں بھی کیشپ جی سے کچھ پوچھ لینا۔''

''پوچھ لوں گی مہاراج!''

پروہت گنجال نے دوبارہ ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ ''میں آپ کا سیوک ہوں کیشپ جی! میرے لائق کوئی سیوا ہو تو ضرور بتائیں، خود نہ کہنا چاہیں تو جل پنا سے کہلوا دیں۔''

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف مُڑا اور کمرے سے نکل گیا۔ ہم تینوں چپ چاپ کھڑے اُس کی آمد ورفت کے بارے میں سوچنے لگے۔ آخر شاسترو نے بات چلائی۔

"کچھ سمجھے پربھو......! گنجال کیوں آیا تھا؟"

"اب کیوں گڑ بڑ کرتے ہو؟" پنا نے فوراً مداخلت کی۔ "اُس نے کیشپ بابو سے معافی مانگ لی۔ بات ختم ہوگئی۔ اب کیا باقی رہ گیا ہے؟"

منطقی بونے نے سوال کیا۔ "پنا جی! صفر میں سے صفر نکال دو تو باقی کیا رہ جائے گا؟"

"صفر ہی رہے گا۔"

"تو یہاں بھی معاملہ صفر ہے۔" پھر وہ سمجھانے لگا۔ "گنجال نے واپس آ کر ایک نئی چال چلی۔ جواب میں کیشپ بابو نے بھی رویہ بدل کر منفی چال کھیلی اس لئے نتیجہ بھی منفی رہا۔ کیوں پربھو! میں نے جھوٹ تو نہیں کہا؟"

"شاسترو ٹھیک کہتا ہے پنا......! بعض لوگ دشمنی کو بھی دوستی میں لپیٹ کر رکھتے ہیں۔ پروہت گنجال صرف یہ بتانے آیا تھا کہ وہ میرا دشمن نہیں، دوست ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ وہ ناٹک کھیل رہا ہے۔"

"میں تو سمجھی تھی وہ بدل گیا ہے۔"

"صرف دکھاوے کے لئے اُس نے کینچلی بدلی ہے۔"

"اب کیا ہوگا؟"

"ساوَ گاری گنجال کی کمین گاہ ہے اور ہر سانپ اپنے بل میں محفوظ ہوتا ہے۔"

"ڈسنے کے لئے تو نکلے گا۔" شاسترو کہنے لگا۔ "سانپ کو اُسی وقت مارنا چاہئے جب بل سے باہر آ جائے۔"

"پھر تجھے اُس پر نظر رکھنی ہوگی شاسترو!"

"اچھا پربھو! آپ تو جل پنا کو ناچ ودیا پڑھاؤ یا پریم ودیا سکھاؤ، میں پروہت گنجال پر نظر رکھنے جا رہا ہوں۔" میں نے چونک کر دیکھا تو بولا۔ "پربھو......! گنجال نے کینچلی بدلی ہے تو آپ بھی تھوڑے سے بدل جاؤ اور اپنی ششش کو ناچ ودیا کی بجائے پریم ودیا پڑھانا شروع کر دو۔"

میرا ہاتھ اُٹھا ہی تھا کہ اُس نے بندر کی طرح قلانچ بھری اور دروازے سے نکل گیا۔ اُس کی بات نے میرے موڈ میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی۔ میں دری کی آرام کرسی پر آ بیٹھا۔ جل پنا میرے سامنے بیٹھ گئی۔ میں چاہتا تھا آج اُس سے کچھ اور ہی باتیں کروں لیکن نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ بجھی بجھی سی لگ رہی تھی۔ میں سمجھ گیا حالات کی نئی صورت نے اُسے فکر مند کر دیا ہے۔ پھر اُس کی سیاہ خوبصورت آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ "بھلا تم کیوں پریشان ہو؟"

"مجھے پریشانی کیوں نہ ہوگی؟ سب کچھ میری وجہ سے تو ہو رہا ہے۔"

"ارے یہ تو ہونا ہی تھا۔" میں نے اُسے خوش کرنے کے لئے کہا۔ "دنیا کی ہر کہانی عورت کے گرد گھومتی ہے۔ ساوَ گاری کی کہانی میں بھی ایک عورت ہے۔"

"مگر یہ کہانی کہاں ختم ہوگی؟"

"جہاں سانپ مر جائے گا۔ کیونکہ سانپ ہی عورت کا اصل دشمن ہے۔"

اُس دن واقعی ناچ ودیا نہیں چلی۔ ہم پروہت گنجال کی باتیں کرتے رہے یا پھر بونے شاسترو کے بقول پریم ودیا چلتی رہی۔ میں بتا چکا ہوں جل پنا کو ناچ کلا سے جنوں کی حد تک لگاؤ تھا۔ صرف لگاؤ نہیں بلکہ ناچ اُس کا نشہ تھا اُس کا جیون تھا۔ اگر ناچ اُس کی زندگی سے نکال لیا جاتا تو وہ ایک بے جان جسم کی طرح رہ جاتی۔ ناچ کے اسی نشے نے ساوَ گاری کی بھول تنہائیوں میں اُسے ٹوٹنے پھوٹنے سے بچائے رکھا تھا۔ مگر اب صورت کچھ مختلف تھی۔ اُس کے انگ انگ میں اگر ناچ کی مستی تھی تو کنواری سندر آنکھوں میں محبت کا خمار بھی لڑکھڑا رہا تھا۔ پریم اُس کے جیون کا سب سے بڑا آدرش بن گیا تھا۔ اُس میں یہ تبدیلی شاید اس لئے ہوئی تھی کہ عورت کا خمیر ہی پریم سے اُٹھایا گیا ہے جس نے اُسے تخلیق کی شکتی بخشی ہے۔ جب وہ پریم کا گیان اور عرفان حاصل کر لیتی ہے اُس کی ذات مکمل ہو جاتی ہے۔ جل پنا بھی اپنی ذات کی تکمیل کر رہی تھی۔ پوچھنے لگی۔

"کیشپ بابو! آپ کو یاد ہے جب ہم بن میں ملے، اناتھ بندو کی سمادھی پر کیا ہوا تھا؟"

اناتھ بندو کی سمادھی پر بہت سی باتیں ہوئی تھیں نہ جانے وہ کس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی؟ کچھ سوچ کر جواب دیا۔ "تم نے مجھ سے ساوَ گاری میں آنے کا سبب پوچھا تھا۔"

"وہ تو پوچھا تھا مگر وہاں کوئی اور بات بھی تو ہوئی تھی۔"

"ارے ہاں......وہ پریم والی بات نا......؟"

اُس نے اپنی گردن میں تھوڑا سا خم دے کر میری طرف دیکھا۔ "وہاں میں نے آپ کو اپنا بھگوان مان لیا تھا۔"

"پریمی تو پجاری ہوتے ہیں جل پنا......!"

وہ میری بات سن کر بھی اپنی کہتی رہی۔ "جب عورت کسی کو اپنا بھگوان مان لے تو اُس کے لئے جان بھی دے دیتی ہے۔"

"کیسی باتیں سوچ رہی ہو؟"

"مجھے اپنے من کی بات کہنے دیجئے! پہلے میں لوگوں کی بھیڑ میں خود کو اکیلی اور تنہا محسوس کرتی تھی۔ مانڈلے میں بھی، ساوَ گاری میں بھی۔ مگر اب تنہائی میں بھی آپ میرے پاس

ہوتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے سارا سنسار میرے ساتھ ہے۔ میں آپ کو اپنا اور صرف اپنا سمجھتی ہوں۔ اگر پروہت گنجال نے آپ کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی تو میں اُس کے بل میں گھس کر اُسے ہلاک کر دُوں گی۔ خواہ اپنی جان سے بھی کیوں نہ جاؤں......"

اُس نے یہ بات کچھ ایسی شکتی کے ساتھ کہی تھی کہ میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی اور میں بے اختیار کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی اُٹھی اور میرے قریب آ گئی۔

"میری خاطر اپنی جان پر کھیل جانا چاہتی ہو؟"

"آپ کی جان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتی ہوں۔ آپ میرے بھگوان جو ٹھہرے۔"

وہ کچھ اور قریب آ گئی اور میں نے یہ سوچے بغیر کہ اس وقت ساؤ گاری میں ہوں، اُسے پکڑ کے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور اُس کے گرم، گداز اور خوبصورت بدن کی لذت آفرین حرارت کو اپنے اندر سمونے لگا......شاید پنا خود بھی یہی چاہتی تھی۔ وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ رہی تھی۔ اُس نے اپنی سندر، سڈول بانہیں میری گردن میں حمائل کر دیں اور اپنا حسین چہرہ اس طرح میرے چہرے کے سامنے لے آئی کہ اُس کے گلاب کی مانند قدرتی سرخ ہونٹ میرے پیاسے ہونٹوں سے بھڑ جانا چاہتے تھے۔ وہ مجھے دعوت دے رہی تھی، میں نے یہ دعوت قبول کی اور اپنے ہونٹ اُس کے گرم گلابوں پہ رکھ دیئے......پھر یہ ہونٹ ایک دوسرے میں مدغم ہوتے رہے۔ ہم دونوں نے پریم رس پیا اور اس طرح لپٹے رہے جیسے آتما کی طرح ہمارا وجود بھی ایک ہو۔ پھر وہ بجلی کا کڑکا ہی تھا جو ہمیں ہوش میں لے آیا اور میں اُسے چھوڑ کر آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ مگر جل پنا دوسری کرسی پر نہیں بیٹھی، چند لمحے کھڑی مجھے پیار سے دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے میری آغوش میں آ کر گر گئی۔

"ارے، کوئی آ گیا، کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟"

اُس نے اپنی اُلجھی ہوئی سانس درست کی اور ایک بار پھر اپنی سندر کلائیاں میرے گلے میں ڈال دیں۔ "کیشپ بابو......! اب تو چاہتی ہوں کہ پروہت گنجال ہی آ جائے اور مجھے اس حالت میں دیکھ لے۔"

میں نے اُسے بازوؤں میں لے کر اُوپر اُٹھا دیا اور خود بھی اُٹھا۔ وہ حیران سی ہو کر بولی۔

"مرد کے بازوؤں میں کتنی شکتی ہوتی ہے۔"

"بھگوان مرد کو شکتی اس لئے دیتا ہے کہ اس کے بازو عورت کی رکھشا کر سکیں۔"

جل پنا چاہتی تھی میں اُسے بازوؤں میں سمیٹے رہوں، پیار کرتا رہوں۔ مگر یہ خود رفتگی اچھی نہیں تھی۔ میں پروہت گنجال کو نہیں بھول سکا تھا۔ اُسے بتانے لگا کہ وہ بدستور گنجال کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کرتی رہے اور اُسے یقین دلائے کہ وہ ناچ وِدّیا کے سوا مجھ سے اور کوئی

دلچسپی نہیں رکھتی۔ اُس نے بڑی کٹیلی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"اگر آپ کہتے ہیں تو یہی کروں گی۔ مگر یاد ہے شاسترو نے کیا کہا تھا؟"

میں کچھ حیران سا ہوا تو بولی۔ "اُس نے کہا تھا اپنی شش کو ناچ وِدّیا کی بجائے پریم وِدّیا پڑھانا شروع کر دو۔"

"وہ خبطی ہے۔"

"خبطی نہیں بڑا سیانا ہے۔ اب تو میں پریم وِدّیا ہی پڑھوں گی۔ جیسے آج پڑھی ہے۔ ٹھیک ہے نا؟" وہ پھر مجھ سے لپٹ گئی اور اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں کے سامنے کر دیئے۔ میں نے انہیں چوم لیا۔ اُس کی آنکھوں میں پریم کا نشہ لڑکھڑانے لگا اور اپنا لہجہ بدل کر بولی۔

"بابو کیشپ! مجھے پریم وِدّیا پڑھاؤ گے نا؟"

اُس کے اس لہجے میں اتنا رس اور اتنا گمبھیر پیار تھا کہ میں نے بے اختیار اُسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ یہی اُس کے سوال کا جواب تھا۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ رخصت ہوئی تو اُس کی چال میں ایسی مستی تھی جیسے ڈھیر سا سوم رس پی لیا ہو۔ وہ دروازے سے نکل گئی اور میں اُس کی مست چال سے سرشار ہوتا رہا۔ آج آدھا تھارو کیشپ ختم ہو گیا تھا۔

○

سروپ جی کی واپسی تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہ آیا، البتہ موسم بالکل بدل گیا اور پہاڑوں میں ہواؤں اور آکاش پر بادلوں نے طوفانی انداز اختیار کر لئے تھے۔

پروہت گنجال کی طرف سے بھی سوائے نگرانی کے کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ غالباً یہ سمجھ کر کہ میں اُس کے بارے میں جان گیا ہوں، وہ محتاط ہو گیا یا پھر اُسے خیال آ گیا تھا کہ ساؤ گاری میں میری حیثیت کسی عام مہمان سی نہیں کیونکہ سروپ جی مجھ سے غیر معمولی برتاؤ کرتے رہے تھے مگر اُس کی سرشت جان لینے کے بعد میں ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں تھا۔

میں جب ساؤ گاری میں آیا، گلابی جاڑے شروع ہو چکے تھے اور شاسترو کے بقول رتنا گری کا یہ موسم سب موسموں سے زیادہ دلکش ہوتا ہے۔ پہاڑوں کی ترائیوں میں پھیلے ہوئے گھنے جنگل ایک نیا چولا بدلتے ہیں، میرا خیال تھا یہ موسم کچھ عرصے اسی طرح خوشگوار رہے گا اور میں کبھی کبھار جل پنا کے ساتھ جنگلوں میں گھوم پھر سکوں گا۔ مگر موسم کے مزاج کچھ ایسے بدلے کہ روزمرہ کی سیر کے لئے باہر نکلنا بھی مشکل ہو گیا۔ بارش تو نہیں ہوئی البتہ کالی گھٹائیں ہاتھیوں کی طرح دندناتی اور چنگھاڑتی پھرتی تھیں۔ ہوائیں ارواحِ خبیثہ کی مانند بین کرتی اور شور مچاتی گزرتی تھیں اور سردی اچانک اتنی بڑھ گئی تھی کہ ساؤ گاری کے باسی بھی اپنے کمروں میں دبک کر رہ گئے۔

یہ اُسی دن کی بات ہے جب پروہت گنجال خود جل پنا کو میرے پاس چھوڑ گیا اور ہم دونوں ناچ وِدّیا کی بجائے پریم وِدّیا میں مصروف ہو گئے تھے۔ جذبات کے لپکتے ہوئے شعلے بدن کو جلائے دیتے تھے مگر میں نے خود کو بھسم ہونے سے بچا لیا تھا۔ جب تک جل پنا میرے پاس، میرے قریب رہی میری نبضوں میں خون بھی بہتی ہوئی آگ کی طرح سرسراتا رہا۔ اُس کے جانے کے بعد یا تو میں ٹھنڈا ہو گیا تھا یا پھر میرے کمرے میں گرمی نہ رہی تھی کیونکہ میں کچھ سردی محسوس کرنے لگا۔ جل پنا کے جوان پیار اور بوڑھے گنجال کی دشمنی کے بارے میں سوچنے کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہ تھا۔ دیر تک بیٹھا انہی خیالوں میں کھویا رہا اور ہوش اُس وقت آیا جب مارے سردی کے دانت بجنے لگے۔ سردی تو موسم بدلتے ہی شروع ہو گئی تھی مگر جوں جوں شمال کی برفیلی ہواؤں میں شدت پیدا ہو رہی تھی، سردی بھی بڑھ رہی تھی۔ بنیان، کرتے اور پاجامے کے سوا میرے بدن پر اور کچھ بھی نہیں تھا۔ یہی بہتر سمجھا کہ اُوپر چلوں۔

چوبی زینہ چڑھ کر میں اپنے بیڈ رُوم میں آیا اور گرم کپڑے پہن لئے۔ میں نے شیلانگ میں ایک سویٹر خریدا اور ایک معمولی سا کوٹ بنوا لیا تھا۔ یہی دو گرم کپڑے میری ساری کائنات تھے لیکن پہن لینے کے بعد جسم گرم نہ ہو سکا۔ مجھے رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ پڑھنے کے لئے کچھ کتابیں ساتھ کیوں نہ لے آیا۔ کتاب یوں بھی تنہائی کی بہترین ساتھی ہے۔ پھر مہذب دنیا سے کوسوں دُور اس پہاڑی ویرانے میں تو مجھ جیسے آدمی کے لئے کتابوں کی رفاقت بہت ضروری تھی۔ مگر ساوَ گاری میں پڑھنے کے لئے کچھ تھا ہی نہیں۔ مجبوراً اپنے اٹیچی کیس سے "جونی پیر" کا ایک پرانا پرچہ نکالا اور بستر میں گھس کر اُس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

دوپہر کے کھانے پر شاسترو گرم گرم قہوے کی کیتلی اُٹھا لایا۔ پہاڑوں کی سردی میں گرم قہوہ ایک نعمت ہوتا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر قہوے کے دو ہی گھونٹ بھرے تھے کہ بدن میں حرارت آ گئی اور مجھے تعریف کی سوجھی۔

"ارے شاسترو! اس وقت گرم گرم قہوہ پلا کر تو نے میرے من کی اچھا پوری کی ہے۔"

اُس کا جواب حیران کن تھا۔ "یہ اچھا میں نے نہیں کسی اور نے پوری کی ہے پربھو! قہوہ صرف آپ کے لئے بنوایا اور بھجوایا گیا ہے۔"

"ارے بول نا! کون ہے وہ؟" پوچھنے کو تو پوچھ لیا مگر من کہہ رہا تھا جل پنا کے سوا مجھ پر ایسی مہربانی اور کون کر سکتا ہے۔ میں شاسترو کی زبان سے اُسی کا نام سننا چاہتا تھا مگر اُس نے تو مخمصے میں ڈال دیا۔

"پربھو.....! اگر اُس کا نام بوجھو تو میں بھی آپ کا شش بن جاؤں۔"

"کیا تو سمجھتا ہے میں بوجھ نہیں سکتا؟"

"بوجھو گے تو جانوں گا۔ بات کچھ ٹیڑھی ہے۔"

"تو سن! مجھے اس قہوے سے جل پنا کی مہک آ رہی ہے۔"

"قہوہ تو اُسی نے بنایا ہے، مگر بنوایا کسی اور نے۔"

"ارے دوسرا کون ہے میرا دھیان رکھنے والا؟"

"ہار گئے ہو پربھو.....! کہو تو بتاؤں؟"

میں واقعی پریشان ہو گیا تھا۔ "بول کون ہے؟"

"پروہت گنجال۔"

"گنجال.....؟" میرے ذہن میں ایک دھماکہ ہوا۔

"ہاں پربھو.....! اُسی نے آپ کے لئے قہوہ بنوایا اور بھجوایا ہے۔" پھر وہ بتانے لگا۔ "ہوا یوں کہ آج پروہت گنجال کو بیٹھے بیٹھے اچانک ایک نیا خیال آیا اور جل پنا کے پاس آ کر بولا۔ "اگر کچھ سیکھنا چاہتی ہے تو کیشپ جی کی سیوا کر۔" پنا یہ سن کر حیران رہ گئی اور پوچھنے لگی۔ "میں اُن کی کیا سیوا کر سکتی ہوں مہاراج! وہ تو سیدھے منہ مجھ سے بات نہیں کرتے۔" اس پر گنجال نے کہا۔ "سردی بڑھ گئی ہے اُن کے لئے قہوہ بنا کر بھیج دے۔ وہ گرم گرم قہوہ پئیں گے تو اس سیوا کو یاد رکھیں گے اور دھیان سے تجھے ناچ وِدّیا سکھائیں گے۔" پھر جل پنا قہوہ تیار کرنے لگی۔ تو پربھو! آپ کے حال پر یہ کرپا پروہت گنجال نے کی ہے۔"

یہ بات میری توقع کے بالکل خلاف ہوئی تھی۔ یقیناً گنجال کوئی گہری چال چل رہا تھا۔ میں نے قہوہ پیا، ایک پیالی شاسترو کو بھی پلائی اور کہا۔

"میری طرف سے پروہت گنجال کا شکریہ ادا کر دینا۔"

"اور پنا جی سے کچھ نہیں کہنا؟"

"اُس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔"

"کچھ بھول رہے ہو پربھو.....!"

"کیا بھول رہا ہوں؟"

"گنجال نے نئی بازی شروع کی ہے۔ آپ کو بھی سوچ کر چال چلنی چاہئے۔"

"بول کیا چلوں.....؟ ہاتھی، گھوڑا یا پیادہ؟"

"کچھ بھی چلو پربھو! پر گنجال کو معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ اُس کی چال کو سمجھ گئے ہو اس لئے شکریہ جل پنا کا ادا کرو اور پروہت گنجال کو بھول جاؤ۔"

میں نے معاملے کی صورت پر غور کیا تو شاسترو کی منطق کچھ سمجھ میں آئی۔ "اچھا جو تو چاہتا ہے وہی کر بلکہ جل پنا سے کہہ دینا کہ جب تک سروپ جی نہیں آتے وہ صبح شام دونوں سے ناچ

"ودّیا سیکھنے آ جایا کرے۔"

اس پیغام کے ساتھ میں نے شاستری کو رخصت کر دیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ پروہت گنجال نے زیادہ وقت دینے اور شام کے سمے بھی جل پنا سے ملنے کی جو تجویز پیش کی تھی اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟

آسمان پر بادل اتنے گھنے ہو گئے تھے کہ دن پر شام کا گماں ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا کہ اب برسنے ہی والے ہیں۔ مگر بارش نہیں ہوئی البتہ ٹھنڈی ہوائیں کچھ اور تیز ہو گئیں اور سردی مزید بڑھ گئی۔ میں بستر ہی میں لیٹا جل پنا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کسی کی آواز سنائی دی۔

"کیشپ بابو......! کیشپ بابو!"

اور دوسری آواز پر میں نے پہچان لیا۔ وہ جل پنا تھی۔ پھر چوبی سیڑھیوں پر اُس کے قدموں کی چاپ اُبھری۔ کڑوں میں لگی گھنگریاں چھن چھن بجنے لگیں، وہ اُوپر آ رہی تھی۔ میں فوراً بستر سے نکلا اور لالٹین روشن کر دی کیونکہ کمرے میں اندھیرا ہو رہا تھا حالانکہ ابھی دن کے چار ہی بجے تھے۔

میں ہری کین لالٹین کھونٹی سے لٹکا کر مُڑا ہی تھا کہ جل پنا گرم شال اوڑھے کمرے میں داخل ہوئی۔ مجھے اُس کی آمد پر تعجب اس لئے نہیں ہوا کہ میں خود ہی شام کے سمے بھی ناچ ودّیا سکھانے کا سندیس بھیج چکا تھا البتہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ آج ہی شام سے میری تجویز پر عمل شروع کر دے گی۔ اُس نے بڑے دلکش انداز میں جسے کسی محبوبہ کی ادا کہنا چاہئے، اپنے گورے گورے نازک ہاتھ جوڑ کر مجھے پرنام کیا اور میرے کانوں میں رس گھول دیا۔

"میرے دیوتا......! تم نے داسی کو شام کے سمے یاد کیا تھا، میں آ گئی ہوں۔"

اُس کے الفاظ ہی میں نہیں، آنکھوں میں بھی پریم ہی پریم تھا۔ میں نے پوچھا۔

"تمہیں شام کا بلاوا بُرا تو نہیں لگا؟"

"یہ پوچھو کتنا اچھا لگا ہے۔" یہ کہہ کر جل پنا نے اپنے بدن سے گرم شال اُتار کر ایک طرف رکھ دی اور میں یہ دیکھ کر بھونچکا سا رہ گیا کہ اس بلا کی سردی میں بھی اُس کے جسم پر ناچ کا مختصر لباس تھا۔ آستینوں کے بغیر ایک ریشمی چولی جو ناف سے کئی انچ اُوپر ختم ہو گئی تھی۔ خمدار کمر سے لگا ہوا ننگا پیٹ، نیچے چھوٹا سا لہنگا۔ لہنگا بھی بس گھٹنوں تک پہنچتا تھا۔ سڈول اور گوری پنڈلیاں عریاں تھیں۔ ٹخنوں کے قریب پاؤں میں پیتل کے کڑے جن کے ساتھ مکئی کے دانے جتنی چھوٹی چھوٹی گھنگریاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دکھائی دے رہی تھیں۔ ناچ کے اس لباس میں جل پنا کچھ اور ہی قیامت ڈھا رہی تھی۔ اُس کے بدن میں بلا کی کشش تھی لیکن اس لباس میں تو بالکل آکاش کی اپسرا معلوم ہوتی تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ میری نگاہیں اُس کے سندر جسم کا

جائزہ لیتی ہوئی پاؤں تک جا پہنچی ہیں تو اُس نے دونوں پاؤں کی ایڑیاں فرش پر بجا کر گھنگریوں کا چھناکا کیا، میرا ذہن اُڑنے لگا۔

پہلی ہی نظر میں یوں لگا جیسے وہ سؤرگ پتی دیوتا اندر کی کوئی اپسرا ہے جو اُس کے آسمانی شہر امراوتی سے دھرتی پر اُتر آئی ہے۔ مگر فوراً خیال آیا ہندو ویدوں اور پورانوں میں اندر دیوتا کی بیٹی جینتی کا بھی یہی لباس بیان کیا گیا ہے۔ جینتی اندر کی حسین بیوی اور اندرانی کے بطن سے پیدا ہوئی اس لئے بہت زیادہ خوبصورت اور ایک مثالی بدن رکھتی تھی۔ وہ تنگ چولی اور لہنگا پہن کر اندر جی کے نندن باغ میں ناچتی اور اپنے بدن کو لچکاتی تھی شاید اسی لئے اُسے "دیویتا" اور "تادیشی" کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ میں نے سوچا تو یہ جل پنا نہیں جینتی ہے، اس اندر دیوتا کی لڑکی جو آکاش کی تمام اپسراؤں کا مالک اور "میگھ داہن" یعنی "بادلوں کا سردار" کہلاتا ہے۔ میں اُس کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا، پھر بولا۔

"آج تو سردی بہت ہے۔ کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے تمہیں۔"

"کیشپ جی! جس بدن میں پریم کی جوالا دہک رہی ہو، اُسے ٹھنڈ کس طرح لگ سکتی ہے؟"

میں جانتا تھا اُس کی رُوح شروع ہی سے پیار کی پیاسی رہی ہے۔ جب سے اُس نے ہوش سنبھالا ہے، اُسے پیار نہیں ملا۔ یہی وجہ ہے کہ میرے پریم نے اُس کے اندر ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی ہے اور وہ پریم کرنے یا اس کے اظہار میں بھی شدت اور بے باکی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ وہ جیون میں پہلی بار پریم کی لذت سے آشنا ہوئی ہے اس لئے چاہتی ہے کہ آٹھوں پہر اسی لذت میں کھوئی رہے۔ وہ اپنے پاؤں کی گھنگریاں چھنکاتی ذرا قریب آئی اور پوچھنے لگی۔

"میں اس لباس میں تمہیں اچھی لگتی ہوں کیا؟" تخاطب کا انداز بدلا، خود بھی بدل گئی۔

"بہت سندر لگتی ہو۔ ارے......! بالکل اندر دیوتا کی لڑکی جینتی لگ رہی ہو جو آکاش کے نندن باغ میں ناچا کرتی تھی۔"

یہ تعریف سن کر وہ خوش ہو گئی اور میں نے سوچا شاید جینتی بھی اتنی سندر نہ ہو اور اُس کی جوانی بھی اس قیامت سے نہ گزری ہو، پوچھا۔ "آج یہ لباس پہننے کا خیال کیسے آ گیا؟"

"سوچا میرے دیوتا نے پہلی بار شام کو بلایا ہے تو ناچ کا لباس پہن کر جاؤں۔ مگر میں ناچ ودّیا سیکھنے نہیں آئی۔"

"پھر کیا سیکھنے آئی ہو؟"

"پریم ودّیا۔"

میں جانتا تھا وہ یہی جواب دے گی۔ کیونکہ اُس کا انگ انگ پریم کے نشے میں چور ہو رہا تھا۔ میرے قریب آ کر اور اپنی پیاری، مرمریں اور خوبصورت بانہیں میرے گلے میں پڑ کر

سینے سے لگ گئی۔ میرے بازو بھی آپ سے آپ اُس کی کمر کے گرد لپٹ گئے۔ اُس نے گھوڑی اُوپر اُٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکا اور کہا۔ ''ایک بات پوچھوں کیشپ!''

''پوچھو......!''

''تم سچ مچ میرے دیوتا ہو نا...... میرے بھگوان؟''

''میں تمہارا پجاری ہوں جل پنا......! تم حسن کی دیوی ہوں۔''

''نہیں تم میرے بھگوان ہو...... بولو نا...... ہو؟'' وہ میرے بازوؤں میں کسمسائی۔

''اچھا...... میں تمہارا بھگوان سہی۔''

''اور میں تمہاری گوپا ہوں، تمہاری پنا۔'' یہ کہہ کر وہ پوری شدت کے ساتھ مجھ سے چمٹ گئی اور اپنے سرخ، گرم ہونٹ میرے ہونٹوں پر پھیرنے لگی۔ ملاپ کی گھڑیاں طویل ہو گئیں اور ہم نے ایک دوسرے کو والہانہ پیار کیا۔ میری نبضوں میں لہو گرم ہو گیا اور بدن حرارت سے جلنے لگا تھا۔ فوراً اُسے الگ کیا اور کہا۔

''پنی......! اب ہمیں نیچے چلنا چاہئے۔''

وہ بستر پر بیٹھ گئی۔ ''نیچے کیا رکھا ہے...... یہیں بیٹھ جاؤ نا میرے پاس۔''

مگر میں نے اُس کے پاس بیٹھنے سے اجتناب کیا۔ بستر ایک جوان مرد اور جوان عورت کی کمزوری بن سکتا تھا۔ اُس کی آنکھیں، اُس کے انداز ''کمزوری'' کی دعوت دے رہے تھے۔ میں نے ہاتھ پکڑ کے اُسے اُٹھایا۔ ''یہ تنہائی ہم دونوں کو قتل کر دے گی۔ نیچے چلو!'' پھر شال اُٹھا کر اُسے اوڑھا دی۔ ''تمہیں تو سردی نہیں لگے گی کیونکہ تمہارے من اور بدن میں پیار کی آگ جل رہی ہے لیکن لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ شال لپیٹ لو اور یہاں سے نکلو۔''

میں نے لالٹین اُٹھائی اور اُس کے آگے چلا۔ چوبی زینہ اُتر کر ہم نیچے آ گئے۔ میرا فرض تھا میں جل پنا کے ساتھ پریم کروں مگر اُسے بھٹکنے نہ دُوں۔ حالانکہ اُس کا جوبن، اُس کا رُوپ میرے جذبات میں ایک ہلچل سی مچا رہا تھا اور کمرۂ نشست میں آ کر بھی اُس نے میرا بازو شال کے اندر سے اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ وہ مجھے اپنے کنوارے بدن کی لذتوں میں گم رکھنا چاہتی یا خود جذبات کے بھنور میں گم ہو جانا چاہتی تھی۔ میں نے سوچا اگر ہم یہاں بھی ہیجانی کیفیت سے دوچار رہے تو شاید میرے اندر کا آدمی بہک جائے اور پنا کا ہاتھ پکڑ کے خود ہی اُسے بیڈ رُوم میں لے جائے۔ اس لئے کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہئے کہ ہمارے جسم ایک دوسرے سے الگ رہیں۔ فوراً ہی ایک ترکیب سوجھ گئی۔ میں نے کہا۔

''آج تم ناچ کا لباس پہن کر آئی ہو تو مجھے اپنا ناچ ہی دکھا دو!''

اُس نے اپنی دونوں کلائیاں بڑے پیار سے میرے گلے میں ڈال دیں اور بولی۔ ''پہلے

ایک بار مجھے پیار کر لو! پھر تمہیں اپنا ناچ دکھاؤں گی۔''

اس کے ساتھ ہی پنا نے اپنے شگفتہ رس بھرے ہونٹ پیش کئے اور میں نے اُن سرخ یاقوتوں کو اپنے ہونٹوں میں بھینچ لیا۔ محبت کا یہ عمل ایک ڈیڑھ منٹ سے زیادہ طویل نہیں تھا۔ جب الگ ہوئی تو اپنی شال کرسی پر رکھ کے کہنے لگی۔

''اب میں تمہارے لئے رات بھر ناچ سکتی ہوں۔''

وہ پیتل کے کڑوں کی گھنگریاں چھنکاتی بجلی کے کوندے کی طرح لپکی۔ میرے اندر کے تھارو کیشپ نے مشورہ دیا میں پنا سے اُس بھگتی ناچ کی فرمائش کروں جس میں پروہت گنجال دلچسپی رکھتا ہے۔ میں نے کہا۔ ''پنا! وہی ناچ جس کے بارے میں صبح گنجال نے تمہیں ہدایت کی تھی۔''

وہ ایک پل کے لئے رُکی پھر اپنا زاویہ بدل کر بھگتی ناچ کرنے لگی جسے میں مندر میں دیکھ چکا تھا۔ اس ناچ کا مقصد عورت کو موہ مایا کے جال سے بچنا اور مکتی کا راستہ دکھانا تھا۔ میں بڑی محویت کے ساتھ ناچ دیکھتا رہا۔ جب پنا اس مرحلے پر پہنچی جہاں موہ مایا کے جال میں گرفتار ہو جانے والی عورت پر نجات کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو میں نے آواز دے کر اُسے وہیں روک دیا اور بتایا۔ ''یہاں ناچ غلط ہو گیا ہے۔''

اسی لمحے دروازہ کھلا لیکن ہم دونوں کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی اس لئے نہ دیکھ سکے دروازہ ہوا سے کھلا ہے یا کسی نے کھولا ہے؟ جل پنا پوچھ رہی تھی۔

''ناچ غلط کیسے ہو گیا؟''

''نجات کا دروازہ بند نہیں ہونا چاہئے۔'' یہ کہہ کر میں نے پلٹ کر دیکھا تو راہداری میں کھلنے والے دروازے پر شاسترو اور پروہت گنجال خاموش کھڑے ہمیں دیکھ رہے تھے اور شاسترو کے ہاتھ میں کانگڑی تھی جس میں کوئلے دہک رہے تھے۔ میں نے آواز دی۔

''آگے آئیے مہاراج! وہاں کیوں رُک گئے؟''

اس آواز پر جل پنا نے بھی اپنا رُخ بدلا اور شاسترو کے ساتھ پروہت گنجال کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔ گنجال میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیشپ جی! آپ کہتے ہیں نجات کا دروازہ بند نہیں ہونا چاہئے۔''

''جی ہاں! اس ناچ میں یہی خرابی ہے۔ جب نرتکی موہ مایا سے منہ موڑ کر مکتی حاصل کرنے کے لئے بھاگتی ہے تو نجات کے دروازے میں اتنی جھری باقی رہ جانی چاہئے کہ نرتکی اس میں نکل ہو سکے اور اپنی نجات کا ناچ کرے۔''

پروہت گنجال گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ میں نے اپنے خیال کی وضاحت کی۔

''یہ ناچ ایک مایوسی پر ختم ہوتا ہے۔۔ نہ ناچ، دیکھنے والوں کو نرتکی سے اُس سے ہمدردی

ہو جاتی ہے جب وہ موہ مایا کے بندھن توڑ کر بھاگتی ہے۔ ناچ کا انت نرتکی کی مکتی پر ہو تو گناہگار دلوں میں بھی نروان کی آشا پیدا ہو گی۔ جبھی یہ ناچ کامیاب ہو سکے گا۔"

گنجال نے تحسین آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "کیشپ جی! آپ بڑے ودھوان ہیں۔ بھول میری تھی۔ نجات کا دروازہ بند نہیں ہو گا۔ گناہگاروں کو بھی مکتی ملنی چاہئے۔"

شاسترو نے کانگڑی میز پر رکھ دی اور جل پنا کوئلوں پر اپنے ہاتھ سینک رہی تھی۔ میں نے شال اُٹھا کر اُس کے جسم پر ڈال دی۔ "سردی ہے۔ شال اوڑھ لو! اب ناچ وِدّیا سویرے ہو گی۔"

پروہت گنجال نے آگے بڑھ کر پنا کو تھپکی دی۔ "مجھے خوشی ہے تو ایک مہان آدمی کی شش بنی۔ اب تیرا کلیان کیشپ جی کے چرنوں میں ہو گا۔" پھر مجھ سے مخاطب ہو کے کہنے لگا۔ "کیشپ جی! میرے بن پوچھے آ جانے سے آپ کی ناچ وِدّیا بھنگ ہوئی جس کا مجھے افسوس ہے۔"

"نہیں مہاراج! آپ کا آنا اچھا رہا، بھگتی ناچ کی کایا ٹھیک ہو گئی۔"

"اصل میں ٹھنڈ بہت تھی۔ میں نے شاسترو سے کہا کیشپ جی کے کمرے میں کانگڑی پہنچا دے، پھر خود ہی ساتھ آ گیا۔"

پروہت گنجال نے آج میرا خاص خیال رکھا تھا۔ ایک بار قہوہ بھجوایا دوسری بار کانگڑی۔ سویرے جل پنا کو ساتھ لے کر آیا تھا اور شام کو یہ دیکھنے آ پہنچا کہ میں اُسے کیا سکھاتا ہوں، ناچ وِدّیا کہ پریم وِدّیا؟ ہماری خوش قسمتی تھی جب گنجال اور شاسترو آئے پنا ناچ رہی تھی اور میں نے ڈانس کمپوزیشن کی غلطی پکڑ لی تھی۔ یہ میرے اندر کا تھارو کیشپ دھڑکا تھا جس نے پریم وِدّیا کی حسین و رنگین کتاب بند کر کے ناچ وِدّیا کی پاٹھ شالا لگا دی۔ جل پنا بھی سمجھ گئی تھی کہ پروہت یونہی نہیں آیا شاید وہ کچھ اور ہی دیکھنے آیا تھا۔ مگر پنا کو ناچتے اور مجھے ناچ وِدّیا دیتے دیکھ کر اُس کے من کی چنتا دُور ہوئی تھی یا نہیں لیکن ہمیں اس بات کی تسلی ضرور ہو گئی کہ ہمارا آج کا ناٹک واقعی جم گیا تھا۔

پروہت چند منٹ بیٹھا میری تعریف کرتا رہا، پھر جانے کے لئے اُٹھا اور بولا۔ "میں نے جل پنا کو آپ کی سیوا کے لئے کہا ہے، اسے نراش نہ کریں۔"

"مجھے سیوا کی نہیں آپ کی شبھ کامنا کی ضرورت ہے مہاراج!"

"میری شبھ کامنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

"مگر آپ چل کیوں دیئے...... کچھ دیر بیٹھیے نا!"

"میری تپسیا کا سمے ہو گیا ہے۔ اب چلوں گا۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا اور نکل گیا۔ اُس کے جاتے ہی شاسترو کو بھی خیال آیا کہ موسم خراب ہو گیا ہے آج رات کا کھانا وقت سے پہلے کھا لینا چاہئے۔ کہنے لگا۔

"اگر بادل برس پڑے تو آنا مشکل ہو جائے گا۔ میں ابھی جا کے آپ کا کھانا لے آؤں۔"

"ذرا سن......!" وہ جاتے جاتے رُک گیا۔ میں نے پوچھا۔ "تو نے پروہت گنجال کے آنے کی خبر کیوں نہ دی اور اُسے لے کر چوروں کی طرح چپکے سے کمرے میں کیوں آ گیا تھا؟"

"کیا میری آواز نہیں سنی آپ نے؟"

"تو نے آواز دی کب جو میں سنتا؟"

"پربھو! جب گنجال میرے ساتھ چل پڑا، مجھے ایک دھڑکا سا لگا اور میں نے من ہی من میں آپ سے کہا تھا کہ پریم وِدّیا چھوڑ کے ناچ وِدّیا شروع کر دو۔ جب ہم راہداری میں پہنچے تو پنا کے کڑے بجنے کی جھنکار سنی، ناچ ہو رہا تھا۔ پھر میں گنجال کو لے کر چپکے سے کمرے میں آیا تاکہ وہ بھی دیکھ لے۔ اور پربھو! یہ تو اچھا ہوا کہ اُس کے من کا وہم دُور ہو گیا۔ اب آ گیا دو! میں آپ کے کھانے کا بندوبست کروں، کہیں برکھا نہ آ جائے۔"

وہ چلا گیا اور میں اس بات پر بڑا حیران ہوا کہ تھوڑی دیر پہلے میرے ذہن میں جو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ میں جل پنا کو اپنے سے الگ رکھوں اور اُس کا ناچ دیکھوں تو وہ اصل میں شاسترو کے من کی آواز تھی جس نے مجھے قبل از وقت ایک خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ یہ بات اگرچہ بڑی عجیب مگر دل کو ڈھارس دینے والی تھی کہ اُس نے بہت دُور سے بہت پہلے میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجا دی اور میں ہوشیار ہو گیا تھا۔ لیکن یہ معاملہ کب تک چل سکتا ہے؟ کیا منتقل ہونے کا ذہن ہمیشہ اسی طرح گھنٹی بجاتا رہے گا اور میں اسی طرح بچتا رہوں گا؟ پھر جس بات، جس خطرے سے شاسترو بھی آگاہ نہ ہو، اُس کے بارے میں اطلاعی گھنٹی کیسے بجے گی؟

شاسترو کے جاتے ہی جل پنا قریب آ گئی اور اپنی کلائی میرے شانے پر رکھ دی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"گنجال کیوں آیا تھا بھلا؟"

"میں اُس کی چال سمجھ گئی ہوں۔ وہ خود ہماری نگرانی کر رہا ہے کیونکہ شنکر کل سے بیمار پڑا ہے۔"

"پھر تو ہمیں بہت زیادہ احتیاط کرنی ہو گی۔ تمہارا دیر تک یہاں بیٹھنا اچھا نہیں۔"

اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "تو میں جاؤں؟"

"ہاں...... تمہیں جانا چاہئے۔" پھر میں اُس کے ساتھ دروازے تک آیا۔ وہ اچانک رُک گئی اور بولی۔

"مجھے خود بھیج رہے ہو؟"

میں نے اُسے پیار سے کہا۔ "میرے بس میں ہو تو تمہیں جانے ہی نہ دُوں۔"

وہ سرگوشی کے لہجے میں بولی۔ "آج رات یہ دروازہ بند نہ کرنا۔"

"کیوں......؟"

"جب ساؤ گاری کے باسی سو جائیں گے تو چپکے سے تمہارے کمرے میں آ جاؤں گی۔"

"باوری ہوگئی ہو کیا؟"

"نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے کیشپ! رات کو کمرے کی تنہائی کاٹتی ہے۔ تمہارے بستر پر سونا چاہتی ہوں۔"

اور یہ بات اُس نے کسی جھجک اور خوف کے بغیر کہہ دی جیسے عورت کا مرد کے بستر پر سونا کوئی اچنبھا نہ ہو۔ دراصل وہ پریم میں اتنی دیوانی ہوگئی تھی کہ میرے اور اپنے درمیان ہر فاصلہ مٹا دینا چاہتی تھی۔ میں دیوانگی یا سادگی پر حیران سا رہ گیا۔ ڈر گیا کہ کہیں وہ سچ مچ رات کے اندھیرے میں میرے کمرے میں نہ آ جائے۔ ایک کچی کنواری لڑکی جب کسی سے ٹوٹ کے پیار کرتی ہے تو آس پاس کے خطروں سے آنکھیں موند لیتی ہے۔ میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "رات کو آنے کی بھول کبھی نہ کرنا...... یہ بھول خطرناک ہوگی۔"

"میں تو تمہارے سوا سب کچھ بھول جانا چاہتی ہوں...... اپنے آپ کو بھی۔"

"مگر یہ ضرور یاد رکھو! ابھی ہمارے بستر پر سونے کا موسم نہیں آیا۔"

"پیار کا کوئی موسم نہیں ہوتا...... مجھے اپنے پاس آنے سے نہ روکو۔"

"پیار بے شک اندھا ہوتا ہے پنا! مگر دیکھنے والے اندھے نہیں ہوتے۔"

"کون دیکھے گا آدھی رات کو مجھے؟"

"یہاں ایک ایسا آدمی ہے جو رات کے اونگھتے اندھیروں میں دوسروں کو سپنے دکھاتا اور خود جاگتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے پروہت گنجال؟"

"تم گنجال کو کیا سمجھتی ہو؟ اور تھوڑی دیر پہلے تم نے کیا کہا تھا اُس کے بارے میں، یہی نا کہ میں اُس کی چال سمجھ گئی ہوں۔ وہ خود ہماری نگرانی کر رہا ہے۔"

"یہی کہا تھا میں نے۔" وہ پریشان سی ہوگئی۔ "مگر کیا رات کے سمے بھی نگرانی کرے گا؟"

"اصل نگرانی تو رات ہی کو کرے گا۔ اُس کی آنکھیں تمہارے دروازے پر اور کان تمہاری آہٹ پر لگے رہیں گے۔ تمہیں اُس کے تعاقب کا علم بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ سانپ کی طرح بے آواز چلتا ہے۔"

جل پنا کی پریشانی کچھ اور بڑھ گئی۔ "کیشپ! یہ سانپ کب تک ہمارے درمیان لکیر کھینچتا رہے گا؟"

"اس کا جواب پہلے بھی دے چکا ہوں کہ سانپ عورت کا دشمن ہے۔ مگر ڈرنے کی ضرورت

نہیں۔ اپنے کمرے کا دروازہ بند رکھو! صرف دن کے اُجالے میں میرے پاس آؤ۔"

وہ عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگی۔ "جو کہتے ہو وہی کروں گی۔ پر ایک شرط ہے میری۔"

"بولو...... کیا شرط لگاتی ہو؟"

"ہر سویرے، ہر شام جب میں آؤں مجھے اپنی بانہوں میں لے کر پیار کرو گے۔ اور جب میں جاؤں تو بھی پریم رس پلاؤ گے۔ بولو! منظور ہے میری شرط؟"

پریم سچ مچ اُس کے بدن میں شراب کی طرح سرسرا رہا تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں وہ رات کو میرے کمرے کا دروازہ نہ کھٹکھٹانا شروع کر دے، میں نے اُس دیوانی لڑکی کی شرط منظور کر لی۔ "اچھا...... تمہاری بات مانتا ہوں۔ اب جاؤ، سویرے تمہارا انتظار کروں گا۔"

"ایسے تھوڑی جاؤں گی۔ کیا پہلے ہی دن شرط توڑ دو گے؟"

میں نے جلدی سے اُسے بانہوں میں لے کر الوداعی پیار کیا اور وہ اپنے پاؤں کی گھنگریاں چھنکاتی چلی گئی۔

باہر اندھیرا پھیل گیا تھا، بادل گرج رہے تھے، کوندے لپک رہے تھے۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ مگر میں نے دروازہ بند نہیں کیا اور جا کر کانگڑی کے پاس بیٹھ گیا۔ ابھی شاسترو کو پھر آنا تھا۔ میں کوئلوں پر ہاتھ سینکنے لگا، لیکن سردی کا احساس کچھ بڑھ گیا۔ کمرہ ٹھنڈا ٹھنڈا لگنے لگا۔ جل پنا چلی گئی تھی نا......!

دوسرے دن خلافِ معمول وہ منہ اندھیرے آ گئی۔ معلوم نہیں رات سوئی بھی تھی یا نہیں۔ میں نے پہلے ہی دستک سنی تو بستر سے نکل کر فوراً نیچے آیا اور دروازہ کھول دیا۔ وہ آتے ہی لپٹ گئی اور بتانے لگی۔

"رات میں نے دو بار پروہت گنجال کے کمرے میں جھانکا۔ وہ کمرے میں نہیں تھا۔"

"مندر میں بیٹھا تپسیا کر رہا ہوگا۔"

"مندر میں بھی دیکھا، وہاں بھی نہیں تھا۔"

"وہ رات کہاں رہا؟" میں حیرت میں ڈوب دیا۔

دن چڑھے شاسترو ناشتہ لے کر آیا تو میں نے پوچھا۔ "یہ پروہت گنجال رات بھر کہاں غائب رہا؟"

"کیا اُس کی نگرانی کر رہے ہو پربھو؟"

"تجھے کہا تھا اُس پر نظر رکھنے کو۔"

"میں نے تو کل ہی سے نظر رکھنا شروع کر دی تھی اُس پر۔ اور میری نظر کہتی ہے رات وہ آپ کے قریب ہی تھا۔"

''میرے قریب...... کہاں......؟''

''سروپ جی کے دادا ساگر ساؤ جی کے کمرے میں۔ رات اُس نے وہیں گزاری۔''

یہ سن کر میں چونک سا گیا...... ساگر ساؤ جی کا کمرہ دُور نہ تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ رات وہ قریب رہ کر میری نگرانی کرتا رہا۔ شاید میرے کمرے کے آس پاس پھرتا بھی رہا ہو۔ اُدھر جل پنا اُسے کمرے اور مندر میں ڈھونڈتی رہی تو معلوم ہوا کہ پروہت گنجال راتوں کو سانپ کی طرح اپنے ٹھکانے بھی بدلتا رہتا ہے مگر اس دن کے بعد جب جل پنا اِندر دیوتا کی بیٹی جینتی کے رُوپ میں آئی اور بھگتی ناچ میں نجات کا دروازہ کھلا رکھنے کی بات ہوئی تھی، پروہت گنجال نے پھر میرے کمرے کا رُخ نہیں کیا تھا۔

جل پنا صبح و شام آتی، میں شرط کے مطابق بانہوں میں لے کر اُس کا سواگت کرتا اور الوداعی پیار کر کے بھیجتا تھا۔ سمندر کے جوار بھاٹے کی طرح اُس کے پریم ساگر کی بپھری ہوئی موجیں میرے صبر و تحمل کی چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر لوٹ جاتی تھیں۔ اُس کی مدھ ماتی جوانی کئی بار میرے بازوؤں میں جھول گئی لیکن میں نے ہر بار اُس کے ٹوٹتے ہوئے وجود کو سہارا دیا اور پروہت گنجال کا مقابلہ کرنے کے لئے اُس کے اندر کی عورت کی شکتی کو مضبوط کرتا رہا۔

○○○

(8)

سندر متی

سروپ ساؤ جی کو باٹی پارہ سے چوتھے روز لوٹ آنا تھا مگر چوتھا دن پھر پانچواں دن بھی گزر گیا اور وہ نہ لوٹے۔ شاسترو نے بتایا کہ مالک وقت کے بڑے پابند ہیں اور کبھی لیٹ نہیں ہوتے۔ اس لئے جب پانچواں دن بھی بیت گیا اُس کی پریشانی بڑھ گئی۔ وہ ساتوں بھکشو جنہوں نے اپنی زبانیں کٹوا دی تھیں، پچھلی دو راتیں بادلوں اور ہواؤں کے طوفان میں مشعلیں اُٹھائے ساؤ گاری کے پھاٹک پر اُن کا انتظار کرتے اور دس بجے کے بعد مایوس ہو کر اپنے حجروں میں لوٹ جاتے رہے کیونکہ دس بجے کے بعد کوئی مسافر ادھر نہیں آتا۔ البتہ اگر کسی کے آنے کا وشواس ہو تو ساؤ گاری کے پھاٹک کی برجی پر روشنی کر دی جاتی تھی تاکہ آنے والا اندھیرے میں بھٹک نہ جائے۔ اُن دونوں راتوں میں بھی برجی پر روشنی ہوتی رہی۔

چھٹے دن موسم کے مزاج بہت بگڑ گئے۔ ابر و ہوا نے شدید طوفانی صورت اختیار کر لی۔ آسمان پر بادلوں کے بجتے ہوئے ڈھول اور زور سے بجنے لگے۔ باؤ برولے کی طرح چکراتی اور بھوتوں کی لمبی لمبی چوٹیوں کی طرح اُڑتی، بل کھاتی ہوائیں جنگل کے اژدھوں کی مانند پھنکارنے لگیں۔ کوندے بار بار لپکتے تھے، بجلیاں بار بار کڑکتی تھیں اور جنوب کی طرف کالے پہاڑ پر اس قیامت خیز دھماکے سے گرتی تھیں کہ ساؤ گاری کی بوڑھی عمارت کانپ اُٹھتی۔ شاسترو کی یہ بات غلط نہ تھی کہ رتنا گری کی وادی میں (جو اُونچے اُونچے پربتوں سے گھری ہوئی تھی) بجلیاں صرف کالے پہاڑ ہی پر گرتی ہیں۔ جب سے آکاش پہ بادلوں کے جمگھٹے لگے اور کوندوں کی لپک چمک شروع ہوئی، ہر بجلی جنوب کی طرف ''بجلیوں کے پربت'' ہی پر گری اور یہ ایک عجیب اور حیرت انگیز بات تھی۔

گھنے گھور بادلوں نے اندھیرا سا کر دیا تھا۔ سہ پہر کے وقت زبردست گرج چمک کے ساتھ ہی بادل ٹپک پڑے اور بوندا باندی ہونے لگی۔ شام کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور طوفانی ہواؤں کے فراٹوں میں برستے پانی کی پھواریں یوں اُڑنے لگیں جیسے جوار بھاٹے کے وقت سمندر کی جھاگ اُڑاتی لہریں اِدھر اُدھر سر پٹکتی پھرتی ہیں۔ باد و باراں کے اس طوفان میں شاسترو بہت پریشان تھا کیونکہ سروپ جی ابھی تک نہ آئے تھے اور ایسے قیامت خیز موسم میں پہاڑوں کا سفر خطرناک ہوتا ہے۔ سات آٹھ بجے کے درمیان رات کو بارش اچانک تھم گئی اور

ساتوں بھکشو مشعلیں جلا کر ساؤ گاری کے پھاٹک پر نکل آئے۔ مگر مسلسل دو گھنٹے کے انتظار کے بعد بھی جب جنوب کی طرف کسی گھوڑے اور خچر کی ٹاپ نہ اُبھری تو مایوس ہو کر اپنے حجروں میں لوٹ گئے کیونکہ اب سروپ جی کے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سب نے یہی سمجھ لیا اگر وہ باٹی پارہ سے چل دیئے ہیں تو طوفان کی وجہ سے رُپا میں ٹھہر گئے ہوں گے۔

آج میں خود بھی بڑی بے چینی سے اُن کا انتظار کرتا رہا تھا مگر دس بجے کے بعد مایوس ہو کر بستر میں گھس گیا۔ اگر وہ اپنے معمول کے خلاف ایک دو دن یا چار پانچ دن بھی نہ آتے تو مجھ اس سے کوئی فرق نہ پڑتا پھر میں بے چینی کے ساتھ اُن کا انتظار کیوں کر رہا تھا؟

میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا مگر میں ایک بے کلی سی ضرور محسوس کر رہا تھا۔

کوئی بارہ بجے کے قریب جب نیند کی غنودگی مجھے سپنوں کے جنگل میں لئے جا رہی تھی، میرے سوتے جاگتے ذہن نے چیختی چلاتی ہواؤں کے شور میں چند گھنٹیوں کی آوازیں سنیں۔ عجیب سی گھنٹیاں تھیں وہ جیسے آسمان کے صحرا میں کوئی قافلہ اپنی نامعلوم منزل کی طرف جا رہا ہو۔ شاید میں پھر کوئی خواب دیکھنے لگا تھا یا ساؤ گاری کا پراسرار جادوگر آج رات پھر مجھے اپنی گپھا میں بلا رہا تھا۔ میں نے اپنے ذہن کو ہلکا سا جھٹکا دیا تاکہ اس کے طلسم سے نکل سکوں۔ غنودگی کی لہر اُڑ گئی مگر گھنٹیوں کی ٹن ٹن بدستور سن رہا تھا۔ میں بستر پر اُٹھ کے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہیں آج پھر بیداری میں تو سپنا نہیں دیکھنے لگا؟ مگر گھنٹیوں کی آواز آ رہی تھی اور ایسی گھنٹیاں عموماً پہاڑی راستوں پر سفر کرنے والے گھوڑوں اور خچروں کے گلے میں باندھی جاتی ہیں۔ ارے..... کہیں سروپ جی تو نہیں آ گئے؟

اس کے ساتھ ہی ساؤ گاری کے صحن میں ایک ہلچل کے سے آثار بھی محسوس کئے۔ میں بستر سے نکل کر دروازے پر آیا، پھر چوبی زینہ اُتر کر دروازہ کھولا اور راہداری میں آ گیا۔ راہداری کے نیم تاریک اُجالے میں شاسترو دکھائی دیا جو لالٹین اُٹھائے بیرونی ڈیوڑھی کی طرف جا رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز اور میرے قدموں کی آہٹ سن کر پلٹا اور وہیں سے بولا۔

"ارے پربھو! اتنی سردی میں کیوں نکل آئے؟"

"اور تو کیا کرتا پھر رہا ہے اس سردی میں؟"

وہ بتانے لگا۔ "ابھی ابھی مالک آئے ہیں۔ اُن کا سامان اُوپر چھوڑ کے اب سائیسوں کو کھانا دینے جا رہا ہوں۔ پیکو اس سفر میں بیمار پڑ گیا ہے۔ سارے بھاڑ مجھی کو جھونکنے پڑیں گے۔" اُس نے بہت سی معلومات مہیا کر دیں۔

"سروپ جی کہاں ہیں؟"

"وہ تو اُوپر چلے گئے۔ آتے ہی سب سے پہلے آپ کا پوچھا۔ میں نے بتایا سو گئے تو

بولے، اچھا سویرے ملوں گا۔ پربھو! اب آپ بھی جا کر سو جاؤ اور اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دو۔"

"مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ تو اپنا کام کر۔"

وہ ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور میں اپنے کمرے کی طرف مڑا ہی تھا کہ ناگہاں راہداری کا دروازہ کھلا اور فرغل پہنے، اُونی کنٹوپ اوڑھے سروپ جی عجیب حلیے میں نمودار ہوئے۔ مجھے دیکھ کر ٹھٹکے، پھر میں اُن کی طرف وہ میری طرف بڑھے اور اُن کے کمرۂ ملاقات کے دروازے پر ہم ایک دوسرے سے مل گئے۔

"تھاروکیشپ! میں نے سنا تھا تم سو گئے ہو۔"

"سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ شور سن کر نیچے آیا۔ پتہ چلا آپ آ گئے ہیں۔ خیال تھا طوفان کی وجہ سے آپ رُپا ہی میں ٹھہر گئے ہوں گے۔"

"موسم تو رُپا میں بھی خراب تھا مگر طوفان بہت آگے آ کر شروع ہوا۔"

"اور آپ نے اس طوفان میں بھی سفر جاری رکھا؟"

"بارش سے بچنے کے لئے ایک جگہ رُک گئے تھے اسی لئے آنے میں دیر ہو گئی۔ اس وقت اپنے کمرے میں ایک چیز لینے آیا تھا۔ اچھا ہوا تم سے ملاقات ہو گئی۔ اب تم آرام کرو، صبح ملیں گے۔" پھر وہ کچھ یاد کرنے لگے۔ "میں نے تمہارا خط باٹی پارہ سے پوسٹ کر دیا تھا۔"

"جی شکریہ.....!" میں مڑا۔

"ارے تھاروکیشپ! ٹھہرو تمہاری ایک چٹھی بھی تو آئی ہے۔ رُپا میں ملی تھی۔" پھر اپنی فرغل کی جیب میں ہاتھ ڈال کے چٹھی نکالی اور میرے حوالے کر دی۔ "رنگامتی سے آئی ہے..... تمہاری چاچی کی ہو گی۔"

"اور مجھے کون چٹھی لکھے گا؟"

پھر سروپ جی اپنے کمرۂ ملاقات کی طرف بڑھ گئے اور میں چٹھی ہاتھ میں لئے اپنے کمرے کی سمت پلٹا۔ راہداری میں کھلنے والا دروازہ بند کر کے جلد جلد زینہ طے کیا اور اپنے کمرۂ خواب میں آ کر لالٹین کی روشنی میں چٹھی کو دیکھا۔ بلاشبہ وہ میری چاچی کی چٹھی تھی اور اس خیال سے کہ واقعی ساؤ گاری اور مہذب دنیا کے درمیان ڈاک کا سلسلہ قائم ہے، میرے دل کو عجیب سی فرحت ہوئی۔ میں بستر پر بیٹھ کر چٹھی پڑھنے لگا۔ چاچی نے لکھا تھا.....

از رنگامتی (بنگال)

کیشپ بیٹے! تو جگ جگ جیے۔

تیری چٹھی مل گئی اور یہ بھی جان لیا کہ تو کہاں چلا گیا ہے۔ تیری نوکری ملنے کی جتنی خوشی

ہوئی تھی، اب اتنا ہی اچنبھا اس بات پر ہوا کہ اس نوکری کے لئے تجھے شہروں سے دُور ایک پہاڑی ویرانے میں رہنا ہوگا جہاں کوسوں تک نہ کوئی آبادی ہے، نہ کوئی بازار یا قصبہ۔ بس پہاڑ ہی پہاڑ ہیں یا جنگل۔ اور ان پہاڑوں کے بیچ ''ساؤ گاری'' نام کی ایک صدیوں پرانی اور اکیلی عمارت ہے جہاں کچھ بھکشو وغیرہ رہتے ہیں۔ اور یہ جو تو نے ''ساؤ گاری'' کا ذکر کیا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ عجیب سا نام پہلے بھی کہیں سنا ہے جیسے کوئی بھولی بسری بات ہو مگر کچھ یاد نہیں رہا کہ یہ نام کب اور کہاں اور کس کی زبان سے سنا تھا۔ شاید کوئی کہانی سنی ہوگی۔ پر چٹھی میں یہ پڑھ کر کہ تو ''ساؤ گاری'' میں چلا گیا ہے میرے من کو بڑی چنتا لگ گئی ہے۔ میں خود بھی اس چنتا کا کارن نہیں سمجھتی پھر بھی کوئی فکر، کوئی چنتا یونہی نہیں لگ جاتی۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ ہاں ''ساؤ گاری'' کے بارے میں اگر کوئی بھولی بسری بات یاد آ گئی تو شاید اس چنتا کا کارن سمجھ میں آ جائے۔

حیرت ہے تیرے مالک دنیا سے اتنی دُور ایک اُجاڑ جگہ میں کیوں رہتے ہیں اور کیا دھندا کرتے ہیں۔ تو کہتا ہے وہ بدھ گیانی ہیں پر تجھے اتنی بڑی تنخواہ گیان دھیان کے لئے تو نہیں دیتے۔ کوئی دھندا نہیں تو کوئی غرض ضرور ہوگی جبھی تجھے یہ نوکری ملی ہے۔ اور یہ پڑھ کر میں اور بھی حیران ہوئی تھی کہ مجھے پانچ سو روپے کا منی آرڈر تو نے نہیں بھیجا تھا بلکہ وہ تیرے مالک کی کرپا تھی جنہوں نے تجھے بغیر بتائے آپ سے آپ یہ رقم مجھے بھیج دی تھی۔ کیشپ بیٹے! میں ابھی تک یہ بات نہیں سمجھ سکی کہ تیرے مالک تجھ پر اتنے دیالو کیوں ہو گئے ہیں۔ ایک تو انہوں نے تجھے دو سو روپے مہینے پر نوکر رکھا، دوسرے مجھے پانچ سو روپے منی آرڈر کر دیئے۔ پھر تو کہتا ہے کہ وہ روپے کسی حساب میں نہیں۔ مجھے تو یہ ''طوطا مینا'' کی سی کہانی لگتی ہے۔ نہ جانے ان باتوں کے پیچھے کون سا بھید چھپا ہے اور ہمیں کون سی مشکل پیش آنے والی ہے۔ میرا من کہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ ضرور ہونے والا ہے اس لئے ہر وقت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ برا نہ مان جانا بیٹے! تجھے جو حالات پیش آئے وہ غیر معمولی ہے اور غیر معمولی حالات میں جبکہ تو ایسی جگہ پر رہتا ہے جہاں دُور دُور تک آبادی کا نام ونشان نہیں، تجھے اپنی حفاظت کا خاص طور سے خیال رکھنا ہوگا۔ میں جانتی ہوں تو کسی خطرے سے ڈرنے اور گھبرانے والا نہیں ہے۔ پھر بھی آدمی کو کبھی غافل نہیں رہنا چاہئے۔

اب میری بھی سن لے۔ پرسوں میں نے ایک عجیب سپنا دیکھا ہے جس سے ڈر گئی ہوں۔ بھگوان ہی جانے کیا ہونے والا ہے۔ سپنے میں تیرے سوَرگباشی چاچا کو دیکھا جو گھر میں کوئی گمشدہ شے ڈھونڈتے اور بڑے گھبرائے گھبرائے پھرتے تھے۔ کبھی اِدھر جاتے، کبھی اُدھر مگر وہ شے اُنہیں مل نہ سکی اور مجھ پر بگڑے کہ نہ جانے تو میری چیزیں کہاں پھینک دیتی ہے۔ یہ بات

انہوں نے کچھ اس طرح کہی کہ میں خوفزدہ سی ہوگئی، پھر مجھے ایک کاغذ دیا اور کہنے لگے۔ ''میں اس وقت جلدی میں ہوں۔ پھر آؤں گا۔ میری یہ چیزیں ڈھونڈ رکھنا۔'' وہ جاتے جاتے اچانک پلٹے اور پوچھا۔ ''تو نے میرے کیشپ کو کہاں بھیج دیا ہے۔ میں اُسے ایک انمول شے دینے آیا تھا۔''

میں نے بتایا۔ ''ناتھ! کیشپ کو نوکری مل گئی ہے۔''

یہ سن کر وہ کچھ بولے نہیں، چپ سے ہو گئے اور کمرے سے نکل گئے۔ نہ جانے تجھے کیا دینے آئے تھے؟ اُن کے جاتے ہی وہ کاغذ میرے ہاتھ سے کہیں کھو گیا یا میں اُسے کہیں رکھ کے بھول گئی۔ جس پر اُنہوں نے اپنی کچھ چیزیں لکھ دی تھیں۔ میں سپنے ہی میں بڑی پریشان ہو گئی اور کاغذ ڈھونڈنے لگی پر وہ ملا نہیں۔ اسی پریشانی میں آنکھ کھل گئی اور سپنا ٹوٹ گیا۔ مگر جاگنے کے بعد بھی میں ڈری ڈری سی تھی۔ نہ جانے کیسا سپنا تھا؟

کہتے ہیں مرنے والا سپنے میں کچھ دے جائے تو اچھا ہوتا ہے، کچھ لے جائے تو اچھا نہیں ہوتا اور کوئی کشٹ آتا ہے۔ تیرے سوَرگباشی چاچا نہ تو کچھ دے کر گئے نہ کچھ لے کر۔ بس پھر آنے کو کہہ گئے تھے۔ ہاں جو کاغذ اُنہوں نے دیا تھا وہ بھی گم ہو گیا اور مجھے اُس کے کھو جانے کا بڑا دھڑکا لگا ہے۔ اب میں یہ بھی نہیں جانتی وہ کیا ڈھونڈنے کو کہہ گئے تھے اور پھر آئیں گے تو انہیں کیا جواب دُوں گی؟ بس یہی چنتا مجھے کھائے جاتی ہے اور اسی فکر سے بیمار پڑ گئی ہوں۔ تو کہے گا یہ تو سپنے کی بات ہے چاچا سچ مچ تھوڑے آئے تھے پھر پریشانی کیسی؟ پر کیشپ! تو جانتا ہے میں سپنوں میں گہرا وشواس رکھتی ہوں۔ سپنے بھگوان ہی دکھاتا ہے اور ان میں آدمی کو ملنے والے کسی نئے دُکھ یا سکھ کی سکھشا ضرور ہوتی ہے۔ میں اسی لئے پریشان ہوں کہ اگر تیرے چاچا پھر سپنے میں آئے اور میرا وشواس ہے کہ ضرور آئیں گے اور پوچھیں گے کیا میری چیزیں مل گئی ہیں تو اُن کا سامنا کیسے کروں گی؟ کیونکہ میں تو اُن کا دیا ہوا پتر ہی گم کر بیٹھی ہوں۔

ایک تو یہ عجیب سپنا دیکھا پھر تو بھی پاس نہیں۔ میرا جی بڑا اُداس ہو گیا ہے اور چاہتی ہوں کہ ایک بار آ کے مجھے مل جا...... ارے میں نے تو تجھے شیلانگ کی بدھ کانفرنس میں بھیجا تھا مگر تو وہیں سے کالے کوسوں دُور چلا گیا اور مجھ سے مل کر بھی نہیں گیا۔ اب میں جب تک تجھے دیکھ نہ لوں گی، چین نہیں آئے گا۔ بھلا تیرے سوا میرا اس سنسار میں ہے کون؟ مگر تو بھی ساؤ گاری میں جا کے بیٹھ گیا ہے جس کے نام سے ہی میرا دل اڑنے لگا ہے۔

میں کہتی ہوں اگر اس ویرانے میں تجھ پر کوئی بپتا آ پڑی تو میرا کیا ہوگا؟ میں تو جیتے جی مر جاؤں گی۔ مجھے ایسا روپیہ پیسہ نہیں چاہئے۔ یہاں روکھی سوکھی جو ملے کھا لیں گے۔ جب سے تیری چٹھی ملی ہے تیرے لئے پرارتھنا کرتی رہتی ہوں۔ بس جتنی جلد ہو سکے میرے پاس آ جا۔

میں یہ وچن بھی دیتی ہوں کہ اگر تو ساؤ گاری واپس جانا چاہے گا تو روکوں گی نہیں بلکہ تجھے آشیر باد کے ساتھ رخصت کروں گی۔ بس ایک بار آ کے مل جا۔ میں تیری راہ تک رہی ہوں۔

(تیری چاچی)

چٹھی پڑھ کے میں پریشان سا ہو گیا۔ چاچی کو ساؤ گاری کے بارے میں کچھ باتیں معلومات کے طور پر لکھ بھیجی تھیں۔ پھر غیر معمولی نوکری، عجیب و غریب سفر اور سروپ جی کی مہربانیوں کا حال جان لینے کے بعد چاچی کے من میں کچھ وسوسے، کچھ اندیشے جاگ اُٹھے اور وہ سروپ جی کی نوازشات کو کوئی اور ہی معنی پہنانے لگی۔ یہ انکشاف تو میرے لئے بھی بڑا حیرت انگیز تھا کہ وہ ساؤ گاری کا نام پہلے بھی کہیں سن چکی ہے اور میرے یہاں آ جانے سے اس لئے پریشان ہے کہ کہیں مجھ پر کوئی بپتا نہ آ پڑے۔ اس چنتا کی وجہ وہ کہانی تھی جو اُس نے کبھی ساؤ گاری کے بارے میں سنی اور بھول چکی تھی۔ اب یہ سوال میرے ذہن میں بگولے کی طرح اُڑتا پھر رہا تھا کہ وہ آدمی کون تھا جس نے کوئی بھیانک کہانی سنائی، ساؤ گاری سے اُس کا کیا واسطہ تھا؟ اُسے یہاں کون سی مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا؟ اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کی کہانی بنگال کے شہر رنگامتی یا پھر میری چاچی تک کیسے پہنچی؟

اُس بھولی بسری کہانی سے جو نہ جانے کب اور کن حالات میں پیش آئی ہو گی، مجھے قدرتی طور پر دلچسپی ہو گئی اور سوچنے لگا کہ اس قدیم الایام عمارت میں کھیلا جانے والا وہ ناٹک کیسا ہو گا اور اس کے کردار کون ہوں گے؟ میں خود یہاں آ کر عجیب و غریب اور پراسرار حالات سے دوچار ہوا تھا اس لئے چاچی نے اُس کہانی کے حوالے سے ساؤ گاری کے بارے میں جس چنتا اور پریشانی کا اظہار کیا اُس نے میرے ذہن میں بھی خطروں کی کئی کھڑکیاں کھول دیں۔

میری چاچی بڑی باہمت خاتون ہے مگر اُس کی بات کسی نہ کسی رنگ میں پوری ہو کے رہتی ہے۔ میری پریشانی کا اصل سبب بھی اُس کے سب کانشس کی یہی آواز تھی اور اگر ''ساؤ گاری'' کا نام ہی سن کر اُس کا دل اڑنے لگا تھا تو ضرور مجھے کوئی انہونی پیش آنے والی تھی۔

میری آپ بیتی پڑھنے والوں کے لئے یہ بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ چاچی اکثر سپنے دیکھتی، انہیں ''غیبی اشارے'' سمجھتی اور اُن کی عجیب و غریب تعبیریں بھی کیا کرتی تھی۔ سپنے تو ہر آدمی دیکھتا ہے۔ میں بھی دیکھتا ہوں مگر چاچی کے سپنے بڑے حیران کن ہوتے ہیں۔ جیسے آج کل میں دیکھنے لگا تھا۔ اچانک خیال آیا کہ سپنے دیکھنا اور ان میں کھوئے رہنا کہیں ہمارا خاندانی مرض تو نہیں؟ اگرچہ ذہن میں اُبھرنے والا یہ سوال بڑا اہم اور غور طلب تھا مگر اُسے نظر انداز کر کے میں چاچی کے اس تازہ سپنے کے متعلق سوچنے لگا جس کا ذکر اُس نے چٹھی میں کیا تھا۔

چاچی نے اپنے سورگ باشی چکرورتی سہائے کو اپنی کوئی گمشدہ چیز ڈھونڈتے ہوئے دیکھا تھا۔ جی ہاں، میرے چاچا کا نام چکرورتی سہائے تھا اور وہ ایک حادثے میں اُس وقت پرلوک سدھار گئے جب میں ابھی آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ چاچی سمجھتی تھی مرنے والوں کو سپنے میں دیکھنا اچھا نہیں ہوتا اور سپنا دیکھنے والے پر کوئی کشٹ آتا ہے اسی لئے وہ ڈر گئی اور بیمار بھی پڑ گئی۔ اُسے اس کاغذ کے کھو جانے کا رنج تھا جو چاچا نے خواب میں دیا اور جس پر اُن کی مطلوبہ اشیاء درج تھیں۔ میری طرح اس آپ بیتی کے پڑھنے والے بھی یہی سوچتے ہوں گے بھلا اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے؟ یہ تو خواب کا قصہ ہے۔ مگر چاچی کا وچار کچھ اور ہے۔ وہ کہتی ہے کہ چاچا پھر سپنے میں آئیں گے اور ان چیزوں کے بارے میں پوچھیں گے جن کی فہرست دے گئے ہیں۔ ادھر وہ کاغذ ہی گم ہو چکا ہے اس لئے کیا معلوم جب وہ دوبارہ سپنے میں آ کر اپنی چیزوں کا مطالبہ کریں گے تو کاغذ کی گمشدگی پر کیسے آگ بگولا ہوں گے۔''

میں نے بتایا ہے چاچی سپنوں کو ''غیبی اشارے'' سمجھتی ہے۔ نہ جانے چاچا جی کا گھر میں آ کر کچھ چیزیں تلاش کرنے اور اُنہیں پھر آ کر لے جانے میں کس بات کی طرف اشارہ ہے؟ پھر ایک کاغذ پر ان چیزوں کی فہرست اور کاغذ کی گمشدگی کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ وہ سپنے میں مجھے کوئی انمول شے دینے آئے تھے لیکن میں تو گھر میں بلکہ رنگامتی ہی میں نہیں تھا۔ میری نوکری کی اس اطلاع پر وہ چپ چپ سے رہے جس سے یہی سمجھنا چاہئے اُنہیں یہ خبر سن کر کوئی خوشی نہیں ہوئی اسی لئے چاچی نے مجھے نوکری چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا یا پھر ساؤ گاری کی کسی پرانی اور فراموش شدہ کہانی نے اُسے پریشان کر دیا اور اُس کا دل اُڑنے لگا تھا۔

میں بستر میں لیٹا دیر تک ان عجیب و غریب معاملات پر سوچ بچار کرتا رہا اور آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ سروپ جی سے چھٹی لے کر مجھے چند دنوں کے لئے رنگامتی سے ہو آنا چاہئے۔ چاچی کی تسلی ہو جائے گی۔ میں کتنا ہی کہوں کہ اُس کا تازہ سپنا کوئی وہم یا ساؤ گاری کے بارے میں اندیشہ محض وسوسہ ہے تو بھی کوئی وید یا حکیم اُس کے وہم کا علاج نہیں کر سکتا۔ اس کا اصل مسیحا تو میں ہوں اور وہ مجھے دیکھتے ہی اچھی ہو جائے گی۔ اب معاملہ صرف سروپ جی سے رخصت لینے کا تھا۔ مجھے ساؤ گاری میں آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا بلکہ ابھی تو ملازمت کے فرائض سے بھی آگاہ نہیں کیا گیا تھا اس لئے خیال آیا سروپ جی رخصت نہیں دیں گے۔ مگر پوچھ لینے میں حرج بھی نہ تھا۔ یہی سوچتا ہوا سونے کی کوشش کرنے لگا حالانکہ چاچی کی چٹھی نے میری نیند اُڑا دی تھی اور مجھے نئے وسوسوں میں مبتلا کر دیا تھا۔

○

اگلے ... دیر سے آنکھ کھلی۔ جل پنا ناچ ودّیا کے لئے سویرے ہی آ جایا کرتی تھی۔ سوچا

کہیں وہ آکر لوٹ نہ گئی ہو۔ جلد جلد منہ دھویا اور شب خوابی کے کپڑوں پر کوٹ پہن کر نیچے آ گیا۔ جل پنا اگر نہیں آئی تو آنے والی ہوگی۔ اسی خیال سے بیرونی دروازہ کھول کر راہداری میں نکل آیا۔ اُس کا وسطی دروازہ جس سے سروپ جی آیا جایا کرتے تھے، کھلا تھا۔ میں بتا چکا ہوں سروپ جی کی رہائش اُوپر تھی۔ وہ راہداری کے وسطی دروازے سے گزر کر اور خم دار پختہ زینہ طے کر کے اُوپر جایا کرتے تھے۔

راہداری کا وسطی دروازہ کھلا دیکھا اور سروپ جی بھی دکھائی دیئے جو اُوپر جانے والے زینے کے پہلو میں نصب اپنے مجسمے کو تازہ پھولوں کا ہار پہنا رہے تھے۔ ہار پہنا کر اُنہوں نے مورتی کو ہاتھ جوڑ کے بڑی عقیدت سے پرنام کیا پھر زینے کی طرف بڑھے اور اُوپر چلے گئے۔ میں یہ سب کچھ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ شاید میرے پڑھنے والے اس حیرت و بے چینی کا اندازہ نہ کر سکیں جس سے میں دوچار ہوا تھا۔ یہ حقیقت ایک طرفہ تماشے سے کم نہ تھی کہ سروپ جی اپنی ہی مورتی کو ہار پہناتے اور ہاتھ جوڑ کے پرنام بھی کرتے ہیں۔ میں نے ایسا حیرت انگیز واقعہ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور شاید کسی نے بھی نہ دیکھا ہو۔

کسی مورتی یا تصویر کو ہار پہنانا اور پرنام کرنا کوئی عجیب واقعہ نہیں مگر اس عقیدت کا اظہار تو ان لوگوں کی مورتیوں، تصویروں یا یادگاروں سے کیا جاتا ہے جو پرلوک سدھار چکے ہیں۔ مرنے والوں کے وارث اور عقیدت مند ان کی آتما کو سکھی رکھنے کے لئے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے اور مورتیوں کو ہار پہناتے ہیں مگر سروپ جی کا دنیا کے دستور سے اُلٹ اپنی ہی مورتی کو ہار پہنانا اور پرنام کرنا ایک عجیب واقعہ تھا۔

میں راہداری میں گم صم کھڑا اپنے آپ سے پوچھ رہا تھا آخر اس ناٹک یا تماشے کا مقصد کیا ہے؟ اور جب میرے اندر کا تھارو کیشپ بھی اس معمے کو حل نہ کر سکا تو میں دبے پاؤں آگے بڑھا، وسطی دروازے کی دہلیز پار کر کے دوسری راہداری میں پہنچا اور سروپ جی کے مجسمے کو بڑے غور سے دیکھنے لگا۔

بلا شبہ مجسمہ فنِ سنگ تراشی کا شاہکار تھا اور سنگ تراش نے سروپ جی کے چہرے اور کھڑے ہونے کے انداز میں بلا کا وقار پیدا کر دیا تھا۔ گلے میں تازہ پھولوں کا ہار جو سروپ جی ابھی ابھی پہنا کر گئے تھے اس ''پتھریلی شخصیت'' کی عظمت و بزرگی میں کچھ اور اضافہ کر رہا تھا۔ پھولوں کی پتیوں پر کہیں کہیں پانی کے قطرے بھی لرز رہے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا ہار گوندھتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ پھولوں پر پانی کے قطرے باقی رہیں جن پر شبنم کے قطروں کا گماں ہوتا تھا۔ حالانکہ جب آکاش پر گھنگھور بادل چھائے ہوں، شبنم گرنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ یہ تو برکھا کے قطرے تھے جو رات ہوئی تھی۔ ان قطروں سے پھولوں کی

تروتازگی کا احساس ہوتا تھا اور چند قطرے تو مورتی کی چھاتی پر بھی ڈھلک گئے جن کے گیلے گیلے دھبے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے مورتی کا گہری نظروں سے جائزہ لیا، چہرے کے خدوخال اور نقش و نگار پر توجہ دی۔ آنکھوں کی پتلیوں، پیشانی کے خط، ناک کے بانسے، رخساروں کے انداز، ہونٹوں کی تراش خراش، ٹھوڑی کے خم، گردن کی قامت، کانوں کی ساخت غرض ہر نقش، ہر خط، ہر لکیر کو غور سے دیکھا وہ سو فیصد سروپ جی کی مورتی تھی۔ اگر کوئی فرق تھا تو عمر اور لباس کا۔ مورتی سروپ جی کی جوانی اور ادھیڑ عمر کے آغاز کی درمیانی مدت میں بنائی گئی تھی جب اُن کی عمر زیادہ سے زیادہ 45 برس ہوگی۔ اب وہ اکسٹھ باسٹھ سال کے ہو گئے تھے اور بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو چکے تھے۔

دوسرا فرق لباس کا تھا۔ میں اس سے پیشتر بیان کر چکا ہوں کہ اس مورتی کو پہلی بار دیکھتے ہی اس کے لباس پر حیران ہوا تھا جو کم از کم تین صدیاں پرانا تھا۔ آج کل ایسا لباس بدھ سماج میں بھی نہیں پہنا جاتا اور بہت عرصے سے متروک ہو چکا ہے۔ مگر یہ سوچ کر میں نے اس بات کو نظر انداز کر دیا تھا کہ سروپ جی صرف بدھ گیانی نہیں بلکہ اپنے بزرگوں کا بڑا احترام کرتے ہیں جنہوں نے نسل در نسل بدھ دھرم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ لہٰذا اسی احترام اور عقیدت کے باعث مورتی بنواتے وقت اُنہوں نے اپنے بزرگوں کے پرانے لباس کو ترجیح دی ہوگی۔ بہرحال میں مورتی کے لباس پر جب بھی چونکا تھا اور اب بھی حیران تھا کہ سنگ تراش نے ان کے مجسمے کو اس لباس میں کیوں نہیں تراشا جسے وہ اپنی زندگی میں پہنتے ہیں؟ مگر لباس اور عمر کے فرق کو چھوڑ کر بھی یہ مجسمہ سروپ جی کا تھا اور چہرے کا ہر نقش اس کا ثبوت تھا۔

میں خیالوں اور سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ راہداری کے دائیں جانب قدموں کی ہلکی سی چاپ اور لباس کی سرسراہٹ نے مجھے چونکا دیا۔ یہ سرسراہٹ بادِ صبح کی طرح معطر تھی جیسے کوئی جھونکا پھولوں کی مہک بکھیرتا ہوا دھیرے سے چلا آئے۔ میں نے ذرا گردن موڑ کے دیکھا تو نقشِ حیرت بن کے رہ گیا......

صرف تین چار قدم کے فاصلے پر ایک انتہائی سندر لڑکی بڑے دلکش انداز میں کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔ عمر مشکل سے اٹھارہ برس ہوگی۔ اُس نے گلابی رنگ کی ساڑھی کے اُوپر قیمتی فر والا کوٹ پہن رکھا تھا۔ مہذب سوسائٹی میں پرورش پانے والی لڑکیوں کی مانند سر کی پچھلی جانب بڑی خوش سلیقگی سے بالوں کا جوڑا بندھا تھا۔ رُخساروں پر گستاخ سی کالکیں اس طرح بکھر گئی تھیں کہ حسن میں بلا کی دلکشی پیدا ہو گئی تھی۔ کانوں میں قیمتی آویزے جھول رہے تھے۔ ہرنیوں کی سی آنکھیں جن میں تلاش کا رنگ بھی تھا اور جوانی کی حسین وحشت بھی۔ خوبصورت گردن

میں سنہرا لاکٹ اور نازک نازک، گورے گورے ہاتھ جن کی اُنگلیوں کے ناخنوں پر نیل پالش کی سرخی نظر آ رہی تھی۔ لباس، آرائش اور سندرتا کے ساتھ کھڑے ہونے کا بانکپن بول رہا تھا کہ شہری تہذیب کا ہر سلیقہ جانتی اور ہر دیکھنے والے کو دیوانہ بنا سکتی ہے۔ مجھے اس طرح نظر بھر کے دیکھ رہی تھی جس طرح میں ابھی ابھی آسمان سے اُترا ہوں۔ اس ادائے حسن نے مجھ پر ایک عجیب سی وارفتگی طاری کر دی تھی۔

شہروں سے دُور ساؤ گاری کی سال خوردہ عمارت میں جس کے باسیوں پر بھی دوارکا کے بھوتوں کا گمان ہوتا تھا ایک حسین و جمیل دوشیزہ کو دیکھ کر مجھے جس قدر حیرت ہوئی ہو گی اس کا اندازہ ہر شخص لگا سکتا ہے۔ اگر میں سروپ جی کی بیٹی سندر متی کے بارے میں یہ نہ سن چکا ہوتا کہ وہ باٹی پارہ کے مشن سکول میں پڑھتی، وہیں ہوسٹل میں رہتی، کبھی کبھار یہاں آتی ہے اور سات روز قبل سروپ جی اُسی کو لینے باٹی پارہ گئے تو یہی سمجھتا کہ وہ اس دھرتی کی عورت نہیں آکاش کی کوئی پری ہے جو بھول کر ساؤ گاری میں آ گئی ہے۔

میں دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ سندر متی ہی ہو سکتی ہے جو اپنے نام سے زیادہ سندر اور دلکش ہے۔ یہ بھی جانتا تھا شہر میں پڑھتی ہے تو لباس بھی مختلف ہو گا لیکن یہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی سندر اور نویلی ہو گی کہ اس پر ''اینگلو بدھ'' لڑکی کا گمان گزرے گا۔ میری گستاخ سی نظروں نے سر سے پاؤں تک اُس کا جائزہ لیا تو کچھ پریشان سی ہو گئی۔ فوراً پہلو بدلا، نمسکار کے لئے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور بڑی سریلی آواز اور مدھ بھرے لہجے میں بولی۔

''اگر میرا خیال غلط نہیں تو آپ ہی تھارو کیشپ ہیں۔''

''آپ جیسی سندر لڑکی کا خیال کیسے غلط ہو سکتا ہے؟ واقعی میں تھارو کیشپ ہوں اور آپ شاید..... سندر متی ہیں۔''

''شاید نہیں بلکہ سو فیصد سندر متی ہوں۔'' اُس نے بڑی دل نواز مسکراہٹ سے جواب دیا، پھر میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کے لباس سے ''ایوننگ ان پیرس'' کی خوشبو آ رہی تھی۔ کہنے لگی۔ ''پتا جی آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں۔''

''ان کی کرپا ہے۔ ورنہ میں کسی تعریف کے لائق نہیں۔''

اب کے اُس نے میری آنکھوں سے آنکھیں ملا دیں اور بڑے وثوق سے بولی۔

''نہیں کیوں..... آپ ہیں۔''

''اچھا.....!'' میری دلچسپی بڑھی۔ ''وہ کیسے؟''

''امرت پترکا میں آپ کے آرٹیکل پڑھ چکی ہوں، خوب لکھتے ہیں آپ۔''

''جوتی پتر'' کی طرح ''امرت پترکا'' بھی ایک بدھ میگزین ہے جو گوہاٹی سے نکلتا ہے۔

بدھ تاریخ و آثار سے متعلق میرے کئی مضامین اُس میں شائع ہو چکے تھے۔ اس انکشاف نے کہ وہ میرے مضامین پڑھ چکی ہے، ہمارے درمیان اجنبیت کے فاصلے کم کر دیئے۔ وہ سروپ جی کے مجسمے کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''آپ مورتی بڑے دھیان سے دیکھ رہے تھے۔ کیا اس پر بھی کچھ لکھنے کا ارادہ ہے؟''

''آج ایک انوکھی بات دیکھی ہے۔ شاید کبھی لکھنی پڑ جائے۔''

''کون سی انوکھی بات دیکھی ہے آپ نے؟''

''میں نے سروپ جی کو دیکھا ہے۔ وہ اس مورتی کو خود ہار پہناتے اور پرنام کرتے ہیں۔''

''مگر یہ انوکھی بات کیسے ہوئی؟ وہ سالوں سے اس مورتی کو ہار پہناتے اور پرنام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ساؤ گاری میں ہوں تو کبھی ناغہ نہیں کرتے۔''

''بڑا پریم بھاؤ ہے انہیں مورتی سے۔ مگر اپنی مورتی کو ہار کون پہناتا ہے؟''

''اپنی مورتی.....؟'' اُس کے چہرے پر حیرت سی بکھر گئی، پھر فوراً ہی وہ حیرت ایک مترنم قہقہے میں ڈھل گئی۔ ''کیا آپ سچ مچ نہیں جانتے؟''

''کیا نہیں جانتا میں؟''

''یہ مورتی پتا جی کی نہیں۔''

مجھ پر جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ''پھر کس کی ہے؟''

''ساؤ خاندان کے بانی گوچی ساؤ کی..... جس نے ہندو مت چھوڑ کے بدھ دھرم اختیار کر لیا تھا۔''

''کیا.....؟'' میں اُچھل کے ایک قدم پیچھے ہٹا۔ ''شاید مذاق کر رہی ہیں آپ؟''

''پہلی ہی ملاقات میں مذاق کیوں کروں گی؟'' وہ ایک قدم آگے بڑھ آئی۔ ''ہاں، اگر آپ نے موقع دیا تو شاید کبھی مذاق بھی کر بیٹھوں۔ مگر اس وقت تو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں کیشپ بابو! جس طرح میں سندر متی ہوں اُسی طرح یہ مورتی بھی سو فیصد گوچی ساؤ کی ہے۔''

میں بیان نہیں کر سکتا اس انکشاف پر میری کیا حالت ہوئی۔ کیونکہ مورتی کی شکل اور سروپ کی صورت میں اتنی زبردست مشابہت تھی کہ جس کسی نے بھی ایک بار سروپ جی کو دیکھا ہو وہ اسے اُنہی کی مورتی سمجھے گا۔ گوچی ساؤ اور سروپ جی کے درمیان تین صدیوں کے طویل فاصلے حائل تھے۔ مگر دونوں کے چہرے بالکل ایک جیسے تھے اور اسی حیرت انگیز مماثلت نے مجھے حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اس انکشاف سے نہ صرف میری غلط فہمی دُور ہو گئی بلکہ مورتی کے لباس کا معمہ بھی حل ہو گیا جو تین صدی پرانا تھا۔

''عجیب بات ہے..... میں آج تک اسے سروپ جی کی مورتی سمجھتا۔ . .''

پھر سندر متی وہی کہانی سنانے لگی جو میں پہلے بھی سن چکا تھا......

"بدھ دھرم قبول کرنے سے پہلے گوچی ساؤ ایک عیاش زمیندار تھا۔ اُس کی عیاشی کے کارن ایک کومل سی دیہاتی لڑکی اور اُس کے پتا کا خون ہو گیا مگر ابھاگن لڑکی نے مرنے سے پہلے گوچی ساؤ کو شراپ دیا کہ اُس کی آتما کو کبھی شانتی نہ مل سکے۔ گوچی ساؤ بھکشو بن کر شانتی کی تلاش میں نگر نگر کی خاک چھانتا رہا اور جب تبت کے بدھ لاما اناتھ بنڈو کا سواگت کرنے رتناگری کی اس وادی میں پہنچا تو اُسے شانتی مل گئی اور نروان کا راستہ بھی۔ اُس نے ساؤ گاری کی عمارت بنوائی اور مرنے سے پہلے وصیت کی کہ اُس کی اولاد آئندہ نسل در نسل ساؤ گاری کو آباد رکھے اور یہاں بھگتی اور نروان کا اُپدیش کبھی بند نہ ہو، تاکہ مرنے کے بعد بھی اُس کی آتما کو شانتی ملتی رہے۔ ساؤ خاندان کے ہر فرد نے گوچی ساؤ کی وصیت پر عمل کیا اور دنیا تیاگ کر نروان، مکتی اور نجات کا راستہ اپنائے رکھا۔ اب پتا جی ساؤ گاری کے وارث ہیں اور جب وہ ساؤ گاری میں موجود ہوں تو اس مورتی کو ہار پہنانا اور پرنام کرنا کبھی نہیں بھولتے۔"

"اور جب ساؤ گاری میں نہیں ہوتے؟"

"تب یہ کام پروہت گنجال کرتا ہے۔"

گنجال کا نام سن کر میں ایک بار پھر چونک گیا۔ سروپ جی پورے چھ دن ساؤ گاری سے باہر رہے تھے اور ان ایام میں پروہت گنجال ہر صبح میرے کمرے کے سامنے سے راہداری میں گزرتا اور مورتی کو ہار پہناتا رہا۔ مگر نہ تو کبھی میں نے اُسے دیکھا اور نہ اُس کے قدموں کی چاپ سنی کیونکہ وہ سانپ کی طرح بے آواز چلتا تھا۔ پروہت گنجال کے خیال کو ذہن سے جھٹک کر میں پھر مورتی کے بارے میں سوچنے لگا۔

"یہ مورتی دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے گوچی ساؤ نے سروپ جی کے رُوپ میں دوبارہ جنم لیا ہو۔"

"کئی دیکھنے والے یہی کہتے ہیں اور کبھی کبھی تو میں بھی سوچتی ہوں شاید پتا جی گوچی ساؤ ہی کا دوسرا روپ ہیں جسے سورگ باش ہوئے تین صدیاں بیت چکی ہیں۔ مگر پتا جی آواگون کو نہیں مانتے۔"

"میں بھی نہیں مانتا۔"

"مگر ابھی ابھی تو آپ گوچی ساؤ کے دوسرے جنم کی بات کر رہے تھے؟"

"وہ تو صرف ایک اٹکل تھی جو دونوں کے ہم شکل ہونے سے پیدا ہوئی۔"

"کیشپ بابو......! کیا یہ بات حیران کن نہیں کہ ساؤ خاندان میں کوئی بھی شخص گوچی ساؤ کا اتنا ہم شکل نہیں ہوا جتنے پتا جی ہیں۔"

"میں بھی اس اتفاق پر حیران ہوں مگر......" اچانک مجھے بوڑھے ساگر ساؤ جی کا خیال آیا

اور ساتھ ہی اُس کی صورت میری نظروں میں گھوم گئی۔ جس کے اجل گرفتہ چہرے کے خدوخال میں کہیں سروپ جی چھپے ہوئے نظر آئے تھے۔ سندر متی بڑی توجہ سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کچھ کہہ رہے تھے؟"

"میں آپ کے پردادا ساگر ساؤ جی کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ اُن کی شکل بھی گوچی ساؤ سے بہت ملتی ہے۔"

"ہاں...... اپنی جوانی اور ادھیڑ عمر میں وہ بھی گوچی ساؤ جی کے ہم شکل رہے ہوں گے مگر میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اُنہیں اسی حالت میں دیکھ رہی ہوں۔ نہ جانے جیون میں کون سا پاپ کر بیٹھے ہیں کہ موت نہیں آتی اور زندہ بھی نہیں ہیں۔ میں اُنہیں دیکھ کر دُکھی ہو جاتی ہوں۔"

ساگر ساؤ کا ذکر کرتے ہوئے سندر متی کے سندر مکھڑے پر درد کی ایک لہر گزر گئی۔ میں اُسے اداس کرنا نہیں چاہتا تھا فوراً بات کا رُخ بدل دیا۔

"کیا آپ آواگون کو مانتی ہیں؟"

"جب پتا جی نہیں مانتے، آپ نہیں مانتے تو میں کیسے مانوں گی؟ مگر میں نے بعض بدھ گیانیوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں آواگون کے بارے میں پڑھا ضرور ہے۔"

میں نے بتایا۔ "بعض بدھ گیانیوں کا وچار ہے کہ بھگوان بدھ، آدمی کے بار بار جنم لینے کو مانتے تھے۔ مگر میری ریسرچ کے مطابق اس قسم کی ساری باتیں اُن برہمنوں نے پھیلائی تھیں جو بدھ دھرم کے ورودھی اور اسے ہندو دھرم میں ضم کرنا چاہتے تھے حالانکہ شاکیہ منی بدھ آواگون کے چکر میں نہیں پڑے۔"

"برہمنوں کو چھوڑیئے کیشپ بابو! بعض یورپی مؤرخ بھی یہی کہتے ہیں کہ بھگوان بدھ، پنر جنم کو مانتے تھے۔ آپ نے پروفیسر ہارڈی کی کتاب "بدھ دھرم" نہیں پڑھی کیا؟"

"ارے......!" میں اُس کی زبان سے ہارڈی کی کتاب کا ذکر سن کر حیران رہ گیا۔ "معلوم ہوتا ہے آپ کتابیں بہت پڑھتی ہیں۔"

"پتا جی کی لائبریری سے کچھ تو فائدہ اُٹھانا چاہیئے مجھے...... میں اس وقت بھی لائبریری میں جا رہی تھی۔"

"لائبریری......؟" میں نے حیران سا ہو کر پوچھا۔ "تو یہاں کوئی لائبریری بھی ہے؟"

"آپ نہیں جانتے کیا؟" وہ مجسم سوال بن گئی۔

"بالکل نہیں...... لائبریری کا ذکر پہلی بار سن رہا ہوں اور وہ بھی آپ کی زبان سے۔"

"حیرت ہے آپ کو آئے یہاں کتنے دن ہو گئے اور ابھی تک کسی نے آپ کو لائبریری نہیں بتائی۔ آیئے میرے ساتھ۔"

میں ایک عجیب سی حیرت میں ڈوبا سندر متی کے ساتھ پوربی سمت ہولیا۔ یہ راہداری جو عمارت کے اندر شرقاً غرباً پھیلی اور بیرونی راہداری سے مل کر (جس میں میرا کمرہ تھا) انگریزی حرف T کی شکل بنائی تھی کم وبیش بارہ فٹ چوڑی اور ایک سو فٹ لمبی ہوگی۔ اُوپر جانے والا زینہ راہداری کے ٹھیک وسط میں واقع اور اُسے دو حصوں میں تقسیم کرتا تھا۔ میں اور سندر متی جس مشرقی حصے میں چل رہے تھے اُس کے دو رویہ بھی کئی دروازے تھے مگر وہ اُنہیں چھوڑتی سیدھی چلتی رہی۔ میں سوچ رہا تھا سروپ جی ایک بدھ گیانی ہیں اور اُنہوں نے اس پہاڑی ویرانے میں اپنی دلچسپی کے لئے یقیناً کچھ کتابیں جمع کر رکھی ہوں گی۔ جیسے عام طور پر پڑھے لکھے لوگ گھر میں ایک چھوٹی سی لائبریری بنا لیتے ہیں اور فرصت کے اوقات میں کتابیں پڑھتے ہیں سروپ جی بھی تنہائی میں مطالعہ کرتے ہوں گے۔ میرے اندازے کے مطابق اگر اُنہوں نے تین چار سو کتابیں بھی جمع کر لی ہوں گی تو وہ اس ویرانے میں میری دلچسپی کا بہترین ذریعہ بن سکتی ہیں۔ یہی سوچتا ہوا میں سندر متی کے ساتھ چلتا رہا۔ وہ سامنے کے اُس منقش دروازے پر رُک گئی جہاں راہداری ختم ہوتی تھی۔ دروازے پر تالا پڑا تھا۔ سندر متی نے چابی نکال کر قفل کھولا اور دونوں کواڑ دھکیل دیئے۔ ہم ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوئے۔ یہی لائبریری تھی اور لائبریری دیکھ کر فرطِ تعجب سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

کمرہ 25 فٹ چوڑا 40 فٹ لمبا تھا۔ درمیان میں مدوّر ستونوں کی ایک قطار یہاں سے وہاں تک کھڑی تھی۔ اُس ہال نما کمرے میں ساگوان کی الماریاں ترتیب سے صف بہ صف رکھی تھیں جن کی تعداد پچاس، پچپن سے کم نہ تھی اور سب کتابوں سے بھری تھیں..... جن کی مجلد پشتیں شیشے کے چوکھٹوں سے دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں۔ ایک سرسری اندازے کے مطابق کتابیں اُنیس بیس ہزار سے زیادہ ہی ہوں گی۔ ہال کے وسط میں ایک بڑی چوکور میز تھی جس کے اردگرد چند کرسیاں بچھی تھیں۔ قریب ہی کیٹلاگ کے ریک تھے جن کی مدد سے کتاب کا نام اور نمبر معلوم کر کے مطلوبہ الماری سے کتاب حاصل کی جا سکتی تھی۔ ہر چیز بڑے قرینے اور سلیقے سے رکھی ہوئی تھی اور اس لائبریری کی باقاعدہ صفائی اور جھاڑ پونچھ ہوتی تھی کیونکہ گرد کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔

شہروں سے دُور ہمالیہ کے ان پہاڑوں کے درمیان جو سطحِ سمندر سے چودہ پندرہ ہزار فٹ بلند تھے اور جن کے آس پاس کوسوں تک آبادی کا نام ونشان نہ تھا ایسی عظیم لائبریری دیکھ کر میرا نقشِ حیرت بن جانا لازمی اور قدرتی امر تھا۔ میں اتنی بڑی اور شاندار لائبریری کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے تو یوں محسوس ہوا جیسے رتناگری کے جنگلوں اور پہاڑوں کی دنیا سے نکل کر ناگہاں لندن کے انڈیا آفس یا کلکتے کی پبلک لائبریری میں آ گیا ہوں یا پھر بیداری میں کوئی

خواب دیکھ رہا ہوں..... الف لیلہ کے غریب ابوالحسن کی طرح سوتے جاگتے کا خواب جو رات کو اپنے جھونپڑے میں سوتا مگر آنکھ کھلتی تو بغداد کے ''زبیدہ محل'' میں اپنے آپ کو حسین کنیزوں کے جھرمٹ میں گھرا ہوا دیکھتا تھا۔ اس پہاڑی ویرانے میں ساگوان کی الماریوں اور شیشے کے چوکھٹوں سے جھانکتی ہوئی اُنیس بیس ہزار پریوں کو دیکھ کر میں مبہوت رہ گیا تھا.....!

میں نے آنکھیں جھپکیں، سر جھٹکا اور ایک بار پھر چشمِ حیرت سے لائبریری کا جائزہ لیا۔ مگر یہ کوئی خواب یا سپنا نہیں تھا۔ میں عالمِ بیداری میں اس ہال نما کمرے میں کھڑا تھا جہاں سندر متی مجھے لے کر آئی تھی۔ اس اثناء میں اُس نے کیٹلاگ سے اپنی مطلوبہ کتاب کا نمبر تلاش کیا پھر ایک الماری سے کتاب نکال لائی اور میرے قریب لا کر بولی۔ ''دیکھئے کیشپ بابو! یہ ہے ہارڈی کی کتاب اور اس میں لکھا ہے کہ مہاراج بدھ پنر جنم کو مانتے تھے۔''

''سندر متی! میں یہ کتاب کالج کے زمانے میں پڑھ چکا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ اور کتابیں بھی پڑھی ہیں میں نے۔ مگر کتابیں لکھنے والے یہ بھول گئے کہ شاکیہ منی بدھ نے ہندو سماج میں جنم لیا تھا اور جب تک اُنہیں ایشور کی طرف سے گیان عطا نہیں ہوا وہ ہندوؤں کے اس عقیدے کو مانتے رہے کہ یہ دنیا انادی (غیر فانی) ہے۔ اور ترشنا یعنی خواہشات کا غلام رہ کر آدمی اس دنیا میں بار بار جنم لیتا ہے مگر جب اُنہیں گیان عطا ہوا تو اُنہوں نے یہ رسمی عقیدہ چھوڑ دیا۔'' میں نے سندر متی کے ہاتھ سے کتاب لے کر اُس کے ورق اُلٹے اور ایک ورق پر اُنگلی رکھ دی۔ ''یہ فقرے غور سے پڑھیں۔ اُسی ہارڈی نے لکھا ہے کہ پنر جنم سے باز رکھنے کی خاطر بدھ نے یہ فلسفہ پیش کیا کہ ترشنا کی غلامی ترک کر کے آدمی بار بار جنم لینے سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔''

سندر متی نے میری طرف غور سے دیکھا پھر کتاب میرے ہاتھ سے لے کر بڑی توجہ سے وہ عبارت پڑھنے لگی جس کا میں نے حوالہ دیا تھا۔ اُس نے ایک بار، دو بار حتیٰ کہ تین بار وہی فقرے پڑھے اور کہنے لگی۔ ''میں نے کبھی ان فقروں پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ ان سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بھگوان بدھ آدمی کے بار بار جنم لینے کے عقیدے کو اچھا نہیں جانتے تھے۔''

پھر اُس نے جھک کر میرے چرن چھو لئے اور میں نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کے اُوپر اٹھایا۔ ''ارے یہ کیا کرتی ہیں آپ؟''

وہ اُٹھی تو اُس کا چہرہ میرے چہرے کے سامنے تھا اور قریب بھی۔ بس آدھ فٹ کا فاصلہ ہو گا۔ میں نے ابھی تک اُسے دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔

''آپ بڑے ودھوان ہیں کیشپ بابو! آپ کے چرن چھو کر مجھے انند ملا ہے۔''

پھر اُس نے ایک عجیب سی کیفیت میں آنکھیں بند کر کے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے اور قدرت کے حسین شاہکار کی طرح میرے سامنے کھڑی ہو گئی کہ اُسے جی بھر کے دیکھ لوں۔ میں اُس کے

سندر جسم کی گرمی محسوس کر رہا تھا اور ایسی ہی گرمی اُس وقت محسوس ہوا کرتی تھی جب میں جل پنا کو اپنے بازوؤں میں لے کر پیار کرتا تھا۔ میں نے فوراً اُس کی بانہیں چھوڑ دیں مگر ادھر میں نے بانہیں چھوڑیں اور اُدھر اُس نے آنکھیں کھول دیں اور بولی۔

"آج آپ سے ملاقات بھی ہوئی اور علم کا نیا گیان بھی ملا ہے۔"

"علم کا دروازہ تو مجھے آپ نے دکھایا۔ میں نہیں جانتا تھا یہاں اتنی بڑی لائبریری ہے۔"

"کیشپ بابو! میں چار پانچ دن کے لئے آئی ہوں، یہ دن اگر آپ کے ساتھ گزریں تو کچھ سیکھ لوں گی۔"

میں ایک سوالیہ نشان سا بن کے رہ گیا۔ "سروپ جی سے بات کروں گا۔"

"اُن سے کیا بات کرنی ہے۔ ... یہ تو ہمارا آپ کا میل جول ہے۔"

"بہت اچھا......" میں نے ہامی بھر لی۔

اُس نے ہارڈی کی کتاب اُٹھا لی۔ اُسے دوبارہ پڑھنا چاہتی تھی۔ پھر ہم لائبریری سے نکلے اور باتیں کرتے گوپی ساؤ کے اُسی مجسمے کے پاس آ گئے جہاں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ جوڑ کے، مسکرا کے بولی۔ "پھر ملوں گی۔" اور زینے پر بھاگتی چلی گئی۔ میں نے راہداری کے وسطی دروازے سے نکل کر اپنے کمرے کا رُخ کیا۔ خیال تھا اس وقت تک جل پنا ضرور آ چکی ہو گی اور مجھے کمرے میں نہ پا کر حیران بھی ہو گی کہ نہ جانے میں سویرے ہی سویرے کہاں چلا گیا ہوں مگر جب کمرے میں داخل ہوا تو جل پنا کی بجائے شاسترو سے ملاقات ہوئی جو ناشتہ لئے میرا انتظار کر رہا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے پربھو! کب سے بیٹھا ہوں۔"

"تو ناشتہ رکھ کے چلا گیا ہوتا، بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"چلا جاتا تو مالک کا سندیس کون پہنچاتا؟ اُنہوں نے ٹھیک گیارہ بجے اپنے کمرے میں بلایا ہے آپ کو۔"

"وہ تو جانا ہی ہوگا..... مگر جل پنا آج کیوں نہیں آئی؟"

"شاید وہ کچھ دن نہیں آئے گی۔"

"وہ کیوں.....؟" مجھے ایک دھچکا سا لگا۔

"سندرمتی آ گئی ہے نا!"

"سندرمتی آ گئی ہے تو کیا ہوا؟"

"پربھو! جب سندرمتی آتی ہے تو ساؤ گاری میں ایک ناچ سبھا جمتی ہے۔ یہ ناچ اس لحاظ سے بہت عجیب ہوتا ہے جس میں نرتکی کو ایک خاص ریاض کرنا پڑتا ہے۔ دو تین دن تو اس ناچ

کی ریاضت میں گزر جاتے ہیں۔"

"کیا ہوتا ہے اُس خاص ناچ میں؟"

"سب سے خاص بات تو یہ ہوتی ہے کہ ساؤ گاری کا بڈھا بھی ناچ دیکھتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے ساگر ساؤ جی.....؟"

"ہاں پربھو! بڈھا ناچ کا بڑا رسیا ہے اور ناچ سبھا اُسی کے لئے جمتی ہے۔ وہ اپنے ہاتھ سے نرتکی کو دان دیتا ہے۔ پھر ساؤ گاری کے سب باسی مل کر پرارتھنا کرتے ہیں کہ بڈھا مر جائے۔ مگر آج تک کوئی پرارتھنا قبول نہیں ہوئی۔ وہ اس یُگ میں تو مرتا نظر نہیں آتا۔"

یہ ایک عجیب انکشاف تھا اور سچ تو یہ ہے ساؤ گاری کی ساری باتیں عجیب اور انوکھی تھیں اور دھیرے دھیرے گہرے اسرار کی طرح منکشف ہو رہی تھیں۔ شاسترو جانے لگا تو میں نے کہا۔

"ایک بار تو جل پنا کا سندیس لے کر آیا تھا۔ آج میرا بھی ایک سندیس لے جا۔"

"بولو پربھو.....! کیا سندیس ہے؟"

"کہنا آج شام ضرور آئے..... میں انتظار کروں گا۔"

"کہہ دوں گا....." اور بونا منطقی کچھ سوچتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ میں جل پنا سے ملنے کے لئے بے چین ہو رہا ہوں۔ اور یہ کچھ غلط بھی نہ تھا۔ سندرمتی اگر قدرت کا حسین شاہکار تھی تو اس سے ملنے کے بعد میری رُوح کو جل پنا کی بانہوں میں قرار مل سکتا تھا۔

○

میں جانتا تھا سروپ جی نے کیوں بلایا ہے۔ یقیناً وہ ان کتابوں کے بارے میں میری رپورٹ کے منتظر تھے جو بائی پارہ جانے سے پہلے دے گئے تھے۔ میں نے وہ کاغذات جیب میں ڈالے جن پر نوٹس لئے اور اپنی یادداشتیں لکھی تھیں اور ٹھیک اُس وقت اُن کے کمرۂ ملاقات میں داخل ہوا جب سامنے کی دیوار پر آویزاں چینی کلاک گیارہ کا گجر بجا رہا تھا۔ کلاک کی آخری ضرب پر اُنہوں نے قلم رکھ دیا کیونکہ کچھ لکھنے میں مصروف تھے اور رجسٹر بند کرتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ "گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ چلتے ہو تم کیشپ!"

"یہ تو اتفاق ہے۔ ورنہ میں وقت کا اتنا پابند نہ تھا۔"

"ہونا چاہئے۔ وقت آگے گزر جائے تو آدمی پیچھے رہ جاتا ہے۔" پھر اُنہوں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "بیٹھو!"

میرے بیٹھتے ہی وہ ایک بڑا پیکٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ "تم نے کوئی فرمائش نہیں کی تھی مگر میں بائی پارہ سے تمہارے لئے کچھ چیزیں خرید لایا ہوں۔"

"آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔"

''تکلیف کیسی؟ یہ تمہاری ضرورت کی چیزیں ہیں۔ دیکھوں تمہیں پسند بھی آتی ہیں یا نہیں؟''
پیکٹ کھولا تو گرم کپڑوں کے سلے سلائے دو جوڑے، چمڑے کے بوٹ، ایک اُونی کنٹوپ اور گہرے نیلے رنگ کا ایک اعلیٰ اوورکوٹ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ اُنہوں نے میری حیرت بھانپ لی، پھر خود ہی ان چیزوں کا جواز پیش کرنے لگے۔

''موسم سرما میں یہاں بلا کی سردی پڑتی ہے اور تم اپنے ساتھ گرم کپڑے لے کر نہیں آئے تھے۔ میں نے سندر متی کو بتایا تو کہنے لگی۔ ''کیشپ بابو بھول گئے ہوں گے مگر ہم بانٹی پارہ سے اُن کے لئے گرم کپڑے لے چلیں گے۔'' پھر میرے ساتھ بازار گئی، کپڑے خریدے اور سلنے کے لئے درزی کو دے دیئے۔ اتفاق سے تمہارے ہی قد کاٹھ کا ایک آدمی مل گیا جس کا ناپ لیا گیا۔ بانٹی پارہ میں دو دن صرف تمہارے کپڑوں کی سلائی کے لئے رُکنا پڑا۔ ذرا یہ اوورکوٹ پہن کر دیکھو! ٹھیک بھی سلا ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کا رنگ پسند نہ ہو تو مجھے دوش نہ دینا۔ یہ ڈارک بلیو کلر سندر متی نے پسند کیا تھا۔''

سروپ جی نے یہ سب کچھ ایسے کہا جیسے اُن کی بیٹی کو میرے لئے کپڑے خریدنے اور ان کے رنگ پسند کرنے کا اختیار تھا۔ میں حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

''میری طرف کیا دیکھ رہے ہو..... اوورکوٹ پہن کر دکھاؤ کہ کیسا لگتا ہے؟''

''مگر آپ مجھ پر اتنی مہربانیاں کیوں کر رہے ہیں؟ پہلے مجھے غیر معمولی تنخواہ پر نوکر رکھا، پھر شیلانگ سے میرے نام پر چاچی کو پانچ سو روپے کا منی آرڈر کر دیا اور اب یہ کپڑے..... میں ایک غریب آدمی ہوں۔ ان مہربانیوں کا صلہ نہیں چکا سکوں گا.....'' نہ چاہنے کے باوجود یہ باتیں میرے منہ سے نکل گئیں۔

سروپ جی فوراً کرسی سے اُٹھے اور میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

''تھارو کیشپ! یہ بات تم نے آج کہی ہے، پھر کبھی نہ کہنا۔''

''جی.....؟'' میں حیران تھا کہ کیا جواب دُوں مگر اُنہوں نے مجھے جواب دینے کا موقع ہی نہیں دیا۔

''ایک پرائے آدمی کی طرح تم میری مہربانیوں اور ان کے حساب کی بات تو زبان پر لے آئے ہو مگر میں نے تمہیں پرایا جانا ہوتا تو شاید یہ مہربانیاں نہ کرتا۔ دُکھ اس بات کا ہے کہ تم نے مجھے اپنا نہیں سمجھا۔''

اُنہوں نے بات ہی ایسی کہہ دی کہ میں کٹ کے رہ گیا اور شرمندگی محسوس کرنے لگا۔ جب کوئی اپنوں جیسا سلوک کرے تو اُس سے پرایوں جیسی گفتگو نہیں کی جاتی۔ مگر چاچی کی چٹھی رہ رہ کر یاد آ رہی تھی جس میں اُس نے ساؤ گاری کے بارے میں اپنی چنتا ظاہر کی اور یہ بھی لکھا تھا

کہ مجھ پر کی جانے والی مہربانیوں کے پیچھے تیرے مالک کی کوئی غرض چھپی ہوگی اور مجھے پیش آنے والے عجیب و غریب واقعات کے نتیجے میں یہ چنتا آپ سے آپ پیدا ہوئی تھی۔ میں نے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میری بات سن کر آپ کو دُکھ ہوا جس کے لئے شما چاہتا ہوں۔ مگر کسی پرائے کو اپنا بنا لینے کا کوئی نہ کوئی کارن تو ضرور ہوتا ہے۔''

''کیوں نہیں؟ میرے تمہارے درمیان علم کا نہ ٹوٹنے والا ناتا ہے اور یہ بات بھی چھپانا نہیں چاہتا کہ تم میرے محتاج نہیں، میں تمہارا محتاج ہوں۔ محتاج نہ ہوتا تو تمہیں یہاں بلاتا کیوں؟''

''بات وہیں آ جاتی ہے کہ اگر اپنا سمجھتے ہیں تو مجھے اپنے بھید میں بھی شریک کیجئے۔''

''یہ اپنے پرائے کی بات نہیں تھارو کیشپ! میں نے سندر متی کو بھی آج تک کچھ نہیں بتایا اور ابھی تمہیں بھی بتانا مناسب نہیں سمجھتا۔ اصل کام مورتی کی تلاش ہے اور اگر یہ سراغ مل جائے کہ وہ مورتی کہاں ہے تو وچن دیتا ہوں کہ کم از کم تم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھوں گا۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ سربستہ راز کھل جانے پر جو سروپ جی کے سینے میں نہ جانے کب سے دفن ہے، کوئی غیر معمولی خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے۔

''بہت اچھا..... میں آپ کے وچن پر وشواس کرتا اور یقین دلاتا ہوں کہ مورتی کی تلاش میں آپ کی مدد کروں گا۔'' پھر میں نے جیب سے وہ کاغذات نکالے جن پر اپنی یادداشتیں اور نوٹس لکھے تھے اور پوچھا۔ ''کہیں آپ پیتل کی وہ مورتی تو نہیں ڈھونڈ رہے جو بھگوان بدھ کے خاص شش آنند بھکشو نے تیار کرائی تھی.....؟''

آنند بھکشو کا نام سنتے ہی سروپ جی یوں اُچھلے جیسے اُنہیں زمین نے اُچھال دیا ہو۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''کسی نے نہیں..... آپ بہت دنوں سے پیتل کی مورتیوں کے پیچھے پڑے ہیں۔ مجھے خیال آیا پیتل کی جو مورتیاں پہلی صدی میں بنائی گئی تھیں اُن میں آنند بھکشو والی مورتی سب سے اہم اور پوتر ہے۔''

''تمہارے خیال کی داد دیتا ہوں تھارو کیشپ! مجھے اُسی مورتی کی تلاش ہے۔''

''آپ جو کتابیں مجھے دے گئے تھے میں نے اُن سے کچھ نوٹس لئے اور اپنی یادداشتیں بھی لکھی ہیں..... یہ دیکھئے۔'' میں نے کاغذات اُن کی طرف بڑھائے۔ وہ کھڑے کھڑے اشتیاق سے اُنہیں پڑھنے لگے۔ میں نے بھکشو والی مورتی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا تھا جو پٹنہ کی کھدائی سے دستیاب ہوئی تھی۔ وہ خوش ہو کر بولے۔

''یہ سراغ تو مل گیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل نے وہ مورتی کلکتہ کے عجائب گھر

سے شمالی ہند کے کسی شہر میں بھیج دی تھی مگر تمہیں یہ ریسرچ کرنی ہے کہ مورتی کہاں بھیجی گئی تھی؟ تمہاری یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس مورتی کے بارے میں کچھ جانتے ہو مگر بھول گئے۔ اگر اپنے حافظے پر زور دو تو شاید بھولی باتیں یاد آ جائیں۔"

"لڑکپن کی بھولی بسری باتیں مشکل سے یاد آیا کرتی ہیں۔"

"پھر بھی آشا ہے تم اُس مورتی کو ڈھونڈ نکالو گے۔"

میں پریشان سا ہو گیا۔" یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"میرے سچ پر وشواس کیوں نہیں کرتے؟ تمہیں ساوَ گاری میں اس لئے بلایا ہے کہ میں ایک بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہوں اور تم اپنے علم، اپنی وِدّیا، اپنی تحقیق سے میری مدد کر سکتے ہو، مجھے مصیبت سے نکال سکتے ہو۔"

"میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"مجھے بھگوان بدھ کی ایک بہت پرانی مورتی کی تلاش ہے جو اُن کے سورگباش ہونے کے بعد بنائی گئی تھی۔"

میں نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا اور اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے پوچھا۔" آپ نے بات چھیڑ ہی دی ہے تو اب یہ بھی بتا دیں کہ اُس مورتی کو تلاش کرنے کا مقصد کیا ہے؟"

"یہ نہیں بتا سکتا۔"

میں حیران رہ گیا کہ مورتی کی تلاش کے لئے اُنہوں نے بڑی صاف گوئی سے کام لیا لیکن مقصد پوچھا تو صاف انکار کر دیا۔ آخر یہ کیا چکر ہے؟ وہ مجھے، میں اُنہیں چشم حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اب میں نے تھوڑی سی گستاخی مناسب سمجھی۔

"آپ تو مجھے اپنا بنا رہے تھے۔ مگر خود ہی پرائے بن بیٹھے۔"

"غلط سمجھ رہے ہو۔"

"پھر درست کیا ہے؟"

وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولے۔" مجھے مقصد بتانے سے انکار نہیں۔ مگر ڈرتا ہوں کہ حقیقت سن کر کہیں خود پاگل نہ ہو جاؤ یا مجھے پاگل نہ سمجھ بیٹھو۔"

"ابھی میرے اعصاب اتنے کمزور نہیں ہوئے۔"

"تھارو کیشپ! وہ بھید جسے میں نے آج تک چھپائے رکھا اگر کھل گیا تو دنیا میں ایک بھونچال آ جائے گا اور شاید تم بھی اس بھونچال کا مقابلہ نہ کر سکو اس لئے تمہیں مقصد جاننے کے لئے اصرار نہیں کرنا چاہئے۔"

اب میرے ذہن میں چاچی کی چٹھی کا فقرہ گھنٹی کی طرح بجنے لگا کہ ساوَ گاری کا نام سن کر

ہی اُس کا دل اُڑنے لگتا ہے۔ سروپ جی خود ایک بھونچال کا ذکر کر رہے تھے...... تو یہ شبہ غلط نہیں تھا کہ ساوَ گاری پر گہرے اسرار کا پردہ پڑا ہوا ہے۔"

"کیا سوچنے لگے؟" سروپ جی مجھے چپ دیکھ کر بولے۔

"کیا آپ کی لائبریری اس معاملے میں کوئی مدد نہیں کر سکتی؟"

وہ چونک کر بولے۔" مگر میں نے ابھی تک تم سے لائبریری کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ سوچا تھا کسی دن اطمینان سے لائبریری دکھاؤں گا۔"

"میں دیکھ چکا ہوں۔"

"کب......؟" وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔

"آج سندر متی مجھے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔"

"خوب...... تو تم سندر متی سے مل چکے ہو۔"

"اتفاق سے ملاقات ہو گئی۔"

"اور تمہاری جان پہچان کرانے کے لئے میں نے اُسے یہاں بلایا ہے۔ ابھی آ جائے گی۔ مگر اچھا ہوا تم دونوں پہلے ہی مل چکے ہو۔"

"میں نے لائبریری کے بارے میں پوچھا تھا۔"

وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔" لائبریری میں بدھا سیکشن کافی بڑا ہے۔ بدھ تاریخ و آثار اور بھگوان بدھ کی مورتیوں پر میں نے بڑی کتابیں اکٹھی کی ہیں مگر جس انمول شے کی تلاش تھی وہی نہ مل سکی۔ تم ریسرچ کرنا چاہو تو لائبریری کی ایک چابی تمہارے سپرد کر دوں گا۔" پھر اُنہوں نے کاغذات مجھے لوٹا دیئے۔" اُنہیں اپنے پاس ہی رکھو۔"

میں نے کاغذات سنبھال لئے۔ وہ کرسی پر بیٹھے خلا میں گھورتے رہے۔ اُن کے کمرے میں لکڑی کے دونوں مجسمے بھگوان بدھ کی جوانی کے دنوں کی یادگار تھے جبکہ آنند بھکشو نے جو مورتی بنوائی وہ اُن کے آخری ایام کا نقشہ پیش کرتی تھی اور ہو بہو اُس مورتی سے ملتی تھی جسے ایک دن میں نے ساگر ساوَ جی کے تابوت نما کمرے میں دیکھا تھا اور جو ایک رات اپنے قدموں سے چل کر میرے پاس آئی تھی۔ جی میں آئی سروپ جی سے پوچھوں کیا اُنہوں نے کبھی مورتی کو چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ مگر کچھ سوچ کر ارادہ ترک کر دیا۔ اچانک وہ کہنے لگے۔

"تھارو کیشپ! اگر وہ مورتی مل گئی تو میں ایک بہت بڑے عذاب سے رہا ہو جاؤں گا۔ تمہیں اسی لئے بلایا ہے کہ میری مدد کر سکو۔ مجھ سے کبھی بگڑنا نہیں۔"

ان الفاظ میں سروپ جی کے دل کا انجانا دُکھ گھلا ہوا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے اُنہوں نے آنسو پی لئے ہوں اور لفظ اُگل دیئے ہوں۔ وہ گہرا راز جو پیتل کی مورتی سے وابستہ تھا، اندر ہی اندر

اُنہیں کھائے جا رہا تھا۔ میں نے تسلی دی۔

''آپ گھبرائیں نہیں...... آئندہ کبھی شکایت کا موقع نہیں دُوں گا۔''

''پھر اُٹھو...... اور یہ کوٹ پہن کر دکھاؤ!''

میں نے اوورکوٹ پہن لیا۔ بالکل ٹھیک تھا جیسے درزی نے میرا ہی ناپ لے کر سیا ہو۔ اُسی لمحے سندر متی کمرے میں داخل ہوئی اور مجھے دیکھتی ہی رہ گئی۔ پھر قریب آ کے بولی۔

''بہت اچھا لگ رہا ہے کیشپ بابو! کتنا پیارا کلر ہے۔ آپ کو پسند آیا؟''

''میں نے سنا ہے کپڑا آپ ہی نے خریدا تھا مگر آپ کو کس نے بتایا کہ ڈارک بلیو کلر مجھے تمام رنگوں سے زیادہ پسند ہے؟''

''ارے......! یہی رنگ تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ جب کسی مرد کو ڈارک بلیو کلر کا کوٹ پہنے دیکھتی ہوں تو من ہی من میں نچھاور ہو کر رہ جاتی ہوں اُس پر۔''

میں بھونچکا سا رہ گیا کہ وہ اپنے باپ کے سامنے اتنی بے باکی اور آزاد خیالی سے باتیں کر لیتی ہے۔ سروپ جی صرف ہنس کر رہ گئے۔ ''نٹ کھٹ کہیں کی۔''

''آپ بھی ڈارک بلیو پہنا کریں پتا جی! سب مردوں کو یہی رنگ پہننا چاہیے۔ دیکھئے نا اس کلر میں کیشپ بابو کتنے سندر اور گریس فل لگ رہے ہیں۔''

''اب بلیو کلر کے گن گائے جائے گی یا میری بھی سنے گی؟''

''کیا سنوں آپ کی؟ کیشپ بابو کو یہاں آئے کتنے دن ہو گئے مگر کسی نے لائبریری تک نہیں دکھائی۔ میں نے ذکر کیا تو حیران رہ گئے کہ یہاں کوئی لائبریری بھی ہے؟''

''سن چکا ہوں...... تو انہیں اپنے ساتھ لائبریری میں لے گئی تھی۔''

''اور سنیئے! یہ گوپی ساؤ کی مورتی کو بھی آج تک آپ کی مورتی سمجھتے رہے۔ میں نے اصلیت بتائی تو کہنے لگے کہ میں مذاق کرتی ہوں۔''

سروپ جی کو یکلخت کچھ یاد آ گیا۔ ''وہ تو مذاق نہیں تھا۔ اچھا ہوا تو نے ایک غلط فہمی دُور کر دی۔ مگر دیکھ سندر متی! میں تیری عادت کو جانتا ہوں۔ تھارو کیشپ سے مذاق نہیں کرنا۔''

''موقع ملا تو کر گزروں گی پتا جی!''

اور وہ شریر سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی جن کا مفہوم بڑا حسین اور رنگین تھا...... میں نے سروپ جی پر نگاہ ڈالی تو اُن کے ہونٹوں پر شکست خوردہ سی مسکراہٹ دم توڑ رہی تھی۔ میں اُن کی بے چارگی سمجھ گیا کہ بیٹی سے بے پناہ پیار کرتے ہیں۔ پھر سندر متی سے بولا۔

''آپ شوق سے مذاق کریں...... میں برا نہیں مانوں گا۔''

''مذاق تو تب کروں گی جب آپ موقع دیں گے۔ مگر کیشپ بابو! آپ نے صبح سے یہ

پ...... آپ...... کیا لگا رکھی ہے؟''

''اور کیا کہوں؟''

''مجھے تم کہیے...... تو کہیے۔''

میں بوکھلا سا گیا، پھر خیال آیا شاید یہ مذاق ہی کا کوئی پہلو ہو، مجھے بھی جواب کی سوجھی۔

اچھا سندر متی! میں ہارا، تو جیتی۔ اب خوش ہے؟''

''نہیں......'' پھر میری طرف دیکھ کے کہنے لگی۔ ''آپ کی ہار کیسے مان لوں؟''

''اس لئے کہ ''آپ'' چھوڑ ''تو'' کہہ رہا ہوں۔ ہار میری، جیت تیری ہوئی ہے۔''

''کیشپ بابو! میں خود کو ہار کر آپ کی جیت چاہتی ہوں۔ یہ کہیے میں جیتا تو ہاری۔''

اُس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ میرے بدن پر ایک لرزشِ خفی طاری ہو گئی۔ سروپ جی چپ چاپ بیٹھے ہماری گفتگو سن رہے تھے، میری طرف دیکھ کر بولے۔

''جو کچھ کہتی ہے مان جاؤ تھارو کیشپ! ہمیں کچھ اور بھی باتیں کرنی ہیں۔''

میں نے سندر متی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''اچھا دیوی! میں جیتا تو ہاری۔''

وہ مجھے مسکراتی نظروں سے دیکھتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی اور میرے من میں ایک عجیب سی ہلچل ہونے لگی۔ دراصل وہ ہار کر جیت گئی تھی اور میں محسوس کر رہا تھا کہ اُس نے مجھے پہلی شکست دے دی ہے۔ اب سروپ جی کو وہ چٹھی یاد آئی جو رُپا سے لے کر آئے تھے۔

''تھارو کیشپ! میں یہ تو پوچھنا بھول ہی گیا تھا کہ گھر سے خیر خیریت کی چٹھی آئی ہے نا...... تمہاری چاچی کیسی ہے؟''

''چاچی بیمار ہے۔ کئی دن سے بخار آ رہا ہے۔''

''کہیں تمہاری جدائی میں اُداس تو نہیں ہو گئی؟''

''معلوم نہیں...... مجھے بلایا ہے۔ اگر آپ آگیا دیں تو جا کر دیکھ آؤں؟''

''آگیا کیسی...... جب چاہو جا سکتے ہو۔''

''تو پھر کل یا پرسوں چلا جاؤں؟''

''جیسے تمہاری مرضی۔ میں پیگو سے کہہ دُوں گا تمہیں باٹی پارہ تک چھوڑ آئے۔''

میں خوش تھا کہ سروپ جی نے توقع کے خلاف مجھے بنگال جانے کی اجازت دے دی ہے۔ مگر اچانک سندر متی نے اعلان کیا۔

''پتا جی! یہ کل جا سکتے ہیں نہ پرسوں۔ ان کے جانے میں ابھی کچھ رُکاوٹیں ہیں۔''

''کیسی رُکاوٹیں؟'' سروپ جی حیران سے نظر آئے۔

''سنیئے! نمبر ایک، پیگو بیمار ہے اور ان کے ساتھ باٹی پارہ تک نہیں جا سکتا۔ نمبر دو، موسم

خراب ہے اور ایسے خراب موسم میں پہاڑی سفر ٹھیک نہیں۔'' پھر وہ ایک لمحہ رُک کر بولی۔ ''اور تیسری رُکاوٹ میں ہوں۔ صرف پانچ دن کی چھٹی پر تو آئی ہوں۔ یہ بھی پانچ دن ٹھہر جائیں نا۔ پھر اکٹھے چلیں گے۔ باٹی پارہ تک میرا ان کا ساتھ رہے گا۔''

''میں پیگو کی بیماری اور موسم کی خرابی کو بھول گیا تھا۔ مگر تیسری بات تو جانے یا تھارو کیشپ۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں، پانچ دن اور ٹھہر جاؤں گا۔ اتنی دیر میں پیگو بھی ٹھیک ہو جائے گا اور شاید موسم بھی بدل جائے۔ میں سندر متی کی بات نہیں ٹال سکتا۔''

''شکریہ کیشپ بابو!''

پھر سندر متی کی خواہش پر ہم نے دوپہر کا کھانا بھی اکٹھے کھایا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ سندر متی بڑی تیز، آزاد خیال مگر سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ سروپ جی کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اور وہی ان کے بعد باٹی پارہ کی خاندانی جاگیر کی وارث اور گوچی ساؤ کی وصیت کے مطابق ساؤ گاری میں مکتی اور نروان کی تپسیا جاری رکھنے کی ذمے دار تھی۔ اس لئے اُسے بدھ دھرم کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی تاکہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کر سکے۔ تین سو سال کی تاریخ میں سندر متی پہلی عورت تھی جسے اپنے باپ دادا کی طرح دنیا تیاگ کر ساؤ گاری میں اپنی خاندانی روایات کی پابندی کرنا تھی مگر اس کو دیکھ کر کبھی کبھی میں سوچنے لگتا شاید سندر متی نروان کی تپسیا کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اور تین صدیاں پہلے یہاں نروان کی جو کہانی شروع ہوئی تھی وہ سروپ جی کی ذات پر ختم ہو جائے۔

مگر میں نے یہ کیوں سوچا تھا؟...... اس کا جواب سندر متی کی سندر جوانی اور رنگین طبیعت ہو سکتی تھی یا پھر وہ عجیب و غریب واقعات جو آگے چل کر ساؤ گاری میں پیش آئے۔

○

کوئی تین بجے کے قریب میں نے سروپ جی سے اجازت لی۔ سندر متی بھی میرے ساتھ ہی اُٹھی اور بولی۔ ''پتا جی! اب میں کیشپ بابو کے کمرے میں جاؤں گی اور کچھ دیر وہاں بیٹھوں گی۔''

میں نے گھبرا کر دیکھا۔ اُس نے کپڑوں کا پیٹ اُٹھا لیا اور مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔ میں کچھ حیران بھی تھا، کچھ پریشان بھی۔ ایک جوان لڑکی کی رفاقت میرے من اور تن میں سنسنی پیدا کر رہی تھی مگر سروپ جی نے اس رفاقت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ہم دونوں آگے پیچھے اُن کے کمرے سے نکلے۔ راہداری میں آتے ہی سندر متی نے مجھے گھور کے دیکھا اور زیر لب بڑبڑائی۔

''ڈرپوک کہیں کے۔''

اس تعریف پر میرے اندر کا تھارو کیشپ بھی کہیں دبک گیا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ میری رہائش گاہ میں داخل ہو کر اُس نے کمرۂ نشست کو چھوڑا اور چوبی زینے پر قدم

رکھا۔ اُوپر کے کمرے میں ہر چیز میرے خیالوں کی طرح بکھری ہوئی تھی۔ بستر، کپڑے، کچھ پرچے، کچھ کاغذات۔ وہ ان بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھنے لگی۔

''آپ نے تو کمرے کو کباڑ خانہ بنا رکھا ہے۔''

پھر کپڑوں کا پیکٹ میز پر رکھا اور چیزیں سنبھالنے لگی۔ میں چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ بستر ٹھیک کر چکی تو بولی۔ ''اب تشریف رکھیے!'' اور خود میز کے ساتھ پشت لگا کر کھڑی ہو گئی۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا بستر پر بیٹھوں؟''

''اور میرے سر پر بیٹھئے گا؟ یہاں کوئی کاؤچ تو ہے نہیں جو آپ کو پیش کروں۔''

میں بستر پر بیٹھ گیا اور وہ میری طرف جھکتی ہوئی بولی۔ ''ایک بات پوچھوں؟''

''پہلے یہ فیصلہ ہو جانا چاہئے کہ یہاں 'آپ' چلے گا یا 'تو' چلے گی؟''

''یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور میں فیصلے بدلنے کی عادی نہیں۔''

''پھر پوچھنا کیا رہ گیا ہے؟''

''پوچھنا یہ ہے، آپ نے پتا جی کے سامنے مجھے ''دیوی'' کیوں کہا تھا؟''

میں نے ذرا جرأت کا مظاہرہ کیا۔ ''اس لئے کہ تیری شان کسی دیوی سے کم نہیں۔''

''مگر دیوی تو پوجا کے لئے ہوتی ہے۔ آپ کریں گے میری پوجا؟''

''کیا تو چاہتی ہے تیری پوجا کی جائے؟''

''پوجا کے بغیر دیوی...... دیوی نہیں کہلاتی۔''

میں نے گفتگو میں ابھی تک بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ ہر سوال کا جواب سوچ سمجھ کے دے رہا تھا مگر دیوی کی بحث میں اُلجھ کے رہ گیا۔ اُس کی دلیل زبردست تھی۔ میں نے دوسرا رُخ اختیار کیا۔ ''ہم بدھ لوگ صرف بھگوان کی پوجا کرتے ہیں...... میں نے تجھے دیوی اس لئے کہا کہ تو سندر ہے۔''

یہ سن کر اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ''کیشپ بابو! ایک بار پھر کہیے نا...... کہیے نا...... تو سندر ہے۔''

میں نے اُس کا کہا پورا کر دیا۔ ''تو سندر ہے۔''

اُس نے آنکھیں کھول دیں اور ایسی نظروں سے مجھے دیکھا جیسے اپنی ذات کا عرفان حاصل کر چکی ہو۔ پھر کہنے لگی۔

''کسی لڑکی کو سندر کہہ دینا اُس کی پوجا ہوتی ہے کیشپ بابو! کیونکہ سندرتا اور خوبصورتی بھگوان کا رُوپ ہے۔ دانشور کہتے ہیں ''God is beauty and beauty is God.''

میں اُس کے استدلال پر دم بخود رہ گیا کیونکہ ہر دانشور کی طرح میں بھی خوبصورتی کو بھگوان کا

روپ مانتا اور ہر فن کار کی مانند حسن سے دلچسپی رکھتا ہوں خواہ وہ آکاش میں ہو، دھرتی میں، پھول میں، پتھر میں یا عورت میں ہو، خوبصورتی میری کمزوری ہے اسی لئے سندر متی بھی اچھی لگ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی میں ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہوں جبھی اُس نے خوبصورتی اور پوجا میں ایک حسین ناتا جوڑ دیا۔ میں اس دلیل سے انکار نہیں کر سکتا تھا کہ کسی لڑکی کو سندر کہہ دینا اُس کی پوجا ہوتی ہے۔ شاید میں نے بھی الفاظ میں اُس کی پوجا کی تھی کیونکہ اُس کے حسن، جسم اور جوبن میں کوئی ماورائی کشش تھی جو میری رُوح کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور محسوس ہو رہا تھا وہ میرے دل میں اُتر کے بیٹھ جانا چاہتی ہے جہاں پہلے ہی جل پنا کے کڑوں کی مدھر گھنگریاں بج رہی تھیں۔

اچانک مجھے یاد آیا۔ جل پنا کو شام کے سمے آنے کا سندیس بھیج چکا ہوں اور شام ہوا چاہتی ہے شاید وہ اپنے کڑوں کی گھنگریاں بجاتی ابھی آ جائے۔ اس خیال سے میرا دل اُڑنے لگا۔ اگر جل پنا نے سندر متی کو اور سندر متی نے جل پنا کو دیکھ لیا تو میرے لئے کتنی پریشانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ میں نہ تو جل پنا کو چھوڑ سکتا تھا اور نہ سندر متی کو مایوس کرنا چاہتا تھا کیونکہ سندر متی ایسی سندر اور پڑھی لکھی لڑکی ہر دانشور کا مرکز جمال ہوتی ہے اور اس سے علیحدہ رہ کر آدمی اپنے آپ سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ میں ان دونوں کے درمیان ایک دیوار حائل رکھنا چاہتا تھا۔ اگر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو میرے اعتماد کی دیوار گر جائے گی۔ سوچا اب سندر متی کو چلے جانا چاہئے مگر اُسے جانے کے لئے کیسے کہوں؟ سخت بے چین تھا اور جب آدمی بے چین ہو، اُس کا چہرہ بولنے لگتا ہے۔ شاید سندر متی نے میرے چہرے کی ان کہی آواز سن لی تھی، حیران سی ہو کر بولی۔ ''یہ بیٹھے بٹھائے آپ کا رنگ کیوں اُڑنے لگا؟''

میں نے اپنی بے چینی کا ایک جواز ڈھونڈ لیا۔ ''تو جو میرے ساتھ آ گئی ہے، سروپ جی کیا سوچتے ہوں گے؟''

''کیشپ بابو! انجیل کہتی ہے ہر آدمی کو صرف اپنی صلیب اُٹھانی چاہئے۔''

یہ فقرہ میرے لئے حیران کن ہوتا اگر میں یہ نہ جانتا کہ وہ ایک مشن سکول میں پڑھتی اور ایک مشن ہوسٹل میں رہتی ہے۔ اُس نے بات جاری رکھی۔ ''پتا جی کی فکر نہ کریں، یہ بتائیں آپ کیا سوچتے ہیں؟''

ٹھیک اُسی لمحے میں نے چوبی زینے پر ایک ہلکی سی آہٹ سنی اور دل میں فکر کی گھنگریاں بجنے لگیں۔ سوچا جل پنا آ گئی ہے۔ میں نے پریشان نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ پل دو پل دیکھتا رہا مگر دروازہ نہیں کھلا۔ شاید میرا وہم تھا۔ ایک لمحہ حیرت کے بعد سندر متی نے اپنا سوال دوہرایا۔ ''بتائیے نا...... آپ کیا سوچتے ہیں میرے بارے میں؟''

''کیا مجھے تیرے بارے میں سوچنا چاہئے؟''

''ضرور...... مگر دماغ سے نہیں دل سے۔''

''دل سے کیوں؟''

''پریم دل سے کیا جاتا ہے نا!''

''پریم......؟'' میں نے زیرلب دُہرایا اور وہ میز چھوڑ کر بڑی بے تکلفی سے میرے پاس بستر پر آ بیٹھی۔ میں بوکھلا سا گیا۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ اُس نے میری صورت دیکھی تو مسکرا کے بولی۔

''ڈرتے کیوں ہیں مجھ سے؟ عورت مرد کا لباس ہوتی ہے۔''

''عورت مرد کی کمزوری بھی ہوتی ہے۔''

''اس کمزوری کا دوسرا نام فطرت ہے اور مرد عورت کو یہ فطرت قدرت یا بھگوان یا خدا نے بخشی ہے۔''

یہ فلسفہ درست سہی مگر میں حیران تھا اُسے کس طرح سمجھاؤں کہ اُس کے سندر اور نوجوان بدن کی قربت مجھے دیوانہ کئے دے رہی تھی۔ آخر ایک عذر سوجھ گیا۔

''تو نہیں جانتی سندر متی! پریم ایک روگ ہے جو پریمیوں کو آہستہ آہستہ، ٹھہر ٹھہر کے مار ڈالتا ہے۔''

''مجھے بھی مرنے کی جلدی نہیں کیشپ بابو! دھیرے دھیرے مرنا چاہتی ہوں۔'' میں اُس کا منہ تکنے لگا۔ ''میں بتاؤں پریم کیا ہے؟ پریم پربتوں کی طرح اُونچا، جنگلوں کی طرح گھنا اور سمندروں کی طرح گہرا ہوتا ہے۔ پریم ایک سوَرگ ہے، ایک جنت ہے اور جس دل میں پریم نہیں، وہ نرگ سے بدتر ہے۔''

اب میرے پاس کہنے کے لئے کچھ نہ رہ گیا تھا صرف خالی خالی آواز تھی۔ ''یہ باتیں چھوڑ۔ میرے تیرے درمیان دوستی تو ہو سکتی ہے، پریم نہیں ہو سکتا۔'' میں خود محسوس کر رہا تھا، میرے الفاظ بے وزن بھی ہیں اور بے اثر بھی۔

وہ حیران سی ہو کر پوچھنے لگی۔ ''دوستی ہو سکتی ہے تو پریم کیوں نہیں ہو سکتا؟''

''اس لئے کہ تو ساؤ کاری کی اُمید ہے جہاں تیرے خاندان کا ماضی دفن ہے، جہاں گوپی ساؤ کی وصیت کے مطابق سروپ جی کے بعد تجھے نجات اور بخشش اور نروان کی تپسیا کرنی ہے۔ تجھے ہر غلطی، ہر بھول سے دُور رہنا ہوگا۔''

میرا خیال تھا یہ اشارہ اس کے لئے کافی ہوگا۔ مگر وہ یکلخت کھڑی ہو گئی اور بولی۔

''میں پریم کو غلطی نہیں سمجھتی۔ اور اگر یہ کوئی غلطی، کوئی بھول، کوئی جرم ہے جیسا آپ کہتے ہیں تو نجات کے لئے جرم، بخشش کے لئے خطا اور نروان کے لئے خواہش ضروری ہے۔ یہ

بھول پتا جی نے کی تھی جس کے نتیجے میں، میں نے جنم لیا۔ مگر جب میں پریم کا ذکر کرتی ہوں تو میرے جسم اور آتما کے درمیان کوئی کشمکش نہیں ہوتی کیونکہ پریم عورت کے جیون کا مقصد اور نئی دنیا کی تخلیق کا ذریعہ ہے۔''

اُس کے ساتھ میں بھی بستر سے ہکا بکا سا اُٹھا کیونکہ اُس نے جواب کے لئے کچھ نہیں چھوڑا تھا اور مجھے وہ الفاظ نہیں مل رہے تھے جن سے میں اپنی مدافعت کرسکتا۔ میری حالت اُس ناؤ کی سی تھی جو دریا کی لہروں پر ڈولتی رہتی ہے۔ کچھ بولنے کی بجائے میں ڈولتا رہا اور وہ عجیب سے انداز میں پوچھنے لگی۔

''کیشپ بابو......! کیا آپ نے کبھی خواہش کی ہے کہ پیار ایک وجود، ایک جسم اختیار کر لے اور آپ اُسے چھوسکیں، اُس کی آواز سن سکیں؟''

بڑا عجیب سوال تھا۔ میں نے کہا۔ ''ایسی خواہش کی تو نہیں مگر یہ خیال بڑا سندر اور اچھوتا ہے۔ اور اب میں سوچتا ہوں مجھے ایسی خواہش کرنی چاہئے۔''

''تو پھر پیار نے آج میرے رُوپ میں اپنا وجود اختیار کرلیا ہے۔ مجھے دیکھ لیں، میری آواز سن لیں، مجھے چھولیں۔ آپ کو محبت کا عرفان مل جائے گا۔''

یہ کہہ کر اُس نے ہاتھ جوڑ کے پھر آنکھیں بند کرلیں اور ایک دیوی کی طرح میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اُس نے دعوت دی تھی کہ میں اُسے دیکھ کر، چھو کر محبت کا عرفان حاصل کروں۔ اور بڑی حسین تھی وہ۔ یہ دعوت اور بڑے پُرکشش تھے اُس کے الفاظ اور بڑا خوبصورت تھا اُس کا آنکھیں بند کر کے کھڑے ہونے کا انداز۔ آن کی آن میں میری ساری مدافعت دم توڑ گئی اور یہ سوچ کر کہ پیار اور خوبصورتی میری متاعِ گم گشتہ ہے جسے میں کبھی آکاش، کبھی دھرتی، کبھی پھول، کبھی چتر اور کبھی عورت میں ڈھونڈتا ہوں، سحر زدہ سی حالت میں ہولے ہولے اُس کی طرف بڑھا۔ جب میرے ہاتھ جن میں ہلکی سی لرزش تھی اُس کے شانوں تک پہنچ گئے تو اُس نے وہ لرزش محسوس کی اور کہا۔

''کیشپ بابو! پیار کرنے والے ہاتھ اتنے کمزور نہیں ہوتے۔''

میں نے خود کو سنبھالا اور آگے بڑھ کر مضبوطی کے ساتھ سندر متی کو گلے سے لگا لیا۔ اُس نے آنکھیں نہیں کھولیں اور جب میرے، اُس کے ہونٹ چھو گئے تب بھی آنکھیں نہیں کھولیں۔ اُس کے ہونٹوں میں ایک نئی حلاوت، ایک نئی مٹھاس تھی اور محبت کا نیا عرفان بھی......!

ابھی اس سرور آنگیز حالت میں بمشکل دو منٹ گزرے ہوں گے کہ ناگہاں چوبی زینے پر کسی کے قدموں کی آہٹ اُبھری اور سندر متی نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ شاید جل پنا آ گئی تھی مگر اُس کے کڑے نہیں بجے، گھنگریاں نہیں چھنکیں اور عجیب بات یہ تھی کہ آہٹ سیڑھیاں

چڑھنے کی نہیں، سیڑھیاں اُترنے کی تھی۔ یکلخت مجھے خیال آیا کہ جل پنا غالباً چند لمحے پہلے اُسی وقت آ گئی تھی جب میں نے زینے پر پہلی آہٹ سنی اور اُسے اپنے وہم پر محمول کیا تھا۔ پھر وہ دروازے کے باہر چوبی بالکونی میں کھڑی ہماری گفتگو سنتی رہی اور مجھے سندر متی سے بغل گیر ہوتے دیکھ کر چپ چاپ لوٹ گئی۔ میں تیزی سے دروازے کی طرف لپکا مگر اس اثنا میں وہ بیرونی دروازہ کھول کر راہداری میں نکل گئی تھی۔

میں چوبی زینہ اُترنے لگا۔ سندر متی میرے پیچھے پیچھے تھی۔ سیڑھیاں عبور کر کے ہم دونوں اُس دروازے میں آئے جو راہداری میں کھلتا تھا۔ باہر جھانکا تو دنگ رہ گئے۔ پروہت گنجال ننگے پاؤں بے آواز بیرونی ڈیوڑھی سے نکل رہا تھا۔ میں نے اطمینان کی سانس لی کہ وہ جل پنا نہیں تھی اور سندر متی کو فوراً کمرے میں کھینچ لیا کہ کہیں گنجال پلٹ کے نہ دیکھ لے۔

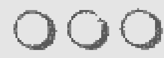
اُس نے تعجب سے پوچھا۔ ''یہ کیوں آیا تھا؟''

''بعض لوگ چھپ چھپ کر دوسروں کے کمروں میں جھانکنا اپنا ''اخلاقی فرض'' سمجھتے ہیں۔ اب یہ سروپ جی کے کان بھرتا رہے گا۔''

''آپ چنتا نہ کریں کیشپ بابو! بعض عورتیں مردوں سے صرف پیار کرتی ہیں مگر بعض ان کی حفاظت بھی کرتی ہیں۔''

''پروہت گنجال کینہ ور آدمی ہے۔''

''آپ نے بھی سندر متی سے پریم کیا ہے کسی گھسیارن سے نہیں....'' یہ کہہ کر وہ اچانک جھکی اور میرے پاؤں پر ''مقدس بوسہ'' دیا اور اس بوسے کے ساتھ ہی پورا تھارو کیشپ ختم ہوگیا۔



(9)

پریم کا نروان

پروہت گنجال نے میری اور سندر متی کی پیار بھری باتیں سن لی تھیں۔ ہمیں بغل گیر ہوتے دیکھ لیا تھا اور یہ دو جوانیوں کی ایک ایسی خطا تھی جس کے لئے اس کے دھرم کی پستک میں معافی کا کوئی لفظ نہیں تھا، جب وہ ساوُ گاری کی نرتکی جل پنا کی خاطر میرے پیچھے لگ گیا تو سندر متی کے ساتھ بوس و کنار کا جرم کیسے معاف کر سکتا تھا؟ ضرور وہ سروپ جی سے شکایت کریگا اور یہی دھڑ کا میرے جی کو کھائے جا رہا تھا کہ ان کے آگے کیا صفائی پیش کروں گا۔ کیا جواب دوں گا؟

سندر متی ایک آزاد خیال، پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ اس کے نزدیک پیار عورت کی خطا تھی نہ مرد کا جرم۔ صرف زندگی کا ایک طبعی تقاضا تھا مگر ساوُ گاری کی چھوٹی سی دنیا میں جہاں تین صدیوں سے نروان کی تپسیا ہو رہی تھی اور موہ مایا کے جال میں پھنس جانے والی عورتوں کے لئے نجات کے دروازے بند کر دیئے جاتے تھے، شاید زندگی کے اس فلسفے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

سروپ جی تنگ دل تھے، نہ انہوں نے ہمارے ملنے جلنے پر کوئی پابندی لگائی تھی بلکہ سندر متی ان کے سامنے بھی میرے ساتھ بڑی بے باک گفتگو کرتی رہتی اور وہ بیٹھے مزے سے سنتے، یہ سب کچھ درست مگر وہ ایک باپ بھی تھے اور کوئی باپ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی کنواری لڑکی کسی نوجوان مرد کے ساتھ بوس و کنار کے حسین مرحلے طے کرتی پھرے اور میں سوچ رہا تھا، آج، کل، کسی وقت مجھے ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سندر متی کو رخصت کر کے میں پھر کمرہ خواب میں آیا اور انہی سوچوں میں ڈوب گیا۔ شاسترو رات کا کھانا لے کر آیا تو اس کے ساتھ بھی کھل کر بات چیت نہ کر سکا، بس من کو چنتا سی لگ گئی تھی کہ نہ جانے ایک چھوٹی سی بھول کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ شاسترو نے دیکھا تو کہنے لگا۔ ”کہاں کھو گئے ہو پربھو!“

میں چونکا۔ ”ارے شاسترو! جل پنا آج شام کو بھی نہیں آئی تو نے میرا سندیس دیا تھا اسے کہ نہیں؟“

”سندیس تو دیا تھا مگر وہ نہیں آسکتی۔“

”آ کیوں نہیں سکتی۔ پہلے دن میں دو بار آتی تھی، اب ایک بار نہیں آسکتی؟“

”اگر نہیں آتی اور دو چار دن نہیں آئے گی تو یہ اور بھی اچھا ہے۔“

”خاک اچھا ہے۔“

”بدھی مان کہتے ہیں پریم ودیا میں تھوڑا سا وقفہ بھی ہونا چاہئے۔“

”وہ کس لئے؟“

”اس لئے کہ پریمی ایک دوسرے سے جدا ہو کر ایک دوسرے کو یاد کر سکیں۔ اگر وہ دور دور نہیں رہیں گے، جدا نہیں ہوں گے تو انہیں یاد کرنے اور تڑپنے کا موقع کہاں ملے گا اور پربھو! یہ تو آپ کے بھلے کی بات ہے کہ دو چار دن پریم کا ناغہ کرو اور جل پنا کو اپنے لئے بے چین ہونے اور تڑپنے کا موقع دو۔“

”کیا جل پنا تڑپے گی میرے لئے؟“

”ضرور تڑپے گی پربھو!“ پھر اپنی گول گول آنکھیں پٹپٹا کر بولا۔ ”مگر آپ کچھ زیادہ ہی تڑپنے لگے ہو۔“

شاسترو کے سامنے اس بے قراری کا اظہار ضروری تھا، وہ جل پنا کا سچا خیر خواہ اور من ہی من میں اس کے ساتھ میری نسبت [illegible] چکا تھا، اس کی خواہش تھی جب میں ساوُ گاری سے واپس جاؤں جل پنا بھی میرے ساتھ ہی چلی جائے، اس لئے میں نہیں چاہتا تھا کہ شاسترو کو میرے اور سندر متی کے بارے میں کچھ معلوم ہو ورنہ اس کے معصوم سے دل پر چوٹ پڑے گی، وہ یہ تو جانتا تھا کہ میں نے کل دوپہر کا کھانا باپ بیٹی کے ساتھ کھایا اور دیر تک ان سے باتیں کرتا رہا تھا، مگر یہ بات صرف سروپ جی جانتے تھے کہ تیسرے پہر سندر متی میرے کمرے میں آئی تھی یا پروہت گنجال کو علم تھا کہ کمرے میں ہم نے کیا کیا تھا اور وہ آج، کل یا کسی بھی وقت اس پریم کا بھید کھول سکتا تھا، پھر بھی شاسترو کو اس بھید کا علم نہیں ہونا چاہئے۔ اب میں جل پنا کے لئے اپنی بے قراری کا ذکر کر کے شاید شاسترو کو ذہنی طور پر مطمئن کر رہا تھا کہ میں جل پنا کو بھولا نہیں ہوں اور یہ سچ بھی تھا۔ وہ تو اندر دیوتا کی بیٹی جینتی بن کر میرے من میں ناچ رہی تھی، دل میں دھڑک رہی تھی۔

”اچھا شاسترو! اگر تو کہتا ہے تو میں دو چار دن صبر کر لوں گا مگر پنا سے بول دینا کہ میرے کان ہر سمے اس کے کڑوں کی آواز پر لگے رہتے ہیں۔“

”بول دوں گا پربھو! پر اپنے من کو ذرا شانت کرو۔“ اس نے خالی برتن سمیٹ لئے۔

”اور یہ بھی یاد رہے میں نے تجھے پروہت گنجال پر نظر رکھنے کو کہا تھا۔“

”میری ایک آنکھ ہر وقت اسی پر رہتی ہے۔“

”جبھی وہ تیری دوسری آنکھ بچا کر یہاں آجاتا ہے، آج بھی آیا تھا۔“

شاسترو چونک اٹھا۔ ”مگر آج جل پنا تو نہیں آئی پھر کیوں آیا تھا؟“

میرے من کا چور اس سے آنکھیں چرانے لگا۔ ''جانے کیوں آیا تھا پر تو اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھا کر۔''

''اچھا پربھو! آج کے بعد اس کا سایہ بھی مجھ سے اوجھل نہیں ہو سکے گا۔''

یہ کہہ کر وہ برتن اٹھا کر چل دیا، میں بھی اس کے ساتھ نیچے آیا، جب وہ نکل گیا تو راہ داری میں کھلنے والا دروازہ بند کر کے چند لمحے کمرہ ملاقات میں ٹہلتا رہا۔ اچانک بجلی کڑکی اور ساتھ ہی بوندوں کی جل ترنگ سنائی دی، ٹپ ٹپ کرتی بوندیں آناً فاناً چھم چھم کی آواز سے برسنے لگیں، پھر دھما دھم بارش ہونے لگی۔ موسلا دھار بارش جس کے تیز فراٹوں کا شور ساؤ گاری میں ایک عجیب سی گونج پیدا کرنے لگا۔

میں چوبی زینہ چڑھ کے اوپر کے کمرے میں آیا اور لالٹین کی لو مدھم کر کے بستر میں گھس گیا۔ بارش ٹھیک آٹھ بجے شروع ہوئی تھی اور اس کے شور میں دوسری کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

یہاں ایک دن پہلے بھی برکھا ہو چکی تھی لیکن آج کی موسلا دھار بارش کے تیور ہی کچھ اور تھے۔ یہ بارش ساؤ گاری میں، پہاڑوں پر، ترائی کے جنگلوں میں اور رتنا گری کی وادی سے کوسوں پرے دور دور تک ہو رہی تھی۔ اس کے طوفانی شور میں ایک عجیب سا آہنگ تھا۔ بادلوں کی گھن گرج، ٹوٹتی بجلیوں کی کڑک دھڑک، کاوے کاٹتی ہواؤں کی شوکار اور برستے پانی کا لگاتار شور کسی طوفان عظیم کی خبر دے رہا تھا۔ بادلوں کے دل جو کئی دن سے آکاش پر بھاگتے، ڈھول بجاتے اور چنگھاڑتے پھر رہے تھے، یکلخت پہاڑوں پر، جنگلوں پر، دھرتی پر ٹوٹ پڑے تھے اور ایسی خوفناک تھی وہ بارش کہ میں سوچنے لگا، ایسی بھیانک بارشیں اس وقت ہوتی ہوں گی جب یہ زمین تخلیق کے ابتدائی عمل سے گزر رہی تھی اور ہواؤں کا ایسا ہی شور ہوگا اور بادل اسی طرح گرجتے برستے ہوں گے اور بجلیاں اسی طرح کڑکتی، ٹوٹتی ہوں گی اور پانی اسی طرح ڈھلوانوں میں بہتا، راستے بناتا، دھرتی کے پیٹ میں اترتا چلا گیا ہوگا کیونکہ پرماتما زمین پر ایک ایسی جنت، ایک ایسا سورگ تیار کر رہا تھا جس میں آدم کو اپنی ناری حوا کے ساتھ رہنا تھا یا پھر دوسرے الفاظ میں برہما جی اور سرسوتی کو مل کر اولاد پیدا کرنی تھی۔

یک لخت میرے ذہن میں بائبل اور منوسمرتی کی عبارتیں گڈمڈ ہونے لگیں اور مجھے خیال آیا کہ دھرتی پر تخلیق کا آغاز تو پانی سے ہوا ہے اور آدم یا برہما اور حوا یا سرسوتی کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ لکھا ہے:۔

''اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی رُوح پانیوں پر جنبش کرتی تھی...... اور خدا نے کہا کہ پانی جانداروں کو کثرت کے ساتھ پیدا کرے...... اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا...... اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم بنایا...... اور

اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا اور خداوند خدا اس پسلی سے جو آدم سے نکالی تھی، ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا کہ یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس لئے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی۔''

(عہد نامہ قدیم۔ کتاب پیدائش)

اسی طرح منوشاستر کے الفاظ بھی میرے ذہن میں گونجنے لگے اور منو میں لکھا ہے کہ:۔

''ایشور پرماتما نے اول پانی پیدا کیا اور اس میں تخم ڈالا وہ تخم سنہری بیضہ ہو گیا۔ اس میں سے خود ایشور برہما جی کی صورت میں پیدا ہوا چونکہ اس نے پانی یعنی نر پر حس و حرکت کے لئے اپنی جگہ قائم کی تھی اس لئے نام نرائن پڑا، اس جگہ یہ نام برہما جی کے لئے بولا جاتا ہے اور برہما جی کو سرشٹری یعنی خلقت پیدا کرنے والا کہتے ہیں...... برہما جی کی عورت سرسوتی ہے اور سرسوتی علم، عقل، شاعری، روشنی اور حافظے کی دیوی ہے۔ اس کا رنگ سفید ہے اور ہاتھ میں (شاعری) کی پستک لئے سفید کمل کے پھول پر بیٹھی ہے۔۔ اسے واگیشوری بھی کہتے ہیں۔''

(بحوالہ ہندوؤں کی کلاسیکی ڈکشنری)

عہد نامہ قدیم اور منوشاستر کی یہ عبارتیں جو میں نے بہت عرصے پہلے پڑھی تھیں، گرجتے بادلوں اور برستے پانی کے اس شور میں میرے ذہن پر کوندوں کی طرح لپک چمک رہی تھیں اور عجیب اتفاق تھا کہ پانی کو تخلیق کا منبع قرار دینے پھر پرماتما (خدا) کا آدم یا برہما جی کو اپنی صورت پر پیدا کرنے اور حوا یعنی سرسوتی کو اس کی عورت منتخب کر کے نر و ناری کا جوڑا بنانے میں دونوں کتابوں کا بیان ایک سا تھا اور یہ گیان مجھے ساؤ گاری میں حاصل ہوا کہ شاکیہ منی بدھ کو بھگوان کا روپ یا اوتار اس لئے بھی کہتے ہیں کہ ایشور نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا ہے ورنہ جیسا کہ ''للت بستار'' اور ''سنگیت'' میں لکھا ہے، بھگوان بدھ پرماتما کو انادی (غیر فانی) اور اودیتم (وحدہ لاشریک) اور سویمبھو (آپ سے آپ ظہور لینے والا) مانتے ہیں اور تتھاگت نے ایک اپدیش میں یہ بھی کہا ہے کہ ایشور نے انسان میں اپنا روپ رکھا اور ناری (سرسوتی) کو اس کا جوڑا بنایا ہے مگر قدرت کے اس مذاق یا حکمت کو سمجھنے سے قاصر تھا کہ ساؤ گاری میں جو نروان کی دنیا تھی، ایک انسان کو دو سرسوتیوں میں کیوں الجھا دیا گیا ہے؟

یک لخت باہر بجلی کی تیز تلوار چمکی اور اس کی کڑک کے ساتھ ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور میں خود بھی دو اکائیوں میں بٹ گیا ہوں، میرا نصف وجود جل بالا اور نصف سندر متی کا ہے اور میں ان دونوں میں سے کسی کو بھی خود سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ گویا وہ دونوں میرے اپنے وجود کی دو شاخیں ہیں اور یہ ایک ایسی عجیب و غریب صورت حال

تھی جو آدم یا برہما جی کو پیش نہیں آئی تھی کیونکہ وہاں تو نر کے لئے ایک ناری تھی لیکن یہاں نر ایک تھا اور ناریاں دو تھیں اور میں ایک حسین مشکل سے دوچار تھا۔ نہ جل پنا کو خبر تھی کہ قسمت کے ستارے کی طرح سندر متی آپ سے آپ میرے جیون کے آکاش پر طلوع ہوئی ہے، نہ سندر متی جانتی تھی کہ میں اس سے پہلے کسی اور لڑکی سے پریم کے عہد و پیمان کر چکا ہوں۔

ڈر تھا تو جل پنا کا، بھگوان کی اس نرتکی کا جس نے اناتھ بنڈو کی سمادھی پر مجھے اپنا بھگوان مان لیا تھا، جو میری خاطر ساؤ گاری کے سانپ کو اس کے بل میں گھس کر مار دینے کی پرتگیا کر چکی تھی، اسے کس طرح سمجھاؤں گا کہ ایک نئی سرسوتی میری دنیا میں آئی ہے۔ اگر خوف تھا تو سندر متی کا جو خود کو میرے سامنے ہار کر جیت گئی اور پاؤں چوم کر پوری کائنات میرے چرنوں پر نچھاور کر چکی تھی۔ مرد کے ہاتھ چومنے اور چرن چھونے والی ناریاں تو بہت دیکھی ہیں مگر پاؤں چومنے والی سندر متی نے اپنے پریم کی ابتداء ہی اس انتہا سے کی تھی جس کے آگے عورت کے پیار کا اور کوئی تصور نہیں۔

یہی بات مجھے پریشان کئے دیتی تھی کہ جب ایک کو دوسری کا پتہ چلے گا تو ان کا ردعمل کیا ہوگا دونوں میرے بارے میں کیا سوچیں گی؟ یہ پریشانی سندر متی کے اُتم پیار سے شروع ہوئی تھی، جس نے مجھے مجبور کر دیا کہ اس کی دعوت قبول کروں ناگہانی برستے پانی کے شور میں کسی نے مجھ سے سرگوشی کی۔۔۔ ''تھارو کیشپ! کچھ احتیاط لازم تھی......''

''ارے تو کیا میں نے احتیاط نہیں برتی تھی، سندر متی سے دور رہنے کی کوشش نہیں کی تھی، میں نے تو اشاروں ہی اشاروں میں اسے یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ پریم آہستہ آہستہ کھل کھل کر مر جانے کا نام ہے اور اس نے کیسا عجیب، کتنا خوبصورت جواب دیا تھا۔۔۔ ''مجھے بھی مرنے کی جلدی نہیں، دھیرے دھیرے مرنا چاہتی ہوں۔'' اور اسی جواب نے مجھے بے بس کر دیا تھا کہ اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں، اس میں میرا کوئی دوش نہیں۔''

''پھر ڈرتے کیوں ہو؟'' یہ میرے اندر کے تھارو کیشپ کی آواز تھی۔

''ڈرتا نہیں، پریشان ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ادھر جل پنا ہے ادھر سندر متی، دو بجلیوں کے درمیان کھڑا ہوں، تمہی بتاؤ اب کروں تو کیا؟''

''بس اتنی سی بات پر پریشان ہو گئے تھارو کیشپ! یہاں تو ابھی نہ جانے اور کیا کچھ ہونے والا ہے اور تم دو لڑکیوں کا معاملہ نہیں نمٹا سکتے۔''

''کیسے نمٹاؤں، کوئی ترکیب بتاؤ۔''

''ایک کو دل میں دوسری کو ذہن میں رکھو۔''

میں چونکا۔ ''کیا دونوں کو دل میں نہیں رکھ سکتا؟''

''بھلا ایک نیام میں دو تلواریں کب سماتی ہیں؟ دل پیار کا گھر اور حسن کا مندر ہوتا ہے، جسے دیوی سمان سمجھتے ہو۔ اسے من مندر میں سجا لو۔ ذہن گھر گرہستی کا آنگن ہے جسے جیون کا ساتھی بنانا چاہتے ہو اسے یہ آنگن سونپ دو۔ ساری چنتا دور ہو جائے گی۔''

میں اس مشورے پر حیران سا رہ گیا۔ ''چنتا کیسے دور ہوگی، دونوں پاس پاس رہیں گی تو تاک جھانک کریں گی اور سوچیں گی میں کیسا برہما ہوں کہ ایک ناری کو دل میں دوسری کو ذہن میں لئے پھرتا ہوں، کوئی پوچھ بیٹھی یہ کیا گھپلا کر رہے ہو تو کیا جواب دوں گا؟''

''صرف چند روز احتیاط کرو اور ایک کو دوسری کی خبر نہ ہونے دو پھر سندر متی بائی پارہ چلی جائے گی اور جل پنا ساؤ گاری میں رہے گی۔''

''ارے یہی تو پوچھ رہا ہوں انہیں خبر کیسے نہ ہونے دوں؟''

''تھارو کیشپ! ذرا عقل سے کام لو۔ اتنے بڑے ودھوان بنے پھرتے ہو، ناچ دیا بھی جانتے ہو مگر دو پتلیاں نہیں نچا سکتے؟''

''پتلیاں......؟'' اس لفظ نے مجھے جھنجوڑ سا دیا، میں ہڑ بڑا کر اٹھا اور بستر پر بیٹھ گیا۔ ''تو کیا جل پنا اور سندر متی صرف دو پتلیاں ہیں؟''

مگر میرے اندر کے تھارو کیشپ نے کوئی جواب نہ دیا، وہ مجھے ایک نئی الجھن میں ڈال کر میری حالت پر مسکراتا ہوا چپکے سے کھسک گیا تھا اور میں سوچنے لگا، اس نے جل پنا اور سندر متی کو کہیں اس لئے تو ''پتلیاں'' نہیں کہا کہ ساؤ گاری میں ایک پراسرار ناٹک کھیلا جا رہا ہے جسے میں ابھی تک سمجھ نہیں پایا، پھر ایک کو دل میں دوسری کو دماغ میں رکھنے کا مشورہ بھی بڑا عجیب تھا۔ کسے دل کے مندر میں سجاؤں، کسے ذہن کے آنگن میں بٹھاؤں؟''

فوراً ہی خیال آیا۔ آج سے میں جل پنا کو تو واگیشوری سمجھوں گا اور سندر متی کو سرسوتی۔ یہ ایک ہی عورت کے دو نام یا دو روپ تھے مگر میں نے اپنی آسانی کے لئے عورت کو واگیشوری اور سرسوتی میں تقسیم کر دیا جس طرح میں خود دو اکائیوں میں بٹ گیا تھا۔ اچانک بجلی پھر چمکی اور بڑا لرزہ خیز کڑاکا ہوا جس کی دھمک سے ساؤ گاری کے دروازے اور دریچے تھرتھرا کے رہ گئے۔ جنوب کی سمت کالے پہاڑ پر پھر بجلی گری تھی اور یہ عجیب واقعہ یا شعبدہ تھا کہ اس پورے علاقے میں جو اونچے اونچے پربتوں اور گھنے جنگلوں سے گھرا ہوا تھا، بجلیاں صرف کالے پہاڑ پر ٹوٹتی تھیں۔

گھڑی دیکھی تو گیارہ بج رہے تھے۔ باہر موسلا دھار بارش اور وحشی ہواؤں کے شور کے علاوہ اور کوئی آواز نہ تھی۔ بارش کی اس گونج نے ساؤ گاری کے باسیوں کو جیسے تھپک تھپک کر سلا دیا تھا۔ میں نے اپنے پراگندہ ذہن کو نیند کے لئے تیار کیا اور پھر بستر میں دبک گیا۔ ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ناگہاں نیچے۔ راہداری کا دروازہ بجنے لگا۔ میں بری طرح چونک اٹھا

یوں لگا جیسے کوئی ہولے ہولے پٹ کھٹکھٹا رہا ہو۔ میں کان لگائے سنتا رہا۔ دستک وقفے وقفے سے ہو رہی تھی، سوچا کہیں جل پنا نہ ہو۔ ایک دن اس نے کہا تھا۔ ''میں کسی رات جب سب لوگ سو رہے ہوں گے چپکے سے آؤں گی۔'' آج تو دن بھر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ شاسترو کے ہاتھ سندیس بھیجا پھر بھی نہیں آئی۔ اس نے کہلا بھیجا تھا۔ ''سندر متی چلی جائے تب آؤں گی۔'' میں نے سوچا دروازہ کھٹکھٹانے والی جل پنا نہیں ہو سکتی تو کیا...... اور اس خیال سے میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا کہ کہیں سندر متی نہ ہو۔ اس قیامت خیز بارش میں صرف وہی ایسی جرأت کر سکتی ہے اور میں جو ابھی اس کی پہلی حسین ملاقات کے اندیشوں سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکا تھا، اس سنسنی خیز خیال سے گھبرا گیا کہ وہی دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے۔

راہداری میں کھلنے والے دروازے کے پٹ دھیرے دھیرے بج رہے تھے، آواز کبھی بند ہو جاتی، کبھی پراسرار سے انداز میں پھر سنائی دینے لگتی، جیسے کوئی اپنے آنے کی اطلاع دے رہا ہو۔ میں نے فیصلہ کیا کہ جو کوئی بھی ہے۔ اسے نیچے ہی سے واپس بھیج دینا چاہئے۔ بستر سے اٹھ کر سلیپر پہنے اور لالٹین ہاتھ میں لے کر باہر نکلا، آہستہ آہستہ چوبی زینہ اترا اور راہداری کے دروازے کے قریب پہنچ کر مدھم آواز میں پوچھا۔ ''کون ہے؟''

کوئی جواب نہ آیا، دروازہ بجنا بند ہو گیا، پھر پوچھا ''کون؟'' پھر جواب نہ آیا اچانک کواڑ کھول دیئے تو مارے خوف کے میرے منہ سے چیخ نکلتے رہ گئی، باہر پیتل کی وہی مورتی کھڑی تھی جو ایک بار پہلے مجھے درشن دے چکی بلکہ پاگل بنا کر چلی گئی تھی۔ میں بھونچکا سا رہ گیا کہ نہ جانے اس طوفانی رات میں جب زوروں کا پانی برس رہا ہے اور جل تھل ایک ہو رہے ہیں بھگوان کی مورتی کیوں آئی ہے؟ حیرت اور خوف کی حالت میں دو تین بار پلکیں جھپکیں بلکہ آنکھیں بند کر لیں اور ایک ثانیے کے بعد دوبارہ کھولیں تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ پیتل کی مورتی نہ اس کی پرچھائیں۔ نہ جانے پلک جھپکنے میں کہاں غائب ہو گئی۔ اب اس کے سوا اور کیا سمجھتا کہ وہ بھگوان کی مورتی نہیں صرف میرے وہم کی پرچھائیں تھی مگر میرے وہم نے کسی خیال، کسی تصور کے بغیر ہی بھگوان کی مورتی کا روپ کیسے دھار لیا جبکہ ذہن میں سندر متی کا خیال آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ اگر وہم کو کوئی شکل اختیار کرنی تھی تو وہ سندر متی کی ہونی چاہیے تھی بھگوان کی نہیں۔

میں نے بڑے غور سے راہداری میں دائیں بائیں دیکھا۔ قندیل کی زرد مدھم روشنی میں دور دور تک کسی کا سایا بھی نہیں تھا۔ کان لگا کر ''پیتل کے قدموں'' کی آواز سننے کی کوشش کرتا رہا کہ شاید مورتی واپس جا رہی ہو مگر اس سمت جدھر سروپ جی کی رہائش گاہ تھی راہداری کا درمیانی دروازہ بند پڑا تھا، البتہ تیز ہوا کی ایک لہر راہ داری میں گھومتی پھر رہی تھی اور چند قدموں کے

فاصلے پر سروپ جی کے کمرہ ملاقات کا دروازہ بھی کبھی کبھی ہوا سے بجنے لگتا تھا، میں نے اپنے سر کو ایک دو بار جھٹکا کہ کہیں مشی فی النوم کی حالت میں تو نہیں ہوں مگر لالٹین اٹھائے میں حالت بیداری میں دروازے پر کھڑا تھا اور باہر ساؤ گاری کا صحن موسلا دھار بارش کے شور سے گونج رہا تھا۔

اب جو غور کیا تو پتہ چلا کہ دروازہ راہ داری میں گھومتی پھرتی ہوا کی لہر سے خود بخود بجتا رہا ہے میں کسی کی دستک سمجھ بیٹھا تھا مگر راہ داری کے کواڑ کھولتے ہی میرے وہم نے بھگوان کی مورتی کا جو روپ دکھایا تھا اس کا معمہ سمجھ میں نہ آ سکا۔ ذہن میں تو دیوی کی طرح آنکھیں بند کئے بانہیں پھیلائے سندر متی کھڑی تھی پھر بھگوان کی مورتی اچانک کہاں سے آ ٹپکی؟

سوچا ضرور میرے ذہن میں کوئی ایسا سر نہاں موجود ہے جسے شعور سمجھنے سے انکار کر رہا ہے وراسی نے مورتی کی شکل اختیار کر لی تھی یا پھر کچھ بھی نہیں، وہم کی پرچھائیں صرف خرابی دماغ کی علامت ہے۔ میں نے جھنجھلا کر دروازہ بند کیا اور چوبی زینے پر قدم رکھا۔ عجیب بات ہے ساؤ گاری میں آنے کے بعد تیسری یا چوتھی بار مجھے اپنے دماغ کی صحت پر شبہ ہوا، کمرے میں آ کر پھر بستر میں گھس گیا۔ نیند تو پر لگا کر نہ جانے کدھر اڑ گئی تھی۔ دیر تک اسی الجھن میں کھویا رہا۔ کیا واقعی میرے دماغ میں پاگل پن کے آثار پیدا ہو رہے ہیں؟ یہی سوچتے سوچتے سر دکھنے لگا، کہیں دو اڑھائی بجے کے درمیان نیند آئی تو میں سوچ کے عذاب سے رہا ہوا۔

○

صبح معمول کے خلاف بہت دیر سے اٹھا۔ سب سے پہلی آواز جو سنی وہ بارش کی تھی۔ رات بھر پانی برستا اور طوفانی ہوائیں سنسناتی رہی تھیں۔ روشنی سے وقت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ گھڑی دیکھی تو صبح کے نو بج رہے تھے۔ ہڑبڑا کر اٹھا اور نیچے آیا۔ یقیناً شاسترو ناشتہ لے کر آیا اور لوٹ گیا ہوگا۔ راہداری کا دروازہ کھولا تو شاسترو خالی ہاتھ کھڑا دکھائی دیا۔

''ارے شاسترو! کب سے کھڑا ہے تو؟''

''دوسرا یگ بیت رہا ہے پربھو!'' ساتھ ہی اس نے دانت نکوس دیئے۔ ''آج کل گھوڑے بیچ کر سوتے ہو، کواڑ پیٹتے پیٹتے ہاتھ دکھنے لگے مگر آپ کی آنکھ نہ کھلی۔''

''کواڑ پیٹنے کی کیا ضرورت تھی، تو لوٹ جاتا۔''

''لوٹ جاتا تو آپ کو سندیس کون پہنچاتا؟''

میں سمجھ گیا ضرور جل پنا نے کوئی سندیس بھیجا ہوگا۔ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''سندیس پھر سنوں گا پہلے تو جا کے ناشتہ لے آ میں اتنی دیر میں ہاتھ منہ دھوئے......''

''اس نے ابھی میری بات پوری نہیں ہونے دی۔

''آج سے یہ سیوا ختم ہوئی پربھو؟''

''کیوں،، میری سیوا سے جی بھر گیا ہے تیرا؟''

''یہ بات نہیں، اب بھوجن آپ کے پاس نہیں آئے گا بلکہ آپ بھوجن کے پاس جایا کرو گے۔'' ''کیا مطلب؟''

''سندر دیوی نے کہا ہے کہ آئندہ آپ مالک کے ساتھ اوپر بھوجن کیا کرو گے اور میں آپ کو لینے آیا ہوں، بس اب جلدی سے تیار ہو جاؤ پربھو! پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔''

میں ہکا بکا سا رہ گیا، شاسترو بولا۔

''پربھو! دیر کاہے کو کرتے ہو مالک نو بجے ناشتہ کر لیتے ہیں اور نو تو بج چکے۔''

فوراً پلٹا، ہاتھ منہ دھو کر بالوں میں کنگھی کی۔ نئے گرم جوڑے پر جو سروپ جی ہی باٹی پارہ سے لے کر آئے تھے، نیلا اوور کوٹ پہن کر نیچے آیا تو شاسترو مجھے دیکھتا ہی رہ گیا مگر کچھ بولا نہیں، چپ چاپ میرے آگے آگے چلنے لگا۔ راہداری کا درمیانی دروازہ پار کر کے ہم شرقاً غرباً پھیلی ہوئی دوسری راہ داری میں داخل ہوئے تو گوپی ساؤ کی مورتی کو دیکھ کر جسے میں کل صبح تک سروپ جی کی مورتی سمجھتا رہا بے اختیار میرے ہاتھ پرنام کے لئے اٹھ گئے کیونکہ اس عظیم ہستی کی بدولت ساؤ خاندان کو بدھ دھرم کی سعادت حاصل ہوئی تھی، پھر خم دار سنگی زینے پر قدم رکھا۔ اوپر پہنچے تو دروازے کی اوٹ سے سندر متی کی آواز سنائی دی۔

''ارے شاسترو! تمہارے صاحب نے بہت دیر کر دی۔ کیا روز اسی سمے تک سوئے رہتے ہیں؟''

سندر متی نے غالباً مجھے دیکھ لیا تھا اور مجھی کو سنانے کے لئے یہ بات کہی تھی حالانکہ جانتی تھی میں سویرے جاگنے کا عادی ہوں، کل صبح ہی صبح ملاقات ہو چکی تھی، پھر وہ دروازے پر نمودار ہوئی اور میرے سامنے آتے ہی دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ہلکے دھانی رنگ کی ساڑی میں اس کا سندر مکھڑا گلاب کے پھول کی طرح کھل رہا تھا، میں نے اس کے پرنام کا جواب دیا۔ شاسترو جو میرے آگے آگے تھا، ایک طرف ہٹتے ہوئے بولا۔

''سندر دیوی! میں نے کیشپ بابو کو بول دیا ہے کہ آگے کو آپ اوپر ہی بھوجن کیا کرو گے۔ اب مجھے آگیا دیں۔''

''ٹھیک ہے شاسترو! تمہارا کام ختم ہوا۔''

بونا منطقی ۔۔۔ ''اچھا پربھو! آپ بھی آگیا دو۔ پھر ملیں گے۔'' کہتا ہوا زینے پر پھدکتا چلا گیا اور فوراً ہی اس کے قدموں کی چاپ نچلی راہ داری میں سنائی دی۔

اب میں اور سندر متی آمنے سامنے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے دھانی رنگ کی ساڑی میں

وہ سرو قد کھڑی تھی جیسے سچ مچ دیوی ہو۔ میری آنکھوں کی پیاس نہیں بجھ رہی تھی مسکرا کر اور ذرا سا جھک کے بولی۔

''پدھاریے میرے دیوتا۔۔! پتا جی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''مگر یہ اچانک میرے ناشتے اور بھوجن کی تبدیلی کے احکام کیسے صادر ہو گئے؟''

''میں نے پتا جی سے کہا تھا کہ کیشپ بابو کا نیچے بھوجن کرنا اچھا نہیں لگتا۔ انہوں نے فوراً شاسترو کو بلا کر ہدایت کر دی کہ آئندہ آپ ان کے ساتھ ہی کھانا کھایا کریں گے۔۔ اچھا کیا نا؟

''شاید اچھا ہی کیا۔'' میں پھر اس کے سندر جسم کے خطوط میں کھو گیا۔

اب چلیے نا، مجھے پھر دیکھ لیجئے گا۔''

جب میں اس کے بالکل سے قریب گزرا تو اس نے آہستہ سے کہا۔

''بھگوان کی سوگند! اس نیلے اوور کوٹ میں کتنے گریس فل لگ رہے ہیں آپ!''

میں نے چلتے چلتے حیرت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھا، وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔

میں ایک بار پہلے بھی اس وقت اوپر آ چکا تھا جب سروپ جی کے دادا ساگر ساؤ جی کو دورہ پڑا تھا مگر اس مرتبہ میں سندر متی کے ساتھ مخالف سمت کی راہ داری میں چل رہا تھا۔ موسلا دھار بارش ابھی تک جاری تھی، اس کی رفتار اور گونج میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا بلکہ اوپر پہنچ کر اس کا شور کچھ زیادہ سنائی دینے لگا۔ طویل راہ داری کے سرے پر ایک کمرے میں سروپ جی میرا انتظار کر رہے تھے۔ سندر متی مجھے لے کر اسی کمرے میں داخل ہوئی اور لگاوٹ سے بولی۔

''لیجئے پتا جی! لے آئی ہوں آپ کے ٹھاروکیشپ کو۔ اگر یہ روز نو بجے تک سوتے رہے تو آپ کو اپنے ناشتے کا وقت تبدیل کرنا پڑے گا۔'' اور مجھے کمرے میں چھوڑ کر خود وہیں سے لوٹ گئی۔

''آؤ ٹھاروکیشپ!'' سروپ جی نے بڑے تپاک سے میرا سواگت کیا۔ وہ کھانے کی میز پر ہی بیٹھے تھے، کہنے لگے۔

''اس لڑکی کو الٹی سیدھی باتیں کرنے کی عادت ہے۔ اس کی باتوں کا برا نہ ماننا۔''

میں معذرت کرتے ہوئے ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''دراصل رات دو اڑھائی بجے تک مورتی کے بارے میں سوچتا اور پرانی باتیں یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا جو طالب علمی کے زمانے میں سنی تھیں۔ اس لئے دیر سے سویا اور صبح دیر سے اٹھا، مجھے افسوس ہے میری وجہ سے آپ کے ناشتے میں دیر ہو گئی۔''

میں نے اپنے جیون کا پہلا جھوٹ بولا۔ خود حیران تھا، یہ جھوٹ آپ سے آپ میری زبان پر کیسے آ گیا، مگر سروپ جی پر اس کا عجیب اثر ہوا۔ بے چین ہو کر بولے۔ ''پھر کچھ یاد آیا؟''

''ابھی تک کچھ یاد نہیں آیا۔ ذہن پر سالوں کی گرد جمی ہے۔ دھیرے دھیرے اترے گی۔''

ان کی آنکھوں میں امید کی جوت چمکنے لگی۔ ''مجھے پوری آشا ہے تھارو کیشپ! تم وہ مورتی ڈھونڈ نکالو گے۔''

یہ بھی بتاتا چلوں کہ ہم جس کمرے میں بیٹھے تھے، وہ کھانے ہی کا کمرہ تھا اور وہاں ڈائننگ ٹیبل اور کرسیوں کے علاوہ الماریوں میں شیشے اور چینی کے برتن بھی موجود تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ مہذب دنیا سے کوسوں دور اس پہاڑی ویرانے میں بھی ان کے رہنے سہنے کا انداز بڑا ماڈرن ہے گویا نروان کی اس بوڑھی عمارت میں بھی ''دنیا'' ان کے ساتھ تھی۔

سندر متی جلد لوٹ آئی اور سروپ جی کی طرف بیٹھنے کی بجائے میری جانب بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''پیگو سے کہہ آئی ہوں کہ ناشتہ لگا دے۔ صاحب آ گئے ہیں۔''

''صاحب'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے اس نے میری طرف دیکھا ہی نہیں [illegible] بھی قریب کھسکا لی پھر اس کی کلائی میں کانچ کی چوڑیاں کھنکیں اور وہ اپنا سندر، گورا [illegible] میری طرف بڑھا کے بولی۔

''کیشپ بابو! آپ کو پامسٹری آتی ہے نا میرا ہاتھ دیکھئے۔''

میں بھونچکا سا رہ گیا۔ ''مجھے کہاں آتی ہے پامسٹری۔''

''دیکھیے پتا جی! اب یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔'' وہ شکایت آمیز لہجے میں بولی۔ ''میں نے ان کے کمرے میں پامسٹری کی کتاب دیکھی ہے اور جب تک شوق نہ ہو پامسٹری کی کتاب اپنے ساتھ کون لئے پھرتا ہے۔''

''وہ کتاب تو بس معلومات کے لئے رکھ چھوڑی ہے۔''

''آپ کی معلومات کا کچھ فائدہ مجھے بھی تو ہو۔'' اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ''دیکھئے میرا ہاتھ۔''

میں بے حد پریشان تھا کیونکہ سندر متی کے ہاتھ کے لمس نے میرے جسم میں ایک عجیب سی سنسنی پیدا کر دی تھی۔ سروپ جی بولے

''ہاتھ دیکھنے میں کیا حرج ہے، اگر کچھ جانتے ہو تو بتا دو۔''

''اس وقت اچھا نہیں لگتا پھر کبھی سہی۔'' میں نے سندر متی کا ہاتھ پرے ہٹا دیا۔

اس نے دبی زبان میں بڑے ہولے سے صرف ایک لفظ کہا۔ ''ڈرپوک ......'' جسے میں بھی بمشکل سن سکا اور اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اسی اثناء میں پیگو ناشتہ لے کر آ گیا اور میز پر چننے لگا۔ ناشتہ لگتے ہی سندر متی نے میری طرف مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

''کیشپ بابو! یہ ناشتہ میں نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا ہے، اگر اچھا لگے تو تعریف کر دیجئے گا۔'' ناشتہ واقعی بڑا لذیذ تھا۔ ساؤ گاری میں پہلی بار ایسا پر تکلف اور مزے دار ناشتہ ملا۔ شہد،

مکھن، انڈے، بسکٹ بند ڈبے کا انناس، خشک دودھ کی کھیر اور چائے، جب میں ناشتہ کر چکا تو سروپ جی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

''شہد جنگل سے آتا ہے، مکھن دودھ سے بنتا ہے، انڈے مرغیاں دیتی ہیں بسکٹ باٹی پارہ کی کسی بیکری نے تیار کئے ہوں گے، انناس، سنگاپور کا تھا، البتہ خشک دودھ کی کھیر اور چائے سندر متی نے بنائی ہوگی اور واقعی بڑی لذیذ ہے۔''

سروپ جی قہقہہ مار کے ہنس دیئے۔

''تھارو کیشپ! تم نے بالکل ٹھیک کہا، اس نے صرف کھیر بنائی تھی اور اس میں بھی چمچہ شاید تارا چلاتی رہی ہوگی۔''

''کھیر پکانا آسان کام نہیں پتا جی! یہ ٹیڑھی کھیر ہے اور بڑے جتن سے پکائی جاتی ہے۔ وہ کسی نے کہا ہے نا۔ کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا۔'' سندر متی اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔ ''اور آپ تارا کا کہتے ہیں؟ اسے تو میں نے دیگچی کے پاس بھی پھٹکنے نہیں دیا تھا۔''

''تارا کون؟'' میں نے پوچھا۔

''پیگو کی پتنی ہے۔ دونوں اوپر ہی رہتے ہیں۔''

اتنے میں پیگو برتن سمیٹنے آ گیا، مجھے پھر تعریف کی سوجھی۔ ''ایسی مزے دار کھیر میں نے پہلی بار کھائی ہے۔''

''کھیر تو ہمیشہ مزے دار ہی پکاتی ہوں۔'' سندر متی نے میرا بازو پکڑ لیا۔ ''مگر آپ میرا ہاتھ دیکھے بغیر نہیں جا سکتے چلئے میرے کمرے میں۔ پتا جی آپ بھی آئیے۔''

''مجھے تو ایک کام سے مندر جانا ہے بیٹی!'' سروپ جی اٹھتے ہوئے بولے۔ ''تو تھارو کیشپ کو لے جا۔''

''ان سے کہتے جائیے نا میرا ہاتھ دیکھیں۔''

''ہاں۔ ہاں۔ دیکھ لیں گے ہاتھ بھی۔''

اس طرح سروپ جی نے مجھے سندر متی کے کمرے میں جانے کی آگیا بھی دے دی اور اس کا ہاتھ دیکھنے کی سفارش بھی کر دی اور خود کمرے سے نکل گئے۔ پیگو بھی برتن سمیٹ کر ان کے پیچھے پیچھے چلا گیا اور ہم دونوں ''تنہا'' رہ گئے۔ میں ریشم کی مہین ساڑی میں اس کے سندر بدن کو دیکھنے لگا، وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر آنکھیں بند کر کے دونوں ہاتھ جوڑ کر کسی دیوی کی طرح کھڑی ہو گئی اور میٹھی آواز میں بولی۔

''کیشپ بابو! جی بھر کے دیکھ لیجئے مجھے۔''

وہ قدرت کا ایک حسین شاہکار تھی، چند ثانیے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر میں نے اس کے

بالوں کی ایک لٹ جو مکھڑے پر بکھر گئی تھی پکڑ کے چوم لی، اس نے آنکھیں کھول دیں اور دھیرے سے مسکرا دی، میں نے اس کا گال تھپ تھپایا۔

''چل اپنا کمرہ دکھا۔''

اس نے بغلی دروازہ کھولا اور پوربی سمت کے ایک کمرے میں داخل ہوئی۔

اس کمرے کے دکھن میں ایک چھوٹا سا آنگن تھا جہاں چھما چھم بارش ہو رہی تھی، ایک دروازہ اور دریچہ آنگن میں کھلتے تھے مگر بارش کی وجہ سے دونوں بند تھے، البتہ ان کے دھندلے شیشوں سے پانی برستا دکھائی دیتا تھا۔ پورب کی جانب دونوں دریچے کھلے تھے کیونکہ تیز ہوا کا رخ پورب ہی کی طرف تھا اور ان دریچوں سے پانی کی بوچھاڑ میں ساؤ گاری سے باہر کا منظر دکھائی دیتا تھا پورب کی طرف ڈھلوان وادی، پرے اونچے اونچے پربت اور ان پربتوں کی ترائی میں سرنہواڑئے گھنے جنگل بارش میں دھندلے دھندلے سے لگ رہے تھے جیسے برستے پانی کے سفید تاروں نے رتنا گری کے پوربی پربتوں اور جنگلوں پر دھند کی چادر سی تان دی ہو۔

میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ساؤ گاری تعمیر کرنے والے کاری گروں نے اس کی کرسی اونچی رکھی اور اس کے لئے وادی کی عام سطح سے ذرا بلند جگہ منتخب کی تھی تاکہ پانی نشیب میں بہتا رہے اور عمارت کو کوئی نقصان نہ پہنچے، گزشتہ چودہ گھنٹوں سے مسلسل موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور پانی برساتی نالوں کی طرف بڑی تیزی سے نشیب میں بہہ رہا تھا۔ بارش تھمنے کے آثار دکھائی نہ دیتے تھے اور پورب کی طرف کھلے دریچوں سے رتنا گری کی بھیگی وادی کو دیکھ کر مجھے ایک بار پھر تخلیق عالم کا وہ ابتدائی دور یاد آ گیا جب آکاش پر ہر وقت گھنے گھور بادل چھائے رہتے تھے۔ دن رات لگا تار بارشیں ہوتی تھیں اور دھرتی کے سینے سے بخارات کا دھواں اٹھتا رہتا تھا کیونکہ ایشور دھرتی کو ایک سورگ بنا کر برہما جی اور سرسوتی کو جنم دینے والا تھا۔

میں ساؤ گاری سے باہر کے طوفانی منظر میں کچھ ایسا کھو گیا کہ چند لمحوں کے لئے سندر متی کو بھول گیا جو میرے پیچھے کھڑی تھی، میں اس کی آواز سن کر چونکا۔

''کہاں کھو گئے میرے دیوتا۔؟''

اب جو کمرے پر نظر دوڑائی تو وہاں کاؤچ بھی تھے، کرسیاں بھی تھیں اور ایک پلنگ بھی جس پر آرام دہ بستر بچھا تھا۔ دروازوں اور دریچوں کے پردے ہٹا کر باندھ دیئے گئے تھے۔ میں ایک کاؤچ پر بیٹھ کر کھلے دریچے سے برستے پانی کا نظارہ کرنے لگا۔ سندر متی بھی اسی کاؤچ پر میرے پاس بیٹھ گئی اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر بولی۔

''اب دیکھئے میرا ہاتھ۔''

میں نے اس کا سندر، گورا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگایا پھر اس کی نرم ہتھیلی پر ہونٹ رکھ

دیئے، وہ میرے اور قریب کھسک آئی۔ اس کا ہاتھ ابھی تک میرے ہاتھ میں تھا۔

''بتایئے نا کیا کہتی ہے میرے ہاتھ کی ریکھا؟''

''تیری ریکھا کہتی ہے کسی کی آنکھوں میں بس گئی ہے تو۔''

''کسی کی آنکھوں میں بس گئی ہوں۔ بس؟''

''کیا یہ معمولی سی بات ہے؟''

''مجھے نہیں بسنا کسی کی آنکھوں میں۔''

''مگر میں تو تجھے اپنے ذہن میں اپنے دماغ میں بساؤں گا کیونکہ تو میری عقل، میرا علم، میری روشنی ہے۔ تو سرسوتی ہے میری۔۔۔''

وہ حیران سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ سندر متی نہیں۔۔۔۔ سرسوتی ہوں میں؟''

''اور پتہ ہے برہما جی اپنی سرسوتی کے ساتھ جنگلوں اور پہاڑوں میں تنہا رہتے تھے اور مجھے یوں لگتا ہے جیسا رتنا گری کے یہ پہاڑ اور جنگل بھی نہ جانے کب سے ایک نئے برہما اور ایک نئی سرسوتی کا انتظار کر رہے تھے۔''

سندر متی آنکھیں بند کئے میری باتیں سنتی رہی، سپنا دیکھتی رہی، پھر میں نے ٹھیر کے کہا۔

''اور کیا اچھا ہو اگر برہما کی دو ناریاں ہوں''

اس نے سپنا دیکھنا بند کر دیا اور چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

''کیا برہما جی کے لئے ایک ناری کافی نہیں؟''

''اگر برہما کی دو ناریاں ہوں تو کیا برا ہے۔ ایک کو اپنی دائیں جانب بٹھائیں گے دوسری کو بائیں طرف''

ناگہاں آسمان پر بجلی کا تیز جھماکا ہوا پھر دکن کی طرف اچانک بجلی گرنے کا زوردار کڑکا سنائی دیا۔ اس کڑاکے کے ساتھ ہی سندر متی اچھل کر میرے اوپر گری۔

''مجھے بجلی سے بڑا ڈر لگتا ہے کیشپ بابو!''

''ڈر کیسا۔۔۔'' میں نے اسے تسلی دی ''رتنا گری میں تو سب بجلیاں کالے پربت پر گرتی ہیں۔''

''ہاں بجلیاں تو کالے پربت پر گرتی ہیں مگر ان کی کڑک سے ڈر جاتی ہوں۔''

''لیکن ساری بجلیاں کالے پربت پر کیوں ٹوٹتی ہیں یہاں اور بھی تو پہاڑ ہیں۔''

''آپ نہیں جانتے کیا۔؟''

''کیا نہیں جانتا''

''بتا جی کہتے ہیں کالے پربت پر بجلیاں اس لئے گرتی ہیں کہ اس کے پتھروں میں لوہا اور

مقناطیس ہے جو بجلیوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔"

یہ ایک دلچسپ انکشاف ہوا تھا اور اب یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ رتنا گری کی وادی میں بجلیاں صرف کالے پہاڑ پر کیوں ٹوٹتی ہیں۔

"یہ تو نے عجیب بات بتائی ہے، میری چنتا دور ہو گئی۔"

وہ بڑے پیار سے کہنے لگی۔ "چلیے ایک چنتا تو دور ہو گئی مگر دوسری چنتا کیا ہے آپ کی؟"

اسے کیسے بتاتا کہ ساؤ گاری میں میری ایک چنتا کا نام جل پنا اور دوسری کا نام سندر متی ہے مگر وہ تو برہما جی کے لئے دوسری ناری کا ذکر بھی سننا پسند نہیں کرتی تھی، جل پنا کا نام کیسے گوارا کر لیتی۔ میں اسے ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے سندر مکھڑے کو اپنے ہاتھوں کے کٹورے میں لے کر بولا۔

"تو میری دوسری چنتا ہے۔"

"میں چنتا نہیں بنوں گی کیشپ بابو! میں تو آپ کے چرنوں کی دھول ہوں۔"

"چرنوں کی دھول کیوں، تو میری سرسوتی ہے، میرے بچے جنے گی نا؟"

"ہاں کیشپ بابو! آج وچن دیتی ہوں اگر میں نے بچے جنے تو صرف آپ کے جنوں گی اور بڑے سندر بچے جنوں گی۔"

"تیرے بچے تو سندر ہوں گے کیونکہ تو خود سندر ہے۔ سندر متی ہے۔"

"بچے اس لئے سندر ہوں گے کہ آپ سندر ہیں۔"

تیرے جیسی سرو قد، پڑھی لکھی، کومل بدن، سندر ناری مل جائے تو مجھے اور کیا چاہئے۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ "کچھ اور کہئے کیشپ بابو! کچھ اور کہئے نا۔"

"تعریف چاہتی ہے اپنی؟"

"ہاں۔ سندرتا کا پھول پیار کی ہوا سے کھلتا ہے جب پریتم اپنی محبوبہ کو سامنے بٹھا کر اس کے حسن کی تعریف کرتا ہے وہ اور سندر ہو جاتی ہے۔"

"تو پھر میں تیری تعریف میں کویتا لکھوں گا۔"

"پہلے بھی کبھی لکھی ہے کویتا؟"

"نہیں۔۔۔ تجھ سے شروع کروں گا۔"

"مجھ سے کیوں؟"

کیونکہ تو حسن کی دیوی ہے، مرکز جمال ہے، پیکر شباب ہے۔ تیرا بدن سانچے میں ڈھلا اور تیرا جوبن ندیا کی باڑھ کی طرح چڑھا ہوا ہے۔ تیرے گال گلابی، تیرے نین نشیلے، تیرے ہونٹ رسیلے۔ تیری گردن ہنس کی سی، تیری کمر شاخ بید جیسی پتلی اور لچکیلی، تیرا ہر انگ نیارا ہے

ہر شے پیاری ہے، تو بولتی ہے تو بانسری بجتی ہے، چلتی ہے تو مادہ ہنس کی طرح لگتی ہے۔ سندر متی تو سر سے پاؤں تک سندرتا ہی سندرتا ہے، سر سے پاؤں تک شاعری ہی شاعری ہے کیونکہ تو ایک مکمل ناری، ایک مکمل عورت ہے۔"

یک لخت وہ بازوؤں سے نکلی، کاؤچ سے اتری اور فرش پر بیٹھ کر میرے دونوں پاؤں پکڑ کر کہنے لگی۔

"آپ مہان ہیں کیشپ بابو! آپ جیسا مہان آدمی ہی میرے حسن کی ایسی تعریف کر سکتا ہے۔"

پھر اس نے باری باری دونوں پاؤں چومے اور میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر سرو قد کھڑی ہو گئی۔ یہ اس کی خاص ادا تھی یا عادت۔ ٹھیک اسی لمحے ایک اور انوکھی بات ہوئی کہ برستا پانی اچانک تھم گیا۔ بارش رک گئی۔ باہر پربتوں اور جنگلوں پر چھائی ہوئی برکھا کی دھند چھٹ گئی اور رتنا گری کی حسین وادی سندر متی کے جوبن کی طرح کچھ اور نکھر گئی۔ اس نے دریچے سے باہر جھانکا اور بولی۔

"میرا من چاہتا ہے اس بھیگے موسم میں آپ کے ساتھ باہر چلوں اور ساؤ گاری کے پھاٹک پر کھڑی ہو کر شمالی پربتوں کو دیکھوں۔"

"کیا ہے شمالی پربتوں میں؟"

"ان کی ترائی کا گھنا جنگل مجھے بہت اچھا لگتا ہے، شاید وہی برہما جی اور سرسوتی کا سورگ ہے۔ وہاں اناتھ بنڈو کی سمادھی بھی ہے۔"

میں نے چونک کر دیکھا، جل پنا نے بھی مجھے اسی جنت میں بلایا اور اناتھ بنڈو کی سمادھی پر میرے پریم کا اقرار کیا تھا۔ سندر متی کے من میں بھی وہی جنگل تھا، وہی سمادھی تھی۔

"موسم خشک ہو گیا تو تجھے اس جنگل میں لے جاؤں گا۔"

"آج اسے دور سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"چل۔۔۔" میں تیار ہو گیا۔

اس نے میرا بازو تھام لیا اور ہم دونوں اس طرح جیسے سچ مچ پتی پتنی ہوتے ہیں، کمرے سے نکلے اور راہداری سے گزرتے، پتھر کے خم دار چوڑے زینے تک آئے، ابھی سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ میں سروپ جی اور پروہت گنجال کو اوپر آتے دیکھ کر گھبرا سا گیا اور سندر متی سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے سرگوشی کی۔

"کیا کرتے ہیں آپ۔۔۔ اسی طرح چلیں تا کہ پتا جی بھی دیکھ لیں اور گنجال بھی۔"

میں سنبھل گیا پھر زینے کے گھماؤ پر ہمارا ان سے آمنا سامنا ہوا۔ سندر متی نے میرا بازو کچھ

اور مضبوطی سے تھام لیا تھا اور بالکل میرے ساتھ لگ گئی تھی۔ گنجال کی آنکھوں میں تارے سے ناچ گئے مگر سندر متی اسے نظر انداز کر کے باپ سے مخاطب ہوئی۔

''پتا جی! میں کیشی کے ساتھ ذرا باہر جا رہی ہوں۔''

''کیشی کے لفظ پر جو تھارو کیشپ کا مخفف تھا، میں بھی چونکا۔ سروپ جی اور پروہت گنجال بھی چونکے گویا سندر متی نے مجھ پر اپنا حق جتا دیا تھا۔ باپ نے بیٹی کے چہرے کا مضمون پڑھا اور صرف اتنا کہا۔

''بارش ابھی تھمی ہے، باہر پانی ہوگا۔''

''ہم صرف ساؤ گاری کے پھاٹک تک جائیں گے۔''

''اچھا جاؤ۔۔ مگر تھارو کیشپ! دوپہر کے کھانے پر انتظار نہ کرانا۔''

''جی نہیں۔ ٹھیک وقت پر پہنچ جاؤں گا۔''

پھر ہم دونوں سیڑھیاں اترنے لگے، میرا خیال ہے، پروہت گنجال نے گردن گھما کر ہمیں دیکھا تھا پھر سروپ جی کے ساتھ اوپر چلا گیا۔

زینہ اتر کر میں کچھ دیر کے لئے گوجی ساؤ کی مورتی کے پاس رک گیا اور سندر متی سے پوچھنے لگا۔

''یہ تو نے آناً فاناً کیشپ بابو سے مجھے کیشی کیوں بنا دیا؟''

اس نے گہری سانس لے کر اپنا سر میرے کندھے پر رکھ دیا۔

''شکر کیجئے کیشپ بابو! میرے منہ سے کیشی کی بجائے کہیں پریتم کا لفظ نہیں نکل گیا۔ ورنہ میں تو کہنے والی تھی کہ اپنے پریتم کے ساتھ ذرا باہر جا رہی ہوں، دیکھئے نا پریم ناری کو کتنا پاگل کر دیتا ہے۔''

''کیشپ بابو سے مجھے کیشی بنایا ہے تو اب کیشی ہی کہا کر۔''

اس نے اپنا سر میرے کندھے سے اٹھا لیا اور خوش ہو کر پوچھا۔

''کیا اچھا لگا آپ کو؟''

''ہاں تیرے منہ سے اچھا لگا۔''

''اب تو پروہت گنجال بھی مجھے آپ کی ناری بننے سے نہیں روک سکتا۔''

○

پروہت گنجال نے شاید سروپ جی سے میرے اور سندر متی کے پریم کی شکایت نہیں کی تھی کیونکہ ان کے سلوک میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ شفقت کے ساتھ پیش آنے لگے۔ میرا خیال ہے سیڑھیوں والے ٹکراؤ میں سندر متی نے جس دلیری کا مظاہرہ کیا، اس

نے پروہت گنجال کو نہ صرف مزید چونکا دیا بلکہ محتاط بھی کر دیا تھا۔ مجھے اور سندر متی کو سروپ جی کے گھر سے بھی ''قابل اعتراض'' حالت میں نکلتے دیکھ کر اس نے معاملے کی نزاکت کو سمجھ لیا اور اس بات پر بھی غور کر لیا ہوگا کہ سندر متی کے آتے ہی میرا کھانا پینا اگر اوپر منتقل ہو گیا ہے تو بے وجہ نہیں ہوگا، آدمی ہوشیار اور سمجھ دار تھا اس لئے چپ ہی بھلی سمجھی ہوگی۔

یہ سندر متی کی اپنی سوچ، اپنی صلاحیت تھی کہ مجھ سے اور کھل گئی، اس نے پروہت گنجال پر ثابت کر دیا تھا کہ اگر مجھ سے پریم کرتی اور بوس و کنار کی ''خطا'' سے گزر چکی ہے تو ڈرتی نہیں کسی سے بلکہ اس سپنے کو حقیقت میں بھی بدل سکتی ہے اور فی الواقع اس نے ایسا کر کے دکھا دیا تھا۔

دوپہر کے بعد میں نے رات کا کھانا بھی سروپ جی اور سندر متی کے ساتھ کھایا۔ وہ سارا دن اور پھر اگلا دن بھی سندر متی کے ساتھ گزارا۔ اس دن بھی سروپ جی ناشتہ کر کے مندر چلے گئے اور وہ مجھے اپنے کمرے میں لے آئی۔ اس نے دھانی رنگ کی وہی مہین ساڑی اور بغیر آستینوں کے اسی رنگ کی چولی پہن رکھی تھی جو اس کے پیٹ کے اوپر سینے پر ہی ختم ہو گئی تھی۔ دھانی رنگ کی ساڑھی اور چولی یا بلاؤز میں گورا گلابی روپ کچھ اور نکھر گیا تھا اور وہ شاعری کی ایک سندر کتاب معلوم ہوتی تھی جس کا ہر گیت، ہر شعر، ہر مصرع صانع قدرت نے خود تخلیق کیا تھا۔ میرا ذہن بار بار اس کے حسین بدن کے پیچ و خم میں الجھتا اور میں اپنا دھیان کسی دوسری جانب لگانے کے لئے بار بار الٹے سیدھے سوال کرتا رہا۔ ایک بار یونہی پوچھ بیٹھا۔

''اری سندر متی! تو نے سروپ جی کے پتا کے بارے میں تو ابھی تک کچھ بتایا ہی نہیں۔ کیا نام تھا ان کا؟''

یہ سنتے ہی وہ اداس ہو گئی اور چند لمحوں کے بعد بتانے لگی۔

''منگل ساؤ جی تھا ان کا نام 75 سال کی عمر تھی جب وہ چکمہ قبیلے کے ایک بودھ کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے پوربی بنگال کے سرحدی علاقے چٹا گانگ گئے مگر وہاں سے زخمی ہو کر لوٹے۔ کہتے ہیں چٹا گانگ سے وہ رام گارتھ میں چائے کے باغات دیکھنے گئے اور بیس میل کا سفر کرنے کے بعد جب گھنے جنگل سے گزر رہے تھے ایک ٹائیگر نے ان پر حملہ کر دیا تھا جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے۔ ان کے ساتھ ایک بدھ بھکشو بھی تھا ٹائیگر اس کی لاش اٹھا کر لے گیا مگر منگل ساؤ کسی نہ کسی طرح آسام کے شہر باٹی پارہ تک پہنچ گئے۔ میں ان دنوں بچی تھی اور باٹی پارہ کی حویلی میں رہتی تھی۔ پتا جی کو اطلاع ملی تو ساؤ گاری سے فوراً باٹی پارہ پہنچے مگر کوئی علاج منگل ساؤ کو موت سے نہ بچا سکا۔ وہ ساؤ خاندان کے پہلے آدمی تھے جن کی چتا باٹی پارہ میں جلائی گئی ورنہ گوجی ساؤ کے بعد اس خاندان کے ہر پرکھ کی ارتھی رتنا گری کے شمشان میں جلی۔''

میں اگرچہ بودھوں کے چکمہ قبیلے سے تعلق نہیں رکھتا لیکن اسی علاقے کا رہنے والا ہوں

میری جنم بھومی رنگامتی چٹا گانگ ہی کے علاقے میں دریائے کرنافلی کے کنارے واقع ہے۔ رام گارتھ چائے کے لئے باغات کے مشہور اور دریائے کرنافلی کے اتر میں آباد ہے۔ چٹا گانگ اور رام گارتھ کے درمیان گھنے جنگل ہیں اور رام گارتھ تک پہنچنے کے لئے ان جنگلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اکا دکا آدمی کا اس رستے پر سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ سروپ جی کے پتا شاید اس خطرے سے آگاہ نہ تھے۔ بنگال کا ''رائل ٹائیگر'' ہی نہیں ان جنگلوں میں کبھی کبھی ہاتھی اور کالا سؤر بھی اکیلے مسافر کے لئے خطرہ بن جاتا ہے۔ سندر متی منگل ساؤ کو پیش آنے والا حادثہ بیان کرنے کے بعد بھی اداس اور غمگین سی رہی۔ میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لئے کہا۔

''منگل ساؤ کو باڑی پارہ پہنچنے کی بجائے چٹا گانگ کے سرکاری اسپتال میں علاج کرانا چاہئے تھا۔''

''پھر بھی کچھ نہ ہوتا کیونکہ یہ بات تو میں نے بعد میں سنی کہ ان پر ٹائیگر نے نہیں کسی نے زہر میں بجھے ہوئے ''داؤ'' سے حملہ کیا تھا۔''

''ارے.....'' یہ اطلاع حیرت انگیز تھی۔ ''کیا رام گارتھ میں ان کا کوئی دشمن تھا؟''

''یہ بات تو پتا جی بھی نہیں جانتے مگر منگل ساؤ پر حملہ پراسرار حالات میں ہوا تھا؟''

میں نے محسوس کیا سندر متی اپنے داوا کے ذکر پر اس لئے اداس ہوگئی ہے کہ اس نے اسے مرتے اور جلتے دیکھا تھا، میں نے اس کا موڈ بدلنے کے لئے کہا۔

''چٹا گانگ کے پہاڑ بڑے سندر ہیں، اگر تو دیکھ لے تو وہاں سے آنے کو جی نہ چاہے تیرا۔''

''آپ ساتھ ہوں تو رنتا گری کی یہ وادی ہی میرے لئے سؤرگ ہے۔'' وہ موت کو بھول کر جیون کی طرف لوٹ آئی اور میرے کندھے پر سر رکھ کر کہنے لگی۔ ''میں آپ کے بغیر ادھوری ہوں، مرد کا پریم ناری کو مکمل کرتا ہے۔''

اس روز بھی ہم دونوں پیار کی باتوں میں کھوئے رہے۔ سارا دن وہیں گزر گیا۔ رات کے کھانے پر چائے پی رہے تھے کہ اچانک سندر متی نے پوچھا۔

''کیشی! میں نے سنا ہے، سونے سے پہلے آپ قہوہ پینے کے عادی ہیں۔''

''جب سے ساؤ گاری میں آیا ہوں، قہوہ میری ضرورت بن گیا ہے۔''

سروپ جی فوراً بولے۔ ''میں بیگو کو کہہ دوں گا وہ رات کو تمہارے کمرے میں قہوہ پہنچا دیا کرے گا۔''

''پتا جی! قہوہ تو انہیں میں خود پہنچا دیا کروں گی مگر ان کا علیحدہ رہنا کیا ضروری ہے، یہ اوپر

کیوں نہیں آجاتے میں چلی گئی تو میرا کمرہ خالی ہی رہے گا۔''

''ہاں تھارو کیشپ! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ تم تنہا رہتے ہو، اوپر کیوں نہیں آجاتے، یہاں تمہارا دل لگا رہے گا۔''

میں اس تجویز پر خاموش رہا۔ اوپر منتقل ہونے کا مطلب یہ تھا کہ جل پنا سے ملاقات کا سلسلہ ختم ہو جائے اور اسے یہ شبہ کرنے کا موقع دوں کہ سندر متی نے آتے ہی میرا ٹھکانا بدل دیا ہے تو ضرور کوئی بات ہوگی۔

سندر متی تین روز کے اندر میرے بہت قریب آگئی اور اتنی بے تکلف ہوگئی کہ بعض اوقات باپ کے سامنے بھی میرا ہاتھ پکڑ لیتی یا میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کھڑی ہو جاتی تو سروپ جی برا نہیں مانتے تھے۔ اس بے تکلفی سے انہیں بیٹی کی پسند کو سمجھنے کا موقع مل گیا مگر میں اکثر گھبرا جاتا تھا۔ ان ساری باتوں کے باوجود میرا مستقل طور سے سندر متی کے کمرے میں رہائش اختیار کر لینا کچھ اچھا نہیں تھا۔ مجھے چپ دیکھ کر وہ میرے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔

''کیوں کیشی! بولتے نہیں آپ؟''

اب وہ مجھے کیشی ہی کے نام سے مخاطب کرتی تھی، میں نے جواب دیا۔

''تنہائی میں کام کرنے کا عادی ہوں، میری رہائش نیچے ہی اچھی رہے گی۔''

اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیئے اور جھکتی ہوئی بولی۔

''اوپر بھی آپ کی تنہائی میں کوئی مخل نہیں ہوگا۔''

سروپ جی کے سامنے اس کی یہ بے تکلفی مجھے پریشان کر دیا کرتی تھی، میں نے کسی قدر جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ ''یہ بات نہیں ہے بابا۔۔؟''

وہ تڑاق سے بولی، میں بابا نہیں ہوں آپ کی۔۔ سندر متی ہوں۔''

سروپ جی کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ میں بھی ہنس دیا۔ بعض اوقات وہ بات ہی ایسی کر جاتی کہ ہنسی روکنا مشکل ہو جاتا تھا، میری طرف دیکھ کر بولی۔

''آپ ہی کے دل بہلاوے کے لئے کہہ رہی ہوں، اوپر رہیں گے تو پتا جی سے گپ شپ بھی ہو جایا کرے گی۔ یہاں میل جول کے علاوہ تفریح کا کوئی سامان تو ہے نہیں۔''

''سروپ جی سے گپ شپ تو کھانے کے بعد بھی کر لیا کروں گا تو میرے لئے اتنی پریشان کیوں ہوتی ہے۔''

''واہ۔۔ اب مجھے آپ کے لئے پریشان بھی نہیں ہونا چاہیے؟ دیکھیے پتا جی! یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟''

''بھئی تم دونوں اپنا جھگڑا خود طے کر لو۔ میں تو ذرا دادا کو دیکھ کر سونے جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ

کر سروپ جی کھانے کی میز سے اٹھ کر راہ داری میں ہو لئے اور ان کے قدموں کی چاپ ہولے ہولے دور ہوتی چلی گئی۔

اب سندر متی نے اپنی ننگی باہیں میری گردن میں پرو دیں اور کانچ کی چوڑیاں میرے کانوں کے پاس کھنکھنا کر کہنے لگی۔

''کیوں میرے دیوتا۔۔!اوپر آنے میں کیا اعتراض ہے؟''

''تو فضول ضد کرتی ہے۔''

''یہ ضد فضول نہیں ہے۔آپ میرے کمرے میں رہیں گے، میرے بستر پر سوئیں گے تو میں بانی پارہ میں بھی آپ کے ساتھ ہی رہوں گی، سمجھوں گی آپ میری کوئی چیز تو استعمال کر رہے ہیں۔''

''یہ کپڑے بھی تو تیرے ہی خریدے ہوئے پہن رکھے ہیں میں نے۔''

''ارے تو لڑتے کیوں ہیں مجھ سے؟''

''ابھی مجھے رنگا متی جانا ہے چاچی کی خبر لینے، واپسی پر سوچوں گا تیرے کمرے میں آجاؤں یا وہیں رہوں جہاں اب ہوں۔''''صرف سوچیں گے؟''

''ہاں۔۔وعدہ نہیں کرتا کہ ضرور تیرے کمرے میں منتقل ہو جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر میں اٹھا۔۔ آٹھ بج رہے تھے اور میرا زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں تھا سروپ جی بھی جا چکے تھے۔

''اب چلتا ہوں۔اگر ہو سکے تو نو بجے تک پیکو کے ہاتھ قہوے کی ایک پیالی بھجوا دینا۔'' یہ کہہ کر میں نے قدم بڑھا دیئے۔

''کیشی! ذرا سنیئے تو۔''

میں انہی قدموں رک گیا'' کیا ہے؟''

''کچھ دیر ٹھہر جایئے نا۔آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''آج سارا دن باتیں ہی ہوتی رہی ہیں باقی کل سہی۔''

یہ کہہ کر راہ داری میں نکلا، زینے پر آیا اور تیز تیز سیڑھیاں اتر گیا۔اپنے کمرے میں داخل ہوا تو خیال آیا، سندر متی سے خوش دلی کے ساتھ رخصت نہیں ہوا۔سوچتی ہو گی نہ جانے اچانک مجھے کیا ہو گیا ہے مگر اب تو آ گیا تھا۔اگر اسے میرا اس طرح آ جانا برا لگا ہو گا تو سویرے ناشتے پر منا لوں گا۔

کمرہ خواب میں آ کر کپڑے اتارے، قمیض پاجامہ پہنا، سارا دن نئے بوٹوں میں بند رہنے کی وجہ سے پاؤں دکھنے لگے تھے۔غسل خانے میں جا کر پاؤں دھوئے تولئے سے رگڑ رگڑ کر صاف کئے تب کہیں سکون ملا اور پھر بستر پر دراز ہو گیا۔

لیٹتے ہی سندر متی کا خیال ارد گرد رقص کرنے لگا۔وہ بے حد سندر، نو جوان، پڑھی لکھی، اونچی لمبی مگر انتہائی متناسب قد اور انتہائی متناسب جسم کی صحت مند لڑکی تھی، مجھے اس سے بہتر بیوی مل ہی نہیں سکتی تھی۔یہی وجہ ہے کہ میں نے من ہی من میں اسے پتنی بنانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لئے اپنے ذہن کا آنگن کھول دیا۔میرے اندر کے تھارو کیشپ نے یہی مشورہ دیا تھا کہ پتنی کو ذہن کے آنگن میں بٹھا اور سجنی کو دل کے مندر میں سجا۔دل کا مندر جل پنا کے لئے تھا۔وہ میری پہلی پریت تھی مگر پریشانی یہ تھی کہ دل اور دماغ والا سلسلہ چلے گا کیسے؟

جاپان، چین، برما، ہند چینی اور بعض دوسرے دیشوں کے بدھ سماج میں بعض لوگ دو دو شادیاں کر لیتے تھے۔ ہندوستان میں بھی کئی مسلمان تین تین چار چار بیویاں رکھتے تھے مگر ہندوستان کے بدھ سماج پر ہندو تہذیب کی گہری چھاپ تھی جس میں دوسری بیوی، دوسری ناری کا تصور ہی ممنوع تھا۔یہی ہندو تہذیب یہاں بدھ سماج اور بدھ دھرم کو کھا گئی تھی۔اس لئے سندر متی کے ساتھ جل پنا کو بیوی بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔باتوں ہی باتوں میں برہما جی کے حوالے سے میں نے سندر متی کے خیالات جاننے کی کوشش کی تو اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ ایشور نے ایک نر کے لئے ایک ہی ناری بنائی ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں جل پنا کو چھوڑ دوں گا۔

بستر پر لیٹا یہی سوچتا رہا کہ کونسی ترکیب ہو سکتی ہے جس کے ذریعے ''دل و دماغ'' والا سلسلہ چل سکے مگر کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔دل و دماغ کے معاملات بڑے عجیب تھے اور انہیں حل کرنا شاید نروان پانے سے بھی مشکل تھا۔وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔بارش تو کل کی بند ہو گئی تھی اور تیز ہوائیں، بادلوں کو ادھر ادھر اڑائے پھر رہی تھیں۔ ادھر سوچ کی آندھی میرے خیالات کو بھی کہیں سے کہیں لے اڑتی تھی کبھی کبھی تو یوں لگتا جیسے سندر متی دماغ سے نکل کر دل میں گھس جاتی ہے اور جل پنا دل کے مندر سے بھاگ کر ذہن کے آنگن میں آ بیٹھی ہے۔

جل پنا میرا پہلا پیار ہی نہیں تھی بلکہ اصل بات اسے پروہت گنجال کے پراسرار چکر سے نکالنے کی تھی اور اب میرا پیار ہی اس کے من کو شکتی دے سکتا تھا۔یک لخت خیال آیا کیوں نہ جل پنا کو چوری چھپے بھگا کر بنگال لے جاؤں اور رنگا متی میں اپنی چاچی کی بہو بنا کر چھوڑ آؤں پھر ساؤ گاری میں آ کر سندر متی سے بیاہ کر لوں۔اسے ساؤ گاری میں رکھوں۔اسے رنگا متی میں اور دوسرے تیسرے مہینے چاچی کو ملنے کے بہانے جل پنا سے مل آیا کروں۔

ترکیب تو ذہن میں آ گئی مگر اس پر عمل کرنا بڑا مشکل تھا۔اول تو جل پنا کو ساؤ گاری سے غائب کرنا ہی بڑا اہم مسئلہ تھا، جہاں پروہت گنجال اور شنکر اس کی خبر گیری کرتے تھے، دوسرے کسی مضبوط مدد کے بغیر اسے ساؤ گاری سے رپا اور رپا سے بانی پارہ کے اسٹیشن تک پہنچانا جان

جوکھوں کا کام تھا۔ گنجال کے آدمی ضرور تعاقب کریں گے اور کیا خبر کیا کر گزریں وہ اسے مانڈلے سے یونہی تو لے کر نہیں آئے تھے۔ میں بزدل نہیں تھا کہ ان کا مقابلہ نہ کر سکتا مگر میرا جل پنا کے اغواء میں ملوث ہونا بہت سے معاملات بگاڑ سکتا تھا۔ پھر کانشنس بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ جل پنا کو ننگا متی میں اور سندر متی کو ساؤ گاری میں رکھوں اور دونوں کو مسلسل دھوکا دیتا رہوں۔ اس طرح تو میں چاچی کی نظروں میں بھی گر جاؤں گا اور سروپ جی کے اعتماد سے بھی کیونکہ ناری کی بات زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکتی۔ اس کے باوجود مجھے کچھ سوچنا، کچھ کرنا ضرور تھا مگر کروں تو کیا؟ کوئی ترکیب سمجھ میں آ ہی نہیں رہی تھی۔

اچانک چوبی زینے پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ گھڑی دیکھی تو نو بج رہے تھے، سوچا پیکو قہوہ لے کر آیا ہوگا۔ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا اور فوراً میز سے ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا تاکہ پیکو کی واپسی پر جب سندر متی اس سے پوچھے کہ صاحب کیا کر رہے تھے، وہ بتا سکے کہ پڑھ رہے تھے، دوسرے لمحے دروازے پر ہلکی دستک ہوئی۔

''آ جاؤ پیکو! دروازہ کھلا ہے۔''

''کواڑ کھلے، پہلے پیتل کی ایک طشتری اندر آئی پھر قہوہ لانے والا۔ نہیں۔ قہوہ لانے والی داخل ہوئی۔ وہ خود سندر متی تھی، میں رات کے نو بجے اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گیا حالانکہ وہ سروپ جی سے بھی کہہ چکی تھی کہ قہوہ خود ہی پہنچایا کرے گی، مجھے حیرت زدہ دیکھ کر بولی۔ ''کیا میرے آنے کی آشا نہیں تھی آپ کو۔؟''

طشتری میز پر رکھ کر وہ قہوہ پیالی میں انڈیلنے لگی۔ میں نے کہا۔

''تو نے کیوں تکلیف کی پیکو کو بھیج دیا ہوتا۔''

''کیوں بھیج دیتی، اسے جب خود آ سکتی تھی۔'' اس نے قہوے کی پیالی میری طرف بڑھائی اور میرے قریب ہی بستر پر بیٹھ گئی۔

جب تک میں قہوہ پیتا رہا، وہ مجھے دیکھتی رہی۔ چار پانچ منٹ خاموشی میں گزر گئے۔ چاہتا تھا کوئی بات ہو مگر آج کا سارا دن باتوں ہی باتوں میں گزرا تھا اور شاید سندر متی سے کرنے والی کوئی بات رہ نہیں گئی تھی، میں نے قہوہ ختم کیا تو اس نے فوراً پیالی ہاتھ سے لے کر طشتری میں رکھ دی اور میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گئی۔

''کیشی! اگر مجھ سے کوئی بھول ہو جایا کرے تو شما کر دیا کریں۔''

''کیسی بھول؟''

''شاید میں کوئی بھول کر بیٹھی تھی کہ آپ خفا ہو کر چلے آئے۔ اپنے پیار میں غصے کا پیوند نہ لگایا کریں۔''

''یہ تو نے کیسے سوچ لیا کہ میں تجھ سے خفا ہو سکتا ہوں۔''

''پھر میرے کہنے پر ٹھہر کیوں نہیں گئے تھے؟''

''رات ہو گئی تھی نا ٹھہرنا اچھا نہیں تھا۔''

''اور میں اسی لئے رات کو آئی ہوں کہ آپ کا ڈر دور کر سکوں۔'' یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیئے۔ میں اس کی گوری گوری بھری بھری سڈول بانہوں کو دیکھنے لگا۔

''رات کا سمے ہے، سندر متی! کوئی آ نہ جائے۔''

''آ کیسے جائے گا میں نیچے کا دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا آئی ہوں۔''

''مگر دروازہ بند کرنے اور کنڈی چڑھانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''اس لئے کہ آج رات یہیں سوؤں گی۔''

اور اس کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میرے پران اڑ گئے۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے، کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ کیا کہوں۔

''ارے سروپ جی کیا سوچیں گے۔؟''

''جب میں قہوہ لے کر نکلی وہ سو گئے تھے۔''

''مگر تارا اور پیکو تو جاگتے ہوں گے۔''

''ان کا کمرہ بھی بند ہو گیا تھا، چپکے سے آئی ہوں، وہ یہی سمجھتے ہوں گے کہ میں اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہوں۔''

''یہ اچھا نہیں کیا تو نے۔''

''کیشی جب میں اپنی حفاظت خود کرتی ہوں تو آپ ڈرتے کیوں ہیں؟'' وہ میرے اور قریب کھسک آئی۔ ''میں آپ کا خوف دور کر دینا چاہتی ہوں، آیئے لیٹ کر باتیں کریں گے۔''

اچانک یوں محسوس ہوا جیسے اب وہ میرا امتحان لے رہی ہے، میرے اندر کا تھارو کیشپ چونک اٹھا اور مجھے غیر مرئی آواز میں سمجھانے لگا کہ ہوشیار ہو جاؤ نر اور ناری کے کھیل میں کوئی چال غلط نہ پڑ جائے۔ سندر متی نے اپنا چہرہ میرے چہرے کے قریب کر دیا اور ہم آمنے سامنے لیٹے باتیں کرتے رہے۔ بھٹکنے کے کئی مرحلے آئے مگر جب میرے من میں باڑھ آتی میں خود کو سنبھال لیتا ایک بار آنکھیں بند کر لیں تو سندر متی بولی۔

''کے۔شی۔۔! کیا ناراض ہو گئے مجھ سے؟''

''ناراض نہیں سندر متی!'' میں نے اپنی بند آنکھیں کھول دیں۔

''اتنا خوش ہوں کہ جیون میں پہلے کبھی نہیں تھا۔ تو مہان ہے۔''

''مہان میں نہیں آپ ہیں کیشی! آپ نے مجھے عورت کے رتبے سے گرنے نہیں دیا۔''

پھر ایک لمحہ ٹھہر کر بولی۔ ''میں ایسا ہی پتی چاہتی ہوں جو ایک کنواری اور سندر لڑکی کی آگ میں جل کر نہ خود بھسم ہو نہ اسے بھسم ہونے دے۔

میں نے گھڑی دیکھی تو ساڑھے دس ہو گئے تھے۔ ''دیکھ سندر متی! کتنی رات بیت گئی اب تو جا۔''

''نہیں آج یہیں سوؤں گی۔'' وہ ضد کرنے لگی۔

''مجھے امتحان میں ڈالتی ہے۔''

''کچھ نہیں ہوگا میرے دیوتا! طوفان کی باڑھ گزر چکی۔ اب آپ کا من شانت ہے، میرا من شانت ہے۔''

''مگر تو میرے پاس رہی تو باڑھ پھر آئے گی۔''

''میں پھر اسے روک دوں گی۔''

''کیا رات بھر باڑھ ہی روکتی رہے گی۔ چلی کیوں نہیں جاتی؟''

''ساؤ گاری میں تین راتیں گزر چکی ہیں، دو رہ گئی ہیں، یہ دونوں راتیں آپ کے چرنوں میں گزاروں گی۔''

''یعنی کل رات بھی تو یہیں سوئے گی؟''

''بے شک کل کی رات بھی یہیں گزرے گی تاکہ آپ کے پریم کی تپسیا کو امر بنا دوں اور جب تک مرد ناری کے قریب رہ کر اپنے آپ کو بس میں نہیں رکھتا، اس کی تپسیا امر نہیں ہوتی، وہ خود امر نہیں ہوتا۔''

''مجھے نروان سکھانے آئی ہے تو؟''

''اصل نروان تو یہی ہے کیشی! ہاتھ آگ میں ڈالو اور جلے نہیں، پاؤں جل میں رکھو اور بھیگے نہیں۔'' ''لیکن تو یہاں رہے گی تو مجھے نیند نہیں آئے گی۔ من یہی چاہے گا تجھے اپنے ساتھ لپٹا تا رہوں۔''

''آپ گھبرائیں نہیں میں آپ کے پاؤں میں سو رہوں گی۔''

اور سچ مچ وہ پائنتی کی طرف چلی گئی۔ اس نے اپنے ہونٹ میرے پاؤں پر رکھ دیئے اور انہیں چومتی چومتی سو گئی، تھوڑی دیر کے بعد میں نے تکیے سے سر اٹھا کر دیکھا تو حسن کے سانچے میں ڈھلا ہوا انتہائی سندر بدن، قدرت کا ایک حسین ترین شاہکار میرے قدموں میں پڑا سو رہا تھا اور میں اس کے مقدس حسن کو، اس کے پوتر جسم کو جو اس کی آتما کی طرح نیک، سعید، روشن اور سوشیل تھا، ہاتھ لگانے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ ناگہاں جیسے آکاش سے کوئی اشارہ غیبی ہوتا ہے، میرے دل کو یہ گیان ہوا کہ سندر متی میری مکتی، میری نجات اور اس کا خوبصورت پوتر شریر میرا نروان ہے۔ آج رات وہ مجھے یہی گیان دینے آئی تھی کہ خواہشات کی آگ سے بچ کر ہی آدمی نروان کی طرف بڑھتا اور سچی خوشیاں حاصل کرتا ہے کیونکہ سچی خوشیاں وہ پرندے ہیں جو اس درخت پر بسیرا نہیں لیتے جس کے نیچے آگ جل رہی ہو، دھواں اٹھ رہا ہو۔

میں نے اپنے جسم کو حرکت دیئے اور ٹانگوں میں کوئی جنبش پیدا کئے بغیر کہ مبادا سندر متی کی نیند میں خلل آ جائے، پھر تکیے پر سر رکھ لیا اور دیر تک جاگتا اور سوچتا رہا کہ قدرت نے کتنی عظیم ناری کو میرے قدموں میں ڈال دیا ہے پھر نہ جانے کب نیند آئی اور کب آنکھ لگی لیکن صبح پو پھٹنے کے بعد بیدار ہوا تو سندر متی بستر پر نہیں تھی، میز سے پیتل کی وہ طشتری بھی غائب تھی جس میں وہ میرے لئے قہوہ لے کر آئی تھی۔

شاید وہ منہ اندھیرے ہی چپ چاپ نکل گئی تھی۔

○

آکاش پر بادل چھٹ تو نہیں گئے لیکن ان کی بھیڑ کم ہو گئی اور اب اتر سے دکھن کی طرف بھاگے جا رہے تھے، شوکتی ہواؤں کا زور بھی گھٹ گیا تھا جس سے سردی میں فرق پڑ گیا۔

میں سن چکا تھا سروپ جی ٹھیک نو بجے ناشتہ کرنے کے عادی ہیں۔ نو بجنے میں چار پانچ منٹ باقی تھے کہ میں گوچی ساؤ کی مورتی کو پرنام کرتا ہوا پتھر کے زینے پر ہو لیا اور اوپر پہنچا تو کواڑ کھٹکھٹانے کی نوبت نہیں آئی۔ سندر متی چوکھٹ سے لگی کھڑی تھی، آج اس نے گلابی رنگ کا پاجامہ اور اس پر بند گلے کی سلکی شرٹ پہن رکھی تھی۔ یہ سوٹ کم سے کم ایک سال پہلے کا سلا ہوا تھا، جب اس کا شریر کچھ ہلکا ہوگا۔

''کسی کو شک تو نہیں ہوا کہ تو رات اپنے کمرے میں نہیں تھی۔''

اس نے زیر لب تبسم کے ساتھ نفی میں گردن ہلائی تو مجھے اطمینان ہوا۔

''میرے کمرے سے کب آئی تھی؟''

''پو پھٹے۔۔۔ آپ سو رہے تھے۔ پاؤں چومے اور دھیرے سے نکل آئی۔''

''تو سوچتی ہوگی آج میں دیر سے اٹھوں گا، دیر سے آؤں گا، جبھی چوکھٹ میں کھڑی میرا انتظار کر رہی ہے۔''

''آپ کا انتظار تو میری پوجا ہے۔ دیر سے آپ کی راہ دیکھ رہی ہوں۔''

''دیر سے کیوں، مجھے نو بجے آنا تھا اور ابھی چار منٹ باقی ہیں۔'' میں نے ویسٹرن کی گھڑی اس کے سامنے کر دی۔

اس نے گھڑی دیکھی اور کہنے لگی۔

''ناری کو یہی کہا گیا ہے، اپنے پٹ کھول کر آنے والے کا انتظار کر۔ کہیں ایسا نہ ہو، وہ

آئے اور کواڑ بند دیکھ کر لوٹ جائے۔"

میں نے حیرت پاس نظروں سے اس کی طرف دیکھا، یہ بات شاید میں نے انجیل میں پڑھی تھی جس میں ناری کو اپنے دلہا کا انتظار کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ معاً خیال آیا، سندر متی بھی تو بائی پارہ کے مشن اسکول میں پڑھتی ہے، ضرور اس نے انجیل پڑھی ہوگی اور یہ فقرہ وہیں سے لیا ہے، کتنی مقدس سوچ تھی اس کی۔ میں نے جواب دیا۔

"سندر متی! تیرے گھر کے کواڑ کبھی بند بھی ہوئے تو لوٹ کر نہیں جاؤں گا، میں تیرا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا کیونکہ یہ بھی لکھا ہے جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے لئے کھولا جاتا ہے۔ کھولے گی نا اپنا دروازہ؟"

"کیشپ! آپ کے لئے میرا دروازہ کبھی بند نہیں ہوگا، آپ جب آئیں گے میں چوکھٹ میں کھڑی ملوں گی۔"

اس نے جھک کر میرے قدموں کو بوسہ دیا تو میں گھبرا سا گیا اور فوراً اسے بازوؤں سے پکڑ کے اوپر اٹھایا۔

"یہ کیا کرتی ہے، کوئی دیکھ لے گا یہاں۔"

وہ حیران سی ہو کے بولی۔ "رات آپ کے کمرے میں گزار آئی ہوں ابھی تک آپ کا خوف نہیں گیا۔۔؟"

"یہ خوف نہیں کچھ اور ہے سندر متی!"

مگر "اور کیا ہے۔" میں اس کی وضاحت نہ کر سکا، اس نے میری طرف دیکھا۔ "ڈرپوک" کہہ کر میرا بازو تھام لیا پھر راہداری میں چلتے چلتے بتانے لگی۔ "جب ساؤ خاندان کی لڑکی کسی کو اپنا پتی مان لیتی ہے تو سب کے سامنے اپنے پریم کا اظہار کر سکتی ہے۔"

میں حیران سا ہوا تو بولی "مگر وہ کچھ اور بھی چاہتی ہے۔"

"اور کیا چاہتی ہے؟"

"یہی کہ ہونے والا پتی بھی اس کے ساتھ بے دھڑک پریم کرے۔"

یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی تھی "کیا میں تیرے ساتھ پریم نہیں کرتا؟"

اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "کرتے ہیں بابا۔۔۔! مگر ڈرتے ڈرتے ....."

میں نے اسے روک کر ذرا جرأت دکھائی۔ "سن سندر متی! میں بابا نہیں ہوں تیرا۔۔ تھارو کیشپ ہوں۔۔۔"

اور اس بات پر اسے جو ہنسی کا دورہ پڑا تو ایک قہقہہ مارا اور پیٹ پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی جیسے کوئی اسے گدگدا رہا ہو۔ آواز سن کر سروپ جی راہداری میں نکل آئے۔

"ارے۔۔۔ کیا ہوا تجھے؟"

سندر متی بدستور ہنسے جا رہی تھی۔ میرا بازو تھام کر کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی۔

"آپ کو کیا بتاؤں پتا جی! ہماری آپس کی بات تھی۔"

"کوئی گستاخی تو نہیں کی تو نے؟"

"گستاخی کیا کروں گی۔ یہ کوئی موقع ہی نہیں دیتے گستاخی کرنے کا۔ ڈانٹ دیتے ہیں، میں ڈر جاتی ہوں۔"

"اچھا ہوا تجھے بھی کوئی ڈانٹنے والا تو ملا۔"

سندر متی نے سب جھوٹ کہا۔ میں نے اسے کبھی ڈانٹا نہیں تھا اور ڈرتی تو وہ کسی سے بھی نہیں تھی مگر سروپ جی کا فقرہ بڑا پہلو دار تھا۔ اس کے کئی معنی نکلتے تھے۔ ہم کمرے میں آگئے۔ بیکو میز پر ناشتہ لگا رہا تھا اور سروپ جی کا فقرہ میرے ذہن میں جھوم رہا تھا۔ "تجھے بھی کوئی ڈانٹنے والا تو ملا۔"

سندر متی آج بھی میرے ہی ساتھ بیٹھی اور ناشتہ کرنے کی بجائے ناشتہ کرانے لگی۔ خود کم کھاتی مجھے زیادہ کھلاتی بالکل اس عورت کی طرح جو اس بات کا خیال رکھتی ہے کہ کہیں اس کا بچہ بھوکا نہ رہ جائے۔ رات میں نے اس کے پیار میں بھی ممتا کی یہی عجیب سی کیفیت دیکھی تھی۔ اس نے کچھ اس طرح مجھے اپنے سینے سے لپٹا لیا تھا جیسے اپنی پناہ میں رکھنا چاہتی ہو اور اب کھانے کی میز پر بھی اس کا سلوک کچھ ایسا ہی تھا کہ اگر میں نے اچھی طرح نہ کھایا تو وہ بھوکی رہ جائے گی۔ کبھی کبھی تو میرے منہ میں لقمہ بھی ڈال دیتی حالانکہ عمر میں مجھ سے۔۔۔ چھوٹی تھی۔

عورت کی مختلف اقسام کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے والے ماہرین نے لکھا ہے کہ مرد کو ٹوٹ کے پیار کرنے والی ناری کے پریم میں ممتا کا جذبہ اس لئے شامل ہو جاتا ہے کہ وہ پریمی یا پتی کے چہرے میں اپنے آنے والے بچے کی شکل دیکھتی ہے اور ہرگز برداشت نہیں کرتی کہ اس کے پریمی پر کوئی کشٹ آئے، کوئی بپتا پڑے، جبھی اس کا اس طرح خیال رکھتی ہے، جیسے ہونے والے بچے کی حفاظت کر رہی ہو۔ ایسی ناری نہ صرف بہترین گرہستن بلکہ انتہائی وفادار اور جاں نثار ہوتی ہے۔ سندر متی عورت کی اسی قسم سے تعلق رکھتی تھی جس میں پریم اور ممتا گھل مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔

تھوڑی دیر میں سروپ جی ناشتے سے فارغ ہو گئے آج بھی انہیں کہیں جانا تھا یا نہیں مگر چپ چاپ کمرے سے نکل گئے۔ میں نے سندر متی سے کہا۔

"بس مجھے کھلاتی رہی ہے۔ سروپ جی کا کوئی خیال نہیں کیا تو نے۔"

"واہ خیال کیوں نہیں کیا۔ پتا جی جو کچھ پسند کرتے ہیں وہی انہیں ناشتے میں دیا تھا مگر ابھی

تک یہ معلوم نہیں کر سکی کہ صاحب کیا پسند کرتے ہیں۔"

"مجھے صرف تو پسند ہے۔"

وہ اچھلی۔ "ارے۔۔۔ پہلے بتا دیتے تو اپنا ہی ناشتہ کراتی آپ کو۔"

یہ کہہ کر اپنی دونوں بانہیں بڑے پیار سے میرے گلے میں پرو دیں اور قریب کھسک آئی۔ ٹھیک اسی لمحے پیگو کمرے میں داخل ہوا جسے دیکھ کر میں گھبرا گیا مگر سندر متی بالکل پرسکون رہی نہ اس نے پہلو بدلا نہ بانہیں ہٹائیں، اسی حالت میں بولی۔

"برتن اٹھانے کی اتنی جلدی کیا ہے پیگو۔۔۔! ذرا ٹھہر کے آ جانا۔"

پیگو وہیں سے لوٹ گیا۔۔۔ میں اس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکتا رہا جہاں پریم ساگر لہریں لے رہا تھا مگر اس کی نظریں میرے چہرے پر شاید اس بچے کو تلاش کر رہی تھیں جسے وہ جنم دینے کی زبردست خواہش رکھتی تھی جس طرح ماں اپنے بچے کی کوئی خواہش ادھوری نہیں رہنے دیتی اور اس کی خوشی کے لئے سب کچھ کر گزرتی ہے۔ اسی طرح اب وہ مجھے اپنے "پیار کا ناشتہ" کرانے پر اصرار کر رہی تھی تاکہ میں نے جو بات کہی تھی کہیں ادھوری نہ رہ جائے۔ میری خواہش پوری ہو اور میری خواہش کی تکمیل سے خود اس کے ہردے کو شانتی ملے۔ میں چپ چاپ اسے دیکھتا رہا، جب چند ساعتیں اسی حالت میں گزر گئیں تو مسکرا کے بولی۔

"کیا یہ نوالہ بھی میں ہی آپ کے منہ میں ڈالوں گی؟"

پھر نوالہ دینے کے لئے مجھ پر جھکی، سلکی سوٹ سے چھلکتا ہوا سندر بدن مجھ سے آ لگا اور میں یک لخت گھبرا کے اٹھا۔ وہ بھی اٹھی۔

"کیا ہوا کیشی!"

"تیرا بدن پوتر ہے، سندر متی! تیرے بدن کی آگ مقدس ہے، مجھے اس آگ میں کیوں جلاتی ہے؟"

"اس لئے کہ میں آپ کو اپنے پوتر بدن کی آگ میں جلا کر کندن بنا دینا چاہتی ہوں۔ اگر آپ پریم کا نروان چاہتے ہیں تو میرے شریر کی آگ اپنے سینے سے لگائیے۔ یہ آگ آپ کو جلائے گی نہیں، شانتی دے گی۔"

"یہ بھی جانتی ہے پریم بدن اور روح کے ساتھ کیا جاتا ہے، میں اپنے پریم کو آتما اور شریر سے الگ نہیں کر سکتا، مجھے جانے دے۔"

میں نے قدم دروازے کی طرف بڑھائے تھے کہ وہ لپک کر سامنے آ گئی اور میرا ہاتھ تھام کر بولی۔

"مجھے اپنی ناری نہیں بنائیں گے آپ؟"

"کیوں نہیں بناؤں گا؟"

"پھر مجھے پیار کیوں نہیں کرتے؟"

"تو پریم کا نروان چاہتی ہے، میں تجھے چاہتا ہوں، تیری نیک آتما کو، تیرے پوتر اور سندر بدن کو۔"

"پھر آیئے میرے ساتھ۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی اور مجھے جیسے کھینچتی ہوئی راہداری میں لے آئی طویل راہ داری میں وہ زینے کے دروازے کی طرف چلنے لگی۔ میں حیران تھا نہ جانے کہاں لے جانا چاہتی ہے اور اس خیال سے پریشانی بڑھ گئی کہ کہیں میرے کمرے کا ارادہ تو نہیں کر بیٹھی جس کی تنہائی میں اپنے آپ کو مکمل طور پر میرے سپرد کر دے گی، میں نے بھی ٹھان لی کہ اب نیچے ہی چل کر اسے سمجھاؤں گا مگر اس نے زینے کا رخ نہیں کیا بلکہ مخالف سمت کی راہداری میں بڑھ گئی، شاید ادھر کوئی بھی نہیں رہتا تھا۔ وہ مجھے مضبوطی سے پکڑے راہداری میں چلتی رہی پھر ایک طرف گھوم کر اچانک اس تابوت نما کمرے کا دروازہ کھول دیا جس میں اس کے پردادا ساگر ساؤجی کی "زندہ لاش" کائی کے بستر پر چت پڑی تھی۔ وہ بوڑھا پنجر جس کی ہڈیوں نے گوشت چھوڑ دیا تھا جو مرنا چاہتا تھا لیکن موت نہیں آتی تھی جو زندگی سے نالاں تھا مگر جی رہا تھا اور میں حیران تھا کہ وہ مجھے اس پیر فرتوت کے پاس کیوں لے آئی ہے جو نہ بول سکتا ہے، نہ سن سکتا ہے۔

اسی تابوت نما کمرے میں جسے میں "کیٹا کومبز" قسم کا ایک "غار اجل" قرار دیتا ہوں۔ بھگوان بدھ کی وہ مورتی بھی کونے میں ایستادہ تھی جو ایک رات اپنے پیتل کے پاؤں سے چل کر میرے پاس آ گئی تھی اور جس نے ابھی اترسوں رات ہی میرے وہم کی شکل اختیار کر کے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا۔ میں نے بوڑھے ساگر ساؤجی کی "زندہ لاش" کے ساتھ ڈری ڈری سہی سی نگاہوں سے شاکیہ منی بدھ کی اس مورتی کی طرف بھی دیکھا جس کا بدن سوکھ کر کانٹا ہو چکا اور پیتل کی پسلیوں کے نیچے پیٹ اندر دھنس گیا تھا۔ بھگوان کی مورتی اگر پیتل کا ڈھانچہ تھا تو ساگر ساؤجی ہڈیوں کا ڈھانچہ جس پر گویا انسانی کھال منڈھ دی گئی تھی۔

سندر متی مجھے لے کر بوڑھے دادا کے سامنے بیٹھ گئی جس کے سفید بالوں، سفید بھوؤں کے درمیان چہرے کی بوڑھی کھال اپنی لاتعداد جھریوں کی وجہ سے تار عنکبوت کا نقشہ پیش کر رہی تھی اور ہر ٹیڑھی میڑھی لکیر زندگی کے گزرے ہوئے سفر پر نوحہ کناں تھی، ہمیں دیکھ کر ان بوڑھی آنکھوں میں جن کی پتلیوں پر سفیدی چھا رہی تھی، ایک عجیب سی حرکت یا تبدیلی نمودار ہوئی اور جس طرح کوئی فالج زدہ جسم جنبش کرتا ہے، اسی طرح اس مشتِ استخوان میں بھی جیون کی لہر لہرائی۔ سندر متی نے ایک گاؤ تکیہ سنبھالا جو ایک طرف پڑا تھا اور مجھ سے کہنے لگی۔

"کیشی! آپ دادا کو کندھوں سے پکڑ کر اوپر اٹھائیں اور گاؤ تکیے کے سہارے بٹھا دیں۔"
میں نے تعجب سے پوچھا "کیا بیٹھ سکیں گے؟"

"ہاں آپ سہارا دیں گے تو خود بیٹھنے کی کوشش کریں گے۔"

یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا، میں نے بوڑھی اور ٹھنڈی لاش کی سخت ہڈیوں کے نیچے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اوپر اٹھایا۔ سندر متی نے گاؤ تکیہ فوراً کمر سے لگا دیا اور میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہ "لاش" آرام سے تکیے کے سہارے بیٹھ گئی بلکہ جھریوں بھرے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ بھی دوڑ گئی۔ اس کی اجل گرفتہ نظریں مجھ پر ٹکی تھیں۔

اس اثنا میں سندر متی نے عقبی طاقچے سے ایک چھوٹا سا بکس اٹھایا اور اسے کھول کر آلۂ سماعت نکالا، میں نے چشم حیرت سے دیکھا تو سندر متی بتانے لگی کہ دادا کے لئے یہ آلہ سماعت باٹی پارہ سے لے کر آئی ہے۔ انگلستان سے منگوایا ہے۔ اب دادا سے بات چیت کرنا آسان ہو گیا ہے۔ دادا آلہ سماعت کو دیکھ کر حیران بھی ہوتے ہیں اور خوش بھی۔ پھر اس نے آلہ سماعت کے ریسیور کی دونوں چھوٹی چھوٹی گولیاں بوڑھے کے کانوں میں ٹھونس دیں اور ان کے تار سیدھے کر کے مائیک کی گول ڈبیا میں بولی۔

"دادا کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟"

بڈھے کی سفیدی چڑھی آنکھوں میں ایک جوت سی جلی اور اس نے اثبات میں سر ہلایا پھر سندر متی مائیک میں کہنے لگی۔

"دادا۔۔! میں ایک شبھ کامنا لے کر آئی ہوں۔ میری بات ذرا دھیان سے سنو۔ میرے ساتھ بدھ گیانی تھارو کیشپ بیٹھے ہیں جو پوربی بنگال کے شہر رنگامتی سے آئے ہیں، کیا تم انہیں جانتے ہو؟'

بوڑھے نے اپنی مردہ سی آنکھوں کے گوشوں سے مجھے جھانکا اور ایک بار پھر سر ہلایا۔ سندر متی کہہ رہی تھی۔

"میں کیشپ بابو سے پریم کرتی اور انہیں اپنا پتی مانتی ہوں۔"

بوڑھی آنکھوں میں پھر ایک مدھم سی کرن چمکی۔ سندر متی نے مائیک کی گول ڈبیا میرے قریب کر دی۔۔۔۔

"کیشی! اب آپ اپنی زبان سے دادا کو بتائیں کہ میں آپ کی کیا ہوں۔"
اور میں مائیک میں بولا۔ "دادا! میں بھی سندر متی کو اپنی پتنی مانتا ہوں۔"
ساگر ساؤ جی کا بوڑھا ہاتھ ذرا اوپر اٹھا، جیسے پسندیدگی کا اظہار کیا ہو۔ اب سندر متی نے پھر بوڑھے کو مخاطب کیا۔

"دادا۔۔! ہم دونوں لگن کرنا چاہتے اور تم سے آگیا لینے آئے ہیں، اگر میری خوشی کی خاطر تیار دیتے ہو تو ایک ہاتھ اٹھا دو اگر تمہارا من بھی خوش ہے تو دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔"

بوڑھے نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ دو تین سیکنڈ اٹھائے رکھے اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا رہا پھر ہاتھ گرا دیئے سندر متی بولی۔

"کیشی! میں آپ کی کوئی خواہش ادھوری نہیں رہنے دوں گی۔"

جب ہم دونوں بوڑھے ساگر ساؤ جی کے سامنے بیٹھ گئے تو سندر متی نے مائیک میں کہا۔

"دادا۔۔! اب ہمیں آشیرواد دو۔"

بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر ہمیں آشیرواد دی۔ سندر متی بولی۔

"لیجے کیشی! ہمارا لگن ہو گیا۔"

ناگہاں عقب سے آواز آئی۔ "یہ لگن ادھورا ہے۔"

ہم نے پلٹ کر دیکھا تو حیران و ششدر رہ گئے سروپ جی اور پیگو تابوت نما کمرے کے دروازے میں کھڑے نہ جانے کب سے ہماری باتیں سن رہے تھے۔ وہ اندر آ گئے تو ہم دونوں سروپ جی کی پیشوائی کے لئے اٹھے۔ اب میرے دل میں پہلا سا خوف نہیں تھا۔ سندر متی نے پوچھا۔ "کیوں پتا جی! لگن ادھورا کیسے ہوا؟"

"کیا پروہت نے اشلوک نہیں پڑھے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"یہ ایک رسم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ نر اور ناری کا ایک دوسرے کو پسند کر لینا ہی اصل بیاہ ہے جس کے لئے میں نے دادا سے آگیا لی ہے اور آپ کے پاس آنے والی تھی مگر اچھا ہوا آپ یہیں آ گئے۔ اب بتایئے کیا آپ کیشپ بابو کو میرے لئے پسند نہیں کرتے؟"

سروپ جی بولے "مجھے تھارو کیشپ بہت پسند ہے اس کے ساتھ تیرہ بیاہ کر کے مجھے خوشی ہوگی تیرے لئے اس سے اچھا پتی نہیں مل سکتا مگر بیاہ کے لئے کیشپ کو اپنی چاچی کی آگیا لینی ہوگی۔"

اب میں نے بولنا ضروری سمجھا۔ "سروپ جی! اول تو چاچی کو اس لگن پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا دوسرے میں سندر متی سے پریم کرتا ہوں اور اپنی مرضی سے بیاہ کر رہا ہوں۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے تھارو کیشپ! پھر بھی تمہاری چاچی کی اجازت ضروری ہے۔ میں تم کو ملنے جلنے اور پریم کرنے سے نہیں روکتا کیونکہ جانتا ہوں تم دونوں میں سے کوئی پاپ نہیں کرے گا۔ تمہاری آتمائیں نیک ہیں، بھگوان نے تم دونوں کو روپ بھی دیا ہے، من کی شکتی بھی دی ہے مگر شاید تم نہیں جانتے کہ سندر متی سے بیاہ کرنے کا مطلب کیا ہے۔"

میں نے چونک کر دیکھا۔ "اگر نہیں جانتا تو اب جاننا چاہتا ہوں۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ میرے کندھے پر، دوسرا سندر متی کے کندھے پر رکھا
پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے۔

''تھارو کیشپ! سندر متی میری اکلوتی بٹی ہے۔ اس کے ساتھ بیاہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اس جاگیر کے وارث بن جاؤ گے جو ساؤ خاندان کے بانی گوچی ساؤ نے چھوڑی تھی اس کے ساتھ ساؤ گاری میں نروان کی تپسیا بھی تمہاری ذمہ داری ہوگی۔ جب تک میں زندہ ہوں تم دونوں جاگیر اور ساؤ گاری کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو مگر جب میری ارتھی رتنا گری کے شمشان میں جل کر راکھ ہو جائے گی، تم میرے اس دکھ کے وارث بنو گے جو ساؤ خاندان میں نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آیا ہے اور جسے میں مناسب وقت پر تمہارے سامنے بیان کروں گا۔ دادا تم دونوں کو آشیر واد دے چکے ہیں۔ میں ان کی آشیر واد مسترد نہیں کر سکتا مگر بیاہ اسی وقت پورا ہوگا جب تمہاری چاچی اسے منظور کرے گی۔''

میں نے سروپ جی کی باتیں سنیں، معاملے کے ہر پہلو پر غور کیا اور اپنا فیصلہ دے دیا۔

''اگر آپ بیاہ کی یہی شرط عائد کرتے ہیں تو سندر متی کو کل اپنے ساتھ بنگال لئے جاتا ہوں، ہم دونوں چاچی کی آشیر واد حاصل کر کے آجائیں گے۔''

''اگر اس نے تمہیں آشیر واد نہ دی۔ سندر متی کو اپنی بہو سویکار نہ کیا تو۔۔۔؟''

میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ مجھے خاموش دیکھ کر سروپ جی کہنے لگے۔

''کل سندر متی بٹی پارہ کی طرف اور تم بنگال کی طرف سفر کرو گے میں جانتا ہوں چاچی تم سے بہت پیار کرتی ہے، تمہاری کسی بات کو ٹھکرائے گی نہیں پھر بھی بیاہ کی رسم اس کی آگیا کے بعد پوری ہونی چاہئے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے ایک انگوٹھی نکالی جس میں قیمتی ہیرا جڑا تھا۔ اسے میری طرف بڑھا کر بولے۔

''یہ انگوٹھی اپنی چاچی کو دینا اور کہنا اگر وہ سندر متی کو بہو سویکار کرتی ہے تو میری طرف سے یہ انگوٹھی تمہیں پہنا دے اور سندر متی کے لئے چاندی، تانبے یا پیتل کا ایک چھلہ بھی بھیج دے تو میں خوشی سے قبول کر لوں گا۔''

میں نے انگوٹھی لے لی اور جھک کر سروپ جی کے چرن چھو لئے۔ انہوں نے پیکو، مجھے اور سندر متی سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ابھی ساؤ گاری میں کسی کو اس لگن کی خبر نہیں ہونی چاہئے۔ تھارو کیشپ رنگامتی سے لوٹے گا تب اعلان ہوگا۔''

بوڑھا ساگر ساؤ جی چشم حیرت سے سب کچھ دیکھ رہا تھا، غالباً آلہ سماعت کے ذریعے سب

کچھ سن بھی رہا تھا، اچانک اس نے ہاتھ اٹھا کر سب کو متوجہ کیا اور ففف ففف...... سس سس...... کر کے بولنے لگا، اس کے تمام الفاظ تو میری سمجھ میں نہ آسکے مگر اس کا مطلب ضرور سمجھ گیا۔ بوڑھے نے کہا۔

''سندر متی اور تھارو کیشپ کا لگن آکاش پر ہو گیا۔ میں نے ان کے مستقبل میں جھانک کے دیکھ لیا۔ لگن کے اشلوک پڑھ دیئے۔ انہیں آشیر واد دے دی۔ اب یہ پتی پتنی ہیں اور ساؤ گاری کی نرتکی سے جا کر کہہ دو آج رات وہ اس بیاہ کی خوشی میں ناچ کرے گی۔''

جس طرح رتنا گری کی وادی میں ہر بجلی کالے پہاڑ پر ٹوٹتی رہی، اسی طرح بوڑھے کے آخری الفاظ بجلی بن کر میرے دل پر ٹوٹے۔ اگر جل پناہ کو پتہ چل گیا کہ میرا اور سندر متی کا لگن ہو گیا ہے تو کیا وہ ناچ بھی سکے گی؟ بوڑھے کے چپ ہوتے ہی سروپ جی پل دو پل کھوئے رہے پھر میری طرف دیکھ کر بولے۔

''تھارو کیشپ! اگر دادا کہتے ہیں لگن ہو گیا تو ہو گیا مگر جل پنا آج رات بیاہ کا ناچ نہیں ناچے گی۔''

یہ کہہ کر وہ پیکو کے ساتھ لوٹ گئے اور سندر متی نے فرش پر بیٹھ کر ساگر ساؤ جی کے سامنے میرے پاؤں کو بوسہ دیا تب میں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور بوڑھے کے روبرو دوسری بار اپنے سینے سے لگا لیا۔

○○○

(10)

برہا ناچ

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر میں نیچے اترا اور اپنے کمرہ نشست میں آ کر سوچنے لگا کہ سندر متی کے آتے ہی ساؤ گاری میں حالات کتنی تیزی کے ساتھ آگے بڑھے ہیں جس طرح پربتوں سے اترتی، گاتی، شور مچاتی ندی بہت کچھ بہا کر لے جاتی ہے اسی طرح سندر متی کے مقدس پیار کی لہریں مجھے بھی اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں اور ایسا تیز تھا اس کے پریم کی لہروں کا بہاؤ اور ایسا عجیب تھا اس کے سندر جوبن کا بھنور کہ آپ سے آپ ڈوب جانے کو جی چاہتا تھا۔

اس سے ملاقات، پریم اور لگن کے سارے مرحلے صرف چار دن کے اندر طے ہو گئے، کل اسے بانی پارہ اور مجھے رنگا متی کی طرف سفر کرنا تھا۔ حالات کی اس تیز رفتاری میں شاید قسمت کا بھی دخل تھا جو ہر جگہ گھات لگائے بیٹھی رہتی ہے اور آدمی اس سے بچ کر جا نہیں سکتا کون کہہ سکتا تھا کہ مجھے عجیب و غریب حالات میں آسام کے ویران پہاڑوں کا سفر کرنا پڑے گا؟ کسے خبر تھی کہ رتنا گری کے جنگل میں میرے پریم کا پھول کھلے گا؟ کون جانتا تھا کہ ساؤ گاری کی سال خوردہ عمارت کے ایک تابوت نما کمرے میں میرا اور سندر متی کا لگن ہو جائے گا؟ یہ تمام واقعات الف لیلہ کی پراسرار کہانیوں کی طرح عجیب و غریب ضرور تھے مگر میں نے ابوالحسن کی مانند سوتے جاگتے کا خواب نہیں دیکھا بلکہ ہر واقعہ میرے شعور سے ٹکرا کر گزرا تھا۔ ہر بات میں نے دل و دماغ کی رضا مندی کے ساتھ قبول کی تھی تاہم جل پنا کا معاملہ ضرور پریشان کئے دیتا تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ اسے دیا ہوا قول کس طرح پورا کروں گا مگر کوئی پراسرار طاقت کہہ رہی تھی کہ میں وہ قول ضرور پورا کروں گا۔ ابھی انہی خیالوں میں گم تھا کہ ناگہاں بیرونی دروازہ کھلا اور شاستر و کی صورت دکھائی دی۔ وہ کچھ بجھا بجھا چپ چپ سا میری طرف بڑھا۔

''ارے شاستر و! بہت اچھا ہوا تو آ گیا، میں تجھے یاد کر رہا تھا۔''

وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا ''پربھو! آپ کا بھوجن اوپر کیا گیا کہ آپ بھی اوپر ہی چلے گئے ہو۔''

''مگر میں تو اس وقت نیچے بیٹھا ہوں۔''

کتنے چکر کاٹ لئے یہاں کے اور آج دکھائی دیئے ہو، کیا اوپر کچھ زیادہ ہی من لگ گیا ہے؟''

خدشہ تھا کہیں اسے میری نئی دلچسپیوں کی بھنک نہ پڑ جائے، بھوجن کی تبدیلی بھی غالباً اسے

اچھی نہ لگی تھی۔ یہ تبدیلی سندر متی کے آتے ہی عمل میں آئی تھی اور اس کے نزدیک کوئی نہ کوئی کارن تو ضرور ہو گا۔ شاستر و جیسے ذہین اور منطقی آدمی کے لئے ''اک جمع اک مساوی دو۔'' کی طرح کوئی نتیجہ اخذ کر لینا اور معاملے کی تہہ تک پہنچنا کچھ مشکل نہ تھا جبکہ اس کا ذہن دوری کے باوجود میرے ذہن کو پڑھ سکتا تھا۔ مجھے اندیشہ لاحق ہو رہا تھا، اگر اسے اب تک میرے اور سندر متی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا تو کہیں اب بیٹھے بیٹھے میرے من کا چور نہ پکڑ لے، جبھی میں چاہتا تھا۔ کم از کم اس کی موجودگی میں سندر متی کا خیال میرے ذہن میں نہ آئے، اس لئے تھوڑی سی غلط بیانی ضروری سمجھی۔

''ارے شاستر و! یہ اوپر جا کے بھوجن کرنا تو بہت مہنگا پڑ رہا ہے۔''

''وہ کیوں پربھو.....؟''

''سویرے کے ناشتے اور دوپہر کے بھوجن سے فارغ ہوتے ہی سروپ جی لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور نیچے آنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔''

وہ حیران سا ہو کر بولا۔ ''مگر مالک تو کل اور پرسوں ناشتہ کرتے ہی مندر میں آ گئے تھے پھر کافی دیر تک وہیں رہے۔''

شاستر و کی اس اطلاع نے جو بالکل درست تھی، میرے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی اور میں فضا میں معلق سا ہو کر رہ گیا۔ ویسے بھی جھوٹ کے پاؤں کہاں ہوتے ہیں، میں پوری طرح ٹل گیا اور کھسیانا ہو کر کہنے لگا۔

''ارے وہ تو بے شک مندر چلے جاتے رہے مگر جو کتاب مجھے پڑھنے کو دے جاتے ہیں، سارا سارا دن اسی کے مطالعے میں گزر جاتا ہے۔''

''ہاں پربھو! کتاب سندر اور دلچسپ ہو تو آدمی اس میں کھو جاتا اور دن بھر پڑھتا رہتا ہے پھر سمے گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔''

''سندر اور دلچسپ کتاب'' کے اشارے پر میں ذرا سا چونکا پھر فوراً اس کے خیال کو بدلنے کی کوشش کی۔''

''ارے کتاب اتنی خشک اور زبان اتنی مشتمل ہے کہ پڑھتے پڑھتے دماغ ہل گیا۔''

شاستر و کی آنکھوں کے گوشوں سے شبہ سا جھانکنے لگا تو میں نے موضوع ہی بدل دیا۔

''ہاں یہ تو بتا جل پنا کیسی ہے؟''

حیرت سے اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ ''کمال ہے پربھو! مشکل کتاب بھی پڑھتے ہو اور جل پنا کو بھی یاد کرتے ہو۔''

''میں یاد نہیں کروں گا تو اور کون یاد کرے گا۔ اسے دیکھنے کو تو من تڑپ رہا ہے۔''

"آج دیکھ ہی لو گے، شام کو مندر میں ناچے گی۔"

"ناچ کی گھنٹیاں بجیں گی نا؟"

"گھنٹیاں تو بجیں گی مگر آج وہ سندر متی کے لئے ناچے گی۔"

میرا من کا پنا، ذہن میں عجیب سی گھنٹیاں بجنے لگیں، کیا کہا تھا بوڑھے ساگر ساؤ جی نے کہ آج ساؤ گاری کی نرتکی بیاہ کی خوشی میں ناچ کرے گی، کہیں سروپ جی نے اپنا فیصلہ بدل تو نہیں دیا؟ پھر اچانک مجھے یاد آیا کہ ساؤ گاری میں سندر متی کی آمد پر ناچ کا ایک خاص پروگرام پیش کیا جاتا ہے اور آج بھی جل پنا وہی ناچ کرے گی۔ اس ناچ کا سندر متی سے واسطہ ضرور ہے مگر ہمارے لگن سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا، پھر بھی شاسترو کے سامنے میں نے اپنے ذہن سے سندر متی کا خیال نکال کر جل پنا کی بات چھیڑ دی۔

"کیا جل پنا یاد کرتی ہے مجھے؟ تڑپتی ہے میرے لئے؟"

"اگر آپ اسے یاد کرتے ہو، وہ آپ کو یاد کرتی ہوگی اگر آپ اس کے لئے تڑپتے ہو وہ آپ کے لئے تڑپتی ہوگی۔"

"میں تو بہت تڑپتا ہوں۔"

"وہ بھی بہت بے چین ہے۔"

"مگر سندر متی کے آتے ہی اس نے ناچ ودیا کیوں بند کر دی؟"

"صبح شام ناچ کے ریاض میں لگی رہتی ہے نا۔"

"اور ملنا جلنا کیوں چھوڑ دیا؟"

"یہ آپ نہیں سمجھو گے۔ عورت کی کتاب کا مضمون ہے۔"

"کیا کہتی ہے عورت کی کتاب؟"

"اس کتاب کے ہر ورق پر ایک طرف عورت کی پریم کہانی ہوتی ہے اور دوسری جانب اس کے شک و شبہے کی تحریر لکھی جاتی ہے۔"

تیری پہیلی سمجھ میں نہیں آئی۔ صاف صاف بول نا۔"

"صاف بات یہ کہ پربھو! جل پنا نہیں چاہتی کہ سندر متی اسے آپ سے ملتے دیکھ لے۔"

میں ذرا سا چونکا لیکن تھوڑی سی جرأت بھی دکھائی۔ "دیکھ لے گی تو کیا ہوگا؟"

"جب ایک ناری دوسری ناری کو آپ جیسے سوشیل اور سندر مرد سے ملتے دیکھتی ہے تو شک کرنے لگتی ہے اس پر۔"

"اگر سندر متی شک کرے گی تو کیا ہوگا میں جل پنا سے پریم تو کرتا ہوں۔"

"پر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے پربھو! دو ناریوں کے دل ایک ہی مرکز پر دھڑکنے لگ جاتے

ہیں پھر ایک کی جیت دوسری کی ہار بن جاتی ہے۔"

شاید بونے منطقی نے وہ بات کہہ دی جس کا مجھے دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اس نے بات اگرچہ محتاط لفظوں میں لپیٹ کر کہی تھی مگر بجلی میرے دل پر گری اور اسے یہیں گرنا تھا کیونکہ دل کے پربت میں پریم کا مقناطیس ہوتا ہے اور ہر سندر بجلی اسی پر گرتی ہے، میں جلتا، تڑپتا کھڑا ہو گیا مگر سوچنے لگا۔ کیا شاسترو کی بات کا مطلب پوچھوں اور اسے کہوں کہ اس کتاب اسرار کو کھول دے یا معاملے پر پردہ ہی پڑا رہنے دوں؟ اس نے دو ناریوں کے دل ایک ہی مرکز پر دھڑکنے کا امکان ظاہر کیا اور اس پر "کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے" کے لفظوں کی چلمن گرا دی تھی حالانکہ میں اس چلمن کے پیچھے کھڑا دونوں ناریوں کو دیکھ رہا تھا اور ممکن ہے شاسترو بھی دیکھ رہا ہو اور من ہی من میں سوچتا ہو کہ جب میں اس کے الفاظ کا مطلب پوچھوں گا تو وہ یہی چلمن اٹھا کر مجھے سندر متی کا چہرے دکھائے گا اور کہے گا۔ "پربھو! چھپاتے کیوں ہو، آپ آج کل یہی سندر کتاب پڑھ رہے ہو۔ آدھی پڑھ چکے، آدھی باقی ہے۔" میں اس خیال ہی سے ٹوٹنے پھوٹنے لگا، اگر بونے منطقی نے مجھ پر یہ حقیقت فاش کر دی کہ جل پنا کے ساتھ میں سندر متی سے بھی پریم کر بیٹھا ہوں تو کیا جواب دوں گا، وہ ضرور اپنی منطق بگھارے گا کہ "پربھو جب آدمی دو حصوں میں بٹ جائے تو ٹوٹ جاتا ہے، دو کشتیوں میں سوار ہو تو ڈوب جاتا ہے۔" مگر میں اس کی منطق سننے پر تیار نہ تھا، اس لئے فیصلہ کیا کہ اس کی بات کا مطلب نہیں پوچھوں گا، اسے الفاظ کی چلمن اٹھانے کے لئے نہیں کہوں گا۔ اچھا ہے میرے اور اس کے درمیان پردہ پڑا رہے، چلمن گری رہے اور اپنے ٹکڑے سنبھالتا ہوا میں دری کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ حیرت پاش نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا، شاید میرا ذہن بھی پڑھ رہا تھا پھر آپ سے آپ بولا۔

"کیا ہوا پربھو! بڑے پریشان نظر آتے ہو؟"

"کیا بتاؤں شاسترو میں کسی اور کتاب میں الجھا ہوں تو کوئی اور کتاب کھول بیٹھا ہے۔ بند کر یہ عورت کی کتاب ناری شک کرنے کے لئے نہیں صرف پریم کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔"

میں نے خود کو سنبھال لیا اور شاید وہ بات بھی کہہ دی جو کہنا چاہتا تھا کہ جب ناری کی تخلیق کا مقصد ہی پریم ہے تو مرد دو ناریوں سے بھی پریم کر سکتا ہے مگر جس طرح شاسترو نے ایک مبہم بات کہی تھی اسی طرح میرا جواب اس سے زیادہ مبہم تھا پھر بھی وہ کہنے لگا۔

"یہ تو ٹھیک ہے پربھو! ناری پریم کرنے کے لئے بنائی گئی ہے مگر کسی نارد کا سندر جوبن بادل کا ایسا ٹکڑا ہوتا ہے جس میں پانی کے سنگ بجلیاں بھری رہتی ہیں۔"

میں ڈرا کہ کہیں وہ میرے دل کے پربت پر کوئی اور بجلی نہ گرا دے لیکن اس نے ناری کے صرف "سندر جوبن" کا حوالہ دیا، سندر متی کا نام نہیں لیا۔ شاید وہ بھی بات واضح کرنا نہیں چاہتا

تھا اور مجھے بھی ابھی یہ ''سرِ حسین'' کھولنا منظور نہ تھا، ہم دونوں ایک دوسرے کی گھات میں تھے اور آج خلافِ معمول میں نے اسے پہلے پڑھ لیا، اس کے ذہن میں میں اور سندر متی آمنے سامنے کھڑے تھے مگر میں اعتراف کرتا ہوں کہ شاسترو نے ہمارے درمیان الفاظ کی جو چلمن گرادی تھی وہ اٹھائی نہیں بس چلمن کے اس طرف کھڑا رہا، اچانک وہ بونا مجھے قد آور نظر آنے لگا، میں نے بھی اپنے ذہن میں بیٹھی سندر متی کے چہرے پر لفظوں کا غلاف ڈالنے کی کوشش کی اور یہ کہہ کر بات ختم کردی۔

''دیکھ شاسترو جس طرح کالے پہاڑ پر بجلیاں اس لئے ٹوٹتی ہیں کہ اس میں لوہا ہے جو آسمانی بجلیوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اسی طرح جس مرد کے دل میں پریم کا مقناطیس ہوگا، ناریاں اس پر مرتی رہیں گی مگر یہ فیصلہ کرنا مرد کا کام ہے کہ وہ کس بجلی کو کہاں گرنے دے۔''

اس نے آنکھیں پٹپٹا کر حیرت سے مجھے دیکھا۔

''ٹھیک کہتے ہو پربھو! فیصلہ تو مرد ہی کرے گا۔''

''اور جل پنا کو بول دینا کہ کل سویرے مجھے ضرور ملے کیونکہ میں کل رنگا متی جا رہا ہوں کمرے میں اس کا انتظار کروں گا۔''

یہ خبر سن کر وہ مینڈک کی طرح پھدکا اور حیرت زدہ سا بولا۔ ''رنگا متی جا رہے ہو پربھو؟''

''ہاں چاچی بیمار ہوگئی ہے۔ پر مجھے واپس آنا ہے۔''

ناگہاں مندر میں کانسی کی گھنٹیوں کا شور بلند ہوا۔ شام ہوگئی تھی اور جل پنا کے ناچ کا سمے آ گیا تھا، یہ گھنٹیاں مندر میں، میرے کانوں میں، میرے دل میں بج رہی تھیں اور ان کی آواز میں ایک نامعلوم سا خوف بھی لرز رہا تھا، شاسترو کھڑا ہوگیا۔

''آ گیا دو پربھو! مجھے جلدی جانا ہے۔''

''جلدی کا ہے کی، اکٹھے چلیں گے۔''

ابھی مندر میں جا کر گونگے بھکشوؤں کو بھیجنا ہے کہ وہ اوپر سے بوڑھے کی پالکی اتار لائیں جب تک بوڑھے کی پالکی نہیں آئے گی ناچ نہیں ہوگا۔''

یہ کہہ کر وہ پھدکتا چلا گیا اور میں سوچنے لگا کیا میں بھی تنہا مندر میں چلا جاؤں یا مجھے سندر متی کا انتظار کرنا چاہئے۔ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ گھنٹیوں کے شور میں دروازہ دھیرے سے کھلا اور سرخ ساڑھی، سرخ بلاوز پہنے سندر متی داخل ہوئی اور آتے ہی میرے سامنے ہاتھ جوڑ کے، آنکھیں بند کر کے کھڑی ہوگئی، مطلب یہ تھا میں اسے جی بھر کے دیکھوں، پیار کروں، میں نے کہا۔

''سرخ لباس میں نری بیر بہوٹی لگ رہی ہے تو۔''

اس نے مسکرا کے آنکھیں کھول دیں۔ ''آج لگن ہوا نا میرا اس لئے لال رنگ پہنا ہے۔'' اور اس لال رنگ میں اس کا حسن، اس کا بدن انار کا پھول بن گیا تھا، میں نے آگے بڑھ کر اسے پیار کیا پھر پاس ہی کھڑا ہوگیا۔ وہ بولی۔

''آیئے! باہر پتا جی انتظار کر رہے ہیں۔''

''تو نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔''

میں دروازے کی طرف لپکا، وہ میرے پیچھے تھی۔ راہداری میں آیا تو سروپ جی ایک طرف کھڑے تھے۔ ان کے پاس پیکو اور تارا کو دیکھا جس نے ہلکا سا گھونگھٹ نکال رکھا تھا۔ ساتوں گونگے بھکشو بوڑھے ساگر ساؤ جی کی پالکی لے کر راہداری کے وسطی دروازے سے نکل رہے تھے۔ پالکی اٹھانے کے لئے تو چار بھکشو ہی کافی تھے مگر عجیب بات یہ ہے وہ ساتوں ہمیشہ اکٹھے ہی رہتے اکٹھے ہی چلتے، اکٹھے ہی بیٹھتے تھے۔

ساؤ گاری میں گھنٹیوں کا شور جاری تھا۔ شام کے اندھیرے میں ہم اس کی پالکی کے پیچھے ہو لئے۔ ایک طرف میں، دوسری طرف سندر متی، بیچ میں سروپ جی اور ہمارے عقب میں تارا اور پیکو۔ اسی ترتیب سے چلتے ہم مندر میں داخل ہوئے۔

○

شاسترو مجھے بتا چکا تھا کہ سندر متی کے آنے پر ناچ منڈلی عموماً ساؤ گاری کے صحن میں جمتی ہے اور پنڈال کو گیس لیمپوں سے روشن کیا جاتا ہے مگر بارش کی وجہ سے صحن ابھی گیلا تھا، اس لئے ناچ سبھا مندر میں جمائی گئی مگر مندر میں داخل ہوتے ہی میری آنکھیں چندھیا سی گئیں، چھ گیس لیمپوں کی روشنیوں میں مندر بقعہ نور بن گیا تھا اور بھگوان شاکیہ منی کا عظیم الہیئت مجسمہ اس سیلاب نور میں نہا رہا تھا۔ اس مجسمے کی دائیں جانب ساگوان کے تختوں سے ایک لمبا چوڑا اسٹیج بنایا گیا تھا جس پر فرشی دریاں اور چاندنی بچھی تھی۔ عقب میں ایک بڑا پردہ آویزاں تھا اور بھگوان کی عظیم مورتی کے چرنوں میں پیتل کے خوشبودان تھے جن میں صندل سلگ رہا تھا اور مندر کی فضا مہک رہی تھی۔

بڑا ہی مقدس ماحول تھا اور گونا مکھیا سمیت ساؤ گاری کے سارے باسی مرد، عورتیں جن میں کچھ بچے بھی تھے، ایک طرف بیٹھے تھے۔ مندر کے پروہت، بھکشو، سادھو خادم دوسری جانب تھے۔ بوڑھے ساگر ساؤ جی کی پالکی بھگوان کے مجسمے کی بائیں جانب دیوار کے ساتھ رکھ دی گئی۔ اس پالکی کے قریب ہی میں اور سندر متی سروپ جی کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ تارا اور پیکو ہمارے پیچھے تھے ساتوں گونگے بھکشو آج بھی وہیں بیٹھے جہاں میں نے انہیں پہلے روز دیکھا تھا۔

ہمارے بیٹھتے ہی گھنٹیوں کا شور تھم گیا اور پروہت گنجال بے آواز چلتا اسٹیج پر نمودار ہوا اس

نے اعلان کیا کہ بھگوان کی نرتکی جل پنا آج یشودھرا کے برہا کا ناچ پیش کرے گی۔ یشودھرا بھگوان بدھ کی پتنی تھی جسے وہ پیار سے "گوپا" کہا کرتے تھے۔ جب بھگوان نجات اور مکتی کے لئے کپل وستو سے نکلے تو اپنی ناری یشودھرا کو راج محل میں چھوڑ گئے تھے جوان ناری برہا میں تڑپتی اور اپنے کم سن بچے سے لپٹ کر رویا کرتی تھی پھر گنجال نے سندر متی کو بلایا کہ وہ اس "برہا ناچ" کا افتتاح کرے۔

سندر متی اٹھی۔ سب سے پہلے اس نے بوڑھے ساگر ساؤ جی سے آگیا لی پھر اسٹیج پر گئی اور ساؤ گاری کے سب باسیوں کو پرنام کرنے کے بعد اس نے وہ ڈور کھینچ دی جس کے ساتھ ہی اسٹیج کا عقبی پردہ دو حصوں میں بٹ کر سمٹتا چلا گیا۔ پردہ ہٹتے ہی ڈھولک، بانکیا، پیتل کی تر ہی اور کانسی کی تھالیاں بجانے والے دکھائی دیئے جنہوں نے فوراً ہی اپنے ساز چھیڑ دیئے پھر سندر متی اسٹیج سے اتر کے اپنی جگہ پر اور پروہت گنجال میرے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اب میری ایک جانب سروپ جی تھے، دوسری طرف گنجال مگر میں ہرگز نہ دیکھ سکا کہ شنکر اچانک کہاں سے نکل کر اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اسی لمحے میں نے بونے شاسترو کو بھی اپنے عقب میں موجود پایا۔

ڈھولک، بانکیا اور کانسی کی تھالیوں نے برہا کی موسیقی چھیڑ دی پھر یک لخت کانسی کی تھالیاں زور زور سے بجنے لگیں اور ان کی لرزتی گونج میں ساؤ گاری کی نرتکی، میری واگیشوری...... جل پنا...... راج کماری یشودھر کا روپ دھارے، سر پر راج مکٹ سجائے بڑی افسردہ، بڑی پژمردہ ہولے ہولے پاؤں اٹھاتی، پیتل کے کڑے بجاتی، سازندوں کے درمیان سے گزرتی اسٹیج پر جلوہ گر ہوئی، سب سے پہلے اس نے بھگوان کے عظیم مجسمے کو پرنام کیا، پھر میری طرف دیکھا ساتھ ہی سندر متی پر نظر دوڑائی اور ناچ کا پہلا توڑا کاٹا جس میں اس نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ مگدھ دیش (بہار) کی راجدھانی کپل وستو کے راج محل میں وہ تنہا اپنے پریتم گوتم کا انتظار کر رہی ہے جو اسے چھوڑ کر گیا کے جنگلوں میں چلے گئے تھے۔

برہا کے ناچ میں نرتکی اپنے من کی بے چینی کا اظہار عموماً چہرے کی مختلف کیفیتوں یا پھر ہاتھوں کے اشاروں سے کرتی ہے مگر میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ جل پنا ہلکی سی لہر لیتی، غمگین ردم کے ساتھ پاؤں اٹھاتی، کڑے بجاتی، اس طرح ناچ رہی تھی کہ دیکھنے والوں کے دل اس کے کڑوں کی آواز کے ساتھ ہی بیٹھنے لگتے تھے۔ اس نے پانچ سات منٹ تک انتظار اور بے چینی کی کیفیت کا اظہار کچھ اس طرح کیا کہ من آپ سے آپ اداس ہونے لگا پھر بانکیا پھونکنے والے نے بڑے زور سے بانکیا بجائی یہ گویا کسی کی آمد کا اعلان تھا۔ جل پنا نے یشودھرا کے روپ میں چونک کر تر ہی کی آواز سنی اور سمجھ گئی کہ تر ہی اس کے گوتم کی آمد کا اعلان کر رہی ہے۔

اس کے بھگوان راج محل میں لوٹ آئے ہیں۔ خوشی کا یہ سندیس سن کر وہ اچھلی، لہرائی، سر سے پیروں تک بدل گئی۔ انگ انگ سے خوشیاں پھوٹنے لگیں۔ انگ انگ ناچنے، تڑپنے، پھڑکنے لگا کہ بالم آ گئے پھر ناچتے، تھرتھراتے، لہراتے ہوئے اپنی پوشاک پر نظر ڈالی۔ ساڑھی کا گھیر لہرا کر دیکھا کہ آیا اس لباس میں شاکیہ منی گوتم سدھارتھ اسے پسند کریں گے؟ "رقص کے آئینے" میں اپنے مکھڑے کا روپ دیکھا، سندر بدن کے پیچ و خم دیکھے۔ اپنی پتلی کمر کو لچکا کر، گھما کر دیکھا۔ یہی وہ خوبصورت، بے عیب کمر تھی جس کے گرد گوتم مہاراج اپنے بازوؤں کا حلقہ ڈال کر یشودھرا کو سینے سے لگا لیا کرتے تھے۔ وہ پتلی کمر آج بھی ان کے بازوؤں کی گرفت کے لئے مچل رہی تھی۔ بل کھا رہی تھی۔

جل پنا نے ان تمام مسرتوں، ساری کیفیتوں کا اظہار ناچ کے دلکش توڑوں سے کیا۔ سچ مچ وہ یشودھرا ہی لگ رہی تھی جو گوتم سدھارتھ کے لوٹ آنے پر خوشی سے دیوانی ہوئی جاتی تھی اور اپنا پریم، اپنا روپ، اپنا بدن اور بدن کی ہر دلکشی پتی دیوتا کے حوالے کر دینے کے لئے بے چین ہو رہی تھی کیونکہ عورت کی انتہا، اس کے پریم کی معراج یہی ہے کہ خود کو مکمل طور پر مرد کے سپرد کر دے، اپنا سب کچھ اس کے چرنوں میں ڈال دے۔

جب جل پنا خود کو "رقص کے آئینے" میں دیکھ کر اپنے روپ، اپنے شریر کی دل کشی پر مطمئن ہوئی تب اس نے آنکھوں کی سیاہ کوٹھریوں میں کاجل کی نئی لکیریں کھینچیں جن کا اظہار بڑے ہی نشیلے، رسیلے انداز میں کیا، پھر اپنی پشت پر لمبی چوٹی لہراتی، گھماتی (کیونکہ جل پنا کے لمبے بال اس کی پیٹھ پر گرتے تھے) دیوانہ وار رقص کرتی کچی ٹہنی کی مانند لچکتی، موج ہوا کی طرح لہر لیتی، پریم کی مستی، خود رفتگی میں گھومتی، جھومتی، پاؤں کے کڑے بجاتی، بھاگتی، دوڑتی، گھنگریاں چھنکاتی گویا راج محل کی سیڑھیاں پھلانگتی نیچے اتری اور اس کے ناچ کا یہ بھاؤ اتنا حسین اور رنگین تھا کہ شاید یشودھرا خود بھی گوتم سدھارتھ کے لوٹ آنے پر اتنے شدید جذبات کا اظہار نہ کر سکی ہو۔ سیڑھیاں اتر کر (اور سیڑھیاں اترنے کا نقشہ بھی اس نے رقص کے بڑے دلکش انداز میں پھلانگ پھلانگ کر باندھا تھا) جب وہ غلام گردش سے باہر نکلی کہ اپنے دیوتا کا سواگت کرے تو دونوں آنکھوں پر ایک ہاتھ کا سایہ ڈال کر کہ ان کے مردانہ حسن کا اچھی طرح نظارہ کر سکے، جب اس نے راج محل کے پھاٹک کی طرف دیکھا تو چونک کر، ٹھٹک کر انہی قدموں رک گئی کیونکہ جو کچھ اس نے دیکھا وہ ایک راج کماری کو پاگل کر دینے کے لئے کافی تھا۔

راج محل کے پھاٹک پر اس نے مگدھ دیش کے ہونے والے مہاراج شاکیہ منی گوتم سدھارتھ کو شاہی پوشاک کی بجائے سادھوؤں کے گیروے چولے میں دیکھا۔ سر پر راج مکٹ کی بجائے خاک میں اٹے ہوئے بالوں کے جوڑے کو دیکھا گردن میں ہیرے جواہرات سے

جگمگ جگمگ کرتے ہار کی جگہ جوگیوں کی طرح بھدے منکوں کی مالا دیکھی۔ کانوں کو جن میں سونے کی راج بالیاں جھوما کرتی تھیں، راج بالیوں سے محروم دیکھا۔ اس کومل بدن کو جسے خوشبوؤں ملے پانی سے نہلایا اور نرم کپڑے سے صاف کر کے چمکایا جاتا تھا، میلی راکھ اور بھبوت میں اٹے دیکھا وہ گورے گورے سندر پاؤں جن کے تلوؤں کے نیچے راج محل کی داسیاں اپنی نرم نرم زلفیں بچھایا کرتی تھیں، مٹی اور دھول میں بھرے دیکھے۔ ان خوبصورت ہاتھوں میں جن سے گوتم سدھارتھ دوسروں کو سونا، چاندی، ہیرے موتی بانٹا کرتے تھے، ایک کشکول گدائی دیکھا اور ساتھ ہی کمر میں فقیروں کی وہ جھولی دیکھی جس میں بھیک کی روٹیاں، بھکشا کے ٹکڑے ڈالے جاتے ہیں تو راج کماری یشو دھر کا دِل ٹوٹ کے چور چور ہو گیا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کی دھار پھوٹ نکلی، مہاراج شاکیہ منی گوتم سدھارتھ کا خاک میں اٹا ہوا جسم، جسم پر سادھوؤں کا گیراوا چولا اور ہاتھ میں کشکول گدائی دیکھ کر دوسروں کے دل پاش پاش ہو گئے، مگر یشو دھرا تو ان کی پتنی، ان کی سجنی تھی پھر اس پر جو قیامت ٹوٹی ہو گی اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

ناچ کے اس منظر کو نیچرل بنانے کے لئے مندر کے ایک بھکشو کو ہو بہو بھگوان بدھ کی طرح سادھو کے روپ میں پیش کیا گیا جو گیروا چولا پہنے، کشکول گدائی اٹھائے اس وقت اسٹیج پر نمودار ہوا تھا جب جل پنا رقص کے دائرے میں راج محل کی سیڑھیاں پھلانگ رہی تھی مگر جونہی اس نے راج کمار گوتم سدھارتھ کو ایک بھیک مانگنے والے سادھو کے روپ میں دیکھا فرطِ حیرت سے اپنے کڑے بجا کر وہیں گم صم ہو گئی تھی اور یشو دھرا کی ساری خوشیوں کو مسلنے اور جوانی کی آشاؤں کو پاؤں تلے کچلنے والی بات تو یہ تھی کہ اس کے دیوتا اپنے ہی راج محل کے پھاٹک پر کشکولِ گدائی پھیلائے بھکشا مانگنے آئے تھے۔

جل پنا نے الم ناک موسیقی کے ردم میں گوتم بدھ کو جوگی کے روپ میں دیکھ کر ان تمام کیفیات کا اظہار کیا جن کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ وہ ساکت وصامت، افسردہ و غمگین دم بخود کھڑی اور ہر کیفیت پر پاؤں کے کڑے بجا کر گویا اپنے ٹوٹے دل کے ٹکڑے بکھیر رہی تھی، وہ یہ بھید سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس کے پتی دیو نے راج پاٹ چھوڑ کر یہ روپ کیوں دھار لیا ہے؟ کیا حالت بنا لی ہے، محل کو کیوں تیاگ دیا ہے؟ اپنی یشو دھرا، اپنی گوپا کو من سے کیوں اتار دیا ہے۔ اسے بچے کیوں بھول گئے ہیں؟!۔۔۔نہیں، وہ ایسا نہیں کر سکتے، وہ انہیں ایسا نہیں کرنے دے گی اور اپنے روپ، اپنے سندر بدن، اپنے بھرے پرے جوبن کا واسطہ دے کر ان سے بنتی کرے گی کہ سادھوؤں کا گیروا چولا اتار دیں جو انہیں شوبھا نہیں دیتا۔ شاہی پوشاک زیب تن کر لیں اور اپنی جوانی کی راتیں پھر یشو دھرا کو سونپ دیں مگر جونہی وہ جوبن کی لہر میں رقص کرتی، کڑے

بجاتی، گھنگریاں چھنکاتی آگے بڑھی کہ انہیں اپنی سندر بانہوں کے حلقے میں سمیٹ لے تو شاکیہ منی بدھ روپ اور جوبن کے خطرے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ہاتھ اٹھا کر اپنی یشو دھرا کو قریب آنے سے روک دیا اور یوں آنکھیں بند کر لیں جیسے کہہ رہے ہوں۔

"بس یشو دھرا۔۔۔! اب تو کبھی مجھے چھو نہ سکے گی، میں تیری دنیا سے نکل گیا۔"

جل پنا نے اپنے دیوتا کو صورت انکار دیکھا تو ایک بار پھر ٹھٹک کر، رک کر نقش حیرت بن گئی پھر پاؤں کے کڑے زور زور سے بجا کر گویا پتی دیو کے انکار پر احتجاج کیا۔ گھوم کر، ناچ کر، لہرا کر اپنے من کی کلپنا ظاہر کی مگر گوتم بدھ پر اس کلپنا کا کوئی اثر نہ ہوا پھر نا گہاں ایک اور المناک سانحہ رونما ہوا اور ایک کمسن، نادان بالک گیروا چولا پہنے، کشکول گدائی اٹھائے اسٹیج پر آیا اور ہولے ہولے چلتا، یشو دھرا کے قریب سے گزرتا گوتم سدھارتھ کے ساتھ لگ کے کھڑا ہو گیا یہ شاکیہ منی گوتم کا اپنا بیٹا تھا، راج کماری یشو دھرا کے اپنے جگر کا ٹکڑا راہل جس نے باپ کے کہنے پر راج محل کی راحتیں تیاگ دینے کا عزم کر لیا۔ سات برس کی عمر ہی میں ماں کو چھوڑ کر سنیاس لے کر پتا کے چرنوں میں آ گیا۔ یشو دھرا نے، جل پنا نے یہ عجیب و غریب اور دل ہلا دینے والا منظر دیکھا تو سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ پتی دیو کی طرح اس کا راج دلارا بھی دنیا سے منہ موڑ کر سادھو بن گیا تھا اور یہ واقعہ اس کی آتما کو گھائل کر دینے کے لئے کافی تھا۔ اس کے بدن کا ایک ایک عضو، ایک ایک انگ لرزنے لگا۔ اگرچہ وہ ایک ہی جگہ کھڑی تھی مگر پاؤں تیزی سے ہل رہے تھے، کڑے بج رہے تھے گھنگریاں "چھم چھم" رو رہی تھیں اور پاؤں سے سر تک پورے شریر پر خوف کی کپکپی طاری تھی جیسے اس کے اندر کا غم اسے دہلائے اور لرزائے دے رہا تھا۔

گوتم بدھ نے ذرا آنکھ اٹھا کر اپنی یشو دھرا کو لرزتے، کانپتے، تڑپتے دیکھا پھر بالک راہل کو انگلی سے لگائے راج محل کے پھاٹک سے نکل گئے۔ اسٹیج سے روپوش ہو گئے اور راج کماری یشو دھرا غش کھا کر گری، چند لمحے گری رہی، ساز چیختے چلاتے رہے کہ گوتم بدھ اپنی سجنی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے اور ایسا جگر خراش تھا یہ منظر کہ مندر میں بیٹھے سب لوگوں کی آنکھیں بھیگنے لگیں، دل دھڑکنے لگے پھر باوری یشو دھرا۔۔ باوری جل پنا اسٹیج کی چاندنی سے دھیرے دھیرے اٹھی اس نے اپنے سر سے راج مکٹ اتار کر پھینک دیا، بالوں کی چوٹی کھول دی اور ایک بیراگن کی طرح اپنے پتی دیو، اپنے راج دلارے کے فراق میں تڑپنے لگی، یوں تو یہ سارا ناچ برہا کا تھا لیکن برہا کا اصل دکھ اب شروع ہوا، جب یشو دھرا یعنی جل پنا اسٹیج پر۔۔۔ دنیا میں تنہا رہ گئی تھی پھر ڈھولک کی غمزدہ تھاپ اور بانکیا کی بین کرتی موسیقی اور کانسی کی تھالیوں کی حسرت ناک تھرتھراہٹ کے درمیان وہ بھی برہا کی آگ میں جلنے، سلگنے تڑپنے لگی اور ایسا جگر گداز تھا اس برہا

ناچ کا ہر بھاؤ اور ایسی دل خراش تھی اس ناچ کی ہر گت اور ایسی لرزہ خیز تھی جل پنا کے کڑوں کی آواز کہ روح بے چین اور دل دو نیم ہوا جاتا تھا میں نے ایسا المناک ناٹک یا ''برہا ناچ'' پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا یشو دھرا کے روپ میں جل پنا جیسے میرے فراق میں تڑپ رہی ہے۔ میری جدائی کا ناچ پیش کر رہی ہے اور اس کے کڑوں کی دکھی آواز کہہ رہی تھی۔

''کیشب! مجھے ساؤ گاری میں چھوڑ کر رنگا متی کیوں جا رہے ہو؟ اگر تم نے مجھ سے منہ موڑ لیا تو میں مر جاؤں گی مجھے کبھی اپنے سے جدا نہ کرنا۔''

ہاں یہی کہہ رہی تھی اس کے کڑوں کی آواز جو میرے دل کے ہر گوشے میں گونجنے لگی تھی، میری آتما کی انجانی گہرائی میں اتری جاتی تھی، پھر ناچتے ناچتے یک لخت وہ تڑپ کر گری اور کھلے بالوں نے اس کے پورے بدن کو ڈھانپ لیا۔ ساز ایک بار پھر بین کرتے ہوئے چیخے اور خاموش ہو گئے۔ ''برہا ناچ'' ختم ہو گیا تھا۔

روشنیوں سے جگمگاتے مندر میں ایک بوجھل خاموشی سنسنانے لگی اور میں نے اس خاموشی میں اپنے قریب ہی ایک سسکی سنی۔ وہ سسکی سندر متی کے ہونٹوں سے نکلی تھی۔ پھر وہ فوراً ہی لپکتی ہوئی اسٹیج پر پہنچی۔ اپنے ہاتھوں سے جل پنا کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ اس کی خوبصورت ٹھوڑی پر بوسہ دیا۔ گردن کو چوما اور اس کے گلے میں سونے کی ایک مالا پہنا کر جس کے وسط میں بھگوان بدھ کی ایک نہایت چھوٹی سی زریں مورتی آویزاں تھی، کہنے لگی۔

جل پنا۔۔۔! تیرے برہا ناچ کا جواب نہیں۔ تو ساؤ گاری کی روشنی ہے۔ تو سدا میرے من میں رہے گی۔''

اسٹیج پر کھڑے سندر متی نے میری طرف دیکھا۔ جل پنا نے بھی دیکھا اور دھیرے سے مسکرائی پھر سندر متی اسے لے کر اسٹیج سے اتری اور بوڑھے ساگر ساؤ جی کی پالکی کے پاس لے آئی۔ بوڑھے نے جل پنا کے سر پر ہاتھ رکھ کر آشیر واد دی۔ کچھ کہا نہ جانے کیا کہا یقیناً اس کے ''برہا ناچ'' کی تعریف کی ہو گی۔ میں سروپ جی اور پروہت گنجال بھی پالکی کے پاس پہنچ گئے۔ سروپ جی نے بھی اسے آشیر واد دی اور اس سے پہلے کہ میں جل پنا کے ناچ کی تعریف میں کچھ کہتا پروہت گنجال اسے اپنے ساتھ لے کر مندر کے عقبی دروازے کی طرف ہو لیا وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چلی گئی اور میں دیکھتا ہی رہ گیا۔

اس اثناء میں ساتوں گونگے بھکشوؤں نے بوڑھے کی پالکی اٹھا لی اور ہم اسی ترتیب کے ساتھ چلنے لگے جس ترتیب کے ساتھ مندر میں داخل ہوئے تھے۔ اچانک میں نے شنکر اور شاستر کو آگے پیچھے اس دروازے کی طرف لپکتے دیکھا جدھر جل پنا اور پروہت گنجال گئے تھے۔

○

رات کے کھانے پر جل پنا ہی کا ذکر تھا۔ باپ بیٹی دونوں اس کی تعریف کرتے تھکتے نہیں تھے۔ سندر متی تو دیوانی ہوئی جاتی تھی، مجھ سے پوچھنے لگی۔

''کیوں کیشی! آپ نے دیکھا ہے کسی نرتکی کو ایسا ناچ کرتے؟''

''نہیں۔'' میں نے مزید کچھ نہیں کہا حالانکہ کہنا چاہتا تھا وہ لاجواب ہے۔ بے مثال ہے، آکاش کی زہرہ ہے مگر اس خیال سے کہیں وہ کچھ اور نہ سمجھ لے، خاموش رہا۔

سروپ جی بولے۔ ''تم ناچ کلا کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو، اگر یہ ناچ کسی بڑے شہر یا کلکتہ میں کیا جاتا تو تمہارے خیال میں لوگ کیا کہتے جل پنا کو؟''

''وہ بنگال اور آسام کی سب سے بڑی نرتکی سمجھی جاتی۔ ہندو اسے اندر دیوتا کی بیٹی جینتی کی طرح پوجتے۔''

''بالکل ٹھیک کہتے ہو کیشب!'' سروپ جی نے تائید کی اور بولے۔ ''دادا بہت خوش ہوئے ہیں، اس کا ناچ دیکھ کر مجھے حکم دیا ہے کہ کھانے کے بعد ان سے ضرور ملوں، شاید جل پنا کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔''

میں چونکا، نہ جانے بڈھا کیا کہنے والا تھا، من کو چنتا سی لگ گئی، جل پنا بڑے عجیب حالات میں یہاں آئی بلکہ ایک خاص مقصد کے تحت لائی گئی تھی اور میں ابھی تک وہ مقصد نہ جان سکا تھا۔ آج پروہت گنجال نے مجھے اس سے بات تک نہیں کرنے دی تھی، اس لئے مجھے جل پنا کے لئے چنتا ہونی چاہئے تھی۔ سروپ جی کھانے سے فارغ ہوتے ہی کھڑے ہو گئے۔

''میں دادا سے مل کر اپنے کمرے میں چلا جاؤں گا تم بھی آرام کرو، صبح تم دونوں کو سفر کرنا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئے، پیکو برتن سمیٹ رہا تھا کہ میں نے بھی سندر متی سے رخصت لی۔ وہ حیران سی ہو کر بولی۔

''ارے۔۔۔ آپ کہاں چل دیئے؟''

''اپنے کمرے میں، صبح جلدی اٹھنا ہے نا۔''

''صبح کی بات صبح دیکھی جائے گی پہلے میرے کمرے میں چلیے۔''

ابھی رات کے آٹھ بجے تھے، سوچا چلو کچھ دیر سندر متی کے کمرے میں بیٹھتا ہوں۔ نیچے جانے کی اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہو لیا۔ کھانے کے کمرے سے نکلتے ہی سندر متی نے اس کے دروازے کی چٹخنی لگائی اور درمیانی کمرے سے گزر کر مجھے اپنے بیڈ روم میں لے آئی، جونہی میں نے اندر قدم رکھا کمرے کی سج دھج دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میز پر کیروسین کا بڑا لیمپ روشن تھا۔ اس کی روشنی میں کمرہ کسی دلہن کی طرح آراستہ نظر آیا۔ پلنگ پر چھپر کھٹ ڈال کر مسہری کی شکل دے دی گئی تھی اور مسہری کے ساتھ پھولوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ مجھے

حیران سا دیکھ کر سندر متی کہنے لگی۔

میں اس کا مطلب نہیں سمجھا تو اس نے مزید وضاحت کی۔

''آج ہماری لگن رات ہے نا۔ آپ یہیں سوئیں گے۔''

مجھے چکر سا آ گیا۔ ''کیا سروپ جی جانتے ہیں کہ آج میں تیرے کمرے میں سوؤں گا۔''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کیشی؟'' وہ میرا اوورکوٹ اتارنے لگی۔

حالات کی یہ صورت میرے لئے سنسنی خیز سہی لیکن عجیب اس لئے نہیں تھی کہ لگن میری مرضی سے ہوا تھا ساگر ساؤ جی نے اشلوک بھی پڑھ دیئے تھے۔ سروپ جی نے لگن قبول کر لیا تھا، صرف اعلان نہیں ہوا تھا پھر لگن والے دن و رات کے درمیان چونکہ جل پنا کا ''برا ناچ'' حائل ہو گیا تھا، تبھی میرا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ آج ہماری لگن رات ہو سکتی ہے حالانکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت تھی اور ساگر ساؤ جی نے کہا تھا ہمارا لگن تو آکاش پر بھی ہو گیا اور میرا ذہن آکاش پر اڑنے لگا۔

میں کاؤچ پر بیٹھ گیا۔ سندر متی نے میرے بوٹوں کے تسمے کھولے، بوٹ اتارے، بھیگے تولئے سے پاؤں صاف کئے اور میں آکاش پر اڑتا رہا پھر وہ بولی۔

''اب آرام سے بیٹھیے میں تارا سے کہہ آؤں کہ نو بجے قہوہ لے کر آئے آپ کے لئے۔''

''ارے تارا کیوں۔۔۔؟''

''آج رات وہی قہوہ بنائے گی، وہی لے کر آئے گی۔'' پھر میرے کانوں میں آہستہ سے بولی میں ''آج دلہن ہوں آپ کی، پھر تارا مجھے قہوہ کیوں بنانے دے گی۔''

یہ کہہ کر وہ صحن کا دروازہ کھول کر موج ہوا کی طرح باہر نکل گئی اور میں کاؤچ پر بیٹھا لگن رات کے حسین و رنگین تصور میں کھو گیا، نہ جانے یہ سب کچھ ایک اچنبھا سا کیوں لگ رہا تھا شاید اس لئے کہ ہمارا لگن غیر متوقع طور پر اور بالکل اچانک ہوا جس کے لئے ابھی چاچی کی منظوری باقی تھی، اس کے باوجود پچھلی راتوں کی طرح آج کی رات بھی ایک حقیقت تھی اور میں اپنے آپ کو اس حقیقت کے لئے تیار کرنے لگا۔

پورب کی طرف کھلنے والے دریچے سے میں نے رتنا گری کی وادی پر محیط کالے آسمان کو دیکھا، گھنے بادل اڑ چکے مگر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ابھی تک ادھر ادھر بھاگے پھرتے تھے اور ان کے درمیان آکاش پر چمکتے تارے مجھے نئی رات، نئے جیون کا سندیس دے رہے تھے۔ جب بادل کا کوئی ٹکڑا کسی ستارے کا روپ دھار لیتا تو بے اختیار مجھے جل پنا کی یاد ستانے لگتی۔

سندر متی نے واپسی پر کافی دیر لگا دی۔ نو بجنے میں پانچ سات منٹ باقی تھے جب وہ لوٹی مگر بے حد خوش معلوم ہوتی تھی، آتے ہی کہنے لگی۔

''کیشی! میں ذرا دادا کے پاس چلی گئی تھی۔''

''کیا تو نے پوچھا کہ دادا نے جل پنا کے بارے میں کیا ہدایت کی ہے سروپ جی کو؟''

''نہیں پتا جی ان سے مل کر جا چکے تھے؟''

''مگر تو دادا کے پاس کیا لینے گئی تھی؟''

''لگن رات کی آ گیا۔''

''تو دادا نے آ گیا دے دی؟''

''ہاں۔ آپ کے لئے ایک تحفہ بھی بھیجا ہے۔''

اس نے چمڑے کی ایک چھوٹی سی ڈبیا نما تھیلی میرے ہاتھ پر رکھ دی۔ اسے کھولا تو چھ بیش قیمت ہیرے نمودار ہوئے، میں ششدر رہ گیا۔

''ارے یہ تو بڑے قیمتی ہیرے معلوم ہوتے ہیں۔''

''دادا نے کہا ہے یہ گوچی ساؤ کی آخری امانت ہے جو میں نے سنبھال رکھی تھی۔ آج یہ پوتی تیرے دلہا کو تحفے میں دیتا ہوں۔''

یہ تحفہ، یہ انعام میری بساط سے بہت بڑا تھا۔ ہیرے پچاس ساٹھ ہزار روپے سے زیادہ کے تھے اور مجھ جیسے غریب آدمی کو اس رات کے تحفے میں ملے تھے جو مجھے سندر متی کے ساتھ گزارنی تھی۔ اب میرا ذہن ابوالحسن کے خوابوں سے نکل کر الہ دین کے چراغ کا تصور کرنے لگا اور رساؤ گاری مجھے الف لیلہ ہی کی طرح پراسرار معلوم ہونے لگی۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ صحن کی طرف کھلنے والے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میں چونک اٹھا۔ سندر متی بولی۔

''تارا ہو گی۔۔۔ آ جا تارا۔!''

دروازہ کھلا اور ہلکے سے گھونگھٹ میں تارا پیتل کی طشتری میں قہوہ لے کر داخل ہوئی۔ وہ ایک جوان اور نیپالی نقش و نگار کی خوش شکل عورت تھی، اس نے پرنام کیا اور بولی۔

''سرکار! لگن کی بدھائی ہو۔''

تارا پہلی عورت تھی جس نے مجھے بدھائی دی۔ میں نے اٹھ کر اوورکوٹ کی جیب سے چاندی کے پانچ روپے نکال کر اس کے ہاتھ رکھ دیئے۔

''تارا۔۔۔! اس وقت اور تو کچھ نہیں دے سکتا، بس یہی قبول کرو۔''

تارا نے ہم دونوں کو سکھی رہنے کی دعا دی اور خوش خوش پوٹ گئی۔ سندر متی نے کہا۔

''کیشی! آپ نے بہت اچھا کیا کہ تارا کو روپے دیئے، لگن کی رات بدھائی دینے والی کو کچھ نہ دیا جائے تو بدشگونی ہوتی ہے۔''

''مگر آج رات تجھے دینے کے لئے میرے پاس کوئی تحفہ نہیں۔''

"میرا سب سے بڑا تحفہ تو آپ ہیں۔" اس نے قہوے کی پیالی میری طرف بڑھائی۔ "آپ مل گئے تو مجھے پورا سنسار مل گیا۔"

"میں تیرے لئے ہار بنواؤں گا ان ہیروں کا اور گوچی ساؤ کی امانت تیرے گلے میں ڈال دوں گا۔"

وہ میری طرف دیکھ کے مسکرائی۔ قہوہ پیتے پیتے میں نہ جانے کن خیالوں میں کھو گیا۔ اچانک ذہن پر ایک عجیب سی دھند چھانے لگی اور نظروں میں سندر متی کی صورت بھی دھندلا سی گئی، پھر یوں محسوس ہوا باہر صحن میں کوئی پیتل کے قدموں سے چل پھر رہا ہے، ہولے ہولے دروازے کی طرف بڑھ رہا ہے اور اچانک میرا ذہن بھگوان کی مورتی کی طرف منتقل ہو گیا، ساتھ ہی یہ لرزہ خیز خیال بھی آیا کہ پیتل کی وہ مورتی بوڑھے اجل بدوش دادا کے کمرے میں اوپر ہی رہتی ہے اور اس "کتیا کومبر" نما غار سے نکل کر شاید اوپر پھرتی ہوگی۔ اب میں پیتل کے گھسٹنے کی آواز اور دھات کے بدن کی تھرتھراہٹ صاف سن رہا تھا۔ میرے حواس پر عجیب سا خوف طاری ہو گیا۔ سوچا شاید وہ مورتی گوچی ساؤ کے ہیرے واپس لینے آئی ہے، میرے ہاتھ سے قہوے کی پیالی فرش پر گری اور چکنا چور ہو گئی، میں گھبرا کے کھڑا ہو گیا مگر ذہن پر دھند کچھ اور گہری ہو گئی۔ پیتل کے قدموں کی آہٹ کچھ اور قریب معلوم ہونے لگی۔

سندر متی میری حالت دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔ "کیا ہوا کیشی؟"

"وہ آ گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "صحن میں چل رہی ہے۔"

"کون آ گئی ہے، کون چل رہی ہے صحن میں؟"

"وہی ۔۔۔۔ وہی ۔۔۔۔ کیا تو اس کے قدموں کی آواز نہیں سنتی میں سن رہا ہوں۔" پھر میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "دروازہ بند کر دے، سندر متی! کہیں وہ اندر نہ آ جائے۔"

سندر متی کا دھندلا سا ہیولا میرے سامنے اٹھ کر دروازے سے باہر نکل گیا، وہ صحن میں گھوم پھر کے لوٹ آئی پھر دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔

"باہر تو کوئی بھی نہیں کیشی!"

"مگر میں اس کے قدموں کی آواز پہچانتا ہوں، میں نے وہ آواز سنی ہے۔"

"کس کے قدموں کی آواز پہچانتے ہیں آپ؟"

"مورتی کے قدموں کی آواز۔۔ وہ رات کو میرے پاس آیا کرتی ہے۔"

"مورتی۔۔۔؟" سندر متی حیران سی ہو کر کہنے لگی۔ "مگر ساؤ گاری میں تو مورتی نام کی کوئی لڑکی، کوئی عورت نہیں رہتی۔"

میں ہوش میں تھا، سب کچھ دیکھ رہا تھا، سب کچھ سن رہا تھا مگر دماغ پر دھند سی چھا رہی تھی

اور یوں لگتا تھا جیسے عین حالت بیداری میں کوئی سپنا بھی دیکھ رہا ہوں، میرے ذہن نے کچھ عجیب سی آوازیں بھی سنی تھیں اور ان آوازوں میں پیتل کے قدموں کی آواز سب سے نمایاں، سب سے صاف تھی۔ سر بھاری ہو گیا تھا۔ عجیب سی کیفیت تھی گویا جاگ بھی رہا تھا، سو بھی رہا تھا۔ سندر متی اس حالت میں مجھے پکڑ کے پلنگ پر لے گئی۔ بستر پر لٹا کر خود بھی میرے ساتھ لیٹ گئی اور سینے سے لپٹا لپٹا کر یوں پیار کرنے لگی جیسے ماں اپنے ڈرے ہوئے بچے کو پیار کرتی اور اسے تسلی دیتی ہے۔ آہستہ آہستہ میرے ذہن سے پراسرار دھند چھٹنے لگی اور میں سندر متی کے جوان بدن کی حرارت اور پیار کی لذت محسوس کرنے لگا۔ وہ دیوانہ وار مجھے چوم رہی تھی۔ میں یکلخت اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پریشان بھی تھا کہ نہ جانے وہ میری دماغی صحت کے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی اٹھ بیٹھی۔

"کیشی آپ ٹھیک تو ہیں نا؟"

"ٹھیک ہوں۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں جواب دیا۔ "بس ذرا چکر" آ گیا تھا۔

"روز قہوہ پیتے ہیں آپ۔ دماغ میں خشکی ہو گئی ہے، اس لئے چکر بھی آتے ہیں اور الٹے سیدھے خیال بھی۔"

"شاید یہی بات ہو، کل سے قہوہ نہیں پیوں گا۔"

سندر متی مسکرائی۔ "مگر وہ مورتی دیوی کون ہے جسے آپ یاد کر رہے تھے؟"

بے اختیار میری زبان سے نکلا۔ "مورتی دیوی نہیں، وہ تو بھگوان کی مورتی ہے۔"

"کیا بھگوان کی مورتی آپ کے پاس آیا کرتی ہے؟"

"ہاں، کبھی کبھی۔۔۔ میں اس کے قدموں کی چاپ سنتا ہوں۔۔ اسے دیکھتا ہوں۔"

میں نہیں جانتا جو بات میں نے شاستر و سے اس لئے چھپائی تھی کہ وہ میری دماغی صحت پر شبہ کرنے لگے گا۔ سندر متی سے کیوں کہہ دی۔ اس میں میرے ارادے کا دخل نہیں تھا۔ بس بے دھیانی میں بات منہ سے نکل گئی اور وہ مجھے حیرت پاش نظروں سے دیکھنے لگی۔ اسے حیران دیکھ کر اپنی غلطی کا احساس ہوا جو بالکل غیر ارادی طور پر سرزد ہو گئی تھی معاً خیال آیا شاید وہ مجھے ذہنی بیمار سمجھ رہی ہے۔ میں نے فوراً اپنی صفائی پیش کی۔

"تو کیوں پریشان ہوتی ہے مجھے کوئی دماغی عارضہ نہیں۔"

اس نے میری بات جیسے نہیں سنی اور بولی۔

"کیشی! اگر بھگوان کی مورتی آپ کے پاس آتی ہے تو آپ میری سوچ سے بھی اونچے آدمی ہیں، میں نے تو سنا تھا بھگوان کی مورتی صرف ایک بار بولی تھی پھر ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئی۔"

"کب بولی تھی، بھگوان کی مورتی؟"

''بہت سے پہلے کی بات ہے جب سارگلیان نے بھگوان کی مورتی کو بولتے سنا تھا۔ چلتے دیکھا تھا۔''

''ارے سارگلیان نے مورتی کو چلتے دیکھا تھا؟''

''ہاں، پتا جی نے بتایا تھا مجھے۔''

میں بری طرح چونک اٹھا۔ ذہن میں بدھ تاریخ کے اوراق پھڑ پھڑانے لگے۔ سارگلیان کا نام جگنو کی مانند جلنے بجھنے لگا مگر یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں نے کوئی ایسا واقعہ پڑھا ہے۔ اس کے باوجود سندر متی کی بات سن کر ذہنی تسکین محسوس ہوئی، جیسے کوئی سہارا مل گیا ہو۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''کتنی عجیب بات ہے، صدیاں بیت جانے کے بعد اب بھگوان کی مورتی آپ کے پاس آئی ہے۔ آپ اس کے قدموں کی چاپ سنتے ہیں۔ شاید وہ کچھ کہنے کے لئے آئی ہے اور اگر مورتی بولی تو سارگلیان کے بعد آپ دوسرے آدمی ہوں گے جو اس کی آواز سنیں گے۔''

اب حیران ہونے کی باری میری تھی اور میں سوچ رہا تھا بھلا سارگلیان اور مجھ میں کونسی بات مشترک ہے؟ اچانک سندر متی نے مجھے چونکا دیا۔

''کیشی! آپ سچ مچ بھگوان ہیں۔''

''ہر آدمی بھگوان نہیں ہوتا سندر متی!''

''مگر ہر آدمی میں بھگوان کا روپ ضرور ہوتا ہے اور آپ میں وہ روپ ہے۔''

وہ بالکل میرے ساتھ لگ گئی۔ ''کتنی بھاگوان ہوں میں کہ آپ کی ناری بنی اور کتنی سندر ہے یہ رات کہ آپ میرے کمرے میں، میرے بستر پر ہیں۔''

یک لخت یوں لگا جیسے ہم سارگلیان کے صدیوں پرانے دور سے نکل کر پھر ساؤ گاری میں لوٹ آئے ہیں اور میں تھارو کیشپ ہوں۔ ایک مرد۔ اور وہ سندر متی ہے ایک ناری اور آج ہماری لگن رات ہے۔ جبھی ہم دونوں ایک کمرے میں، ایک بستر پر ہیں۔ یہ عجیب سا احساس تھا میں تکیے پر سر رکھ کے لیٹ گیا۔

سندر متی! کل تو نے کہا تھا میری ہر بات ماننا تیرا دھرم ہے۔''

''ہاں، جو کچھ آپ کہیں گے، وہی کروں گی، بولیے کیا چاہتے ہیں؟''

''میں آج رات تجھ سے ناری کا حق نہیں مانگتا۔''

بات چھوٹی تھی، اسے بڑی معلوم ہوئی، چہرے کا رنگ یک لخت بدل گیا۔ گھبرا کے بولی

''کیا میں آپ کو اچھی نہیں لگی؟''

''یہ بات نہیں۔'' میرے ذہن میں ابھی تک جل پنا کا آنچل اڑ رہا تھا مگر میں نے چاچی کے دامن کا سہارا لیا۔'' میں چاہتا ہوں پہلے چاچی تجھے اپنی بہو سویکار کرے پھر میں تجھ سے

ناری کا تو مجھ سے پتی کا حق مانگے۔''

''کیا آپ کو ڈر ہے چاچی مجھے اپنی بہو نہیں مانے گی؟''

''کیوں نہیں مانے گی، تو میری سندر متی ہے۔''

''تو پہلے خود مجھے سویکار کیجئے۔ اپنی ناری بنائیے۔''

''تو اپنی آتما، اپنے شریر کے ساتھ میری ہو چکی چاچی کی آ گیا چاہتا ہوں، اسی میں میری خوشی ہے اور شاید سروپ جی بھی یہی چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے کیشی! آپ کو صرف وچن دینا ہوگا مجھے چھوڑیں گے نہیں۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''بھگوان کے نام پر وچن دیتا ہوں نہ تجھے چھوڑوں گا نہ تجھ سے منہ موڑوں گا کیونکہ تو میری ناری ہے، میری سرسوتی ہے۔''

یہ الفاظ اس کے چہرے پر ایک نیا رنگ لے آئے اور وہ مطمئن نظر آنے لگی۔ عجیب بات تھی کہ اس نے اپنے دادا سے، اپنے باپ سے میری پتنی بننے کا ادھیکار لے لیا تھا مگر ہمارے ''ملاپ'' کے بغیر لگن رات بیت گئی۔ سویرے میں نے سندر متی سے پوچھا۔

''لگن رات بیت گئی سندر متی! تو مجھ سے خفا تو نہیں؟''

''نہیں کیشی! آپ کی خوشی میں میری خوشی ہے۔''

''تو پھر میں نیچے جا کر اپنا سامان سمیٹ لوں آج ہمیں نو بجے ساؤ گاری سے روانہ ہونا ہے تا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں اتنی دیر میں ناشتہ بنواتی ہوں۔''

میں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ کر بھرپور پیار کیا پھر کمرے سے نکلا۔

○

میرا سامان ہی کیا تھا جسے سمیٹنے میں وقت لگتا، یہ تو نیچے آنے کا بہانہ تھا اور جلدی اس لئے کی تھی شاید جل پنا سویرے ہی ملنے آ جائے اس کا سواگت کرنے کے لئے مجھے اپنے کمرے میں موجود ہونا چاہئے تا کہ کہیں اسے یہ معلوم نہ ہو جائے رات میں اوپر سویا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر ہاتھ منہ دھویا، چیزیں سمیٹیں اور اٹیچی کیس بند کر کے جل پنا کا انتظار کرنے لگا، جب آدھ گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی وہ نہیں آئی تو میری بے چینی بڑھنے لگی۔ اسی پریشانی میں چوبی زینہ اتر کر کمرہ نشست میں آ گیا اور چلتے پھرتے دل کو سمجھانے لگا کہ وہ آئے گی، کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا، میں سمجھا جل پنا آ گئی مگر آنے والا شاسترو تھا۔ میں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

''جل پنا کیوں نہیں آئی شاسترو! میں کب سے اس کی راہ دیکھ رہا ہوں، ملنے بھی آئے گی یا نہیں؟''

"کیوں نہیں آئے گی پربھو! آپ کے سوا ساؤ گاری میں اس کا اور کون ہے۔"

"مگر کب آئے گی، سمے گزرتا جا رہا ہے۔"

"اتنے بے چین کیوں ہوتے ہو۔ وہ آپ سے ملنے کے لئے آ رہی ہے، پر اس کے آنے سے پہلے میری ایک بات سن لو۔"

"بول تو کیا کہتا ہے؟"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "پربھو! اسی طرح ہاتھ جوڑ کے اپنی چاچی کو میرا پرنام کہنا اور بولنا کہ جل پنا کو اپنی بہو سویکار کر لے۔" بونے شاسترو کے یہ الفاظ میرے دل میں بھالے کی طرح گڑ گئے۔ "اور جب ساؤ گاری میں آنا تو جل پنا سے بیاہ کی آگیا لے کے آنا۔ بس مجھے یہی کہنا تھا، اب میں جا کر جل پنا کو بھیجتا ہوں کیونکہ وہ باہر کھڑی میری واپسی کا انتظار کر رہی ہے۔"

یہ اطلاع دے کر وہ پلٹا اور دروازے سے نکل گیا تو دوسرے لمحے جل پنا اپنے کڑوں کی گھنگھریاں چھنکاتی داخل ہوئی، اس کے لمبے بال پیٹھ پر گر رہے تھے۔

چند لمحے ہم بے خودی کی سی حالت میں کھڑے رہے پھر کرسیوں پر بیٹھ گئے، وہ مجھ سے مل کر خوش ہوئی مگر اس خوشی میں اداسی کا رنگ بھی تھا۔ بیٹھتے ہی بولی۔

"بنگال جا رہے ہو؟"

"ہاں جا تو رہا ہوں۔"

"مجھے چھوڑ کر؟"

"مگر اپنی جل پنا کے لئے واپس آؤں گا۔"

اس نے ایک پل خاموش رہنے اور کچھ سوچنے کے بعد پوچھا۔

"سندر متی بھی تمہارے ساتھ جائے گی؟"

اس کے لہجے میں وہی اضطراب، وہی شک تھا جو ہر لڑکی، ہر عورت کے لہجے میں ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے پریتم کا کسی دوسری ناری سے میل جول پسند نہیں کرتی۔ یہاں تو دوسری ناری میری قسمت کا ستارہ بن چکی تھی، پھر بھی میں نے جل پنا کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"صرف باٹی پارہ تک میرا اس کا ساتھ رہے گا پھر پیگو مجھے ریل میں سوار کرا دے گا۔"

"واپس کب آؤ گے؟"

"بیمار چاچی کو دیکھنے جا رہا ہوں، وہ اچھی ہوئی تو واپسی میں دیر نہیں ہوگی۔" مگر دل کے کسی گوشے میں یہ وسوسہ بھی رینگ رہا تھا کہ اگر چاچی نے واپس نہ آنے دیا تو کیا ہوگا۔ وہ اداس لہجے میں کہنے لگی۔

"نہ جانے کیا بات ہے جب سے تمہارے بنگال جانے کی خبر سنی ہے، مجھے برے برے خیال آنے لگے ہیں۔ رات میں نے سپنا بھی اچھا نہیں دیکھا۔"

"تو بھگوان کی نرتکی سپنے بھی دیکھنے لگی ہے۔"

"میرا سپنا صرف تم ہو کیشپ! ڈرتی ہوں کہیں یہ سپنا ٹوٹ نہ جائے۔"

"میں سپنا نہیں حقیقت ہوں اور حقیقت ٹوٹتی نہیں۔"

"پھر بھی یوں لگتا ہے کوئی تمہیں مجھ سے چھین رہا ہے۔"

"ایسی کوئی طاقت نہیں جل پنا۔۔! جو ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر سکے۔"

"ایک طاقت ہے کیشپ! جسے لوگ قسمت کہتے ہیں جو مجھے حکامتی سے مانڈلے لے سے ساؤ گاری میں لے آئی۔"

"اسی قسمت نے تو ہمیں ملایا ہے۔"

ہمارا ملاپ یقیناً قسمت ہی کا ایک کھیل تھا مگر جل پنا کو وہم سا ہو گیا تھا کہ قسمت اکثر اسے فریب دے کر آگے نکل جاتی ہے۔ اس نے اسی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے لینے آؤ گے نا؟"

"ارے۔۔۔ کیوں نہیں آؤں گا۔"

"ضرور آنا کیشپ! ضرور آنا، ضرور آنا نہیں تو میں مر جاؤں گی۔"

اس نے تین بار آنے کی تاکید کی۔ یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے اور وہ اختیار مجھ سے لپٹ گئی، میں نے بھی تین بار اسے تسلی دی۔

"ضرور آؤں گا۔ ضرور آؤں گا۔ ضرور آؤں گا۔"

اسی لمحے شاسترو اندر آیا۔ شاید وہ راہداری میں کھڑا نگرانی کر رہا تھا کہ کوئی ہماری ملاقات میں مخل نہ ہو سکے۔ اسے دیکھ کر جل پنا خود ہی مجھ سے الگ ہو گئی اور وہ بتانے لگا۔

"پیگو آپ کو ناشتے کے لئے بلانے آیا تھا پربھو۔! پر میں نے یہ کہہ کر اسے اوپر بھیج دیا کہ آپ کو ناشتے کا بول دیتا ہوں۔"

"ٹھیک کہا تو نے۔" پھر میں جل پنا سے مخاطب ہوا۔ "اب میں رخصت چاہتا ہوں، ناشتے میں دیر ہو رہی ہے۔"

اس نے بڑی عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔

"کیا ناشتہ آج کل اوپر کرتے ہو؟"

"ہاں۔ سروپ جی نے کہا تھا، میرا نیچے بھوجن کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

وہ ایک پل کھڑی مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"اچھا کیشپ! میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

میں نے اسے الوداعی بوسہ دیا اور وہ مجھے پیاسی نظروں سے دیکھتی کمرے سے نکل گئی۔ اوپر آیا تو سندر متی اور سروپ جی کھانے کی میز پر میرا انتظار کر رہے تھے۔ ہم ناشتے سے جلدی فارغ ہو گئے، پھر سروپ جی مجھے ساتھ لے کر نیچے اترے اور گوچی ساؤ کی مورتی کے پاس رک کر انہوں نے ایک لفافہ میری طرف بڑھا دیا۔

"اس میں تمہارے خرچے کے لئے کچھ روپے ہیں۔"

"مگر روپوں کی کیا ضرورت ہے؟"

"ٹھارو کیشپ! روپیہ انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور ایک بات یاد رکھو اب تم میرے ملازم نہیں بیٹے ہو۔"

میں نے لفافہ پکڑ کر جیب میں ڈال لیا۔ اتنی دیر میں سندر متی اور پیگو بھی آ گئے اور ہم سب ساؤ گاری کے پھاٹک پر پہنچے۔ شاسترو میرا اٹیچی کیس اٹھا لایا تھا۔ سائیس گھوڑے لئے تیار کھڑے تھے۔ سروپ جی نے مجھے اور سندر متی کو الوداع کہا اور ہمیں آشیر واد دے کر لوٹ گئے ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر جنوبی راستے پر ہو لئے جو رپا کو جاتا تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد میں نے پلٹ کر دیکھا تو ساؤ گاری کے پھاٹک پر جل پنا نظر آئی، اس کے ساتھ بونا شاسترو بھی کھڑا تھا۔ دونوں ہمیں جاتے دیکھ رہے تھے مگر جونہی میری نظر پڑی، جل پنا نے گردن کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور اندر بھاگ گئی، شاید اس نے مجھے اور سندر متی کو ساتھ ساتھ جاتے دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور اب میں سمجھ گیا اسے میرے سفر کے بارے میں برے برے خیال کیوں آنے لگے تھے۔ اس کی رقیب سندر متی جو میرے ساتھ سفر کر رہی تھی مگر سندر متی کے ساتھ میرا یہ سفر قسمت کی کتاب میں پہلے ہی سے لکھا جا چکا تھا۔

○○○

(11)

زُلفِ بنگال

جل پنا کو ساؤ گاری میں چھوڑ کر میں سندر متی کے ساتھ رپا کی طرف جا رہا تھا اور نہیں جانتا تھا ہم دونوں کو اکٹھے سفر کرتے دیکھ کر اس کے ذہن میں کیسے کیسے خیال، کیسے کیسے سوال ابھرے ہوں گے۔

سندر متی جوان لمبی، سرو قد اور سندر ہونے کے ساتھ ساتھ پڑھی لکھی بھی تھی۔ اس میں دل موہ لینے والے انداز اور گھائل کر دینے والی باتوں کے علاوہ وہ ساری خوبیاں موجود تھیں جو مرد کو دیوانہ کر سکتی ہیں، کوئی بھی ہم سفر اس کی آنکھوں کی جھیلوں میں ڈوب سکتا تھا، اس کی گفتگو بھی عام لڑکیوں سے مختلف تھی، کبھی کبھی تو مرد کے سامنے اس شوخی اور بے باکی سے بات کر جاتی کہ لہو گرم ہو جاتا تھا۔

غالباً جل پنا نے یہ سب کچھ سوچا ہو گا اور اس کے من میں خطرے کی ہزاروں گھنٹیاں ایک ساتھ بج اٹھی ہوں گی۔ دل پہ قیامت سی بیت گئی ہو گی، جبھی تو مجھے اس کے ساتھ سفر کرتے اور ہم دونوں کے گھوڑوں کو پہلو بہ پہلو چلتے دیکھ کر اس نے اپنی گردن کو ایک جھٹکا دیا اور آنکھوں میں پانی لئے ساؤ گاری کے پھاٹک میں بھاگ گئی تھی۔

اسے یوں بھاگتے اور تڑپتے دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے میں بھی بے چین ہو گیا اور دل میں درد کی ایک لہر گزرنے لگی، مگر سندر متی کے ساتھ سفر تو میری قسمت میں لکھ دیا گیا تھا اور کوئی طاقت اس سفر کو روک نہیں سکتی تھی کیونکہ قسمت کے لکھے انمٹ ہوتے ہیں۔ جل پنا نے مجھے صرف اس کے ساتھ سفر کرتے دیکھا اور اس کی کوئی آشا کانچ کی چوڑی کی طرف ٹوٹ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں جو اسے پریم کا قول دے چکا۔ بانہوں میں لے کر پیار کر چکا، اسے چھوڑ کر کسی دوسری لڑکی کا پتی بن جاؤں گا مگر حالات نے اچانک اور آناً فاناً جو صورت اختیار کر لی اس کے اس نئے نقشے کو بدلنا شاید میرے بس میں نہیں تھا۔ سندر متی تو حالات کے سمندر سے کسی جل پری کی طرح ابھری اور مجھے اپنے ساتھ لے کر بے قرار موجوں کی تہہ میں اتر گئی۔ اب میں سندر متی سے دامن چھڑا سکتا تھا نہ جل پنا کو چھوڑ سکتا تھا۔

چلتے چلتے میں نے سوچا۔ وہ ساؤ گاری کی طویل غلام گردش میں بھاگتی، ٹوٹتی پھوٹتی سیدھی اپنے کمرے میں گئی اور وہاں جا کر بکھر گئی ہو گی۔ اس کی آنکھوں سے چھم چھم پانی برس رہا ہو گا۔

ضرور شاسترو بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے کمرے میں گیا ہوگا اور چونکہ وہ میری مجبوریوں کو سمجھتا ہے، اس لئے ضرور جل پنا کو تسلی دے رہا ہوگا کہ کیشپ بابو تمہیں چھوڑ کے نہیں جاسکتے، پھر آئیں گے۔ اس نے کہا ہوگا۔ ''وہ تمہارے ہیں، تمہارے ہی رہیں گے، میں نے انہیں بول دیا ہے کہ چاچی سے آ گیا لے کر آئیں اور جل پنا کو دلہن بنا کر لے جائیں۔ دیکھ لینا وہ ضرور آئیں گے۔''

کیا شاسترو کے یہ الفاظ اس کے گھائل دل کا مرہم بن سکیں گے؟ اس کی آنکھیں جو کچھ دیکھ چکی ہیں، اس کی تردید تو شاید شاسترو بھی نہ کر سکے گا وہ جانتا ہے کہ سندر متی بھوجن کے لئے مجھے اوپر بلاتی اور دروازے کی چوکھٹ سے لگی میرا انتظار کیا کرتی تھی۔ جوں جوں میں جل پنا کے بارے میں سوچتا تھا میری الجھن بڑھتی جاتی تھی، انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک سندر متی کی آواز نے مجھے چونکا دیا، سر اٹھا کے دیکھا تو ہم ساؤ گاری کو بہت پیچھے چھوڑ آئے اور اس کالے پہاڑ کے قریب سے گزر رہے تھے جس پر بجلیاں گرتی تھیں۔ سندر متی غالباً میری مسلسل خاموشی سے اکتا گئی اور بات چیت کے لئے بے چین ہو رہی تھی، کہنے لگی۔

''کیشی! ساؤ گاری میں کچھ رہ تو نہیں گیا آپ کا؟ کن سوچوں میں ڈوب گئے؟''

''کچھ یادیں چھوڑ آیا ہوں پیچھے، وہ لمحے، وہ دن جو ساؤ گاری میں گزرے۔''

''آپ تو گزرے دنوں کا یوں ذکر کر رہے ہیں جیسے کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے یہاں۔''

''اب تو میری چتا بھی یہیں جلے گی۔''

''مگر جب میں آپ کے ساتھ ہوں تو سب کچھ بھول کر صرف میرے بارے میں سوچا کریں۔''

وہ اپنا گھوڑا میرے گھوڑے کے قریب لے آئی۔ راستے کے نشیبی حصوں اور آس پاس کے گڑھوں میں پانی بھر گیا تھا، پیگو اپنا گھوڑا لئے بہت آگے آگے راستے کی نشاندہی کرتا جا رہا تھا۔ ہمارے دونوں سائیس بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، شاید پیگو ہی نے انہیں اپنے ساتھ آنے کی ہدایت کی تھی تاکہ ہم سفر کے دوران اطمینان سے باتیں کر سکیں، وہ جانتا تھا کہ سندر متی مجھ سے بے پناہ پیار کرتی ہے اور باتوں سے ٹلنے والی نہیں، سامنے کے پہاڑوں کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''ذرا دیکھیں نہ پہاڑ برکھا میں دھل کر کتنے صاف ہو گئے ہیں۔''

''ہاں...... تیری طرح ان کا روپ بھی نکھر گیا ہے۔''

میری طرف جھکتی ہوئی پوچھنے لگی۔ ''ان پہاڑوں پر آنے سے پہلے کبھی سوچا تھا کہ میں آپ کو مل جاؤں گی۔؟''

اس نے سفر کو دلچسپ بنانے کے لئے ایک خوبصورت بات چھیڑ دی۔ سوچا چلو جل پنا کے

خیال سے چھٹکارا مل جائے گا جو بار بار ذہن کو کچوکے دے رہا تھا۔ ویسے بھی وہ پیچھے رہ گئی اور سندر متی میرے ساتھ تھی اور مجھے اسی کے بارے میں سوچنا تھا، میں نے مسکرا کے جواب دیا۔

''اگر پتہ ہوتا تو مل جائے گی تو ذرا تیاری کر کے آتا۔''

''آپ سنیں گے تو حیران ہوں گے، جب پتا جی شیلانگ کی بودھ کانفرنس میں آپ سے مل کر بانی پارہ آئے۔ انہوں نے آپ کی بہت تعریف کی اور بتایا کہ میں نے تھارو کیشپ کو ایک خاص کام کے لئے اپنا سیکرٹری بنا لیا ہے۔ پتا جی نے ایک تصویر بھی دکھائی تھی آپ کی اور سچی بات یہ ہے میں نے اسی سمے اپنے من میں کچھ سوچ لیا تھا اور جیسا سوچا تھا، آپ بالکل ویسے ہی نکلے۔''

''یعنی بدھو۔۔۔؟''

''ارے نہیں، بالکل دیوتا سمان، مجھ جیسی لڑکی کسی مرد کو یونہی پسند نہیں کر سکتی، آپ ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ایک ہیں۔ بڑے سوشیل، بڑے جوان، بڑے گنی، بڑے مہان۔۔۔''

''اچھا، مجھ میں اتنی خوبیاں ہیں؟''

''ان سے کہیں زیادہ۔۔۔ میں بڑی بھاگیہ شالی ہوں کہ آپ جیسا پتی ملا۔''

غالباً وہ چاہتی تھی میں بھی اس کی تعریف کروں۔ یہ بات مجھے ساؤ گاری ہی میں معلوم ہو گئی تھی کہ سب عورتوں کی طرح وہ بھی اپنی تعریف سن کر خوش ہوتی بلکہ مرد کی زبان سے عورت کی تعریف ضروری سمجھتی اور اس بات پر وشواس رکھتی تھی کہ جب نر اپنی ناری کی تعریف کرتا ہے تو اس کے حسن میں مزید دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے نزدیک تعریف عورت کی غذا ہے جس طرح ہاتھ پھیرنے سے گھوڑے کا جسم اور دودھ پینے سے مرد کا بدن بڑھتا ہے اسی طرح تعریف سن کر ناری کے من کو تسکین ملتی ہے اس کے اندر کی عورت سنورتی ہے اور باہر کی عورت کو سنوارتی ہے، میں نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھا اور کہا۔

''میں نے بھی تجھے یونہی پسند نہیں کر لیا۔''

''کیا دیکھا آپ نے مجھ میں؟''

''تو ایک سندر ناری ہے جو سر سے پاؤں تک پریم ہی پریم ہے، تیرا حسن اس پھول کی مانند ہے جو اپنی خوشبو باہر بکھیرتا اور اپنے اندر زیادہ چھپائے رکھتا ہے۔ تیرا جسم لالہ صحرا کی طرح اچھوتا ہے۔ تیری آنکھوں میں پیار کا ساگر اور تیرے ہونٹوں میں عورت کی پوری مٹھاس ہے۔''

سندر متی کے عارضوں پر گلاب سے کھل گئے۔ ''کیشی! آپ میری تعریف کے لئے کتنے خوبصورت لفظ استعمال کرتے ہیں، آپ کے لفظوں سے مجھے شکتی ملتی ہے۔''

اور اسے یہ تعریف واقعی بڑی راس آئی تھی کیونکہ تین چار دن کے اندر ہی اندر اس کے رنگ

روپ پر ایک نئی بہار، ایک نئی رت آ گئی تھی اور وہ پہلے سے زیادہ سندر ہو گئی یا پھر مجھے نظر آنے لگی تھی۔ اس نے مستی بھری آنکھوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

''آپ میری تعریف کرتے رہا کریں۔''

''تجھے دیکھ کر تو آپ سے آپ تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے کیونکہ تیرا روپ ایلورا کا روپ اور تیرا بدن جنتا کا بدن ہے۔''

ایلورا اور اجنتا کے غاروں میں دیویوں کے خوبصورت جسموں کے تصور سے اس کی گردن راج ہنس کی طرح تن گئی۔

''کیشی! کبھی کبھی میں سوچتی تھی کہ اجنتا اور ایلورا کی دیویوں کے بدن میرے بدن سے زیادہ دلکش نہیں ہو سکتے۔''

''ہاں تیرے بدن کا ہر انگ دیویوں کے بدن سے زیادہ دل کش ہے۔''

اس نے اپنے جسم میں ایک دیوی کی شان اور اٹھان پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

''میرا کون سا انگ سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے آپ کو؟''

''تیرے سبھی انگ اچھے ہیں۔''

''پھر بھی کوئی خاص انگ زیادہ اچھا لگتا ہوگا۔''

''کیا کرے گی پوچھ کے؟''

''اسے اور نکھار دوں گی اور سندر بنا دوں گی۔ شاید آپ تعریف کو میری خودستائی سمجھیں گے مگر اس سے میری ذات کی تکمیل ہوتی ہے اور میرے اندر فرض کا احساس جاگتا رہتا ہے کہ میں صرف آپ کی ہوں۔''

سندر متی نے اپنی تعریف کی خواہش کا جو فلسفہ پیش کیا جو منطق بیان کی اس نے مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دی، وہ اپنے سندر بدن کا شعور بھی رکھتی اور اس کی غایت سے بھی پوری طرح آگاہ تھی اور اسی خود آگہی نے اس میں دیوی کا سا تقدس پیدا کر دیا تھا۔ میں نے اس جذبے کو پسند کیا اور کہا۔

''سندر متی! تو سچ مچ ایک سندر مورتی ہے۔''

اس نے اپنے شریر کا جائزہ لیا پھر میری طرف دیکھ کے مسکرانے لگی اور ایسی دلفریب مگر پاکیزہ تھی وہ مسکراہٹ جس پر سینکڑوں دیویوں کا تقدس قربان کیا جا سکتا تھا۔

باتوں ہی باتوں میں یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ کب ہم موڑ عبور کر کے اور درے سے گزر کر اس پل پر آ گئے جو گہری اور چوڑی دراڑ پر لکڑیوں کے تختے جوڑ کے بنایا گیا تھا۔ اب دن کی روشنی میں دیکھا تو یہ قدرتی دراڑ میلوں لمبی تھی جس نے گھاٹی کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ چوبی پل

عموماً پیدل ہی پار کیا جاتا تھا، اس لئے میں گھوڑے سے اتر کر ہولناک، گہری، چوڑی اور طویل دراڑ کو دیکھنے لگا کہ ناگہاں سندر متی کی آواز سنائی دی۔

''ارے ادھر کیا دیکھ رہے ہیں مجھے اتاریے نا۔''

پیگو اور دونوں سائیس چوبی پل کے کنارے کھڑے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ میں سہارا دے کر سندر متی کو گھوڑے سے اتارنے لگا تو میرے کان میں بولی۔

''گود میں لے کر اتارنا۔''

''پیگو اور سائیس کیا کہیں گے؟'' میں نے بھی سرگوشی کی۔

''پیگو تو سب کچھ جانتا ہے، سائیس بھی جان لیں گے کہ آپ کی کیا لگتی ہوں۔''

''ڈھنڈورا پٹوائے گی؟''

''شہنائی نہیں بجی تو کیا ہوا، لگن ہو چکا ہے، پتنی کی طرح اتار لیے نا مجھے۔''

میں نے اسے گود میں لے کر اتارا، بالکل پھولوں جیسی ہلکی پھلکی اور نازک تھی۔ اب پیگو آگے آگے، ہم دونوں بے خوفی سے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اس کے پیچھے پیچھے اور دونوں سائیس ہمارے گھوڑوں کی لگامیں پکڑے ہمارے عقب میں تھے، اسی طرح پل عبور کیا۔ دوسرے کنارے دوبارہ میرا ہی سہارا لے کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور سفر پھر شروع ہو گیا۔ میں نے کہا۔

''میرا خیال تھا تیرا صحت مند جسم کافی بھاری ہوگا۔''

''پھر کیسا لگا؟''

''پھولوں کی گٹھڑی کی طرح ہلکا۔''

باتوں کا سلسلہ پھر چل پڑا۔ میں نے جی بھر کے اس کی تعریف کی اور اس کے گالوں کا رنگ سرخ ہوتا رہا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے اس ندی کنارے پڑاؤ ہوا جو رتنا گری اور ریا کے درمیان واقع ہے آدھا فاصلہ ادھر آدھا ادھر اور بیچ میں پانی کی یہ لکیر، یہاں ایک بار پھر پھولوں کی گٹھڑی کو گود میں لینے کا موقع مل گیا۔ سندر متی نے یا تو پیگو اور سائیسوں کی موجودگی کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا یا پھر ان کے سامنے اظہار تعلق کر کے اسے شاید ذہنی سکون ملتا تھا۔ کھانے کے دوران بھی اس کا دھیان مجھ پر لگا رہا۔ سب کے سامنے مجھے اپنے ہاتھ سے کھلاتی اور خود بھی ساتھ ساتھ کھاتی رہی۔ میں پہلے بھی بتا آیا ہوں کہ جن عورتوں کے پیار میں ممتا کا جذبہ ہوتا ہے وہ اپنے مردوں سے بھی بچوں کی طرح پیار کرتی ہیں۔ سندر متی میں یہ جذبہ کچھ زیادہ تھا جبھی دوسروں کی موجودگی کو بھی نظر انداز کر دیتی۔ وہ پیار کے اظہار کو ایک فطری عمل سمجھتی تھی۔

یہ عجیب سی بات ہے کہ ننگے، اجاڑ پہاڑوں کا سلسلہ جو رتنا گری کی طرف سفر کرتے ہوئے

مجھے بھیانک اور وحشت انگیز لگا واپسی پر خوبصورت دکھائی دے رہا تھا، شاید اس لئے کہ شریک سفر سندر متی تھی۔ چراغ روشن ہو گئے تھے جب ہم رپا کی بدھ سرائے میں پہنچ گئے اور سرائے کے نیپالی مالک نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ تو بعد میں پتہ چلا کہ بودھ سرائے کے اصل مالک سروپ جی ہیں۔ نیپالی منتظم تو صرف دکھاوے کا "مالک" ہے۔ ساؤ گاری اور مہذب دنیا کے درمیان ڈاک کا سلسلہ اسی کے ذریعے قائم تھا۔

○

سرائے کے نیپالی منتظم نے پیگو کی ہدایت پر میری اور سندر متی کی رہائش کا انتظام ایک ایسے کمرے میں کر دیا جو سب کمروں سے الگ تھلگ اور کافی کھلا تھا یہاں دو پلنگ ساتھ ساتھ بچھے تھے اور جس طرح ناری نر کی پسلیوں سے نکالی گئی اسی طرح وہ پلنگ بھی پسلیوں کی مانند باہم جڑے ہوئے تھے۔ دو تین کرسیاں اور ایک میز بھی تھی، ہم دونوں نے اسی کمرے میں کھانا کھایا۔ نوکر کھانے کے برتن اٹھانے آیا قہوہ رکھ گیا سندر متی نے اسے ہدایت کی۔

"اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں۔ قہوے کے برتن سویرے لے جانا۔"

یہ کہہ کر اٹھی اور کمرے کی چٹخنی چڑھا دی پھر بڑی بے تکلفی سے میرے پہلو میں بیٹھ کر قہوہ پیالیوں میں انڈیلنے لگی۔ میں نے توجہ دلائی۔

"قہوہ پینا چھوڑ چکا ہوں۔"

"یہ ساؤ گاری نہیں کیشی! رپا ہے۔ قہوہ پینے سے سفر کی تھکاوٹ اتر جائے گی۔"

"سفر کی تھکاوٹ تو نہانے سے اتر چکی ہے۔"

میں ڈرتا تھا کہیں قہوہ پی لینے سے میری دماغی حالت بگڑ نہ جائے مگر سندر متی نے دوسری پیالی میں قہوہ نہیں ڈالا، کہنے لگی۔ "ہم دونوں ایک ہی پیالی میں پئیں گے باری باری" پھر وہ ایک گھونٹ مجھے پلاتی اور دوسرا گھونٹ خود پیتی، گرم گرم قہوہ پیتے ہوئے اس کے ہونٹ کچھ اور سرخ ہو گئے میں نے کہا۔

"سندر متی! ہم راستے میں تھے جب سورج ڈوب گیا تھا۔"

"ارے آپ کس خیال میں ہیں اب تو رات ہے۔"

"مگر تمہارے ہونٹوں پر ابھی تک شفق کی لالی ہے۔"

وہ جھوم اٹھی۔ "میرے ہونٹوں کی سرخی کے لئے آپ نے کتنے خوبصورت لفظ چنے ہیں۔" پھر چند لمحوں بعد اپنے مخصوص انداز میں آنکھیں بند کر کے ہاتھ جوڑ کے سرو قد کھڑی ہو گئی اس نے وہی دھانی ساڑھی اور چولی پہن رکھی تھی جو اس کے بدن پر خوب کھلتی تھی، کہنے لگی۔

"کیشی! کیسی لگتی ہوں؟"

"بالکل دیوی سمان۔"

"دیوی کس لئے ہوتی ہے؟"

"پوجا کے لئے۔"

"دیوی کی پوجا کریں گے آپ؟"

"پوجا ہی تو کر رہا ہوں، تجھے دیکھنا میری پوجا ہے۔"

"یوں نہیں..... جیسے میں کہوں گی ویسے پوجا کرنا ہو گی۔"

"مجھے منظور ہے۔"

وہ آنکھیں بند کئے دیوی کی شان سے بولی۔ "پہلے میرے چرنوں میں بیٹھ جائیے۔"

اور میں سچ مچ اس کے چرنوں میں بیٹھ گیا۔

"اب میرے چرنوں کو ہاتھ لگا کر سوگند کھائیے کہ دیوی جو حکم دے گی اسے پورا کریں گے۔"

"میں تیرے سندر روپ کی سوگند کھاتا ہوں دیوی! تو جو حکم دے گی مانوں گا۔"

وہ کچھ سوچنے لگی شاید حکم دینے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کر رہی تھی میں نے اس کے چرنوں کو دبایا۔

"بول دیوی! کیا حکم ہے تیرا؟"

اچانک وہ پریشان نظر آنے لگی۔ "میرے چرن چھوڑ دیجئے۔"

میں نے اس کے چرن چھوڑ دیئے۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں، اپنا روپ اچانک بدل لیا اور مجھے اپنے ہاتھوں سے اٹھاتی ہوئی بولی۔

"سب کچھ غلط ہو گیا۔"

"کیا غلط ہو گیا؟"

"سوگند کھا کر آپ ہار گئے، میں جیت گئی اور یہی بات غلط ہوئی، کیونکہ ہارنا مجھے اور جیتنا آپ کو چاہیے۔" پھر پریشان سی ہو کر کہنے لگی۔ "مجھے شما کر دیجئے۔"

"اس میں پریشان ہونے کی کونسی بات ہے؟ جیون میں ہار جیت تو ہوتی ہی رہتی ہے پھر تیری جیت بھی تو میری جیت ہے۔"

"نہیں۔۔۔ آج میری جیت آپ کی ہار بن جانے والی تھی۔"

"وہ کیسے؟"

"دیوی کے روپ میں جو حکم میں دینے والی تھی وہ مجھے نہیں دینا چاہئے۔"

"کیا حکم دینے والی تھی؟"

"اب نہ پوچھئے۔"

"کچھ بتانا تاکہ میں تیری پریشانی دور کرسکوں، کیا حکم دینا چاہتی تھی مجھے؟"

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا پھر بتانے لگی۔

"معاف کرنا کیشی! ریا میں آکر میرے من میں ایک طوفان سا پیدا ہوا یوں سمجھ لیں ندیاں کی باڑھ چڑھ گئی اور میں اس باڑھ کے دھارے میں بہتی آپ کو حکم دینے والی تھی کہ آپ آج رات مجھے اپنی سرسوتی بنالیں اور اس سے پہلے کہ آپ رنگا متی چلے جائیں مجھے سویکار کرلیں۔ دادا اور پتا جی کے سامنے ہمارا لگن ہو چکا ہے، آپ مجھے اپنی ناری، میں آپ کو اپنا پتی مان چکی ہوں اور ریا کی سرائے میں بھی ہم دونوں پتی پتنی بن کر ٹھہرے ہیں جبھی میرے من میں ملاپ کی خواہش پیدا ہوئی اور میں نے دیوی کا روپ دھار کے آپ سے سوگند لی کہ آپ میرا کہا پورا کریں گے مگر فوراً خیال آیا آپ مجھ سے وعدہ لے چکے ہیں کہ چاچی کی آگیا سے پہلے میں آپ سے پتی کا حق نہیں مانگوں گی اس خیال کے آتے ہی میں نے دیوی کا روپ ترک کردیا اور آپ کو وہ حکم نہ دے سکی جو دینا چاہتی تھی۔

یہ کہہ کر وہ یک لخت میرے چرنوں میں بیٹھ گئی اور پاؤں چومنے لگی، میں نے بانہوں سے پکڑ کے اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اور وہ بھیگی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"مجھ سے بڑی بھول ہوئی کیشی! میں نے دیوی بن کر آپ کو اپنے چرن چھونے کا حکم دیا۔ چرن تو مجھے چھونے چاہئیں آپ کے۔"

"ارے پتی ہونے کے ناتے تیرے چرن چھو لئے تو کیا ہوگیا؟"

"مگر یوں لگتا ہے جیسے مجھ سے کوئی پاپ ہوگیا ہے، میں کوئی گناہ کر بیٹھی ہوں۔"

"کیسا پاپ؟ کونسا گناہ؟"

"آپ کو دیا ہوا قول بھول کر من میں جو زبردست باڑھ اٹھی، وہی میرا پاپ ہے۔"

"پر تو نے اپنا قول توڑا نہیں۔"

"قول ہی توڑنے جارہی تھی، یہی میرا گناہ ہے۔" اور آنسو اس کی پلکوں سے ڈھلک گئے۔

"اری رونے کیوں لگی؟" واقعی میں پریشان ہوگیا تھا، اس نے میرے کندھے پر سر رکھ دیا اور سسک سسک کر رونے لگی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ وہ پگھلی جارہی تھی، اندر سے ٹوٹ پھوٹ رہی تھی، جیسے کوئی بھونچال آگیا تھا۔ میں نے سینے سے لگا کر پیار کیا کہ وہ رونا بند کردے لیکن یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ اس کا جسم ٹھنڈا ہورہا تھا اور وہ راحت بخش گرمی جو مجھے پاگل کردیا کرتی تھی اب اس میں نہیں تھی، جیسے وہ کسی کنوئیں میں ڈوبتی جارہی تھی۔ میں نے اسے بستر پر بٹھایا اور پوچھا۔

"کیا چاہتی ہے تو۔۔۔ بول نا۔"

سسکتی ہوئی کہنے لگی۔ "ساؤ گاری میں، میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا تھا، کیا بھول گئے؟ چاہتی ہوں کہ اپنے گربھ میں آپ کا بچہ پالوں اور اسے جنم دوں۔" یہ کہہ کر وہ ساڑھی کے آنچل سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی۔

ماں بننے کی خواہش ہر عورت میں ہوتی ہے مگر سندرمتی میں یہ خواہش عام عورتوں سے کہیں زیادہ بلکہ بے پناہ تھی، کبھی کبھی تو میرے ساتھ بھی ایسا برتاؤ کرتی جیسے بچے کو اپنے سینے سے لپٹا رہی ہو، میں نے اسے تسلی دی۔

"گھبرا نہیں سندرمتی! تیری کامنا ضرور پوری ہوگی۔ میں تیرے بچوں کا باپ ضرور بنوں گا خواہ چاچی مانے یا نہ مانے۔"

ان الفاظ نے جادو کا سا اثر دکھایا۔ اس کے چہرے کی رنگت یک لخت بدل گئی، پھر میری طرف دیکھ کر بھاری آواز میں پوچھا۔

"سچ کہتے ہیں آپ؟"

"ہاں سچ کہتا ہوں۔"

اس نے پیار سے اپنا سر میرے شانے سے لگا دیا، اب جو میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا تو اس کا شریر پہلے کی طرح پھر گرم ہوگیا تھا اور خوبصورت آنکھوں میں مستی کے ڈورے ابھر آئے تھے میں نے اسے پیار کیا تو شرما کے بولی۔

"نہ جانے آپ کیا سوچتے ہوں گے مگر میں صرف آپ کے بچوں کی ماں بننا چاہتی ہوں۔"

"یہ تو دنیا کی مقدس ترین خواہش ہے۔ ایشور نے ناری کو اسی لئے جنم دیا ہے کہ وہ ماں بنے۔"

وہ کھڑکی سے نظر آنے والے چاند کو دیکھنے لگی جس کی چاندنی ریا کی چوبی عمارتوں، درختوں اور پہاڑوں پر کھیت کر رہی تھی اور سندرمتی کے چہرے پر نہیں، شاید اس کے من میں بھی اترتی جارہی تھی جہاں سندر کامناؤں اور موہنی آشاؤں کا ایک گھنا جنگل آباد تھا۔ یہ جنگل ہر ناری کے من میں پھیلا رہتا اور چاندنی راتوں میں اس کی اپنی خوشبو سے مہکتا ہے۔ اچانک میں نے سندرمتی کے جسم سے ایک مہک سی پھوٹتی ہوئی محسوس کی اور ایسی پاگل کردینے والی تھی وہ مہک جیسی چاندنی رات میں کسی جوان ہرن کی ناف سے پھوٹتی اور پورے جنگل کو مہکا دیتی ہے۔ ایسی عجیب سی مہک اس کے جسم سے پہلے کبھی نہیں پھوٹی تھی۔ ساتھ ہی اس کی آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہوگئے، جیسے ان میں کئی بوتل شراب کا نشہ گھول دیا گیا ہو۔ اس نے اپنی کٹورا سی آنکھیں ذرا اوپر اٹھائیں اور پوچھا۔

"کیشی کوئی خاص بات محسوس ہوئی آپ کو؟"

"ہاں۔۔۔ تیرے جسم کی مہک محسوس کی ہے۔ یہ مہک میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا اور

جب لوٹوں گا تیرا سندر سپنا پورا ہوگا۔"

اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ "میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

اور رپا کی بودھ سرائے میں وہ چاندنی رات بھی "پیار کے نروان" میں گزر گئی۔



دوسرے دن ہم سویرے ہی ناشتے سے فارغ ہو کر سفر کے لئے تیار تھے۔ سائیس رپا ہی میں چھوڑ دیئے۔ میں سندر متی اور پیگو چھوٹی لاری میں بیٹھ کر باٹی پارہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ سندر متی میرے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھی کبھی کبھی آنکھ اٹھا کر دیکھتی تو میرے من کے جنگل میں بھی اس کے جسم کی خوشبو پھیلنے لگتی تھی۔ اونچے نیچے ہرے بھرے پربتوں کے وہی نظارے تھے اور ربڑ کے جنگلوں میں محنت کش مردوں اور عورتوں کے جوڑے پہلے کی طرح جیون کی مشقت سے دو چار تھے، جوں جوں لاری بلندیوں سے اترتی گئی۔ میرے دل میں سندر متی سے جدا ہونے کا احساس تڑپنے لگا کیونکہ باٹی پارہ قریب آرہا تھا اور اس سے بچھڑنے کی گھڑی بھی۔

باٹی پارہ کے قریب پہنچ کے لاری کچھ دیر کے لئے رک گئی۔ سڑک پر ایک اور لاری کھڑی تھی۔ کوئی جوان آدمی اس کی جھپٹ میں آکر ہلاک ہوگیا تھا اور اس کی نوبیاہتا دلہن اپنے پتی کی لاش پر چیخ چیخ کے رو رہی تھی۔ لوگ اس کے ارد گرد جمع تھے اور پولیس ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ مسافر الگ پریشان تھے کیونکہ ڈرائیور اور کلینر دونوں ہی فرار ہو چکے تھے۔ بڑا جگر خراش حادثہ تھا۔ بیوہ ہونے والی دلہن کی چیخیں سنی نہ جاتی تھیں۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو کانپ کے رہ گیا۔ سندر متی نے بھی مضبوطی سے میرا بازو پکڑ لیا۔ ہماری لاری کے ڈرائیور نے ہارن دے دے کر لوگوں کو سڑک سے ہٹایا اور ایک جانب سے لاری نکال کر لے گیا۔

باٹی پارہ میں لاری میں سے اترے تو دوپہر ہوگئی تھی۔ اب گوہاٹی کے لئے گاڑی شام ہی کو مل سکتی تھی جہاں سے میں چٹاگانگ جانے والی ٹرین پکڑ سکتا تھا۔ شام تک مجھے باٹی پارہ میں قیام کرنا تھا۔ سندر متی نے اس قیام کے لئے اپنی آبائی حویلی میں بندوبست کیا۔ پیگو کے پیچھے پیچھے ہم حویلی میں پہنچے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تین صدیاں پرانی حویلی اپنی قدیم شان و شوکت کے ساتھ کھڑی تھی۔ ایک بوڑھے آسامی قبائلی نے جو حویلی کی چوکیداری کرتا تھا، ہمارا سواگت کیا۔

سندر متی نے بتایا کہ اس کے دادا منگل ساؤ نے حویلی کی مرمت کرائی اور ایک کمرہ گرا کر دوبارہ تعمیر کروایا تھا، لیکن حویلی کا قدیم آسامی طرز تعمیر جوں کا توں رہا۔ ڈیوڑھی گزرتے ہی صحن میں ایک بارہ دری نما اسٹوپا نظر آیا جس کی بودھ طرز کی چھت کے نیچے ساؤ خاندان کے بانی گوچی ساؤ کا ویسا ہی مجسمہ دکھائی دیا جیسا ساؤ گاری میں دیکھ چکا تھا۔

"ارے۔۔۔" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔ "گوچی ساؤ کی مورتی یہاں بھی ہے۔"

"یہاں تو ہونی چاہئے تھی۔" سندر متی بتانے لگی۔ "اسی حویلی میں ہونیوالے حادثے کے باعث اس نے بدھ دھرم قبول کیا تھا۔"

اور اچانک میرے تصور میں تین صدیاں پہلے کا وہ واقعہ گھوم گیا جب گوچی ساؤ نے ایک کنواری کنیا کی عزت لوٹنے کی کوشش کی اور اس عزت کو بچاتے بچاتے پہلے لڑکی کا باپ مرا پھر لڑکی خود کٹاری گھونپ کے مرگئی تھی مگر مرنے سے پہلے اس نے گوچی ساؤ کو شراپ دیا تھا کہ اس کی آتما ہمیشہ اس کا پیچھا کرتی رہے گی اور وہ جیون بھر دکھ بھوگتا رہے گا۔

سندر متی کی زبانی معلوم ہوا کہ جب اس کے پتا سروپ ساؤ جی باٹی پارہ آتے یا کسی دوسرے شہر جاتے ہیں تو اپنے سفر کے دوران رنتا گری سے آتے یا رنتا گری کی طرف جاتے، اسی حویلی میں ٹھہرتے ہیں، وہ خود بھی ہر اتوار کو ہوسٹل چھوڑ کے حویلی میں آجاتی اور چھٹی کی رات یہاں گزار کے ہوسٹل واپس چلی جاتی ہے۔ سروپ جی کے پتا منگل ساؤ جی کی آخری عمر تو اسی حویلی میں گزری بلکہ اس کی ارتھی بھی ساؤ گاری کی بجائے باٹی پارہ کے شمشان میں جلی تھی۔

آسامی چوکیدار اور اس کی بیوی حویلی کو صاف ستھرا رکھتے تھے۔ سندر متی مجھے اس وسیع کمرے میں لے آئی جو اس نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ یہاں آرائش کی ہر شے موجود تھی۔ پلنگ، کاؤچ کرسیاں، میز پردے، گلدان حتیٰ کہ خوبصورت قالین بھی۔ اس کمرے سے ساؤ خاندان کی امارت کا پتہ چلتا تھا۔ پیگو دوپہر کا کھانا کمرے ہی میں لے آیا اور جب میں کھانے سے فارغ ہوا تو سندر متی کہنے لگی۔

"کیشی! آپ کو رات کا سفر کرنا ہے، بہتر ہے تھوڑی سی نیند لے لیں۔"

میں اسی کے پلنگ پر لیٹ گیا، تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ٹرین میں بیٹھا سفر کر رہا ہوں اور رات کے اندھیرے میں گاڑی بھاگی جا رہی ہے، لیکن گوہاٹی کے قریب دریائے برہم پتر کا پل عبور کرتے ہوئے ریلوے ٹرین کو حادثہ پیش آجاتا ہے اور گاڑی کا صرف وہ ڈبہ جس میں میں سوار ہوں ٹرین سے کٹ کے دریا میں گر جاتا ہے، مجھے دوسرے مسافر تو کہیں نظر نہیں آتے لیکن میری لاش برہم پتر میں تیرتی ہوئی مل جاتی ہے اور جب اسے نکال کے ساحل پر لایا جاتا ہے تو سندر متی بال کھولے میری لاش پر گر جاتی ہے اور بین کرنے لگتی ہے۔ بڑی جگر خراش ہیں، اس کی چیخیں اور وہ دکھ بھری آواز میں فریاد کرتی ہے۔ "کیشی۔۔۔! میں آپ کے بچے کی ماں نہ بن سکی اچانک آنکھ کھلتی ہے تو کیا دیکھتا ہوں کہ حویلی میں ایک پرتکلف پلنگ پر لیٹا ہوں اور سندر متی میرے سرہانے کھڑی کندھا جھنجھوڑ رہی ہے۔

"اٹھیے کیشی! ٹرین کا وقت ہوا چاہتا ہے۔"

دیوار سے آویزاں کلاک پر نظر پڑی تو گاڑی جانے میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا تھا، میں ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا اور اس عجیب وغریب سپنے پر جو تین دن کے سمے دیکھا اور جیون میں پہلی بار دن میں سپنا دیکھا تھا۔

سندر متی میرے لئے چائے تیار کرانے باہر نکل گئی اور میں پلنگ پر بیٹھا سوچنے لگا شاید دن کا یہ بھیانک سپنا اس ذہنی پریشانی کی چھایا ہے جو لاری کا ایکسیڈنٹ دیکھ کر ہوئی تھی۔ اس حادثے میں ایک جوان مرد مر گیا اور نو بیاہتا دلہن بیوہ ہوگئی جو اس کی لاش پر چیخ چیخ کر رو رہی تھی، میں نے اپنی لاش کی صورت میں اسی نوجوان کی لاش اور سندر متی کے روپ میں اسی نو بیاہتا ابھاگن کی مصیبت دیکھی ہے پھر اس خواب کو بھول جانے کی کوشش کی مگر فوراً میرے اندر تھارو کیشپ بول اٹھا۔

"ارے کہیں اس دھوکے میں نہ رہنا کہ برہم پتر کے پل پر ریلوے ٹرین کو حادثہ پیش نہیں آ سکتا اور تم رنگا متی پہنچ جاؤ گے۔ تھارو کیشپ! زندگی اتفاقات اور حادثات کا نام ہے۔ اگر اتفاق سے چالیس پچاس روپے کی بجائے دو سو روپے ماہوار کی نوکری حاصل کر چکے ہو اور سندر متی کے ساتھ تمہارا لگن ہوگیا ہے تو اب کوئی حادثہ تمہاری خوشیوں کو برباد بھی کر سکتا ہے۔ مت بھولو کہ جیون کی ڈور موت کے ہاتھ میں ہوتی ہے اگر آج تم گاڑی پر سوار ہوئے تو ہو سکتا ہے یہ سفر تمہارے جیون کا آخری سفر بن جائے اور تم سچ مچ برہم پتر میں ڈوب جاؤ۔ ذرا سوچو تمہارے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر بے چاری سندر متی پر کیا بیت جائے گی جو تمہارے ملاپ کے حسین سپنے دیکھتی اور اپنی کوکھ سے تمہارے بچے کو جنم دینے کی شدید خواہش رکھتی ہے تم نے اس کے جسم کی مہک تو اپنے دامن میں باندھ لی ہے مگر اسے کیا دے کر جا رہے ہو؟"

غور کیا تو میرے اندر کا تھارو کیشپ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کیونکہ کوئی بھی وشواس کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ ایک دن ایک گھنٹے کے بعد کیا ہوگا بلکہ سانس کا رشتہ تو پل دو پل کے اندر ٹوٹ جاتا ہے۔ میرے ذہن میں سندر متی کے بارے میں بڑے بڑے عجیب خیال گزرنے لگے اور اسی لمحے وہ لوٹ آئی۔

"ارے آپ ابھی تک بستر پر بیٹھے ہیں۔ ادھر گاڑی کا سمے ہو رہا ہے اٹھ کر نہا لیجئے نا۔"

"سویرے نہا لوں گا۔"

"سویرے کیوں؟"

"آج سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے، کل جاؤں گا۔"

"آج کیوں نہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک رات اس حویلی میں تیرے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

یک لخت سندر متی کے گال سرخ ہوگئے، چہرے پر خوشیوں کا اجالا پھیل گیا اور آنکھوں میں وہی مستی عود کر آئی جو رپا کی بودھ سرائے میں اس کی آنکھوں سے جھانکتی رہی تھی، اپنی آواز میں عورت کی پوری مٹھاس پیدا کر کے کہنے لگی۔

"کیشی آپ نے میری مرضی مان لی تو میں پیگو سے کہہ دوں کہ اسٹیشن جانے کی ضرورت نہیں صاحب کل جائیں گے؟"

"ہاں کہہ دو۔"

اور اب جو مڑی تو اس کی چال میں بھی ایک مستی تھی۔ اس کا انگ انگ گویا ناچنے، گانے لگا، پھر وہ دروازے پر اچانک رکی، پلٹی اور چہرے پر نئی بہار اور آنکھوں میں مستی کا نیا خمار لئے اٹھلاتی ہوئی میرے پاس آئی اور قریب بیٹھ کر پوچھا۔

"میں یہ پوچھنا تو بھول ہی گئی تھی کہ اچانک آپ کو سفر ملتوی کرنے کا خیال کیوں آ گیا۔"

"آج جب سویا تو ایک عجیب سپنا دیکھا۔" پھر میں نے اسے اپنا سپنا سنایا تو وہ دم بخود رہ گئی۔ میں نے کہا "یہ سپنا دیکھ لینے کے بعد میں تجھے نراش چھوڑ کے جانا نہیں چاہتا۔ سندر متی! جیون کا کیا بھروسا، اگر سفر میں سچ مچ کوئی حادثہ پیش آیا تو کیا شانتی کے ساتھ مر سکوں گا؟"

وہ خوفزدہ سی ہوگئی اور سسکتی ہوئی بولی۔

"میں تو کچھ دن بچھڑ جانے کے خیال سے تڑپ رہی تھی اور آپ جیون بھر کے لئے ساتھ چھوڑنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔"

"دنیا میں انہونی ہو جاتی ہے سندر متی! اس لئے چاہتا ہوں کہ تیری کامنا پوری ہو جائے۔"

اس نے تڑپ کے پہلو بدلا۔ "کیشی مجھے وہ بچہ نہیں چاہئے جو آپ سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دے۔ میں آپ کو چاہتی ہوں بھگوان سے آپ کی واپسی کی پرارتھنا کروں گی، اپنا سفر ملتوی نہ کریں اور آج ہی ٹرین میں سوار ہو جائیں۔ چاچی کی آگیا کے بغیر ہم لگن رات نہیں منائیں گے۔"

یہ سندر متی کا آخری فیصلہ تھا۔ میں نے دیکھا وہ پسینے میں بھیگ رہی تھی اور اس کا جسم ایک بار پھر ٹھنڈا ہو رہا تھا، شاید اسے اپنا سپنا سنا کر بھول کی تھی، میں نے خود کو دوبارہ سفر پر آمادہ کر لیا۔

"اچھا سندر متی! میری واپسی کے لئے پرارتھنا کرنا۔"

چائے پینے کے بعد جب میں رخصت ہونے لگا تو چرنوں میں بیٹھ کر اس نے میرے پاؤں چومے اور پاؤں چوم کر اٹھی تو بولی۔

"کیشی! گاڑی کے آخری ڈبے میں سوار نہ ہونا کسی بیچ کے ڈبے میں بیٹھنا۔" مگر جب پیگو کے ہمراہ ریلوے اسٹیشن پہنچا تو گاڑی چل پڑی تھی اور میں بھاگ کر آخری ڈبے ہی میں سوار ہو سکا۔

○

گاڑی باٹی پارہ کو چھوڑتی آگے بڑھ رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا جب سندر متی کو پگلی کی زبانی معلوم ہوگا کہ میں گاڑی کے آخری ڈبے میں بیٹھا ہوں اس کا کلیجہ دھک سے رہ جائے گا اور برے برے وچار اسے پریشان کر دیں گے۔ خود میرا دل بھی اس خیال سے بری طرح دھڑک رہا تھا کہ جس بات سے سندر متی نے منع کیا تھا، وہی ہوگئی اور ریلوے ٹرینوں کے اگلے یا پچھلے ڈبے ہی عام طور سے حادثوں کا شکار ہوتے ہیں۔

دریائے برہم پتر گوہاٹی کے درمیان سے گزرتا ہے آدھا شہر اس کنارے آدھا اس کنارے۔ جب گاڑی برہم پتر کا پل پار کرنے لگی اس ڈر سے کہ نہ جانے اب کیا ہو، میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے مگر کچھ بھی نہ ہوا اور گاڑی کسی حادثے کے بغیر دریا پار کر گئی۔ معلوم ہوا کہ میں نے باٹی پارہ کی حویلی میں دن کو جو سپنا دیکھا تھا وہ دراصل ایک خواب پریشاں تھا۔

گوہاٹی سے چٹا گانگ کے لئے گاڑی بدلنا پڑتی ہے۔ سفر رات بھر جاری رہا۔ دوسرے دن میں چٹا گانگ ریلوے اسٹیشن پر اترا تو جسم تھکاوٹ سے اور رات بھر جاگنے سے بھاری ہو رہا تھا۔

رنگا متی چٹا گانگ سے شمال مشرق کی جانب 31-32 میل کے فاصلے پر دریائے کرنافلی کے کنارے واقع ہے۔ ہاٹ بارا سے جو چٹا گانگ سے اتر کی سمت آٹھ میل دور ہے، ایک پرانی سڑک بھی رنگا متی جاتی ہے مگر چٹا گانگ سے کرنافلی میں دریائی لانچ چلتی اور چھ سات گھنٹے میں وہاں پہنچا دیتی ہے۔ میں لانچ میں بیٹھ گیا، اب اپنے دیس اور اپنی دھرتی میں تھا اور لانچ جس میں رنگا متی اور چکمہ قبائل کے دیہات کی طرف سفر کرنے والے لوگ بھرے پڑے تھے، کرنافلی کی لہروں کو چیرتی بہاؤ کی مخالف سمت بڑھ رہی تھی تو مجھے باٹی پارہ کا سفر اور رپا سے ادھر ویران پہاڑوں میں ساؤ گاری کی بوڑھی عمارت کے واقعات پر طلسمی سپنوں کا سا گمان ہو رہا تھا جیسے میں کوئی عجیب وغریب خواب دیکھتا رہا ہوں۔ الف لیلہ کے ابوالحسن کی طرح سوتے جاگتے کا خواب مگر ساؤ گاری میں بھگوان کی سندر رنگی جل پنا سے ملنا کوئی سپنا نہ تھا۔ سندر متی سے لگن اور باٹی پارہ تک سفر کوئی خواب نہ تھا وہ تو باٹی پارہ تک پربتوں کی کسی اپسرا کی طرح میرا من بہلاتی آئی تھی اور اس نے میرے پاؤں چوم کر مجھے اپنے پرکھوں کی حویلی سے رخصت کیا تھا۔

اچانک میں ان سوچوں سے نکل آیا، رنگا متی قریب آ رہا تھا اور کرنافلی کے دونوں ساحلوں پر جانور چلتے پھرتے دکھائی دے رہے تھے۔ رنگا متی سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہری بھری پہاڑی وادیوں اور گھاٹیوں میں چکمہ اور دوسرے بدھ قبائل بانس کے جھونپڑوں میں رہتے ہیں جن سے پہاڑیوں پر دور دور تک چھوٹے بڑے گاؤں پھیلتے چلے گئے ہیں۔ اس پورے علاقے میں عموماً بانس زمین میں گاڑ کے کھپریل کے گھر بنائے جاتے ہیں۔ بودھ قبائل صدیوں سے

اسی طرح زندگی گزارتے آ رہے ہیں۔ رنگا متی میں اگرچہ مسلمان، ہندو، بدھ سبھی رہتے ہیں مگر آس پاس بدھ قبائل کی آبادی زیادہ ہے، اس لئے یہاں کے سماج پر انہی کا رنگ چھایا ہوا ہے۔

یہ بھی بتاتا چلوں کہ رنگا متی ایک چھوٹا شہر ہے جسے کرنافلی پر دریائی بندرگاہ ہونے کی وجہ سے اہمیت حاصل ہے ورنہ اسے بڑا قصبہ سمجھنا چاہئے جہاں چھوٹی چھوٹی جھیلوں اور ندیوں کے کنارے ننگ دھڑنگ لڑکے لڑکیاں نہاتے اور کھیلتے نظر آئیں گے۔ غریبی عام ہے، لوگوں کو نہ کھانے کے لئے اچھا ملتا ہے نہ پہننے کے لئے۔ قبائلی مرد اور شہر کے غریب آدمی اگر کمر کے گرد ایک کپڑا لپیٹ لیتے ہیں تو عورتوں کا پہناوا بھی صرف ایک دھوتی ہے اس علاقے میں کوئی آدمی ایک دھوتی کے پہناوے پر حیران نہیں ہوتا۔ اسی لباس میں عورتیں بانس کی لدی پھندی ٹوکریاں بھاری گٹھڑیاں سروں پر اٹھائے اور بدن پر دھوتی لپیٹے، شہر، میدان اور پہاڑی گھاٹیوں پر یکساں روانی کے ساتھ چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔

چکمہ قبائل کے لوگ کیا مرد، کیا عورتیں دوسرے قبیلوں کی نسبت کچھ دبلے پتلے، ذرا گورے اور خوبصورت ہوتے ہیں جبکہ اس علاقے میں بسنے والے لوگوں کی رنگت عام طور پر سیاہی مائل ہے، رنگا متی میں رہنے والی چکمہ لڑکیاں شہری عورتوں کی طرح شلوکا اور دھوتی پہنتی اور بالوں کے جوڑے بناتی ہیں شہر میں بانس اور کھپریل کے جھونپڑے بھی ہیں اور پکے مکانات، دکانیں بازار بھی۔ سب مذہبوں کے لوگ مل جل کر رہتے اور اپنی اپنی رسمیں مناتے ہیں، لیکن غربت اور لڑکیوں کی کثرت سب میں مشترک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوان لڑکیوں کے رشتے ڈھونڈنے میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض مسلمان اپنی شرع کے مطابق تین تین چار چار بیویاں کر لیتے ہیں مگر بدھوں اور ہندوؤں میں دوسری بیوی کا رواج نہیں۔

لانچ جب رنگا متی کی بندرگاہ پر لگی اور میں نیچے اترا تو نہ جانے کہاں سے نکل کر ایک دبلے پتلے لڑکے نے میرا اٹیچی کیس پکڑ لیا اور ساتھ ساتھ چل پڑا۔

"ارے رجو! تو کہاں؟"

"بس بابو جی! کوئی پیسہ ٹکا کمانے آیا تھا آپ کو دیکھا تو ادھر بھاگا۔"

"صوفی عبدالجبار کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں، مزے میں ہیں۔"

لڑکے کا اصل نام رمضان تھا مگر لوگ "رجو" ہی کہتے۔ صوفی عبدالجبار کا بیٹا تھا۔ رنگا متی میں مسلمان صوفیوں کا بڑا چرچا تھا۔ اکثر مچھیرے اور سپیرے صوفیوں کی عجیب وغریب طلسمی کہانیاں بھی سنایا کرتے تھے۔ صوفی عبدالجبار ہمارے پڑوس ہی میں رہتے اور بیک وقت تین بیویوں کے شوہر تھے۔ رجو دوسری بیوی سے تھا۔ چلتے چلتے میں نے پوچھا۔

"ارے رجو کبھی ہمارے گھر کی طرف بھی گیا ہے۔ چاچی کا کیا حال ہے؟"

"اب تو ٹھیک ہے بابو جی! پر پچھلے دنوں چاچی کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔"

"کیا بخار وخار آ گیا تھا۔؟"

"بخار بھی تھا اور کمزوری بھی، ابا ایک دو بار گئے اور دوا دی تھی، اب اچھی ہوگئی ہے۔" پھر اچانک اس نے انکشاف کیا۔ "کئی دن سے آپ کے رشتے دار بھی آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے چاچی کی بڑی خدمت کی ہے۔"

میں رشتے داروں کا ذکر سن کر حیران رہ گیا جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ہمارا کوئی رشتے دار نہیں، اگر تھا تو میں اسے نہیں جانتا کیونکہ میرے چاچا چکرورتی سنہائے کے سورگ باش ہو جانے کے بعد میں اور چاچی بے سہارا رہ گئے تھے اور کوئی ہمیں پوچھنے نہیں آیا۔ اصل میں چاچا کا جھاؤ کچھ ایسا تھا کہ لوگوں سے بہت کم ملتے۔ انہیں لکھنے پڑھنے سے فرصت ہی نہ ہوتی اور ایک طرح سے تنہائی کا جیون گزارتے تھے۔ آخری دنوں میں شاید کوئی کتاب لکھ رہے تھے جس کے لئے ریاست منی پور کے علاوہ ڈھاکہ اور کلکتہ بھی گئے مگر کتاب پوری کیے بغیر ہی دنیا سے چل بسے۔ میرے ماں باپ کے سوا جو میرے بچپن ہی میں پرلوک سدھار گئے، چاچا کا کوئی نہیں تھا، نہ انہیں کسی سے دلچسپی تھی، سوچا ہو سکتا ہے چاچی کا کوئی دور کا رشتہ دار آ گیا ہو مگر میں نے رجو سے کچھ کہنا سننا مناسب نہیں سمجھا۔ گھر تو جا ہی رہا تھا، رشتے ناتے کا پتہ بھی چل جائے گا۔

رجو میرا اٹیچی کیس دروازہ ہی میں رکھ کر واپس ہولیا میں نے کچھ پیسے دینے کی کوشش کی مگر اس نے نہیں لئے اور بھاگ گیا، گھر میں داخل ہوا تو چاچی کو دیکھا جو آنگن میں کھاٹ پر بیٹھی بھات کھا رہی تھی، مجھے دیکھتے ہی اس نے بھات کی تھالی ایک طرف رکھی اور اٹھ کر بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی، پھر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں، آواز بھرا گئی میں نے تسلی دی۔

"اب کیوں آنسو بہاتی ہے۔ تیری چٹھی پڑھ کے آ گیا ہوں۔"

"یہ تو خوشی کے آنسو ہیں پگلے! میں انہیں نہیں روک سکی۔" پھر وہ پکارنے لگی۔ "اری مادھو بہن او منجوری بیٹا دیکھو تو کون آیا ہے۔"

میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "چاچی! یہ مادھو بہن اور منجوری بیٹا کون ہیں؟ پہلے تو میں نے یہ نام نہیں سنے۔"

"ارے اپنے ہی ہیں۔"

"رشتے دار ہیں کیا؟"

"رشتے ناتے میں کونسی دیر لگتی ہے۔" پھر وہ بتانے لگی۔ "دونوں ماں بیٹی نے میری بڑی دیکھ بھال کی ہے۔ چکمہ گھرانے کی ہیں۔"

"مگر ہمارا تو چکمہ قبیلے سے کوئی سمبندھ نہیں۔"

"تو نے تو آتے ہی پولیس والوں کی طرح پوچھ گچھ شروع کر دی۔ ذرا دم لے تو سب کچھ بتادوں گی۔"

اتنے میں رسوئی گھر سے چالیس پینتالیس سال کی ایک بھاری عورت نکلی چکمہ قبائل کی کھلتی ہوئی رنگت، بھاری بھاری، لمبی لمبی آنکھیں، ناک نقشہ بھی ٹھیک تھا۔ جوانی میں ضرور اپنے قبیلے کی حسین عورتوں میں شمار ہوتی ہوگی۔ اسے دیکھتے ہی چاچی مینا کی طرح پٹ پٹ بولنے لگی۔

"اری مادھو بہن! دیکھ تو میرا کیشپ آیا ہے۔ کیشپ بیٹے، پرنام کر اپنی موسی کو۔"

میں نے پرنام کیا تو چاچی کی مادھو بہن نے مجھے دعا دی پھر قریب آ کر میری بلائیں لینے لگی اور چاچی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"جیسا تو نے بتایا تھا کیشپ بیٹا اس سے کہیں بڑھ کر سوشیل اور بھاگوان ہے۔"

چاچی میری تعریف سن کر نہال ہوگئی اور مجھے بھی رسمی طور پر مادھو موسی کا شکریہ ادا کرنا پڑا حالانکہ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کس ناتے سے میری موسی ہے کیونکہ چاچی کا تو چکمہ قبیلے سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

اسی اثناء میں اندر کے کمرے سے ایک جوان گوری اور سندر سی چکمہ لڑکی لپکتی جھجکتی باہر آئی، اس کا قد اپنی ماں سے کچھ بڑا تھا، گدرایا ہوا بدن، کمر پتلی، لمبی لمبی اور خوبصورت خلائی آنکھیں جن کے پپوٹے آنکھوں پر جھکے ہوئے تھے، ستواں ناک جس میں چھوٹی سی نتھنی، ہونٹ موٹے اور بھرے، گال سیب کی مانند چمکدار اور بھرے بھرے جنہیں دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ پھل پک گیا ہے چکمہ لڑکیوں کی طرح شوخ رنگ کی دھوتی اور کمر تک چست شلوکا پہنے، سر پہ بہت بڑا جوڑا باندھے تیز تیز چلتی میرے قریب آئی اور دونوں ہاتھ جوڑ کے کھڑی ہوگئی، چاچی فوراً بتانے لگی۔

"یہ منجوری ہے تیری مادھو موسی کی بیٹی، آٹھ جماعت پڑھی ہے، بڑی سیوا کی ہے، اس نے میری، سچ پوچھے تو جب سے آئی ہے میں چلنے پھرنے لگی ہوں۔"

اب میں چاچی کا مطلب کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا۔ منجوری کو غور سے دیکھا، شوخ رنگدار لباس میں اس کا متناسب جسم چکمہ حسن کی بھرپور جھلک پیش کر رہا تھا، میں منجوری کو دیکھ کر چکرا سا گیا اور چاچی کو کھینچتا ہوا اندر لے گیا۔

"یہ کیا چکر ہے چاچی!"

"ارے چکر کیسا۔ اتنا بڑا ہو گیا ہے کیا تجھے کنوارا ہی بٹھائے رکھوں گی۔" پھر مجھے منانے کے انداز میں بولی۔ "میں نے تیرے لئے منجوری کو پسند کر لیا ہے۔ بڑی سندر اور سگھڑ لڑکی ہے۔ تجھے خوش رکھے گی۔ باپ چکمہ قبیلے میں بڑی عزت رکھتا ہے۔ کھاتے پیتے لوگ ہیں،

یہاں سے صرف پانچ میل دور پہاڑی پر گھر ہے۔ منجوری اپنی ماں کے ساتھ میری خبر لینے آئی تھی اوراس نے آتے ہی گھر سنوار دیا۔ ہر شے چمکا دی تیرا کمرہ تو بڑی لگن سے صاف کیا ہے۔ میں بھلا اب صفائی ستھرائی کہاں کر سکتی ہوں تو نے لڑکی دیکھ لی ہے، ہاں کہہ دے گا تو میری سب سے بڑی چنتا دور ہو جائے گی اور بہو آ جانے سے میرا اکیلا پن جاتا رہے گا۔“

میں چپ چاپ کھڑا چاچی کی کتھا سنتا اور قدرت کے اس عجیب و غریب کھیل پر حیران ہوتا رہا کہ ایک لڑکی ساؤ گاری میں، دوسری بائی پارہ میں چھوڑ آیا ہوں اور تیسری یہاں میرے سواگت کے لئے تیار بیٹھی ہے، آخر کس سے بیاہ کروں گا چاچی میری پریشانی کو بھانپ گئی۔

”سوچ میں کیا پڑ گیا ہے؟ مجھے تو منجوری بہت اچھی لگی ہے، پر میں نے ابھی ”ہاں“ نہیں کی۔ مادھو بہن بڑا زور دیتی رہی کہ بات پکی ہو جائے مگر میں نے کہہ دیا تھا، میرا کیشپ لڑکی کو پسند کرے تب بات پکی ہو گی مادھو بہن بولی مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ کیشپ آ کر اپنی تسلی کر لے۔ منجوری کے ساتھ کچھ دن گھل مل کے دیکھ لے۔ اس کا وچار ہے تم اور منجوری اکٹھے پھرو گے ایک دوسرے کے ساتھ رہو گے تو آپس میں پیار ہو جائے گا۔ میں تو سمجھ گئی ہوں منجوری پریم کرنے والی لڑکی ہے۔ ہر وقت کمرے میں گھسی تیری تصویر دیکھتی رہتی تھی پر تجھے پسند آ جائے تب ہے نا۔۔ مجھے وشواس ہے تجھ پر، تو میری پسند کو نہیں ٹھکرائے گا، بھلا میں تیرے لئے ایسی ویسی لڑکی تھوڑی پسند کروں گی، ہزاروں میں ایک ہے۔“

میں حیران و پریشان کھڑا اسے دیکھتا رہا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چاچی سے کیا کہوں کیا نہ کہوں۔

”مجھے اس لئے بلایا ہے تو نے کہ تیری منجوری کو پسند کر لوں؟“

”دیکھ الٹی سیدھی بات نہ کر، بلایا تو اس لئے تھا کہ میں تیرے بغیر اداس ہو گئی تھی، اب منجوری بیچ میں آ گئی ہے تو میری خاطر اس سے بھی بات چیت کر لے، پر اس کا دل نہ توڑ دینا ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔“

چاچی کی اس بات سے واضح ہو گیا کہ وہ منجوری کو اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کر چکی ہے اور میرے انکار کی گنجائش نہیں۔ چاہتا تھا کہ کہہ دوں کہ چاچی! تیری دو بہوئیں تو پیچھے چھوڑ آیا اور انہی کے بارے میں تیری آ گیا چاہتا ہوں مگر چاہنے کے باوجود میں اسے کچھ نہ کہہ سکا۔ شاید سندرمتی یا جل پنا کے بارے میں بات کرنے کا یہ موقع نہیں تھا۔ میں جانتا تھا چاچی ایک دم انکار کر دے گی کیونکہ اس نے منجوری کو اپنی آشاؤں کی پتلی بنا رکھا تھا اور پتلی کو گھر بلائے بیٹھی تھی، سوچا ایک دو دن ٹھہر کے بات کروں گا، آ گیا تو مجھے صرف سندرمتی کے بارے میں درکار تھی۔ جل پنا کے متعلق سوچتا تھا کہ اسے دیا ہوا پریم کا قول کیسے پورا کروں گا مگر اس وقت سندر

متی کا نام لینا بھی مناسب نہیں تھا چنانچہ میں نے چپ ہی بھلی سمجھی چاچی کہنے لگی۔

”میں نے تجھے ہر بات سمجھا دی ہے، چل اب باہر چلیں نہ جانے ماں بیٹی کیا سوچ رہی ہوں گی۔ تجھے دیکھتے ہی میرا سارا روگ دور ہو گیا ہے، اگر منجوری پر ہاتھ رکھ دے گا تو مجھے نیا جیون مل جائے گا۔“

میں چاچی کے ساتھ کچھا اکھڑا اکھڑا سا باہر آ گیا، مادھو موسی بولی۔

”اری منجوری! کیشپ سفر سے آیا ہے کھانا کھلا دے نا۔“

”نہاؤں گا پہلے۔“

”جا منجوری ٹب میں پانی بھر دے۔“

”میں خود بھر لوں گا۔“

”ارے بیٹا۔۔! منجوری کے ہوتے تم کام کرتے اچھے لگتے ہو کیا؟“

منجوری نے ٹب میں پانی بھرا۔ تولیہ صابن رکھا تو میں غسل خانے میں گھس گیا نہا دھو کر اپنے کمرے میں آیا کہ منجوری بھی پہنچ گئی۔ بولی۔

”میں نے کھانا پروس دیا ہے آ کر کھا لو۔“

اس کے ساتھ ساتھ رسوئی گھر میں گیا۔ کھانے پر بیٹھا تو وہ بھی میرے پاس بیٹھ گئی۔ باہر آنگن میں چاچی اور مادھو موسی اپنی باتوں میں مگن تھیں میں سمجھ گیا کہ منجوری کو میری سیوا کے لئے وقف کر دیا گیا ہے تاکہ اسے جلد سے جلد پسند کر سکوں، کھانا مزے دار تھا، کھاتے کھاتے اچانک میرا ہاتھ رک گیا۔

”کیا تم نہیں کھاؤ گی؟“

”تم نے پوچھا ہی نہیں کیسے کھاتی؟“

”پہلے کس سے پوچھ کے کھایا کرتی ہو؟“

”پہلے کی بات چھوڑو، اب تمہاری آ گیا چاہیے۔“

”میں کیوں روکوں گا، کھاؤ۔“

”تمہیں برا تو نہیں لگے گا کہ آتے ہی تمہارے ساتھ کھانے بیٹھ گئی ہوں۔“

”تم جیسی سندر لڑکی کے ساتھ مل کر کھانا برا کیوں لگے گا؟“

”کیا میں سندر ہوں۔۔۔؟“ اس نے مسکرا کے پوچھا اور یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو اس نے مجھ پر نچھاور کی۔

”تمہاری عمر میں ہر لڑکی سندر لگتی ہے اور تم تو چکمہ لڑکی ہو تمہارا رنگ روپ سب کے من کو بھاتا ہو گا۔“

وہ کھانے میں شریک ہوگئی اور لقمہ اٹھاتے ہوئے بولی۔

''دوسروں کو چھوڑو، اپنی بات کرو۔ تمہارے من کو بھاتی ہوں یا نہیں؟''

بڑا ٹیڑھا سوال کر دیا تھا منجوری نے۔ سندر متی اور جل بنا کی طرح اس کے روپ میں بھی دل کشی تھی۔ کتنے ہی چکمہ جوان اس پہ پاگل ہوئے ہوں گے میں نے جواب دیا۔

''آج ہی تو آیا ہوں اتنی جلدی کیوں کر فیصلہ کر سکتا ہوں۔''

''فیصلہ کرنے میں کتنی دیر لگا دو گے؟''

میں چونک گیا، وہ تو ہاتھ پر سرسوں جمانا چاہتی تھی۔ ''دیر سویر تو ہو جاتی ہے منجوری، تم کھاؤ، جلدی کاہے کی ہے۔''

''جلدی مجھے نہیں تمہاری چاچی کو ہے۔'' اس نے دوسری مسکراہٹ پھینکی۔ ''کیا میرے ہاتھ سے کھاؤ گے؟''

''بس میں تو کھا چکا۔'' واقعی کھانا ختم کر چکا تھا، منجوری کی پیش کش بہت لیٹ تھی۔

''پھر اپنے ہاتھ سے ایک نوالہ میرے منہ میں ڈال دو۔''

سوچا چاچی کی لاڈلی پتلی ہے کہیں برا نہ مان جائے۔ ایک نوالہ اٹھا کے منہ میں ڈال دیا اور اٹھا۔ وہ بھی ساتھ ہی اٹھی۔ ''ہاتھ دھلاؤں تمہارے؟''

''ارے تم تکلیف کیوں کرتی ہو میں دھولوں گا۔''

''نہیں میں دھلاتی ہوں۔''

پھر وہ ہاتھ دھلانے کے لئے برتن میں پانی لے کر میرے سامنے جھک گئی، میں نے ہاتھ دھوئے اور اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ سوچ رہا تھا کہ چاچی سے سندر متی کی بات کس طرح چھیڑوں کہ منجوری پلنگ کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔

''سر دکھ رہا ہے۔''

''دبا دوں؟'' وہ مجھ سے گھل مل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''سفر میں جاگتا رہا ہوں، نیند آ گئی تو سر درد دور ہو جائیگا۔''

''پر دن میں نیند مشکل سے آتی ہے۔ لاؤ میں سلا دیتی ہوں تمہیں۔'' یہ کہہ کر وہ میرے پاس پلنگ پر بیٹھ گئی۔

''کیا لوری دے کر سلاؤ گی؟''

''تم بچے تو نہیں، مرد ہو۔''

''پھر کیسے سلاؤ گی؟'' میری نظریں بار بار اس کے بھاری جوڑے پر پھسل جاتی تھیں۔

پہلو کے بل لیٹ جاؤ، منہ ادھر کر لو۔''

''منہ ادھر کر لیا تو تمہارا جوڑا کیسے دیکھوں گا؟''

''اچھا لگتا ہے تمہیں۔؟''

''اتنا بڑا ہے جبھی تو اچھا لگ رہا ہے۔''

''تم کہو گے تو کھول دوں گی۔''

''ابھی کھول دو نا۔'' نہ جانے میں اس جوڑے کے پیچھے کیوں پڑ گیا تھا۔

''ابھی نہیں۔ چاچی اور ماں باہر بیٹھی ہیں پھر سہی۔''

''وہ تو باہر بیٹھی ہیں اور ہم اندر ہیں۔''

وہ مسکرا دی اور یہ تیسری مسکراہٹ بڑی گھائل کر دینے والی تھی۔

اب میں اس کی نتھنی کو دیکھنے لگا جس میں چنے کے دانے سے بھی چھوٹا سا ایک سرخ موتی جگنو کی طرح چمک رہا تھا، مجھے لڑکیوں کا نتھنیاں پہننا اچھا نہیں لگتا مگر نہ جانے منجوری کی نتھنی کیوں اچھی لگ رہی تھی اور جی چاہتا تھا اسے دیکھتا رہوں، اس نے توجہ دلائی۔

''پہلو کے بل لیٹ جاؤ تمہیں سلا دوں۔''

میں حیران تھا کہ پہلو کے بل لیٹنے سے کیا ہوگا پھر بھی کروٹ بدل لی کہ دیکھوں تو سہی نیند کا کون سا منتر پھونکتی ہے۔ فوراً ہی اس کی نرم نرم، گرم گرم انگلیاں میری گردن پر پھسلتی ہوئی کندھوں کے پٹھوں پر حرکت کرنے لگیں، وہ اپنی گدگدی کرتی ہتھیلیوں سے پٹھوں کو دبانے لگی اور کچھ ایسا جادو تھا اس کے ہاتھوں میں اور دبانے میں کہ میری آنکھیں ہولے ہولے بند ہوتی گئیں پھر چند ہی لمحوں بعد میں نیند کے گھنے جنگل میں پہنچ گیا اور کیا دیکھتا ہوں کہ اس جنگل میں بہت سی چکمہ لڑکیاں شوخ رنگ کی دھوتیاں باندھے، چست کرتیاں پہنے، سروں پر بڑے بڑے جوڑے لپیٹے، چھوٹی چھوٹی نتھنیاں لٹکائے، ایک دائرے میں گھوم رہی ہیں، ناچ رہی ہیں، ان کے گدرائے ہوئے بدن اور بھاری کولھے ایک ہی ترتیب کے ساتھ یوں حرکت کرتے کہ کچی ٹہنیوں کی طرح پتلی پتلی کومل سی کمریں کئی کئی بل کھا رہی تھیں اور اندھیرے میں ان کی نتھنیوں کے سرخ موتی یوں چمک چمک جاتے تھے، جیسے اندھیری رات میں جگنو اڑ رہے ہوں۔ ستارے چمک رہے ہوں۔

وہ نہ جانے کب تک ناچتی رہیں، میں نہ جانے کب تک ان کا ناچ دیکھتا رہا، ان کے بڑے بڑے جوڑے پُرکشش اور حیران کن تھے۔ پتہ نہیں انہوں نے کیا لپیٹ رکھا تھا جوڑوں میں، وہ کل سات تھیں اور ساتوں کے جسم ایک سے، دھوتیاں ایک سی، کرتیاں ایک سی، نتھنیاں ایک سی، جوڑے ایک سے تھے۔ میں نے غور سے دیکھا تو تصویر حیرت بن گیا کیونکہ ان سب کی صورتیں بھی ایک سی تھیں اور وہ سب منجوریاں تھیں، ایک دوسری کی ہم شکل، ایک دوسری کی

ہمزاد۔ میں اکٹھی سات منجوریوں کو دیکھ کر پاگل سا ہو گیا اور سوچنے لگا کسی ایک کو بلا کر پوچھوں کہ ان میں اصل منجوری کون سی ہے؟ مگر مجھ پر حیرت کا ایک اور سایہ گزرنے لگا کیونکہ وہ ساتوں ہم شکل ہی نہیں ہم آواز اور ہم حرکت بھی تھیں، اگر ایک منجوری بولتی تو یوں لگتا جیسے ساتوں منجوریاں ایک ساتھ بول رہی ہوں۔ ایک منجوری اپنی پتلی سی کمر لچکا کر بھاری کولھوں کو گھماتی تو ساری منجوریوں کی کمریں لچکنے اور کولھے گھومنے لگتے تھے جس طرح بٹن دبانے سے بجلی کے کئی بلب بیک وقت روشن ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کے جسموں کی حرکت، ہونٹوں کی ہر جنبش یکساں تھی، ایک طلسم ہوش ربا میرے سامنے تھا۔ اچانک کسی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''تھاروکیشپ! یہ سب منجوریاں تمہارے لئے ہیں۔''

میں نے ادھر ادھر دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا، شاید جنگل کی ہوا مجھ سے سرگوشی کرتی گزر گئی تھی۔ میری ساری توجہ ان کے جوڑوں پر تھی یا پھر چمکتی دمکتی نتھنیوں پر۔ میرے دل میں زبردست شوق اٹھا فوراً آواز دی۔

''منجوری یہاں آؤ۔۔۔میرے پاس۔''

سب منجوریوں نے ایک ساتھ گردن گھما کر مجھے دیکھا یوں لگا کہ میرے پاس آنے سے ہچکچا رہی ہیں پھر ایک آواز بالکل صاف سنائی دی جو کہہ رہی تھی۔

''چلی جاؤ نا، تمہیں بلا رہا ہے۔''

یہ الفاظ سنتے ہی ساتوں منجوریوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی، جیسے سب اسی اجازت کی منتظر تھیں پھر وہ ساتوں ناز و ادا سے چلتی قریب آئیں اور میرے گرد حلقہ باندھ کے کھڑی ہو گئیں اور اتنا تنگ تھا وہ حلقہ کہ جس منجوری کو چاہوں ہاتھ بڑھا کے چھو سکتا تھا، انہوں نے اپنی لمبی لمبی غلافی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور ساتوں بیک زبان بولیں۔

''میں آ گئی ہوں، کیا کہتے ہو؟''

میں نے حیرت زدہ ہو کر ان کے لبوں کو ایک۔ حرکت کرتے بولتے دیکھا اور پوچھا ''رات ہو گئی مگر تمہارا جوڑا ابھی تک بندھا ہوا ہے، کھولو نہیں؟''

وہ ساتوں پھر ایک ساتھ بولنے لگیں۔ ''نہ تم نے بلایا نہ جوڑا کھولنے کو کہا پھر کیسے کھولتی؟''

''اب تو بلایا ہے نا۔''

''کھول دوں؟''

''ہاں۔۔۔'' میرا اشتیاق بڑھ رہا تھا۔

''نتھنی بھی اتروا ؤ گے؟''

''نہیں صرف جوڑا کھلواؤں گا۔''

''تم کیوں نہیں کھول دیتے؟''

''تمہارے اپنے ہاتھ سے کھلے گا تو اچھا لگے گا۔''

پھر ساتوں منجوریوں کے ہاتھ ایک سی حرکت کے ساتھ جوڑوں پر گئے اور دوسرے لمحے بیک وقت سب کے جوڑے کھل گئے اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ان کے بال پیٹھ پر جھولتے رانوں پر لہراتے، گھٹنوں کو چھو رہے تھے، اتنے لمبے لمبے خوبصورت بال تھے ان کے کہ ہر منجوری ان میں چھپ سکتی تھی اور جب بال کھلے جنگل کی ہوا انہیں چھیڑنے لگی اور ان سے بھینی بھینی مہک اڑ کے میرے نتھنوں سے ٹکرائی تو جی میں آئی کہ ان بالوں کو چھو کر دیکھوں، نہ جانے وہ کس طرح میری اس خواہش کو سمجھ گئیں، بیک زبان بولیں۔

''شوق سے چھو لو، تمہارے لئے کھولے ہیں۔''

میں نے ہاتھ بڑھا کے بالکل سامنے کھڑی منجوری کے بالوں کو پکڑ لیا۔ بڑے باریک، نرم اور ریشم کی طرح ملائم تھے۔ ان کی بھینی بھینی مہک پاگل کئے دیتی تھی۔ میں نے وہ سیاہ ریشمی لچھے اٹھائے اور انہیں چوم لیا۔ سپنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے بھی سات ہاتھ سات منہ ہیں اور سات تھاروکیشپ بیک وقت سات منجوریوں کے بال چوم رہے ہیں، میں اس عجیب و غریب منظر پر دنگ رہ گیا کہ اگر منجوریاں سات ہیں تو تھاروکیشپ بھی سات ہو گئے ہیں۔

اچانک میرے سامنے والی منجوری بولی۔

''میرا جوڑا تم نے کھلوا دیا۔ بیاہ کب کرو گے؟''

اور یہ سوال ساتوں منجوریوں نے ایک ساتھ کیا تھا۔ مجھے جواب دینے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

''تم سات ہو میں تم ساتوں کا پتی کیسے بن سکتا ہوں؟''

''تم بھی سات ہو، بس ایک سے بیاہ کر لو سب سے بیاہ ہو جائے گا اور ہر منجوری کو ایک ایک تھاروکیشپ مل جائے گا۔''

''بیاہ بھی ہوتا رہے گا، تم مجھے اپنے ریشمی بالوں میں چھپا لو مجھ پر ان کی گھنی چھاؤں ڈال دو۔''

''پہلے پیار کروں گی پھر تمہیں بالوں میں چھپاؤں گی۔ منظور؟''

دل میں ان نرم، ملائم اور لمبے لمبے مہکتے بالوں کے اندر چھپنے کی اتنی شدید لگن پیدا ہو گئی تھی کہ میں نے اس کی شرط منظور کر لی پھر ہر منجوری نے ہر تھاروکیشپ کو پیار کیا اور ساتوں منجوریوں نے ساتوں تھاروکیشپوں کو اپنے لمبے لمبے بالوں میں چھپا لیا۔

○

بڑا عجیب، بڑا دلکش سپنا تھا، میں سپنے میں منجوری کے لمبے لمبے، گھنے ملائم بالوں میں چھپ کر سو بھی رہا تھا اور ان سے کھیل بھی رہا تھا اور یوں تھا، وہ سپنا کہ منجوری نے میرے اوپر اپنی ریشمی زلفوں کا جال پھیلا دیا تھا اور اتنا طویل تھا وہ سپنا کہ کہیں ختم ہونے میں نہ آتا تھا، پھر اچانک میری آنکھ کھل گئی مگر چاروں طرف اندھیرا اندھیرا سا تھا، کچھ بھی صاف دکھائی نہ دیا سوچا میں دن کو سویا تھا شاید شام کا اندھیرا اتر آیا ہے، جبھی کچھ نظر نہیں آتا، ناگہاں یوں لگا، جیسے سچ مچ کسی نے مجھے اپنے لمبے لمبے بالوں میں چھپا رکھا ہے، اب میں بھینی بھینی مہک بھی محسوس کرنے لگا۔ ہاتھ اٹھایا تو نرم و ملائم بالوں کا ایک ریشمی سا گچھا میرے ہاتھ میں آ گیا، بالوں کی سیاہ چلمن سے مجھے کچھ اور بھی نظر آیا، میں نے جلدی سے بالوں کی چلمن ایک طرف ہٹائی تو منجوری کا چہرہ دکھائی دیا اور اب حیرت زدہ کھلی آنکھوں سے کیا دیکھتا ہوں کہ سچ مچ مجھ پر اپنے لمبے لمبے بال کھولے میرے پلنگ پر بیٹھی ہے میں ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا تو اپنے لمبے بال سنبھالتی ایک طرف ہٹ گئی۔

یہ جاننے کے لئے کہ میں کوئی سپنا نہیں دیکھ رہا، اپنے بدن پر زور سے چٹکی بھری تو پتہ چلا کہ واقعی جاگ رہا ہوں وہی کمرہ، وہی پلنگ تھا جس پر میں دن کو سویا مگر ابھی دن کا اجالا رخصت نہیں ہوا تھا اور وہی منجوری تھی جس نے مجھے دبا دبا کر سلا دیا تھا۔ لیکن جب جوڑا بندھا تھا اور اب کھلا تھا۔ وہ پلنگ سے اتر کے فرش پر کھڑی ہوئی تو میں یہ دیکھ کر بھونچکا سا رہ گیا کہ اس کے لمبے بال پیٹھ پر جھولتے سچ مچ اس کے گھٹنوں کو چھو رہے تھے جس طرح میں نے سپنے میں ساتوں منجوریوں کے بال گھٹنوں تک بکھرتے دیکھے تھے۔ حیران و پریشان تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے منجوری تو مجھے دبا رہی تھی اور میں سو گیا تھا پھر اس کا جوڑا کب کھلا، اس نے مجھے اپنے بالوں میں کب لپیٹ لیا۔ وہ میرے پاس ہی کھڑی شب ہجر کی مانند طویل اور سیاہ بالوں کو سمیٹ رہی تھی میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟"

"وہی جو کچھ تم نے کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا میں نے؟"

"کہا تھا جوڑا کھول دو، مجھے اپنے بالوں میں چھپا لو میں نے پیار کرنے کی شرط لگائی تم مان گئے اور میں نے تمہیں بالوں میں چھپا لیا۔"

"مگر یہ باتیں تو سپنے میں ہوئی تھیں۔"

"تم نے سپنا دیکھا ہوگا، میں نے کوئی سپنا نہیں دیکھا۔"

"یہ تو ماننی ہوتا۔۔۔ میں سو گیا تھا۔"

"ہاں نہانے اور کھانا کھانے کے بعد تم میرے جوڑے کی باتیں کرتے کرتے سو گئے تھے، تمہیں سلا کر میں باہر چلی گئی اور شام کا کھانا بنانے لگی۔"

"پھر کیوں آ گئی تھیں؟"

"تم نے خود بلایا تھا۔"

"کیا کہا تھا میں نے؟"

"تم نے آواز دی تھی۔۔۔ "منجوری! یہاں آؤ، میرے پاس" ماں جاگ رہی تھی اس لئے میں کچھ ہچکچائی مگر ماں نے خود کہا۔ "چلی جاؤ نا، تمہیں بلا رہا ہے۔۔" پھر میں اپنی کھاٹ سے اٹھ کر تمہارے کمرے میں، تمہارے پلنگ پر آ گئی اور تم نے مجھے کہا "اپنا جوڑا کھول دو۔"

اس کی باتیں سن کر میں مزید حیران ہوا کیونکہ یہ سب باتیں اس سپنے کی تھیں جو میں نے دن کے وقت سوتے میں دیکھا تھا۔

"کس وقت آواز دی تھی میں نے؟"

"آدھی رات کا سمے ہوگا۔"

میں ہنس دیا۔ "کیا کہہ رہی ہوں منجوری! ابھی تو شام بھی نہیں ہوئی دیکھو باہر دن کا اجالا ہے تم نے رات کی بات کہاں سے نکال لی؟"

اس کی لمبی لمبی غلافی آنکھوں میں پہلی بار حیرت اور شبے کی جھلک نظر آئی، کہنے لگی "تم کس دن کی بات کرتے ہو؟ کل شام گزر گئی، رات بیت چکی، آج دوسرے دن کا سورج چڑھا ہے۔"

میں گھبرا کر کھڑکی کی طرف بھاگا۔ دونوں پٹ دھماکے سے کھول دیئے اور صحن میں جھانک کر دیکھا تو واقعی سویرا ہو چکا اور آنگن میں صبح کا اجالا پھیل گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں کل دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد مسلسل سوتا رہا ہوں، اسی کمرے میں، اسی بستر پر اور جن باتوں کو میں سپنا سمجھتا رہا وہ کسی اور طرح پیش آئی تھیں۔ میں بیک وقت سو بھی رہا تھا، جاگ بھی رہا تھا اور سپنے میں جو کچھ کہا اس پر حقیقت میں عمل ہوا تھا۔ اپنی اس عجیب و غریب حالت پر کہ میں حقیقت کو سپنا سمجھ لیتا ہوں، دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اب اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہ تھی کہ میری دماغی حالت ٹھیک نہیں۔ مجھے پریشان دیکھ کر منجوری بھی پاس آ کے بیٹھ گئی۔

"سر پکڑ کے کیوں بیٹھ گئے تو نے کوئی پاپ تو نہیں کیا۔"

"رات کو جب میں نے بلایا تو مادھو موسی نے تمہیں میرے پاس بھیجا تھا؟"

"ہاں۔۔۔" اور میں اس کی تردید نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں نے سپنے میں ایک آواز سنی تھی جو منجوری کو میرے پاس جانے کے لئے کہہ رہی تھی یقیناً وہ مادھو موسی کی آواز تھی "تو موسی جانتی

ہے کہ ''تو آدھی رات سے میرے پاس ہے۔''

''جانتی کیوں نہیں، اسی نے تو بھیجا تھا۔''

''اور چاچی ۔۔۔ کیا وہ بھی جانتی ہے؟''

''چاچی اس سے سوگئی تھی پر سویرے سب کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔'' وہ بتانے لگی۔ ''میں تمہیں بالوں میں چھپائے بیٹھی رہی پھر اونگھ سی آگئی اور اسی اونگھ میں ماں اور چاچی دونوں اس کمرے میں آگئیں مجھے یوں لگا جیسے ماں چاچی کو بتا رہی تھی کہ رات کیشپ نے خود بلایا، منجوری کو جوڑا کھولنے کو کہا تھا۔ آدھی رات سے بال کھولے بیٹھی ہے پھر وہ دونوں دریا پر چلی گئیں، جانے کب آتی ہیں، بس گھر میں میں اور تم دونوں ہیں۔''

میں یہ کہانی سن کر کانپ اٹھا، اس ''سپنے'' میں جو سپنا نہیں تھا، بہت کچھ بگڑ گیا تھا، معلوم نہیں مجھے اس کا جوڑا کھلوانے کا اتنا شوق کیوں ستاتا رہا، شاید اس لئے کہ لمبے بال میری کمزوری ہیں اور منجوری کے بال تو بہت ہی لمبے تھے۔ بال کیا تھے ساون کی کالی گھٹائیں، بیٹھے بیٹھے اس نے بالوں کا ایک بھاری لچھا میرے کندھوں پر پھیلا دیا اور اپنی لمبی لمبی خوبصورت آنکھوں سے دیکھتی پوچھنے لگی۔

''ابھی ان سے کھیلو گے یا جوڑا باندھ لوں؟''

''باندھ لو۔''

منجوری اپنے بال سمیٹنے لگی۔ مجھے ایک نیا خیال آیا ''ذرا ٹھہرو۔''

وہ بال سمیٹتے سمیٹتے رک گئی۔ ''تم جوڑا نہ باندھا کرو۔''

''بالوں کو کھلا چھوڑ دوں؟''

''ہاں ۔۔۔ تمہیں تو کرتی پہننے اور دھوتی باندھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بس اپنا بدن بالوں ہی سے ڈھانپ لیا کرو۔''

وہ میری بات سن کر ہنسنے لگی، ساتھ ہی غلافی آنکھیں بھی زور زور سے ہنس دیں۔ بولی۔ ''تم کہتے ہو تو آج جوڑا نہیں باندھوں گی۔''

''کبھی نہ باندھا کرو۔''

''اچھا اب تم اٹھ کے منہ ہاتھ دھولو۔ میں ناشتہ بناتی ہوں۔''

وہ اپنے جسم پر بالوں کی گھٹائیں لہراتی جن میں گھٹنوں تک اس کی رنگ دار دھوتی بھی چھپ گئی تھی، رسوئی گھر کی طرف چلی گئی اور میں رات کے واقعات کی کتاب کھول کے بیٹھ گیا، کسی ورق پر جوڑا بندھا تھا، کسی پر کھلا تھا مگر منجوری کا جوڑا کھلنے کا قصہ کب اور کیسے پیش آیا، سپنا کہاں ختم ہوا، حقیقت کہاں سے شروع ہوئی؟ میرا ذہن اس معمے کو حل نہ کرسکا۔ دماغ پر اندھیرا

سا چھایا تھا اور اس اندھیرے میں سپنا اور حقیقت گھل مل گئے تھے۔

میں اپنے سر کو جھٹکا دے کر اٹھا اور غسل خانے میں چلا گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر رسوئی گھر کا رخ کیا، کل دوپہر کا کھانا کھا کر سویا اور ایک طویل ''سپنا'' دیکھتا رہا تھا۔ اب بھوک چمک اٹھی تھی۔ منجوری اپنے بالوں کی گھٹاؤں میں آدھی چھپی، آدھی کھلی ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ میں نے اسے نوٹس دیا۔

''سخت بھوک لگی ہے منجوری! جلدی کھانے کو کچھ دے دو نہیں تو تمہیں کھا جاؤں گا۔''

وہ بالوں کی ریشمی گھٹائیں لہراتی تیزی سے مڑی۔ ''ناشتہ بھی تیار ہے، میں بھی حاضر ہوں جسے چاہو کھاؤ۔''

''بس ناشتہ دے دو۔''

''مجھے نہیں کھاؤ گے؟''

اور اس بات پر مجھے سندر متی یاد آگئی، اس کا ناشتہ یاد آگیا، پاؤں چومنا یاد آگیا، اس کے جسم کی مہک اور دل کی کامنا یاد آگئی اور میں نڈھال سا ہو کر چوکی پر بیٹھ گیا منجوری نے میرا اور اپنا کھانا پروس دیا اور میرے ساتھ ہی کھانے بیٹھ گئی، میں کھا بھی رہا تھا اور اس کے بالوں کو بھی دیکھ رہا تھا جنہیں اس نے دو حصوں میں بانٹ لیا تھا، میں نے اس سے پوچھا۔

''منجوری نام کس نے رکھا تھا تمہارا؟''

''باپو نے اور کون رکھتا۔''

''مگر تمہارا نام منجوری نہیں۔ ''زلف بنگال'' ہونا چاہیے۔''

اس کے موٹے موٹے ہونٹوں کے ساتھ لمبی لمبی غلافی آنکھیں بھی مسکرانے لگیں بلکہ یوں لگا جیسے ننھی بھی ہنسی ہو۔ لمبے لمبے بال بھی مسکرا دیے ہوں۔

''ایسا نام تو کوئی لوک رکھتے ہیں۔''

''تمہارے بال بھی نری کویتا، نری شاعری ہیں۔''

''تمہیں اچھا لگتا ہے تو یہی نام رکھ لینا۔ ''زلف بنگال۔''

ابھی ہم ناشتہ کر رہے تھے کہ چاچی اور مادھو موسی واپس آگئیں اور سیدھی رسوئی گھر میں پہنچیں انہیں دیکھ کر منجوری بال لہراتی جلدی سے اٹھی۔ مادھو موسی نے پوچھا۔

''اری منجوری! تو نے ابھی تک جوڑا بھی نہیں باندھا؟''

اس نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا۔ ''یہ نہیں باندھنے دیتے۔''

جواب سن کر موسی اور چاچی دونوں ایک دوسری کو دیکھ کر مسکرائیں پھر موسی بولی۔

''اگر کیشپ نہیں چاہتا تو نہ باندھ جوڑا پر اپنی چاچی کے لئے کھانا تو پروس دے۔'' یہ کہہ کر

وہ چاچی کا ہاتھ پکڑ کے اپنے ساتھ لے گئی۔

ان کے جاتے ہی میں رسوئی گھر سے نکلا، منجوری نے آواز دی۔

''ہاتھ دھوئے بغیر چلے جاؤ گے؟''

میں پلٹا۔ وہ کل کی طرح میرے ہاتھ دھلانے لگی اور ذرا جھکی تو لمبی لمبی زلفیں فرش پر بکھر گئیں، جھکے جھکے ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''جوڑا باندھ لو۔''

یہ کہہ کر میں رسوئی گھر سے نکل آیا۔ رات کے واقعے کی وجہ سے چاچی کا سامنا نہیں کر سکتا تھا، اسے یہ کہنے کی ہمت بھی نہ کر سکا کہ وہ اپنی مادھو بہن اور لمبی لمبی کالی ناگنوں والی خوبصورت بلا منجوری کو چکمہ بستی کی طرف رخصت کر دے بس پریشانی کی حالت میں باہر کا رخ کیا۔ اب صوفی عبدالجبار سے ملنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔



صوفی عبدالجبار بیک وقت تین بیویوں کے شوہر، عالم دین اور ویدک حکیم بھی تھے، رنگا متی میں کیا مسلمان، کیا بودھ، کیا ہندو سب ان کی بڑی عزت کرتے، وہ بھی سب کے کام آتے اور غریبوں سے دوا دارو کا پیسہ نہیں لیتے تھے آج مجھے بھی ان سے ایک کام آ پڑا۔ ہمارے ان کے گھر کے بیچ بس پچاس ساٹھ قدم کا فاصلہ تھا، میرے آنے کی خبر پہنچی تو خود باہر نکلے۔ مل کر خوش ہوئے، چاچی کی خبر پوچھی پھر بیٹھک کا دروازہ کھلوایا اور مجھے اپنے ساتھ اندر لے گئے۔

یہی بیٹھک ان کا مطب اور میل ملاقات کی جگہ تھی۔ انہوں نے چائے کا پوچھا تو بتایا کہ ابھی ناشتہ کر کے اور چائے پی کر آیا ہوں۔

''رمضان نے تمہارا بتایا تھا، میں خود آنے والا تھا ملنے کے لئے۔''

''آپ کیوں تکلیف کرتے صوفی چاچا۔۔! ملنے کے لئے تو مجھی کو آنا تھا، پھر ایک الجھن کے بارے میں بھی آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔''

''کیسی الجھن'' وہ کچھ حیران کچھ پریشان سے نظر آئے۔

''گھبرائیے نہیں، کچھ ودیا کی باتیں ہیں۔''

''مگر میں مدرسے کا تین چار جماعت پڑھا آدمی تم جیسے گریجویٹ سے ودیا کی کیا باتیں کر سکتا ہوں۔''

''صوفی چاچا! وہ باتیں آپ ہی کے کرنے کی ہیں۔''

''اچھا الجھن کیا ہے؟''

''میں سپنوں اور خوابوں کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ کچھ اور حیران ہوئے، میں نے بتایا ''ہندو اور بودھ دھرم سپنوں کی جو سکھشا دیتے ہیں وہ تھوڑی بہت جانتا ہوں، آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ اسلام اور محمڈن صوفیا کا وچار کیا ہے کہ آدمی سپنے اور خواب کیوں اور کیسے دیکھتا ہے؟''

صوفی عبدالجبار نے بڑی حیرت اور بڑی دلچسپی سے مجھے دیکھا پھر کہنے لگے۔ ''کیشپ بیٹے! خواب اور سپنے آدمی کے اپنے بس میں نہیں ہوتے۔ یہ تو روحانی معاملہ ہے، روح اور آتما کا چکر ہے۔''

''وہی تو معلوم کرنے آیا ہوں کہ آدمی سوئے سوئے ایسی باتیں، ایسی چیزیں کس طرح دیکھ لیتا ہے جو اس کی عقل اور ودیا اور سمجھ سے بہت دور ہوتی ہیں؟''

''یہ تو تم جانتے ہو کہ آدمی جسم اور روح کا نام ہے، جسم کی طاقت اور شکتی محدود ہوتی ہے لیکن روح ہم مسلمانوں کے نزدیک غیر فانی بھی ہے اور تصرفات کی طاقت بھی رکھتی ہے اور یہی آدمی کو نیند اور خواب کی حالت میں چھوڑتی جسم کی قید سے آزاد ہو کر اپنا کردار ادا کرتی اور گزرے یا آئندہ پیش آنے والے واقعات کو تصویروں کی شکل میں آدمی تک پہنچاتی ہے۔''

میں نے صوفی عبدالجبار کی بات بڑی توجہ سے سنی اور پوچھا۔

''جب روح جسم کی قید سے آزاد ہوتی ہے آدمی مر نہیں جاتا؟''

''کیشپ بیٹے! نیند بھی ایک قسم کی موت ہے، مردہ اور سویا آدمی برابر ہوتے ہیں۔'' پھر وہ کہنے لگے۔ ''آدمی صرف نیند کی حالت میں خواب دیکھتا ہے اور خواب انہی لمحوں، انہی گھڑیوں میں آتے ہیں جب روح جسم کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے پھر آدمی کا ذہن ان تصویروں کو اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتا ہے جو روح اسے دکھاتی ہے۔''

''مگر کبھی کبھی آدمی سو بھی رہا ہوتا ہے جاگ بھی رہا ہوتا ہے اور سپنا دیکھتا ہے۔'' میری اصل پریشانی اور چنتا کی وجہ یہی حالت تھی جسے میں اپنی دماغی خرابی سمجھنے لگتا تھا، اس لئے کچھ وضاحت ضروری سمجھی اور بتایا'' صوفی چاچا! اصل بات یہ ہے کہ میں کچھ دنوں سے بڑے عجیب عجیب سپنے دیکھنے لگا ہوں اور جس واقعے کو سپنے میں دیکھتا ہوں وہ حقیقی شکل میں رونما ہو رہا ہوتا ہے یا جو صورت سپنے میں نظر آتی ہے، آنکھ کھولتا ہوں تو اسے اپنے سامنے دیکھتا ہوں بلکہ سوئے سوئے دوسروں کی آوازیں بھی سن لیتا اور انہیں خوابی آوازیں سمجھتا ہوں جس سے یہ شبہ ہونے لگا ہے کہ شاید میرا دماغ خراب ہوتا جا رہا ہے اور کسی دن پاگل ہو جاؤں گا، میں اسی حالت کے بارے میں آپ سے رائے لینے آیا ہوں۔''

یہ سن کر صوفی عبدالجبار کا ماتھا سکڑ گیا۔ دونوں بھویں آپس میں مل گئیں اور مجھے عجیب سی نظروں سے گھورتے ہوئے بولے۔

''اگر تم سوتے جاگتے میں خواب دیکھتے ہو تو اسے خواب نہیں کہتے۔''

''پھر وہ کیا ہے'' میرا ذہن سنسنانے لگا کہ غالباً وہ میرے پاگل پن کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

''وہ تو خواب اور سپنے سے بہت اعلیٰ درجے کی کیفیت ہوتی ہے جسے ہم کشف کہتے ہیں۔'' وہ ایک لمحہ خاموش رہ کر کہنے لگے۔ ''کشف وہ لوگ دیکھتے ہیں جن کا ذہن روحانی طور سے بہت صاف، بہت اعلیٰ آئینے کی طرح شفاف ہوتا ہے، آئینہ صرف حقیقت کی عکاسی کرتا ہے اور وہی چیز دکھاتا ہے جو اس کے سامنے ہوتی ہے مگر کشف دیکھنے والے کا ذہن ایک ساتھ حقیقت اور مجاز، اصل اور سائے حال اور مستقبل کے درمیان سے گزرتا ہے۔''

میں حیرت اور تعجب سے ان کی باتیں سنتا رہا، وہ بتا رہے تھے۔

''خواب اور سپنے صرف نیند کی حالت میں دیکھے جا سکتے ہیں، مگر کشف نیند اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں دیکھا جاتا ہے جسے ربودگی کہتے ہیں یعنی آدمی سو بھی رہا ہوتا ہے اور نہیں بھی سو رہا ہوتا کیونکہ اس کے حواس اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں، بعض اوقات آدمی عین بیداری کی حالت میں کوئی کشفی نظارہ دیکھ لیتا ہے۔'' انہوں نے بڑی شفقت سے میرے کندھے پر تھپکی دی۔ ''ماشاءاللہ۔۔۔ تم روحانی طور پر بہت اعلیٰ درجے کا ذہن رکھتے اور کشف دیکھتے ہو، اس لئے تمہیں کچھ اور باتیں بھی بتا دیتا ہوں تا کہ آئندہ اس کیفیت کو ذہنی خرابی یا پاگل پن نہ سمجھو۔ ذرا دھیان سے سنو۔ کشف صوفیا کے نزدیک پوشیدہ امور کو ظاہری حالت میں دیکھ لینے کا نام ہے اور اس کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

پہلی۔ مشاہدہ جس میں ہر چیز اس طرح صاف نظر آتی ہے جیسے دوربین کے ذریعے بہت دور کی شے بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔

دوسری قسم ہے مکاشفہ جس میں بعض امور بالکل صاف نظر آتے مگر بعض حصے خواب کی طرح تعبیر طلب ہوتے ہیں۔

تیسری قسم کو محاصرہ کہتے ہیں اور ایسا کشف سارے کا سارا تعبیر طلب ہوتا ہے اور عقل اس کے ثبوت کا ذریعہ بنتی ہے یہ کشف کی تین قسمیں ہیں اور کشف دیکھنے والا ذہن دوسرے ذہنوں کے مقابلے میں روحانی بلندی پر ہوتا ہے۔ میں حیران ہوں تم جیسا تعلیم یافتہ آدمی اسے دماغی خرابی کی علامت کیوں سمجھ بیٹھا۔۔۔ تم ذہنی طور پر صوفی ہو، رشی ہو۔''

''اگر آدمی نیند کی حالت میں محسوس کرے کہ کوئی اس کے سرہانے کھڑا ہے اور جب بیدار ہو کر دیکھے کہ وہ کوئی ذی روح نہیں بلکہ دھات کی ایک مورتی ہے پھر اپنی جاگتی آنکھوں سے اس بے جان مورتی کو چلتے پھرتے اور پاؤں گھسٹتے دیکھے اور پاؤں گھسٹنے کی آواز بھی سنے۔''

''اس حالت کو کیا کہیں گے؟''

صوفی عبدالجبار نے یہ سوال بڑی حیرانی کے عالم میں سنا پھر سوچ کر بولے۔ ''ہے تو یہ بھی ایک کشفی حالت مگر دھات کی بے جان مورتی حقیقت میں چل پھر نہیں سکتی کیونکہ روح سے محروم ہوتی ہے لہٰذا کشف کے اس حصے کی کوئی تعبیر کرنے پڑے گی کہ مورتی کے چلنے پھرنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔''

اب میں ذرا اور کھل گیا۔ ''اگر میں خواب یا کشف میں ایک لڑکی کی سات صورتیں دیکھوں اور ساتوں صورتیں اور ساتوں لڑکیاں جو دراصل ایک ہی صورت اور ایک ہی لڑکی ہے مجھے اپنے حلقے میں لے لیں، اپنے لمبے لمبے بالوں میں چھپالیں مگر جب جاگوں تو وہی لڑکی سچ مچ مجھ پر اپنے بال کھولے بیٹھی ہو تو اس کا مطلب کیا ہو گا؟''

صوفی چاچا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''کیشپ بیٹے! وہ لڑکی تمہارے لئے بہت ہی بھاگوان ثابت ہو گی جسے تم نے سات لڑکیوں کے روپ میں دیکھا کیونکہ علم روحانیت میں سات کا عدد روحانی ترقی اور اقبال کی طرف اشارہ کرتا ہے پھر لڑکی کا تمہیں اپنا بالوں میں چھپا لینا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مشکل سے تمہاری حفاظت کرے گی۔''

اپنے کشف کی یہ حیرت انگیز تعبیر سن کر اب میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ رات میں نے ایک منجوری کی جگہ سات منجوریوں کو دیکھا تھا۔ وہ مجھے اپنے لمبے لمبے بالوں میں چھپا کر بیٹھی رہی تھی، میں ان باتوں کو اپنی ذہنی خرابی کی علامت سمجھ بیٹھا تھا لیکن کشف کی تعبیر کے بعد اب منجوری کسی اور ہی روپ میں سامنے آئی اور سندر متی کے پوتر بدن کی طرح جو میری ملکیت قرار پا چکا تھا، اب مجھے منجوری کی لمبی لمبی خوبصورت غلافی آنکھیں، چمکتی دمکتی تھنی اور گھٹنوں تک لہراتے سیاہ ریشمی بال اپنے جیون پر اقبال کا نیا سایہ ڈالتے نظر آئے، کتنی عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والی بات تھی کہ میری حفاظت کا وعدہ تو سندر متی نے کیا تھا جو مجھ سے بے پناہ پیار کرتی تھی لیکن رنگا متی میں قدرت نے مجھ پر یہ انکشاف ضروری سمجھا کہ کسی مشکل سے منجوری میری حفاظت کرے گی اور اب اس سوال کا جواب بھی مل گیا کہ مجھے اس کا جوڑا کھلوانے اور بالوں میں چھپ کر سو رہنے کا شوق کیوں ستاتا رہتا تھا۔ شاید میرا ذہن لاشعوری طور پر اس کی پناہ طلب کر رہا تھا، یک لخت میرے دل میں منجوری کی قدر و قیمت بڑھ گئی اور اس کی ہر شے کسی دیوی کی طرح مقدس اور پوتر اور اقبال مند اور پریم کی حق دار محسوس ہونے لگی۔

صوفی چاچا سے رخصت ہو رہا تھا کہ انہوں نے میرے ہاتھ تھام لئے اور بڑی عقیدت سے ان ہاتھوں پر بوسہ دیا۔ ''کیشپ بیٹے! بڑے بھاگوان ہو کہ اس عمر میں کشف دیکھنے

"لگے۔" پھر اچانک ان کی نظر میرے دائیں ہاتھ کی چھنگلی اور ہتھیلی کے درمیان ٹک کے رہ گئی انہوں نے ہاتھ پکڑ کر ذرا ٹیڑھا کیا اور چھنگلی کے ابھار کے نیچے کی ریکھائیں دیکھ کر بولے۔

"ماشاءاللہ۔۔۔قسمت کے بھی دھنی ہو، میری طرح تمہیں اپنی زندگی میں تین عورتوں سے واسطہ پڑے گا اور وہ تینوں تمہارے لئے بڑی اہم ہوں گی۔"

میں یہ سن کر سکتے میں آ گیا۔ انہوں نے یہ بات اس طرح ایکا ایکی کہہ دی تھی جیسے میرے بارے میں کوئی الہام کوئی گیان ہوا ہو، پھر مسکرا کے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"میں ہاتھ کی لکیروں پر یقین نہیں رکھتا مگر لوگ کہتے ہیں، آدمی کے ہاتھ جیون کی کتاب ہوتے ہیں اور اس کتاب کا لکھا پورا ہوتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف پلٹے اور میں ایک عجیب سی حالت میں ہولے ہولے اپنے گھر کی سمت ہولیا، جیسے مجھ پر جادو منتر پھونک دیا گیا تھا، جیسے میں نیند میں چل رہا تھا اور یوں لگا کہ اکیلا نہیں بلکہ جل پنا، سندرمتی اور منجوری تینوں میرے ساتھ چل رہی ہیں، مگر جب گھر کے دروازے میں داخل ہوا تنہا تھا اور دہلیز کے اندر قدم رکھتے ہی نیند کی سی کیفیت جاتی رہی تھی۔

○

گھر کے آنگن میں بھی تین صورتیں، تین عورتیں دکھائی دیں، چاچی اور مادھو موسی کھاٹ پر بیٹھی تھیں اور منجوری بانس کی کرسی پر جھکی انہیں کچھ سنا رہی، کچھ بتا رہی تھی مگر مجھے دیکھتے ہی چپ ہوگئی، اس نے جوڑا باندھ لیا تھا، کپڑے بھی بدل لئے تھے۔ اب ہلکے آسمانی رنگ کی ساڑی اور بغیر آستینوں کے ساٹن کا بلاؤز پہنے بیٹھی اور پہلے سے کہیں زیادہ دلکش نظر آ رہی تھی۔ اس لباس میں ناک کی نتھنی کچھ اور چمک اٹھی تھی۔ میں ان تینوں کے سامنے سے گزرا تو چاچی نے پوچھا۔

"کہاں چلا گیا تھا سویرے سویرے؟"

"صوفی چاچا سے ملنے گیا تھا۔ تیرا پوچھ رہے تھے۔"

"بھگوان بھلا کرے ان کا۔"

پھر چاچی نے کچھ پوچھا نہ میں نے کچھ کہا اور برآمدے کی طرف ہولیا۔ میرا کمرہ برآمدے کے ساتھ ہی تھا جس کا ایک دروازہ بڑے کمرے میں اور دوسرا برآمدے میں کھلتا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر قدم خود بخود رک گئے۔ پلٹ کر دیکھا تو منجوری کی نظریں میرا تعاقب کر رہی تھیں، وہ کمرے میں آ گئی میں نے نگاہ بھر کے دیکھا چار جٹ کی مہین ساڑھی میں سچ مچ آکاش کی اپسرا لگ رہی تھی، میں نے ذرا بدلے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کیا بتا رہی تھیں چاچی اور موسی کو؟"

"بتا رہی تھی کہ رات مجھے بلانے اور میرا جوڑا کھلوانے کو تم ایک سپنا سمجھتے ہو۔"

میں نے اس کی طرف دیکھ کر ایک لمبی سانس لی۔ "تم نے جوڑا کیوں باندھ لیا؟"

وہ ڈر گئی، گھبرا کے بولی، "تم خود ہی کہہ گئے تھے جوڑا باندھنے کو۔"

"اب کھول دو۔"

"دن کا سمے ہے، رات کو کھلوا لینا۔"

"دن کو نہیں کھولے گی۔"

"کھولتی ہوں۔"

وہ مجھے سنجیدہ دیکھ کر کچھ سہم گئی تھی، پھر اس کے ہاتھ میکانکی انداز میں سر کے پیچھے پہنچے، دوسرے لمحے جوڑا کھل گیا اور لمبے لمبے سیاہ ریشمی بالوں کا جال اس کے بدن پر آ گرا۔ بڑا دلکش منظر تھا۔ آسمانی رنگ کی ساڑی پر کالے لمبے بال یوں لہرائے جیسے آکاش پر گھنی گھور گھٹا امڈ آئی ہو۔ میرے ہونٹ آپ سے آپ تڑپے۔

"میرے پاس آؤ۔"

وہ آگے آئی اور مجھ سے ایک قدم کے فاصلے پر رک گئی۔ یہ ایک قدم کا فاصلہ میں نے خود طے کیا اور بڑھ کے اسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ وہ کسمسا کر میرے ساتھ لگ گئی۔ میں نے اسے بتایا۔

"یہ سپنا نہیں یاد رکھنا۔"

"کل تم نے ایسا نہیں کیا تھا۔"

"تمہارے پیار کا گیان آج ہوا ہے۔" میں پرے ہٹ گیا اور وہ بال سنبھالنے لگی۔

"اب جوڑا باندھ لو۔"

اس نے ساڑھی کا پلو اٹھایا بال سمیٹے اور کتنے ہی بل دے کر جوڑا باندھنے لگی۔ اتنے گھنے اور لمبے بالوں کو سمیٹ کر جوڑا باندھنا آسان کام نہیں تھا۔ منجوری نے یہ کام بڑی مہارت سے کیا پھر بھی کئی منٹ لگ گئے۔

"دیکھا، کتنی دیر لگتی ہے جوڑا باندھنے میں، تم ایک منٹ میں کھلوا دیتے ہو۔"

"یہ کالے ناگ لہراتے اچھے لگتے ہیں۔"

اس نے مسکراتی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "اب میں جاؤں؟"

"جاؤ۔۔۔" میں نے اجازت دے دی۔

اور وہ جاتے جاتے دروازے پر رک گئی "دوپہر کے کھانے میں کیا کھاؤ گے؟"

"مچھلی اور بھات پکا لیتی ہو؟"

"بہت اچھا پکا لیتی ہوں۔"

"آج یہی پکاؤ۔"

وہ گردن سے پرنام کرتی باہر چلی گئی۔ میں نے آنگن میں کھلنے والی کھڑکی کا پٹ ذرا سا کھول کر جھانکا۔ وہ بھاگی بھاگی گئی۔ جاتے ہی چاچی سے لپٹ گئی اور بتانے لگی۔

"چاچی! آج انہوں نے مجھے بانہوں میں لے کر پیار کیا۔ یوں۔" اس نے چاچی کو بھینچ لیا جوڑا بھی کھلوایا، کہتے تھے یہ سپنا نہیں۔"

یہ سن کر چاچی اور مادھو موسی کے چہروں پر خوشیاں ناچنے لگیں۔ چاچی نے آکاش کی طرف منہ کر کے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "بھگوان تیری دیا ہے کہ اس نے منجوری کو پسند کر لیا۔"

چاچی اور مادھو موسی تو واقعی خوش ہوگئی تھیں مگر میں شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا کہ منجوری نے جا کر سب کچھ بتا دیا، بڑی پگلی اور انیلی ہے، چاچی نے پوچھا۔

"کچھ اور بھی کہا کیشپ نے؟"

"دوپہر کو مچھلی اور بھات پکانے کو کہا ہے۔"

"بڑے شوق سے کھاتا ہے، دیکھ بھات تو رسوئی گھر میں ہوں گے، مچھلی تجھے بازار سے لا دیتی ہوں، اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلاؤ۔ تم دونوں کا پیار بڑھے گا۔"

پھر چاچی کھاٹ سے اٹھی اور مادھو موسی بھی اس کے ساتھ ہی بازار چلی گئی۔ میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آیا، منجوری صحن کا دروازہ بند کر کے پلٹ رہی تھی کہ میں نے آواز دی۔

"منجوری یہاں آؤ۔"

وہ میرے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ "کیا پھر جوڑا کھلواؤ گے؟"

میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا اور ذرا غصے سے پوچھا۔

"چاچی سے کیا کہا تھا تم نے؟"

وہ گھبرا گئی، پریشان ہوگئی کوئی جواب نہ دے سکی۔

"کیا یہ بتانا ضروری تھا کہ میں نے تم سے پیار کیا ہے؟"

اس کی نظریں جھک گئیں اور آہستہ سے بولی۔ "میں کہاں بتاتی وہ تو چاچی کا حکم تھا۔"

"کیا حکم تھا؟"

"یہی کہ اگر کیشپ تم سے پیار کرے تو مجھے بتانا۔"

"اب تم سے پیار تو کیا، بات بھی نہیں کروں گا۔"

یہ کہہ کر تیزی سے پلٹا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ واقعی مجھے غصہ آ گیا تھا کہ میری ہر بات چاچی اور موسی کو بتا دیتی ہے پھر فوراً خیال آیا اس میں بے چاری منجوری کا کیا دوش۔ چاچی اور موسی دونوں نے اسے میرے پیچھے لگا دیا ہے کہ گھل مل جائے۔ شاید پریم کے ڈورے ڈالنے کی

بھی ہدایت کی ہو، اگرچہ اس نے اپنے بالوں کی گھنی چھاؤں کے سوا مجھ پر اور کچھ نہیں ڈالا تھا، پھر بھی وہ انہی کی مرضی کے مطابق میرے آگے پیچھے پھرتی تھی تاکہ میں اسے پسند کر لوں۔ بیاہ کے لیے۔۔۔۔ "ہاں" کہہ دوں۔ اسی اثناء میں نے اپنے پیچھے پاؤں کی ہلکی سی چاپ سنی پھر منجوری کی ڈری ڈری، سہمی سہمی آواز آئی۔

"مجھے شما کر دو پھر کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

پلٹ کر دیکھا تو دونوں ہاتھ جوڑے اور گردن نہوڑائے کھڑی تھی، میں خاموش رہا، اسے سبق سکھانے کا یہی ایک طریقہ تھا۔

"بولو گے بھی نہیں؟" اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی، میں نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ وہ بے چین سی ہوگئی، "غصہ ہے تو مار پیٹ کے نکال لو کسی سے نہیں کہوں گی۔"

میں اس کی زبان سے یہ الفاظ سن کر دنگ رہ گیا کہ میری خوشنودی کے لئے پٹنے پر بھی تیار ہے۔ اچانک اس نے جوڑا کھولا، جلدی سے جھکی اور اپنے بالوں کی ریشمی گھٹائیں میرے قدموں پر ڈھیر کر کے بیٹھ گئی۔ یہ ایک عجیب منظر تھا۔ میں نے بانہوں سے پکڑ کے اوپر اٹھایا اور ساتھ ہی میری چپ ٹوٹ گئی۔

"جوڑا کیوں کھول دیا، زلف بنگال!"

"تمہیں منانے کے لئے۔" پھر خود ہی میرے ساتھ آ لگی۔ "تم نے آج ہی مجھے پیار کیا، آج ہی روٹھ گئے، آج ہی مان جاؤ نا۔"

مجھے اس ادا پر پیار آ گیا اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر نتھنی والا حصہ اپنی طرف کیا اور اس کی آنکھوں کی لمبی لمبی صراحیوں میں جھانک کر کہا۔

"جوانی میں اپنے بھید بڑھاپے کو نہیں بتایا کرتے، سمجھیں؟"

"سمجھ گئی۔"

جب سے صوفی عبدالجبار نے بتایا تھا کہ منجوری کا مجھے بالوں میں چھپانا کسی سے میری حفاظت کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے، میرے دل میں اس کے پریم کی لہریں پھوٹی تھی جیسے یاقوت کی سل چیر کے جھرنا پھوٹتا ہے۔ ریشمی بالوں سے وارفتگی اور بڑھ گئی تھی۔ میں نے اس کے بالوں کی گھٹائیں اٹھائیں اور کہا۔

"لاؤ تمہارا جوڑا باندھ دوں۔"

"تم سے نہیں بندھے گا۔"

میں نے کوشش کی واقعی نہ بندھ سکا پھر اس نے خود ہی بال سمیٹے پہلے کی طرح بل پہ بل دے کر انہیں لپیٹ لیا اور میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"اب تو نہیں بگڑو گے؟"

میں نے بے اختیار اسے سینے سے لگا لیا۔ اس طرح ہمارے درمیان ایک چھوٹا سا جھگڑا خوبصورتی سے نمٹ گیا، پھر میں کتابوں میں کھو گیا اور وہ رسوئی گھر میں چلی گئی۔ اس دن منجوری نے جو بھات بنایا، جو مچھلی پکائی، اس کا مزا میں آج تک نہیں بھول سکا۔

دوپہر کا کھانا کھاتے ہی مادھوموسی نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ چاچی بھاگی بھاگی میرے پاس آئی اور بولی۔

کیشپ! اگر تو کہے تو منجوری کو انگوٹھی پہنا دوں۔۔۔؟ تیرے بیاہ کی بات پکی کر دوں؟"

"چاچی یہ بات مادھوموسی اور منجوری کے سامنے ہوگی انہیں بلا لے۔"

اس نے آواز دے کر ماں بیٹی کو وہیں بلا لیا اور میں کہنے لگا۔

"منجوری مجھے پسند ہے میں اس سے پیار کرتا ہوں مگر ابھی بیاہ نہیں کر سکتا، میری کچھ مجبوریاں کچھ ذمے داریاں ہیں، پہلے انہیں پورا کروں گا۔"

"کتنے دن لگ جائیں گے انہیں پورا کرنے میں؟" مادھوموسی نے پوچھا۔

"بات دنوں کی نہیں مہینوں کی ہے، موسی! ہو سکتا ہے پورا برس لگ جائے۔"

یہ سن کر منجوری کی ناک میں نتھنی کا جگنو بجھ گیا۔ چاچی کا چہرہ اتر گیا، مادھوموسی پریشان سی ہو گئی مگر فوراً اس نے ایک نئی صورت نکالی۔

"بیاہ نہ سہی منگنی ہو جائے تو میری چنتا دور ہو جائے گی۔"

"منگنی نہ ہو پھر بھی منجوری میری ہے موسی! اس کی چنتا تجھے نہیں ہونی چاہئے، اب یہ میری چنتا ہے، میری کلپنا ہے۔"

"ابھی پانچ سات دن کی چھٹی پر آیا ہوں اور مجھے واپس آسام جانا ہے تو چاہے تو اتنے دن منجوری کو چاچی کے پاس رہنے دے چاہے تو ساتھ لے جا مگر کسی دوسری جگہ اس کے بیاہ کی بات نہ کرنا۔"

"آج میرے ساتھ جائے گی، تو رکھنا چاہتا ہے تو اس کے باپو سے بات کر کے لے آنا۔ منجوری تیرے ساتھ آنا چاہے گی تو بھیج دیں گے۔ وہ تو بیاہ سے زیادہ لڑکی لڑکے کے پریم کو مانتے ہیں۔"

چاچی نے معاملے کی صورت سمجھ لی تھی، پوچھنے لگی۔

"تو کہے تو منجوری کو شگن دے دوں؟"

"اب مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے بات چھپائی نہیں کھول دی ہے، اب جو تیرے من میں آئے کر۔"

پھر چاچی اور مادھوموسی تو کمرے سے نکل گئیں اور منجوری میرے پاس بیٹھ گئی۔

"مجھے لینے آؤ گے نا؟"

"تمہارے باپو کو برا نہیں لگے گا؟"

"نہیں۔۔۔ سنا ہے وہ بھی میری ماں کو بیاہ سے پہلے اپنے گھر لے آیا کرتے تھے، ماں نے سچ کہا ہے، وہ پریم میں وشواس رکھتے ہیں۔"

"پھر تو میں پرسوں تمہیں لینے آجاؤں گا۔"

"کل ہی آجاؤ نا۔"

اچانک چاچی کی آواز سنائی دی۔ "کیشپ! منجوری! ادھر آنا۔"

ہم دونوں اٹھ کر بڑے کمرے میں گئے تو چاچی نے لوہے کا بڑا ٹرنک کھول کے لکڑی کا ایک صندوقچہ باہر نکال رکھا تھا پھر صندوقچے سے سونے کی ایک انگوٹھی اور ریشمی ساڑھی نکال لی اور انگوٹھی میری طرف بڑھا کے بولی۔

"لے اپنے ہاتھ سے منجوری کو پہنا دے۔"

میں حیران تھا کہ چاچی کے پاس سونے کی یہ انگوٹھی کہاں سے آئی، اس نے تو اپنے تمام گہنے ایک ایک کر کے بیچ دیئے اور میری پڑھائی پر لگا دیئے تھے۔ مجھے حیران سا دیکھ کر بولی۔

"یہ انگوٹھی میں نے اپنی بہو کے لئے سنبھال رکھی تھی۔"

میں نے یہ انگوٹھی منجوری کے ہاتھ میں پہنا دی، اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"چاچی نے انگوٹھی دی ہے، میں تمہاری نتھنی میں ہیرا جڑوا دوں گا۔"

مادھوموسی بہت خوش تھی کہ اس کی بیٹی کو شگن میں انگوٹھی اور ساڑھی مل گئی ہے، گویا بات پکی ہو گئی اور جو کچھ وہ چاہتی تھی، قریباً قریباً ہو گیا تھا۔ منجوری کی خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ انگوٹھی پہن لینے کے بعد وہ میری آدھی حق دار ہو گئی تھی کیونکہ یہ ایک قسم کی منگنی تھی، وہ دوسری لڑکی تھی جو سندرمتی کے بعد گھر والوں کی رضامندی سے میرے جیون میں داخل ہوئی بلکہ منجوری کی حیثیت سندرمتی سے زیادہ پکی، زیادہ تسلی بخش تھی کیونکہ یہاں دو گھرانوں کی مرضی سے سب کچھ ہوا تھا جبکہ سندرمتی کے ساتھ ہونے والا لگن ابھی تک یک طرفہ تھا اور اس کے لئے چاچی کی منظوری درکار تھی۔

مادھوموسی نے اپنا سامان بانس کی ایک بہت بڑی ٹوکری میں بھر لیا تھا۔ ایک ٹوکری منجوری کے پاس بھی تھی مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ چکمہ عورتوں کی طرح وہ ٹوکریاں خود اٹھائیں، ان کی روانگی سے پہلے رجّو کو بلا لایا اور کہا کہ وہ انہیں گھر تک چھوڑ آئے۔ دونوں ماں بیٹی چاچی سے گلے مل کے رخصت ہوئیں اور میں رنگامتی کی جھیل تک ساتھ آیا۔ مادھوموسی اور رجّو تو سامان

اٹھائے آگے بڑھ گئے مگر منجوری جھیل کنارے کچھ دیر کے لئے رک گئی۔

''کس دن آؤ گے مجھے لینے؟''

کل نہیں آسکوں گا۔''

''پرسوں ضرور آنا، میں باپو سے کہہ دوں گی کہ جتنے دن تم رنگامتی میں رہو گے میں تمہارے ساتھ رہوں گی، تمہاری سیوا کروں گی،'' اس نے ہاتھ کی انگوٹھی دکھاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے مجھے اپنی سیوا کرنے کا ادھیکار دے دیا ہے۔''

''اب جاؤ، دیکھو موسی کتنی دور نکل گئی۔''

''یونہی چلی جاؤں۔''

اس نے میرے ساتھ لگ کر گردن کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ نتھنی کا جگنو چمکا۔ میں سمجھ گیا کہ کیا چاہتی ہے پھر میں نے اس کی مرضی کے مطابق رخصت کیا اور جھیل کنارے کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ وہ یوں چل رہی تھی جیسے کوئی بطخ چلتی ہے پھر پلٹا اور گھر کی طرف ہولیا مگر چلتے چلتے سوچ رہا تھا کہ سندرمتی کے ساتھ لگن ہو گیا۔ منجوری کے ساتھ منگنی طے پا گئی مگر جل پنا کہاں گئی؟ گھر کو لوٹتے ہوئے جل پنا کا خیال پریشان کرنے لگا جس کا میرے سوا سنسار میں کوئی نہیں تھا مگر میں بھی اس کا بن سکوں گا یا نہیں؟

ابھی تک حالات کا دھارا اس کے خلاف بہہ رہا تھا اور میں نہیں جانتا تھا اسے دیا ہوا قول کیسے پورا کروں گا۔ پھر بھی صوفی چاچا کی بات دل کو ڈھارس دے رہی تھی کہ میرے جیون میں تین عورتیں آئیں گی اور تینوں بڑی اہم ہوں گی۔ اسی بات پر وشواس کر کے منجوری کو بھی انگوٹھی پہنا دی تھی تا کہ تین کا عدد پورا ہو جائے اور اب میں سوچ رہا تھا اگر علم روحانیات میں سات کا عدد ترقی اور اقبال کی طرف اشارہ کرتا ہے تو تین کا عدد کیسا ہوگا۔ تر وکی بازی میں تو یہ عدد نحس سمجھا جاتا ہے۔ ''پو بارہ یا تین کانے'' کی ضرب المثل بار بار ذہن میں گھوم رہی تھی مگر تین اور تیرہ کے اعداد کی اہمیت بھی تھی خیر صوفی چاچا سے ایک بار پھر ملنا پڑے گا ان کی بھی تین بیویاں تھیں اور سنا ہے تین غلطیں خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔ میرے ذہن میں تین کا عدد ایک نئی تثلیث پیدا کر رہا تھا، فوراً خیال آیا کہ عیسائیوں کے نزدیک تو یہ بڑا شبھ ہندسہ ہے۔

OOO

(12)

ماں

گھر میں داخل ہوا تو آنگن سونا سونا دکھائی دیا جو منجوری کے آجانے سے بھرا بھرا سا لگتا رہا تھا۔ منجوری چلی گئی اور جیسے اس آنگن کی رونق بھی ساتھ ہی لے گئی تھی۔ میں آگے بڑھا۔ چاچی بڑے کمرے میں چوبی صندوقچہ کھولے بیٹھی اور اپنی پرانی اشیاء کو جن میں کچھ کپڑے، کچھ بیتے پرونے کا سامان، کچھ چٹھیاں، کچھ تصویریں اور ایسی ہی کچھ اور چیزیں تھیں، جھاڑ پونچھ کے پھر صندوقچے میں رکھ رہی تھی۔ اسی ''چوبی زنبیل'' سے اس نے ریشمی ساڑھی اور سونے کی انگوٹھی نکال کر منجوری کو شگن دیا تھا۔ میں اس کے پاس ہی جا کر کھڑا ہو گیا۔

''چاچی! کیا کچھ اکٹھا کر رکھا ہے تو نے؟''

''بیتے سموں کی کچھ نشانیاں ہیں رے۔'' وہ چند پرانی تصویریں بڑے لفافے میں ڈال رہی تھی کہ وہیں رک گئی اور میری طرف متوجہ ہوئی۔ ''تو بتا کہاں گیا تھا ان کے ساتھ؟''

''بس جھیل کنارے سے وداع کر کے لوٹ آیا ہوں۔''

''اچھا کیشپ! اب تو ہم وہ نہیں ہیں کوئی تیسرا نہیں، سچ سچ بتا منجوری تجھے کیسی لگی؟''

میں بے دھیانی میں کہہ گیا۔ ''تیسرے نمبر پر ہے۔''

''کیا بات کرتا ہے رے۔ میری بہو تو سب سے سندر، سب سے بڑھیا ہے، نمبر ایک اس نے ایک ہی جھلک دکھا کر تیرا من موہ لیا۔ شکل، چال ڈھال سے بالکل رانی لگتی ہے۔''

''شکل صورت، چال ڈھال اور بات چیت کی تو واقعی بہت میٹھی ہے منجوری مگر چاچی! کچھ سندر اور میٹھی صورتیں اور بھی ہیں تو دیکھ لے تو پلک جھپکنا بھول جائے۔''

میرا خیال تھا، چاچی ان صورتوں کے بارے میں پوچھے گی اور مجھے سندرمتی کا ذکر کرنے کا موقع مل جائے گا مگر اس نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر جیسے یہ کتاب ہی بند کر دی۔ ''بس رہنے دے، میری منجوری سے ''سندر لڑکی تجھے نہیں مل سکتی۔''

میں سمجھ گیا اس وقت منجوری اس کے خیالوں پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ کسی دوسری لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں سنے گی اور یہ بات کچھ غلط بھی نہ تھی کہ منجوری کا حسن بڑا پر کشش تھا۔ زلفیں کالی گھٹائیں تو لمبی لمبی غلافی آنکھیں دارو بھری صراحیاں تھیں اور چھوٹی سی نتھنی کا جگنو تو میرے من میں بھی چمک رہا تھا، اس لئے میں خاموش ہو کے رہ گیا اور چاچی پوچھنے لگی۔

’’کچھ کہا تجھ سے منجوری نے؟‘‘

’’ہاں، کہتی تھی پرسوں آ کے مجھے لے جانا، میں باپو سے آگیا لے لوں گی۔‘‘

’’پھر پرسوں ہی جا کے لے آنا۔‘‘ چاچی پھر منجوری کے تصور میں ڈوب گئی۔ ’’تو جتنے دن یہاں ہے تیرا من بھی بہلا رہے گا اور گھر کے کام کاج میں میرا ہاتھ بھی بٹائے گی۔‘‘

میں نے چاچی کی نازک رگ پر انگلی رکھ دی۔ ’’واہ کام کاج تھوڑی کرنے دوں گا میں تو اپنا من بہلانے کو لاؤں گا اسے۔‘‘

’’شریر...... اپنا ہی من بہلائے گا، میرا کچھ خیال نہیں تجھے؟‘‘

’’اچھا یہ بات ہے تو منجوری سے کہہ دوں گا وہ ایک گھنٹہ تیرا بھی من بہلا دیا کرے۔‘‘

’’بس تو ہی بہلانا اپنا من، میرا کیا ہے میں تم دونوں کو دیکھ کے بہل جاؤں گی مگر پرسوں جا کے لے ضرور آنا، اب وہ تیری منگیتر اور آدھی پتنی ہے اس سے پریم کرے گا تو جیون بھر سکھی رہے گا۔ بڑے گن ہیں میری منجوری میں، جب تو نہیں آیا تھا ہر وقت تیری ہی باتیں کرتی رہتی تھی مجھ سے۔‘‘

’’کیسی باتیں؟‘‘

’’وہی جو ایک جوان لڑکی کو اپنے ہونے والے پتی کے بارے میں کرنی چاہئیں کہ تو سنگھار کیسا پسند کرتا ہے تجھے دھوتی اور کرتی اچھی لگتی ہے یا ساڑھی اور چولی۔‘‘

’’مگر تجھے کیا معلوم کہ لڑکی کا کون سا لباس مجھے اچھا لگتا ہے؟‘‘

’’تجھے گود میں کھلایا ہے کیا اتنا بھی نہیں جانتی تو کیسی سندر لڑکی پسند کرتا ہے، اس کے جسم پر کیسا لباس دیکھنا چاہتا ہے۔‘‘

اور چاچی نے یہ بات ایسے وثوق، ایسے وشواس سے کہی کہ میں کچھ بول نہ سکا کیونکہ منجوری ایسی سندر لڑکی کا انتخاب کر کے جس کا بدن صراحی کی مانند اپنے ہی نشے میں چور تھا، اس نے میری پسند کا ثبوت دے دیا تھا بلکہ منجوری تو پورے تھارو کیشپ کو اپنے بالوں میں لپیٹ کر، باندھ کر لے گئی تھی۔

چاچی پھر تصویریں صاف کر کے بڑے لفافے میں ڈالنے لگی کہ اس کے ہاتھ میں ایک تصویر دیکھ کر میں بری طرح چونک گیا بلکہ پاگل ہو گیا پھر باز کی طرح جھپٹا اور تصویر اس کے ہاتھ سے چھین کر دیکھنے لگا اور دیکھتے ہی مجھ پر ایک بھونچال سا طاری ہوا، حیرت کی بجلی سی گری۔ دل زور سے دھڑکا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

کیا میری آپ بیتی پڑھنے والے یقین کریں گے کہ چاچی کے صندوقچے سے برآمد ہونیوالی تصو[illegible] کی تھی؟

لباس اور بال بنانے کا انداز بے شک مختلف تھا کیونکہ اس تصویر میں جل پنا نے بالوں کی لٹیں بنا رکھی تھیں اور یہ پرانا فیشن اب ختم ہو چکا تھا مگر صورت ہو بہو وہی تھی، وہی ناک نقشہ، وہی خط، وہی کٹ، وہی آنکھیں، وہی ہونٹ، میرا بدن سنسنا کر رہ گیا پھر چاچی کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور پوچھا۔

’’یہ تصویر تیرے پاس کہاں سے آئی؟‘‘

اس نے میرے چہرے پر حیرت کی پرچھائیاں دیکھیں، کپکپاتے بدن پر نظر ڈالی، بدلا ہوا لہجہ محسوس کیا اور خود بھی حیران سی ہو کے بولی۔

’’تو کیوں پوچھتا ہے؟‘‘

’’مجھے سوال نہیں جواب چاہئے چاچی! یہ لڑکی کون ہے؟‘‘

’’ارے پگلے! یہ تو میری چھوٹی بہن چندر بالا ہے۔‘‘

’’چندر بالا؟‘‘ مجھ پر ایک اور حیرت گزر گئی، ’’مگر اس کا نام تو جل پنا ہے۔‘‘

’’کون جل پنا؟‘‘

’’ایک نرتکی...... یہ تیری بہن نہیں ہو سکتی۔‘‘

چاچی پریشان سی ہو گئی پھر کچھ سوچ کے بولی۔ ’’ٹھہر، تجھے ثبوت دیتی ہوں۔‘‘

پھر اس نے فرش پر بکھری تصویروں سے کارڈ سائز کی ایک اور تصویر اٹھا کر میرے ہاتھ میں دے دی۔ ’’دیکھ اس تصویر میں چندر بالا میرے ساتھ کھڑی ہے۔ ہم دونوں بہنوں نے یہ تصویر کھنچوائی تھی جب میں گھر والی تھی مگر چندر بالا اسپتال میں نوکری کرتی تھی۔‘‘

اس تصویر میں میری جوان اور سندر چاچی حسین چندر بالا کے ساتھ کھڑی تھی جس نے نرس کا لباس پہن رکھا تھا اور اب مجھے یاد آیا، یہ تصویر کہیں لڑکپن میں بھی دیکھی ہے شاید اس وقت دیکھی تھی جب چاچی کے ساتھ اس کی کچھ پرانی چیزیں سنبھال رہا تھا، یقیناً یہ تصویر جل پنا کی نہیں، چاچی کی بہن چندر بالا کی تھی جو میرے ذہن میں رہ گئی اس لئے جب میں نے ساوَتری کے مندر میں پہلی بار جل پنا کو دیکھا شبہ ہوا تھا کہ اس سے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں حالانکہ میں نے چندر بالا کی تصویر دیکھی تھی جو حیرت انگیز طور پر جل پنا سے ملتی تھی۔

شکل وصورت میں جل پنا چندر بالا کی کاربن کاپی تھی اور اب ایک نیا سوال پیدا ہو گیا تھا، ان دونوں کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے؟ میں چاچی کو کھینچتا ہوا اپنے کمرے میں لے گیا۔ اسے پلنگ پر بٹھایا، خود کرسی کھینچ کے اس کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا۔

’’اب مجھے اپنی بہن کے بارے میں بتا چاچی!‘‘

وہ یک لخت اداس ہو گئی۔ ’’اسے پرلوک سدھارے کتنے برس ہو گئے مگر تو چندر بالا کے

بارے میں کیوں پوچھ رہا ہے؟"

"اس کا جواب پھر دوں گا اس وقت جو پوچھتا ہوں بتاتی جا۔"

"پوچھ کیا پوچھنا ہے؟"

"کیا موسی چندر بالا کا بیاہ برما کے کسی آدمی کے ساتھ ہوا تھا؟"

"ہاں......" اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"اور وہ آدمی برما کے شہر دکامتی کا باشندہ تھا؟"

یہ سن کر وہ نقش حیرت بن گئی، پریشان ہوگئی، تجھے یہ بات کس نے بتائی کیشپ؟ یہ تو ہمارے پریوار کا ایسا بھید ہے جو میں نے آج تک کسی پہ نہ کھولا۔ تجھے کیسے معلوم ہوگیا؟"

"سوال نہ کر چاچی! صرف جواب دے، برما کا وہ آدمی کون تھا اور چندر بالا کے ساتھ اس کا بیاہ کس طرح ہوا تھا؟"

وہ چند لمحے گم صم بیٹھی رہی جیسے اپنے ماضی کو یاد کر رہی ہو پھر کہنے لگی۔

"میں نہیں چاہتی تھی کہ اپنے دکھوں کی کتاب تیرے سامنے کھولوں مگر تو سننا ہی چاہتا ہے تو سن...... میرے ماتا پتا موگھ قبیلے سے تعلق رکھتے اور کرنافلی ندی کے کنارے چندر گونا کے شہر میں رہتے تھے، بھرا پرا گھر تھا، جیون ہنسی خوشی بیت رہا تھا اور ہم ہر سال اپنے دیوتاؤں کا تہوار "تھان مانا" بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے۔ میرے دو بھائی تھے ایک مجھ سے بڑا اور ایک چھوٹا بڑے کا بیاہ ہو چکا تھا اور ہم اس کے لئے اپنے ہی قبیلے کی بہو لائے تھے۔ تین بہنیں تھیں۔ کنچن بالا، چندر بالا اور میں کسم بالا۔ وہ دونوں مجھ سے چھوٹی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ "تھان مانا" کا تہوار تھا اور سارے بودھ قبیلے موگھ، چکمہ، مورنگ اور پانکھو دیوتاؤں کے استھان پر جو ایک پہاڑی پر واقع تھا، تہوار منا رہے تھے کہ اچانک خبر ملی شہر میں طاعون پھوٹ پڑا ہے اور صرف ایک ہی دن میں چار پانچ آدمی مر گئے ہیں۔ مرنے والوں میں میری ماتا بھی تھی ہم بھائی بہن روتے دھوتے گھر لوٹے مگر طاعون نے تو ہمارا گھر دیکھ لیا تھا۔ چند ہی دنوں میں پتا جی، دونوں بھائیوں، بھاوج اور کنچن بالا کی ارتھیاں باری باری اٹھیں، جلیں اور بھی کئی گھروں کا صفایا ہوگیا۔ ہمارے گھر سے صرف میں اور چندر بالا بچیں، میں چندر بالا سے سات آٹھ برس بڑی تھی۔ اسے اپنے ساتھ لے کر موگھ قبیلے کے ایک پروہت کے پاس چلی گئی، جس نے ہمیں سہارا دیا، اسی پروہت کے ذریعے تیرے پتا جی سے جان پہچان ہوئی جنہوں نے مجھے اپنے چھوٹے بھائی چکرورتی سہائے کے لئے پسند کرلیا۔

تو یہ سن کر حیران ہوگا کہ میں صرف چودہ برس کی تھی جب تیرے چاچا کے ساتھ میرا لگن ہو گیا۔ وہ میرے ساتھ چندر بالا کو بھی رنگامتی لے آئے کیونکہ اس کی پرورش ہی کو کرنا تھی۔

ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی، تیرے چاچا چندر بالا سے بڑا پیار کرتے تھے، اسے دسویں تک پڑھایا اور ہر چاؤ پورا کیا، تیرے پتا ہمیں سمجھایا کرتے تھے کہ اب چندر بالا کا بیاہ کر دو مگر وہ نرس بننا چاہتی تھی، انہی دنوں تو نے جنم لیا اور دوسرے مہینے تیری ماتا چل بسیں، دو مہینے گزرے تھے کہ تیرے پتا جی بھی سورگ باش ہوگئے، گھر کا سارا بوجھ تیرے چاچا پر آ پڑا اب چندر بالا ضد کرنے لگی کہ تیرا خرچ وہ اٹھائے گی اور نرس بنے گی۔ تیرے چاچا نے اس کی ضد پوری کر دی اور اسے چٹاگانگ کے اسپتال میں بطور نرس بھرتی کرا دیا، وہ دو سال تک تیرے دودھ اور کپڑوں کے لئے پیسے بھیجتی رہی، جب چھٹی پر رنگامتی آتی، تجھے ہر وقت گود میں اٹھائے پھرتی تھی مگر ادھر اس کی نوکری کا تیسرا سال چڑھا ادھر ہماری قسمت پھوٹ گئی۔

انہی دنوں برما کا ایک زمیندار۔۔ کایا پتھا، جو دکامتی کا رہنے والا تھا، ایک انگریز کے ساتھ سندر بن میں شکار کھیلنے آیا اور ایک باگھ نے حملہ کر کے اسے بری طرح گھائل کر دیا۔

کایا پتھا کو زخمی حالت میں چٹاگانگ کے اسپتال میں لایا گیا جہاں چندر بالا کو اس کی دیکھ بھال کرنا پڑی مگر یہی دیکھ بھال ایک کہانی بن گئی۔ کایا پتھا چندر بالا سے پریم کرنے لگا اور وہ بھی اسے دل دے بیٹھی، ایک مہینے بعد جب کایا کے گھاؤ بھر گئے۔ اس نے چندر بالا کو اپنے ساتھ برما لے جانے پر راضی کر لیا، پھر ایک دن مجھے چندر بالا کی چٹھی ملی جس میں بس اتنا لکھا تھا۔

"دیدی......!

میں نے برما کے ایک زمیندار کایا پتھا سے بیاہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کے ساتھ کامتی شہر میں چلی جاؤں گی جہاں اس کی زمینیں اور گھر ہے۔" (چندر بالا)

یہ خط پڑھ کر میں اور تیرے چاچا سخت پریشان ہو گئے کیونکہ انہوں نے چندر بالا کے لئے بڑا اچھا بر ڈھونڈ لیا تھا اور لڑکے والوں سے بات چیت کر رہے تھے۔

میں نے تجھے گود میں اٹھایا اور تیرے چاچا کے ساتھ فوراً چٹاگانگ پہنچی، تیری موسی چندر بالا کو سمجھانے کے سارے جتن کر لئے مگر اس نے سب باتوں کا ایک ہی جواب دیا کہ میں کایا سے پریم کرتی ہوں اور اس کے ساتھ برما جانا چاہتی ہوں میں نے پوچھا۔

"اب تجھے ننھے کیشپ کا بھی کوئی خیال نہیں جس کی پرورش کے لئے تو نرس بنی تھی؟"

کہنے لگی۔ "میں کیشپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور اگر میرے ہاں کوئی لڑکی ہوئی تو دونوں کا بیاہ کر دوں گی۔"

چندر بالا نے تجھے اپنی گود میں بٹھا لیا مگر تیرے چاچا نے فوراً تجھے اُچک لیا اور بولے۔

"کیشپ میرا بھتیجا ہے میں ہی اس کی پرورش کروں گا۔"

میں نے چھوٹی بہن کو سمجھایا کہ تیرے جیجا نے تجھے باپ بن کر پالا ہے اگر تو نے ان کا کہا

نہ مانا تو ہمارا تیرے ساتھ کوئی سمبندھ نہیں ہوگا۔ اس نے کہا۔

"دیدی! آپ لوگ مجھے چھوڑنا چاہتے ہیں تو چھوڑ دیں مگر میں کایا پتھا کو نہیں چھوڑوں گی۔"

اس کی ضد نے تیرے چاچا کا دل توڑ دیا، مجھے مایوس کر دیا پھر اسی دن وہ کایا کے ساتھ برما کے سفر پر روانہ ہوگئی اور میں اپنی قسمت پر روتی رنگامتی لوٹ آئی۔ ماں باپ بہن بھائی، بھاوج سب طاعون نے کھا لئے تھے، ایک بہن بچی تھی جسے لاڈ پیار سے پالا تھا وہ کایا کے ساتھ برما چلی گئی۔ صدمے سے میرے آنسو تھمتے نہ تھے مجھے اس کے بچھڑنے کا بڑا دکھ تھا مگر تیرے چاچا نے سمجھایا۔

"جو خود بچھڑ جانا چاہے اسے روکا نہیں جا سکتا، اپنے آنسو پونچھ اور چندر بالا کو ہمیشہ کے لئے بھول جا۔"

میں نے آنسو پی لئے، کسی کو نہیں بتایا کہ چندر بالا نے ہمارے ساتھ کیا کیا، پھر ہولے ہولے یہ دکھ بھولنے کی کوشش کرنے لگی تین برس بیت گئے اچانک ایک دن حکامتی شہر سے کایا پتھا کی چٹھی ملی کہ چندر بالا کے ہاں ایک بچی ہوئی ہے، بچی تو بچ گئی مگر وہ سورگ باش ہوگئی، یہ بھی لکھا تھا کہ مرنے سے پہلے اپنے جیجا جی، تمہیں اور ننھے منے تھارو کیشپ کو بہت یاد کرتی تھی، میں نے کمرے میں گھس کر اپنی چھاتی پیٹی کیونکہ تیرے چاچا کے سامنے تو اسے رو بھی نہیں سکتی تھی۔"

یہ کہتے کہتے چاچی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"بس اس دن سے چندر بالا کی یاد باقی رہ گئی ہے جبھی اس کی تصویروں کو سنبھال کے رکھتی اور کبھی کبھی دیکھ کر رو کر اپنا من ہلکا کر لیتی ہوں۔"

یہ کہانی سن کر میں سمجھ گیا کہ ضرور جل پنا ہی میری موسی چندر بالا کی بیٹی ہے جو باپ کے بعد بڑے عجیب حالات میں حکامتی سے مانڈلے اور مانڈلے سے ساؤ گاری میں لائی گئی تھی۔ اس نے ہو بہو اپنی ماں کی شکل و صورت پائی تھی اور میری چاچی کسم بالا کی سگی بھتیجی ہونے کے ناتے میری کزن تھی۔ یہ رشتہ ایسا نہیں تھا جسے آسانی سے بھلایا جا سکے خاص طور سے جبکہ موسی چندر بالا میری خاطر نرس بن گئی تھی، چاچی ابھی تک رو رہی تھی، اب میں اس کا دکھ بانٹ لینے کی سوچ رہا تھا پوچھا۔

"چاچی! تو نے کبھی اپنی بھتیجی سے ملنے یا اس کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی؟"

وہ اپنے آنسو پیتی ہوئی بولی۔

"تیرے چاچا سے چوری چھپے ایک دو بار کایا پتھا کو چٹھی لکھی تھی مگر اس نے جواب ہی نہیں دیا، میں یہ سمجھ کر چپ ہوگئی کہ شاید اب ہم سے کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتا اور نہ اپنی بیٹی کو ہم سے ملنے دے گا، مگر وہ میری بدنصیب بہن کی آخری نشانی ہے، میں اسے یاد کر کے کبھی کبھی رو لیتی اور سوچتی ہوں نہ جانے کایا نے اسے یہ بھی بتایا ہوگا یا نہیں کہ پوربی بنگال کے شہر رنگامتی

میں اسے کوئی یاد کرنے والی بھی رہتی ہے۔"

چاچی کے آنسو پھر بہنے لگے۔ وہ بہت دکھی تھی اور میں اس کا دکھ سمجھ رہا تھا، ہر عورت کو اپنی بہن کی اولاد پیاری ہوتی ہے مگر چندر بالا کے مر جانے کے بعد کایا پتھا نے بالکل ناتا ہی توڑ لیا تھا، میں نے پوچھا۔

"چاچی! اس بچی کا نام کیا تھا؟"

"جب کایا نے چندر بالا کے مرنے کی چٹھی لکھی اس وقت تک بچی کا نام نہیں رکھا گیا تھا، ورنہ نام بھی لکھ دیتا۔"

"تیرے خیال میں اب وہ کتنے برس کی ہو چکی ہوگی؟"

سولہ سترہ برس کی تو ہوگی تو اس سے صرف پانچ چھ سال بڑا ہوگا۔"

اب اس میں کوئی شک و شبہ نہ رہا تھا کہ اپنی عمر، اپنی صورت اور شہر حکامتی کے حوالے سے جل پنا یقیناً وہی لڑکی تھی، سو ثبوتوں کا ایک ثبوت اس کی شکل تھی، اب چاچی کو بتانا چاہتا تھا کہ میں نے اس کی بھتیجی ڈھونڈ لی ہے۔

اچھا چاچی! اگر میں تجھے تیری بھتیجی سے ملا دوں تو کیا انعام دے گی؟"

"کیوں میرے زخموں کو چھیڑتا ہے رے!" اس نے گلوگیر سی آواز میں کہا۔ "اس کے باپ نے جب نہیں ملنے دیا تو اب کہاں ملنے دے گا۔"

"کایا پتھا کی بات چھوڑ چاچی! وہ مر چکا۔"

یہ سن کر چاچی پریشان ہوگئی۔ "اور بچی کہاں ہے؟"

"اسی کے بارے میں تو بتانے جا رہا ہوں۔"

"مگر تو کیسے جانتا ہے اسے؟"

"میں نے اسے دیکھا اور موسی چندر بالا کی تصویر سے پہچان لیا ہے، جل پنا ہے اس کا نام......"

"جل پنا تو بڑی نام ہے۔ مگر تجھ سے کہاں ملی؟" اچانک چاچی اس کے بارے میں سب کچھ جاننے کے لئے بڑی بے چین نظر آنے لگی اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں آس کی ایک نئی جوت جل اٹھی۔ "مجھے بتا کیشپ! تو نے کہاں دیکھا اسے؟"

"ایسے تھوڑی بتاؤں گا۔"

"پھر کیسے بتائے گا؟" اس کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

"پہلے تجھے وچن دینا ہوگا کہ میری ہر بات مانے گی۔"

"آج تک تیری کون سی بات ٹالی ہے میں نے، ہر بات مانتی رہی ہوں۔"

"وہ ٹھیک ہے پر اب معاملے کی صورت کچھ اور ہوگئی اور تجھ سے وچن لینا ضروری ہوگیا ہے۔"

"اچھا لے وچن اور جل پنا کے بارے میں جو کچھ جانتا ہے بتاؤ دے۔"

"چل میرے ساتھ"

"کہاں لے جائے گا؟"

"پوجا کے کمرے میں بھگوان کے سامنے وچن لوں گا۔"

وہ میرے ساتھ پوجا کے کمرے میں آئی جہاں بھگوان بدھ کی مورتی اور اس کے دائیں بائیں پیتل کے دو چھوٹے چھوٹے خوشبو دان رکھے تھے۔ چاچی ان میں صندل جلاتی اور پوجا کرتی تھی۔ میں نے کہا۔

"صندل جلا دے۔"

اس نے دونوں خوشبو دانوں میں صندل سلگا دیا۔

"اب بھگوان کی مورتی پر ہاتھ رکھ کے وچن دے، سوگند کھا کہ تو میری ہر بات مانے گی اور جو کچھ کہوں گا اس میں حجت نہیں کرے گی۔"

اس نے میری مرضی کے مطابق وچن دیا، سوگند کھائی کہنے لگی۔

"اب تو بھی بھگوان کے سامنے بیٹھ کر مجھے سب کچھ سچ سچ بتا کہ کایا پنتھا اور اس کی بیٹی کو کیسے جانتا ہے، وہ تجھے کہاں ملی تھی۔"

میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ چاچی کی صورت میں چندر بالا کی کچھ کچھ جھلک نظر آتی تھی، اس کی عمر تو 41 سال سے زیادہ نہیں تھی مگر پیہم دکھوں اور محنت مشقت نے رنگ روپ پر اثر ڈالا تھا پھر بھی موگھ، چکمہ اور مورنگ قبیلوں کی عورتوں کی طرح اس کے بدن کی ساخت اور چہرے کی بناوٹ میں وہ منگول اثرات نظر آتے تھے جو چٹا گانگ کے بودھ قبائل کا خاصا اور عورتوں کی دل کشی کا معیار سمجھے جاتے ہیں، جوانی میں یقیناً وہ چندر بالا سے کم سندر نہیں ہوگی مگر بھری جوانی میں ودھوا ہوئی تھی پھر میری خاطر اس نے دوسری شادی بھی نہیں کی، بس میرے مستقبل کے سپنے دیکھتی رہی، آج برسوں بعد اس کے اجاڑ سے من میں ایک نئی آہٹ، ایک نئی چاپ ابھری اور بچھڑی ہوئی آتما کا سراغ ملا تھا جس نے مجھ پر بھی ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دی۔

میں نے سے ساؤ گاری کی پرسکون پراسرار عمارات میں پہنچنے، مندر میں پوجا کی گھنٹیوں کا شور سننے، شاستر و کے ساتھ مندر جانے اور بھگوان کی نرتکی جل پنا کا ناچ دیکھنے سے بات چلائی اور بتایا کہ جب سروپ جی نے میری اس سے جان پہچان کرائی تو سخت حیران ہوا کہ میں نے اس لڑکی کو پہلے کہاں دیکھا ہے؟ پہلی ہی نظر میں وہ صورت دیکھی بھالی لگی مگر سوچنے کے باوجود یاد

نہ آیا کہ میں نے اصل میں چندر بالا کی تصویر دیکھی تھی اور جل پنا ہو بہو اس تصویر سے ملتی تھی۔

یہ سن کر چاچی کا اشتیاق بڑھا اور اس کی آنکھوں میں ایک نئی جوت روشن ہوئی۔۔ اچھا...... تجھے جل پنا اور چندر بالا کی صورت میں کوئی فرق نظر نہ آیا......؟"

"بالکل نہیں...... جبھی تو دھوکہ ہوا کہ اسے پہلے کہیں دیکھا ہے۔"

پھر میں نے جل پنا کو ناچ ودیا سکھانے، اسے اناتھ بن میں ملنے اور اناتھ بنڈو کی سادھی پر پریم کا قول دینے کی کہانی سنائی اور شاستر و سے جل پنا کا جو قصہ سنا تھا وہ بھی بیان کر دیا کہ اصل میں برما کے شہر حکامتی کی رہنے والی تھی۔ ادھر وہ پیدا ہوئی، ادھر ماں مرگئی، باپ نے پالا مگر وہ مرگیا تو بے سہارا ہوگئی اور کوئی شخص اسے مانڈلے کے ناچ آشرم میں چھوڑ گیا جہاں سے سروپ جی اور پروہت گنجال اسے ساؤ گاری لے آئے۔ میں پہنچا تو مجھ سے پریم کرنے لگی، مگر پروہت گنجال نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے یا کسی سے پریم کرے، نہ جانے اس سے کیا کام لینا چاہتا ہے مگر جل پنا مجھے "بھگوان" مان چکی ہے، مجھے چاہتی ہے، میری بانہوں میں آکر سارے دکھ بھول جاتی اور سمجھتی ہے کہ مجھے بھگوان نے صرف اسی کی خاطر ساؤ گاری میں بھیجا ہے، میں بھی وعدہ کر چکا ہوں کہ ساؤ گاری سے جاتے سمے اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اب وہ اسی آس پر جی رہی ہے کہ میرے من میں بسی ہے تو میرے گھر میں بھی بس جائے گی، میری خاطر وہ ناچ بھی چھوڑ دے گی جس سے اسے بڑا لگاؤ ہے۔"

چاچی نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ "پھر تو اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے آیا؟"

"یوں تھوڑی لا سکتا تھا۔ پروہت گنجال اس کی کڑی نگرانی رکھتا ہے۔" میں نے بتایا۔۔ "میری چھٹی آنے کے بعد ساؤ گاری سے رخصت ہونے والا تھا، شاستر و میرے پاس آیا اور کہنے لگا، پربھو! جا کر چاچی کو میرا سندیس دینا کہ جل پنا کو اپنی بہو بنا لے پھر آکر اسے لے جانا اور تو سن رہی ہے میں نے بھگوان کے سامنے شاستر و کا پیغام تجھے پہنچا دیا ہے، اب تو جانتی ہے کہ تجھے کیا کرنا ہے۔"

یہ سنتے ہی وہ بڑی بے چینی بڑی پریشانی کی حالت میں کھڑی ہوگئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا اسے کوئی جھٹکا سا لگا ہے، اس کے اندر کوئی بھونچال سا آیا ہے، کہنے لگی۔

"تو نے جل پنا کی جو کہانی سنائی ہے اسے سن کر میرا من بھی کہتا ہے کہ ضرور وہی چندر بالا کی بیٹی ہے کیونکہ چندر بالا بھی ناچ اور سنگیت سے گہرا لگاؤ رکھتی تھی اور ضرور بھگوان نے تجھے اس کی رکھشا کے لئے ساؤ گاری میں بھیجا ہے تاکہ خون اپنے خون کو پہچان لے۔ پرکیشپ! تو نے آتے ہی مجھے جل پنا کے بارے میں کیوں نہیں بتا دیا۔ اگر بول دیتا کہ میری سورگ باشی بہن کی آخری نشانی تجھے مل گئی ہے اور تم دونوں ایک دوسرے سے پریم کرتے ہو تو میں مجبوری

سے تیری سگائی نہ کرتی۔"

"مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ جل پنا اصل میں تیری بھتیجی ہے، ہمارا اپنا خون ہے۔ وہ تو تیرے ہاتھ میں موسی چندر بالا کی تصویر دیکھی تو میں حیران رہ گیا اور تجھ سے پوچھ گچھ کرنے لگا، تب پتہ چلا کہ جل پنا غیر نہیں اپنی ہے۔"

چاچی بھگوان کی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کے کھڑی ہوگئی۔ "پربھو! تیری دیا ہے کہ تو نے جل پنا کو کیشپ سے ملا دیا۔" پھر میری طرف مڑی۔ "بول تیری کیا مرضی ہے؟"

"جل پنا تیرا خون ہے، تیری بچھڑی ہوئی آتما ہے۔ اس کے بارے میں خود فیصلہ کر۔"

"پھر یہی فیصلہ ہے کہ میری بچھڑی آتما کو واپس لے آ۔ اس طرح جل پنا کے روپ میں مجھے چندر بالا دوبارہ مل جائے گی۔"

چاچی کے من میں آشا کے ننھے تارے جھلملائے جن کی روشنی اس کی آنکھوں میں نظر آ رہی تھی پھر کچھ سوچ کے خود ہی پریشان ہوگئی۔ "پر کیشپ! منجوری کا کیا ہوگا، میں مادھو بہن کو زبان دے چکی ہوں۔"

"منجوری کی چنتا نہ کر چاچی! اس سے بڑی چنتا ایک اور ہے۔"

"اور کونسی چنتا ہے رے؟"

"سندر متی اس چنتا کا نام۔"

"کون سندر متی؟"

"میرے مالک سروپ ساؤ جی کی بیٹی ہے۔ اپنے نام کی طرح سندر ہے۔"

"مگر تجھے اس کی چنتا کیوں ہے؟"

"میں اس سے پریم کرتا ہوں، وہ مجھے اپنا پتی مانتی ہے۔"

چاچی پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے گھورنے لگی۔ "باؤلا ہوا ہے کیا؟ جل پنا سے بھی پریم کرتا ہے اور سندر متی سے بھی......!"

اب میں نے بات کھول دینا ہی مناسب سمجھی۔ "سندر متی سے تو میرا لگن بھی ہوگیا چاچی!"

اس پر بجلی سی گری "سندر متی سے لگن کیسے ہوگیا؟"

"جیسے منجوری سے سگائی ہوگئی ہے۔"

وہ ہکا بکا سی مجھے دیکھنے لگی۔ شاید اس نے میری بات پر وشواس نہیں کیا مگر من میں خطرے کی گھنٹیاں ضرور بج رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔ "سچ بول اصل بات کیا ہے؟"

چاچی نے ماں بن کر مجھے پالا۔ مجھ پر ممتا کی ٹھنڈی چھاؤں ڈالی مگر وہ صرف چاچی نہیں، میری ہمراز، میری دوست بھی تھی۔ میں اپنے دل کی ہر بات اسے بتا دیتا۔ ہر راز میں شریک کر

لیتا تھا، اسے ان لڑکیوں کے نام بھی یاد تھے جو کالج کے زمانے میں میرے پیچھے پھرتی رہی تھیں۔ چاچی کہا کرتی تھی۔ "کیشپ! بھگوان نے تجھے بڑا روپ دیا ہے اس لئے لڑکیاں تیرے پیچھے پھرتی ہیں مگر پریم اسی سے کرنا جو تیرے من کو بھا جائے ورنہ میں آپ تیرے لئے چاند سی دلہن لے آؤں گی۔"

کالج کی کوئی لڑکی میرے من کو نہیں بھائی مگر اب جل پنا کے بعد سندر متی کے پیار کی داستان بھی سنانا پڑی۔ وہ سن سن کے حیرتوں کے بھنور میں ڈوبتی، ابھرتی رہی، میں نے بتایا۔

"ایک دن سندر متی مجھے اپنے پردادا ساگر ساؤ جی کے تابوت نما کمرے میں لے گئی اور صاف کہہ دیا کہ مجھ سے بیاہ کرنا چاہتی ہے۔ بوڑھے نے ہم دونوں کو بیاہ کی آگیا دے دی بلکہ خود اشلوک پڑھے اور لگن کر دیا، اس سے اتفاق سے سروپ جی بھی اپنے نوکر پیگو کے ساتھ دروازے پر کھڑے سب کچھ سن رہے تھے۔ انہوں نے دادا کی بات نہیں ٹالی۔ لگن مان لیا مگر شرط لگائی کہ جب تک تھارو کیشپ کی چاچی سندر متی کو اپنی بہو سویکار نہیں کرے گی وہ اس لگن کا اعلان نہیں کریں گے پھر سندر متی لگن رات منانے کے لئے مجھے اپنے کمرے میں لے گئی مگر میں نے اس کے ساتھ لگن رات نہیں منائی اور کہا، پہلے چاچی کی آگیا لے لوں، واپسی میں وہ بانی پارہ تک میرے ساتھ آئی اور اسے وہیں چھوڑ کر تیری آگیا لینے آیا ہوں۔"

چاچی سندر متی کے پریم اور لگن کہانی سن کر بھونچا سی رہ گئی، گم صم ہوگئی، یہ حالت کہ...... کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں، جیسے جل پنا کی دریافت پر اس کے جیون کے آکاش پر آشا اور خوشی کے جو ننھے ستارے جھلملائے تھے، ایک دم کہیں اندھیروں میں ڈوب گئے ہوں، چہرے پر غم کے سائے پھیل گئے، آنکھوں سے مایوسیاں جھانکنے لگیں، مجبور و بے بس ہو کر بولی۔

"جب تو نے سندر متی کے ساتھ لگن کر لیا۔ اسے اپنی پتنی مان لیا پھر مجھے جل پنا کی پریم کہانی کیوں سنائی، کیوں میرے من میں جھوٹی آشا کے دیپ جلائے؟"

میں جانتا تھا سندر متی سے لگن کا قصہ سن کر وہ اسی مایوسی، اسی بے چینی کا اظہار کرے گی، اس کے جیون میں جل پنا کے نام سے جو نئی روشنی ہوئی تھی، بجھ جائے گی مگر میں اپنی زندگی کی کوئی سچائی نہ تو اس سے چھپا سکتا تھا، نہ اس پر کسی جھوٹ کا پردہ ڈال سکتا تھا۔ وہ بھی میری عادت کو اچھی طرح جانتی اور سمجھتی تھی کہ میں اس سے اپنی کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتا، میں نے چاچی کو بتایا کہ جل پنا اور سندر متی میں سے ایک ہر وقت دل میں اور دوسری آٹھوں پہر ذہن میں رہتی ہے، یہ باتیں سن کر چاچی شاید مجھے پاگل سمجھنے لگی یا اس بات پر خود پاگل ہو رہی تھی کہ میں بیک وقت دو لڑکیوں سے پریم کرتا ہوں۔

میں اس امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جب بانی پارہ سے رخصت ہوا، سندر متی

میرے خیالوں پر چھائی تھی اور اس کے بدن کی خوشبو نے مجھے اسی طرح دیوانہ کر دیا تھا۔ جیسے جنگل کی چاندنی رات میں کوئی چیتل اپنی مادہ کی مہک سونگھ کر دیوانہ ہو جاتا ہے۔ سندر متی کی اس لگن میں جل پنا کا خیال کہیں دور چلا گیا تھا، جیسے افق پر کوئی ستارہ ٹمٹما رہا ہوں لیکن رنگا متی میں آ کر جب یہ انکشاف ہوا کہ وہ تو موسی چندر بالا کی بیٹی چاچی کی بھتیجی اور میری بھی کچھ لگتی ہے، یک لخت اس کا ستارہ عین میرے سر پر چمکنے لگا جس طرح تیسرے آسمان پر زہرہ چمکتا ہے اور اس کی کرنیں میرے دل میں اترنے لگیں، وہ میرے اپنے گھرانے کی عزت تھی جسے قسمت ساؤ گاری میں لے گئی اور اب میں پروہت گنجال کو کسی قیمت پر اس کے جیون سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

میں نے یہ سب کچھ سوچ لیا، ساؤ گاری کے حالات پر غور کر لیا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ جل پنا کی واپسی کے لئے میرا ساؤ گاری میں قیام ضروری ہے، مگر سروپ جی کے ساتھ وشواس گھات کر کے یا سندر متی سے بے تعلق رہ کر میں ساؤ گاری میں نہیں رہ سکتا تھا۔ ایسا کر بھی نہیں سکتا تھا۔ جل پنا کے ساتھ میرے گھریلو ناتے کی جو صورت سامنے آئی، اس نے بلاشبہ مجھے ہلا کر رکھ دیا مگر سندر متی سے بے تعلق رہنا میرے بس میں نہیں تھا، وہ تو میرے شریر کا حصہ بن چکی، گویا میری پسلیوں میں سے ایک پسلی تھی۔ میں اسے چھوڑ نہ سکتا تھا اور اب تو جل پنا کی بھٹکی آتما کو ساؤ گاری کے پراسرار ''مکتی گھر'' سے رہائی دلانے کے لئے بھی مجھے سندر متی کو قبول کرنا تھا مگر چاچی اس صورتحال کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ جس سے میں دو چار تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ میں سندر متی کو چھوڑ کر لگن توڑ کر صرف جل پنا سے پریم کروں۔ اسی کو اپنی دلہن بناؤں، اس کی آنکھوں میں آشا کی بجھتی جوت خاموشی کی زبان میں فریاد کر رہی تھی کہ میں اسے بجھنے نہ دوں۔ اسے نراش نہ کروں مگر میں اسے وہ بات سمجھا نہیں سکتا تھا جو میرے اپنے من میں تھی پھر بھی سوچا کہ سندر متی کے بارے میں اسے کچھ اور بتا دوں۔ وہ گم صم، چپ چاپ بیٹھی تھی۔ میں نے کہا۔

''چاچی! سندر متی سروپ جی کی اکلوتی بیٹی اور ان کی ساری جائیداد کی اکیلی وارث ہے۔ بائی پارہ میں ساؤ خاندان کی جاگیر ہے۔ بہت بڑی حویلی ہے، لاکھوں کی جائیداد ہے، پھر رنگا گری میں آٹھ ایکڑ کے رقبے پر پھیلی ساؤ گاری کی قلعہ نما عمارت ہے۔ سروپ جی کہتے ہیں کہ سندر متی سے لگن کے بعد میں اس ساری جائیداد کا مالک بن گیا ہوں۔''

عورتوں کو جہیز اور لڑکی کی طرف سے ملنے والی جائیداد سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ذکر چھیڑا تھا، چاچی خاموشی سے سنتی رہی۔ میں نے بتایا۔

''سروپ جی نے مجھے ایک انگوٹھی بھی دی اور کہا تھا اگر چاچی سندر متی کو اپنی بہو سویکار کر لے تو یہ انگوٹھی ان کی طرف سے مجھے پہنا دے اور سندر متی کے لئے لوہے یا پیتل کا ایک چھلا

اور بھی بھیج دے گی تو انہیں منظور ہوگا۔''

میں نے اپنی جیب سے انگوٹھی نکال کر چاچی کے ہاتھ پر رکھ دی۔ اس نے میری باتیں اس طرح سنیں جیسے عجیب سا خواب دیکھ رہی یا ''طلسم ہوشربا'' کی کوئی داستان سن رہی ہو مگر انگوٹھی میں جڑا ہوا ہیرا دیکھ کر ذرا چونک اٹھی اور آہستہ سے بولی۔

''یہ تو ہیرے کی انگوٹھی ہے رے۔''

''چاچی! ساؤ گھرانے میں سونے چاندی، ہیرے جواہرات کی کمی نہیں۔ لگن کی رات بڑھے ساگر ساؤ جی نے سندر متی کے ہاتھ مجھے چھ ہیرے تحفے میں بھیجے تھے۔''

''چھ ہیرے؟'' اس کی آنکھوں میں حیرت کی نئی چمک پیدا ہوئی۔

میں نے اندرونی جیب سے وہ چھوٹی سی چرمی تھیلی نکالی جو ساگر ساؤ جی نے بھیجی تھی اور چھ کے چھ ہیرے چاچی کی ہتھیلی پر ڈھیر کر دیئے۔ اس کے چہرے پر بھونچال کی سی کیفیت طاری ہوئی، میں نے بتایا۔

''کم سے کم لاکھ سوا لاکھ کے ہوں گے۔''

اکٹھے چھ قیمتی ہیرے دیکھ کر وہ حیران و ششدر رہ گئی۔ سونا چاندی، ہیرے جواہرات ہر عورت کی کمزوری ہے، میں کالج میں پڑھتا تھا تو کئی عورتوں کی طرح چاچی بھی میرے بارے میں کچھ ایسے ہی سپنے دیکھا کرتی تھی کہ میں پڑھ کر کسی راجہ کی بیٹی سے بیاہ کروں گی۔ وہ سونے اور ہیرے جواہرات سے لدی پھندی آئے گی اور ہم راتوں رات بڑھے دھنوان بن جائیں گے۔ آج میں نے اس کے سپنوں کی تعبیر اس کی ہتھیلی پر رکھ دی تھی اور محسوس کر رہا تھا کہ اس کے من میں کوئی جوار بھاٹا سا اٹھ رہا ہے، وہ کبھی ہیروں کو دیکھتی، کبھی انگوٹھی کو اور کبھی مجھے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اسے جل پنا اور سندر متی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا، میں نے پوچھا۔

''کیا سوچا ہے چاچی؟''

یک لخت وہ کسی خواب سے چونکی۔ ''تو کیا چاہتا ہے؟''

''مجھ سے کیوں پوچھتی ہے جو من میں آتا ہے کر۔''

وہ غمگین سے لہجے میں بولی۔ ''تجھ سے اس لئے پوچھا ہے کہ بھگوان کے سامنے تیری مرضی پوری کرنے کا وچن دے چکی ہوں اور میں اپنا وچن توڑوں گی نہیں وہی کروں گی جو تو چاہتا ہے۔''

''پھر سروپ جی کی بھیجی ہوئی انگوٹھی مجھے پہنا دے اور سندر متی کو اپنی بہو سویکار کر۔''

اس کی پلکوں کی چلمن میں آنسوؤں کے موتی اٹک گئے۔ آواز بھرا گئی۔

''میری جل پنا کا کیا ہوگا؟''

''جل پنا کی فکر نہ کر، وہ میرا پریم، میری مہیشوری، میری جان، میری آن ہے۔''

''اور سندر متی؟''

''سندر متی میری سرسوتی، میرا علم، میرا گیان، میرا نروان ہے۔''

پھر شاید بے دھیانی میں اس کی زبان سے نکل گیا۔

''اور منجوری کیا ہے؟''

''وہ میری پاربتی، میری منگیتر، تیرا قول، میرا سپنا ہے۔''

چاچی نے پاگلوں کی طرح مجھے آنسوؤں کی چلمن سے دیکھا اور حیرت زدہ سی بولی۔

''کیا صوفی عبدالجبار کی طرح تین عورتیں گھر میں ڈالے گا؟''

''میں نے پہلے ہی بول دیا تھا تجھے کہ منجوری کا تیسرا نمبر ہے مگر تو میری بات کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔''

''تین تین چار چار بیویاں تو مسلمان کرتے ہیں، بودھوں میں یہ رواج نہیں، بودھ گھرانوں میں صرف ایک بہو آیا کرتی ہے۔''

''رواج کو چھوڑ چاچی! تو سندر متی کو اپنی بہو سویکار کر اور یہ نہ سوچ کہ کون آتی ہے، کون جاتی ہے۔''

''میری خاطر ایک بار تو بھی سوچ لے۔''

''میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے، اگر سندر متی سے میرا لگن ٹوٹ گیا تو میں جل پنا کو ساؤ گاری سے نہ نکال سکوں گا، تیری بچھڑی آتما کو واپس نہ لا سکوں گا۔''

وہ حیرت پاش نظروں سے مجھے دیکھتی رہی اور میں کہتا گیا۔

''جو میں جانتا ہوں، تو نہیں جانتی۔ شہروں سے دور، رتنا گری کے ویرانے میں ساؤ گاری کا ''مکتی گھر'' مجھے قدرت کا ایک خوفناک اور پراسرار ''بندی گھر'' معلوم ہوتا ہے، جہاں بے رحم تقدیر نے تیری جل پنا کو دھکیل دیا ہے اور وہ حالات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ پروہت گنجال نے مجھے چیتاؤنی دی ہے کہ جل پنا بھگوان کی نرتکی ہے اور موہ مایا کی دنیا میں واپس نہیں جا سکتی۔ اگر میں اس سے یا وہ مجھ سے پریم کرے گی تو جل کر بھسم ہو جائے گی مگر میں نے پروہت گنجال سے لڑائی قبول کر لی ہے۔ میرا پریم جل پنا پر جیون کی نئی چھایا ڈال دے گا اور میں اسے ساؤ گاری کے بندی گھر سے نکال کر تیرے چرنوں میں لے آؤں گا ماں۔۔۔!''

میری زبان سے ''ماں'' کا لفظ سن کر چاچی کے بدن پر عجیب سی سنسنی طاری ہوئی اور وہ یوں تڑپی جیسے اس کے من میں کوئی نیا دوار کھل گیا ہو۔ ویسے تو اس نے ماں بن کر میرے سب چاؤ پورے کئے تھے مگر میں بچپن ہی سے اسے چاچی کہتا آیا تھا۔ آج پہلی بار منہ سے بے اختیار

''ماں'' کا لفظ نکل گیا تو جیسے اس کی دنیا ہی بدل گئی۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور یوں اپنے سینے سے لگا لیا جیسے میں کئی سالوں کے بعد آج ہی گھر لوٹا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح مجھے چومنے اور پیار کرنے لگی۔

''تو نے مجھے ماں کہا میرے دلارے!''

''ہاں۔۔۔ ماں کہا تجھے۔''

''میں واری جاؤں میرے لال۔۔!''

اس نے میرے ماتھے اور دونوں گالوں پر لاتعداد بوسے دیئے۔ وہ مجھے کسی ننھے منے بچے کی طرح بار بار چومتی اور پیار کرتی۔ میرے ''ماں'' کہنے سے اس کے سینے میں ممتا کا اتنا زبردست دھارا بہنے لگا کہ میں اس کے پیار کی دیوانگی سے گھبرا گیا اور سوچنے لگا کہ ماں بیٹے کا رشتہ بھی کتنا عظیم ہوتا ہے کہ اس کے سامنے دنیا کے سب رشتے ہیچ نظر آتے ہیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی جو عورت کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ اپنے بچے کو گود میں لے کر پیار کرتی اور اسے اپنا دودھ پلاتی ہے۔ کبھی کبھی سندر متی بھی اسی طرح بے تابانہ مجھے لپٹایا کرتی تھی مگر وہ ایک محبوبہ کا پیار تھا اور یہ ایک ایسی عورت کی ممتا تھی جو ماں نہ بن سکی، مگر اپنے سینے میں بے پناہ پیار رکھتی تھی۔ آج اس نے میرے لئے اس پیار کے پٹ کھول دیئے اور بولی۔

''کیشپ بیٹے! میں آج تک تیری ہر بات مانتی رہی ہوں، تو بھی میری ایک مانے گا؟''

''کیوں نہیں مانوں گا، بول کیا چاہتی ہے؟''

''آج سے مجھے چاچی کہنا چھوڑ دے۔۔۔ ماں کہا کر۔''

''بیشک میں نے تیرا دودھ نہیں پیا مگر تجھے اپنی ماں سمان سمجھتا رہا ہوں، تو ہی میری ماں میری جنت، میرا سورگ ہے۔''

اس نے ایک بار پھر مجھے سینے سے لپٹایا، چمٹایا، میرا منہ چوما اور بولی۔

''میرے دلارے! بھگوان نے مجھے اولاد نہیں دی اور میری چھاتیوں میں دودھ نہیں ڈالا، ورنہ جب تیری ماں تجھے ایک مہینے کا چھوڑ کے چل بسی تھی، میں تجھے اپنا ہی دودھ پلاتی۔''

''مگر تو مجھے اپنے پیار کا دودھ پلاتی رہی ہے، مجھے پال پوس کر جوان کیا اور محنت مشقت کر کے پڑھایا، تیری ہی بدولت آج میں اس قابل ہوا ہوں کہ بڑے بڑے لوگ میرے سامنے جھکتے ہیں، میں تیرے پاؤں کی دھول ہوں ماں۔۔۔''

شدتِ جذبات سے میری آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے۔ اس نے میری ٹھوڑی اوپر اٹھا کر میری آنکھوں کو بوسہ دیا اور میرے آنسو اپنے ہونٹوں سے چوس لئے۔

"اپنے آنسو مجھے دے دے میرے لال! اور میرے من کی خوشیاں اپنے چہرے پر بکھیر لے جو بھگوان نے مجھے آج ہی بخشی ہیں۔"

اس نے فی الواقع میرے لئے بہت بڑی قربانی دی تھی، جب میرے چاچا چکرورتی سہائے پرلوک سدھارے اس کی عمر 30-31 برس کی تھی۔ اپنی خوبصورتی اور جوانی کے باوجود اس نے دوسری شادی نہیں کی۔ مجھے اپنے سینے سے لگا کر بیٹھ گئی اور صرف میرے لئے جینے لگی، آج مجھے رہ رہ کر اس کی اس قربانی کا خیال آرہا تھا۔ اس کے بے پناہ پیار نے میرا دل گداز کر دیا۔

پھر اس نے مجھے اپنے پاس بٹھالیا اور بولی۔

"اپنا ہاتھ بڑھا میرے لال!"

اور جب میں نے ہاتھ بڑھایا اس نے سروپ جی کی بھیجی ہوئی انگوٹھی میری انگلی میں پہنا دی، میری نظریں دوڑ کر اس کے چہرے پر گئیں جو ماتا کے ایک نئے نور سے چمک رہا تھا۔

"تو نے سندرمتی کو اپنی بہو مان لیا ماں؟"

ہاں رے...... مان لیا۔" اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"اور جل پنا؟"

"اسے میں نے تیرے قول پر چھوڑا۔"

پھر وہ ایک عجیب شان سے کھڑی ہوئی اور بھگوان کی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔ "میں نے اپنے بیٹے کا کہا پورا کیا ہے بھگوان! میرے بیٹے کی رکھشا کرنا۔"

اور اس وقت جب وہ بھگوان کے سامنے کھڑی تھی، وہ مجھے بھگوان سے بھی زیادہ اونچی اور عظیم نظر آئی کیونکہ شاکیہ منی گوتم سدھارتھ کو بھی ایک ماں نے جنم دیا اور دودھ پلا کر بڑا کیا تھا اور اس سے مجھ پر اس گیان کا پرکاش ہوا کہ اس سارے سنسار میں، اس ساری دنیا میں انسان کو جنم دینے اور پرورش کرنے والی سب سے بڑی ہستی ماں اور بھگوان بدھ کو بھی اس نے جنم دیا تھا اور وہ ماں ہی ہے جو اپنی تمام خوشیاں بیٹے پر قربان کر دیتی ہے۔

اس پرکاش کے بعد میرا سر خود بخود ماں کے چرنوں میں جھک گیا میں نے اپنے ہونٹوں سے اس کے پاؤں کی دھول چومی اور اپنے آنسوؤں سے اس کے قدموں کو دھو دیا، اس نے پریشان ہو کر مجھے بانہوں کے سہارے اوپر اٹھایا اور تڑپ کے بولی۔

"کیا ہوا کیشپ! میں نے تیری سندرمتی کی خوشیاں تجھے دے دیں اور اپنی جل پنا کا غم اپنے پاس رکھا ہے پھر تیری آنکھوں میں آنسو کیوں؟ بول مجھ سے کوئی بھول تو نہیں ہوئی؟"

"بھول تجھ سے نہیں شاید مجھ سے ہوئی ہے ماں! مگر تو اتنی عظیم ہے اور تیرا ہردے، تیرا کلیجہ

اتنا بڑا ہے کہ تو اپنے غم سمیٹ کر میری خوشیوں پر مسکرا دی، تب میرا سر تیرے چرنوں میں جھک گیا تو نے مجھے اپنے پاؤں سے کیوں اٹھا لیا ماں؟"

"پگلے تو تو میرا دلارا ہے، تیری جگہ چرنوں میں نہیں میرے دل میں، میرے سینے میں ہے جسے بھگوان نے تیرے پیار سے بھر دیا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے پھر بڑے زور سے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

OOO

(13)

رُوح کا رشتہ

اگلے دن سب سے پہلے سندرمتی کو چٹھی لکھی کہ چاچی نے جو میری ماں، میری دنیا، میری جنت سب کچھ ہے، اسے اپنی بہو مان لیا ہے اور اپنی آشاؤں کا گلا گھونٹ کر ہمارے دامن میں ملاپ کی خوشیاں بھر دی ہیں، وہ چٹھی یہاں نقل کر رہا ہوں جس سے میری آپ بیتی پڑھنے والے سمجھ لیں گے کہ اگر میں نے سندرمتی کو وصل کا سندیس بھیجا تو جل پنا کا غم اپنے سینے میں چھپالیا اور اسے ''لگن کے حادثے'' سے بچانے کی ایک ترکیب بھی نکال لی یہ سندرمتی کے نام میری پہلی تحریر تھی۔

''حسن اور پیار کی دیوی سندرمتی!

سفر میں کسی حادثے کے بغیر میں رنگامتی پہنچ گیا اور چٹھی اپنے گھر سے لکھ رہا ہے، باٹی پارہ میں تجھ سے جس بھیانک سپنے کا ذکر کیا تھا وہ ''خواب پریشان'' ہی نکلا۔

یہاں آ کر میں نے ماں سے تیری بات چلائی، وہ ہے تو میری چاچی مگر میرے لئے اپنے سینے میں ماں کا دل رکھتی ہے تو جانتی ہے، ہر ماں بیٹے کے لئے کچھ سپنے دیکھتی ہے اور ان کی تعبیریں ڈھونڈتی رہتی ہے۔ میرے لئے بھی ماں نے اپنے دل میں کچھ تاج محل سجا رکھے تھے۔ ایک دلہن بھی تلاش کر لی تھی مگر جب اسے پتہ چلا کہ میرے پریم کی نگری تو ساؤ گاری ہے اور میں نے تم جیسی سندر لڑکی کا انتخاب کر لیا ہے۔ اس نے اپنے تاج محل پر پردہ گرا دیا اور تیرے پتا جی کی بھیجی ہوئی انگوٹھی مجھے پہنا دی۔ تجھے اپنی بہو سویکار کر لیا۔ اب وہ چاہتی ہے میں تیری پھولوں کی سی پالکی اس کے آنگن میں اتار دوں لیکن یہ نہیں جانتی تجھ سے لگن کر کے ساؤ گاری کے ''مکتی گھر'' کا وارث بن گیا ہوں اور اب مجھے بھی تیرے پرکھوں کی طرح وہیں جینا، وہیں مرنا ہوگا۔ پھر بھی ماں کو تیرا سندر روپ دکھانے اور آشیرواد دلانے کے لئے تجھے ایک بار رنگامتی ضرور لاؤں گا اور تو دیکھے گی کہ میری ماں ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ایک ہے۔

میں جانتا ہوں یہ خبر سن کر ماں نے تجھے اپنی بہو قبول کر لیا ہے، تیرا من خوشی سے جھوم اٹھے گا۔ میں بھی اپنے بستر کے جنگل میں رات بھر تیری خوشبو سونگھتا اور بے چین ہوتا رہا ہوں، میرا خیال ان جگہوں میں بھٹکتا رہا ہے جہاں تو دن کو پھرتی اور رات کو سوتی ہے۔

میرے جیون میں بڑی عجیب و غریب اور حیرت انگیز باتیں رونما ہو رہی ہیں اور قدرت کا

ان دیکھا ہاتھ مجھے ان راستوں پر لئے جاتا ہے جن کی منزل ابھی اندھیروں میں پوشیدہ ہے، اس لئے میں لگن کا اعلان ضروری نہیں سمجھتا اور ان اچھے دنوں کو آنے والے زمانے کے لئے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں تو حیران ہوگی جب تیرے دادا اور پتا جی راضی ہیں، میری ماں نے آگیا دے دی ہے، پھر لگن کا اعلان کیوں نہ ہو؟

یہ سوال اپنی حیرت کے غلافوں میں لپیٹ کر کہیں رکھ دے اور اسے بھول جا۔ ہر بات پوچھی نہیں جاتی۔ ہر سوال کا جواب ضروری نہیں ہوتا کیونکہ بعض سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب آنے والا وقت اپنے دامن میں لپیٹ کر رکھتا ہے اور یہ سوال بھی ایسا ہی ہے۔

تو نہیں جانتی، کوئی نہیں جانتا کہ سروپ جی نے مجھے ساؤ گاری میں کیوں بلایا تھا، اگر وعدہ کرے کہ اپنی زبان بند رکھے گی تو تجھے ایک بھید کی بات بتاؤں کیا تو وشواس کرے گی کہ تیرے پتا جی بہت دکھی ہیں جس طرح کوئی پنچھی پنجرے میں تڑپتا ہے اسی طرح وہ ساؤ گاری میں اپنی زندگی کو عذاب سمجھ کر بھوگ رہے ہیں مگر ان کا یہ دکھ ایک گہرا بھید ہے جسے وہ مجھے، تجھے، کسی کو بتانا نہیں چاہتے انہیں بھگوان بدھ کی ایک ایسی مورتی کی تلاش ہے جو ان کے دکھ کا علاج کر سکتی ہے یقیناً اس مورتی کے ساتھ کوئی ایسا راز وابستہ ہے جو ان کی مشکل آسان کر سکتا ہے انہوں نے مجھے اس مورتی کی تحقیق و تلاش کے لئے بلایا اور صرف اتنا کہا تھا۔ ''اگر وہ مورتی مل جائے تو میں ایک بہت بڑے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا'' اور میں نے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کی خواہش ضرور پوری کروں گا۔ میں نہیں جانتا مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوگی یا نہیں مگر جب تک وہ پراسرار مورتی نہیں مل جاتی، سروپ جی کی روح بے چین رہے گی۔

یہ تیرے پتا جی کی کلپنا ہے جس کا ذکر میں نے کیا ہے، ادھر میری ماں بھی ایک بچھڑی آتما سے ملنے کے لئے تڑپ رہی ہے اور میں نے اسے بھی وچن دیا ہے کہ ''تیری بچھڑی آتما کو ایک نہ ایک دن تیرے چرنوں میں لے آؤں گا۔'' اگر تو سچ پوچھے تو یہی وچن میرے تیرے لگن کی شرط ٹھہرا ہے اور تیرے ساتھ لگن رات منا کر میں اس وچن کا پابند ہو جاؤں گا۔

یہ میرے جیون کے دو آدرش ہیں جنہیں پورا کئے بغیر میں خود کو نامکمل سمجھتا ہوں، تیرے پتا جی اب میرے بھی پتا جی ہیں اور میری ماں اب تیری بھی ماں ہے، ہم دونوں کو مل کر انہیں دیئے ہوئے قول پورے کرنا ہیں۔ اس لئے جب تک یہ آدرش پورے نہ ہو جائیں اور ان کی روٹھی ہوئی خوشیاں انہیں نہ مل جائیں ساؤ گاری میں کسی کو ہمارے رشتے کا علم نہیں ہونا چاہئے اب تو مجھ سے یہ نہیں پوچھے گی کہ ماں کی بچھڑی ہوئی آتما کون ہے؟ نہ اپنے پتا جی سے یہ دریافت کرنے کی کوشش کرے گی کہ وہ کس عذاب میں مبتلا ہیں اور جس مورتی کی انہیں تلاش ہے، وہ ان کے دکھ کا مداوا کیسے کر سکتی ہے؟ اگر تو نے پوچھنے کی غلطی کی تو مایوس ہوگی۔ سروپ جی تجھے

کچھ نہیں بتائیں گے بتانا ہوتا تو وہ گہرا راز تجھ سے چھپاتے ہی کیوں جوان کے جیون کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے اس لئے میں نے تجھ پر اعتماد کر کے جو بات بتا دی ہے تیری زبان پر نہیں آنی چاہئے ورنہ تو میرا اعتماد بھی کھو دے گی۔

یہ دونوں باتیں ابھی پردہ اسرار میں رہنے دے۔ وقت کے زبردست ہاتھ ایک دن یہ سر بستہ راز کھول دیں گے اور تو دیکھے گی کہ میں نے جو عزم کیا ہے وہ پورا ہوگا۔ اب تجھے کچھ جاننے اور مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ عورت سمندر کی طرح گہری ہوتی ہے تو بھی یہ باتیں اپنے دل کی گہرائیوں میں چھپا لے اور میرے لئے اپنے پریم کے پٹ کھول دے، میں سات تاریخ کی شام کو دوسری گاڑی سے بائی پارہ پہنچ جاؤں گا اور سات تاریخ کا انتخاب اس لئے کیا ہے کہ سات کا عدد مبارک ہوتا ہے اسی تاریخ کو تیرے پرکھوں کی حویلی میں ہمارا ملاپ ہوگا۔ وہ رات اس کائنات کی سب سے سندر رات ہوگی اور اس رات میں تیرے بدن پر ایسا لباس دیکھنا چاہتا ہوں جو تو صرف میرے لئے پہنے گی، یقیناً تیرا لباس بہترین اور تیرا بستر راحت افزا ہوگا کیونکہ ہمارے ملاپ کی رت آ گئی اور جنگل میں مینا بولنے لگی ہے۔ اپنی حویلی کے پھاٹک پر میرا انتظار کر۔

(تیرا کیشی)

چٹھی بائی پارہ کے پتے پر پوسٹ کر کے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا کہ چلتے چلتے اچانک میرے ذہن میں جھماکے سے ہونے لگے اور سوچنے لگا اگر میں سروپ جی کی مطلوبہ مورتی ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تو ان سے ہر شرط منوا سکوں گا اور سندر متی کے ساتھ جل پنا کو بھی اپنا لوں گا۔

یہی سوچ رہا تھا کہ خیال آیا جن دنوں میں نے سرپ جی کی فرمائش پر پیتل کی مورتیوں پر مضمون لکھا تھا، اس کی اشاعت کے چند روز بعد کلکتہ کے ایک بودھ پروفیسر نے مجھے ایک کتاب دی اور تاکید کی تھی میں اسے ضرور پڑھوں مگر میں بی اے کے امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گیا تھا، اس لئے کتاب کا مطالعہ نہ کر سکا، پھر نتیجہ نکلنے کے بعد کچھ عرصہ نوکری کی تلاش میں بھٹکتا رہا مگر جب رنگا متی آیا وہ کتاب اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ انہی ایام میں نصف کتاب پڑھی جس میں بھگوان بدھ کی قدیم مورتیوں سے متعلق اہم معلومات درج تھیں لیکن ابھی پوری کتاب نہیں پڑھی تھی کہ شیلانگ اور وہاں سے ساؤ گاری چلا گیا۔ ساؤ گاری میں یہ حقیقت واضح ہوئی کہ سروپ جی دراصل آنند بھکشو والی مورتی کی تلاش میں ہیں، اب مجھے یہ خیال ستانے لگا، ہو سکتا ہے اس کتاب میں جسے ختم کئے بغیر ہی چلا گیا تھا، آنند بھکشو والی مورتی کا بھی ذکر ہو۔

کوئی پراسرار قوت اشارہ کر رہی تھی کہ مجھے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ وہ مطلوبہ مورتی کے بارے میں ضرور رہنمائی کرے گی، اس لئے گھر پہنچتے ہی اپنے کمرے میں گیا اور الماری کھول کر کتاب نکالنا چاہی تو کتاب وہاں نظر نہ آئی، میز پر کتابوں کے ریک میں دیکھا وہاں بھی نہیں تھی۔ الماری اور ریک کو بار بار دیکھا۔ سارا کمرہ الٹ پلٹ کر دیا مگر کتاب نہ مل سکی۔ سخت حیران تھا کہ گئی کہاں؟ تنگ آ کر ماں سے پوچھا، وہ اپنی دھوتی کا پلو کمر سے لپیٹے (جیسے کام کاج کے وقت عورتیں اکثر لپیٹ لیتی ہیں) رسوئی گھر میں کام کر رہی تھی، مجھے پریشان دیکھ کر بھاگی آئی۔ اس کے بال اور گریبان کھلا تھا، آتے ہی بولی۔

"تیرے بعد کسی نے تیری کتابوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

"پھر کتاب کون لے گیا؟"

"لے کون جائے گا۔ یہیں کہیں ہوگی۔"

"یہاں تو نہیں ہے، ڈھونڈ ڈھونڈ کے پاگل ہو گیا ہوں۔"

ماں نے بتایا تھا میرے بعد منجوری اس کمرے میں گھسی رہتی تھی، پوچھا۔ "ماں کہیں وہ کتاب منجوری نے ادھر ادھر نہ رکھ دی ہو؟"

"نہیں رے...... وہ تو کمرے میں صرف تیری تصویر دیکھنے آتی تھی۔"

پھر بھی ہم دونوں بڑے کمرے میں آ کر کتاب ڈھونڈنے لگے مگر وہ تو "طلسمی ٹوپی" کی طرح غائب ہوئی تھی۔ ماں اسی طرح کمر سے دھوتی لپیٹے بکھرے بالوں اور کھلے گریبان کے ساتھ ادھر ادھر ہاتھ مار رہی تھی اور مجھے دیکھ کر خود بھی پریشان ہو رہی تھی جب ہم دونوں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے تو اچانک میری نظر اس طاقچے پر پڑی جو سامنے کی دیوار میں کافی بلندی پر تھا اور اکثر خالی پڑا رہتا تھا وہاں کوئی شے کپڑے میں لپٹی دکھائی دی۔ میں نے چوبی اسٹول پر کھڑے ہو کر طاقچے سے کپڑے کی پوٹلی اٹھائی تو میری مطلوبہ کتاب اس میں لپٹی ہوئی تھی، میں نے ماں سے پوچھا۔

"تو کہتی تھی کسی نے میری کتابوں کو ہاتھ نہیں لگایا پھر یہ کتاب طاقچے میں کس نے رکھی؟"

"میں نے نہیں رکھی کیشپ بیٹے"

"تو یہ شرارت منجوری کی ہوگی۔"

"وہ کیوں کرتی ایسی شرارت۔"

واقعہ دلچسپ بھی تھا اور حیرت انگیز بھی۔ میری الماری سے وہی کتاب اٹھائی گئی جو بھگوان بدھ کی مورتیوں کے بارے میں تھی اور جس کے متعلق میں نے راستے میں سوچا تھا پھر عجیب بات یہ تھی کہ کتاب اٹھا کر ایسے طاقچے میں رکھ دی گئی جہاں آسانی سے کسی کا ہاتھ بھی نہیں پہنچ

سکتا، آخر کیا مقصد تھا یہ تکلف کرنے کا؟ یقیناً یہ کام منجوری کا نہیں تھا۔ بھلا مڈل پاس لڑکی کو انگریزی کی ایک کتاب سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے تاہم یہ معما سمجھ میں نہ آ سکا کہ کسی نے کتاب میری الماری سے کیوں نکالی اور اسے کپڑے میں لپیٹ کر طاقچے میں رکھ دینے کا مقصد کیا تھا۔ میں کتاب لے کر اپنے کمرے میں آ گیا اور ماں رسوئی گھر کی طرف چلی گئی۔

○

کمرے میں آ کر کتاب کھولی تو اندر سے پیلے رنگ کا ایک کاغذ برآمد ہوا جس پر بنگلہ بھاشا میں کچھ چیزیں بطور یادداشت نوٹ کی گئی تھیں۔

(1) ایک مسودہ جو نیلی جلد والے رجسٹر میں ہے۔

(2) اس کے ساتھ دو فائلیں۔

(3) ایک مورتی جو میں کلکتہ سے لے کر آیا تھا۔

نیچے میرے سورگ باشی چاچا چکرورتی سہائے کے دستخط تھے، میں یہ رقعہ پڑھ کر بڑا حیران ہوا اور پھر ماں کو آواز دی۔ وہ بے چاری اسی حالت میں بھاگی آئی۔

''اب کیا ہے؟'' وہ سمجھی تھی شاید میری کوئی اور چیز گم ہو گئی ہے۔

میں نے اسے پیلے رنگ کا کاغذ دکھایا۔ ''ماں! اس کتاب میں یہ رقعہ کس نے رکھا؟''

''جب میں نے تیری کتاب کو چھوا تک نہیں تو مجھے کیا معلوم کس کا رقعہ ہے؟''

''چاچا جی کا...... کچھ چیزیں لکھی ہیں۔''

اس نے حیرت زدہ نظروں سے پیلے کاغذ کو دیکھا اور بولی۔ ''ذرا دکھا تو۔''

میں نے کاغذ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور وہ یوں تڑپی جیسے بجلی کا شاک لگا ہو، اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ''ارے کیشپ! یہ تو وہی رقعہ ہے جو تیرے چاچا نے سپنے میں مجھے دیا اور کہا تھا کہ میری یہ چیزیں نکال رکھنا پھر آ کے لے جاؤں گا۔''

میں بری طرح چونکا اور حیران سا ہو کر بولا۔ ''مگر تو نے مجھے چٹھی میں لکھا تھا کہ وہ رقعہ سپنے میں کہیں گم ہو گیا تھا۔''

''ہاں ...... میں رقعہ کہیں رکھ کہ بھول گئی تھی۔ سمجھی گم ہو گیا اسی لئے جب سپنا ٹوٹا میں پریشان تھی کہ ان کا رقعہ ہی کھو بیٹھی ہوں تو چیزیں کیسے نکال کے رکھوں گی مگر اچھا ہوا یہ کاغذ مل گیا۔''

''تجھے یقین ہے سپنے میں چاچا نے یہی کاغذ دیا تھا؟''

''کیوں نہیں۔ یہی پیلے رنگ کا کاغذ تھا، دیکھ ان کے دستخط بھی ہیں۔''

معاملہ بڑا عجیب اور ناقابل فہم تھا کہ چاچا ماں کے سپنے میں آئے اور ایک رقعہ دے کر چلے

گئے۔ ماں وہ رقعہ کہیں رکھ کے بھول گئی یا کھو بیٹھی یہ سب کچھ سپنے میں ہوا تھا مگر اب وہی رقعہ میری کتاب سے برآمد ہوتا ہے اور یہ بھی کہتی ہے۔ ''میں نے کتاب کو چھوا تک نہیں۔''

میں سوچنے لگا کہیں ایسا تو نہیں کہ چاچا نے اپنی زندگی میں کوئی رقعہ ماں کو دیا ہو اور یہ کہہ کر جلدی میں کہیں چلے گئے ہوں کہ میری واپسی تک یہ چیزیں نکال کر رکھنا مگر ماں سے وہ رقعہ کھو گیا اور جب چاچا گھر لوٹے تو اس پر بگڑے ہوں کہ چیزیں کیوں نہیں نکالیں، اب کئی برس کے بعد وہی واقعہ خواب میں دہرایا گیا ہو مگر ماں نے میرے اس خیال کی تردید کی اور کہا۔

انہوں نے جیون میں ایسا رقعہ مجھے کبھی دیا ہی نہیں، وہ اپنی چیزیں خود سنبھالتے تھے۔''

پھر قابل غور بات یہ تھی جس کتاب سے رقعہ برآمد ہوا وہ میں چند مہینے پہلے کلکتہ سے لے کر آیا تھا اور اس میں رقعہ رکھنے کا مطلب یہی تھا کہ واقعہ پرانا نہیں تازہ ہے مگر یہ بات میری سمجھ سے بالا تھی کہ ماں کو رقعہ تو خواب میں دیا گیا تھا اور وہی رقعہ حقیقت میں موجود تھا۔ وہ میری حیرت کو بھانپ کر کہنے لگی۔ ''ارے پریشان کیوں ہوتا ہے، تیرے چاچا جانتے تھے مجھے بھول جانے کی عادت ہے وہی یہ رقعہ اس کتاب میں رکھ گئے اور کتاب طاقچے میں سنبھال گئے ہوں گے کہ کہیں کھو نہ جائے۔''

یہ ایک اور پراسرار معاملہ تھا کہ ایک مرا ہوا آدمی گھر میں آمد و رفت رکھتا ہے۔ میرا ذہن اس بات کو ماننے سے انکار کر رہا تھا۔ کیا عجب ماں نے رقعہ خود ہی کتاب میں رکھا ہو اور کتاب الماری سے نکال کر طاقچے میں سنبھال دی ہو پھر سب کچھ بھول گئی ہو مگر اب مجھے اس کے سپنے کی دوسرے پہلو سے سوچنا پڑا۔

''اچھا ماں! تو نے چاچا کی وہ چیزیں کہاں رکھ چھوڑی ہیں جن کا رقعے میں ذکر ہے؟''

''مرنے کے بعد ان کی سب چیزیں کاغذ، مسودے، رجسٹر، فائلیں، کتابیں وغیرہ ایک بڑے ٹرنک میں محفوظ کر دیں اور ٹرنک تیرے پتا جی والے کمرے میں رکھ دیا تھا، جسے تیرے چاچا بند ہی رکھتے تھے۔ وہ مورتی بھی جسے وہ کلکتہ سے لے کر آئے، انہی چیزوں کے ساتھ ٹرنک میں بند کر دی تھی۔ تجھے یاد ہو گا آخری بار جب وہ کلکتہ سے لوٹے۔ چٹا گانگ میں ایک بیل گاڑی کی جھپٹ میں آ کر زخمی ہو گئے تھے مگر علاج کے لئے وہاں رکے نہیں، زخمی حالت میں لانچ پر سوار ہوئے اور رنگامتی آ گئے۔ آتے ہی اپنے تھیلے سے کاغذوں میں لپٹی ہوئی ایک مورتی نکال کر میرے حوالے کی اور کہا۔ ''اسے کہیں سنبھال کے رکھو۔ بڑی مشکل سے لایا ہوں۔'' وہ پہلی چیز تھی جو انہوں نے مجھے سنبھالنے کے لئے دی۔ ان کا خیال تھا وہ چند روز میں ٹھیک ہو جائیں گے مگر دوسرے ہی دن زخم بگڑ گئے۔ بخار تیز ہو گیا اور بے ہوشی میں بڑبڑانے لگے کہ چٹا گانگ میں کسی نے بیل گاڑی ان پر جان بوجھ کے چڑھا دی تھی۔ یہ بھی کہا تھا۔

''مورتی نہیں دوں گا۔'' چوتھے دن وہ سورگباش ہو گئے مگر مرنے سے پہلے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا تھا۔ ''اگر کوئی آدمی مورتی لینے آئے تو ہرگز نہ دینا۔ اس آدمی کا نام بھی بتایا تھا جو یاد نہیں رہا مگر ان کے مرنے کے بعد کوئی آدمی مورتی لینے نہیں آیا۔''

اپنے چاچا کی موت کا واقعہ سن کر مجھے ایک دھچکا سا لگا۔ ان دنوں میں لڑکا ہی تھا مگر ان کی موت پر بہت رویا تھا۔ ماں نے بار بار مورتی کا ذکر کیا تو جس طرح بادل چھٹ جانے سے ان میں چھپا ہوا چاند چمکنے لگتا ہے، بالکل اسی طرح میرے ذہن کا غرفہ بھی ایک دھماکے سے کھل گیا اور مجھے یاد آیا کہ چاچا چکرورتی سہائے نے کہا تھا کہ وہ کلکتے بھگوان بدھ کی اس مورتی کی تحقیق کرنے گئے تھے جوان کے شاگرد خاص آنند بھکشو نے بنوائی تھی اور بڑی مقدس ہے، وہ مورتی۔ پھر اس خیال سے میری نبضوں میں خون کا دورہ تیز ہو گیا کہ شاید وہ کلکتہ سے آنند بھکشو والی مورتی لے کر آئے ہوں، یہ ایک ایسا لرزہ خیز احساس تھا، جس نے دل و دماغ پر بھونچال سا طاری کر دیا، میں نے لپک کر ماں کو کندھوں سے پکڑ لیا اور بے تابی سے کہا۔

''چل ماں! وہ بند کمرہ کھول اور مجھے چاچا کی چیزیں دکھا۔''

''ٹھہر، میں چابی لاتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ بڑے کمرے میں گئی میں بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا، یہاں ذرا اپنے گھر کا نقشہ بھی بیان کر دوں، جس کمرے میں آج کل میں رہتا ہوں، یہ کبھی چاچا چکرورتی سہائے کا کمرہ تھا۔ اس کے بالمقابل برآمدے کی دوسری جانب بالکل ایسا ہی ایک اور کمرہ ہے۔ جس میں میرے پتا جوتی سہائے رہتے تھے، پھر وہ خود بھی اسی کمرے میں پرلوک سدھارے۔ یکے بعد دیگرے جب ایک ہی کمرے سے دو ارتھیاں اٹھیں، میرے چاچا وہاں سے عجیب سی وحشت محسوس کرنے لگے۔ آخر سامان نکلوا کر انہوں نے وہ کمرہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا اور اپنی زندگی ہی میں اس پر تالا ڈال دیا تھا جب چاچا سورگ باش ہو گئے ماں (چاچی) نے ان کی ضروری چیزیں بھی اسی کمرے میں بند کر دی تھیں اور پھر شاید اسے کھولا بھی نہیں تھا۔

ماں لوہے کے بڑے ٹرنک سے اپنا چوبی صندوقچہ نکال کر چابی ڈھونڈ رہی تھی اور میں قریب ہی کھڑا اس عجیب و غریب اتفاق پر حیران ہو رہا تھا کہ جس مورتی کی تحقیق و جستجو کے سلسلے میں مجھے ایک غیر معمولی نوکری ملی اور جس کے حصول کی خاطر شاید سروپ جی اپنی تمام جائیداد قربان کرنے پر تیار ہو جائیں وہ متاع نایاب تو میرے چاچا کئی سال پہلے ڈھونڈ لائے تھے۔۔۔ اسی اثناء میں ماں ہکا بکا سی ہو کر بولی۔ ''کیشپ بیٹے! چابی نہیں مل رہی۔''

''میں نے پلٹ کر پوچھا۔ ''چابی رکھی کہاں تھی؟''

''آٹھ برس پہلے اسی صندوقچے میں ڈال دی تھی۔''

''یاد کر ماں! شاید تو نے یہاں سے نکال لی ہو۔''

''نہیں رے..... جب مجھے وہ کمرہ کھولنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تو چابی کیوں نکالتی؟''

''پھر گئی کہاں؟''

''اسی بات پر تو حیران ہوں۔''

میں نے چوبی صندوقچے کی تمام اشیاء فرش پر ڈھیر کر دیں، پھر ہم ماں بیٹا ایک ایک شے اٹھا کر دوبارہ اس میں رکھنے لگے مگر یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی، صندوقچے کے ساتھ ٹرنک بھی دیکھ لیا پر چابی کہیں نہ ملی۔ ماں حواس باختہ ہو رہی تھی، میں نے کہا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ماں! میں کمرے کا تالا توڑ دیتا ہوں۔''

''اپنے ہی گھر کا تالا توڑے گا؟''

''جب چابی نہیں مل رہی تو اور کیا کروں؟''

''تالا توڑنا اچھا نہیں ہوتا میں چابی ڈھونڈنے کی پھر کوشش کرتی ہوں۔''

اب وہ کمرے میں یونہی ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگی، یک لخت میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آیا۔ میں نے اسٹول پر چڑھ کر اسی طاقچے میں جھانکا جہاں سے گم شدہ کتاب ملی تھی اور یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ اس کے کونے میں لوہے کی ایک پرانی چابی پڑی تھی، میں نے چابی اٹھا کر ماں کو دکھائی۔ ''کہیں یہ تو نہیں؟''

اس نے جلدی سے چابی میرے ہاتھ سے جھپٹ لی۔ ''ہاں..... یہی تو ہے۔''

مگر اس کی حالت اب دیکھنے والی تھی، وہ کسی انجانے خوف سے کانپنے لگی۔ وہی چہرہ جو ایک دن پہلے کچھ سندر اور شاداب ہو گیا تھا اور جسے ممتا کے جوش نے ایک نئی تازگی، ایک نئی خوبصورتی بخش دی تھی، مرجھا کے رہ گیا۔ اب میں نے اس چہرے پر حیرت اور دہشت کی پرچھائیاں گزرتی دیکھیں۔ اسی حالت میں وہ اپنے کپکپاتے ہونٹوں سے مخاطب ہوئی۔

''اب تو مجھ سے یہ بھی پوچھے گا، چابی آپ سے آپ صندوقچے سے اڑ کر طاقچے میں کس طرح پہنچ گئی؟''

میں نے آگے بڑھ کر اس کے لرزتے، کپکپاتے بدن کو سہارا دیا اور پیار سے اپنے ساتھ لپٹا لیا: ''اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا ماں! تو گھبرا نہیں۔''

مگر میرے لپٹانے کے باوجود اس کا خوف دور نہ ہو سکا۔ اس کا بدن کسی نامعلوم دہشت سے بدستور کانپ رہا تھا، میں نے اسے تسلی دینے کی خاطر پوچھا۔

''تو کانپ کیوں رہی ہے ماں! تجھے کیا ہو گیا ہے؟''

''ارے کیشپ! یہ چابی بھی تیرے چاچا ہی طاقچے میں رکھ گئے ہوں گے۔''

’’پھر کیا ہوا تو ڈرتی کیوں ہے؟‘‘

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور بتانے لگی۔

’’کل جب میں نے منجوری کو شگن دینے کے لئے صندوقچہ کھولا اور چیزیں سنبھال کے رکھی تھیں مجھے یاد پڑتا ہے یہ چابی میں نے صندوقچے میں دیکھی تھی مگر آج یہ طاقچے سے ملی ہے، کچھ سمجھا ہے اس کا مطلب؟‘‘

یہ انکشاف فی الواقع حیرت انگیز اور لرزہ خیز تھا۔ بھلا چابی راتوں رات اس طاقچے میں کیسے آ پہنچی؟

’’تو کیا سمجھتی ہے؟‘‘

’’میرا خیال ہے تیرے چاچا میرے سپنوں ہی میں نہیں آتے بلکہ ان کی آتما بھی اس گھر میں بھٹکتی پھرتی ہے وہ رات بھی آئی اور یہ چابی طاقچے میں سنبھال گئی؟‘‘

اس کے ساتھ ہی وہ سہم کر میرے ساتھ چمٹ گئی اور ایک عجیب سی سنسنی پھر میرے بدن میں دوڑ گئی کہ چاچا کی روح گھر میں آتی جاتی ہے آج تک لوگوں سے روحوں کی محیر العقول کہانیاں سنا کرتا تھا جن پر میں نے کبھی یقین نہیں کیا مگر آج چند ہی لمحوں میں جو عجیب اسرار پیش آئے انہوں نے مجھے حیران و پریشان کر دیا۔ میں یہ بھید سمجھنے سے قاصر تھا کہ سپنے میں دیا ہوا رقعہ حقیقت کا روپ کیسے اختیار کر سکتا ہے؟ صوفی عبدالجبار نے خواب اور کشف کی کچھ کیفیتیں بیان کی تھیں اور اگر میں ماں کے سپنے کو بھی کشف سمجھ لوں تو واقعہ ایک کشفی اعجاز ہو گیا لیکن اس رقعے کا میری کتاب میں پایا جانا اور کتاب کا الماری کی بجائے طاقچے سے ملنا پھر بند کمرے کی چابی کا جو کل تک صندوقچے میں تھی، طاقچے میں پہنچ جانا، ایسے پراسرار واقعات تھے جن کا کسی خواب یا کشف سے کوئی تعلق نہ تھا، اب ماں کا یہ انکشاف کہ چاچا کی روح رات بھی گھر میں آئی تھی، بڑا سنسنی خیز لگ رہا تھا اور خوف کی ایک موج خفی میرے جسم میں سرسرانے لگی تھی کیونکہ میری عقل نارسا ان واقعات کا کوئی عقلی اور منطقی جواز پیش کرنے سے عاجز تھی اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، میں ماں کے خیال کی تائید کروں اور سمجھ لوں کہ چاچا کا جسم تو اس گھر سے چلا گیا مگر روح نہیں گئی اور ہمارے آس پاس ہی بھوت کی طرح پھرتی رہتی ہے، کیا عجب اس وقت بھی جب ماں اپنے کھلے گریبان کے ساتھ مجھ سے لپٹی اور چمٹی کھڑی تھی، چاچا کی روح کسی کونے میں چھپ کر ہمیں دیکھ رہی ہو۔

اس خیال کے ساتھ ہی مجھ پر ایک عجیب سی سراسیمگی طاری ہوئی۔ میں نے ماں کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور مارے خوف کے اس سے یوں چمٹ گیا، جیسے کوئی ننھا بچہ دہشت زدہ ہو کر ماں سے لپٹ جاتا ہے، اچانک میرے اندر کا تھارو کیشپ بول اٹھا۔

’’ارے اس میں ڈرنے اور پریشان ہونے کی کون سی بات ہے کہ تمہاری کتاب، چاچا کا رقعہ اور کمرے کی چابی طاقچے میں کس نے رکھی؟ تم ان واقعات کو عقل کے پیمانے سے جانچنے کی کوشش کرتے ہو مگر تھارو کیشپ! اپنی عقل پر بھروسہ نہ کرو، عقل بہت سی حکمتوں کا شعور نہیں رکھتی اور صرف اس بات پر غور کرو کہ جب تم سندر متی کو چٹھی پوسٹ کر کے لوٹ رہے تھے، راستے میں تمہیں ایکا ایکی اس کتاب کا خیال کیوں آ گیا تھا جسے کلکتہ سے لے کر آئے تھے اور ادھوری چھوڑ کر شیلانگ اور وہاں سے ساؤ گاری چلے گئے تھے؟ تم بڑے دانشور بنے ہو مگر یہ نہیں سمجھتے وہ خیال دراصل اس لازوال طاقت کا ایک غیبی اشارہ تھا جو مشکل سے آدمی کی رہنمائی کرتی ہے اور اسی طاقت نے تمہیں کتاب کی طرف توجہ دلائی تھی تاکہ اسے تلاش کرو، وہ رقعہ جو تمہاری ماں کو خواب میں دیا گیا تھا، اس کتاب میں اس لئے محفوظ کر دیا گیا تاکہ تم اپنے چاچا کی چیزیں دیکھنے کی خواہش کرو۔ یہ قدرت کا فیصلہ تھا جبھی بند کمرے کی چابی بھی طاقچے میں رکھ دی گئی تاکہ تینوں چیزیں ایک ہی مرتبہ حاصل کر سکو مگر تم نے انہیں یکے بعد دیگرے باری باری حاصل کیا اور پریشان ہو گئے۔ تمہیں اس بات سے کیا واسطہ کہ یہ چیزیں طاقچے میں کس نے رکھیں ہاں یہ چیزیں تمہارے ہی لئے رکھی گئی تھیں، تمہارا مستقبل تمہارے گھر میں بند ہے۔ چابی مل گئی ہے اب آگے بڑھو اور اپنی قسمت کا تالا کھولو۔‘‘

اپنے اندر کے آدمی کی آواز سن کر مجھے کسی قدر حوصلہ ہوا اور میں سمجھ گیا کہ کسی روح یا بھوت کا خیال محض توہم پرستی یا ضعیف الاعتقادی ہے۔ مجھے ان پراسرار واقعات کو قدرت کی حکمتیں سمجھ کر قبول کرنا چاہئے۔

ہم ماں بیٹا ابھی تک ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے تھے مگر میں محسوس کر رہا تھا کہ ماں کا خوف بھی کچھ دور ہو چکا ہے، اب اس کے جسم میں پہلی سی کپکپاہٹ نہ تھی۔ وہ کسی قدر پرسکون نظر آنے لگی میں نے اسے چھوڑتے ہوئے کہا۔

’’ماں تو اس بات سے ڈر گئی تھی نا کہ گھر میں چاچا کی روح یا ان کا بھوت آتا ہے مگر چاچا تو ہم دونوں سے بڑا پیار کرتے تھے پھر ہمیں ان کی روح سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟‘‘

’’ہاں کیشپ بیٹے! میں نے بھی یہی سوچا تو کچھ تسلی ہوئی ہے۔‘‘

’’تو پھر چل کے چاچا کی چیزیں دیکھیں۔؟‘‘

’’چل.....‘‘ اس نے پیار سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، میں نے اپنا دایاں بازو اس کی کمر میں حمائل کر کے اسے سہارا دیا اور ہولے ہولے چلتا بند کمرے کے دروازے تک پہنچا، چابی ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی، میں نے پوچھا۔ ’’تالا تو کھولے گی یا میں؟‘‘

میرے اندر کے تھارو کیشپ کے مطابق یہ تالا مجھے ہی کھولنا تھا مگر میں دیکھنا چاہتا تھا وہ کیا

فیصلہ کرتی ہے، اس نے چابی میری طرف بڑھا دی۔

''تالا تو ہی کھول۔ کیونکہ تو اس گھر کا مالک ہے۔''

''گھر کی مالک تو ہے ماں! تیرے ہی دم سے اس گھر کی رونق ہے۔''

''میری اور اس گھر کی رونق تو ہے میرے لال! میں تو تیری نوکرانی ہوں، میرا اس گھر پر صرف اتنا ادھیکار ہے کہ تیری سیوا کروں۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہے تو، مجھے نوکرانی نہیں ماں چاہیے، دودھ کا ناتا جوڑا ہے تو ماں بن کے بات کر میرے ساتھ۔''

اس نے میرے ماتھے پر بوسہ دیا۔ ''پگلے! بگڑتا کیوں ہے، ماں ہی تو بیٹے کی اصل نوکرانی ہوتی ہے جو اس کے سارے کام کاج کرتی خود بھوکی رہتی مگر اس کا پیٹ بھرتی ہے، خود جاگتی لیکن اسے سلاتی ہے حتیٰ کہ اس کی معمولی سی خوشی پر اپنی ساری خوشیاں نچھاور کر دیتی ہے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی، اس نے میرے ساتھ ایسا ہی کیا تھا، میری اصل ماں وہی تھی۔ جس نے راتوں کو جاگ جاگ کر میری دیکھ بھال کی۔ مجھے گرمی اور جاڑے سے بچایا، نہلا دھلا کر رکھا اور پال پوس کر جوان کیا تھا مگر اس نے خود کو ''نوکرانی'' کہا تو مجھے اچھا نہیں لگا حالانکہ مائیں تو واقعی نوکرانیوں کی طرح اپنے بچوں کی خدمت کرتی ہیں، میں نے اسے کندھوں سے پکڑ لیا۔

''دیکھ ماں! تیری نوکری چاکری سب ختم ہوئی۔ اب میں تیرا نوکر ہوں اور مجھے تیری خدمت کرنی ہے، یہ کیا دھوتی کمر سے لپیٹ رکھی ہے۔ ذرا ٹھاٹ باٹ سے رہا کر۔ تو اس گھر کی مالکن ہے۔''

''تو کیا گھر کے کام کاج چھوڑ دوں؟''

''اب کام کاج نہیں کرنے دوں گا۔ تجھے رانی ماں بنا کے رکھوں گا۔''

''تو جیتا رہے تیرا کام کاج کرنا ہی میرا راج ہے۔''

''اچھا بول تالا کھولتی ہے یا نہیں؟''

''یہ تالا تو کھولے گا کیونکہ یہ تیرے باپ کا کمرہ ہے۔''

میں نے چابی گھمائی اور تالا کھول دیا۔ دونوں کواڑ اندر دھکیلے اور وہیں کھڑے کھڑے کمرے کا جائزہ لیا، وہاں سامان نام کی کوئی چیز نہ تھی صرف ایک چوبی تخت اور اس کے نیچے رکھا ہوا لوہے کا ایک صندوق تھا۔ ماں نے بتایا۔ ''تیرے پتا جی اسی تخت پر سویا کرتے تھے، جبھی ان کے مرنے کے بعد اسے یہیں رہنے دیا گیا۔''

ہم دونوں کمرے میں داخل ہوئے، سب سے پہلے میں نے برآمدے والا دروازہ کھولا پھر اس کھڑکی کے پٹ بھی کھول دیئے جس سے آنگن نظر آتا تھا تاکہ تازہ ہوا سے کمرے کی

''بھبک'' دور ہو سکے، اس کے بعد تخت کے نیچے سے ٹرنک باہر گھسیٹ لیا۔ ٹرنک اور تخت گرد و غبار سے اٹے پڑے تھے، ایک میلے کپڑے سے انہیں صاف کیا۔ ٹرنک مقفل تھا۔ میں نے ماں کی طرف دیکھا۔ ''اس کی چابی کہاں ہے؟''

''دروازے اور ٹرنک کے تالے ایک ہی چابی سے کھلتے ہیں۔''

میں نے ٹرنک کا تالا کھولا اور ڈھکنا اٹھایا تو اس میں کتابیں، فائلیں اور کاغذات اور رجسٹر تہ در تہ ٹھنسے تھے اور خاکی کاغذوں میں لپٹی ہوئی مورتی ٹرنک کی پشت میں رکھی تھی، ماں نے اسے کھول کر دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ میں نے مورتی نکالی، سب سے پہلے اس کا کاغذی غلاف اتارا۔ خاکی کاغذوں کے اندر اسے سرخ رنگ کے باریک گڈی کاغذ میں لپیٹا گیا تھا اور جب یہ سرخ پیرہن اترا تو میں نے بھگوان شاکیہ منی گوتم بدھ کی اس سنہری مورتی کے درشن کیے جو صندل کے ایک موٹے اور گول ٹکڑے پر نصب تھی۔ پیتل کی وہ مورتی لمبائی میں چودہ پندرہ انچ سے زیادہ نہ تھی لیکن اسے صناعی اور کاریگری کا شاہکار کہنا چاہیے کیونکہ وہ بدھ مہاراج کے ان ایام کی صحیح عکاسی کرتی تھی جب بڑھاپے میں ان کا جسم سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا اور مورتی بنانے والے کاریگر نے ان کی خشک کھال کے اندر پسلیوں اور ہڈیوں کو اس طرح تراشا تھا کہ ہڈیوں کے جوڑ تک صاف نظر آ رہے تھے۔

بلاشبہ یہ مورتی کاریگری کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی اور اس مورتی سے ملتی جلتی تھی، جسے میں نے ایک رات ساؤ گاری میں چلتے پھرتے اور پیتل کے پاؤں گھسٹتے دیکھا تھا۔ دوسرے دن وہی مورتی سروپ جی کے اجل بدوش بوڑھے دادا ساگر ساؤ جی کے تابوت نما کمرے میں نظر آئی تھی۔ دونوں مورتیاں پیتل کی اور بھگوان بدھ کے آخری ایام کی نشانیاں تھیں۔ مگر ساؤ گاری والی مورتی قدِ آدم تھی اور جو میرے ہاتھ میں تھی اس سے قریباً چار پانچ گنا چھوٹی لیکن صناعی میں اپنی نظیر نہ رکھتی تھی۔ اس کا صندل بھی بڑا مقدس تھا، مورتی پر قدیم پالی زبان کے کچھ الفاظ کندہ تھے، جنہیں میں پڑھنے اور سمجھنے سے قاصر تھا۔ پالی بھاشا بھگوان بدھ کے زمانے میں بولی جاتی اور صدیوں تک پاٹلی پتر کی سرکاری زبان رہی تھی، پالی زبان کے یہی ناقابل فہم الفاظ اس بات کا ثبوت تھے کہ یہ بھگوان بدھ کی وہی مورتی ہے جو ان کے خاص شش آنند بھکشو نے تیار کرائی تھی۔

سروپ جی کو اسی نادر مورتی کی تلاش تھی جس کی خاطر وہ بہت زیادہ پریشان تھے، یہ مورتی ان کی سب سے بڑی مصیبت کا خاتمہ کر دیتی جس نے ان کی زندگی کو عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ انہوں نے وچن دیا تھا اگر میں مورتی ڈھونڈ لوں تو مجھے اس گہرے راز میں شریک کر لیں گے جو تنہا ان کے سینے میں دفن ہے مگر اب مجھے راز جاننے سے دلچسپی نہیں تھی بلکہ میں تو اس نادر و نایاب مورتی کی قیمت پر سندر متی کے ساتھ جل پنا کو حاصل کرنا چاہتا تھا اور اگر سروپ جی کو

واقعی اس مورتی کی ضرورت تھی تو انہیں میری شرط ماننا ہوگی۔

شاید یہ بھی قدرت ہی کا اشارہ تھا کہ مورتی کے عوض سندر متی اور جل پنا دونوں کو حاصل کروں، یہی وجہ ہے کہ میں مطلوبہ مورتی پا کر جس قدر خوش ہوا کوئی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا، مسرت شراب کے نشے کی طرح میرے رگ و پے میں دوڑ رہی تھی۔ میں خود کو دنیا کا خوش نصیب اور کامیاب آدمی سمجھ رہا تھا اور کامیابی کی اسی خوشی نے میرا چہرہ روشن کر دیا۔ ماں حیرت سے دیکھ رہی تھی اور مجھے مسرور سمجھ کر اس کے عارضوں پر وہی شادابی، تروتازگی اور ماتا کی خوبصورتی پھر لوٹ آئی جسے تھوڑی دیر پہلے میں نے کافور کی طرح اڑتے دیکھا تھا اب وہ ایک بار پھر اکتالیس سال کی بھرپور سندر عورت نظر آ رہی تھی جس کے ہر انداز سے ماں کا والہانہ پیار برس رہا تھا۔ بالکل میرے پاس آ کر بولی۔

''ارے کیشپ! یہ تو بھگوان کی مورتی ہے میں نے کھول کر بھی نہیں دیکھی تھی۔''

''یہ مورتی انمول ہے ماں! کوئی شخص اس کی قیمت نہیں چکا سکتا۔''

''جبھی تیرے چاچا نے اس کی حفاظت کرنے کے لئے کہا تھا۔''

اور یک لخت وہ الفاظ میرے ذہن میں گونجنے لگے جو چاچا نے مرنے سے پہلے ماں سے کہے تھے۔ ''اگر کوئی آدمی مورتی لینے آئے تو ہرگز نہ دینا۔'' یہ گویا مرنے والے کی آخری نصیحت بھی تھی اور وصیت بھی، ماں نے بتایا تھا انہوں نے خاص طور سے ایک آدمی کا نام بھی لیا تھا جو یاد نہیں رہا نہ جانے وہ کون آدمی تھا جسے چاچا مورتی دینے سے منع کر گئے تھے۔ میرے دل میں عجیب سا وسوسہ پیدا ہوا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

''ماں اس آدمی کا نام یاد کر جسے چاچا نے مورتی دینے سے منع کیا تھا۔''

وہ اپنے حافظے پر زور دے کر سوچنے لگی۔

''کیا یاد کروں، نام بھولے برسوں ہو گئے، بس ''منگل منگل'' یاد پڑتا ہے نام کا دوسرا شبد بھول گئی ہوں مگر اس میں ''سین'' کا حرف ضرور آتا ہے۔''

''منگل داس ہوگا۔''

''نہیں رے۔''

''منگل سنگھ، منگل سدھا، منگل سرام، منگل سورج، منگل سورتی۔''

میں نے کتنے ہی نام گنوا دیئے جن میں ''سین'' کا حرف آتا تھا مگر وہ انکار میں سر ہلاتی رہی پھر ناگہاں ایک ایسا نام میرے ذہن میں آیا جسے میں زبان پر لاتے ڈرتا تھا مگر ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔ ''منگل ساؤ تو نہیں تھا؟''

یہ نام سنتے ہی وہ یوں تڑپی جیسے کسی نے اسے جھنجوڑ دیا ہو۔ ''ارے ہاں۔۔۔ بالکل یہی

نام تھا۔ منگل ساؤ۔۔۔ اب مجھے یاد آ گیا ہے۔ تیرے چاچا نے کہا تھا ''اگر منگل ساؤ مورتی لینے آئے تو ہرگز نہ دینا۔''

مجھ پر ایک بجلی سی گری، وہ پوچھنے لگی۔ ''مگر تجھے یہ نام کیسے یاد آ گیا؟''

اب میں اسے کیا بتاتا کہ منگل ساؤ کا نام مجھے کیسے یاد آ گیا اور میرا اس نام سے کیا ناتا ہے، منگل ساؤ سروپ جی کا باپ تھا اور سندر متی کے بقول آٹھ برس پہلے وہ چکمہ قبائل کی بودھ کانفرنس میں شریک ہونے چٹاگانگ آیا تھا۔ ضرور انہی ایام میں چاچا سے اس کی ملاقات ہوئی یا اسے پتہ چلا ہوگا کہ بھگوان بدھ کی ایک نایاب مورتی ان کے پاس ہے، اس نے وہ مورتی حاصل کرنے کی کوشش کی ہوگی اور چاچا نے انکار کر دیا ہوگا مگر یہ انکشاف بڑا سنسنی خیز تھا کہ سروپ جی کی طرح ان کا باپ منگل ساؤ بھی آنند بھکشو واتی مورتی کی تلاش میں تھا، نہ جانے ساؤ خاندان کب سے وہ مورتی ڈھونڈ رہا تھا۔

منگل ساؤ جی کے حوالے سے مجھے مورتی کا معاملہ پراسرار معلوم ہونے لگا۔ اچانک خیال آیا کہ چاچا چکرورتی سہائے آٹھ سال پہلے کلکتہ سے مورتی لے کر آئے تھے اور جب چٹاگانگ پہنچے جہاں سے انہیں رنگامتی کے لئے لانچ میں سوار ہونا تھا کسی نے ان پر بیل چڑھا دی تھی جس سے انہیں گہرے زخم آئے مگر وہ اسی حالت میں رنگامتی پہنچے اور چوتھے دن پرلوک سدھار گئے انہی ایام میں منگل ساؤ بھی چٹاگانگ میں موجود تھا۔ کیا اس نے چاچا پر بیل گاڑی چڑھا دی اور مورتی چھیننے کی کوشش کی تھی؟

یہ سوال داؤ ورولے کی طرح میرے ذہن کے ویرانے میں گھومنے، چکرانے لگا آخر چاچا نے مرنے سے پہلے منگل ساؤ جی کا نام لے کر یہ تاکید کیوں کی تھی کہ مورتی اسے نہ دی جائے، یقیناً وہ جانتے تھے کہ منگل ساؤ جی مورتی کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اگر چٹاگانگ میں بیل گاڑی اسی نے چاچا پر چڑھا دی تھی تو یقیناً وہی ان کا قاتل تھا کیونکہ چاچا اسی حادثے سے فوت ہوئے تھے۔

سندر متی نے بتایا کہ منگل ساؤ چٹاگانگ سے رام گارتھ کی طرف جا رہا تھا کہ گھنے جنگل میں کسی نے اس پر ''داؤ'' سے حملہ کیا تھا وہ بھکشو جو ساتھ تھا وہیں مر گیا اور خود منگل ساؤ زخمی حالت میں بائی پارہ پہنچا تھا جہاں پہنچتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔

اب میں نے غور کیا تو اس اتفاق پر حیران رہ گیا کہ آٹھ برس پہلے چاچا چکرورتی رنگامتی میں اور منگل ساؤ جی بائی پارہ میں ایک دن فوت ہوئے تھے۔ چاچا پر چٹاگانگ میں اور منگل ساؤ پر گھنے جنگل میں حملہ ہوا تھا۔ میں سوچنے لگا اگر منگل ساؤ کو مورتی زبردستی حاصل کرنا تھی تو اسے رام گارتھ جانے کی بجائے زخمی چاچا کا پیچھا کرنا اور رنگامتی پہنچنا چاہئے تھا لیکن انہیں

چھوڑ کر وہ رام گارتھ کی طرف کیوں چل دیا تھا اور وہ کون تھا جس نے جنگل میں ''داؤ'' سے اس پر حملہ کیا؟

''داؤ'' درانتی کی طرح تیز دھار کا ایک قوس نما چھرا ہوتا ہے اور بنگال میں یہ ہتھیار عموماً وہی لوگ اپنے پاس رکھتے ہیں جو جنگلوں میں آتے جاتے اور درخت کاٹتے ہیں۔ گھنے جنگلوں میں ''داؤ'' سے شاخیں اور جھاڑیاں کاٹ کر راستہ بھی بنایا جاتا ہے یا پھر درخت کاٹنے والے مزدور اسے حفاظت کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اگر جنگل میں کوئی باگھ یا دوسرا درندہ ان پر اچانک حملہ کر دے تو اسے ''داؤ'' سے ہلاک یا زخمی کر کے اپنی جان بچاتے ہیں گویا منگل ساؤ پر حملہ کرنے والا کوئی ایسا شخص تھا جو ''داؤ'' اپنے پاس رکھتا اور اس کا استعمال جانتا تھا مگر وہ تھا کون اور اسے منگل ساؤ سے کیا دشمنی تھی؟ کیونکہ سندرمتی کے بقول داؤ زہر میں بجھا ہوا تھا۔

میں اس اتفاق پر بھی حیران تھا کہ جب چاچا پر حملہ ہوا، منگل ساؤ چٹا کانگ میں موجود تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ بیل گاڑی والے حادثے سے منگل ساؤ کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا، ممکن ہے اسی ذریعہ سے وہ مورتی ہتھیانا چاہتا ہو، میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ ماں نے چونکا دیا۔

''کیا تو منگل ساؤ کو جانتا ہے؟''

میں فیصلہ نہ کر سکا کہ کیا جواب دوں۔ ''اس کے بارے میں مجھ سے کیوں پوچھتی ہے؟''

''تجھ سے اس لئے پوچھا کہ منگل ساؤ کی بات چلی ہے تو مجھے کچھ اور بھی یاد آیا ہے'' پھر وہ پریشان سے لہجے میں کہنے لگی ''تیرے چاچا نے بتایا کہ وہ آسام کے دشوار گزار پربتوں کے درمیان ساؤ گاری میں رہتا ہے جبھی تیری چٹھی میں ''ساؤ گاری'' کا ذکر پڑھ کر یوں لگا تھا جیسے اس کے بارے میں پہلے بھی کچھ سن چکی ہوں مگر میرے چیتے میں نہیں آ رہا تھا کہ ساؤ گاری کا نام کب اور کہاں سنا تھا، اب پتہ چلا کہ اس کا ذکر تو تیرے چاچا نے کیا تھا۔''

مجھ پر دوسری بجلی گری، گویا چاچا کو علم تھا کہ منگل ساؤ جو آنند بھکشو والی مورتی کے پیچھے لگا ہے، ساؤ گاری میں رہتا اور آسام کے ساؤ خاندان سے تعلق رکھتا ہے، شاید وہ ساؤ گاری کے بارے میں کچھ اور بھی جانتے ہوں گے اور کیا عجب انہیں مورتی کے اس راز سربستہ کا بھی علم ہو جس کے متعلق سروپ جی نے کہا تھا کہ اگر وہ بھید کھل گیا تو دنیا میں ایک بھونچال آ جائے گا۔

میں گم صم کھڑا تھا کہ ماں نے اچانک ایک اور سوال کر دیا۔

''کیا منگل ساؤ اب بھی ساؤ گاری میں رہتا ہے؟''

''نہیں ......'' اس کے ذکر سے میری پریشانی بڑھ رہی تھی۔

''کہاں چلا گیا؟''

''دوسری دنیا میں ...... وہ مر چکا ہے۔''

وہ ایک لمحہ خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

''تیرے سروپ جی کا منگل ساؤ سے کوئی رشتہ ہے کیا؟''

میں ان کے رشتے کو چھپانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ صاف صاف بتا دیا۔

''سروپ جی منگل ساؤ کے بیٹے ہیں ماں!''

یہ سنتے ہی ماں کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا پھر سر پکڑ کر وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔ ''ہائے بھگوان! یہ کیا ہو گیا۔''

میں اس کی پریشانی سمجھ رہا تھا، سروپ جی منگل ساؤ کے بیٹے تھے اور سندرمتی سروپ جی کی لڑکی تھی جسے اس نے بہو مان لیا تھا۔ شاید یہ قدرت کی ستم ظریفی تھی یا میری بھول کہ میں نے ایک ایسے خاندان کے ساتھ ناتا جوڑ لیا جس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ میں نے اسے بانہوں سے پکڑ کر اٹھایا اور کہا۔

''تو کیوں پریشان ہوتی ہے۔''

اس نے بے اختیار مجھے لپٹا لیا اور سسکتی تڑپتی بولی

''اب تجھے ساؤ گاری نہیں جانے دوں گی میرے لال! ہو سکے تو سندرمتی کو بھی بھول جا۔'' پھر اس نے اپنے بدترین اندیشے کا اظہار کر دیا۔ ''میرے خیال میں منگل ساؤ نے تیرے چاچا سے مورتی چھیننے کی کوشش کی اور ان پر بیل گاڑی چڑھا دی تھی۔ وہی ان کی موت کا کارن تھا۔''

میں نے خود بھی کچھ دیر پہلے منگل ساؤ کے متعلق یہی سوچا تھا، وہ بھی اسے چاچا کا قاتل سمجھتی تھی اور سندرمتی اس شخص کی پوتی تھی جس کے باعث ہمارا گھر خوشیوں سے محروم ہو گیا اور ماں کو بھری جوانی میں ودھوا ہونا پڑا! اگرچہ یہ محض ایک قیاس تھا کے چاچا کہ حادثے میں منگل ساؤ کا ہاتھ تھا لیکن یہ قیاس اگر درست تھا تو بھی میں اب ساؤ گاری سے بھاگ نہیں سکتا تھا کیونکہ تقدیر خود میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے وہاں لے گئی تھی۔

''اگر میں ساؤ گاری واپس نہ گیا تو جل پنا کو تیرے چرنوں میں کیسے لاؤں گا ماں!''

میرے جسم پر اس کی بانہوں کی گرفت یک لخت ڈھیلی پڑ گئی۔ اسے اپنی بچھڑی آتما کا خیال بھی پریشان کر رہا تھا اور میرے لئے بھی تڑپ رہی تھی۔ وہ مورتی کی طرف دیکھ کر بولی جسے میں نے تخت پر رکھ دیا تھا۔

''اس مورتی کی خاطر تیرے چاچا کی جان گئی اب میں تجھے کھونا نہیں چاہتی۔''

میں نے پیار سے اس کے گلے میں بانہیں پرو دیں۔ ''تو جانتی ہے نا تیرا بیٹا کوئی غلط کام نہیں کرتا۔''

''ہاں مجھے پورا وشواس ہے تجھ پر۔ تیرے پاؤں کسی غلط راستے پر کبھی نہیں اٹھیں گے۔''

''پھر مجھ پر بھروسا رکھ اور سندر متی سے تعلق توڑنے میں جلدی نہ کر۔''

''کیا یہ جان لینے کے بعد بھی کہ منگل ساؤ تیرے چاچا کا قاتل تھا تو سندر متی کو میری بہو بنائے گا؟''

''ماں! تو رسوئی گھر میں جا کے کھانا تیار کر میں چاچا کے کاغذات دیکھنا چاہتا ہوں تجھ سے پھر بات کروں گا۔''

اس نے مجھے سینے سے لگا لیا، میرا منہ چوما اور کھڑی کھڑی پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ ایک دو منٹ دیکھتی رہی پھر بولی۔

''شاید تیرے چاچا نے منگل ساؤ کے بارے میں کوئی تحریر چھوڑی ہو، اگر مل جائے تو مجھے بھی بتانا۔'' یہ کہہ کر پلٹی مگر انہی قدموں رک گئی اور گردن گھما کے کہنے لگی۔۔۔ ''کیا تو میری خاطر سندر متی کو نہیں چھوڑ سکتا؟''

''تیری خاطر تو پوری دنیا چھوڑ سکتا ہوں۔''

یہ سن کر وہ چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔ میں نے اسے رسوئی گھر کی طرف جاتے دیکھا اور خود چوبی تخت پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ کتنی عجیب بات ہے، میں نے آج ہی سندر متی کو چٹھی لکھی کہ ماں نے اسے اپنی بہو مان لیا ہے اور ماں آج ہی اسے چھوڑ دینے پر اصرار کر رہی ہے، کیا قدرت کا وہ اشارہ غیبی کہ میں ادھوری چھوڑی ہوئی کتاب کا مطالعہ کروں، اسی لئے تھا کہ میں وہ انند بھکشو والی مورتی تک پہنچ جاؤں اور ساتھ ہی مجھ پر عجیب و غریب انکشاف بھی ہو کہ اسی مورتی کی خاطر منگل ساؤ نے میرے چاچا کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا۔

کیا قدرت کو سندر متی سے میرا ملاپ منظور نہیں؟

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ منگل ساؤ اس تاریخی مورتی کے لئے میرے چاچا کے پیچھے لگا رہا اور اب سروپ جی نے اسی مورتی کی تحقیق و تلاش کے لئے مجھے اپنا سیکرٹری بنا لیا تھا۔ کیا وہ یہ بات جانتے تھے کہ میں چکرورتی سہائے کا بھتیجا ہوں......؟

نہ جانے میں کب تک انہی خیالوں میں کھویا رہا۔

○○○

(14)

چکرورتی چاچا کا مسودہ

مجھے یقین تھا، چاچا نے آنند بھکشو والی مورتی سے متعلق کچھ معلومات بھی ضرور فراہم کی ہوں گی اور اگر منگل ساؤ کو مورتی دینے سے منع کیا تھا تو اس کی کوئی نہ کوئی خاص وجہ بھی ہو گی جس کا سراغ شاید ان کے کاغذات سے مل سکے، یہی سوچ کر میں نے ان کے رجسٹر، مسودات اور کاغذات کی جانچ پڑتال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

میں پہلے بھی کہیں ذکر کر چکا ہوں کہ چاچا اپنے آخری ایام میں کوئی کتاب لکھ رہے تھے اور گویا اپنے کمرے میں بند رہتے تھے۔ اسی کتاب کو چھپانے کے لئے وہ کلکتہ کے کسی پبلشر سے خط و کتابت بھی کر رہے تھے۔ اس کا مسودہ اور متعلقہ کاغذات بڑی حفاظت سے رکھتے تھے۔ بیٹے میں ماں کے نام انہوں نے جو رقعہ چھوڑا۔ اس میں بھی اپنے مسودے کا سب سے پہلے ذکر کیا اور مورتی کا بعد میں۔ جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ ان کے نزدیک مسودہ مورتی سے زیادہ اہم تھا حالانکہ جو مورتی انہوں نے حاصل کر لی، وہ بڑی نادر اور تاریخی حیثیت رکھتی تھی، لہٰذا مورتی کے ضمن میں منگل ساؤ کے بارے میں جو وسوسے اور اندیشے پیدا ہو گئے، ان کی حقیقت جاننے کے لئے چاچا کے چھوڑے ہوئے مسودات اور کاغذات کا مطالعہ ضروری تھا۔

چوبی تخت پر بیٹھے بیٹھے میں نے لوہے کے بھاری ٹرنک کو اپنی طرف گھسیٹ لیا اور اس میں ٹھنسی ہوئی کتابیں، رجسٹر اور فائلیں نکال نکال کر تخت پر رکھنے لگا اور جونہی نیلی جلد والا رجسٹر ہاتھ میں آیا میں چونک اٹھا کیونکہ اس پر بنگلہ بھاشا میں ''مقدس مورتی'' کے الفاظ لکھے تھے۔ اسی رجسٹر کا انہوں نے اپنے رقعے میں ذکر کیا تھا اور یہی اس کتاب کا مسودہ تھا، وہ قلم بند کیا کرتے تھے۔ میں نے سرسری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ پوری کتاب آنند بھکشو والی مورتی کے ذکر پر مشتمل تھی، جبھی اس کا نام ''مقدس مورتی'' تھا۔

اور انکشاف اور اسرار و عجائبات کا ایک دفتر میرے سامنے تھا۔ منگل ساؤ کا معاملہ نظر انداز کر کے کیونکہ یہ ریسرچ اس معاملے سے کہیں اہم اور انتہائی دلچسپ تھی، میں اس عجیب و غریب مسودے کو لے کر بیٹھ گیا اور سب سے پہلے کتاب کا دیباچہ پڑھنے لگا جس میں مقدس مورتی کے حوالے سے تتھا گت بدھ کے دھرم اور عقیدوں کے بارے میں بھی وضاحت کی گئی تھی۔

ممکن ہے میری آپ بیتی پڑھنے والوں کو کتاب کے اس دیباچے سے کوئی دلچسپی نہ ہو، وہ تو

جل پنا، سندرمتی اور منجوری کی پریم کہانیاں سننے کے خواہش مند ہوں گے کیونکہ عورت کا حسن اور پیار ازل سے انسانوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز رہا ہے یا پھر میرے قارئین ساؤ گاری کے پراسرار واقعات سننے اور پروہت گنجال کی عجیب وغریب شخصیت کے بارے میں کچھ جاننے کے لئے بے چین ہوں گے مگر میں عرض کرتا چلوں کہ ساؤ گاری میں میرا داخلہ دراصل ایک مورتی کی تحقیق وجستجو کے سلسلے میں ہوا تھا اور وہ مقدس مورتی اس وقت میرے سامنے پڑی تھی۔ چاچا نے اس مورتی کے ضمن میں گوتم بدھ کے عقیدوں پر بھی روشنی ڈالی تھی کیونکہ ان عقیدوں کا بھگوان کی مورتی سے ایک گہرا تعلق ہے اور ساؤ گاری کے اسرار بھی انہی کے گرد گھومتے ہیں، اس لئے میں اپنے پڑھنے والوں سے گزارش کروں گا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے حسن عشق کی دلچسپیوں کو بھول جائیں اور تتھا گت بدھ کی پرحکمت باتوں پر توجہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔

یہ باتیں مقدس مورتی کے اسرار و رموز کے علاوہ ان عجیب واقعات کو بھی سمجھنے میں کلید کی حیثیت رکھتی ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

میری سرگزشت عجیب کا محور بدھ کا فلسفہ موت و حیات اور نروان ہے، چاچا چکرورتی سہائے کی تصنیف ''مقدس مورتی' اس فلسفے کا ایک حیرت انگیز تاریخی واقعہ پیش کرتی ہے، اگر قارئین اس کتاب کے دیباچے کو غور سے پڑھ لیں تو انہیں میری کہانی کے اسرار سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ہر بات جو ہو جاتی ہے اور ہر واقعہ جو گزر جاتا ہے، لوگ اسے زمانہ قدیم سے منسوب کرتے اور کہتے ہیں کہ اگلے وقتوں میں یوں ہوتا تھا حالانکہ یہاں کوئی چیز نئی یا پرانی نہیں۔ وہی ہو رہا ہے جو ازل سے ہوتا چلا آیا ہے جو چیز بن چکی وہ پھر بنائی جاتی ہے جو بات سنائی جا چکی وہی بار بار دہرائی جاتی ہے۔ ایک نسل آتی اور دوسری جاتی ہے مگر دھرتی انسانوں کو کھا جاتی ہے اور خود قائم رہتی ہے، سورج اور چاند ستاروں کی طرح ہوا کی گشت اور آدمی کی گھڑی بھی مقرر ہے جو ٹل نہیں سکتی مگر انسان چاہتا ہے اسے اپنے جیون پر اختیار مل جائے اور وہ جب تک چاہے جیتا رہے اور اپنی موت کی گھڑی ٹالتا رہے۔

کیا ایسا ہونا ممکن ہے اور کسی آدمی کو اپنی عمر گھٹانے، بڑھانے کا اختیار مل سکتا ہے؟ آیئے ''مقدس مورتی'' کا مطالعہ کریں مگر اس سے پہلے ذرا کتاب کے دیباچے پر بھی نظر ڈالتے چلیں جو موت و حیات کے اسرار کی چابی ہے، میرے چاچا چکرورتی سہائے بیان کرتے ہیں:۔

''میں یہ کتاب 1922ء میں لکھ رہا ہوں۔ اس وقت بدھ دھرم دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے جو ہندوستان کے باہر لنکا، برما، تبت، نیپال، چین، سیام، لاؤس، کمبوڈیا، ویت نام، فلپائن،

جاپان، کوریا، منگولیا اور دوسرے ملکوں میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے ماننے والوں کی تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے، ہندوستان کے برہمنوں نے بودھ دھرم کو دیس نکالا دے دیا اور اسے بگاڑ کر ہندومت کی شکل دینا چاہی۔۔۔'' برہمنوں نے بدھ پر الزام لگایا کہ وہ ایشور کو نہیں مانتا۔'' (بحوالہ میکس مولر کا ''دھرم پد'')

اسی لئے میکس مولر کے علاوہ سینٹ ہیلی بر، رسڈے وڈس، ٹرنر اور ہنزلف جیسے مصنف اپنی کتابوں میں بدھ کی مخالفت کرتے ہیں، رسڈے وڈس کا خیال ہے کہ اشوکِ اعظم کے عہد میں جب بودھوں کی تیسری بڑی سبھا منعقد ہوئی تھی، بودھ دھرم کے گرنتھ تالیف ہوئے اور خدا کی ہستی کا اقرار شروع ہوا اور نہ پہلے بودھ لوگ خدا کے منکر تھے۔

یہ سب باتیں برہمنوں کی پھیلائی ہوئی ہیں جو ایشور کی طرح دنیا کو بھی انادی (غیر فانی) سمجھتے اور روحوں کے بار بار اور مختلف شکلوں میں جنم لینے کے چکر میں الجھے ہوئے ہیں۔ بدھ نے نروان کا جو فلسفہ پیش کیا وہ پنر جنم کی نفی کرتا اور خدا کی ہستی کا ثبوت ہے۔ بودھ دھرم کی پرانی کتاب ''للت بستار'' میں لکھا ہے:۔

''بدھ ادویت مت یعنی وحدت الٰہی میں یقین رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک برمھ کے علاوہ کسی کی الگ ہستی اور ذات نہیں۔''

قدیم ترین بودھ شاستر ''نام سنگیت'' کے مطابق:۔

''آدی بدھ انادی ہیں، وہ پوتر (پاک) اور ست (سچائی) ہیں۔ ان کا کلام غیر مبدل ہے وہ ایک میوادویتم (وحدہ لاشریک) ہیں۔ وہ آکاش کے پیدا کرنے والے ہیں، وہ دنیا کے خالق اور آپ سوئمبھو (خود بخود) ہیں۔''

خدا کی ہستی کا یہ تصور برہمنوں کے خیالی ایشور سے بڑا مختلف تھا، اس لئے انہوں نے بدھ کو ''ایشور کا منکر'' قرار دے دیا۔ پروفیسر ہارڈی نے اپنی مشہور تصنیف ''بدھ دھرم'' میں لکھا ہے۔

بدھ سے پوچھا گیا:۔

''یہ دنیا انادی اور اننت (غیر فانی) ہے یا نہیں؟ یہ سن کر بدھ نے خاموشی اختیار کر لی اور کوئی جواب نہ دیا۔''

بدھ کی اس خاموشی کو جو دراصل حکمت پر مبنی تھی، لوگوں نے عجیب عجیب معنی پہنا لئے اور وہ ان سے دنیا کی زندگی اور موت و حیات کے بارے میں سوال کرنے لگے، بعض لوگوں کا وچار تھا اگر دنیا غیر فانی ہے اور آدمی ایک بار مرنے کے بعد دوبارہ جنم لیتا ہے تو کیا وہ اپنی زندگی اور موت پر اختیار حاصل نہیں کر سکتا؟ وہ بدھ سے کہتے تھے، انہیں کوئی ایسا بھید بتا دیا جائے کہ وہ اپنے جیون کے دن مرضی کے مطابق بڑھا سکیں گے مگر تتھا گت کا جواب یہ تھا۔'' جیون میں دکھ

ہی دکھ ہیں تم جینے کی خواہش ترک کر کے دکھوں سے نجات حاصل کر سکتے ہو۔"

بدھ صرف خدا کی ذات کو غیر فانی مانتے تھے۔ ان کے نزدیک دنیا اور دنیا کی ہر چیز فانی ہے، جب زندگی کا انت موت ہے تو اسے بڑھانے کا کیا فائدہ؟ آدمی کو اپنی نجات کا دروازہ خود کھٹکھٹانا چاہئے، پھر بھی لوگ ان سے "جیون بھید" کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے اور ایسی ہی ایک کہانی بھگوان بدھ کی مورتی کے بارے میں مشہور ہے جو ان کے خاص پریمی اور شاگرد آنند بھکشو نے ان کی موت کے بعد تیار کرائی تھی۔ بودھوں میں پیتل کی وہ مورتی اس لئے پوتر اور مقدس سمجھی جاتی ہے کہ اس میں تتھاگت کے حکم سے "جیون بھید" رکھ دیا گیا ہے۔ ہندوستان کے بودھ مہاراجہ اشوک اعظم اور موریا خاندان کے عہد سے لے کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے تک بودھ گیانی، پروہت اور بھکشو اس مورتی کے درشنوں کو بے چین رہے۔ کمپنی سرکار کے وقت تو ہنگامے بھی ہوئے اور بودھوں نے اس مورتی کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔

ایک عرصے سے وہ مورتی میری توجہ کا مرکز بنی رہی آخر میں نے ضروری سمجھا کہ اس کے بارے میں ریسرچ کروں اور یہ کھوج لگاؤں کہ وہ مورتی کیوں مقدس سمجھی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ایسا کونسا راز وابستہ ہے جسے لوگ "جیون بھید" کہتے ہیں۔ تتھاگت کے نزدیک نجات اور نروان کا ایک ہی راستہ ہے کہ سنسار کو ترک کر دیا جائے اور زندگی کی لذتوں سے منہ موڑ لیا جائے، میں نے اس کتاب میں وہی راز معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔"

ان الفاظ پر کتاب کا دیباچہ ختم ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے قارئین کو یہ دیباچہ پڑھنے کی تکلیف اس لئے دی ہے کہ اس سے بدھ کا ایک نیا روپ سامنے آتا ہے جس پر برہمنوں نے پردے ڈال دیئے تھے، پھر دیباچے کے مضمون کا مقدس مورتی سے گہرا تعلق ہے جیسا کہ آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گا۔



اب میں اپنے پڑھنے والوں کو "مقدس مورتی" کی وہ پراسرار اور حیرت انگیز کہانی سناتا ہوں جو میرے چاچا نے قلم بند کی یہ دلچسپ تاریخی داستان انہوں نے مختلف کتابوں کے حوالے سے لکھی ہے اور آپ جوں جوں اسے پڑھتے جائیں گے اس کے اسرار بڑھتے چلے جائیں گے اور "جیون بھید" جاننے کی لگن میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

اس عجیب و غریب کہانی کا آغاز ایک ویشیا یا طوائف امب پالی سے ہوتا ہے جو بدھ کی عقیدت مند اور پرستار تھی اور بدھ اس کے گھر گئے تھے۔ انجیل کی مریم مگدلینی بھی ایک ایسی ہی عورت تھی جو یسوع مسیح سے پریم کرتی اور اس کے بالوں میں تیل ڈالتی تھی۔ بدھ نے بھی امب پالی کی خاطر بہت سے لوگوں کو ناراض کر لیا تھا، اب میں چاچا کی تحریروں کے بعض اقتباسات

پیش کرتا ہوں:۔

"ویشالی شہر میں امب پالی نام کی ایک سندر اور دولت مند بیسوا رہتی تھی، شہر سے باہر اس کا ایک مشہور باغ تھا۔ جب بدھ ویشالی پہنچے تو اسی باغ میں ڈیرا لگا لیا۔ امب پالی کو معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئی اور ان کے درشنوں کو آئی بدھ کے دل میں دیا اور کرم کا بھاؤ تھا۔ انہوں نے طوائف سے نفرت نہیں کی اور اس کے گھر بھوجن کی دعوت قبول کر لی۔ اسی دن لکھشش وش راجیہ خاندان کے لوگ بڑی شان و شوکت سے آئے اور بدھ کو راج محل میں بھوجن کے لئے کہا اس نے جواب دیا۔

"میں امب پالی کی دعوت قبول کر چکا ہوں۔"

چنانچہ وہ امب پالی کے مکان پر چلے گئے جس پر لکھشش وش کے لوگ بڑے ناراض ہوئے کہ اس نے راجیہ لوگوں کا بھوجن تو قبول نہیں کیا اور ایک بدنام ویشیا کے گھر چلے گئے، جہاں کوئی سادھو اور شریف آدمی قدم تک نہیں رکھ سکتا۔

بھوجن کے بعد امب پالی نے اپنا باغ اور اس کا مکان بھکشوؤں کے لئے دان کر دیا اور بدھ نے اس کا دان قبول کر لیا۔ (سیکرڈ اینڈ ہسٹوریکل بکس آف سیلان، بدھ کی سوانح عمری، ڈیتھ آف بدھا)

اس دعوت میں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ امب پالی نے بدھ سے ایک عجیب و غریب فرمائش کی، لکھا ہے۔

"امب پالی بدھ کو علیحدہ کمرے میں لے گئی، بدھ کا خاص ششش (شاگرد) آنند بھی اس کے ساتھ تھا، امب پالی نے کہا۔

"گرودیو! میں نہیں جانتی، جب آدمی مر جاتا ہے تو کہاں چلا جاتا ہے پر یہ برہمن کہتے ہیں کہ آدمی اپنے کرموں کا پھل بھوگنے کے لئے پشو (حیوان) بن جاتا ہے، میں چاہتی ہوں ان برہم پجاریوں کے مرنے کے بعد بھی جو مجھے بدکار کہتے ہیں، میں کافی عرصے تک اسی شریر (جسم) کے ساتھ جیتی رہوں اور معلوم کر سکوں کہ یہ برہم پجاری مرنے کے بعد خود کونسا جنم لیتے ہیں آیا یہ آدمی رہتے ہیں یا پشو اور سانپ بچھو بن جاتے ہیں۔"

بدھ نے جواب دیا۔ "جیون پر کسی کو اختیار نہیں۔"

تب امب پالی کہنے لگی۔ "آپ بھگوان کے اوتار ہیں اور میں نے سنا ہے بھگوان کے سچے سادھو جیون پر اختیار رکھتے ہیں اور اسے بڑھا بھی لیتے ہیں، میں نے پرتگیا کی ہے کہ آپ سے یہ بھید ضرور پوچھوں گی۔"

گرودیو گہری سوچ میں ڈوب گئے پھر بولے۔

''جیون کا بھید کوئی بھی نہیں جان سکتا، پر تو نے پرتگیا کی ہے تو تجھے انتظار کرنا ہوگا جب تتھا گت موت کی میٹھی نیند سو جائے میرے شش آنند کے پاس آنا یہ تجھے جیون بھید بتائے گا۔''

یہ کہہ کہ بھگوان بدھ آنند بھکشو کے ساتھ جوان کا بڑا پریمی تھا، امب پالی کے مکان سے چلے آئے۔ (ڈیتھ آف بدھا۔۔۔ سیکرٹس آف بدھا)

بدھ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کے بعد تتھا گت بدھ وئی شالی سے چل دیئے اور کوشی نگر سے ہوتے پاوا گاؤں میں چنڈ نامی ٹھٹھیار کے باغ میں ٹھہرے جس میں انہیں بھوجن میں چاول کی روٹی اور گوشت پیش کیا۔ بدھ اس وقت قریباً اسی برس کے ہو چکے تھے اور ان کا جسم بہت کمزور تھا جو اس غذا کو ہضم نہ کر سکا، وہ پیچش اور پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو گئے مگر کوکشتا ندی میں اشنان کرنے سے ان کی طبیعت کچھ سنبھل گئی یہاں سے وہ راج مل کے شال باغ میں آ گئے اور یہیں قیام کیا۔۔ یہاں کیا ہوا؟

انہوں نے آنند کو اپنے پاس بلایا اور کہا:۔

''میرت موت کا سمے قریب آ گیا ہے اور میں تجھ سے بھید کی کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

پھر وہ دیر تک آنند کے ساتھ ہولے ہولے باتیں کرتے رہے اور دوسرے بھکشو الگ بیٹھے رہے، تھوڑی دیر بعد گورودیو نے سب بھکشوؤں کو پاس بلایا اور کہا۔

''میں تمہیں اپنی اینتشٹی کریا (رسومِ میت) کے بارے میں بتا دینا چاہتا ہوں۔ میری لاش کو نئے کپڑے میں لپیٹ کر دھنکی ہوئی روئی سے ڈھک دینا پھر تیل میں ڈبو کر چتا پر رکھ دینا جب وہ جل جائے تو راکھ کھلی جگہ میں دفن کر کے سمادھی بنا دینا مگر میں نصیحت کرتا ہوں میری راکھ اور سمادی کی پوجا نہ کرنا ورنہ تم نجات نہ پا سکو گے۔ اپنی نجات کے لئے خود کوشش کرو اور سچائی اختیار کرو۔ تتھا گت پھر تمہیں سمجھانے نہیں آئے گا پر آنند کو میں نے ایک بات کی اجازت دی ہے جو کچھ یہ کرے اسے نہ روکنا۔''

جب بدھ نے یہ باتیں کیں۔ آنند وہاں سے اٹھ کر چلا گیا اور چھپ کر رونے لگا کہ ہائے میرے گورو جو مجھے سکھشا دیا کرتے تھے، اب دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں ان کے بغیر میرا کیا ہوگا۔

بدھ نے دیکھا کہ آنند وہاں نہیں ہے تو ایک بھکشو کو بلا کر کہا۔

''آنند کہاں ہے اسے میرے پاس لے آؤ۔''

وہ بھکشو گیا اور آنند کو لے آیا وہ ابھی تک رو رہا تھا۔ بدھ نے کہا۔

''آنند کیوں روتا اور اتنا بے حال ہوتا ہے کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ یہ سنسار فانی ہے اور اس کے رشتے ناتے بھی فانی ہیں جو پیدا ہوا اسے مرنا ضروری ہے پر ہم دوسرے سنسار میں پھر

ملیں گے یہ جدائی عارضی ہے کیا تو خوش نہیں کہ میں اپنے دل میں تیرا پیار لئے جا رہا ہوں۔ آنسو پونچھ دے اور اب اپنے سادھن کی کوشش کر مگر میں نے تجھ سے جیسا کہا ہے میرے مرنے کے بعد ویسا ہی کرنا۔'' (ڈیتھ آف بدھا۔۔۔ مہا پری نروان۔۔۔ بدھ کی سوانح عمری)۔

پھر گوتم بدھ آخری کلام کر کے اور ان کا آخری کلام یہ تھا۔ ''یہ جسم، اس کی طاقت اور دنیا کی ہر شے فانی اور صرف سچائی ہمیشہ قائم رہے گی۔'' ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ ان کے ہوش جاتے رہے، آتما نے فانی جسم چھوڑ دیا اور وہ کالی روپی ساگر (بحر اجل) میں ڈوب گئے آنند چیخ مار کر رونے لگا اور انی رُدھ سے بولا۔

''پربھو! گورودیو اب دنیا میں نہیں رہے۔''

تھوڑی دیر کے بعد سب کو معلوم ہو گیا کہ ان کے گورودیو دنیا سے رخصت ہو گئے۔ تب بھکشو چلا چلا کر رونے لگے اور ان کی آہ وزاری آکاش تک پہنچنے لگی، صبح ہوتے ہی آنند نے مل راجوں کو بدھ کے مرنے کی خبر بھیج دی۔

موت کے ساتویں دن مل راجوں نے خوشبو دار لکڑی (صندل) کی چتا بنا کر لاش اس پر رکھ دی۔ مہا کاشپ (بدھ کے نائب روحانی) اور اس کے پانسو شاگرد بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے چتا کے گرد تین پھیرے لئے اور چتا میں آگ لگا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے بدھ کا فانی جسم جل کر راکھ ہو گیا۔ شاگرد، ارہت اور بھکشو جو راج گرہ، وئی شالی، کپل وستو، الکاپری، رام گرام، اتھ ویپ، پاوا اور کوشی نگر سے آئے تھے۔ اس کی راکھ اور چتا کے پھول (ہڈیاں) پھولوں میں رکھ کر لے گئے اور راکھ دفن کر کے سمادھی بنا دی۔'' (''ویل آف دی لا'' ایلاسٹر،'' سوانح عمری بدھ)

جب بدھ کی لاش چتا پر رکھنے لگے تو آنند آگے بڑھا اور اس نے پتھر کی ایک ہنڈیا سرہانے رکھی اور بدھ کا سر اس میں ڈال کر ہنڈیا کا منہ باندھ دیا اور یہ دیکھ کر مہا کاشپ بولا۔

''آنند! کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا۔ یہ کیا کرتا ہے؟''

مگر انی رُدھ نے جواب دیا۔

''پربھو! گرودیو نے مرنے سے پہلے آنند سے کوئی خاص بات کی اور اسے کوئی اختیار دیا تھا۔''

یہ سن کر مہا کاشپ خاموش ہو گیا پھر چتا کو آگ لگائی گئی، آنند سارا دن اور ساری رات چتا کو جلتے دیکھتا رہا اور روتا رہا۔ دوسرے دن جب آگ ٹھنڈی ہو گئی، اس نے راکھ سے پتھر کی ہنڈیا نکالی اور ایک طرف چلا گیا۔ اس کے بعد شاگرد ارہت، پروہت اور بھکشو بدھ کے پھول چننے آئے۔'' (''ڈیتھ آف بدھا''۔۔۔ بدھ کی سوانح عمری)

معلوم ہوتا ہے، آنند نے بدھ کے سر کی راکھ ہنڈیا میں محفوظ کر لی تھی مگر کیوں؟

اس سوال کا جواب کوئی نہیں جانتا کیونکہ بدھ نے مرنے سے پہلے آنند کے ساتھ علیحدگی میں جو باتیں کی تھیں ان کا ذکر اس نے کسی سے نہیں کیا، چند روز کے بعد وہ اپنے گرو دیو کی راکھ لے کر کوشی نگر چلا گیا۔ وہاں ایک ماہر کاریگر سنار، دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں بنایا کرتا تھا۔ آنند اسی کاریگر سے ملا اور پوچھا۔

"کیا تم میرے گرو گوتم بدھ کی مورتی بنا سکو گے؟"

"کیوں نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "تھوڑے دن پہلے جب وہ کوشی نگر میں آ کر ٹھہرے تھے، میں نے کئی بار ان کے درشن اس لئے کئے تھے کہ ایسے مہاتما کی مورتی بناؤں جو جیتے جی ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے۔"

آنند کی فرمائش پر کاریگر سنار نے بڑی محنت سے پیتل کی ایک چھوٹی سی مورتی تیار کر دی جو ان کے آخری دنوں کی یاد تازہ کرتی تھی۔ مورتی کا سر اندر سے کھوکھلا رکھا گیا تھا جس میں بدھ کی مقدس راکھ بھر دی گئی، جب یہ کام مکمل ہو گیا، آنند نے مورتی کی پہچان کے لئے اس پر پالی زبان میں چار الفاظ اور بدھ کے چار ہی نام کندہ کرائے وہ الفاظ اور نام۔

"جیون بھید، چار انائے۔"

"تتھاگت، شاکیہ منی، امی تابھ، آتما روپی۔"

تین ماہ بعد آنند وہ مورتی لے کر روئی شالی کے اس باغ میں آیا جو طوائف امب پالی نے بھکشوؤں کو دان کر دیا تھا مگر باغ کے مکان کی بجائے اس نے وہیں ایک الگ کٹیا میں قیام کیا۔ امب پالی بدھ کی موت پر بہت روئی تھی۔ جب اس نے سنا کہ اس کا خاص شش اور پریمی آنند وی شالی کے باغ میں آ کر ٹھہرا ہے اسے بدھ کی وہ بات یاد آ گئی کہ:۔

"جب تتھاگت موت کی میٹھی نند سو جائے میرے شش آنند کے پاس آنا یہ تجھے جیون بھید بتائے گا۔"

امب پالی اپنے گھر سے نکلی اور رتھ میں سوار ہو کر آنند بھکشو سے ملنے باغ میں آئی مگر جب کٹیا میں داخل ہوئی وہ خالی تھی آنند وہاں نہیں تھا، امب پالی وہیں اس کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ کٹیا میں اس نے بھگوان بدھ کی وہی مورتی دیکھی اور بے اختیار اس کے سامنے سجدے میں گر گئی کیونکہ وہ ان سے سچا پریم کرتی، اور ان پر گہرا وشواس رکھتی تھی مگر اس وقت جب وہ سجدے میں پڑی بدھ کو یاد کر رہی تھی، نہ جانے کدھر سے ایک سانپ نمودار ہوا اس نے امب پالی کی خوبصورت گردن کو ڈس لیا۔ کٹیا میں اس کی چیخ بلند ہوئی تو رتھ بان بھاگا مگر سانپ کو دیکھ کر دروازے پر ہی کھڑا چیخنے چلانے لگا۔

چیخ پکار سن کر باغ دھرم شالہ سے بھکشو بھاگے آئے اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ سانپ امب پالی کی لاش پر کنڈلی مارے بیٹھا ہے کسی کو اندر جانے کا حوصلہ نہ ہوا، اسی لمحے آنند آ گیا اور جونہی اس نے قدم اندر رکھا، سانپ لاش سے اتر کر ایک کونے کی طرف بھاگا اور وہیں غائب ہو گیا۔ تلاش کے باوجود وہ کہیں نہ مل سکا۔

آنند کو امب پالی کی موت کا بڑا دکھ ہوا اس نے بدھ سے خواہش کی تھی کہ اسے اپنا جیون بڑھانے کا اختیار مل جائے تا کہ وہ دیکھ سکے کہ مرنے کے بعد برہمن لوگ واقعی پشو یا سانپ بچھو بن جاتے ہیں یا نہیں۔ آنند اسے جیون کا یہی بھید بتانے آیا تھا کہ وہ کس طرح اپنی زندگی بڑھا سکتی ہے مگر امب پالی کی موت نے آنند کا انتظار نہیں کیا اور اپنی حسرت دل میں لئے دنیا سے رخصت ہو گئی۔ وی شالی کے برہمنوں نے اس کی لاش شمشان بھومی میں جلانے کی اجازت نہیں دی، ان کے نزدیک امب پالی ویشیا اور بدکار عورت تھی۔ اس کی چتا باغ میں تیار کی گئی جو اس نے بھکشوؤں کو دان کر دیا تھا۔

اس واقعے کے بعد آنند بدھ کی مورتی لے کر وئی شالی سے چلا گیا وہ نگر نگر گھومنے اور ست کا پرچار کرنے لگا، اس نے بہت لمبی عمر پائی، مرنے سے پہلے وہ مورتی سنگھ کے ایک بدھ ارہت کو سونپ گیا اور وصیت کی کہ اس مورتی کی خاص حفاظت کی جائے۔ ("ڈیتھ آف بدھا" نیز چھ واقعات "سیکرٹس آف بدھا" سے ماخوذ)

جب بودھ مہاراجہ اشوک اعظم نے کالنگا کی لڑائی جیت لی اور بنارس سے تین میل شمال کی طرف مرگ واؤ کے مقام پر ایک عظیم بدھ مٹھ کی تعمیر شروع کی تب سارگلیان نامی پروہت وہ مورتی لے کر پاٹلی پتر آیا اور خواہش ظاہر کی کہ مہاراج مورتی کو مرگ واؤ کے مٹھ میں رکھوا دیں، دھرم استھان مکمل ہونے پر مورتی اس کے مہا پروہت کے حوالے کر دی گئی۔ خود مہاراجہ نے اپنی سب سے عزیز رانی کے ہمراہ مٹھ کی حاضری دی۔ سارگلیان کو خطرہ تھا کہ وہ مورتی کی حفاظت نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ بدھ بھکشوؤں میں کشمکش کا ذریعہ بن گئی اور بعض نامعلوم بھکشو اسے حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔ (غالباً انہیں پتہ چل گیا تھا کہ مورتی میں جیون کا کوئی اہم بھید چھپا ہوا ہے) کچھ عرصے کے بعد وہ مورتی مرگ داؤ سے پھر پاٹلی پتر کے بڑے مٹھ میں منتقل کر دی گئی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ سارگلیان نے مورتی کی آواز سنی اور اسے چلتے پھرتے دیکھا تھا۔" ("ڈیتھ آف بدھا")

اس سے آگے آنند بھکشو والی مورتی کا کوئی سراغ نہیں ملتا، معلوم ہوتا ہے وہ پاٹلی پتر کی تباہی تک وہیں رہی، البتہ "ڈیتھ آف بدھا" کے مصنف نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا ہے کہ کوشی نگر کے جس کاریگر نے مورتی بنائی، اس نے برکت حاصل کرنے کے خیال سے تھوڑی سی

مقدس راکھ اپنے پاس رکھ لی تھی۔ بعد ازاں اس نے وہ راکھ ویسی ایک مورتی میں محفوظ کر دی اور اس پر وہی چار لفظ اور بدھ کے چار نام کندہ کر دیئے، گویا ایک جیسی دو مورتیاں تھیں مگر آنند کو دوسری مورتی کا علم نہ ہو سکا، وہ مورتی بھی خفیہ طور پر مختلف ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہی حتیٰ کہ جب برہمنوں نے بدھ دھرم کے خلاف مہم چلائی اور بودھوں کا جینا حرام کر دیا۔ بہت سے پروہت اور بھکشو دوسرے دیسوں میں چلے گئے انہی دنوں ایک بدھا رہت دوسری مورتی لے کر تبت پہنچ گیا جہاں بدھ دھرم پھیلنے لگا تھا۔ اس طرح وہ مورتی مذہبی یادگار کے طور پر صدیوں تک لہاسہ کی بودھ خانقاہ میں رہی پھر اناتھ بنڈو نام کا ایک تبتی لاما گیا کی یاترا کے لئے ہندوستان گیا تو مورتی بھی اپنے ساتھ لے گیا۔

اناتھ بنڈو واپس تبت نہیں پہنچ سکا۔ وہ آسام کے پہاڑی سفر میں جاں بحق ہو گیا اور کوئی نہیں جانتا مورتی کہاں گئی جسے وہ ساتھ لے گیا تھا۔"

چاچا چکرورتی سہائے کی کتاب میں اناتھ بنڈو کا نام پڑھ کر میں بری طرح چونکا، سروپ جی نے ساؤ خاندان کے بانی گوچی ساؤ کی جو عجیب و غریب داستان سنائی، اس میں اناتھ بنڈو کا بھی ذکر تھا جس نے تبت کے پہاڑوں سے اتر کر آسام کے پربتوں کے درمیان رتنا گری کی وادی میں پڑاؤ کیا اور گوچی ساؤ صرف یہ سن کر اس کا سواگت کرنے آیا تھا کہ اس کے پاس کوئی "جیون بھید" ہے۔ پھر ایک دن اناتھ بنڈو نے تنہائی میں گوچی ساؤ کو وہ "جیون بھید" بتا دیا جو بھگوان بدھ کی امانت تھا، اس کے بعد گوچی ساؤ نے نروان حاصل کرنے کے لئے دنیا چھوڑ دی۔ رتنا گری کی وادی میں ساؤ گاری کی قلعہ نما عمارت تعمیر کروائی۔ اپنے خاندان سمیت وہیں آباد ہو گیا اور مرنے سے پہلے وصیت کر گیا کہ ساؤ گاری میں نروان کی تپسیا کبھی بند نہ ہو اور اس کی آنے والی ہر نسل اسی عمارت میں جئے اور اسی عمارت میں مرے۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ اناتھ بنڈو جب گیا یاترا کر کے لوٹا رتنا گری کی اسی وادی میں مر گیا جہاں اس نے تبت سے اتر کر قیام کیا تھا، میں نے جل پنا کے ساتھ رتنا گری کے شمالی جنگل میں جو "اناتھ بن" کہلاتا تھا، اس کی سمادھی دیکھی بلکہ سماجی پر جل پنا کے پریم کا اقرار بھی کیا تھا۔ اب لاشعوری طور پر میرا ذہن رتنا گری کے اناتھ بن اور بھگوان کی سندر نرتکی جل پنا کے حسین تصور میں ڈوب گیا اور میں ساؤ گاری کے مندر میں بلند ہونے والی ناچ پوجا کی گھنٹیوں کا مدھر شور سننے لگا یہ گھنٹیاں میرے اپنے ہی دماغ میں بج رہی تھیں۔

○

میں نہیں جانتا ماں کب کمرے میں آئی، البتہ جب اس نے مجھے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا اور میں نے آنکھیں کھولیں وہ میرے قریب ہی چوبی تخت پر بیٹھی تھی۔

"ارے کن سوچوں میں ڈوبا ہے، میرے لال! کیا آج کھانا نہیں کھائے گا؟"

"تو نے اتنی جلدی کھانا بھی تیار کر لیا؟"

"میں نے پورے دو گھنٹے لگا دیئے کھانا بنانے میں اور تو اسے جلدی کہتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔" میں چونکا دراصل چاچا کی کتاب پڑھنے میں اتنا کھو گیا تھا کہ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔

"تو پڑھتا کم اور سوچتا زیادہ ہے، چل اٹھ کے کھانا کھا لے۔"

میں نے "مقدس مورتی" کے مسودے کے ساتھ آنند بھکشو والی مورتی بھی ٹرنک میں سنبھال کے رکھ دی اور اٹھا، ماں کو ابھی یہ بتانا مناسب نہیں تھا کہ اس مورتی میں بھگوان بدھ کی راکھ محفوظ ہے ورنہ مورتی اٹھا کر پوجا کے کمرے میں لے جاتی اور اس کی پوجا شروع کر دیتی مگر میں نے ابھی بھی "بدھ کی سوانح عمری"۔۔۔ "مہا پری نروان" اور "سیکرٹس آف بدھا" کے حوالے سے تھا گت کا یہ حکم پڑھا تھا کہ میری راکھ اور سمادی کی پوجا نہ کرنا ورنہ تم نجات حاصل نہ کر سکو گے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میری دیوانی ماں بدھ کے اس حکم کی نافرمانی کرے، وہ بھگوان سے جنون کی حد تک پریم کرتی اور ہر صبح بڑی عقیدت سے اس کی مورتی پوجا کرتی تھی۔

وہ مجھے رسوئی گھر میں لے آئی جہاں اس نے کھانا پروس رکھا تھا اور چاہتی تھی کہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھائے۔ ساؤ گاری سے واپسی پر میرے اس کے درمیان ماں بیٹے کا نیا رشتہ قائم ہوا اور جس رشتے پر قدرت نے بالکل معجزانہ طور پر دودھ کی مقدس مہر لگائی تھی اس وجہ سے ہم دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرنے لگے تھے، میں یہ بتاتا چلوں کہ اس نئے رشتے کے بعد ماں کی چھاتیوں میں معجزانہ طور پر دودھ اتر آیا تھا اور وہ خود بھی اس بات پر حیران تھی، اگر میرے دل میں اس کے پیار نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا تو اس کے سینے میں بھی میرے لئے ممتا کا طوفان سا اٹھ آیا، مجھے نالی کے پاس کھڑا کر کے بولی۔

"ٹھہر! میں تیرے ہاتھ دھلاتی ہوں۔"

"اب تو میرے ہاتھ بھی دھلائے گی، میں نہیں دھو سکتا؟"

"ارے میں تو تیرا منہ بھی دھلاتی رہی ہوں، آج تو بڑا ہو گیا تو کیا ہوا۔۔۔ لے ہاتھ دھو۔"

ہاتھ دھلانے کے بعد اس نے میرے ہاتھ تولیے سے صاف کئے پھر اپنے ہاتھ دھوئے مجھے لے کر کھانے پر بیٹھ گئی اور نوالہ میرے منہ میں ڈالتی ہوئی بولی۔

"لے میرے ہاتھ سے کھا۔"

"میں" میں کوئی بچہ تھوڑا ہوں۔"

"میرے لئے تو آج بھی بچہ ہے۔"

اور وہ میرے منہ میں نوالے ڈالتی رہی، یہاں میں اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ ان نوالوں میں ایک عجیب سی لذت تھی، جیسے ان میں ماں کے دودھ کی مٹھاس گھل مل گئی ہو کھانا تو وہی تھا جو اکثر گھر میں پکتا تھا مگر اس میں ممتا کا ایک نیا ذائقہ شامل ہو گیا یا پھر میرا اپنا وجدان کھانے میں ایک نئی لذت، نئی مہک اور ایک نئی شیرینی محسوس کر رہا تھا، وہ میرے منہ میں لقمہ ڈالتی تو اس کے چہرے پر جو واقعی پہلے سے سندر ہو گیا تھا ایک عجیب سی تازگی آ جاتی اور آنکھوں میں پیار کی نئی چمک پیدا ہو جاتی تھی، میں بتا آیا ہوں کہ وہ موگھ قبیلے سے تعلق رکھتی تھی اور چٹا گانگ کے علاقے میں بسنے والے موگھ، چکمہ اور دوسرے بودھ قبائل کی آنکھیں چینی اور تاتاری نسل کی آنکھ سے ملتی جلتی ہیں جن کے پپوٹے بھاری ہوتے ہیں، اس کی آنکھوں میں بھی ''چشم تاتار'' کی جھلک موجود تھی، جب وہ ممتا بھری نظروں سے مجھے دیکھتی ان میں حیرت انگیز کشش محسوس ہونے لگتی۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ اس نے ابھی تک ایک بھی نوالہ اپنے منہ میں نہیں ڈالا، بس مجھے کھلا کھلا کے خوش ہو رہی ہے۔

''کیا تو نہیں کھائے گی ماں؟''

''ارے میری فکر نہ کر۔''

''واہ تیری فکر کیوں نہ کروں، لے تجھ میں کھلاتا ہوں۔''

میں ایک لقمہ اٹھا کے اس کے منہ کی طرف لے گیا تو اس نے اتنے شوق سے منہ کھول دیا جیسے اس انتظار میں بیٹھی تھی کہ میں کب اس کے لئے لقمہ اٹھاتا ہوں پھر میں اس کے منہ میں اور وہ میرے منہ میں نوالے ڈالتی رہی، یہ بالکل بچگانہ حرکت تھی مگر ہم دونوں بچوں کی طرح اس حرکت سے بڑے محظوظ ہو رہے تھے، وہ میرے ہاتھ سے کھاتی رہی اور اتنی خوش تھی کہ پہلے میں نے اسے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا، کھانا ختم ہو گیا تو کہنے لگی۔

''آج تیرے ہاتھ سے کھانے میں کتنا مزا آیا ہے۔''

''پھر تجھے روز اپنے ہاتھ سے کھلایا کروں گا۔''

''اتنا مزا آیا کہ تیری انگلیاں چاٹ لینے کو جی چاہتا ہے، شہد بھرا ہے تیری انگلیوں میں۔''

اس کے چہرے پر میٹھی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر اس نے دایاں ہاتھ آگے کر دیا اور کہنے لگی۔ ''لے چاٹ لے میری انگلیاں۔''

میں نے اس ہاتھ کو بوسہ دیا اور سچ مچ اس کی انگلیاں چاٹیں، اس نے بھی میرے دائیں ہاتھ کے ساتھ یہی عمل دہرایا پھر بولی۔

''چل اٹھ تیرے ہاتھ دھلا دوں۔''

ایسا پیار تھا اس کے لہجے میں کہ فوراً اٹھا اور میرے ہاتھ پر پانی ڈالتے وقت جب وہ کمر تک

جھک گئی، میں ہاتھ دھونا بھول گیا اس نے میری نظروں کی حیرت کو بھانپ لیا۔

''کیا دیکھتا ہے رے؟''

''ماں تو اپنا گریبان بند کیوں نہیں کرتی؟''

''ارے بٹن ٹوٹ گئے ہیں۔۔۔ کرتی تنگ ہو گئی ہے نا۔''

''کوئی کھلی کرتی کیوں نہیں پہن لیتی۔''

''سلوانا پڑے گی۔''

اس نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا اور میں خاموش ہو کے رہ گیا۔ ساؤ گاری سے واپس آ کر ایسے عجیب اور انہونے واقعات سے دو چار ہوا تھا کہ میری عقل چکرا کے رہ گئی تھی، ادھر ذہن مورتی کی داستان میں الجھا ہوا تھا، مجھے خاموش دیکھ کر ماں کہنے لگی۔

''اب اپنے کمرے میں جا کر آرام کر۔''

''مگر مجھے ابھی چاچا کا مسودہ پڑھنا ہے۔''

''پھر پڑھ لینا۔'' اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''چل تجھے خود لٹا کے آتی ہوں بستر پر۔''

میں انکار کی جرأت نہ کر سکا۔ وہ مجھے پکڑے کمرے میں لے آئی اور پلنگ پر بٹھا کے بولی۔

''اب لیٹ اور تھوڑی دیر کے لئے سو جا۔'' وہ بالکل ایسا سلوک کر رہی تھی جیسے میں کوئی ننھا سا بچہ ہوں۔

''مجھے دن کو نیند نہیں آئے گی ماں!''

''پھر بھی کھانے کے بعد آرام کرنا چاہئے۔''

اس نے زبردستی مجھے پلنگ پر لٹا دیا میں ڈر رہا تھا کہیں وہ بھی میرے ساتھ لیٹ کر مجھے بچوں کی طرح تھپک تھپک کر سلانا شروع نہ کر دے مگر رسوئی گھر کا کام کاج بھول کر میرے سرہانے بیٹھ گئی اور بڑے پیار سے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی، میں سونا نہیں چاہتا تھا، دھیان ''مقدس مورتی'' کے مسودے میں لگا تھا، سوچا وہ اٹھ کے جائے تو مسودہ یہیں اٹھا لاؤں اور لیٹے لیٹے پڑھنا شروع کر دوں مگر ابھی اس کا اٹھنے کا ارادہ نہیں تھا کہنے لگی۔

''کیشپ بیٹے! تو چٹا گانگ یا ڈھاکہ میں کوئی نوکری کیوں نہیں ڈھونڈ لیتا۔''

میں اس بات پر پریشان سا ہو گیا۔ ''رشوت اور سفارش کے بغیر نوکری کہاں ملتی ہے۔''

''میں پرارتھنا کروں گی تو مل جائے گی۔''

''ساؤ گاری کی نوکری بھی تو تیری ہی پرارتھنا سے ملی ہے۔''

وہ چپ ہو گئی۔ اب ساؤ گاری کا نام اس کے سینے میں کٹار کی طرح چبھنے لگا تھا، خیال آیا شاید مجھے واپس نہیں جانے دے گی اور اصرار کرے گی کہ چٹا گانگ یا ڈھاکہ ہی میں کوئی نوکری

ڈھونڈو مگر اس نے ایک نئی بات چھیڑ دی۔

''اچھا یہ بتا جب ساؤ گاری میں کوئی کام دھندا کوئی زمین داری نہیں پھر سروپ جی نے تجھے کس مقصد کے لئے نوکر رکھا ہے؟''

اگر یہ بتا دیتا کہ میری نوکری کا مقصد وہ مورتی تلاش کرنا ہے جو چاچا کے ٹرنک سے نکلی ہے اور جس کی خاطر منگل ساؤ ان کے پیچھے لگا رہا تو شاید وہ مارے صدمے کے بے ہوش ہو جاتی، میں ابھی اس بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا اس لئے ٹالنے کی کوشش کی۔

''سروپ جی بودھ گیانی ہیں ماں! ایک خاص موضوع پر تحقیق کر رہے ہیں اور میں اس کام میں ان کی مدد کرتا، کتابیں پڑھتا اور نوٹس لکھتا ہوں۔ وہاں بہت بڑی لائبریری ہے۔''

یہ کچھ غلط بھی نہیں تھا، ساؤ گاری میں آنند بھکشو والی مورتی پر تحقیق کا کام تو جاری تھا مگر ماں نے میری بات پر رشواس نہیں کیا۔

''میں جانتی ہوں انہوں نے اتنی بڑی تنخواہ پر تجھے کس لئے نوکر رکھا ہے۔''

میرے بدن میں ایک ٹھنڈی سی لہر سرائی، خیال آیا وہ کہے گی کہ جس مورتی کو ان کا باپ منگل ساؤ حاصل نہ کر سکا، وہ تیرے ذریعے حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر اس نے مورتی کا ذکر نہیں کیا، بولی۔

''نوکری کے بہانے انہوں نے سندر متی کے لئے تیرا بر ڈھونڈا ہے جبھی تو جھٹ پٹ لگن بھی کر دیا۔''

''لگن انہوں نے نہیں، ان کے بوڑھے ساگر ساؤ جی نے کیا تھا ماں!''

''سروپ جی بھی تو یہی چاہتے تھے۔''

''ہاں۔۔۔ شاید ان کی بھی یہی مرضی ہو، وہ میرے بارے میں بڑے اونچے وچار رکھتے ہیں لیکن تجھ سے پوچھے بغیر لگن کبھی نہ کرتے۔''

میرے قارئین پڑھ چکے ہیں کہ سندر متی کس طرح ایکا ایکی میری زندگی میں آئی اور فوری لگن کی وجہ کیا تھی مگر ماں منگل ساؤ کو چاچا کا قاتل سمجھتی تھی، اس لئے میں سندر متی کی محبت اور اپنی وارفتگی کا ذکر کر کے اسے مزید پریشان اور دکھی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن وہ تو جیسے سندر متی کے پیچھے ہی پڑ گئی تھی۔

''کیا سندر متی تجھے بہت اچھی لگتی ہے؟''

''مجھے تو جل پنا بھی اچھی لگتی ہے۔۔۔ منجوری بھی اچھی لگتی ہے۔''

یہ جواب سن کر اسے ہنسا چاہیے تھا۔۔۔ ''پھر جل پنا یا منجوری سے لگن کیوں نہیں کر لیتا؟''

مگر وہ بولی۔

''میں نے صرف سندر متی کے بارے میں پوچھا ہے۔ وہی تجھے زیادہ پیار کرتی ہے۔''

''مجھے سب سے زیادہ پیار تو کرتی ہے، تیرے پیار کے سامنے اس کے پیار کی کوئی حیثیت نہیں۔''

وہ دھیرے سے مسکرا دی جیسے کوئی کرن جھلملاتی ہے۔ ''بگلے میں ماں ہوں، وہ محبوبہ ہے تیری، میرے اور اس کے پیار کا مقابلہ نہ کر۔''

''پھر تو پوچھتی کیا ہے مجھ سے؟'' میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''صرف یہ بتا دے تو سندر متی کو کتنا چاہتا ہے۔'' اس نے میرا ہاتھ پکڑ کے اپنے سر پہ رکھ دیا۔ ''تجھے میری قسم جھوٹ نہ بولنا۔''

میں اس کے سامنے جھوٹ بول بھی نہیں سکتا تھا، ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔

''تو سچ سننا چاہتی ہے نا اور سچ یہ ہے کہ اسے بہت چاہتا ہوں۔''

یہ سنتے ہی اس کے چہرے پر روشنی کی کرن بجھ گئی، آنکھوں میں پانی کی لکیر چمکی اور پلکیں بھیگ گئیں، میں اسی لئے اس کے سوال کا سیدھا اور صاف جواب دینے سے بچتا رہا تھا کہ نہ جانے اس کا ردعمل کیا ہو کیونکہ منگل ساؤ کی حقیقت کھل جانے کے بعد بہت کچھ بدل گیا تھا اور اب شاید میرے لئے بھی مناسب نہیں تھا کہ اس لکیر کو پھاندنے کی کوشش کروں جو قسمت نے آٹھ برس پہلے میرے اور ساؤ خاندان کے درمیان کھینچی دی تھی، بعض فیصلے قدرت خود کرتی ہے، یہ بھی قدرت کا فیصلہ تھا کہ میں ماں کو دکھی نہ ہونے دوں جس کی ممتا کی لذت میں نے جوانی میں چکھی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میں نے اپنی دونوں بانہیں اس کے گلے میں ڈال دیں۔

''تو کیوں روتی ہے ماں! کیا ہوا ہے تجھے؟''

''کچھ نہیں رے۔'' اس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

''ذرا دھیان سے سن ماں! تیرے پیار کی سوگند کھا کر کہتا ہوں منگل ساؤ چاچا کا قاتل نکلا تو سندر متی سے لگن توڑ دوں گا۔''

اس کے افسردہ چہرے پر پھر کرن لہرائی۔ ''سچ کہتا ہے؟''

''ہاں۔۔۔ جو کچھ بول دیا، وہی کروں گا۔''

''تیرا من دکھی نہیں ہوگا، سندر متی سے لگن توڑتے ہوئے؟''

''میرے من کو بھول جا ماں!! تیری آگیا کے بغیر میں نے اس کے ساتھ لگن رات نہیں منائی تو تیری خاطر اس سے لگن بھی توڑ سکتا ہوں۔''

یہ بات سن کر وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی اور پیار کرنے لگی۔ سندر متی سے لگن توڑنے کا خیال بے حد پریشان کن اور تکلیف دہ تھا، میرے من میں ابھی سے درد کا ایک طوفان سا اٹھ رہا

تھا، جیسے کوئی شخص زندگی کے اجالے سے موت کے اندھیرے کی طرف لوٹ رہا ہو جس طرح قدرت کے زبردست اور فیصلہ کن ہاتھ نے غیر متوقع طور پر ہمیں ایک دوسرے سے قریب کر دیا بالکل اسی طرح وہ ان دیکھا ہاتھ اب ہمارے درمیان حائل ہو رہا تھا۔

اچانک ماں مجھے اپنے سینے سے الگ کر کے پیار سے میرے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی پھر یک لخت کھڑی ہو کر کہنے لگی۔

''میں تیرے لئے پریشان ہوں کیشپ!''

''اب تیری پریشانی کا کارن کیا ہے ماں!''

''ہے ایک کارن''۔۔۔''مجھے نہیں بتائے گی؟''

میری بات کا جواب دینے کی بجائے اس نے نئی بات چھیڑ دی۔

''کیا تیرے چاچا نے منگل ساؤ کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔''

''ابھی میں نے ان کے کاغذات نہیں دیکھے، شاید کچھ لکھا ہو۔''

وہ چپ چاپ سی دروازے کی طرف پلٹی، میں نے پوچھا۔

''ماں! نیند تو آئے گی نہیں اگر تو آگیا دے تو چاچا کا مسودہ پڑھ لوں؟''

''جو تیرے من میں آتا ہے کر۔''

یہ کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گئی، میں نے اسے رسوئی گھر کی طرف جاتے دیکھا مگر اس کے جاتے ہی میرے دل میں سندر متی کے پیار کی کشش ہولے ہولے پھر بیدار ہونے لگی اور میں اس خیال سے زبردست بے کلی محسوس کرنے لگا کہ حالات کی جو دیوار میرے اور سندر متی کے درمیان کھڑی ہو رہی ہے میں اسے کیسے گرا سکوں گا ماں کو لگن توڑ دینے کا قول دے چکا ہوں لیکن سندر متی سے علیحدہ ہو کر تو میں خود ٹوٹ پھوٹ جاؤں گا۔

نہ جانے کیا ہونے والا تھا اور مجھے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی عجیب بات ضرور ہونے والی ہے، جبھی میرے اندر خوف کی ایک لہر سرسراتی پھر رہی تھی مگر پلنگ پر بیٹھے بیٹھے میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور سوچا۔ ''سب سے پہلے مجھے ''مقدس مورتی'' کا مسودہ ختم کرنا اور چاچا کے کاغذات میں منگل ساؤ کے قاتل ہونے کا کوئی ثبوت ڈھونڈنا ہے، اس کے بعد کیا ہوگا، اسے قسمت پر چھوڑ دینا چاہئے۔''

یہ سوچ کر میں دروازے سے کر برآمدے میں آیا اور تیز تیز قدموں سے چلتا اس کمرے میں داخل ہوا جہاں ٹرنک پڑا تھا۔۔۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ قدرت کا پراسرار ہاتھ میرے لئے کونسا دروازہ کھولتا ہے، کونسا دروازہ بند کرتا ہے۔

میں نے منگل ساؤ سے متعلق چاچا کی کسی تحریر کی تلاش بعد میں اٹھا رکھی اور ٹرنک سے ''مقدس مورتی'' کا مسودہ نکال لیا۔ یہ تحقیق قتل کے معاملے سے زیادہ اہم تھی اور سب سے پہلے اسی کو پڑھنا چاہتا تھا۔

''چاچا نے کتاب کے دوسرے باب کا آغاز اس طرح کیا تھا۔

''بھگوان بدھ کے خاص شش آنند بھکشو کی اصل مورتی وہی تھی جو سارگلیان نے 250ء قبل مسیح مہاراجہ اشوک اعظم کو بھینٹ کی اور جسے بنارس سے تین میل شمال کی سمت مرگ داؤ کے دھرم استھان میں رکھ دیا گیا۔ اس شہر کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں اور آج کل اسے ''سارناتھ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر وہاں سے مورتی دوبارہ پاٹلی پتر کے بڑے مٹھ میں لائی گئی۔ وہ بدھ کی راکھ کے باعث اتنی مقدس تھی کہ بعض روایات کے مطابق اسے چھو لینے سے بڑے بڑے روگ دور ہو جاتے تھے، جبھی پاٹلی پتر کے مٹھ پر ہر وقت پہرہ لگا رہتا تھا۔

پاٹلی پتر صدیوں پہلے تباہ و برباد ہو کر کھنڈروں کا ڈھیر بن گیا۔ اس کی تباہی کسی قیامت خیز زلزلے سے عمل میں آئی تھی، نہ جانے کب تک وہاں ویرانیاں برستی رہیں مگر اس کی تاریخ اور مذہبی عظمت لوگوں کے دلوں سے محو نہ ہو سکی اور اس کے کھنڈروں کے قریب ہی ایک نئی بستی تعمیر ہونے لگی جس نے بتدریج ایک بڑے شہر کی شکل اختیار کر لی۔ اس شہر کو آج کل ہم پٹنہ کہتے ہیں اور یہ نام بھی پاٹلی پتر کی رعایت ہی سے مشہور ہوا ہے۔

پاٹلی پتر کی تباہی کے ساتھ بودھ دھرم پر بہت سی گھٹائیں اور مشکلیں آ پڑیں۔ ہندوستان سے بودھ راج کا انت ہو گیا اور برہمنوں نے بودھوں کی شدھی کا بیڑہ اٹھایا، بہت سے پروہت گیانی اور بھکشو بدھ کے نروان کا سندیس لے کر دوسرے ملکوں کی طرف چلے گئے، جب برہمنوں نے بودھوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ چانکیہ کے اصولِ حکمرانی کی رُو سے دوسرے دھرموں کا ناش ضروری سمجھ لیا گیا تو کئی بودھ مندر ویران ہو گئے کیونکہ بہت سے بودھ دیس چھوڑ گئے یا اُتر کے علاقوں میں جا بسے تھے۔ ان حالات میں بدھ کی وہ مقدس مورتی بھی کسی کو یاد نہ رہی جو پاٹلی پتر کی تباہی کے ساتھ ہی ایک بھولی بسری کہانی بن گئی تھی۔

1815ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی بنگال اور بہار کے علاوہ ہندوستان کے متعدد ساحلی علاقوں پر قبضہ کر چکی تھی۔ انگلستان سے ماہر آثار قدیمہ کی ایک پارٹی ہندوستان پہنچی اور اس نے کمپنی سرکار کی اجازت سے کئی تاریخی مقامات کی کھدائیاں شروع کیں۔ کمپنی اور انگریز ماہرینِ آثار کے درمیان یہ سمجھوتہ طے پا گیا تھا کہ کھدائی سے جو تاریخی آثار اور نوادر ہاتھ آئیں گے ان میں ساٹھ فیصد کی مالک کمپنی سرکار ہوگی اور انگریز ماہرین اپنے حصے کی چالیس فیصد نادر اشیاء انگلستان لے جا سکیں گے۔

کھدائی کے لئے جن مقامات کا انتخابات کیا گیا ان میں پٹنہ کے قریب پاٹلی پتر کے کھنڈر بھی شامل تھے جن کی گہری کھدائی سے بودھ دور کی بے شمار نادر اور نایاب اشیاء برآمد ہوئیں، انہی نوادر میں پیتل کی ایک بدھ مورتی بھی تھی، جو کمپنی سرکار کے حصے میں آئی۔ اس مورتی کے ساتھ بعض تاریخی کتبے بھی ملے جن پر پالی زبان میں مورتی سے متعلق بعض اہم معلومات درج تھیں۔

کمپنی سرکار کا ہیڈ کوارٹر کلکتہ تھا چنانچہ بدھ کی مورتی اور کتبے فورٹ ولیم عجائب گھر میں محفوظ کر دیئے گئے۔ اس قلعے کے عجائب گھر میں ہندوستان کے بہت سے تاریخی عجائب و نوادر جمع تھے جن میں بھگوان بدھ کی مقدس مورتی کا اضافہ نہ صرف تاریخی بلکہ مذہبی لحاظ سے بھی بڑا اہم تھا۔

1845ء میں کلکتہ کے ایک انگریزی اخبار نے بودھ آثار قدیمہ سے متعلق ایک آرٹیکل شائع کیا جس میں بدھ کی مورتی کے بارے میں بعض سنسنی خیز انکشافات کر کے تہلکہ مچا دیا اور پوری بودھ دنیا چونک اٹھی۔ اخبار نے لکھا تھا کہ پٹنہ شہر کے قریب قدیم الایام ٹیلوں کی کھدائی سے جہاں کسی زمانے میں پاٹلی پتر کا عظیم الشان بودھ شہر آباد تھا جو نادر اشیاء دستیاب ہوئیں، ان میں پیتل کی بدھ مورتی بھی شامل ہے جس پر پالی زبان کے چار پراسرار شبد اور بدھ کے چار ہی نام کندہ ہیں جنہیں قدیم زبان کے ماہرین نے حال ہی میں پڑھ لیا ہے یہ ہیں، وہ شبد اور نام:۔

''جیون، بھید، چار، انائے۔''

''تتھاگت، شاکیہ منی، امی تابھ، آتمارو پی۔''

آرٹیکل میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی تھی کہ جو کتبے ملے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ مورتی بدھ کے خاص شاگرد آنند بھکشو نے کوشی نگر کے ایک کاریگر سے بنوائی تھی جو سار گلیان نامی ارہت نے قریباً دو صدیوں کے بعد مہاراجہ کو بھینٹ کی تھی۔

آنند بھکشو کے نام اور پالی زبان کے پراسرار الفاظ کے انکشاف پر بودھوں نے مورتی میں شدید دلچسپی لینا شروع کر دی۔ قریباً دو ہزار سال کے بعد اس کے حصول کی زبردست کشمکش کا پھر آغاز ہوا۔ کئی بدھ حکومتوں نے کمپنی سرکار کو پیشکش کی کہ اگر مورتی انہیں فروخت کر دی جائے تو وہ کمپنی کی احسان مند ہوں گی، ان دنوں لارڈ ہارڈنگ ہندوستان کے گورنر جنرل تھے۔ انہوں نے مورتی قیمتاً فروخت کرنے سے انکار کر دیا، البتہ بودھوں کی حیرت انگیز دلچسپی اور فرمائش پر فورٹ ولیم کلکتہ کے عجائب گھر میں اس کی نمائش کا بندوبست ضرور کر دیا تاکہ بدھ کے شیدائی مورتی کے درشن کر سکیں۔

میں بتا چکا ہوں انیسویں صدی عیسوی میں بودھ دھرم دنیا کا سب سے بڑا مذہب تھا۔ کیم

مارچ 1847ء کو مورتی کی پہلی نمائش کا اعلان ہوتے ہی کئی ملکوں کے بدھ یاتری جوق در جوق کلکتہ پہنچنے لگے، ان میں ہندوستان کے شمالی علاقوں کے علاوہ برما، ہند چینی، سیام، تبت، نیپال، بھوٹان، لنکا، فلپائن، جاپان اور چین کے ہزاروں یاتری اور بھکشو بھی شامل تھے۔ کیم مارچ کو کلکتہ میں اس قدر ہجوم اور جوش و خروش دیکھنے میں آیا کہ مورتی کی حفاظت کا خصوصی انتظام کرنا پڑا کیونکہ اس نمائش نے ایک بدھ تہوار کی شکل اختیار کر لی تھی اور یاتری اسے چھونے کے لئے بے چین ہو رہے تھے جب کہ مورتی شیشے کے ایک شوکیس میں رکھ دی گئی تھی اور اسے صرف دور ہی سے دیکھنے کی اجازت تھی۔

بودھ یاتریوں کے اس غیر معمولی جوش و خروش کی وجہ سے لارڈ ہارڈنگ کو خیال آیا کہ کیوں نہ مورتی کو بدھ ملکوں کے درمیان خیر سگالی کا ذریعہ بنایا جائے، ان ایام میں کمپنی سرکار تبت، نیپال اور برما کے سیاسی معاملات میں خاصی دلچسپی لے رہی تھی اور گورنر جنرل ان ملکوں میں بھی کمپنی کے لئے تجارتی اور سیاسی مراعات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ انگریز برما کو اپنے حلقہ اثر میں لانے کے لئے بے چین تھے تاکہ ہندوستان پر ان کا راج کچھ اور مضبوط ہو جائے چنانچہ کمپنی کے خفیہ ریکارڈ سے جسے 1857ء کے پر آشوب واقعات کے بعد ملکہ وکٹوریہ کی برٹش گورنمنٹ نے اپنی تحویل میں لے لیا، لارڈ ہارڈنگ کے اس فیصلے کا پتہ چلتا ہے کہ (یاد رہے کہ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد جسے انگریز ''غدر'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہندوستان برٹش ایمپائر میں شامل کر دیا گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم کر دی گئی تھی۔

کیم مارچ 1847ء کی پہلی نمائش پر تبت کے ایک بھکشو نے رات کے وقت فورٹ ولیم کے عجائب گھر میں گھس کر مورتی چرانے کی کوشش بھی کی مگر گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے پولیس کو ایک عجیب و غریب بیان دیا کہ پٹنہ کے پرانے کھنڈروں سے مورتی کا دستیاب ہونا یک جھوٹا افسانہ ہے کیونکہ پاٹلی پتر کی تباہی کے کئی سو برس بعد تبت کا ایک لاما ناتھ بنڈو یہ مورتی لہاسہ سے لے کر گیا کی یاترا کرنے ہندوستان آیا تھا اور واپس نہ جا سکا۔ اس کے ساتھ مورتی بھی یہیں رہ گئی نہ جانے کس طرح انگریزوں کے ہاتھ لگ گئی۔ اس کا خیال تھا یہ وہی مورتی ہے جو ناتھ بنڈو تبت سے لایا تھا اس لئے مورتی تبت کے مذہبی پیشوا دلائی لاما کو واپس کر دینی چاہیئے تاکہ اسے لہاسہ کی بودھ خانقاہ میں رکھ دیا تھا۔

تبتی بھکشو کے اس بیان پر بودھوں میں زبردست سنسنی پھیل گئی اور مورتی کو تبت پہنچانے کا مطالبہ زور پکڑ گیا مگر کمپنی سرکار نے بودھ پروہتوں اور گیانیوں کو وہ تاریخی کتبے دکھائے جو مورتی کے ساتھ دستیاب ہوئے تھے اور انہیں تصدیق کرنا پڑی کہ یہ مورتی واقعی آثار قدیمہ کی کھدائی سے دستیاب ہوئی، ناتھ بنڈو والی مورتی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر گرفتار کئے جانیوالے

بھکشو کو چھوڑ دیا گیا کہ وہ غلط فہمی کی بناء پر چوری کا ارتکاب کرنے والا تھا مگر تبت کے کئی لامے اس انکشاف پر دنگ رہ گئے کہ آنند بھکشو والی اصل مورتی پاٹلی پتر کے کھنڈروں سے برآمد ہوئی ہے حالانکہ وہ اس مورتی کو اصلی سمجھتے رہے جو صدیوں لہاسہ کی بودھ خانقاہ میں محفوظ رہی اور جس کو چھو لینے سے نجانے کتنے روگی تندرست ہو چکے تھے۔ اگر اناتھ بنڈو وہ مورتی اپنے ساتھ ہندوستان نہ لے جاتا تو اس کی معجزنمائی سے آج بھی روگی اچھے ہو سکتے تھے مگر یہ بھید کوئی بھی نہ جان سکا کہ اناتھ بنڈو نے وہ مورتی کہاں کھوئی کہاں چھپادی تھی؟

لارڈ ہارڈنگ نے مورتی کے ذریعے بودھ ملکوں کے ساتھ میل ملاپ کا جو پروگرام بنایا تھا اس پر عمل نہ کر سکا کیونکہ اسی سال ہارڈنگ کو لندن واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ یکم جنوری 1848ء کو لارڈ ڈلہوزی نئے گورنر جنرل کی حیثیت میں کلکتہ پہنچ گیا۔ 8 جنوری کو وہ باقاعدہ کونسل کے اجلاس میں شریک ہوا جہاں اسے معلوم ہوا کہ یکم مارچ کو کلکتہ میں بدھ مورتی کا جو دوسرا سالانہ تہوار منایا جانیوالا ہے وہ خطرناک ثابت ہوگا۔ خفیہ اطلاعات کے مطابق برما اور تبت کے بودھ یاتری لاؤلشکر سمیت کلکتہ آنے والے تھے اور اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ فورٹ ولیم کے عجائب گھر پر دھاوا بول کے مورتی زبردستی اڑا لے جائیں گے۔ سرکاری محافظوں کو مزاحمت پر ہنگاموں اور فساد کا بھی خطرہ تھا۔

اس رپورٹ نے نئے گورنر جنرل کو چونکا دیا۔ 1848ء میں کمپنی سرکار کئی خطروں سے دو چار تھی۔ پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات پر لاہور دربار سازشوں کا مرکز بن گیا اور لارڈ ہارڈنگ کے زمانے ہی میں کمپنی نے پنجاب میں دخل اندازی شروع کر دی تھی سرہنری لارنس کو (جس کا بھائی جان لارنس بعدازاں ہندوستان کا گورنر جنرل بھی مقرر ہوا) لاہور میں کمپنی کا ریذیڈنٹ مقرر کر دیا گیا تھا، جس پر سکھ، انگریز کے خلاف سخت مشتعل ہو رہے تھے۔ دوسری جانب مرہٹوں سے جنگ جاری تھی اور ان کے علاوہ پنڈارے بھی ہندوستان کی لوٹ میں اپنا حصہ وصول کر رہے تھے۔ کمپنی سرکار کی دیسی فوجوں میں بددلی کے آثار پائے جاتے تھے۔ اب کلکتہ میں بودھ یاتریوں کے ہنگاموں کا خطرہ اٹھتے دیکھا تو لارڈ ڈلہوزی نے فوری طور پر مورتی کا تہوار منسوخ کر دیا۔ وہ خود پنجاب کے میدانوں میں سکھوں کے ساتھ ہنگامہ آرائی کی تیاریاں کر رہا تھا، مگر تہوار کی منسوخی کا اعلان اس وقت کیا گیا جب بودھ بھکشوؤں کے قافلے مختلف علاقوں سے کلکتہ کی سمت روانہ ہو چکے تھے۔ انہیں بنگال اور آسام کی سرحدوں پر روکنے کی کوشش کی گئی جس پر تبت کے لاماؤں اور شاہ آوا (برما) نے کمپنی سرکار سے سخت احتجاج کیا اور تہوار کی منسوخی کا اعلان بہت دیر سے کیا گیا ہے، اس لئے بودھ اتریوں کو مورتی کے درشن کرنے کی اجازت دی جائے۔

تہوار میں ابھی چند روز باقی تھے، کمپنی سرکار شاہ آوا پر خاص توجہ دے رہی تھی تاکہ برما میں اثر ورسوخ حاصل کر سکے۔ شاہ کی اپیل پر بودھیا اتریوں کو کلکتہ آنے کی اجازت دے دی گئی مگر ساتھ ہی لارڈ ڈلہوزی نے خفیہ طور پر ویسی ہی ایک نئی مورتی تیار کرانے کا حکم دیا جو نقل مطابق اصل ہو چنانچہ فورٹ ولیم کے میوزیم سے اصل مورتی کتبوں سمیٹ ہٹالی گئی اور اس کی جگہ نقلی مورتی نے لے لی۔

یکم مارچ 1848ء کو کلکتہ میں مورتی کی نمائش ہوئی۔ یاتریوں نے نقلی مورتی کے درشن کیے اور لوٹ گئے مگر نمائش کی دوسری رات بیک وقت تین بھکشوؤں نے فورٹو لیم میں گھس کر مورتی چرانے کا جتن کیا اور گرفتار ہو گئے۔ بعد میں پتہ چلا وہ تینوں بھکشو برما سے آئے تھے، کوئی مقدمہ چلائے بغیر تینوں کو رہا کر دیا گیا۔ اس کے بعد بھی مورتی کو اڑا لے جانے کی متعدد وارداتیں ہوئیں مگر نہ تو مورتی چرائی جا سکی، نہ پراسرار افراد گرفتار ہو سکے۔ وہ حیرت انگیز طور پر پہرے داروں کو دھوکہ دے کر نکل جاتے رہے، وارداتوں کے اس تسلسل سے گھبرا کر نہ صرف مورتی کا تہوار ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا بلکہ نقلی مورتی بھی فورٹ ولیم کے میوزیم سے ہٹادی گئی۔

لارڈ ڈلہوزی کا خیال تھا کہ اصل مورتی لندن کے برٹش میوزیم کو بھیج دی جائے لیکن اسے مشورہ دیا گیا کہ بدھ کے پجاری لندن بھی پہنچ جائیں گے اور دولت انگلشیہ نئی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گی لہٰذا اس نے اپنا خیال ترک کر دیا اور اصل مورتی اس ہدایت کے ساتھ شمالی ہند کے کسی شہر میں بھجوادی کہ کسی بھی جگہ اور کسی بھی موقعے پر اس مورتی کی نمائش نہ کی جائے۔

نقلی مورتی کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے کمپنی سرکار نے برما میں اثر ورسوخ بڑھانے کے لئے وہ مورتی شاہ آوا کو بھینٹ کر دی جس پر خوش ہو کر شاہ آوا نے برما میں انگریزوں کی تجارتی اور سیاسی مراعات میں اضافہ کر دیا۔ تاریخی شہادتوں سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ مورتی بھگوان بدھ کی مقدس راکھ کی وجہ سے پوتر اور مقبول تھی مگر جب برما کے دارالحکومت میں آوا میں بدھ پروہتوں نے مورتی کو ایک روگی پر آزما کر اس کی اصلیت معلوم کرنا چاہی تو تیسرے دن روگی چل بسا جس پر پروہتوں کو شک ہوا کہ مورتی نقلی ہے بعدازاں اس میں مہاتما بدھ کی راکھ تلاش کرنے کی کوشش شروع ہوئی تو بجز ناکامی اور کچھ حاصل نہ ہوا جس پر مورتی کو نقلی قرار دے کر واپس کلکتہ بھیج دیا گیا، نیز کمپنی سرکار پر بداعتمادی کا اظہار بھی کیا گیا اس نے نقلی مورتی بھینٹ کر کے شاہ آوا کو دھوکہ دیا اور بودھوں کے جذبات گھائل کیے ہیں۔

اسی بنیاد پر سرکار اور شاہ آوا کے تعلقات خراب ہو گئے اور برما میں کمپنی کی بعض تجارتی مراعات منسوخ کر دی گئیں جس پر انگریز کو برما میں مداخلت کا موقع مل گیا، آخر اس نے برما کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور برما پر بھی اسی طرح قبضہ کر لیا جس طرح ہندوستان پر کیا تھا، بعد

ازاں دونوں ملک ایک انتظامیہ کے تحت یکجا کر دیئے گئے مگر انگریز کی تجارتی اور سیاسی لوٹ کھسوٹ میرا موضوع نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اصل مورتی جس میں بھگوان بدھ کی راکھ محفوظ تھی اور جسے چھو لینے کے بعد روگی صحت یاب ہو جاتے تھے، کلکتہ سے کہاں بھیج دی گئی؟

یہی وہ اہم سوال ہے جس نے بدھ پروہتوں، بھکشوؤں اور گیانیوں کو ایک عرصے تک پریشان رکھا کیونکہ پٹنہ کے ٹیلوں سے برآمد ہونیوالی مقدس بدھ مورتی تاریخی کتبوں اور شہادتوں کے ساتھ فورت ولیم کے عجائب گھر میں رکھی گئی تھی، مورتی سمیت ان کتبوں اور شہادتوں کو بودھ گیانیوں نے بچشم خود دیکھا اور تصدیق کی تھی کہ وہی آنند بھکشو والی مورتی ہے جس میں بدھ کی مقدس راکھ محفوظ تھی لیکن لارڈ ڈلہوزی نے اپنے عہد حکومت میں اسے کس شہر میں منتقل کر دیا تھا؟

کوئی بدھ گیانی اور بھکشو اس کا سراغ نہ لگا سکا مگر وہ لوگ اس مقدس مورتی کی تلاش میں دیوانہ وار سرگرداں اور پریشان رہے۔"

یہاں "مقدس مورتی" کا دوسرا باب ختم ہو گیا تھا۔



میں چند لمحے ان عجیب و غریب واقعات پر سوچتا اور حیران ہوتا رہا، یہ بات حیرت انگیز تھی کہ انگریز اس زمانے کی بودھ حکومتوں کے ساتھ اچھے تعلقات بھی قائم کرنا چاہتا تھا لیکن کمپنی سرکار کے گورنر جنرل لارڈ ڈلوزی نے انہیں دھوکہ بھی دیا۔ آخر شاہ آوا کو نقلی مورتی بھینٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر اصل مورتی بھینٹ کی ہوتی تو برما کے ساتھ کمپنی سرکار کی دوستی ہو جاتی۔ اچانک ذہن میں ایک چنگاری بھڑکی اور خیال آیا کہ شاید کمپنی سرکار برما سے دوستی چاہتی ہی نہیں تھی اور شاہ آوا کو نقلی مورتی اس لئے بھینٹ کی گئی کہ وہ مشتعل ہو کر کمپنی کو دی جانے والی تجارتی مراعات واپس لے لے اور انگریز کو برما میں فوجی مداخلت کا بہانہ مل جائے، کمپنی برما سے دوستی کی بجائے اس پر فوجی قبضہ کرنے کے منصوبے باندھ رہی تھی آخر 1888ء میں انگریز نے برما پر فتح پائی۔

یہ وہ واقعات ہیں جو ماضی میں ہو گزرے۔ برطانیہ کو ہندوستان کے ساتھ برما پر بھی حکمرانی کا اختیار مل گیا۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ایشیائی حکمران ایسے پرندے تھے جن کی آنکھوں کے سامنے انگریز شکاری اپنا جال بچھاتے اور وہ اس جال میں پھنس جاتے تھے مگر مجھے گزرے دنوں پر ماتم کرنے کی فرصت نہیں۔ میں تو یہ جاننے کے لئے بے چین تھا کہ بھگوان کی مورتی کہاں بھیج دی گئی اور آخر چاچا چکرورتی سہائے نے اسے کہاں سے اور کس طرح ڈھونڈ نکالا۔ بڑے شوق و اضطراب کے ساتھ میں نے کتاب کا تیسرا باب کھولا اور ان سنسنی خیز

واقعات میں کھو گیا جو چاچا نے تحریر کئے تھے، ان کے مطابق:۔

"لارڈ ڈلہوزی نے 36 برس کی عمر میں ایک اہم عہدہ سنبھالا تھا۔ وہ کمپنی سرکار کا سب سے کم عمر گورنر جنرل تھا جوانی کے جوش میں اس کے جذبات فوراً مشتعل ہو جاتے اور وہ اپنے حریفوں کو نقصان پہنچانے پر تل جاتا تھا، اس نے ایک طرف کیناری (پنجاب) کی جنگ کے بعد جو جون 1848ء کو انگریزوں اور سکھوں کے درمیان لڑی گئی،، دربار لاہور کے خالصہ سرداروں سے ساز باز کر کے رنجیت سنگھ کی بیوہ مہارانی جنداں کو جلاوطن کرایا پھر دوسری جنگ 1849ء جیت کر کم سن مہاراجہ دلیپ سنگھ کو بھی پانچ لاکھ روپے سالانہ پنشن پر تخت و تاج سے محروم کر دیا اور پنجاب کو باقاعدہ برٹش انڈیا کا صوبہ بنا دیا ورنہ لارڈ ہارڈنگ کے دور میں کمپنی سرکار کی عمل داری صرف دریائے ستلج تک تھی، دوسری جانب برما میں شاہ آوا کو نقلی مورتی بھیج کر تعلقات خراب کرنے کا موقع پیدا کیا تا کہ کمپنی سرکار کی فوجیں برما پر بھی دھاوا بول سکیں۔

رنگون (برما) کے ایک مشہور (بدھ گیانی) مہابند نے بھگوان کی مورتی غائب کر دینے کے واقعے پر اپنے وچار کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ انگریز خود تو اس "صلیب اعظم" کے بارے میں جس پر ان کے کہنے کے مطابق یسوع مسیح کو لٹکا دیا گیا تھا، یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسے چھو لینے سے بیمار اور کوڑھی شفایاب ہو جاتے رہے مگر جب انہوں نے بھگوان بدھ کی مورتی کے بارے میں بھی اسی قسم کی باتیں سنیں ان کی "مذہبی سیاست" یہ برداشت نہ کر سکی کہ مہاراجہ شاکیہ منی بدھ کی کرامت کا چرچا ہو۔ وہ تو ہندوستان میں عیسائیت پھیلانے کی خاطر "صلیب کی کرامتوں" کا چرچا ضروری سمجھتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے مقدس مورتی غائب کر دی مگر ہندوستان اور برما میں انگریزی قبضے کے بعد بھی بودھ پجاری اس مورتی کی تلاش میں سرگرداں رہے۔

ملکہ وکٹوریہ کے عہد میں جب کمپنی سرکار کا راج ختم کر کے ہندوستان کو برطانوی ولایات کا باقاعدہ حصہ بنا لیا گیا اور انگلستان جانے کی سہولتیں پیدا ہو گئیں، بودھ پجاریوں کی ایک خفیہ کانفرنس چین کے شہر میکاؤ میں ہوئی جس میں مشرق بعید کے بودھ دیسوں کے بڑے بڑے پجاری شریک ہوئے اور مورتی کی تلاش کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی جسے پہلا کام یہ سونپا گیا کہ اس کے دوارکان لندن جا کر یہ کھوج لگانے کی کوشش کریں کہ مورتی کہیں خفیہ طور پر لندن تو نہیں بھیج دی گئی مگر یہ سفر ناکام ثابت ہوا جو پجاری انگلستان گئے انہوں نے برٹش میوزیم لندن کے علاوہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی قدیم مخطوطات و نوادرات کی چھان بین کی وہاں مہاتما بدھ کے بے شمار مجسمے اور بودھ دور کے کتبے وغیرہ موجود تھے لیکن کسی بھی ذریعے سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مطلوبہ مورتی کبھی لندن بھیجی گئی تھی۔

میکاؤ مہم کی ناکامی کے بعد تبتی لاماؤں نے اس وقت کے دلائی لامہ سے درخواست کی کہ

1815ء کی کھدائی میں پٹنہ سے دستیاب ہونے والی مقدس مورتی کو انگریزوں نے یقیناً کسی خاص مصلحت کے تحت غائب کر دیا ہے لیکن ویسی ایک مورتی جو صدیوں سے لہاسہ کی بودھ خانقاہ میں موجود تھی اور جسے اناتھ بنڈو گیا کی یاترا پر اپنے ساتھ لے گیا تھا، ضرور کہیں نہ کہیں ہندوستان ہی میں ہوگی۔ ہمیں وہ مورتی ڈھونڈنی چاہئے، دلائی لامہ نے اس تجویز کے مطابق ایک پارٹی ہندوستان بھیجی۔ نیپال اور لداخ کے بودھ پجاریوں کو سندیس روانہ کئے کہ وہ مورتی کی تلاش میں پارٹی کی مدد کریں مگر یہ ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ اناتھ بنڈو کی یاترا کو طویل عرصہ بیت چکا تھا اور کسی کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس نام کا کوئی تبتی لاما ہندوستان آیا تھا یا نہیں۔ دلائی لامہ کی بھیجی ہوئی پارٹی کا خیال تھا کہ بھگوان بدھ کی نادر اور پوتر مورتی کی وجہ سے اناتھ بنڈو کو ہندوستان میں کچھ شہرت ضرور ملی ہوگی مگر پارٹی کو سخت مایوسی ہوئی کیونکہ گیا، پٹنہ، بنارس اور اردگرد کے کسی شہر میں کوئی بھی اس کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا جیسے بھگوان کی وہ مورتی جسے چھو لینے سے روگی اچھے ہو جاتے تھے، کبھی ہندوستان آئی ہی نہیں تھی۔

تبتی لاماؤں کی پارٹی ناکام و نامراد لہاسہ لوٹ گئی۔ انہیں مورتی کا کوئی کھوج مل سکا نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اناتھ بنڈو کے ساتھ کون سا غیر معمولی واقعہ پیش آیا تھا اور مورتی کہاں گئی، پیہم تلاش اور مسلسل ناکامی کے بعد یہ مہم ترک کر دی گئی مگر بعض تبتی لاماؤں نے ذاتی طور پر جستجو جاری رکھی۔ 1920ء میں ایک لاما بدری ساکھا آسام کے سرحدی قبائل میں گھومتا پھرتا بائی پارہ جا پہنچا جہاں اس نے تین صدیاں قبل گوچی ساؤ کے بودھ دھرم قبول کرنے اور لاما اناتھ بنڈو کے سواگت کی خاطر آسام کے دور افتادہ پہاڑوں کی طرف جانے کی کہانی سنی۔ اس واقعے کے بعد گوچی ساؤ کا پریوار انہی پہاڑوں پر جا بسا تھا، پھر ایک دن بدری ساکھا رپاسے ہوتا اور دشوار گزار پہاڑی سفر طے کرتا اچانک ساؤ گاری کی پراسرار عمارت میں داخل ہوا۔

ساؤ گاری میں اس کی ملاقات ساؤ خاندان کے وارث منگل ساؤ سے ہوئی جو گوچی ساؤ کی وصیت کے مطابق اس عمارت میں نروان کی تپسیا جاری رکھنے کا پابند تھا۔

میں نے اس وقت تک مورتی کے بارے میں جو معلومات درج کی ہیں وہ مجھے مختلف ذرائع سے حاصل ہوئیں جن میں بعض کتابیں اور کتبے بھی شامل ہیں۔ کمپنی سرکار کے عہد میں پیش آنے والے واقعات تاریخوں کے علاوہ بعض اہم دستاویز سے حاصل کئے گئے جو اس ریسرچ کے دوران میسر آئیں مگر بدری ساکھا اور منگل ساؤ کی ملاقات کا واقعہ مجھے خود بدری ساکھا نے سنایا جس سے میری ملاقات ڈھاکہ میں ہوئی تھی۔ سچی بات ہے کہ ساکھا سے ملنے کے بعد ہی مجھ پر مقدس مورتی کی اہمیت واضح ہوئی اور میں نے اس کے بارے میں تحقیق کا بیڑہ اٹھایا۔ ساؤ گاری اور ساؤ خاندان کی عجیب و غریب داستان بھی بدری ساکھا ہی نے

سنائی تھی۔ اس وضاحت کے بعد میں منگل ساؤ سے اس کی ملاقات کا حال بیان کرتا ہوں۔

رتنا گری کی دور افتادہ لیکن حسین وادی میں ساؤ گاری کی تعمیر اور وہاں ساؤ خاندان کی نسل در نسل رہائش یقیناً کسی اہم اور پراسرار واقعے کے سبب تھی اس لئے بدری ساکھا نے اپنا مطلب ظاہر کرنے میں جلدی نہیں کی۔ اس نے منگل ساؤ کو بتایا، وہ ان مقامات کو دیکھنے نکلا ہے جن سے اناتھ بنڈو تین صدیوں پہلے گزرا تھا۔ آسام کے اس پہاڑی علاقے میں اناتھ بنڈو کی آمد اگرچہ ایک مشہور واقعے کی حیثیت رکھتی تھی مگر لہاسہ میں کسی کو معلوم نہ تھا کہ سفر ہندوستان کے دوران اس نے رتنا گری کی وادی میں قیام کیا تھا، اس سفر میں صرف تین آدمی اور دو خچر اس کے ہمراہ تھے مگر اس کا کوئی بھی ساتھی واپس نہ پہنچ سکا تھا چنانچہ جب منگل ساؤ نے اسے بتایا کہ اناتھ بنڈو نہ صرف گیا کی طرف جاتے ہوئے رتنا گری میں ٹھہرا بلکہ واپسی میں بھی اس نے یہیں قیام کیا اور یہیں اس کی اچانک موت واقع ہوگئی تھی تو بدری ساکھا کو بڑی حیرت ہوئی۔ یہ انکشاف تو کسی اچنبھے سے کم نہ تھا کہ رتنا گری کے شمالی بن میں اس کی سمادھی موجود ہے اور جنگل ”اناتھ بن“ ہی کہلاتا ہے چنانچہ منگل ساؤ نے اسے شمالی پربت کے جنگل میں اناتھ بنڈو کی سمادھی دکھائی۔

اب بدری ساکھا کو وشواس ہو گیا تھا کہ وہ اپنی تلاش میں ضرور کامیاب ہوگا۔ اس کے اندازے کے مطابق مورتی ساؤ گاری ہی میں ہونی چاہئے۔ اس نے اناتھ بنڈو سے گوچی ساؤ کی عقیدت کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم کر لیں تو رات کے وقت اچانک مورتی کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ سمجھتا تھا شاید منگل ساؤ لیت و لعل یا ٹال مٹول سے کام لے اس لئے یہ وضاحت بھی کر دی کہ وہ لہاسہ کی بودھ خانقاہ کا نمائندہ بن کر آیا ہے تاکہ اس مورتی کو واپس لے جا سکے جو اناتھ بنڈو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

منگل ساؤ نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اعتراف کر لیا کہ اسے اپنے پرکھوں کی طرف سے جو روایات ورثے میں ملی ہیں۔ ان کے مطابق بدھا کی ایک مورتی اناتھ بنڈو کے پاس موجود تھی، جسے چھو لینے سے روگی اچھے ہو جاتے تھے۔ ساؤ خاندان کے بانی گوچی ساؤ کے سامنے ایک روگی نے مورتی کو ہاتھ لگایا اور وہ تندرست ہو گیا۔ یہ حیرت انگیز کرشمہ دیکھ کر بودھ دھرم پر گوچی ساؤ کا وشواس بڑھ گیا اور اس نے اناتھ بنڈو سے بنتی کی کہ گیا کی یاترا سے واپسی تک مورتی اسے دے دی جائے کیونکہ وہ آسام کے سرحدی قبیلوں میں جو ہندوؤں کی طرح عجیب و غریب عقیدے رکھتے ہیں بھگوان بدھ کی سچائی کا پرچار کرنا چاہتا ہے۔ اناتھ بنڈو نے مورتی اس کے حوالے کر دی اور رتنا گری کی وادی میں ساؤ گاری کا سنگ بنیاد رکھ کر صوبہ بہار کی طرف چلا گیا۔ وہ لمبی مدت کے بعد گیا یاترا سے لوٹا۔ اس وقت ساؤ گاری کی آدھی عمارت تیار ہو چکی تھی۔ اب

نے برسات کا موسم یہیں گزارنے کا فیصلہ کیا لیکن ایک رات اچانک شدید بیمار ہوا اور دوسرے دن چل بسا۔ آخری خواہش کے مطابق اس کی سمادھی شمالی پربت کے جنگل میں بنا دی گئی۔

اناتھ بنڈو کے سورگ باش ہونے کی یہ کہانی سن کر بدری ساکھا نے پوچھا۔

''ان تین بھکشوؤں کا کیا ہوا جو اناتھ بنڈو کے ساتھ آئے تھے؟''

منگل ساؤ نے بتایا ''گیا کی یاترا سے واپسی پر اس کے ساتھ صرف دو بھکشو تھے، تیسرا سفر کے دوران مر گیا۔ اناتھ بنڈو کے سورگ باش ہو جانے کے بعد دونوں بھکشوؤں نے ساؤ گاری ہی میں قیام کرنے کی ٹھان لی تھی۔ وہ یہیں رہے ہیں، یہیں مرے اور آگ ان کے جسموں کو کھا گئی۔''

''پھر تو مورتی بھی یہیں ہوگی۔''

منگل ساؤ کہنے لگا۔ ''مورتی اناتھ بنڈو کی امانت تھی اور کچھ عرصے کے بعد اس کے پاس پہنچ گئی۔'' یہ بات بدری ساکھا کی سمجھ میں نہ آسکی، وہ سوچنے لگا شاید منگل ساؤ مورتی لوٹانا نہیں چاہتا مگر ساؤ خاندان کے وارث نے بتایا۔

''گوچی ساؤ اپنی زندگی ہی میں مورتی کھو بیٹھا اور مرتے دم تک پریشان رہا۔ ساؤ گاری کی عمارت مکمل ہو جانے کے بعد اس کے جیون کا ایک ہی مقصد تھا کہ بودھ دھرم کا پرچار کرے۔ اس نے ساؤ گاری میں نروان کی تپسیا جاری کی خود نگر نگر گھومنے اور ست کا پرچار کرنے لگا۔ ایک دن وہ بھکشوؤں کے ساتھ پوربی آسام کے قبائل کی طرف جا رہا تھا جو بدھا کی مورتی کو چند روگیوں پر آزمانا چاہتے تھے کہ سیخوا گھاٹ پر برہم پتر ندی پار کرتے ہوئے ناؤ الٹ گئی۔ گوچی ساؤ اور بھکشو تیز رفتار لہروں میں غوطے کھانے لگے۔ مانجھیوں نے بڑی مشکل سے ناؤ کو سیدھا کیا اور انہیں ڈوبنے سے بچایا مگر اس حادثے میں سامان کے ساتھ مقدس مورتی بھی دریا کی بھینٹ ہو گئی۔

گوچی ساؤ کو مورتی کھو جانے کا بڑا دکھ ہوا۔ تلاش کے لئے اس نے سیخوا گھاٹ پر ڈیرا ڈال دیا اور مانجھیوں کے علاوہ غوطہ خوروں اور ماہی گیروں کو بلا کر ندی سے مورتی کھوجنے کی مہم شروع کی سیخوا گھاٹ پر برہم پتر کا پاٹ بڑا چوڑا ہے۔ اسے آشا تھی مورتی مل جائے گی ماہی گیروں نے کشتیوں کے ذریعے جال ڈالے۔ مانجھیوں اور غوطہ خوروں نے ندی کو دور دور تک کھنگال ڈالا۔ گوچی ساؤ ہر روز انعام کی رقم میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ انعام کی رقم دس ہزار روپے تک پہنچ گئی۔ برہم پتر میں سیخوا گھاٹ سے لیکر ڈبروگڑھ تک جال ڈالے گئے، غوطے لگائے گئے، غوطہ خور ندی کی تہہ سے روڑے کنکر تک نکال لائے مگر جس گوہر مقصود کی تلاش تھی وہی ہاتھ نہ آیا۔

گوچی ساؤ نے اپنی آدھی جاگیر اس کسان کے پریوار کو دان کر دی تھی جو اپنی بیٹی کے ساتھ

اس کی ہوس کا شکار ہوا پھر بھی باٹی پارہ میں وہ سب سے بڑا زمیندار اور امیر آدمی تھا، اس نے پورا ایک مہینہ مورتی کی تلاش میں صرف کر دیا۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ مورتی ڈھونڈ کر لانے والے کو بڑے سے بڑا انعام دینے کا اعلان کیا۔ ڈبروگڑھ تک دریا الٹ پلٹ کر دیا گیا مگر کچھ حاصل نہ ہو سکا، آخر غوطہ خوروں نے اسے یہ کہہ کر بالکل مایوس کر دیا کہ مورتی یا تو کسی مگرمچھ نے نگل لی ہے یا پانی کے ساتھ نیچے ہی نیچے بہتی نہ جانے کہاں پہنچ گئی، ہو سکتا ہے خلیج بنگال میں جا گری ہو۔

یہ جواب سن کر گوچی ساؤ پاگل ہو گیا۔ اس نے کہا وہ بھگوان کی مقدس مورتی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اپنی ساری پوری جاگیر خرچ کر دے گا اور تلاش بے سود میں مصروف رہا۔ ماہی گیر، مانجھی، غوطہ خور اڑھائی تین ماہ تک مورتی کو ڈھونڈتے رہے، جوں جوں وقت گزر رہا تھا گوچی ساؤ کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ آخر ہزاروں روپے برباد کر دینے کے بعد وہ ایک دن ناکام و نامراد ماتم کرتا ہوا ساؤ گاری لوٹ آیا اور چیخ چیخ کر روتا رہا، اس کے گھر والوں، نوکروں اور ان بھکشوؤں نے جو اس کے ساتھ ہی ساؤ گاری میں آباد ہو گئے تھے، اس کا دکھ بانٹنے اور دھیان کسی اور طرف لگانے کے بڑے جتن کئے مگر معلوم ہوتا تھا گوچی ساؤ اس مورتی کی شکل میں اپنے جیون کی سب سے قیمتی چیز گم کر بیٹھا ہے اور کوئی گہرا صدمہ اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے۔

اسی حالت میں اس نے کچھ دن اناتھ بنڈو کی سماجی پر تپسیا کی۔ کئی راتیں جنگل کی تنہائی میں گزار دیں۔ ساؤ گاری کے باسی اندھیری راتوں کے پر ہول سناٹے میں اس کے رونے اور چیخنے چلانے کی آوازیں سنتے اور کانپ جاتے تھے۔ وہ اناتھ بنڈو کی آتما سے اپنی بھول کا پراشچت کرتا رہا۔ مورتی کا دریا میں گرنا اور گم ہو جانا محض ایک حادثہ تھا مگر گوچی ساؤ سمجھتا تھا کہ حادثہ اس کی کسی غلطی کا نتیجہ ہے اور جب تک مورتی مل نہیں جاتی، اس کی روح اسی طرح تڑپتی رہے گی۔ سادھی پر پراشچت کا چلہ کاٹ کر جب وہ ساؤ گاری میں واپس آیا، بے حد افسردہ غمگین تھا، اس کے بیٹے نے کہا۔

''مورتی کھو جانے میں آپ کا کوئی دوش نہیں مگر آپ تو اس کی خاطر پران تیاگ دینے پر تل گئے ہیں۔''

گوچی ساؤ نے جواب دیا۔ ''میں نہیں جانتا یہ بوڑھی دھرتی کب تک میرا بوجھ اٹھائے گی۔ میں کب مروں گا اور کب میری آتما اس پنجرے سے رہا ہوگی مگر یوں لگتا ہے کہ مورتی کے ساتھ میں بھی گم ہو گیا ہوں۔ تم صرف مورتی کھو جانے کو حادثہ سمجھتے ہو مگر حادثہ اس سے کہیں بڑا اور المناک ہے۔ اگر تم جان لو کہ میرے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے تو شاید اس کے تصور ہی سے

پاگل ہو جاؤ۔ میں مورتی کو نہیں اپنے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔"

بیٹے نے بڑی کوشش کی کہ بھید کی وہ بات جان سکے جسے گوچی ساؤ اشاروں میں بیان کر رہا تھا، مگر باپ نے اسے کچھ نہیں بتایا اور اپنا راز اپنے ساتھ لے گیا۔ گوچی ساؤ نے بہت لمبی عمر پائی، جب تک جیتا رہا، مورتی کو ڈھونڈتا رہا۔ اس کے جیون کے کئی برس برہم پتر کے کناروں پر گھومنے پھرنے میں بیت گئے۔ اس کا خیال تھا، شاید کسی سیلاب میں دریا مورتی کو کنارے پر اچھال دے اور وہ اسے دوبارہ مل جائے مگر مورتی یا تو واقعی کسی مگرمچھ نے نگل لی یا بہتی ہوئی سمندر کے پیٹ میں اتر گئی تھی۔ وہ پھر نہ مل سکی۔

اس صدمے نے گوچی ساؤ سے جیون کی ساری خوشیاں چھین لیں اور وہ موت کے بستر سے آلگا۔ اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ اس کی اولاد ساؤ گاری کو کبھی ویران نہ ہونے دے اور نسل در نسل یہاں نروان کی تپسیا جاری رکھے کیونکہ اسی طرح وہ نجات حاصل کر سکتی اور باپ کے اس داغ کو دھو سکتی ہے جو مورتی ضائع کر دینے سے گوچی ساؤ کے دامن پر لگ گیا ہے، یہ تاکید بھی کی کہ اس کے مرنے کے بعد مورتی کی تلاش جاری رہے۔ اگر ساؤ خاندان کو اپنی ساری دولت کے بدلے میں بھی مورتی کہیں سے مل سکے تو اسے ساؤ گاری میں ضرور واپس لایا جائے۔"

یہ کہانی بیان کرنے کے بعد منگل ساؤ کہنے لگا۔

"گوچی ساؤ کو سورگ باش ہوئے ایک زمانہ بیت گیا مگر اس کی اولاد نسل در نسل ساؤ گاری میں نروان کی تپسیا کرتی اور گم شدہ مورتی کو ڈھونڈتی رہی ہے۔ اب میں ساؤ گاری میں ساؤ خاندان کا وارث اور اپنے جدِ اعلیٰ کی آخری خواہش کے مطابق مورتی کی تلاش میں ہوں۔ میرے مرنے کے بعد میرا بیٹا سروپ ساؤ یہ فرض ادا کرے گا اور جب تک مرنے والے کی خواہش پوری نہیں ہو جاتی یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ ہم باپ بیٹا خود اس مورتی کی تلاش میں ہیں جسے حاصل کرنے کے لئے آپ یہاں پدھارے ہیں۔"

بدری ساکھا کے لئے یہ کہانی اگرچہ بڑی مایوس کن اور نراش کر دینے والی تھی مگر اسے وشواس تھا کہ منگل ساؤ نے مورتی کے ضائع ہو جانے کا جو واقعہ سنایا وہ درست ہے کیونکہ گم شدہ مورتی کو کھوجنے کے جو خاندانی ثبوت پیش کئے گئے وہ ناقابل تردید تھے۔ منگل ساؤ نے یہ انکشاف کر کے اسے مزید حیران کر دیا کہ جب سے پٹنہ کی کھدائی سے برآمد ہونے والی بدھ مورتی کا ذکر سنا ہے، اسی دن سے میں اس کی تلاش میں ہوں کیونکہ گم شدہ مورتی اور بدھ آنند بھکشو والی مورتی میں ایک ہی جوہر پنہاں ہے بھگوان بدھ کی راکھ۔ ان دونوں میں سے کسی بھی مورتی کو حاصل کرنے کے لئے میں اپنی پوری جائیداد قربان کر سکتا ہوں۔"

بدری ساکھا کی ساری آشائیں کانچ کی طرح چکنا چور ہو گئیں۔ ساؤ خاندان تین صدیاں قبل مورتی گم کر چکا اور اس کی جستجو میں سرگرداں تھا بلکہ منگل ساؤ کی پیڑھی تک ہر کوشش میں ناکام رہا۔ ساکھا نے ساؤ گاری کا سفر اس امید پر کیا تھا کہ لہاسہ کی بودھ خانقاہ کی امانت حاصل کر سکے گا لیکن یہاں حالات کچھ اور ہی شکل اختیار کر چکے تھے۔ ساؤ خاندان تین سو سال سے نسل در نسل گم شدہ مورتی کی تلاش کو اپنا آدرش بنا چکا اور اب آنند بھکشو والی مورتی کے کھوج میں لگا ہوا تھا۔ بدری ساکھا مورتی سے مایوس ہو کر واپسی کی تیاریاں کرنے لگا مگر منگل ساؤ نے ایک عجیب و غریب پیشکش کر کے اسے حیران کر دیا۔

"گوچی ساؤ نے جس مورتی کو گم کر دیا تھا وہ تو شاید سمندر کے پیٹ میں اتر گئی اور اب ہاتھ نہیں آسکتی مگر پٹنہ کی کھدائی سے برآمد ہونے والی مورتی ضرور ہندوستان ہی میں کہیں محفوظ ہوگی، اگر آپ اس کا کھوج لگا سکیں تو میں ہائی پارہ کی آدھی جاگیر آپ کے نام لکھ دوں گا۔"

بدری ساکھا کو دولت اور جاگیر سے دلچسپی نہیں تھی مگر منگل ساؤ کی پیشکش نے اس کے من میں آنند بھکشو والی مورتی کھوجنے کی ایک نئی تڑپ پیدا کر دی اور اس نے بدھ کی تاریخی امانت کو سرکار انگلشیہ کے "خفیہ قبضے" سے نکالنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ منگل ساؤ نے اس کی تلاش کے تمام اخراجات کا بیڑہ اٹھایا اور جب وہ ساؤ گاری سے رخصت ہوا، ایک بھاری رقم بھی پیش کی۔

بدری ساکھا آسام اور بنگال میں گھومنے اور آنند بھکشو والی مورتی کا کھوج لگانے لگا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ 1848ء میں کمپنی سرکار کے گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے بدھا کی مورتی شمالی ہندوستان کے کس شہر میں بھیج دی تھی۔ اس مقصد کے لئے اس نے پٹنہ، کلکتہ اور ڈھاکہ کا دورہ کیا۔ اسی تلاش کے دوران ایک دن ڈھاکہ میں بدری ساکھا سے میری اچانک ملاقات ہو گئی اور بھگوان کی مورتی کے ساتھ ساتھ ساؤ خاندان کے حالات کا بھی پتہ چلا۔ مجھے بودھ آثار و تاریخ سے ہمیشہ گہری دلچسپی رہی ہے مگر یہاں تو معاملہ بدھا کی ایک ایسی مورتی کی تلاش کا تھا جس میں ان کی راکھ محفوظ تھی اور جسے بودھ عالم، گیانی، بھکشو برسوں سے کھوج رہے تھے۔ میں نے بدری ساکھا سے وعدہ کر لیا کہ مقدس مورتی کے بارے میں تحقیق کروں گا مگر یہ بات رہ رہ کر میرے من میں کھٹک رہی تھی کہ گوچی ساؤ مر چکا، مورتی ایک حادثے میں ضائع ہو گئی، جس میں اس کا کوئی دوش نہیں پھر بھی اس نے ساؤ گاری کو نسل در نسل آباد رکھنے اور گم شدہ مورتی کو ڈھونڈ کر واپس ساؤ گاری لانے پر اصرار کیوں کیا؟

میرے نزدیک گوچی ساؤ کی اس آخری خواہش میں جسے پورا کرنے کے لئے ساؤ خاندان آج بھی بھاگ دوڑ کر رہا ہے، کوئی ایسا بھید ضرور پوشیدہ ہے جسے ظاہر نہیں کیا جاتا۔ آنند بھکشو والی مورتی کی تحقیق و تلاش کے ساتھ میں نے ساؤ خاندان کا بھید معلوم کرنے کا بھی مصمم ارادہ

کرلیا اور پھر جلد ہی رنگامتی واپس آ کر اس کام میں مصروف ہو گیا۔"

"مقدس مورتی" کا تیسرا باب ختم کر کے میں ساؤ خاندان اور ساؤ گاری کے بارے میں سوچنے لگا۔ چاچا چکرورتی کا یہ شبہ غلط نہ تھا کہ ساؤ گاری کے ساتھ کوئی گہرا راز وابستہ ہے۔ خود سروپ ساؤ جی نے مورتی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اگر میں اس راز کا انکشاف کروں تو پوری دنیا میں ایک بھونچال آ جائے آخر وہ بھید، وہ راز سربستہ کیا ہے؟ شاید چاچا نے اس راز کا کھوج بھی لگا لیا ہو۔ اس راز کو جاننے کے لئے میں نے مسودے کا ورق الٹا تھا کہ ماں کمرے میں داخل ہوئی اور بولی۔

"ارے دن ڈوب گیا اور تو ابھی تک یہیں بیٹھا ہے۔"

اچانک مجھے احساس ہوا کہ دن کی روشنی فرار ہو رہی ہے اور کمرے میں اندھیرا سا لگ رہا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر مسودہ میرے ہاتھ سے چھین لیا اور ٹرنک میں بند کر کے کہنے لگی۔

"چل اٹھ، باقی کل پڑھ لینا۔"

"مقدس مورتی" کا مسودہ انتہائی سنسنی خیز مرحلے میں داخل ہو چکا تھا، میں چاچا کی تحقیق و تفتیش جاننے کے لئے سخت بے چین تھا لیکن ماں کے حکم سے انکار نہ کر سکا اور چپ چاپ اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے آنگن میں کھینچ لائی، میں نے دیکھا اس نے کرتی بدل ڈالی اور شلوکا پہن لیا تھا جس کی آستینیں کہنیوں تک اور نچلا حصہ بمشکل کمر کو ڈھانپ رہا تھا۔۔ وہ آنگن میں کھاٹ پر بیٹھتی ہوئی کہنے لگی۔

"کیشپ بیٹے! اب مجھے یہ معلوم کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں کہ تیرے چاچا پر حملہ کس نے کیا تھا اور انہوں نے منگل ساؤ کے بارے میں کیا کچھ لکھا ہے۔"

"کیوں ماں؟" میں مجسم سوال بن گیا۔

"بس مجھے کچھ نہیں جاننا، میں نے سندرمتی کے متعلق اپنا وچار بدل دیا ہے۔"

"کیسا وچار؟"

"پھر بتاؤں گی۔" یہ کہہ کر اس نے آکاش کی طرف دیکھا جو ہولے ہولے شام کے ملگجے اندھیرے میں سیاہی مائل ہوتا جا رہا تھا اور میں سوچنے لگا نہ جانے اس نے سندرمتی کے بارے میں کیا فیصلہ کر لیا ہے۔

OOO

(15)

چکمہ آدمی

رات بستر پر لیٹا دیر تک خیالوں میں الجھا رہا۔ نیند تو نہ آئی بس ذہن کی مختلف کوٹھڑیوں کے دروازے کھلتے بند ہوتے اور وسوسے آنکھ مچولی کھیلتے رہے، کبھی یہ سوچ کر پریشان ہونے لگتا کہ آخر اس پراسرار اور لازوال طاقت نے جسے قدرت کہتے ہیں کس انوکھے طریقے سے چاچا کے مسودات تک میری رہنمائی کی اور بھگوان کی مطلوبہ مورتی کے ساتھ مجھے اس سے متعلق ایسی معلومات سے بھی آگاہی بخشی جو میں اپنی ذاتی کوشش سے شاید جیون بھر حاصل نہ کر سکتا تھا مگر میں یہ سمجھنے سے ابھی تک قاصر تھا کہ قدرت کی اس رہنمائی کا مقصد کیا ہے؟

چاچا کی وصیت یہ تھی کہ مورتی منگل ساؤ کو نہ دی جائے گویا وہ ساؤ خاندان کے ہاتھ نہیں لگنی چاہیے، ادھر سروپ ساؤ جی نے مجھے اسی مورتی کی تحقیق و تلاش کا فرض سونپا اور میں نے وعدہ کر لیا تھا کہ ان کی مدد کروں گا، یعنی مورتی ان تک پہنچانے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ ابھی تک چاچا کی کوئی ایسی تحریر نظر سے نہیں گزری تھی جس میں یہ وجہ بھی لکھی ہو کہ مورتی ساؤ خاندان تک کیوں نہ پہنچے مگر یہ اندیشہ بار بار پریشان کر رہا تھا کہ چاچا نے آخر کوئی نہ کوئی وجہ ضرور لکھی ہوگی۔ ان کی اس وصیت سے خیال آتا تھا کہ ان کی ناگہانی موت کا کارن منگل ساؤ ہی تھا جس نے چٹاگانگ میں ان پر بیل گاڑی چڑھا دی تھی کیا ان حالات میں میں چاچا کی وصیت کی خلاف ورزی کر سکتا اور مورتی سروپ جی کو پہنچا سکتا تھا؟

رات کے اندھیرے میں بستر پر لیٹا جب میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کبھی کبھی شبہ ہونے لگتا جیسے کوئی سایہ میرے آس پاس حرکت کر رہا ہو۔ ایک بار تو کوئی شے جسے میں دیکھ نہ سکا پلنگ کے اتنے قریب سے گزرتی محسوس ہوئی کہ میں بے اختیار گھبرا کے اٹھا اور تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس وہم سے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ شاید وہ چاچا کی روح ہے جو سرزنش کرنے آئی ہے کہ اگر میں مورتی ساؤ گاری لے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں تو یہ فاسد ارادہ ترک کر دوں۔ یہ انکشاف بھی آج ہی ہوا تھا کہ ان کی روح گھر میں آتی جاتی اور ناقابل یقین کام کرتی ہے۔ ماں کے بقول میری کتاب اور بند کمرے کی چابی اسی روح نے طاقچے میں رکھی تھی اور میں اس بات کو جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ دراصل ابھی عجیب و غریب واقعات نے جو کتاب اور چابی کی تلاش کے سلسلے میں پیش آئے، میرے یقین کو ہلا کر رکھ دیا تھا، اب ایک

بار پھر چاچا کی روح یا بھوت کا خیال میرے من میں ہول پیدا کر رہا تھا اور مجھے یوں لگتا تھا کہ میرے علاوہ کوئی غیر مرئی اور نادیدہ ہستی بھی کمرے میں موجود ہے جو شاید میری نگرانی کرنے آئی ہے۔

میں چند لمحے تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اپنے چاروں طرف دیکھتا رہا مگر کچھ نظر نہ آ سکا۔ اس کے باوجود اندھیرے میں ایک ہلکی سی لطیف سرسراہٹ سن رہا یا محسوس کر رہا تھا اور یہی سرسراہٹ ہولے ہولے ایک عجیب سا خوف بن کر میرے دل و دماغ پر غالب آتی جا رہی تھی۔

کئی بار عرض کر چکا ہوں میں بزدل نہیں، زندگی میں کتنے ہی دل شکن حالات سے پالا پڑا، مصائب سے گزرا اور دنیا کا گرم و سرد دیکھ چکا ہوں۔ میرے اندر خطرناک سے خطرناک موقعے پر بھی حوصلہ قائم رکھنے اور کسی ناگہانی حالت میں دو چار آدمیوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت و ہمت موجود ہے مگر کچھ عرصے سے میں عجیب و غریب سپنے یا صوفی عبدالجبار کی زبان میں کشف دیکھنے لگا اور ذہنی طور پر خود کو کمزور یا پاگل پن کے قریب سمجھ رہا تھا حالانکہ صوفی چاچا کا خیال کچھ اور تھا مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ناقابل یقین حالات کی وجہ سے میرے اعصاب بری طرح متاثر ہو رہے تھے، میں جن، بھوت، روح اور آسیب وغیرہ کو ایک ذہنی بیماری سمجھتا رہا ہوں مگر ذہنی بیماری کی یہی وارداتیں اب مجھے پیش آ رہی تھیں اور خوف و ہراس کا غلبہ بڑھنے لگا تھا۔

کمزور سے کمزور آدمی بھی مادی خطرے کا مقابلہ کر سکتا اور اپنے حریف سے نمٹنے یا الجھنے کی کوشش کر بیٹھتا ہے لیکن کسی غیر مرئی ہستی (بھوت یا روح) کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہندو جوگیوں، بودھ فقیروں، عیسائی راہبوں اور مسلمان صوفیوں کا یہی عقیدہ ہے کہ غیر مرئی روحانی طاقتوں کے سامنے آدمی ہیچ ہوتا ہے اور میں بھی اس خیال سے نروس ہو رہا تھا کہ اگر چاچا کی روح واقعی رات کو یہاں آمد و رفت رکھتی ہے تو نہ جانے وہ ساؤ خاندان سے میرے سمبندھ پر کس غصے اور کرودھ کا اظہار کرے۔ میں رات کے اندھیرے میں کسی ایسی روح کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا جس کا مادی جسم میری آنکھوں کے سامنے چتا میں جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی، تاریک کمرے میں ہونے والی ہر سرسراہٹ میرے اعصاب پر ایک نیا لرزہ طاری کر دیتی اور میں یہ سوچ کر گھبرا جاتا کہ نہ جانے چاچا کا بھوت کس کونے سے نکل کر مجھے ڈانٹ ڈپٹ کرے گا۔ کبھی سوچتا جب میں بھوت پریت روح، آسیب وغیرہ کو مانتا ہی نہیں تو ڈر کس بات کا مگر ناقابل فہم واقعات کے سامنے میری دانش اور منطق یوں ٹوٹ پھوٹ رہی تھی جیسے شیر کے حملے سے شکاری کی کوئی ہڈی چیخ جاتی اور وہ اپنی

مدافعت کھو بیٹھتا ہے۔

کوئی ان سنی آواز مجھے کہہ رہی تھی۔ ”تم روحوں یا روحانی طاقتوں پر وشواس رکھو یا نہ رکھو مگر اس سنسار میں کروڑوں آدمی ان باتوں کو مانتے ہیں۔ اگر چاچا چکرورتی سہائے کی آتما ناراض ہے تو تم اس کے کرودھ سے کبھی نہیں بچ سکتے۔“

آہستہ آہستہ یہ احساس اتنا گہرا ہوتا چلا گیا کہ بھوت پریت پر یقین نہ رکھنے کے باوجود میں ان کے تصور ہی سے خوف محسوس کرنے لگا۔ میری حالت کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو پہلی بار ایسی کیفیت سے گزر رہا ہو۔ اچانک میں نے اپنے کمرے میں ایک عجیب سی بو محسوس کی، ساتھ ہی ایک تیز اور خوف انگیز سرسراہٹ ہوئی جیسے کوئی ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جائے پھر میں ایسی دہشت ناک مگر مدھم سی آواز سننے لگا جس پر گمان ہوتا تھا شاید کوئی مردہ اپنی ہڈیاں کڑکڑاتا چل رہا ہو۔ مارے خوف کے میرے پسینے چھوٹ گئے کیونکہ یہ مدھم سی آواز میرے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہی تھی اور دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ چاچا چکرورتی سفید کفن پہنے میرے عین سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے مردہ آنکھوں سے مجھے گھور رہے ہیں۔

یہ لباس میں نے ان کے جسم پر اس وقت دیکھا تھا جب انہیں چتا پر رکھ کے آگ لگائی گئی تھی۔ انہیں ایسی حالت میں اپنے سامنے دیکھ کر میں پلک تک جھپکنا بھول گیا، دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا، دہشت سے برا حال تھا۔ اسی حالت میں میرے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی، چیخ کی آواز سن کر ماں بڑے کمرے سے بھاگی آئی اور اس نے آتے ہی فوراً روشنی کر دی۔ میں پلنگ پر تکیے کے سہارے گم صم بیٹھا دیدے پھاڑے سامنے کی دیوار کو دیکھ رہا تھا مگر اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا، روشنی ہوتے ہی چاچا کا بھوت غائب ہو گیا تھا۔ مجھے خوفزدہ حالت میں دیکھ کر ماں سخت پریشان ہو گئی۔

”کیا ہوا کیشپ بیٹے! تو ڈر کیوں گیا ہے؟“

میرے حواس کچھ بحال ہو گئے تھے صاف صاف بتا دیا۔

”میں نے ابھی ابھی چاچا کا بھوت دیکھا ہے ماں!“

”میں جانتی ہوں ان کی آتما راتوں کو یہاں بھٹکتی رہتی ہے، مگر اس میں ڈرنے کی کونسی بات ہے۔“

”کیوں بھٹکتی رہتی ہے ان کی آتما؟“

”میں کیا جانوں؟“

”سنا ہے جن روحوں کو مکتی اور شانتی مل جاتی ہے وہ پلٹ کر اس سنسار میں نہیں آتیں مگر چاچا

کی روح بار بار کیوں آتی ہے؟‘‘

سوال تو کر دیا لیکن جواب کسی اور طرف سے آیا، کوئی میرے اندر سے کہہ رہا تھا۔ ’’چاچا کی روح اس لئے آتی ہے کہ مہاراج شا کیہ کی مورتی کہیں غلط ہاتھوں میں نہ پڑ جائے۔ روح اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔‘‘

یہی بات قرین قیاس بھی تھی۔ بڑے بوڑھے کہتے ہیں بعض جگہوں پر روحیں مستقل قبضہ کر کے بیٹھ جاتی ہیں مگر روشنی ہو جانے کے بعد میں سوچ رہا تھا کہیں چاچا کی روح یا بھوت کا تصور میرے وہم کی پیداوار تو نہیں تھا؟ خوف کی حالت میں آدمی کا وہم بڑی بڑی بھیانک شکلیں اختیار کر لیتا ہے۔ میرے بدن پر ایک ہلکی سی کپکپی ابھی تک طاری تھی اور ماں مجھے اپنے ساتھ لگائے کہہ رہی تھی۔

’’تو ڈرتا کیوں ہے پگلے! تیرے چاچا کی روح اگر آتی ہے تو ہمارے بھلے کے لئے آتی ہو گی۔ وہ ہمیں کوئی نقصان تھوڑی پہنچائے گی۔‘‘

’’وہ نہیں جانتی تھی، میں سروپ ساؤ جی کی طرف سے مورتی کی تحقیق و تلاش پر مقرر ہوں جبکہ چاچا اسے ساؤ خاندان کے ہاتھ نہیں لگنے دینا چاہتے تھے، میں اسی اندیشے سے خوفزدہ تھا کہ کہیں چاچا کی روح ساؤ پریوار کے ساتھ مجھے سندرمتی سے بھی تعلق توڑ لینے پر مجبور نہ کر دے، ماں نے میرا خوف دور کرنے کے لئے کہا۔

’’تو گھبراتا کیوں ہے۔ میرے ہوتے ہوئے تیرے چاچا کی روح تجھے کوئی کشٹ نہیں دے سکتی۔ وہ تو میری ہی طرح تجھے چاہتے تھے۔‘‘

ماں کی اس بات سے مجھے ایک اطمینان بخش راحت محسوس ہونے لگی اور میں اس کی ممتا کی چھاؤں میں ہر خوف سے بے نیاز اور بے فکر سا ہو گیا۔ اس رات میں نے پھر سپنا دیکھا کہ دو اڑھائی برس کا ننھا سا بچہ بن گیا ہوں اور ماں میرے ساتھ لیٹی مجھے اپنی چھاتیوں سے دودھ پلا رہی ہے میں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور گہری نیند سو گیا اور ایسی گہری اور پرسکون اور طویل تھی وہ نیند کے دوسرے دن دوپہر تک سوتا رہا۔ ماں نے بھی نہیں جگایا آنکھ کھلی تو گھڑی دو بجا رہی تھی۔

میں پریشان سا ہو کر کمرے سے نکلا، ماں آنگن میں بیٹھی کسی ہمسائی سے باتیں کر رہی تھی، مجھے دیکھا تو وہیں سے بولی۔

’’ارے کیشپ بیٹے! منہ ہاتھ دھو لے۔ میں تیرے لئے کھانا نکالتی ہوں۔‘‘

’’مجھے بھوک نہیں ماں!‘‘ یہ کہہ کر میں نلکے کی طرف ہو لیا۔

میں عام طور پر سویرے ہی ناشتہ کرنے کا عادی ہوں لیکن ادھر دن کے دو بج گئے تھے۔

ناشتے کے ساتھ دوپہر کے کھانے کا سمے بھی بیت گیا تھا اور کھانے کی مطلق خواہش نہ تھی، منہ ہاتھ دھو کر لوٹ رہا تھا کہ ماں پریشان سی ہو کر میرے سامنے آ کھڑی ہو گئی۔

’’ارے تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟‘‘

’’بالکل ٹھیک ہے۔‘‘

’’پھر بھوک کیوں نہیں لگی؟‘‘

’’میں نہیں جانتا۔‘‘ ایک دم رات کا سپنا یاد آ گیا اور اسے بتانے لگا۔ ’’رات میں نے پیٹ بھر کر تیرا دودھ پیا تھا ماں! منہ میں ابھی تک اس کی مہک اور مٹھاس بسی ہے۔‘‘

اس کے چہرے پر ممتا سے بھرپور مسکراہٹ تیر گئی۔ ’’میرا دودھ اتنا بھایا ہے تجھے؟‘‘

’’اس کے سامنے دنیا کی ہر نعمت ہیچ ہے۔‘‘ میں نے دیکھا یہ بات سن کر ماں کے ہونٹ خوشی سے پھڑکنے لگے اور اس نے انہی پھڑکتے ہونٹوں سے میرا ماتھا چوم لیا۔

میں برآمدے کی طرف بڑھا تو کہنے لگی۔ ’’جب بھوک لگے بول دینا۔‘‘

’’بول دوں گا۔‘‘

وہ آنگن کی طرف لوٹ گئی اور میں اس کمرے میں چلا آیا جہاں کتابوں کے ٹرنک میں ’’مقدس مورتی‘‘ کا مسودہ میرا منتظر تھا۔

○

چاچا نے مورتی کے بارے میں بڑی اہم معلومات فراہم کی تھیں اور قبل مسیح کی یہ تاریخی یادگار ماضی کی کتنی ہی منزلیں طے کرتی زمانہ حال تک آ پہنچی تھی۔ اب میں یہ معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتا تھا کہ تبتی لاما بدری ساکھا سے ملنے کے بعد چاچا نے مورتی کہاں سے کھوجی اور کس طرح حاصل کی نیز وہ مورتی منگل ساؤ کو کیوں نہیں دینا چاہتے تھے؟

چوتھے باب میں اس کی تلاش ہی کا ذکر تھا۔ چاچا کی تحریر درج ذیل کرتا ہوں:۔

’’رنگامتی آ کر کئی دن تک سوچتا اور غور کرتا رہا کہ آخر لارڈ ڈلہوزی نے بدھا کی مقدس مورتی کہاں بھیجی ہو گی......؟

یہ تو صاف ظاہر ہے کمپنی سرکار کسی خاص مصلحت کے تحت تاریخی مورتی کو بودھوں سے چھپانا چاہتی تھی مگر 1848ء میں جب لارڈ ڈلہوزی کلکتہ پہنچا تو شمالی ہندوستان کے اہم شہروں لکھنؤ، دہلی، لاہور پر برائے نام سہی مگر علی الترتیب واجد علی شاہ، بہادر شاہ ظفر اور کنور دلیپ سنگھ کی حکومت تھی، اودھ اور پنجاب کا الحاق چند سال بعد عمل میں آیا۔ ان حالات میں لارڈ ڈلہوزی ایسا چالاک انگریز کوئی ایسی غلطی نہیں کر سکتا تھا جس سے مقامی حکمران فائدہ اٹھا کر بودھوں کو

کمپنی سرکار کے خلاف بھڑکا سکتے۔ اس لئے یہ بات کچھ ناقابل فہم سی تھی کہ مورتی شمالی ہندوستان کے کسی شہر میں بھیج دی گئی تھی پھر اسے کہاں چھپادیا گیا؟

لندن، کلکتہ، مرشد آباد، ڈھاکہ، مدراس یا پھر راجپوتانہ کی کسی ایسی ریاست میں جس پر انگریز اعتماد کرتا، میں جوں جوں سوچتا تھا، ذہن کلکتہ ہی کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ یہ محض ایک قیاس تھا پھر بھی میں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنی تحقیق کلکتہ ہی سے شروع کروں گا۔

انہی دنوں یہ معما بھی مجھے حیران کئے رکھتا تھا کہ منگل ساؤ آنند بھکشو والی مورتی کی تلاش میں کیوں ہے؟ گوچی ساؤ کی وصیت کے مطابق اسے تو صرف اسی گم شدہ مورتی سے واسطہ ہونا چاہیے جو برہم پتر کی بھینٹ چڑھ گئی۔ گوچی ساؤ کی بھول کا پرائشچت اسی سے ہوسکتا تھا پھر اس سے کوئی ایسی بھول بھی سرزد نہ ہوئی تھی، کشتی کا الٹ جانا اور مورتی کا دریا میں گر جانا ایک غیر اختیاری حادثہ تھا، بھلا اسے پرائشچت کی اتنی کیا چنتا تھی کہ اس کی اولاد سدا مورتی کی تلاش میں بھٹکتی رہے؟

دونوں مورتیوں میں ایک چیز سب سے اہم تھی۔ بدھ کی راکھ۔ یہی ان کے تقدس کی اصل وجہ بنی، عقیدت اور دھرم کے وشواس کی حد تک کسی ایسی شے کی چاہت سمجھ میں آسکتی ہے مگر کسی خاندان کا تین سو سال سے نسل در نسل اسے ڈھونڈتے پھرنا یا تو پاگل پن ہے یا پھر کوئی ایسا راز سربستہ جسے ساؤ خاندان نے اپنے ہی سینے میں چھپا رکھا ہے۔ ہوسکتا ہے بدھ کی راکھ میں روگیوں اور بیماریوں کو اچھا کردینے کے علاوہ کوئی اور تاثیر بھی ہو جس کا بھید صرف ساؤ خاندان جانتا ہے مگر جب تک مورتی مل نہ جائے اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ میرے ذہن میں یہ راز جاننے کا ایسا تجسس پیدا ہوا کہ فوراً ہی میں نے بودھا آثار و تاریخ کی کتابیں اکٹھی کرنا شروع کردیں اور چٹاگانگ سے ہوتا کلکتے پہنچ گیا۔

ایک مہینہ کلکتہ ہی میں بیت گیا۔ پرانی نایاب کتابوں کی فراہمی کے ساتھ میں نے فورٹ ولیم میوزیم کے ایک مسلمان کلرک شہاب اللہ سے میل جول بڑھایا اور اسے بتایا کہ بدھا کی پرانی مورتیوں پر کتاب لکھ رہا ہوں، اگر وہ مدد کرے تو میرے من کی مراد پوری ہوسکتی ہے۔

شہاب اللہ نے ہامی بھری تو اسے آنند بھکشو والی مورتی کا قصہ سنایا جو 1815ء کی کھدائی میں پٹنہ سے ملی تھی۔ اس مورتی کے بارے میں ضروری معلومات مل سکیں تو کتاب مکمل ہوجائے گی۔ میری درخواست پر وہ کچھ دن فورٹ ولیم کے عجائب گھر میں کھوج لگاتا رہا مگر کچھ پتہ نہ چل سکا اور میں مایوس ہوکر رنگامتی لوٹ آیا۔ اس نے وعدہ کیا تھا، اگر کوئی کھوج مل گیا تو مجھے چٹھی لکھ دے گا۔ میں کئی مہینے تاریخوں، بدھ شاستروں اور پرانی کتابوں میں کھویا رہا جن کی ریسرچ اسی کتاب کے پہلے اور دوسرے باب میں پیش کرچکا ہوں۔ شہاب اللہ کی کوئی چٹھی نہ

آئی۔ کتابوں کی مدد سے میں نے آنند بھکشو والی مورتی کی ایک تاریخ نو ترتیب دے لی تھی مگر اب اس کی تلاش کا کام باقی رہ گیا تھا۔ دوسرے برس پھر کلکتے پہنچا اور یہ سن کر بڑا دکھ ہوا میرے دوست شہاب اللہ کو فوت ہوئے تقریباً تین مہینے ہوچکے ہیں۔ اس بے چارے کو تپ دق کا روگ تھا جس کا علاج نہ ہوسکا۔

اب کے میں فورٹ ولیم میوزیم کا پرانا ریکارڈ دیکھنے کا پروگرام بنا کر آیا تھا۔ پتہ چلا کہ ریکارڈ کیپر ایک مقامی عیسائی ایڈگر مینڈلیس ہے جو کبھی کبھار ہی دفتر میں بیٹھتا اور اکثر بڑے صاحب کی فرمائشیں پوری کرتا رہتا ہے۔ سارا کام اس کا ہندو اسسٹنٹ باسو بابو انجام دیتا ہے جو نالی گنج کی ایک چال میں رہتا ہے، اس کی دو لڑکیاں جوان ہوچکی اور دو جوان ہو رہی تھیں جن کے بیاہ اور جہیز کی چنتا نے بے چارے کا جینا حرام کردیا تھا۔ بڑی لڑکی چندرا کے لگن کی مہورت نکل چکی اور دو مہینے کے اندر اندر برات آنے والی تھی۔ یہ ساری باتیں معلوم کرنے کے بعد میں ایک رات اچانک نالی گنج جا پہنچا اور باسو بابو سے ملا۔ وہ یہ جان کر بڑا حیران ہوا کہ میں پوربی بنگال کے شہر رنگامتی سے صرف اسی سے ملنے آیا ہوں۔

میں نے پورے کاروباری انداز میں بات کی۔

"باسو بابو! چار جوان لڑکیوں کے باپ کو جس بپتا اور پریشانی کا سامنا ہوتا ہے میں اسے سمجھتا ہوں اگر آپ میرا ایک کام کردیں تو میں بھی آپ کی تھوڑی بہت سہائتا کرسکتا ہوں۔"

باسو بابو کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ "کام بتایئے۔"

"آپ کو بدھا کی ایک مورتی کی تلاش میں میری مدد کرنا ہوگی۔"

یہ کہہ میں نے اسے اپنی زیر تصنیف کتاب کا مسودہ دکھایا اور بتایا۔ "اپنی کتاب میں اس مورتی کا فوٹو چھاپنا چاہتا ہوں، اگر آپ عجائب گھر کا پرانا ریکارڈ دیکھ کر مورتی ڈھونڈ لیں اور اس کا فوٹو مجھے مہیا کردیں تو آپ کو ایک سو روپیہ بھینٹ کردوں گا۔ اگر آپ مورتی میرے ہاتھ بیچ دیں تو پانچ سو روپے میں خرید لوں گا اور پانچ سو روپے میں چندرا بیٹی کا کچھ جہیز تیار ہوسکتا ہے۔"

باسو بابو کو میوزیم سے صرف چالیس روپے تنخواہ ملتی تھی۔ اس کے لئے پانچ سو روپیہ ایک بڑی رقم تھی۔ میری پیشکش منظور کرلی۔ میں نے مورتی کی ساخت بتائی اور اپنا وچار بھی ظاہر کردیا کہ ایک سو سال پہلے مورتی اسی میوزیم میں رکھی گئی تھی، جسے بعد ازاں یہیں کہیں چھپا دیا گیا۔

دوسرے دن میں اس کے ساتھ میوزیم کے ریکارڈ روم میں موجود تھا۔ باسو بابو نے اسی دن سے کام شروع کردیا۔ کمپنی سرکار کے زمانے کا بہت سا ریکارڈ تلف ہوچکا یا سول سیکرٹریٹ میں منتقل کردیا گیا تھا۔ چار پانچ دن کی لگاتار کوشش کے بعد کہیں لارڈ ہارڈنگ اور لارڈ ڈلہوزی

کے دور کا ایک رجسٹر دستیاب ہوا جس میں قدیم کتبوں، مورتیوں، شاہی نوادرات اور بدھ حکمرانوں کے بارے میں بہت سی معلومات درج تھیں۔ اس میں پٹنہ کی کھدائی سے برآمد ہونے والی بودھ مورتی کا مختصر سا ذکر بھی تھا کہ مورتی 1815ء میں دیگر بودھ نوادرات کے ساتھ کمپنی سرکار کے حصے میں آئی تھی۔ اس کے سوا اور کسی واقعے کا ذکر نہ تھا۔ باسو بابو کی ساری محنت اکارت گئی مگر وہ نراش نہیں ہوا۔ بولا۔

''میں مورتی ڈھونڈ نکالوں گا۔''

''اور میں اس کے دام بڑھا دوں گا۔ اگر آپ کامیاب ہو جائیں تو مجھے رنگامتی کے پتے پر خبر کر دیں۔'' یہ کہہ کر میں نے سونے کی ایک انگوٹھی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ ''یہ انگوٹھی میری طرف سے چندرا بیٹی کو دے دیجئے گا۔''

اس طرح باسو بابو کو مورتی کی تلاش کا کام سونپ کر واپس ہو گیا۔ مجھے پورا وشواس تھا، اس کی ضرورت کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ڈھونڈ نکالے گی۔ چٹاگانگ میں دخانی جہاز سے اترا تو بندرگاہ پر بدری ساکھا کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ میں نے بتایا کہ مورتی پر ایک کتاب لکھنے کے ساتھ اس کی تلاش کا کام بھی جاری ہے۔ اس نے مجھے اشیرواد دی اور کہا۔

''تم مورتی ڈھونڈ لو تو منگل ساؤ تمہیں مالا مال کر دے گا۔''

''میں اسے منگل ساؤ کے لئے نہیں اسے اپنے لئے ڈھونڈ رہا ہوں۔''

بدری ساکھا نے چونک کر میری طرف دیکھا، ہماری یہ ملاقات چند لمحوں کی تھی، میں نے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور پرنام کر کے آگے بڑھ گیا۔

رنگامتی میں بہت سی گھریلو ضروریات میرا انتظار کر رہی تھیں۔ واپس آ کر ان میں ایسا الجھا کہ کتاب کے مسودے کی طرف بھی توجہ نہ دے سکا۔ کوئی ڈیڑھ مہینے کے بعد باسو بابو کی چٹھی ملی، لکھا تھا کہ میں فوراً کلکتے پہنچوں۔ یہ سندیس یقیناً اس کی کامیابی کا اشارہ تھا۔ میں ''مقدس مورتی'' کی اشاعت کے سلسلے میں کلکتہ کے ایک دو پبلشروں سے بھی خط و کتابت کر رہا تھا۔ کتاب کی تکمیل میں تو شاید ابھی کچھ دیر ہو جائے کیونکہ میری کوشش یہی ہے کہ آنند بھکشو والی مورتی کے بارے میں اپنی تلاش کی آخری رپورٹ بھی اس میں درج کر سکوں پھر بھی پبلشروں سے بات چیت ضروری ہے، اس لئے کتاب کے مسودے کو ادھورا چھوڑ کر کلکتہ روانہ ہو رہا ہوں۔ باسو کی چھٹی مجھے کامیابی کا پیغام دے رہی ہے۔''

ان الفاظ پر چاچا کا ادھورا مسودہ ختم ہو گیا تھا مگر دوسرے صفحے پر ان کی تحریر بڑے شکستہ انداز میں درج تھی۔ دراصل یہ تحریر انہوں نے کلکتہ سے واپسی پر زخمی حالت میں شاید بستر پر لیٹے لیٹے لکھی تھی۔ یہ ان کی آخری تحریر تھی کیونکہ وہ زخموں سے جانبر نہ ہو سکے، میں بڑی بے چینی کے

ساتھ وہ عبارت پڑھنے لگا۔

''میں کلکتہ میں باسو بابو سے ملا، یہ ملاقات اس کے گھر واقع ٹالی گنج میں ہوئی۔ اس نے بتایا۔ ''میں نے فورٹ ولیم میں ایک تہہ خانے کا سراغ لگایا ہے جہاں بہت عرصے پہلے غیر ضروری اشیاء رکھی جاتی تھیں۔ کمپنی سرکار کا کچھ پرانا ریکارڈ وہاں مل گیا ہے اور اس میں مورتی کے بارے میں بعض معلومات حاصل ہوئی ہیں۔''

''مگر مورتی کہاں ہے؟''

''وہ اسی تہ خانے میں تھی۔''

''تھی کا مطلب یہ ہے کہ اب وہاں نہیں؟''

''جی ہاں میں یہی بتانا چاہتا ہوں۔''

''پھر وہ گئی کہاں؟''

''میں اسے تہہ خانے سے نکال لایا ہوں۔''

مجھے اس کے الفاظ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اندر گیا اور جب کمرہ ملاقات میں واپس آیا۔ مہاراج شاکیہ منی بدھ کی مورتی اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے مورتی میری طرف بڑھائی۔

''آپ دیکھ کر تسلی کر لیں کیا یہ وہی مورتی ہے جسے آپ ڈھونڈ رہے تھے؟''

میں نے پیتل کی مورتی کو دیکھا۔ اس پر کندہ پالی زبان کے الفاظ اور نام دیکھے اور باسو بابو کو آفرین کہی۔ اس سمے جب مقدس مورتی میرے ہاتھ میں تھی اور میں اپنے آپ کو بڑا ہی بھاگوان سمجھ رہا تھا۔ باسو بابو نے ایک سنسنی خیز انکشاف کر کے مجھے چونکا دیا۔ وہ بولا ''آپ کو چٹھی لکھنے کے دوسرے دن ایک نامعلوم آدمی میرے پاس آیا اور کہنے لگا میں پانسو کی بجائے ایک ہزار روپے دینے کو تیار ہوں، مورتی مجھے دے دو، میں حیران تھا، وہ کون ہے اور اسے کیونکر معلوم ہوا کہ میں نے مورتی ڈھونڈ لی اور اسے پانچ سو روپے میں بیچنے والا ہوں، میں نے اس کا اتا پتہ جاننے کی کوشش کی تو کہنے لگا۔ تمہیں اپنے سودے سے مطلب ہونا چاہئے، مورتی بیچتے ہو یا نہیں؟''

میں نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں کسی مورتی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، وہ جاتے جاتے یہ کہہ گیا۔ ''تم اچھی طرح سوچ لو، میں دو تین دن بعد پھر آؤں گا۔''

یہ کہہ کر باسو بابو نے مورتی میرے ہاتھ سے لے لی اور مجھے ایک نئی چنتا میں ڈال دیا، اس نے نامعلوم آدمی کا جو حلیہ بیان کیا اس کے مطابق وہ آسام کا کوئی قبائلی ہو سکتا تھا مگر باسو بابو کا دوسرا انکشاف پہلے سے بھی زیادہ حیران کن تھا اس نے کہا۔

''چکرورتی بابو! میں آپ کو کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا اس لئے یہ بھی بتا دوں کہ میں

نے میوزیم کے تہہ خانے سے جو مورتی ڈھونڈ نکالی وہ اصلی نہیں بلکہ نقلی ہے۔''

پھر اس نے ایک پرانی پارچاتی دستاویز دکھائی جس کے مطابق یہ مورتی شاہ آوا کو بھینٹ کی گئی اور اس نے نقلی سمجھ کر واپس کر دی تھی اسے غیر ضروری شے کی طرح تہہ خانے میں پھینک دیا گیا تھا، میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا وہ کہہ رہا تھا۔

''میں نے آپ سے کوئی بات چھپائی نہیں، اگر اب بھی آپ مورتی خریدنا چاہیں تو میری ضرورت کے مطابق کچھ دام بڑھا دیں۔''

اصل مورتی کی تلاش کے سلسلے میں جو کوششیں ناکام ہو چکی تھیں، انہیں سامنے رکھتے ہوئے نقلی مورتی کا مل جانا بھی کسی معرکے سے کم نہ تھا پھر باسو بابو کی محنت، ضرورت اور صاف گوئی کا خیال کر کے میں نے ایک ہزار روپے کی رقم بھینٹ کر دی اور مورتی حاصل کر لی، اس سے اصل مورتی کی تلاش میں مدد مل سکتی ہے اور کچھ نہیں تو اس کے فوٹو میری کتاب میں کام آ سکتے ہیں۔ کلکتہ کا ایک پبلشر مجھے کتاب کی اچھی رائلٹی دینے پر تیار ہے۔

مورتی حاصل کرنے کے بعد میں نے کلکتہ میں مزید ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور دوسرے دن چٹا گانگ کے لئے جہاز پر سوار ہو گیا۔ کلکتہ اور چٹا گانگ کے درمیان سفر عموماً بحری جہاز یا لانچ کے ذریعے آسان ہوتا ہے مگر جہاز پر سفر کے دوران یوں لگا جیسے کوئی پراسرار شخص میرے آس پاس منڈلا رہا یا دوسرے لفظوں میں میری نگرانی کر رہا ہے میں نے دو تین بار اس آدمی کو اپنے قریب سے گزرتے دیکھا۔ شکل صوت سے چکمہ قبیلے کا جان پڑتا تھا۔ بھاری تن و توش، داڑھی صفاچٹ مگر منہ پر بھاری گھیے دار مونچھیں جو گلہری کی دم جیسی تھیں، دائیں کان میں چاندی کا بالا اور بائیں کان کی لو کٹی ہوئی۔ باسو بابو نے جس نامعلوم اجنبی کا حلیہ بتایا تھا وہ اس سے بالکل مختلف تھا پھر بھی میں اپنے من میں ایک عجیب سا خوف محسوس کر رہا تھا کہ شاید وہ مجھ سے مورتی چھین لینے کا خوفناک ارادہ رکھتا ہے لیکن چٹا گانگ تک کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔

چٹا گانگ میں جہاز سے اتر کر جب میں دریائی بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا جہاں سے رنگا متی کے لئے لانچ چلتی ہے یہ دیکھ کر میرے شریر میں ایک ٹھنڈی سی لہر سرسرانے لگی کہ گلہری کی مونچھوں والا چکمہ آدمی تھوڑے ہی فاصلے پر میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ میں نے اپنا تھیلا جس میں مورتی رکھی تھی مضبوطی سے تھام لیا اور تیز تیز چلنے لگا۔ شاید اس پراسرار آدمی نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔ میں اپنے عقب میں اس آدمی کے بھاری قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔

خلاف معمول سڑک سنسان تھی حالانکہ ادھر لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے مگر آج دور تک کوئی آدمی دکھائی نہ دیتا تھا۔ اسی اثناء میں بغلی راستے کا موڑ کاٹ کر ایک بیل گاڑی میری طرف

بڑھی جس میں گاڑی بان کے پیچھے کوئی آسامی قبائلی اور ایک بودھ بھکشو سوار تھے۔ آسامی قبائلی کا حلیہ دیکھ کر میں چونک اٹھا وہ بالکل اسی اجنبی سے ملتا تھا جس کا ذکر باسو بابو نے کیا تھا۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی، پلٹ کر دیکھا تو میرا پیچھا کرنیوالے چکمہ آدمی نے بھی بیل گاڑی میں سوار آدمیوں کو دیکھ کر اپنی رفتار کچھ اور تیز کر دی تھی، مجھے خطرے کا شدید احساس ہوا اور سڑک پر بھاگنے لگا اچانک بیل گاڑی سے آسامی قبائلی پکارا۔

''ڈرو نہیں چکرورتی! میں منگل ساؤ تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔''

میرے لئے یہ اطلاع بڑی حیران کن اور غیر متوقع تھی کہ وہ منگل ساؤ ہے، پراسرار عمارت ساؤ گاری کا وارث میرا نام بھی جانتا ہے۔ میرے نام اور مورتی کی تلاش کے بارے میں ضرور اسے بدری ساکھا ہی نے بتایا ہوگا، جبھی وہ باسو بابو تک پہنچ گیا تھا میرے عقب میں بیل گاڑی شاید رک گئی یا نہ جانے کیا بات ہوئی لیکن چند لمحوں کے بعد وہ میرے پیچھے بھاگی آ رہی تھی، میں گھبراہٹ میں ٹھوکر کھا کر گرا اور اس سے پہلے کہ سنبھلنے کی کوشش کرتا بے قابو بیل گاڑی جس کا گاڑی بان بری طرح بدحواس ہو رہا تھا، میرے سر پر آ گئی اور اس کا ایک پہیہ مجھے کچلتا گزر گیا، میں نے گاڑی بان کی چیخ سنی اور دیکھا کہ منگل ساؤ اور اس کا ساتھی بدھ بھکشو گاڑی میں نہیں تھے بلکہ دونوں گاڑی سے اتر چکے اور اسی بغلی راستے پر بھاگے جا رہے تھے جدھر سے بیل گاڑی آئی تھی۔ ان کے پیچھے پیچھے میں نے چکمہ آدمی کو بھی بھاگتے دیکھا۔ منظر بڑا عجیب تھا۔

مجھے چوٹیں بھی آئیں اور زخم بھی۔ شاید بائیں بازو کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی، زخموں سے خون بہہ رہا تھا مگر میں نے حواس قائم رکھے اور اسی حالت میں اٹھ کر گرتا پڑتا بندرگاہ کی سمت ہو لیا۔ ایک راہ گیر نے مجھے مشورہ دیا کہ پولیس اسٹیشن جا کر رپٹ لکھواؤں اور اسپتال سے علاج کراؤں مگر میں چٹا گانگ میں رکنے کی بجائے جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ دریائے کرنا فلی کی بندرگاہ سے لانچ پر سوار ہوا اور رنگا متی آ گیا۔ راستے میں لانچ کے میٹ نے میرے زخم اسپرٹ سے صاف کر دیئے تھے جس سے خون بہنا بند ہو گیا تھا، گھر آتے ہی میں نے مورتی اپنی بچی کسم بالا کے حوالے کر دی۔ وہ مجھے زخمی دیکھ کر صوفی عبدالجبار کو بلانے بھاگ گئی تاکہ وہ میرا علاج کر سکے اور میں صوفی کے آنے تک یہ واقعہ قلم بند کرنے بیٹھ گیا ہوں۔

اب زخموں میں ٹیسیں اٹھنے لگی ہیں اور سینے میں بھی درد محسوس کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے میں تندرست ہو جاؤں گا اور ''مقدس مورتی'' کا ادھورا مسودہ پورا کر سکوں گا مگر تندرست ہونے کے بعد سب سے پہلے بدری ساکھا کو ڈھونڈوں گا جس کی وجہ سے مجھ پر یہ بپتا آن پڑی ہے۔''

افسوس چکرورتی چاچا اچھے نہ ہو سکے۔ یہ ان کی آخری تحریر تھی جسے پڑھ کر مورتی کے بارے

میں میرا بھرم ٹوٹ گیا کیونکہ وہ نقلی تھی اس کے ساتھ ہی شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ چاچا پر بیل گاڑی چڑھا دی گئی یا بدحواس گاڑی بان بے قابو بیلوں کو سنبھال نہ سکا؟ منگل ساؤ اور بھکشو گاڑی سے اتر کر واپس کیوں بھاگے تھے اور چکمہ آدمی کون تھا جس نے کلکتہ سے چٹا گانگ تک چاچا کا پیچھا کیا اور منگل ساؤ کے پیچھے بھاگ گیا تھا؟ کیا وہ منگل ساؤ ہی کا آدمی تھا؟

یہ خیال بھی آیا اگر چاچا گھبراہٹ میں ٹھوکر کھا کے گر نہ پڑتے تو شاید بیل گاڑی کے نیچے نہ آتے انہیں کچلنے میں گاڑی بان کے ارادے کا دخل ہوتا تو وہ چیختا کیوں؟ میں اسی وچار میں گم تھا کہ ناگاہ ماں کی آواز نے چونکا دیا۔

کیشپ بیٹے! دیکھ تو کون آیا ہے۔"

میں نے گردن اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ دروازے میں ماں کے ساتھ منجوری کھڑی تھی۔

"ارے..... منجوری....."

اس نے مجھے نمسکار کیا، میری نظر اس کی چھوٹی سی نتھنی پر جم گئی جو ہولے ہولے لرز رہی تھی کیونکہ منجوری شکایت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔

تمہیں آج میرے گھر پہنچنا اور مجھے اپنے ساتھ یہاں لے کر آنا تھا! ہم لوگ دوپہر تک راہ دیکھتے رہے، تمہارے انتظار میں کسی نے کھانا بھی نہیں کھایا مگر دوپہر ڈھل گئی، جب تم نہیں پہنچے چنتا بڑھ گئی۔ باپو تم کو دیکھنے اور ملنے کے لئے بے چین تھے۔ ماں بے حد پریشان تھی۔ کہنے لگی۔

"ضرور کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی ہے جو کیشپ نہیں آیا۔" تو خود چلی جا اور پتہ کر کہیں بیمار تو نہیں ہو گیا۔"

"کیا اکیلی آئی ہو؟"

"نہیں..... باپو ساتھ ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"باہر آنگن میں بیٹھے ہیں۔"

میں "مقدس مورتی" کا مسودہ ٹرنک میں رکھ کر اٹھا پھر منجوری اور ماں کے ساتھ صحن کی طرف بڑھا، وہاں بید کی کرسی پر جو آدمی بیٹھا تھا اسے دیکھ کر میرا ذہن چکرا کے رہ گیا اور میں فرط تعجب سے انہی قدموں پر رک گیا۔ بھاری تن و توش، داڑھی صفا چٹ مگر منہ پر گلہری کی سی بھاری بھاری گھچے دار مونچھیں، دائیں کان میں چاندی کا بالا اور بائیں کان کی لو کٹی ہوئی۔ یہی چکمہ آدمی تو آٹھ برس پہلے کلکتہ سے چٹا گانگ تک چکرورتی چاچا کا تعاقب کرتا رہا تھا۔

اسے دیکھ کر میری نبضوں میں خون کا دورہ تیز ہو گیا اور دھرتی گھومتی ہوئی نظر آنے لگی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ منجوری کا باپ ہو گا۔

میرے چہرے کی بدلتی رنگت اور آنکھوں میں گستاخی کی چمک دیکھ کر ماں حیران رہ گئی۔ منجوری بھی یہ معمہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس کے باپو کو دیکھتے ہی مجھے ایکا ایکی کیا ہو گیا ہے، وہ تو باپ کو اس لئے لائی تھی کہ میں بڑی گرم جوشی سے اس کا سواگت کروں گا۔ اشیرواد کے لئے اپنا سر جھکا دوں گا مگر یہاں معاملہ بالکل ہی برعکس پیش آیا، میں انہی قدموں پر کھڑا اپنے پراسرار مہمان کو تکے جا رہا تھا اور کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ مجھے اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ دراصل میں خود حیرت اور تذبذب سے دوچار تھا۔

ایک طرف یہ اچنبھا کہ ماضی کی المناک کہانی کا کردار جسے میں خود ڈھونڈنے کا ارادہ کر چکا تھا، کس طرح اچانک اور غیر متوقع طور پر حالات کے دھوئیں سے نکل کر آپ سے آپ میرے سامنے آ گیا۔ دوسری جانب قدرت کا سمجھ نہ آنیوالا مذاق، جو مجھے ان لڑکیوں کے پلو سے باندھ رہی تھی جن کے باپ دادا کی وجہ سے ہمارا ہنستا بستا گھر اجڑ گیا اور ماں بھری جوانی میں ودھوا ہو گئی تھی۔

صرف تین دن پہلے منجوری سے میری سگائی ہوئی تھی جس کے باپ کو چاچا کے بیان کردہ حلیے سے پہچان کر میں اسے گردن سے دبوچ لیتا مگر اس سمے وہ میرے گھر میں تھا اور مہمان بھی، مجھے اپنی طرف حیرت اور غصے کی نظروں سے تکتے دیکھ کر وہ بھی حیران و پریشان ہو رہا تھا مگر فوراً ہی بید کی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے بولا۔

"میں وشال رائے ہوں، منجوری کا باپ۔"

میں نے میزبانی کے تمام آداب نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا۔

"وشال رائے! افسوس اسی بات کا ہے کہ منجوری کے باپ ہو، مادھو موسی کی بجائے اگر تو اپنی بیٹی کے ساتھ آئے ہوتے تو سگائی کبھی نہ ہوتی۔"

میرا غیر متوقع جواب اور گستاخانہ لہجہ سب کو ناگوار گزرا۔ وشال رائے تصویر حیرت بن گیا، منجوری کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ ماں گھبرا گئی اور میرا کندھا جھنجھوڑ کے بولی۔

"باؤلا ہوا ہے کیا؟ گھر آئے مہمان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کرتے۔"

"جو برتاؤ مجھے کرنا چاہیے تھا وہ میں نہیں کر پایا ماں!"

"کیا نہیں کر پایا تو؟"

"مجھے وشال رائے سے گزرے دنوں کا ایک حساب چکانا ہے۔"

"کس حساب کی بات کرتا ہے پگلے!"

"اگر تو سن لے تو تیرے پاؤں تلے سے دھرتی نکل جائے ماں! یہی وہ چکمہ آدمی ہے جس نے تجھے ودھوا اور مجھے اناتھ کرنے میں حصہ لیا تھا۔"

یہ سنتے ہی ماں سکتے میں آ گئی، اگر منجوری نے فوراً ہی اسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو فرش پر گر پڑتی، وہ خود بھی اپنے باپ کے بارے میں ایک سنگین الزام سن کر کانپ اٹھی تھی، ماں کو بانہوں میں سنبھالتی ہوئی چلائی۔

"باپو! یہ کیا دوش لگا رہے ہیں تم پر؟"

وشال رائے بت بنا کھڑا تھا، بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی پھر بھی منجوری کی تسلی کے لئے کہنے لگا۔

"میرے پر کوئی دوش نہیں بیٹی! جیون میں پہلی بار یہ گھر دیکھا ہے۔ شاید تھارو کیشپ سے کوئی بھول ہوگئی ہے۔"

"نہ مجھ سے کوئی بھول ہوئی ہے نہ تمہاری شکل بھولنے والی ہے۔"

وشال رائے بری طرح چونک گیا۔ "کیا میرے کو شکل سے جانتے ہو؟"

"جانتا نہیں مگر پہچانتا ضرور ہوں۔"

وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔ "میں نے تمہارے کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"مجھے نہیں، میرے چاچا چکرورتی سہائے کو دیکھا ہوگا۔"

"انہیں بھی نہیں جانتا۔"

"وشال رائے! انکار کر دینے سے حقیقت بدل نہیں جاتی۔" یہ کہہ کر میں نے اسرار کا پہلا پردہ اٹھایا۔ "میرا خیال ہے تم منگل ساؤ کو تو ضرور جانتے ہو گے۔"

منگل ساؤ کا نام اس پر بجلی بن کر گرا۔ رنگت زرد پڑ گئی۔ چہرے پر زلزلہ سا طاری ہو گیا، یوں لگتا تھا ٹوٹ پھوٹ کے ڈھیر ہو جائے گا۔ اس کی یہ حالت ماں نے بھی دیکھی، منجوری تو باپ کو بدحواس دیکھ کر خود نڈھال ہوگئی۔

"بولتے کیوں نہیں وشال رائے! جانتے ہو منگل ساؤ کو؟"

"پر تمہارے کو منگل ساؤ سے کیا واسطہ ہے؟"

میں نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ "تو تم اسے جانتے ہو؟"

وشال رائے بری طرح بوکھلا گیا، معلوم ہوتا تھا اس کے جسم میں جان ہی نہیں رہ گئی، مردہ سی آواز میں بولا۔ "ہاں جانتا ہوں۔"

ماں گم صم ہوگئی، منجوری کی پریشانی دیکھ کر مجھے ترس آنے لگا، میں نے اسے سمجھایا۔ "تم چنتا نہ کرو، ماں کو سنبھالو اور اسے تھوڑا سا گرم دودھ پلا دو، میں تمہارے باپو سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

وہ خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھتی رہی، میں نے وشال رائے کو اشارہ کیا۔ "اندر چلو۔"

منگل ساؤ کے ذکر نے اسے ادھ موا کر دیا تھا اور اس کی حالت بتا رہی تھی کہ جس دوش سے

انکار کر بیٹھا ہے اس کے تصور سے مرا جا رہا ہے۔ باپ کی یہ حالت دیکھ کر منجوری میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"کیشپ بابو! اگر باپو سے کوئی دوش ہو گیا ہے تو میری خاطر انہیں شما کر دو۔"

"میں نے کہا نا تمہیں چنتا کرنے کی ضرورت نہیں، ماں کا دھیان رکھو۔" یہ کہہ کر میں وشال رائے کو اپنے کمرے میں لے آیا اور دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے وہ کوئی کمزور آدمی نہیں تھا، ڈیل ڈول اور جسم کا توانا ہونے کے علاوہ دلیر بھی معلوم ہوتا تھا لیکن میرے سامنے اس کی ہمت شاید اس لئے جواب دے گئی کہ اسے بیٹی کی سگائی ٹوٹ جانے کا خطرہ تھا۔ یہ اندیشہ ہر باپ کو نڈھال کر دیتا ہے، ادھر معاملے کی صورت ہی کچھ ایسی نکل آئی تھی جس نے ہر فرد کو پریشان کر دیا۔ خود میں بھی حالات کی اس کروٹ پر بڑا مضطرب تھا، ہم دونوں چند لمحے چپ چاپ بیٹھے رہے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔ آخر منجوری کے مستقبل اور اس اندیشے کا سہارا لیا جو ہر باپ کو نڈھال کر دیتا ہے اور بات چلائی۔

"وشال رائے! آج سے پہلے میں نے تمہیں، تم نے مجھے نہیں دیکھا تھا مگر بھگوان نے دو ایسے گھرانوں کو ملا دینے کا جتن کیا جن کے درمیان خون کی ایک دیوار کھڑی ہے۔ مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے، اگر سچ سچ بتا دو گے تو قول دیتا ہوں کہ گزرے ہوئے حادثے کو اپنے اور منجوری کے درمیان نہیں آنے دوں گا کیونکہ وہ میری منگیتر اور عزت ہے۔"

وشال رائے کی آنکھوں میں چہرے پر لہجے میں حیرت نے ایک نئی کروٹ بدلی۔ "بولو کیا پوچھنا ہے؟"

"میرے چاچا چکرورتی سہائے سے تمہیں کیا بیر تھا؟"

"میرے کو اس نام کے کسی آدمی کا پتہ نہیں، تم نے بولا ہے تو معلوم پڑا کہ چکرورتی سہائے تمہارے چاچا تھے، اگر وشواس نہیں تو بھگوان کی سوگند کھاتا ہوں۔"

میں وشال رائے کے اس جواب پر دنگ رہ گیا۔ شاید وہ مجھے بے وقوف بنا رہا تھا، معاً خیال آیا ہو سکتا ہے وہ چاچا کو ان کے نام سے جانتا ہی نہ ہو، میں نے چاچا کی ایک پرانی تصویر نکال کر اسے دکھائی۔

"کیا اس آدمی کو جانتے ہو؟"

وشال رائے نے تصویر دیکھ کر کسی خاص تعجب یا تاثر کا اظہار نہیں کیا مگر تصویر کو بڑے غور سے دیکھنے اور سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

"اپنے کو یاد پڑتا ہے کہ اس آدمی کو کہیں دیکھا ہے۔"

"ذرا آٹھ برس پہلے کا واقعہ یاد کرو، تم نے کلکتہ سے چٹاگانگ تک بحری جہاز میں سفر کیا تھا۔"

''ہاں میرے کو یاد ہے، آٹھ برس پہلے میں ایک آدمی کو ڈھونڈنے کلکتہ گیا تھا، اُدھر اس کا کوئی کھوج نہیں ملا تو اپنے کو جہاز پر بیٹھ کر چٹا گانگ آنا پڑا، یہ سب اس لئے یاد ہے کہ انہی دنوں چٹا گانگ میں ایک بودھ کانفرنس بھی ہوئی تھی۔''

''بالکل ٹھیک'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں اسی سفر کی بات کر رہا ہوں، چکرورتی چاچا بھی اسی جہاز پر سوار تھے، تم دراصل انہی کا کھوج لگانے کلکتہ گئے اور ان کا پیچھا کرتے ہوئے چٹا گانگ پہنچے تھے۔''

یہ سنتے ہی وشال رائے کے چہرے پر حیرانی کی پرچھائیاں سی گزرنے لگیں۔ تنگ آ کر بولا۔

''کیشپ بابو! ایسا جھوٹ میرے پر کس واسطے لگاتے ہو، میں تو کسی اور آدمی کا کھوج لگانے کلکتے گیا تھا، بھلا میرے کو چکرورتی سے کیا لینا دینا تھا کہ ان کا پیچھا کرتا پر اتنا ضرور یاد پڑتا ہے کہ پہلی بار میں نے انہیں جہاز پر ہی دیکھا تھا۔''

میں حیران تھا آخر وہ اس بات سے انکار کیوں کرتا ہے کہ اس نے چاچا کا پیچھا نہیں کیا جب کہ ان کی تحریر سے صاف ظاہر تھا کہ وہ جہاز پر بھاری تن و توش کے اس چکمہ آدمی کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے تھے جس کی داڑھی صفا چٹ مگر منہ پر گلہری کی طرح گھپے دار مونچھیں تھیں، دائیں کان میں چاندی کا بالا اور بائیں کان کی لو کٹی ہوئی۔ اسی حلیے سے میں نے وشال رائے کو پہچانا تھا۔ چاچا کی آخری تحریر سے بھی واضح تھا کہ وہ اسے منگل ساؤ کا گماشتہ سمجھتے تھے مگر وشال رائے ان کے تعاقب سے انکار کر رہا تھا، اب میں نے اسرار کا دوسرا پردہ اٹھایا۔

''میں تم پر کوئی جھوٹی تہمت نہیں لگا رہا، ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں، آٹھ برس پہلے تم اسی جہاز پر کلکتہ سے چٹا گانگ پہنچے تھے جس پر چکرورتی چاچا سفر کر رہے تھے، تمہارا بیان ہے تم نے ان کا پیچھا نہیں کیا مگر چٹا گانگ میں جب وہ کرنافلی کی دریائی بندرگاہ کی طرف جا رہے تھے تم اس وقت بھی انہی کے تعاقب میں تھے پھر منگل ساؤ اور اس کے ایک بھکشو ساتھی نے چاچا پر بیل گاڑی چڑھا دی اور خود بھاگ گئے، تم بھی ان کے پیچھے بھاگ نکلے۔ اگر تم نے چاچا کا پیچھا نہیں کیا تو منگل ساؤ سے تمہارا کیا سمبندھ تھا؟ تم نے کیوں اس کا ساتھ دیا اور کیوں اسی کے ساتھ فرار بھی ہو گئے تھے؟''

یہ بات سنتے ہی وشال رائے ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا ہوا اور بولا۔

''اب میرے کو پتہ چلا کہ تم جھوٹا دوش کیوں لگاتے ہو، تمہارے کو شبہ ہے کہ میرا منگل ساؤ سے کوئی سمبندھ تھا۔ بولو یہی شبہ ہے نا؟''

''ہاں۔۔۔ مگر شبہ نہیں پورا وشواس ہے تم منگل ساؤ کے آدمی ہو۔'' میں نے وہ بات جو چاچا کی آخری تحریر سے اخذ کی تھی اُس پر کھول دی۔ ''اور اسی لئے تمہیں چاچا کی موت کا دوشی ٹھہراتا

ہوں کیونکہ بیل گاڑی نے چاچا کو کچل دیا تھا اور انہی زخموں کی وجہ سے وہ سورگ باش ہو گئے، اب تم یہ کہو گے تمہیں چاچا کے زخمی ہونے کا بھی علم نہیں۔''

وشال رائے کی حالت میں ایک حیرت انگیز تبدیلی ہوئی۔ اب اس کے چہرے پر پہلے جیسی گھبراہٹ کی بجائے صرف کرب کے آثار تھے، اس نے کھڑے کھڑے کہا۔

''جب تمہارے کو میری بات پر وشواس ہی نہیں تو میں کیا بولوں گا مگر یہ بالکل سچ ہے کہ میرے کو تمہارے چاچا کے زخمی ہونے کا کچھ بھی پتہ نہیں اور یہ بھی بول دوں کہ میرا منگل ساؤ سے وہی سمبندھ تھا جو ایک دکھیارے کا کسی کائر اور ظالم آدمی سے ہوتا ہے، میں اس کا ساتھی نہیں دشمن اور بیری تھا اور اسی کا کھوج لگانے کلکتہ گیا تھا پر وہ میرے کو اچانک چٹا گانگ میں دکھائی دیا، جونہی اس کی نظر میرے پر پڑی وہ بھکشو کے ساتھ بیل گاڑی سے کودا اور گاڑی والے سے کچھ بول کے بھاگ گیا۔ اسے دیکھ کر میرے کو کچھ ہوش نہیں رہا اور پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگا کہ کہیں نکل نہ جائے، اس افراتفری میں یہ دیکھنے کی فرصت ہی کہاں تھی کہ اس آدمی کے ساتھ کیا بیتی ہے جو میرے آگے آگے جا رہا تھا۔''

وشال رائے کا یہ بیان میری توقع کے بالکل خلاف تھا مگر اس میں کوئی بناوٹ نہ تھی۔ اب اس پراسرار واقعے کا جس کی بناء پر میں اسے دوشی سمجھ رہا تھا، ایک نیا رخ سامنے آیا جس نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ وشال رائے نے یہ انکشاف کر کے کہ وہ منگل ساؤ کا ساتھی نہیں بلکہ دشمن تھا، مجھے ایک نئی حیرت، ایک نئے تجسس سے دوچار کر دیا۔ چاچا کو شبہ تھا، شاید وہ منگل ساؤ کا ساتھی اور مورتی ہتھیانے کے لئے ان کا پیچھا کر رہا تھا لیکن وشال رائے نے جس نئے گوشے سے پردہ ہٹایا وہ بڑا حیران کن اور سنسنی خیز تھا، پھر بھی اپنی تسلی کے لئے میں نے ایک اور سوال کر دیا۔

''تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ منگل ساؤ نے چاچا پر بیل گاڑی کیوں چڑھا دی اور ان سے کون سی چیز چھیننا چاہتا تھا؟''

''ارے میرے کو کیا معلوم؟ ہو گا کوئی گہنا پاتا، میں نے بولا نا کہ منگل ساؤ کو دیکھتے ہی میرا بھیجا خراب ہو گیا تھا اور اپنے کو صرف اسے پکڑنے کی چنتا تھی۔''

''تم نے کہا ہے کہ منگل ساؤ نے بھاگتے وقت گاڑی بان سے کچھ بولا تھا، کیا اس نے چاچا پر گاڑی چڑھا دینے اور انہیں مار دینے کی ہدایت کی تھی؟''

''ایسا تو نہیں بولا تھا۔''

''پھر کیا بولا تھا۔۔۔؟ ذرا یاد کر کے بتاؤ۔ میں منگل ساؤ کے اصل الفاظ جاننا چاہتا ہوں۔''

وشال رائے کچھ سوچنے اور اپنے حافظے کو کریدنے لگا اور بولا۔

''بس اتنا یاد پڑتا ہے اس نے تمہارے چاچا کی طرف اشارہ کر کے گاڑی والے سے بولا تھا کہ اس آدمی کو تمہیں روکنا ہے۔''

''صرف روکنے کے لئے کہا تھا۔۔۔؟''

''اپنے کو اتنا ہی یاد ہے کیونکہ پھر وہ فوراً بھاگ نکلا اور میرے کو اس کا پیچھا کرنا پڑا۔''

اس جواب سے پتہ چلا کہ منگل ساؤ چاچا کو روکنا چاہتا تھا، انہیں بیل گاڑی سے کچل دینے یا مار دینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، چاچا نے بھی لکھا تھا کہ بیل بے قابو ہو گئے تھے اور گاڑی بان بدحواس تھا۔ ہو سکتا ہے چاچا کو روکنے کے لئے اس نے بیلوں کو افراتفری میں مارا یا تیزی سے ہانکا ہو اور وہ خوف سے بے قابو ہو گئے ہوں جس کی وجہ سے حادثہ پیش آیا۔

میں پہلے بھی کہیں بیان کر چکا ہوں اگر منگل ساؤ کو چاچا سے مورتی چھیننا ہی تھی تو حادثے کے بعد جب وہ زخمی پڑے تھے، ان کے تھیلے سے بہ آسانی مورتی نکال کر رفو چکر ہو سکتا تھا، اس کا چاچا کو زخمی کرنا اور مورتی حاصل کئے بغیر نکل جانا بڑا تعجب خیز معلوم ہوا تھا مگر اب وشال رائے کی زبانی واقعے کی جو تفصیل سامنے آئی اس سے پتہ چلا کہ منگل ساؤ تو وشال رائے کے ڈر سے پہلے ہی بھاگ لیا تھا جبکہ حادثہ بعد میں پیش آیا اور اس کی نوعیت بھی کچھ اور تھی۔

اس چھان بین سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وشال رائے کا چاچا کو پیش آنے والے حادثے سے کوئی واسطہ نہیں اور میں تحقیق کے بغیر اسے دوشی ٹھہرا کر اب شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ خود چاچا بھی اس کی اصلیت سے آگاہ نہ تھے کیونکہ وشال رائے منگل ساؤ کا ساتھی یا گماشتہ ہونے کی بجائے اس کا دشمن نکلا تھا مگر اب میں یہ جاننے کے لئے بے چین تھا کہ ان کی دشمنی کا کارن کیا تھا۔ وہ اسے کیوں ڈھونڈتا پھرتا اور جب چٹا گانگ میں ان کا آمنا سامنا ہوا تو منگل ساؤ چاچا کا تعاقب چھوڑ کر کیوں بھاگ نکلا؟ سوچا وشال رائے سے جو گستاخی کر بیٹھا ہوں اس کی معافی تو بعد میں مانگ لوں گا، پہلے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ وہ منگل ساؤ کو کیوں ڈھونڈ رہا تھا۔

''منگل ساؤ سے تمہاری کیا دشمنی تھی؟''

''آدمی کی آدمی کے ساتھ دشمنی تو چلتی رہتی ہے، تم بولو تمہارے چاچا کا منگل ساؤ سے کیا جھگڑا تھا؟''

وشال رائے کے اس سوال نے مجھے پریشان کر دیا۔ ''جھگڑا نہیں کچھ اور معاملہ تھا۔''

''کوئی لین دین کا معاملہ تھا؟''

''منگل ساؤ کوئی سودا کرنا چاہتا تھا۔ چاچا کو سودا منظور نہیں تھا بس اتنی سی بات تھی۔'' میں مورتی کا ذکر گول کر گیا۔

''پھر تمہارے کو میری اور منگل ساؤ کی دشمنی سے کیا لینا ہے؟''

''ہو سکتا ہے منگل ساؤ کے ساتھ میرا کوئی واسطہ ہو۔''

وشال رائے نے چونک کر دیکھا۔ ''دیکھو کیشپ بابو! تمہارے کو میرے پر شبہ تھا اسی لئے تم نے میرے کو دوشی ٹھہرایا مگر تم نے جو کچھ پوچھا، میں نے سچ سچ بول دیا، جب تمہارا من صاف ہو گیا ہے تو اب منگل ساؤ کا بکھیڑا کیوں کھڑا کرتے ہو؟''

''اس لئے کہ میں جاننا چاہتا ہوں چٹا گانگ والے حادثے کے بعد منگل ساؤ اور اس کے بھٹشو ساتھی پر جب وہ رام گارتھ جا رہے تھے گھنے جنگل میں ''داؤ'' سے حملہ ہوا اور بڑا جان لیوا تھا وہ حملہ کیونکہ بھٹشو تو وہیں چت ہو گیا مگر منگل ساؤ زخمی ہو کر باٹی پارہ کی طرف بھاگا اور تیسرے دن زخموں میں زہر پھیل جانے سے مر گیا تھا۔''

وشال رائے کے چہرے پر خوف کی وہ علامات پھر عود کر آئیں جن پر کچھ دیر پہلے اس نے قابو پا لیا تھا، اب وہ کرسی کے سہارے کھڑا مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھور رہا تھا، ایک دو پل گھورتا رہا پھر کپکپاتی آواز میں بولا۔ ''تو تمہارے کو سب کچھ معلوم ہے؟''

''مگر اصل واقعہ تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔''

وہ منگل ساؤ سے اپنی دشمنی کا قصہ سنانے سے گریز کر رہا تھا، شاید ان کے درمیان کوئی ایسی بات تھی جس کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ ادھر میرے دل میں تجسس بڑھ گیا کہ منگل ساؤ ایسا کیا وشال رائے کو دیکھتے ہی بھاگ کیوں نکلا؟ میں نے منگل ساؤ اور بھکشو پر ہونے والے خونیں حملے کا انکشاف کر کے اسے مجبور کر دیا تھا کہ حقیقت مجھ پر کھول دے اور اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''وشال رائے! کرسی پر بیٹھ جاؤ اور اول سے آخر تک پوری کہانی سناؤ۔ ڈرنے اور خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔''

اس کے چہرے پر اگرچہ فکر و پریشانی کے سائے کانپ رہے تھے مگر اس نے میرا مشورہ قبول کیا اور کرسی پر بیٹھ گیا، میں نے اس کی ہچکچاہٹ دور کرنے کے لئے کہا۔

''جس طرح تم نے چکرورتی چاچا کی بات صاف کر دی ہے، اسی طرح منگل ساؤ کی بات بھی صاف کر دو۔''

''کیشپ بابو! معلوم نہیں تمہارے کو ہماری دشمنی جاننے کی چنتا کیوں ہے مگر تم بات صاف کرنے کو بولتے ہو تو اصل بات سنائے دیتا ہوں، اگر کسی اور نے پوچھا ہوتا تو ہرگز نہیں سناتا کیونکہ کچھ باتیں دوسروں کو بتانے والی نہیں ہوتیں۔''

اچانک خیال آیا، اس کے ساتھ جو گستاخی کر چکا ہوں اس کی تھوڑی سی تلافی بھی کر دینی

چاہئے، میں نے کھڑکی سے آواز دی۔

''منجوری! ذرا ادھر آؤ۔''

منجوری بھاگی بھاگی آئی تو کہا۔ ''اپنے باپو کے لئے ایک گلاس دودھ لے آؤ۔''

غالباً وہ جاننا چاہتی تھی، اب کوئی جھگڑا تو نہیں، باپ نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ سب ٹھیک ہے وہ خوش خوش لوٹ گئی اور فوراً ہی دودھ کا گلاس لے آئی۔

○○○

(16)

رُوپ تارا

دودھ پی لینے کے بعد وشال رائے کی حالت کچھ سنبھل گئی، کچھ میرے برتاؤ نے اسے سہارا دیا اور وہ کہنے لگا۔

''کیشپ بابو! جب تم نے میرے پر منگل ساؤ کا نام لے کر دوش لگایا تو میں گھبرا گیا تھا کیوں؟ اس واسطے کہ میرے کو شک ہوا کہ تم کوئی ایسی بات جانتے ہو جو دوسرے نہیں جانتے۔ میں نے یہ نہیں پوچھا کہ تم کیا جانتے ہو کیا نہیں جانتے، مگر تم نے ایک ایسی بات بول دی ہے جس سے میرے کو پورا وشواس ہو گیا ہے کہ تمہارے کو بہت کچھ معلوم ہے پھر فضول کو جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ؟ اس واسطے میں تمہارے کو سب کچھ سچ سچ بول دیتا ہوں تا کہ تم آپ نیائے کر سکو کہ دوش کس کا تھا؟ اپرادھی کون تھا؟

جو کچھ میں تمہارے کو بتانے والا ہوں وہ میرے جیون کا ایک دکھ بھی ہے اور ایک بھید بھی۔ کسی پر اپنا بھید کھول دینا نا سمجھی کی بات ہے۔ لوگ پہلے راز داری کا قول لیتے تب بھید کی بات بولتے ہیں مگر تم دوسرے نہیں، اپنے ہو۔ پھر تم نے بات صاف کرنے کو بولا ہے تو میرے کو بات ہی صاف کرنی ہے۔ اب سنو کہ منگل ساؤ سے اپنی دشمنی کیسے چلی۔

کوئی دس برس پہلے کی بات ہے میرے کو اپنی چھوٹی بہن روپ تارا کے ساتھ ریاست تری پورہ کے شہر اگرتلہ جانا پڑا۔ اگرتلہ میں ایک بڑا ناچ سمیلن تھا اور روپ تھارا کو اس سمیلن کا بلاوا آیا تھا۔ یہ بھی بول دوں کہ وہ میری اکلوتی بہن اور ہمارے چکمہ قبیلے کی لاج تھی۔ اس واسطے کہ اس نے منی پوری ناچ بڑی محنت سے سیکھا اور اس ناچ کے کارن چکمہ لڑکیوں میں اس کا بڑا ناؤں تھا۔ کئی چکمہ گھرانے اس کا ناتا کرنے کو بول رہے تھے، پر میرے کو آس تھی کہ روپ تارا نے اگر ناچ سمیلن میں بڑا انعام جیت لیا جس کا بڑا ڈھنڈورا ہوا تھا تو اس کی نسبت کسی اونچے گھرانے میں کروں گا۔

اگرتلہ ناچ سمیلن میں بڑے بڑے کتھک، گتی اور گیانی آئے۔ آسام پوربی بنگال، تری پورہ، منی پور اور سرحدی قبیلوں کی بہت سی لڑکیوں اور عورتوں نے حصہ لیا۔ کتھا کلی منی پوری اور دوسرے کئی ناچ ہوئے پر پنچوں نے روپ تارا کو پہلا انعام دے دیا۔ اس کی بڑی شوبھا ہوئی اور میرے کو بھی خوشی سے رات بھر نیند نہیں آئی۔ سویرے ابھی سورج لوشائی کے پربت سے نکلا

ہی تھا کہ دو بوڑھے اجنبی بودھ آشرم میں جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے، روپ تارا سے ملنے آئے۔ میں نے ان کا سواگت کیا۔ آنے والوں نے اپنے ناؤں منگل ساؤ اور پروہت گنجال بتائے اور بولے کہ وہ آسام کے اونچے پربتوں سے آئے ہیں، انہیں ایک بودھ مندر میں ناچ پوجا کے لئے ایک نرتکی کی تلاش ہے جو ''بھگوان کی نرتکی'' ہو گی۔ ناچ سمیلن میں روپ تارا کا ناچ انہیں پسند آیا ہے اگر وہ بودھ مندر میں جس کا اتہ پتہ انہوں نے بتایا۔ ''بھگوان کی نرتکی'' بننا قبول کرے تو میرے کو منہ مانگے دام مل جائیں گے پر شرط یہ ہے کہ روپ تارا کنواری رہے۔

اپنے کو مول تول کی یہ بات بری لگی، صاف بول دیا کہ روپ تارا کے لئے بڑے رشتے آ رہے ہیں اور میں اسی برس اس کے ہاتھ پیلے کر دوں گا، روپ تارا نے بھی انکار کر دیا اور بولی۔

''میں نے ناچ کلا نرتکی بننے کے لئے نہیں سیکھی نہ میں پوربی بنگال کو چھوڑ کے کہیں جاؤں گی۔'' وہ بات کر رہی تھی تو اچانک پروہت گنجال کی نظر اس کے بازو پر پڑی جہاں ایک گول سا سرخ پیدائشی نشان تھا، اس نے چونک کر پوچھا۔

''یہ نشان کیسا ہے؟''

میرے کو بتانا پڑا۔ ''یہ چاند گرہن کا نشان ہے، روپ تارا ماں کے پیٹ میں تھی کہ چاند گرہن ہوا تھا۔''

یہ بات سن کر پروہت گنجال اور منگل ساؤ نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا اور منگل ساؤ میرے کو بولنے لگا۔ ''دیکھو وشال رائے! ہمیں جس نرتکی کی تلاش تھی وہ تمہاری بہن روپ تارا ہی ہے اگر تم اسے بھگوان کی نرتکی بنا دو تو میں تمہارے کو پانچ ہزار روپے الگ دان دوں گا۔''

''ارے میں کوئی بھکاری ہوں جو تم لوگوں سے دان لوں گا، جب بول دیا ہے کہ روپ تارا نرتکی نہیں بنے گی تو نہیں بنے گی۔''

پروہت گنجال فوراً اٹھا اور روپ تارا کی آنکھوں میں آنکھوں ڈال کر کھڑا ہو گیا پھر ایک دم گرج کے بولا۔

''روپ تارا......! دھیان سے سن، تو ہمارے ساتھ جائے گی۔ بھگوان کی نرتکی بنے گی..... یہ میں کہتا ہوں۔''

نہ جانے پروہت گنجال کی سانپ سی آنکھوں میں کیسی کشش تھی اور اس کے بولنے میں کون سا منتر تھا کہ روپ تارا نے اس کی مرضی کے سامنے اپنا سیس جھکا دیا اور بولی۔

''ہاں...... بنوں گی نرتکی۔''

میرے کو بڑا غصہ آیا کہ وہ ایک دم کیسے بدل گئی۔ میں نے روپ تارا کو بازو سے پکڑ کے کمرے میں دھکیل دیا اور ان دونوں سے بولا۔

''تم لوگ چلے جاؤ میں اپنی بہن کا بیوپار کرنے نہیں آیا۔''

منگل ساؤ نے میری چھاتی پر سیدھے ہاتھ سے ٹھوکا دیا اور کہا۔

''تم روپ تارا کو ہمارے ساتھ جانے سے نہیں روک سکو گے۔''

میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور وہ دونوں بڑبڑاتے چلے گئے۔ کمرے میں گیا تو روپ تارا چپ چاپ بیٹھی تھی، پوچھنے لگی۔

''وہ لوگ کہاں سے آئے تھے؟''

''میرے کو کیا معلوم کہاں سے آئے تھے، کہاں جائیں گے، لگتا ہے بھگوان کے ناؤں پر سندر لڑکیوں کا دھندا کرتے ہیں۔ کلکتہ کے سونا گاچی بازاروں میں ایسے بڑے دھرماتما رہتے ہیں۔''

''ایسا نہ بولو بھیا۔۔۔! کیا خبر بھلے آدمی ہوں۔''

''بہت دیکھے ہیں ایسے بھلے آدمی۔۔۔ پر تو کس واسطے نرتکی بننے کو راضی ہو گئی تھی۔۔۔؟'' میں روپ تارا پر برس پڑا۔

''یہ میں نہیں جانتی۔ اچھا ہوا وہ لوگ چلے گئے۔''

''مگر جانتی ہے وہ سوداگر کا جنا منگل ساؤ کیا بول گیا ہے میرے کو۔ کہتا ہے میں تیرے کو ان کے ساتھ جانے سے نہیں روک سکوں گا، اگر وہ پھر یہاں آیا تو اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔''

روپ تارا کا چہرہ یک لخت پیلا پڑ گیا۔ گھبرا کے بولی۔ ''بھیا! اگرتلہ سے نکلنے والی بات کرو۔'' ابھی وہاں دو چار دن ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ پوربی بنگال کے چٹاگانگ ڈویژن کے محکمہ جنگلات کا ہندو افسر چندر کانت اگرتلہ ہی کا رہنے والا تھا اور میں ٹھیکے کے واسطے اس کے باپ کی سفارشی چٹھی لینا چاہتا تھا مگر روپ تارا کی حالت دیکھ کے بول دیا۔

''میں آج ہی چندر کانت کے پتا سے مل لوں گا اور سویرے ہم اگرتلہ سے چلے جائیں گے۔''

کھانا کھانے کے بعد جب باہر جانے لگا تو روپ تارا میرا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

''جلدی آ جانا بھیا! مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''ارے تو وشال رائے کی بہن ہے، کاہے کو ڈرتی ہے؟''

اسے تسلی دے کر آشرم سے نکلا پر جانے سے پہلے چوکیدار کو بول دیا کہ روپ تارا اکیلی ہے میرے بعد وہ کسی کو کمرے میں نہ جانے دے، میرے کو چندر کانت کے پتا کا گھر ڈھونڈتے ڈھونڈتے دوپہر ہو گئی جب گھر ملا تو پتہ چلا کہ وہ برہمن باڑیہ گئے ہوئے ہیں اور دو تین دن بعد لوٹیں گے ناچ سمیلن میں اگرتلہ کے رائے صاحب سے ملاقات ہوئی تھی، سوچا اگر وہ سفارشی چٹھی لکھ دیں تو چندر کانت ٹھیکہ دینے سے انکار نہیں کرے گا، پر اس سے بھی دوبارہ ملاقات نہ ہو سکی۔ اس دن شاید قسمت ہی کھوٹی تھی شام کو آشرم میں لوٹ آیا۔ روپ تارا کمرے میں ڈری

اور سہمی بیٹھی تھی، میرے کو دیکھتے ہی بھاگ کے لپٹ گئی، وہ کانپ رہی تھی۔

''ارے کیا ہوا تیرے کو؟''

''بھیا! وہ لوگ مجھے بلا رہے تھے مگر میں نہیں گئی۔''

میرے کو ایک دم غصہ آ گیا۔ ''کیا وہ پھر آئے تھے یہاں؟''

''آئے نہیں مگر میں اپنے کمرے میں بیٹھی بیٹھی ایک آواز سنتی رہی ہوں جو بار بار کہتی تھی، ''روپ تارا.....! تو ہمارے ساتھ جائے گی۔''

میں اس کو وہیں چھوڑ کے باہر آیا اور چوکیدار سے پوچھا۔

''ادھر کون آیا تھا؟ روپ تارا کو آوازیں کون دیتا تھا؟''

چوکیدار حیران رہ گیا۔ ''ادھر ہم نے کسی کو نہیں دیکھا، کوئی آواز بھی نہیں سنی۔ آشرم میں کوئی پنچھی بھی پر نہیں مار سکتا، روپ تارا نے کوئی سپنا دیکھا ہوگا۔''

''کیا تمہارے کو پورا وشواس ہے کہ ادھر کوئی نہیں آیا؟''

''کوئی آتا، کچھ بولتا تو ہم اسے جانے کہاں دیتا۔''

میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا اور روپ تارا کو بول دیا۔ ''ادھر کوئی نہیں آیا، تو صرف اپنے وہم کی آواز سنتی رہی ہے۔''

رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم دونوں بھائی بہن دیر تک باتیں کرتے رہے، روپ تارا خوش تھی کہ سویرے ہم رنگامتی کی پہاڑیوں پر اپنی بستی میں واپس جا رہے ہیں۔ ہمیں گنگا ساگر کے اسٹیشن سے چٹا گانگ کے لئے ریل پر سوار ہونا تھا، اگرتلہ سے گنگا ساگر تک بیل گاڑی کا بندوبست کر لیا تھا۔ روپ تارا نے اپنا سامان باندھ لیا تھا۔ باتیں کرتے کرتے ہم سو گئے۔ آدھی رات کا سمے تھا جب اچانک میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ روتارا کواڑ کی کنڈی کھول کے باہر جا رہی ہے۔ پوچھا۔

''روپا کہاں جا رہی ہے؟''

مگر وہ بولی نہیں۔ شاید میری آواز مدھم تھی جو اسے سنائی نہ دے سکی، سوچا مُوت کرنے گئی ہو گی ابھی آ جائے گی۔ میرے کو نیند آ رہی تھی۔ کروٹ بدلی اور سو گیا، سویرے اٹھا تو روپ تارا کا بستر خالی پڑا تھا۔ میں نے آواز دی کہ شاید باہر ہاتھ منہ دھو رہی ہو گی مگر جواب نہیں آیا، اٹھ کر دیکھا وہ کمرے میں نہیں تھی، صحن میں نہیں تھی، آشرم میں نہیں تھی اور شاید اگرتلہ میں بھی نہیں تھی، میں چوکیدار کی طرف بھاگا، وہ بولا۔

ہم نے کسی کو رات آشرم سے نکلتے نہیں دیکھا، لڑکی تو کیا کوئی چڑیا بھی باہر نہیں گئی۔''

میرے کو چوکیدار پر شک ہو گیا کہ ناٹک کرتا ہے گریبان سے پکڑ لیا اور جھنجھوڑ کے پوچھا۔

''ابے چڑیا کے اکے! بول روپ تارا کدھر ہے؟ ضرور تو نے ہی ان آسامی بردہ فروشوں کے ساتھ مل کر اسے اغواء کرایا ہے جو کل سویرے یہاں آئے تھے۔''

''ہم بھگوان کی قسم کھاتا ہے کسی بردہ فروش کو نہیں جانتا، ہم نے روپ تارا کو بھی نہیں دیکھا۔''

''پھر تو چوکیداری کرتا یا جھک مارتا ہے۔ لڑکی اغوا ہو گئی ہے اور تیرے کو خبر ہی نہیں۔ کیا دارو پیتا ہے رات کو؟''

گردن دبائی تو چلانے لگا، شور سن کر آشرم کا انچارج بندو بھاگا آیا اور بولا۔

''وشال رائے! دنگا کاہے کو کرتا ہے۔ چوکیدار بھروسے کا آدمی ہے اگر لڑکی کو باہر جاتے دیکھتا تو ضرور روک لیتا، نہ جانے کیا ماجرا ہے جا کے پولیس میں رپٹ لکھوا۔ وہ تیری بہن کو کھوج نکالے گی۔''

میں نے بندو کو ساتھ لیا اور پولیس اسٹیشن پہنچا، ریاستی انسپکٹر کو روپ تارا کے ناچ سمیلن جیتنے، دوسرے دن منگل ساؤ اور پروہت گنجال کے آنے اور روپ تارا کو لالچ دینے کی کتھا سنائی۔ دونوں نے الگ الگ جو کچھ کہا تھا، وہ بھی بول دیا۔ رات کو روپ تارا کے باہر جانے کی بات بھی نہیں چھپائی اور صاف صاف کہہ دیا کہ اسے منگل ساؤ اور پروہت گنجال نے اغوا کیا ہے۔ انسپکٹر نے ملزموں کا اتہ پتہ پوچھا، میرے کو کچھ معلوم نہیں تھا، کیا بتاتا۔ انسپکٹر کہنے لگا۔

''چھوکری کی عمر بولو۔''

میں نے بول دیا۔ ''اٹھارہ برس سے سات آٹھ مہینے اوپر ہے۔''

تب اس نے میرے کو گھور کر دیکھا اور بولا۔

''اٹھارہ برس سے اوپر کی چھوکری بالغ اور پوری عورت ہوتی ہے تو خود کہتا ہے کہ اسے آدھی رات کے سمے باہر جاتے دیکھا تھا۔ آواز دی پھر بھی نہیں رکی۔ اس کا مطلب ہے وہ جہاں گئی اپنی مرضی سے گئی ہے۔''

آشرم کے انچارج بندو نے بھی اس کی طرف داری کر دی اور بیان دیا۔

''رات کو آشرم میں باہر کا کوئی آدمی نہیں آیا۔ لڑکی آپ ہی کہیں چلی گئی ہے'' اور انسپکٹر نے فیصلہ بول دیا۔ ''یہ اغوا نہیں لڑکی کے بھاگنے کا کیس ہے، اگر تو کہے تو فرار کی رپٹ لکھ لی جائے مگر اس صورت میں پولیس تیرے سے پوچھ گچھ کرے گی یہ دوش بھی لگائے گی کہ لڑکی کے ساتھ تیرا برتاؤ اچھا نہیں تھا، جبھی وہ بھاگ گئی، الٹا تو پھنس جائے گا۔''

انسپکٹر کی بات سن کر میرے کو پسینہ آ گیا اور من پر بھاری بوجھ لے کر پولیس اسٹیشن سے نکلا۔ میں جانتا تھا، روپ تارا آپ سے آپ نہیں گئی۔ اسے زبردستی لے جایا گیا ہے مگر کیسے؟

یہی بات کسی کو میں سمجھا نہیں سکتا تھا۔ ناچ سمیلن والوں سے مل کر اپنی بپتا سنائی مگر وہ بھی منگل ساؤ اور پروہت گنجال کو نہیں جانتے تھے۔ اگرتلہ کا چپہ چپہ چھان مارا نہ وہ دونوں کہیں دکھائی دیئے نہ ان کا کوئی پتہ معلوم ہوسکا۔ میرے کو کبھی اپنے آپ پر کبھی روپ تارا پر، کبھی اگرتلہ شہر پر غصہ آتا، جہاں چاندنی رات میں میری آبرو لٹ گئی اور بہن اپنے پاؤں سے چل کر بھائی کو چھوڑ گئی۔ اس کی اٹھارہ برس سے چڑھتی عمر میرے کو کھا گئی۔ اگرتلہ آنے سے پہلے ہی اس کے ہاتھ پیلے کر دیتا تو یہ دکھ نہ بھوگنا پڑتا۔ اب میں چکمہ بستی میں کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ یہی سوچ سوچ کر میرا من ڈوبتا رہا، اگرتلہ عجیب شہر تھا جس کے آکاش پر ایک رات روپ تارا ستارے کی طرح چمکی مگر دوسری رات وہ ستارہ نوچ لیا گیا اور میرا سنسار اندھیرے میں ڈوب گیا منگل ساؤ نے میرے خلاف جو سازش کی، وہ پوری ہوئی اور میرے کو تین دن بھٹکنے کے بعد اگرتلہ چھوڑنا پڑا۔ جب میں چکمہ بستی میں پہنچا میری پتنی مادھو نے روپ تارا کے اغواء کا قصہ سن کر سر پیٹ لیا۔ منجوری جوان دنوں بچی تھی رونے لگی۔ میں اگرتلہ سے اپنے منہ پر بدنامی کی جو کالک لے کر آیا تھا اسے لوگوں نے دیکھا اور میرے پر انگلیاں اٹھانے لگے۔۔ کہنے لگے۔

''وشال رائے کی بہن بھاگ گئی۔''

یہ طعنہ میرے کو کھا گیا اور میں ایک بار پھر منگل ساؤ کے کھوج میں نکل پڑا۔ کلکتہ بھی گیا کہ شاید منگل ساؤ نے روپ تارا کو سوناگاچی بازار میں کسی دلال کے پاس بیچ دیا ہو، ہر چال، ہر کوٹھا دیکھا پر روپ تارا کہیں نہ ملی، تھک ہار کے لوٹ آیا، دھندا ٹھپ ہو گیا۔ لکشمی چاری پارا میں ایک ہندو ٹھیکے دار سے مل کر کام کرتا تھا، اس نے پلہ کھینچ لیا میرے برے دن تھے مگر ہمت کر کے اکیلا ہی چٹاگانگ میں محکمہ جنگلات کے افسر چندر کانت کے آفس میں پہنچ گیا اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اگرتلہ جانے کا قصہ بھی سنا دیا۔ چندر کانت کو میرے پر ترس آ گیا اور نرائن ہاٹ کے اوپر ہلدا ندی کے جنگل کا ٹھیکہ منظور کر لیا۔ جنگلات کا یہ گھنا سلسلہ رام گارتھ تک پھیلا ہے۔ دوڑ دھوپ کے بعد بھی روپ تارا نہیں ملی، ٹھیکہ مل گیا۔

میں چکمہ بستی میں لوگوں کے طعنے سن بیٹھا تھا، اب ہلدا ندی کے جنگل میں اپنا منہ چھپا لیا اور ٹھیکے کے کاروبار میں الجھ گیا، جب جنگل میں کلہاڑے چلتے، درخت کٹ کٹ کے گرتے تو میرے کو خیال آتا کہ منگل ساؤ نہیں کٹا اور میں سر پکڑ کے بیٹھ جاتا۔ روپ تارا کی یاد ستانے لگتی۔ اسی طرح دو سال بیت گئے ایک دن میں ہلدا ندی کے کنارے لکڑی کے ہاٹ میں بیٹھا حساب کتاب دیکھ رہا کہ میرا بنگالی منیم کالی ناتھ اچانک میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ بھی بول دوں کہ ہم نے ٹھیکے پر لکڑی کے بڑے بڑے تختے جوڑ کر ایک ہاٹ بنا لیا اور چار پانچ خیمے بھی لگا رکھے تھے کیونکہ ٹھیکے پر کام کرنے والے مزدور رات کو وہیں سوتے تھے۔ جنگلی جانوروں

سے بچاؤ کے لئے چاروں طرف کانٹے والے تاروں کا اونچا جنگلہ کھڑا کر دیا تھا تاکہ کوئی، شیر، چیتا، تیندوا سوائے آدمیوں کے پر حملہ نہ کر سکے۔ نارائن ہاٹ تک آنے جانے کے لئے ایک کشتی بھی ہلدا ندی کے گھاٹ سے لگی رہتی تھی۔

کالی ناتھ کو دیکھا تو میرے کو بڑی چنتا ہوئی، اسے ایک ضروری کام کی خاطر چٹاگانگ کے ایک سرکاری محکمے میں بھیجا تھا۔ وہاں کم سے کم چار پانچ دن کا کام تھا اور کالی ناتھ کو اتنے دن وہیں ٹھہرنا تھا۔ میں اسے حیرانی سے دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ بولا۔

''وشال جی! میں نے منگل ساؤ کو چٹاگانگ میں دیکھا ہے وہ بودھ کانفرنس میں بھاگ لینے ان دنوں وہاں آیا ہوا ہے اور اس کے ساتھ ایک بھکشو بھی ہے۔''

یہ بات سن کر میرے کو سب کام دھندا بھول گیا۔ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ ''کیا تمہارے کو وشواس ہے کہ وہ کوئی اور نہیں منگل ساؤ ہے؟''

''میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ رائل ہوٹل میں ٹھہرا ہے، ہوٹل کے مینجر سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا نام منگل ساؤ ہے۔ یہ سنتے ہی میں ادھر بھاگا۔''

پھر کالی ناتھ نے اس کا حلیہ بتایا۔ وہ بالکل منگل ساؤ کا حلیہ تھا، میرے دل میں، دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ سارے کام کاج چھوڑ کے کالی ناتھ کو ساتھ لیا اور نارائن ہاٹ سے ہوتا نذیر ہاٹ کی طرف بھاگا۔ وہاں سے ریل پکڑی اور چٹاگانگ پہنچ گیا مگر بدقسمتی بھی میرے ساتھ ہی بھاگ رہی تھی۔ رائل ہوٹل سے پتہ چلا کہ منگل ساؤ کلکتے چلا گیا ہے، میرے کو تھوڑا سا کھوج مل گیا تھا۔ کالی ناتھ کو واپس ٹھیکے پر بھیج کر میں کلکتہ کو چل پڑا۔ دو دن ادھر بھٹکتا اور ہوٹلوں میں کھوج لگاتا رہا۔ تیسرے دن ایک ہوٹل سے پتہ چلا کہ وہ یہاں ٹھہرا تھا مگر کل کمرہ خالی کر گیا۔ رجسٹر میں اس کا پتہ دیکھنے کے لئے ہوٹل کے بابو کو پانچ روپیہ بیگاری دی مگر یہ جان کر میرے پر بجلی ٹوٹ پڑی کہ اس نے رجسٹر میں اگرتلہ کا پتہ لکھایا تھا جو جھوٹ تھا، اب میرے کو معلوم ہوا کہ وہ اپنے پیچھے اپنا پتہ نشان نہیں چھوڑتا۔ چٹاگانگ کے بعد وہ کلکتہ سے بھی نکل گیا اور اب شاید اسے ڈھونڈنا مشکل تھا وہ آندھی کے جھونکے کی طرح نہ جانے کدھر اڑ گیا تھا۔ اب میرے کو واپس جانا تھا کلکتہ کی بندرگاہ سے جہاز پر بیٹھا اور چٹاگانگ کا رخ کیا۔''

یہاں وشال رائے چند لمحوں کے لئے رک گیا پھر کہنے لگا۔

''کیشپ بابو! اسی جہاز پر تمہارا چاچا چکرورتی سوار تھا، پہلی بار اسے دیکھا مگر میرے کو منگل ساؤ کے نکل جانے کی ایسی چنتا تھی کہ کچھ سوجھتا نہیں تھا، ہر مسافر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتا تھا کہ کہیں وہ منگل ساؤ نہ ہو۔ رات جہاز میں گزاری، سویرے چٹاگانگ پہنچ گیا، جہاز سے اترا تو من میں گھر جانے کی ہوک اٹھی۔ دو مہینے سے گھر نہیں گیا تھا سوچا چٹاگانگ آ

گیا ہوں تو گھر سے ہو کر ٹھیکے پر واپس جاؤں گا۔ پھر کرنافلی کی دریائی بندرگاہ کی طرف ہولیا، جہاں سے رنگامتی کے لئے لانچ چلتی ہے، اپنے کو یہ ہوش بھی نہیں تھا کہ کون آدمی میرے آگے اور کون پیچھے ہے۔ اپنا دھیان تو کہیں اور تھا کہ اچانک ایک بیل گاڑی دکھائی دی جو اتر کی جانب سے سڑک کی طرف بڑھ رہی تھی، اس میں دو آدمی سوار تھے، ایک اس مسافر کو پکار رہا تھا، کچھ کہہ رہا تھا جو میرے سے بہت آگے سڑک پر بھاگا جاتا تھا اور وہ مسافر تمہارا چاچا چکرورتی سہائے تھا جسے جہاز پر دیکھا، اتنے میں بیل گاڑی بھی سڑک پر آگئی، جو تمہارے چاچا کا پیچھا کرنے نکلی تھی اور یہ دیکھ کر اپنی حیرانی کی حد نہ رہی کہ اس میں منگل ساؤ اور اس کا ساتھی بھکشو دونوں سوار تھے، اسے دیکھتے ہی میری آنکھوں میں خون اتر آیا، اچانک منگل ساؤ نے بھی میرے کو دیکھ لیا اور بیل گاڑی سے کود گیا۔ اس نے گاڑی والے کو تمہارے چاچا کا پیچھا کرنے اور روکنے کو کہا اور بھکشو کے ساتھ اسی راستے پر بھاگ نکلا جدھر سے بیل گاڑی آئی تھی۔

دو برس کے بعد اپنے کو منگل ساؤ کی صورت نظر آئی تھی اب وہ میرے سے بچ کے نہیں جا سکتا تھا، میں نے ان کا پیچھا کیا، وہ دونوں ریلوے اسٹیشن کی طرف بھاگ رہے تھے، میرے کو خیال آیا شاید ریل پر بیٹھ کر چٹاگانگ سے نکل جانا چاہتے ہیں، میں نے ان کو اسٹیشن پر پہنچ جانے کا موقع دیا اور دوسرے راستے سے اسٹیشن کی طرف ہولیا، وہ یہ سمجھے میرے سے پیچھا چھوٹ گیا مگر میں ان سے پہلے اسٹیشن پر پہنچ گیا اور معلوم کیا کہ لکشم اور چاندپور کو جانے والی گاڑی میں ڈیڑھ گھنٹہ پڑا ہے مگر نذیرہاٹ کی طرف جانے والی ریل پلیٹ فارم پر تیار کھڑی ہے، اسی سمے میرے کو منگل ساؤ اور بھکشو آتے دکھائی دیئے۔ نذیرہاٹ کے ٹکٹ لے کر وہ ریل میں سوار ہو گئے میں نے ان کو پریشان نہیں کیا اور چپکے سے آخری ڈبے میں بیٹھ گیا۔

ریل نذیرہاٹ پہنچی تو یہاں بھی انہیں پلیٹ فارم سے نکلنے کا موقع دیا۔ منگل ساؤ ایک ریلوے قلی سے کچھ پوچھتا رہا پھر بھکشو کے ساتھ باہر چلا گیا۔ میرے کو صرف ایک روپیہ کے بدلے قلی سے معلوم ہو گیا کہ منگل ساؤ یہاں سے رام گارتھ جانے کی نیت رکھتا ہے، اس نے قلی سے رام گارتھ جانے والی کسی سواری کے بارے میں پوچھا تھا۔ قلی نے بول دیا کہ نارائن ہاٹ تک تو کوئی لاری یا بیل گاڑی مل جائے گی مگر آگے کوئی سواری نہیں ملے گی۔ اس واسطے کہ بیل گاڑی والے گھنے جنگل میں سفر کرنے سے ڈرتے ہیں۔ اچانک میرے کو یاد آیا کہ آج رات رام گارتھ میں درگاہ دیوی کا تہوار ہے اور لوگ اس تہوار کو دیکھنے جاتے ہیں رام گارتھ چائے کے باغات کے واسطے مشہور ہے۔ وہاں زیادہ ہندو لوگ بستے ہیں جو درگا دیوی اور گنیش جی کی پوجا کرتے اور درگا کا تہوار بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ منگل ساؤ نے سوچا ہو گا وہ رام گارتھ سے ہوتا ہوا تری پورہ کی ریاست میں نکل جائے گا۔

یہ بھی بتا دوں کے چٹاگانگ سے رام گارتھ اڑتیس چالیس میل دور ہے۔ نارائن گنج سے آگے بڑے ہی گھنے جنگل ہیں، جگہ جگہ دلدلیں اور جھیلیں ہیں۔ درندے جنگلی جانور اور سانپ بہت ہیں، گھنے جنگلوں کے بیچ سے ایک سڑک رام گارتھ کی طرف جاتی ہے اور اس سڑک کے دونوں کناروں پر گھنے درخت اور بانسوں کے جھنڈیوں گڈمڈ ہو گئے ہیں، جیسے دیواریں کھڑی کر دی گئی ہوں۔ وہ دیواریں اتنی گھنی ہیں کہ کوئی درندہ ان سے گزر کے سڑک پر نہیں آ سکتا پھر بھی اس راستے پر سفر کرنا آسان نہیں۔ میں سوچنے لگا اگر منگل ساؤ نے رام گارتھ میں درگا کا تہوار دیکھنے کا تہیہ کر لیا ہے تو ضرور اسی راستے سے جائے گا اور میں منگل ساؤ کو ادھر گھیر سکتا تھا۔

ریلوے اسٹیشن سے باہر آیا تو دیکھا منگل ساؤ اور بھکشو ایک بیل گاڑی میں بیٹھ کر نارائن ہاٹ کے راستے پر ہو لئے تھے اب یہ فیصلہ کرنا مشکل نہ تھا کہ میرے کو کیا کرنا چاہیے، میں جنگل کا راستہ چھوڑ کر ہلدا ندی کے گھاٹ پر پہنچا اور ایک ناؤ کا بندوبست کیا۔ بنگال اور آسام کے مانجھی بہاؤ کے خلاف بھی بڑی تیز کشتیاں چلاتے ہیں پھر میں نے تو بول دیا تھا کہ میرے کو بہت جلد ہلدا ندی کے اتری جنگل میں ٹھیکے پر جانا ہے۔ ناؤ جتنی تیز چلاؤ گے اتنے ہی زیادہ دام دوں گا، مانجھی ناؤ کو لے اڑے، نارائن ہاٹ صرف چھ میل پر تھا مگر میں وہاں رکا نہیں۔ نارائن ہاٹ کے پاس سے ہلدا ندی پورب کی طرف مڑ جاتی ہے، ناؤ نے میرے کو ڈیرے پر لا اتارا۔

کالی ناتھ نے دیکھا تو بھاگا آیا، ٹھیکے کی طرف چلتے چلتے میں نے اسے سب کچھ بتایا اور یہ بھی بول دیا کہ اب اپنے کو کیا کرنا ہے۔ شام ہو رہی تھی اور ایک پل کی دیر بھی کام بگاڑ سکتی تھی۔ اپنے ہاٹ پر پہنچ کے میں نے ایک "داؤ پکڑا" کالی ناتھ نے اپنی دونالی اٹھالی۔ وہ بولا۔

"وشال جی! کریم کو ساتھ لے لو۔ جنگل کا کیڑا اور خطرے کی بو دور سے سونگھ لیتا ہے، کلہاڑی بھی بہت اچھی چلاتا ہے۔"

میرے کو کالی ناتھ کی بات بھا گئی، کریم میرے ٹھیکے پر کام کرتا اور بھروسے کا آدمی تھا، اس کے پاس چوڑے اور لمبے پھل والی کلہاڑی تھی جسے اپنے بچاؤ کے لئے پاس رکھتا تھا، سوچا رات کا سمے ہے جنگل میں دو کی بجائے تین بھلے، میری آواز پر کریم نے اپنی کلہاڑی پکڑ لی اور ہمارے ساتھ ہولیا۔

ٹھیکے کے آس پاس درختوں کی کٹائی سے جنگلی جانور پرے چلے گئے اور کبھی کبھار ہی ادھر آتے تھے۔ ہم کو گھنے جنگل سے گزر کر پچھم کی طرف رام گارتھ کو جانے والی سڑک پر پہنچنا تھا۔ یہ جنگل اپنے دیکھے بھالے تھے یہ بھی معلوم تھا کہ دلدل، جوہڑ کہاں کہاں ہیں۔ کالی ناتھ ایک ایسی جگہ جانتا تھا جہاں درختوں اور بانسوں کے گھنے جھنڈ میں ایک شگاف تھا اور ہم اس شگاف سے گزر کے سڑک پر پہنچ سکتے تھے جہاں میرے کو منگل ساؤ کا سواگت کرنا تھا، ایک میل تک

گھنے جنگل کے اندھیرے میں چلنے کے بعد ہم اس جگہ پہنچ گئے اور آگے پیچھے شگاف سے گزر کے سڑک پر آ گئے، راستے میں کوئی درندہ نہیں ملا ہاں درختوں پر بندر ''خوخو'' کرتے رہے۔

آکاش پر چاند روشن تھا مگر جنگل تاریک اور گھنے، اونچے درختوں کی دیواروں میں گھری سڑک بھی اندھیرے کی چادر میں لپٹی تھی، کیوں؟ اس واسطے کہ سڑک کی دونوں جانب کھڑے درختوں کی شاخیں اوپر جا کے آپس میں مل گئی تھیں اور چاندنی کو اوپر ہی روک لیتی تھیں۔ بس ان گھنی شاخوں سے چھن کر آنے والی روشنی سے سڑک پر کہیں کہیں کچھ آڑی ترچھی سفید لکیریں اور کچھ روشنی کے دھبے دکھائی دیتے تھے۔ یہ سڑک گھنے جنگلوں کے بیچوں بیچ ایک سرنگ سی معلوم ہوتی تھی اور ہمارے کو یہاں گھات لگا کے بیٹھنے میں کوئی مشکل نہیں تھی، ہم تینوں نے بڑ کے ایک بوڑھے پیڑ کے نیچے گھات کی جگہ ڈھونڈ لی۔ میں نے کالی ناتھ کو بول دیا کہ کچھ بھی ہو وہ بندوق نہیں چلائے گا کیونکہ رات کو جنگلوں کے سناٹے میں بندوق کی آواز دور دور تک سنائی دیتی ہے، اسے بندوق اور کریم کو اپنی کلہاڑی دکھا کر صرف بیل گاڑی کو روکنا، منگل ساؤ اور اس کے بھکشو ساتھی کو گاڑی سے نیچے اتارنا پھر گاڑی والے کو بیل گاڑی کے ساتھ وہیں سے واپس بھیج دینا ہوگا، اگر کوئی جنگلی درندہ حملہ کر دے تو کالی ناتھ اس پر فائر کر سکتا تھا۔ ابھی اسے سمجھا ہی رہا تھا کہ کریم دھن کی طرف ہاتھ اٹھا کے دھیرے سے بولا۔

''کوئی سڑک پر آ رہا ہے۔''

میری اور کالی ناتھ کی نظریں بھی سڑک پر دوڑ گئیں۔ اندھیرے میں دو سائے دکھائی دیئے، ذرا قریب آئے تو میں نے پہچان لیا، ایک منگل ساؤ دوسرا بھکشو تھا اور میرے کو اس بات پر بڑی حیرانی ہوئی کہ اکا دکا آدمی تو دن کو بھی اس خطرناک راستے پر سفر نہیں کرتے مگر وہ دونوں رات کے سمے پیدل ہی رام گارتھ جا رہے تھے، سوچا کہ بیل گاڑی والے نے نارائن ہاٹ سے آگے جانے سے انکار کر دیا ہوگا اور وہ درگا دیوی کے تہوار کی لگن میں پیدل ہی چل پڑے۔ اچانک میرے کو خیال آیا کہ کوئی ان دیکھی طاقت منگل ساؤ کو میری طرف ہانک رہی ہے اور دو برس پہلے اس نے روپ تارا کو میرے سے چھین کر جو اپرادھ کیا تھا اس کا بدلہ لینے کی گھڑی آ گئی ہے۔

جونہی وہ ہماری گھات پر آئے ہم تینوں چیتوں کی طرح لپک کر سڑک پر پہنچ گئے اور انہیں آگے پیچھے سے گھیر لیا۔ سڑک کے اندھیرے میں منگل ساؤ میرے کو پہچان نہ سکا، وہ سمجھا کہ ہم جنگل کے لٹیرے ہیں اور انہیں لوٹنے آئے ہیں، کہنے لگا۔

''ہمارے پاس بڑی رقم نہیں، سو پچاس روپے ہوں گے۔''

میں نے زہر میں بجھا ہوا ''داؤ'' اونچا کیا اور پوچھا۔

''منگل ساؤ! روپ تارا کہاں ہے؟''

میری آواز اس پر بجلی کے موافق گری۔ وہ اپنی طرف سے میرے کو چٹا گانگ میں چھوڑ آیا تھا، یہاں دیکھا اور ''داؤ'' کا چمکتا پھل نظر آیا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ بھاگ بھی نہیں سکتا تھا آگے پیچھے کالی ناتھ اور کریم بندوق اور کلہاڑی لئے کھڑے تھے، ڈر کے مارے کانپنے لگا، جیب تالو کو لگ گئی کوئی جواب نہ دے سکا، میں نے پھر پوچھا۔

''روپ تارا کہاں ہے؟''

وہ کانپتی آواز میں بولا۔

''روپ تارا کے بدلے میں جتنا روپیہ چاہتے ہو لے لو۔''

''روپیہ نہیں میرے کو روپ تارا چاہیے۔''

معلوم نہیں اس کے اندر یکا یک شکستی کہاں سے آ گئی، کہنے لگا۔

''روپ تارا تمہیں نہیں مل سکتی۔ وہ بھگوان کی نرتکی بن چکی ہے سودا کرنا چاہو تو کر لو۔''

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ''مورکھ! بھائی بہنوں کا سودا نہیں کرتے۔ اگر تو روپ تارا کو واپس کر دے تو تیری سزا کم کر دوں گا۔''

''اب وہ موہ مایا کے سنسار میں واپس نہیں آئے گی۔''

''کیوں نہیں آئے گی...... وہ ہے کہاں؟''

''تمہاری پہنچ سے بہت دور پہنچ بھی جاؤ تو اسے واپس نہیں لا سکتے۔''

اس کی بک بک سن کر میرے کو غصہ آ گیا۔ ''آخری بات بولتا ہوں روپ تارا کو واپس کرے گا یا نہیں؟''

منگل ساؤ چپ ہو گیا پھر نہیں بولا جس پر میرا ''داؤ'' چل گیا مگر ٹھیک اسی سمے بھکشو اچھل کر اس کے آگے آ گیا اور میرے داؤ کا پھل اس کا پیٹ کاٹتا ہوا نکل گیا۔ وہ آخری چیخ آخری آواز نکال کر منگل ساؤ کے پیروں میں ڈھیر ہو گیا۔ میرے کو بھکشو سے کوئی بیر نہیں تھا مگر وہ خود موت کے منہ میں آیا۔ بھکشو کی لاش دیکھ کر منگل ساؤ کے پران بھی ہوا ہو گئے۔ ابھی میں اس پر ''داؤ'' چلانے ہی والا تھا کہ بڑ کے اونچے تنے سے ایک کالی بلا ہمارے سروں کے اوپر کودی اور میرا ہاتھ بہک گیا۔ ''داؤ'' کا پھل منگل ساؤ کے کندھے کو چیر گیا مگر وار کاری نہ تھا وہ مجھے کاوا دے کر بھاگا۔

کالی ناتھ اور کریم بوڑھے درخت سے کودنے والی کالی بلا دیکھ کر گھبرا گئے وہ ایک کالا چیتا تھا جو درختوں پر چڑھ جاتا اور گھات لگا کے حملہ کرتا ہے، کودتے وقت اس کا ایک پنجہ میرے بائیں کندھے پر پڑا اور میرے کو ایک طرف لڑھکا دیا۔ کالی ناتھ بندوق نہیں چلا سکتا تھا کیونکہ چیتا میرے اوپر اور میں بھکشو کی لاش پر گرا تھا مگر میں بڑی تیزی اور پھرتی کے ساتھ پرے ہٹ گیا

اور چیتا غصے میں بھکشو کی لاش جھنجھوڑنے لگا میرے ہٹتے ہی کریم کی کلہاڑی اس پر چل گئی وہ وار کھا کے اچھلا پر کریم کی کلہاڑی کے دوسرے وار نے اسے پھر اٹھنے نہیں دیتا خون میں لت پت وہیں تڑپنے لگا۔

اسی افراتفری اور گھبراہٹ میں منگل ساؤ کو بھاگنے کا سمے مل گیا۔ اب سڑک پر اس کی پرچھائیں بھی دکھائی نہ دی، بس دوڑتے قدموں کی مدھم سی آہٹ تھی جو دور، بہت دور ہوتی جا رہی تھی۔ صرف گولی اس کا پیچھا کر سکتی تھی مگر کالی ناتھ اور کریم دونوں اسے بھول کر میرے کو دیکھنے لگ گئے میرے کندھے پر گھاؤ آیا تھا اور چیتے کے نوکیلے پنجے نے تھوڑی سی کھال ادھیڑ دی تھی جس میں چنگاریاں سی بھر گئی تھیں میرے کو اپنے زخمی ہونے کا نہیں، منگل ساؤ کے نکل جانے کا افسوس تھا مگر یہ وشواس بھی کہ جو گھاؤ اسے میں نے لگایا ہے وہ بھرنے کا نہیں۔ میرے "داؤ" کا لوہا زہر میں بجھا ہوا تھا اور زہر بڑا قاتل تھا۔

اب بھکشو کی لاش ٹھکانے لگانا ضروری تھا، رام گارتھ کی طرف جانے والی سڑک پر یہ حادثہ اپنے ٹھیکے سے صرف ایک میل دوری پر ہوا تھا اس لئے پولیس ہمارے سے پوچھ پچھ کرتی ہم نے چیتے کی لاش وہیں پڑی رہنے دی مگر بھکشو کی لاش اسی شگاف کے راستے جس سے گزر کر سڑک پر آئے تھے، گھنے جنگل میں اٹھا لائے اور وہیں بانسوں کے بڑے جھنڈ کے پاس گڑھا کھود کر دبا دی۔

دوسرے دن سورج چڑھتے ہی ہم تینوں پھر سڑک پر پہنچ گئے تاکہ مردہ چیتے کو اپنے ڈیرے پر اٹھا لائیں اور اس کی کھال اتاریں پر ہمارے کو لاش اٹھانے کی جلدی نہیں تھی۔ اتنی دیر میں تین چار بیل گاڑیوں پر ہندو یاتریوں کا ایک قافلہ رام گارتھ سے آتا دکھائی دیا تو مردہ چیتے کو بانسوں سے باندھ کر اٹھا لیا۔ نارائن ہاٹ کی جانب سے ایک جیپ بھی آئی اور یہ تماشا دیکھ کر رک گئی۔

پہلے تو ہمارے کو وہم ہوا کہ شاید پولیس کی جیپ ہے مگر انڈیا نا کمپنی کے کچھ لوگ رام گارتھ میں چائے کے باغات پر جا رہے تھے۔ ان کے پوچھنے پر بول دیا کہ یہ کالا چیتا بہت خطرناک اور جنگل میں درخت کاٹنے والے مزدوروں کو تنگ کرتا تھا۔ رات کو پیچھا کر کے اسے مار دیا گیا میرے زخمی کندھے پر بندھی پٹی اس بیان کی گواہی دے رہی تھی۔ اس طرح یہ حادثہ ایک خونی درندے کے شکار سے آگے نہیں بڑھا، نہ جانے کیوں اپنے کو یہ تسلی تھی کہ منگل ساؤ نہ پولیس میں جائے گا نہ بھکشو کی لاش اٹھوانے آئے گا اور یہی ہوا، وہ میرا دوشی تھا اور میرے سے ڈرتا تھا۔ گھاؤ کھا کر بنگال کی دھرتی سے نکل گیا، پھر میرے کو کبھی دکھائی نہیں دیا۔"

یہ قصہ سنانے کے بعد وشال رائے کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا پھر ذرا سانس درست

کر کے بولا۔

"کیشپ بابو! یہ قصہ تمہارے کو اس واسطے سنایا ہے جب میں نے بولا تھا منگل ساؤ سے اپنی دشمنی تھی تو سچ بولا تھا، جبھی آٹھ برس پہلے چٹا گانگ میں اسے بیل گاڑی سے اتر کے بھاگتے دیکھ کر میرے کو اس کے پیچھے بھاگنا پڑا اور یہ معلوم کرنے کا موقع نہ مل سکا کہ تمہارے چاچا کے ساتھ کیا بیت گئی۔ اگر میرے کو منگل ساؤ کا پیچھا نہ کرنا ہوتا تو ضرور میں گاڑی والے کو روکتا اور چکرورتی سہائے کو گھائل ہونے سے بچا لیتا پر اپنے دوشی کو دیکھ لینے کے بعد میرے کو کچھ نہ سوجھا اور اس کے پیچھے بھاگ نکلا۔ اب تمہارے کو وشواس ہو جانا چاہئے کہ تمہارے چاچا کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں اور میں نردوش ہوں۔"

اس کی کہانی سن کر مجھے اور بھی افسوس ہوا کہ خواہ مخواہ اس پر شک کیا اور گستاخی سے پیش آیا مگر روپ تارا کے اغواء، پروہت گنجال کی پراسرار شکتی اور منگل ساؤ کے عجیب و غریب کردار کا حال جان کر ساؤ گاری کے بارے میں میرے شکوک کچھ اور بڑھ گئے اور یہ شبہ یقین تک پہنچ گیا کہ پروہت گنجال وہاں ناچ پوجا کی آڑ میں کوئی بھیانک ناٹک کھیل رہا ہے۔ جل پنا کی طرح اس نے روپ تارا پر بھی یہی شرط عائد کی تھی کہ "بھگوان کی نرتکی" بن کر وہ سدا کنواری رہے گی اور موہ مایا کے سنسار میں واپس نہیں جائے گی۔ آخر اس شرط میں کیا بھید ہے؟

بار بار سوچا مگر مجھے اس راز کی گرہ نہیں مل رہی تھی جس کی خاطر دس برس پہلے روپ تارا کو کرتلہ سے اغوا کیا گیا اور اس اغوا کے نتیجے میں منگل ساؤ کے ساتھ ایک بھکشو کی جان بھی گئی۔ یقیناً وہ کوئی بہت ہی گہرا بہت ہی حیرت انگیز، بہت ہی بھیانک راز تھا۔



میں نے وشال رائے کو یقین دلایا کہ اب میرے دل میں اس کی طرف سے کوئی میل نہیں جو کچھ ہوا غلط فہمی میں ہوا اور وہ چونکہ منجوری کے ناتے میرے بزرگ کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے میری گستاخی پر مجھے شما کر دے، وشال رائے کہنے لگا۔

"کیشپ بابو! میرے کو تمہارے سے کوئی شکایت نہیں، صرف اپنی قسمت سے شکایت ہے کہ بہن کھو بیٹھا اور اسے دوبارہ نہ مل سکا، تم نے میرے سے جو کچھ پوچھا وہ سچ سچ بول دیا۔ اب میں تمہارے سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، کیا تم بھی سچ سچ بتاؤ گے تمہارے کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی تھی کہ آٹھ برس پہلے جب منگل ساؤ رام گارتھ کی طرف جا رہا تھا، جنگل میں اس پر داؤ سے حملہ ہوا اور وہ داؤ زہر میں بجھا ہوا تھا اور بھکشو تو وہیں مر گیا پر منگل ساؤ بھاگ نکلا اور تیسرے دن اسی زہر کی وجہ سے مرا تھا؟"

میں جانتا تھا وہ یہ سوال ضرور کرے گا کیونکہ تھوڑی دیر پہلے میں نے جنگل کے واقعے کا

انکشاف کر کے اسے حیران و ششدر کر دیا اور ضروری تھا کہ اپنی کہانی سنانے کے بعد وہ میرا بیان سننے کی خواہش کرے۔ میں پریشان تھا کہ اسے ساؤ گاری کے واقعات سے آگاہ کرنا مناسب بھی ہوگا یا نہیں۔ میں نے پہلوتہی کی کوشش کی۔

''اب اس بات سے کیا حاصل کہ منگل ساؤ پر حملے کی بات مجھے کس طرح معلوم ہوئی۔''

''کچھ حاصل ہو یا نہ ہو پر میرے کو اپنی چنتا دور کرنی ہے۔ منگل ساؤ پر حملے کی بات میرے کالی ناتھ اور کریم کے سوا کسی چوتھے آدمی کو معلوم نہ تھی، پھر تمہارے کو کیسے معلوم ہوگئی؟''

''تم بھول رہے ہو وشال رائے! ایک چوتھا آدمی بھی یہ بات جانتا تھا۔''

''کون؟'' اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''وہ چوتھا آدمی خود منگل ساؤ تھا اور اس نے مرنے سے پہلے گھر والوں کو بتا دیا تھا کہ اس پر حملہ رات کو جنگل میں ہوا تھا جب وہ اپنے ساتھی بھکشو کے ساتھ چٹا گانگ سے رام گارتھ جا رہا تھا۔ میں نے تھوڑا سا جھوٹ بھی بولا۔

''اس نے گھر والوں کو میرا ناؤں بھی بتایا تھا؟''

''نہیں...... تمہارا نام بتایا نہ حملے کی وجہ بیان کی۔''

''اور تمہارے کو یہ ساری باتیں اس کے گھر والوں سے معلوم ہوئیں؟''

''ہاں۔'' میں نے اس اقرار میں کچھ اضافہ بھی کر دیا۔ ''اگر ان لوگوں کو یہ پتہ چل جاتا کہ قاتل کون ہے تو اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالتے لیکن منگل ساؤ نے کسی کو بھی قاتل کا نام نہیں بتایا تھا، اسی لئے تم آج تک زندہ ہو۔''

وشال رائے کی حالت دیکھنے والی تھی، چہرے پر حیرت اور خوف کے شدید اثرات اس طرح گڈمڈ ہو رہے تھے، جیسے شراب میں سوڈا ملانے سے اس کی رنگت بدلنے لگتی ہے۔ اس نے اپنے خوف پر قابو پا لیا مگر حیرت اور بے چینی بڑھ گئی اور مجھے عجیب سی نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''کیا تم منگل ساؤ کے گھر والوں کو جانتے ہو؟''

میں نے انکار مناسب نہ سمجھا۔ ''ہاں جانتا ہوں صرف گھر والوں کو نہیں جانتا، اس بودھ مندر کو بھی دیکھ چکا ہوں جہاں ناچ پوجا ہوتی ہے۔''

وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ ''پھر تم نے روپ تارا کو بھی دیکھا ہوگا۔''

وشال رائے اپنی بہن کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ اسے بے چین دیکھ کر میرے دل پر چوٹ لگی۔ روپ تارا کا غم تازہ ہو گیا۔ وشال رائے سے کیا کہتا مگر اسے اندھیرے میں بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا، صاف صاف کہہ دیا۔

''میں نے روپ تارا کو نہیں دیکھا اور اب تم بھی کبھی نہیں دیکھ سکو گے۔''

''کیوں نہیں دیکھ سکوں گا، وہ میری بہن ہے، میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔''

''اس لئے نہیں دیکھ سکو گے کہ اب وہ دنیا میں نہیں رہی، جب میں ساؤ گاری پہنچا۔ اس کا دیہانت ہو چکا تھا۔''

یہ سن کر اس کے ہونٹوں پر کرب آمیز سسکی تڑپی اور وہ ایک لٹے ہوئے جواری یا ڈوبی ہوئی ناؤ کے مانجھی کی طرح نڈھال سا ہو کر کرسی پر ڈھیر ہو گیا وشال رائے کے لئے روپ تارا اسی رات مر گئی تھی جب منگل ساؤ اور پروہت گنجال اسے اگرتلہ سے پراسرار طور پر لے بھاگے تھے اور وہ اس کی ''زندہ ارتھی'' کاندھوں پر اٹھائے منگل ساؤ کو ڈھونڈتا رہا، پھر بھی جب میری زبان سے بہن کے مرنے کی خبر سنی اس کا دل صدمے سے پگھل گیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور جسم پر عجیب سی کپکپی طاری ہو گئی۔ خود میرے دل پر ایک نیا بوجھ آ پڑا تھا کہ وشال رائے بھی ساؤ گاری کے پراسرار حالات کا شکار ہوا ہے، اٹھ کر اسے تسلی دینے لگا۔

''اب رونے سے کیا ہوگا، روپ تارا کو سورگ باش ہوئے دو سال ہو چکے ہیں''

''مگر وہ مری کیسے؟ ضرور مرنے سے پہلے اس نے میرے کو یاد کیا ہوگا۔''

وشال رائے کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی اور ایک مجبور و بے بس بھائی کے تڑپتے دل کی آواز تھی جس نے مجھے ہلا دیا، میں نے بتایا۔

''یہ تو میں نہیں جانتا کہ وہ کیسے مری۔۔۔ بس مر گئی بے چاری، ضرور اس نے تمہیں یاد کیا ہوگا مگر اس کے مرنے کے بعد دو سال تک ساؤ گاری کے مندر میں ناچ پوجا کی گھنٹیاں نہیں بجیں۔''

میں اس کی حالت کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ وہ چند لمحے تڑپتا سسکتا اور آنسو بہاتا رہا، پھر اس نے دھوتی کے پلو سے آنسو پونچھے اور میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی بھیگی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی، کہنے لگا۔

''کیشپ بابو! میرے کو اس بات سے کوئی مطلب نہیں کہ تم منگل ساؤ اور اس کے گھر والوں کو کیسے جانتے ہو اور تمہارا ان سے کیا واسطہ ہے پر ایک بات بتا دو تو میرے پر بڑا احسان ہوگا۔''

''کون سی بات؟''

''صرف اتنا بول دو، منگل ساؤ کے گھر والے کہاں رہتے ہیں اور ان کے پریوار میں کوئی جوان لڑکی بھی ہے یا نہیں۔''

میں اس کے آخری الفاظ سن کر بری طرح چونک گیا۔ ''لڑکی کا کیوں پوچھتے ہو؟''

''جس طرح منگل ساؤ نے روپ تارا کو چھین کر میرے کو تڑپایا اسی طرح میں لڑکی چھین کر

اس کے گھر والوں کو تڑپاؤں گا تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ کسی لڑکی کو اس کے بھائی یا پریوار سے جدا کر دینے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔''

وشال رائے کے بجھے ہوئے دل کی راکھ میں نئے انتقام کی چنگاری بڑی تیزی کے ساتھ چمک اٹھی تھی۔ میں اس کے جذبہ انتقام پر دنگ رہ گیا اور بولا۔

''وہ لڑکی جسے تم اٹھا لاؤ گے، روپ تارا کی طرح نردوش اور مظلوم ہوگی۔''

''اتنی سمجھ میرے کو بھی ہے مگر پاپ کا بدلہ تو پاپ ہی ہوگا۔''

''منگل ساؤ کو اپنے کئے کی سزا مل گئی، وہ تمہارے زہریلے داؤ کے زخم سے ہلاک ہو چکا۔ اس کے گھر والوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ انہیں سزا دینا چاہتے ہو۔''

''وہ بھی ہتھیارے اور پاپی ہیں۔'' وہ نفرت سے بولا۔ ''اگر ان کے دل میں دیا ہوتی تو منگل ساؤ کے مر جانے کے بعد روپ تارا کو چھوڑ دیتے مگر انہوں نے اسے نرتکی بنائے رکھا، اب تو میرے کو اسی وقت چین آئے گا جب اس پریوار کی کسی لڑکی کو اٹھا لاؤں گا۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''کیوں نہیں کر سکتا، کون روکے گا میرے کو؟''

''پولیس، کیونکہ تم قانون کی دنیا میں رہتے ہو۔''

''مگر پولیس نے منگل ساؤ اور اس کے گھر والوں کو کیوں نہیں پکڑا جنہوں نے میری بہن کی جیون ہتھیا کی۔''

''وہ مہذب دنیا سے دور ایک پہاڑی ویرانے میں رہتے ہیں جہاں کوئی قانون، کوئی پولیس نہیں۔'' میں نے اسے ساؤ گاری کے خطرات سے بھی آگاہ کر دیا۔ ''تم ساؤ گاری سے زندہ نہیں لوٹ سکتے۔ وہ ایک قلعہ نما مضبوط عمارت ہے جس میں داخل ہونے کا دروازہ تو ہے مگر باہر نکلنے کا کوئی دروازہ نہیں کیونکہ پروہت گنجال اس عمارت کی نگرانی کرتا ہے۔''

وہ اچھل پڑا۔ ''کیا گنجال زندہ ہے؟''

''ہاں اور ساؤ گاری میں ناچ پوجا کا ناٹک وہی رچاتا ہے۔''

''کچھ بھی ہو میرے کو اس کا ادھار چکانا ہے، وہ داؤ جس نے منگل ساؤ کی جان لی، پروہت گنجال کا لہو بھی پی جائے گا۔''

''تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، وہ چیتے سے زیادہ چالاک اور سانپ سے زیادہ خطرناک ہے اور بہت سے آدمی اس کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں۔''

وشال تڑپ کر بولا۔ ''پھر میرے کو کیا کرنا چاہئے؟''

''سمے کا انتظار کرو۔''

''سمے نے تو ہمیشہ اپنے کو دھوکہ دیا ہے۔''

اچانک اندر کے تھارو کیشپ نے ایک عجیب سی بات میرے کان میں پھونک دی مگر میں حیران تھا کہ اسے زبان پر کیسے لاؤں، میں جانتا تھا وشال رائے وہ بات سن کر حیران و ششدر رہ جائے گا، آخر ہمت سے کام لے کر کہا۔

''گنجال سے بدلہ لینے کی ایک صورت میرے ذہن میں ہے۔''

اس نے بڑی بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''کیا صورت ہے؟''

میں دل کی بات زبان پر لے آیا۔ ''منگل ساؤ کی ایک جوان پوتی ہے سندر متی، میں اسے اپنے پریم کا وشواس دلا کر گنجال کا ناش کر سکتا ہوں مگر اس کے ساتھ وشواس گھات نہیں کر سکتا، بیاہ کر لوں گا، تمہیں سوچنا یہ ہے کہ میں تمہاری بیٹی منجوری کا منگیتر اور ہونے والا پتی ہوں، اسے بھی نہیں چھوڑ سکتا، وہ میرے جیون کی روشنی ہے۔''

وشال دم بخود رہ گیا اور مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے لوگ پاگلوں کو دیکھتے ہیں۔ ''کہیں تمہارا بھیجا تو نہیں پھر گیا۔ سندر متی سے بھی بیاہ کرو گے اور منجوری سے بھی، سماج کیا کہے گا۔ یہ نہیں جانتے؟''

میرے اندر کا تھارو کیشپ بول پڑا۔ ''تم نے بھی دو خون کئے تھے، بودھ بھکشو اور منگل ساؤ کی جان لی تھی، اس پر قانون کیا کرے گا، یہ نہیں جانتے۔؟''

میری زبان سے یہ الفاظ سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ غالباً سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں اس کے اقبال جرم کو اس زاویے سے پیش کروں گا۔ پریشان سے لہجے میں کہنے لگا۔

''منگل ساؤ اور بھکشو کو گھنے جنگل میں گھیرنے اور ان پر حملہ کرنے کی بات بول کر میں نے اپنا نیائے تمہارے کو دے دیا تھا، اپنی گردن تمہارے سپرد کر دی تھی مگر میرے کو یہ معلوم نہ تھا کہ تم میری کمزوری سے اس طرح لابھ اٹھاؤ گے۔ میرے کو اس طرح دھمکی دو گے۔''

''یہ کوئی لابھ ہے نہ دھمکی، صرف ایک ضرورت یا مجبوری ہے۔''

''کیسی مجبوری؟''

میں وضاحت کرنے لگا۔ ''منگل ساؤ بے شک تمہارا دوشی تھا جو روپ تارا کو دور پہاڑوں پر لے گیا اور وہ بے چاری ساؤ گاری میں تڑپ تڑپ کر، سسک سسک کر مر گئی مگر تم یہ نہیں جانتے تمہارا اصل مجرم پروہت گنجال ہے، اسی کی پراسرار قوت کا شکار ہو کر روپ تارا اپنے پیروں پر چلتی چپ چاپ تمہیں چھوڑ گئی۔ وہ اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اپنے ہوش میں نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے تم نے روپ تارا کو بھی دوش دیا ہو مگر اس رات وہ گنجال کی آنکھوں سے دیکھتی تھی، تم یہ بات نہیں سمجھ سکو گے کہ ایسا کس طرح ہوا مگر ایسا ہو گیا تھا۔ دنیا میں بہت سے

اسرار ایسے ہیں جنہیں لوگ نہیں سمجھ سکتے، پروہت گنجال دوسروں پر نیند طاری کر دیتا اور انہیں انہوں سنے سپنے دکھا سکتا ہے اگر اس کا ناش نہ کیا گیا تو نہ جانے وہ روپ تارا کی طرح کتنی لڑکیوں کا جیون برباد کر دے گا اور وہ ناچتے ناچتے دم توڑ دیں گی۔ میں نے ساؤ گاری کا ''کتی گھر'' دیکھا ہے جہاں روپ تارا کی بے چین آتما بھٹکتی اور تڑپتی پھر رہی ہے، میرے کانوں نے اس کی فریاد سنی ہے کہ پروہت گنجال عورت کے سؤرگ کا سانپ ہے، اسے کچل دو تا کہ کوئی دوسری روپ تارا اس کے زہر کا شکار نہ ہو سکے اور میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ روپ تارا کی بے چین آتما کو شانتی دینے کے لئے اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک پروہت گنجال کو کیفر کردار تک نہیں پہنچا دیتا مگر وشال رائے! سندرمتی کے ساتھ ناتا جوڑے بغیر میں ساؤ گاری میں جا سکتا ہوں نہ گنجال کا ناش کر سکتا ہوں، اگر میں منجوری کے ساتھ سندرمتی کو بھی جیون ساتھی بنا لینا چاہتا ہوں تو اسے کوئی لابھ یا دھمکی نہ سمجھو یہ تو اس عظیم طاقت کا اشارہ ہے جسے لوگ قدرت یا بھگوان کہتے ہیں اب فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں کہ ساؤ گاری کے شیطان کو ختم کرنے کے لئے میرا ساتھ دیتے ہو یا نہیں مگر سماج کے ڈر سے کوئی غلط فیصلہ نہ کرنا، پہلے تمہیں سماج نے کون سا سکھ دیا ہے جسے اب وہ چھین لے گا۔''

وشال رائے نے میری بات اچھی طرح سمجھ لی۔ اس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں آگے پیچھے بھاگتی رہیں۔ یک لخت وہ کرسی سے اٹھا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''کیشپ بابو! میں پروہت گنجال کو نہیں سمجھا تھا، تمہارے کو بھی نہیں سمجھا مگر تم نے بھگوان کی سوگند کھائی اور بولا ہے کہ روپ تارا کی بھٹکتی آتما کو شانتی دینے کی خاطر گنجال کا ناش کرنا ضروری ہے تو میں تمہارے کو قول دیتا ہوں کہ اس کام کے واسطے ایک نہیں اگر دو بیٹیاں بھی ہوتیں تو دونوں تمہارے کو بھینٹ کر دیتا۔ رہی سماج کی بات تو میرے کو سماج سے کچھ لینا دینا نہیں، اگر کہتے ہو تو ابھی منجوری کو بلا کر تمہارے سامنے سب کچھ بول دیتا ہوں، ہم چکمہ لوگ جب قول دیتے ہیں، اسے پورا کرتے ہیں۔''

ابھی میں اس مسرت انگیز حیرت سے دوچار تھا جو وشال رائے کا جواب سن کر ہوئی کیونکہ میرا خیال تھا شاید وہ میرے دوسرے لگن کی شرط منظور نہ کرے مگر اس نے دوسرے لگن کی آگیا دے کر مجھے حیران سا کر دیا اور اسی اثناء میں منجوری کو آواز دے دی وہ پہلے کی طرح بھاگی بھاگی آئی کہ نہ جانے اب کیا ہو گیا ہے مگر ہم دونوں کو اچھی حالت میں دیکھ کر مطمئن سی ہو گئی۔ وشال رائے کہنے لگا۔

''منجوری! آگے بڑھ اور کیشپ بابو کے چرن چھو لے۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی اور حیران سی رہ گئی کہ کیا اسے صرف میرے چرن چھونے کے لئے

بلایا گیا ہے مگر دوسرے ہی لمحے اس نے بیٹی کی حیرت ایک نئی مسرت میں بدل دی اور کہا۔

''میں نے کیشپ بابو سے تیرا لگن پکا کر دیا ہے، کیا تو خوش ہے؟''

منجوری نے ایک دل نواز سی مسکراہٹ مجھ پر نچھاور کی اور شرم سے گردن جھکا لی۔

''اری چپ کیوں ہو گئی، میرے کو جواب دے کچھ ہاں ناں بول۔''

منجوری نے ایک بار پھر مجھے شرمیلی سی نظر سے دیکھا اور بڑی مدھم آواز میں بولی۔ ''ہاں خوش ہوں۔'' پھر فوراً ہی بات کا رخ بدل دیا۔ ''مگر باپو! کیا تمہاری طرف سے ان کا من صاف ہو گیا؟ اب تو کوئی جھگڑا نہیں؟''

''نہیں، اب کوئی جھگڑا نہیں۔ ایک بھول تھی، وہ دور ہو گئی، ہم دونوں کے من صاف ہیں، جبھی تو تیرا لگن پکا کیا ہے، اب تو ان کی پتنی ہے۔''

منجوری کا سندر چہرہ کھل اٹھا، شام کے اندھیرے میں ننھی کا جگنو چمکنے لگا اور اس نے اپنی تیری مسکراہٹ مجھے بھینٹ کی مگر وشال رائے نے اسے ایک نئی حیرت، ایک نئی بے چینی سے دوچار کر دیا۔

''اب سن! تیرے کو اس واسطے بلایا ہے کہ ایک خاص بات بول دوں اور وہ خاص بات یہ ہے کہ کیشپ بابو ایک دوسرا لگن کریں گے، دوسری پتنی لائیں گے اور تیرے کو کچھ بولنا نہیں، میں نے آگیا دے دی ہے اس واسطے کہ یہ ہم دونوں کی ایک مجبوری ہے۔''

منجوری حیران و ششدر رہ گئی، سر سے پاؤں تک حیرت کی تصویر بن گئی۔ دوسرے لگن کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے چونک کر پہلے مجھے پھر باپ کو دیکھا، منہ سے کچھ نہیں بولی مگر ہرنیوں کی سی وحشت زدہ آنکھیں پوچھ رہی تھیں۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو باپو! بیاہ سے پہلے ہی میرے گھر میں سوتن کا دروازہ کیوں کھول رہے ہو؟'' مگر وشال نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا اور بولا۔

''یوں آنکھیں پھاڑ کر میرے کو کیا دیکھ رہی ہے، تیرے کو جو کچھ بول دیا وہ بول دیا، یہ دوسرا بیاہ کریں گے اور تیرے کو کچھ جاننے، کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ بول میرا حکم مانتی ہے کہ نہیں؟''

وشال رائے کا لہجہ کرخت اور کھردرا تھا، تیز نظریں بھالے کی طرح بیٹی کے چہرے پر گڑی تھیں اور وہ اپنی آنکھیں جھکائے فرش کو دیکھ رہی تھی دل میں طوفان سا بپا تھا مگر ہونٹ خاموش تھے وشال رائے نے پھر پوچھا۔

''بولتی کیوں نہیں کیا ہو گیا ہے تیرے کو؟''

منجوری کے ہونٹ تھرتھرائے۔ ''جو کچھ کہتے ہو، وہی کروں گی۔''

''یہ سب کچھ تیرے بھلے کے لئے بولا ہے۔ میرے کو غلط نہ سمجھنا۔'' پھر ایک پل خاموش رہ

کر اس نے مجھے مخاطب کیا۔ ''کیشپ بابو'' میرے پر جو فرض تھا وہ پورا کر دیا، منجوری میری بیٹی ہے تمہارے سے کبھی جھگڑا نہیں کرے گی، اب تمہارے کو اپنا فرض پورا کرنا ہے۔''

میں نے منجوری کا ہاتھ پکڑ لیا جو حیران و پریشان سی کھڑی تھی اور کہا۔

''میں بھی منجوری کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اپنا فرض، اپنا وچن پورا کروں گا خواہ میری جان ہی کیوں نہ جائے جس آدمی نے تمہارے ساتھ انیائے کیا، روپ تارا کے جیون کی خوشیاں چھین لیں، اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

منجوری نے ایک نئی حیرت سے مجھے دیکھا، اس کی لمبی لمبی غلافی آنکھوں میں تحیر کی بجلیاں کوندر ہی تھیں، بڑی بے چین نظر آتی مگر سمجھ رہی تھی کہ باپو نے اسے جس حکم کا پابند کر دیا ہے وہ بے مقصد نہیں ہو دوسرے لگن کی کوئی خاص وجہ ہے، پریشان سے لہجے میں کہنے لگی۔

''باپو! مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے بات کیا ہے؟''

''تیرے کو بول دیا نا تو کچھ نہیں پوچھے گی۔''

''منجوری چپ ہو گئی اور وشال رائے نے کہا۔

''کیشپ بابو! جتنے دن تم تمہارے کو رنگا متی میں رہنا ہے منجوری یہیں رہے گی جیسا تم نے اس کی ماں کو بولا تھا مگر میرے کو بستی واپس جانا ہے اور میں وہاں تمہارے سندیس کا انتظار کروں گا۔''

یہ کہہ کر وشال رائے نے بات ختم کر دی اور ہمارے ساتھ ہی کمرے سے نکل آیا، وہ شام ہی کو چکمہ بستی لوٹ جانا چاہتا تھا مگر ہم نے اصرار کر کے رات یہیں ٹھہرا لیا، ماں کو پتہ چل گیا تھا کہ میں نے وشال پر جو شبہ کیا وہ درست نہیں تھا اور ہمارے درمیان کسی بات پر سمجھوتہ ہو گیا ہے۔

○○○

(17)

قسمت کا نوشتہ

دوسرے دن سورج نکلتے ہی وشال رائے چکمہ بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں اسے رنگا متی کی جھیل تک رخصت کر کے لوٹ رہا تھا کہ راستے میں صوفی عبدالجبار سے ملاقات ہو گئی۔ وہ کچھ ضروری دوائیں خریدنے کے لئے چٹا گانگ جا رہے تھے، بڑی محبت سے پیش آئے، صوفی چاچا بڑے بھلے، ایمان دار اور ہیرا آدمی ہیں۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ وہ چٹا گانگ تو جا رہے ہیں کیوں نہ ان سے ایک کام لیا جائے، میں نے پوچھا۔

''صوفی چاچا...... ! چٹا گانگ میں کسی جوہری سے بھی جان پہچان ہے؟''

ہنس کے بولے۔ ''کوئی گہنا خریدنا چاہتے ہو؟''

''خریدنا نہیں کچھ بیچنا ہے۔''

''کیا بیچنا ہے؟''

''ایک ہیرا۔''

''کیا رات پھر کوئی سپنا دیکھ لیا ہے؟''

صوفی عبدالجبار سے ہمارے گھر کی حالت چھپی نہ تھی، ماں کے زیورات انہی کے ذریعے بکے اور میری پڑھائی پر صرف ہوئے تھے۔ جبھی انہوں نے میری زبان سے ہیرے کا نام سنا تو سمجھے میں مذاق کر رہا ہوں، میں نے اندرونی جیب سے ایک ہیرا نکال کر ان کی ہتھیلی پر رکھ دیا تو دنگ رہ گئے، کبھی مجھے کبھی چمکتے دمکتے ہیرے کو دیکھتے۔

''حیران ہونے کی بات نہیں، صوفی چاچا! یہ ہیرا مجھے تحفے میں ملا ہے، آپ شہر جا رہے ہیں اسے بیچ آئیں کچھ روپوں کی ضرورت ہے۔''

''کتنی مالیت کا ہوگا؟'' وہ ہیرے کو غور سے دیکھنے لگے۔

مجھے اس کی صحیح مالیت کا علم نہ تھا یونہی کہہ دیا۔ ''قیمتی ہیرا ہے...... دس پندرہ ہزار روپے کا تو ہوگا۔''

''پھر میں اسے نہیں لے جا سکتا۔''

''آپ جس قیمت پر چاہیں بیچ ڈالیں مجھے آپ پر بھروسا ہے۔''

''یہ بات نہیں کیشپ بیٹے!'' انہوں نے ہیرا مجھے واپس کر دیا۔ ''اگر شہر میں کسی نے رقم مجھ

سے چھین لی تو تمہیں کیا منہ دکھاؤں گا۔ آج کل تو لوگ ہزار دو ہزار روپے کے لئے خون کر دیتے ہیں۔ بھلا میں اتنی بڑی رقم کی حفاظت کیسے کرسکوں گا ہاں تم ساتھ چلو تو ہیرا بکوادوں گا چٹا گانگ میں سیٹھ لکشمی نارائن سے میری جان پہچان ہے، بڑے مشہور جیولر ہیں اور میرے ساتھ قیمت میں کوئی ہیر پھیر نہیں کریں گے۔''

سوچا وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں، اگر ہیرے یا رقم کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آ گئی تو مجھے جیون بھر افسوس رہے گا میں نے شہر جانے کا ارادہ کرلیا۔''صوفی چاچا! آپ کہتے ہیں تو ساتھ ہی چلتا ہوں مگر تھوڑی دیر یہیں ٹھہریں میں گھر میں خبر کر آؤں۔'' پھر بھاگم بھاگ گھر پہنچا اور بتایا کہ ابھی چٹا گانگ تک جا رہا ہوں، ماں کے ساتھ منجوری بھی حیران رہ گئی۔

''یہ اچانک سفر کیسا۔''

''ایک ضروری کام آن پڑا ہے۔''

کہیں باپو کے کام سے تو نہیں جا رہے؟''

وہ شاید اس لئے گھبرا رہی تھی کہ میں نے ایکا ایکی اس کے باپ کو دیا ہوا وچن پورا کرنے کی ٹھان لی ہے مگر اسے یہ معلوم نہ تھا کہ جس آدمی سے مجھے نمٹنا ہے وہ چٹا گانگ میں نہیں، ساؤ گاری میں رہتا ہے، میں نے اسے تسلی دی۔

''گھبراؤ نہیں، اس کام کا سے ابھی نہیں آیا۔ شہر جانے کا مقصد کچھ اور ہے۔''

''لوٹو گے کب؟''

کل آ جاؤں گا۔''

ماں بھی کچھ پریشان دکھائی دی۔ اسے بتایا۔''صوفی چاچا کے ساتھ جا رہا ہوں ماں! بتا تیرے لئے شہر سے کیا لے کر آؤں؟''

''مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں۔ منجوری کے لئے کچھ لے آنا اور دیکھ کل گھر ضرور پہنچ جانا۔''

''پہنچ جاؤں گا۔''

پھر ماں کے چرن چھوئے اور دروازے سے نکلا مگر وہیں رک گیا اور منجوری کو اشارے سے پاس بلایا''کل رات کا کھانا ساتھ ہی کھاؤں گا، بھات اور مچھلی پکا رکھنا۔''

وہ دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی مجھے جاتے دیکھتی رہی، میں آبادی سے نکل کر کرنا فلی کی دریائے بندرگاہ کی طرف ہولیا۔ صوفی عبدالجبار راستے میں کھڑے میرا انتظار کر رہے تھے۔ ہم فوراً ہی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ لانچ تیار کھڑی تھی، سوار ہو گئے اور باتوں میں سفر کٹنے کا پتہ ہی نہ چلا، تیسرے پہر ہم چٹا گانگ میں سیٹھ لکشمی نارائن کی طرف جا رہے تھے۔

''لکشمی جیولرز'' کا بورڈ دور ہی سے نظر آ گیا، میرا خیال تھا صوفی چاچا کی معمولی جان پہچان

ہو گی مگر سیٹھ انہیں دیکھتے ہی ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا، بڑی آؤ بھگت کی، صوفی چاچا نے سودے کی بات چیت کی۔ سیٹھ نے ہیرا دیکھا، اچھی طرح پرکھا۔ خود تولا اور قیمت لگا دی۔

''پچاس ہزار روپے''

صوفی عبدالجبار کے ساتھ میری آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں، میں نے ہیرے کی رسید لکھ دی۔ سیٹھ کے منیم نے پچاس ہزار کے نوٹ گن کر حوالے کر دیئے۔ رقم بڑی تھی، صوفی عبدالجبار نے سیٹھ کی معرفت ایک قریبی بینک میں میرا کھاتا کھلوایا اور میں نے صرف پانچ ہزار روپے اپنے پاس رکھ کر بقیہ رقم بینک میں جمع کرا دی پھر صوفی چاچا کے ساتھ ایک ایورویڈ اسٹور پر چلا گیا اور رات ایک ہوٹل میں گزاری۔

ساؤ گاری سے چلتے وقت سروپ ساؤ جی نے مجھے خاصے روپے دے دیئے تھے۔ ہیرا بیچنے کا اصل مقصد ان ہیروں کی مالیت کا اندازہ لگانا تھا جوان کے اجل گرفتہ دادا ساگر ساؤ جی نے للکن کی رات سندر متی کے ہاتھ مجھے بھجوائے تھے۔ میں یہ جان کر دم بخود رہ گیا کہ ساگر ساؤ جی نے مجھے للکن رات کا تحفہ تین لاکھ روپے کے ہیروں کی شکل میں دیا تھا اور اب میں ایک لکھ پتی تھا۔

واپسی پر ''لکشمی جیولرز'' ہی سے میں نے ماں کے لئے سونے کی چوڑیاں اور منجوری کیلئے سونے کی ایک چھوٹی سی نتھنی خریدی جس میں مونگ کے دانے جتنی ہیرے کی ایک خوبصورت کنی جڑی تھی، کچھ کپڑے لتے بھی خریدے، صوفی عبدالجبار کو جوتی سمیت کپڑوں کا ایک جوڑا لے کر دیا۔ وہ بار بار انکار کرتے رہے مگر میں نے ضد پکڑ لی۔

''صوفی چاچا...... اگر آپ نے کپڑے قبول نہ کئے تو کبھی بولوں گا نہیں۔'' تب کہیں وہ راضی ہوئے، صوفی عبدالجبار نے ہمارے ساتھ بڑی مہربانیاں، بڑی نیکیاں کی تھیں اور میں انہیں واقعی اپنا بزرگ سمجھتا تھا۔

چٹا گانگ میں خرید و فروخت کے سوا اور کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ دوسرے دن گیارہ بجے کی لانچ میں بیٹھے اور سورج ڈوبتے ہی رنگا متی لوٹ آئے۔ گھر پہنچا تو منجوری نے بھاگ کر سواگت کیا۔ ماں نہال ہو گئی اور میرے ہاتھ میں بنڈل دیکھ کر بولی۔

''ارے اس میں کیا ہے؟''

''ماں! تیرے لئے قیمتی دھوتی اور تیری بہو کے لئے بنارسی ساڑھی لایا ہوں۔''

پھر بنڈل کھول کر انہیں کپڑے دکھانے لگا۔ منجوری نے سرخ رنگ کی بنارسی ساڑھی دیکھی تو اس کے گالوں پر صبح بنارس کی شفق کھل اٹھی مگر قیمتی دھوتی کے ساتھ ماں کو سونے کی چوڑیاں دکھائیں تو اس کی آنکھیں بھیگ گئیں مجھ سے یہ کیفیت چھپی نہ تھی، اس کے جو زیور ایک ایک کر کے بکے اور میری تعلیم پر صرف ہوئے ان میں سونے کی چوڑیاں سب سے اہم اور قیمتی تھیں

جنہیں وہ بہت عزیز رکھی تھی مگر میری خاطر اس نے انہیں بھی بیچ ڈالا تھا، میں سب سے پہلے اس کے لئے چوڑیاں ہی لے کر آیا جو مول میں بھی اور ڈیزائن میں بھی ان چوڑیوں سے بڑھیا تھیں جو بک گئیں۔ نئی چوڑیوں کو دیکھ کر ماں کو اپنی بے چارگی کے وہ دن یاد آ گئے، جب اس نے اپنے سہاگ کی آخری نشانی بھی مجھ پر قربان کر دی تھی پھر گلوگیر آواز میں بولی۔

''کیشپ بیٹے! کیا اس عمر میں گہنا پہنتی اچھی لگوں گی۔ میری طرف سے یہ چوڑیاں بہو کو دے دے۔''

''نہیں ماں! بہو کے لئے اور چوڑیاں آ جائیں گی۔ یہ تو میں تیرے لئے لایا ہوں، کلائی بڑھا میں اپنے ہاتھ سے چوڑیاں پہناؤں گا تجھے۔''

پھر میں نے خود ہی اس کی کلائی پکڑ کر بوسہ دیا اور چوڑیاں پہنانے لگا۔ میں چوڑیاں پہنا رہا تھا اور اس کے آنسو بہہ رہے تھے، یہ منظر بڑا ہی دل گداز تھا۔ منجوری سے رہا نہیں گیا، اپنے آنچل سے اس کے آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔

''رو نہیں ماں...... ! میں سدا تجھے خوش رکھوں گی، تیری سیوا کروں گی، تیرے سارے دکھ سکھ اپنی جھولی میں ڈال لوں گی۔''

''دکھ تو سارے بھوگ چکی بیٹی! یہ خوشی کے آنسو ہیں اور خوشی اس بات کی ہے کہ بیٹے نے میرے دکھ یاد رکھے اور ان کا بدلہ چکا دینا چاہتا ہے۔''

''تیرا بدلہ تو پوری دنیا بیچ کر بھی نہیں چکایا جا سکتا ماں!'' اور میں نے اس کے چرنوں پہ سر رکھ دیا، اس نے مجھے اٹھایا اور اپنے گیلے ہونٹوں سے میرا ماتھا چوم لیا۔ ''بس تو سکھی رہے، یہی میری خوشی ہے۔''

''ماں! بھوک لگ رہی ہے کچھ کھلا دے نا۔''

یہ سنتے ہی اس نے فوراً اپنی بھیگی آنکھیں صاف کیں۔ ''ارے میں تو بھول ہی گئی تھی۔ منجوری نے تیرے لئے بھات اور مچھلی پکا رکھی ہے، اس نے خود بھی ابھی تک کچھ نہیں کھایا، جاؤ دونوں رسوئی گھر میں جا کے کھا لو۔''

''تو نہیں کھائے گی؟''

میرا پیٹ تو نے سونے سے بھر دیا رے۔''

سونے سے پیٹ نہیں بھرتا ماں! بھات کھایا ہے یا نہیں؟''

''جتنی بھوک تھی کھا لیا اب تم کھا لو جا کے۔''

پھر ماں بکھرے کپڑے سمیٹنے لگی اور میں منجوری کے ساتھ رسوئی گھر میں آ گیا، وہ کھانا نکالنے کے لئے بڑھی تو میں نے ہاتھ پکڑ لیا پلٹ کے بولی۔

کیا کھانا نہیں کھاؤ گے؟''

''کھانا بھی کھاؤں گا زلفِ بنگال! پہلے یہ بتاؤ ساڑھی پسند آئی تمہیں؟''

ہاں، بہت سندر ہے مگر ایسی قیمتی ساڑیاں تو بیاہ کے لئے ہوتی ہیں۔''

''اری بیاہ ہی تو کرنا ہے مجھے، تمہیں بھگا کر نہیں لاؤں گا۔''

وہ بے اختیار مسکرا دی۔ ''بھگا تو لائے ہو۔'' اور بڑی نشیلی اور کٹیلی تھی وہ مسکراہٹ جس میں کئی بوتل شراب کا نشہ تھا، میں نے کوٹ کی جیب سے ایک ڈبیا نکالی اور کھول کر اسے دکھائی۔

''دیکھو! کیا لایا ہوں تمہارے لئے۔''

وہ ڈبیا میں سونے کی چھوٹی سی خوبصورت نتھنی دیکھ کر حیرت اور خوشی کی ملی جلی تصویر بن گئی۔ آنکھوں میں موہنی اتر آئی۔ ''ارے... نتھنی لائے ہو، نگ بڑا چمک رہا ہے۔''

''نگ نہیں ہیرے کی کنی ہے، کہا تھا نا میں نے تمہاری نتھنی میں ہیرا جڑوا دوں گا۔''

وہ حیرت پاش نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ ''پھر تو بڑی قیمتی ہو گی۔''

''سونا تو صرف چھ ماشے ہے ساری قیمت اس چھوٹے سے ہیرے کی ہے۔''

''کتنے میں لائے ہو؟''

''آٹھ سو روپے میں۔'' اور لکشمی جیولرز کی رسید بھی دکھا دی۔

وہ بے حد خوش نظر آتی تھی، میں نے کہا ''اب چاندی کی نتھنی اتار دو اور سونے کی پہن لو۔''

''سویرے پہن لوں گی۔''

''سویرے کیوں، ابھی پہن کر دکھاؤ نا۔ لاؤ تمہیں بھی اپنے ہاتھ سے پہنا دوں۔''

''تم سے نہیں پہنائی جائے گی۔''

''تو خود پہن لو۔''

میرے اصرار پر اس نے پرانی نتھنی اتار کے ایک طرف رکھ دی اور نئی نتھنی پہننے لگی۔ پہن چکی تو گردن کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور ہیرے کی کنی کسی ستارے کی طرح چمکنے، دمکنے، جھلملانے لگی۔ سونے کی نتھنی اس کے چہرے پر اتنی اچھی لگی کہ میں نے آگے بڑھ کر بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا اور کہا۔

''اب جا کہ ماں کو دکھاؤ۔''

''شرم آتی ہے ماں کیا کہے گی۔'' واقعی وہ شرما گئی۔

''جاؤ تو سہی'' میں نے اسے کمرے سے باہر دھکیل دیا'' اور آتے آتے ذرا آئینے میں اپنی صورت بھی دیکھ لینا۔''

وہ شرماتی، لجاتی گئی، تھوڑی دیر کے بعد خوش خوش لوٹ آئی اور آتے ہی مجھ سے لپٹ گئی

میں نے پوچھا۔

''کیا کہا ماں نے؟''

''مجھے اشیرواد دی، ماتھا چوما اور بولی، تو سدا سہاگن رہے، بہت اچھی ہے تمہاری ماں۔ بڑا پریم کرتی ہے مجھ سے۔''

''ماں تو واقعی تم سے پریم کرتی ہے مگر تم نے آئینہ بھی دیکھا؟''

''ہاں دیکھ لیا۔''

''کیسی لگی نئی نتھنی؟''

''بہت بڑھیا ہے۔''

اس نے گردن اٹھا کہ پیار سے مجھے دیکھا اور مسکرا دی۔ نتھنی کا ہیرا بھی چمکنے، مسکرانے اور ہنسنے لگا۔ میں نے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا اور چند لمحے سینے سے لگائے رکھا۔ اچانک وہ خودرفتگی سے چونکی۔

''اب کھانا کھالو۔''

ہاں نکالو کھانا۔''

پہلے مجھے چھوڑ تو۔''

میں نے اپنی گرفت ڈھیلی کردی اور وہ میرے بازوؤں کے حلقے سے نکل کر کھانا پروسنے لگی۔

پھر ہم دونوں آمنے سامنے چوکیوں پر بیٹھ گئے اور میں نے پہلی بار اس کے ہاتھ کا نوالہ کھایا۔ مچھلی اور بھات آج بھی بڑے لذیذ تھے مگر آج وہ خود بڑی خوش، بڑی سندر دکھائی دے رہی تھی، میری نظریں بار بار اس کے مکھڑے کا طواف کرتی اور چمکتی دمکتی نتھنی پر ٹک جاتی تھیں۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو اس نے ہاتھ دھلانے کے بعد تولئے سے میرے ہاتھ بھی خود ہی صاف کئے پھر اپنے ہاتھ دھونے بیٹھ گئی تو میری نگاہیں اس کے بھاری جوڑے میں کھب کے رہ گئیں۔''اری منجوری! تم پرسوں سے یہاں ہو اور میں نے ایک بار بھی تمہیں جوڑا کھولنے کے لئے نہیں کہا، بالکل بھول ہی گیا۔''

وہ ہاتھ پونچھتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔''کسی دن مجھے بھی تو نہیں بھول جاؤ گے؟'' اس نے یہ عجیب سا سوال کر کے تڑپا دیا پھر میرے ساتھ آ لگی۔

''بولو! مجھے تو نہیں بھولو گے؟''

میں نے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔''ہرگز نہیں، کبھی نہیں۔''

اس نے اپنی بانہیں میرے گلے میں پرو دیں۔''دوسرا بیاہ کرو گے تب بھی نہیں؟''

''ہاں تب بھی نہیں۔''

''وچن دیتے ہو؟''

''ہاں وچن دیتا ہوں۔'' میں نے اسے یقین دلایا اور اس کا ہاتھ تھامے رسوئی گھر سے نکلا، گھڑی دیکھی تو رات کے آٹھ بج رہے تھے، ماں بڑے کمرے میں بستر پر لیٹ گئی تھی مگر ابھی تک سوئی نہیں تھی، اس نے منجوری کے لئے بھی کھاٹ بچھا دی اور بستر لگا دیا تھا، منجوری کہنے لگی۔

''ماں! تو نے یہ سب کیوں کیا، میں کس لئے ہوں؟''

''اری پگلی! اگر تیری کھاٹ بچھا دی تو کیا ہوا، ابھی تو اس گھر میں مہمان ہے۔''

''مگر میں تو تیری سیوا کرنے آئی ہوں۔'' وہ اس کے بستر پر بیٹھ گئی، لا تیرا بدن دبا دوں۔''

''میں کوئی تھکی ماندی تھوڑی ہوں۔''

''تجھے نیند آجائے گی۔'' وہ اس کے کندھے دبانے لگی۔

''ہاں ماں! منجوری کے ہاتھ میں نیند کی چابی ہے۔'' یہ کہہ کر میں اپنے کمرے کی طرف پلٹا۔

''ارے بیٹھے گا نہیں؟''

''جسم دکھ رہا ہے جلد سو جانا چاہتا ہوں۔''

اور یہ کچھ غلط بھی نہ تھا، دو دو دن سفر میں گزرے تھے، اس لئے آرام ضروری تھا۔ میں اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔

بستر پر لیٹا تو خیالات کے ہجوم نے گھیر لیا، مختلف چہرے پتلیوں کی طرح میرے ارد گرد ناچنے لگے۔ ذہن کبھی تو گھنے جنگلوں کے درمیان رام گارتھ کی طرف جانے والے راستے پر بھاگ نکلتا، کبھی ساؤ گاری میں بھٹکنے لگتا اور وہ حسین رات یاد آجاتی جب میں سندرمتی کے کمرے میں تھا۔

ابھی اسی خیال میں تھا کہ دروازہ آہستہ سے کھلا اور منجوری داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر میں کچھ پریشان سا ہوگیا۔

''اری تم سوئی نہیں؟''

''ابھی تو ماں کو سلایا ہے اب تمہیں سلانے آئی ہوں۔'' وہ آرام سے میرے پہلو میں بیٹھ گئی۔''تم نے کہا تھا نہ جسم دکھ رہا ہے سوچا دبا دوں۔''

دراصل اس بہانے وہ میرے پاس آگئی اور جب آ ہی گئی تو میں اس کے حسین وجود سے انکار کس طرح کر سکتا تھا، اٹھ کے تکیے کے سہارے بیٹھ گیا۔ وہ بولی۔

''ارے لیٹے رہو نا، تمہیں دبا دوں سلا دوں۔''

''اب میں سونا نہیں چاہتا۔''

''مجھے اپنی سیوا نہیں کرنے دوں گے؟''

"سیوا صرف جسم دبانے سے نہیں ہوتی۔"

"اور کس طرح ہوتی ہے؟"

"بس اپنا جوڑا کھول دو۔"

وہ میری طرف دیکھ کے مسکرا دی۔ "آج خود کھولو نا۔"

میں نے ہاتھ بڑھا کے بھاری جوڑا کھول دیا اور لمبے لمبے ریشمی بال اس کی پشت پر بکھر گئے۔ میں نے ملائم بالوں کا گچھا اٹھا کر چوم لیا اور اس کے گالوں پر سرخیاں دوڑ گئیں۔ نتھنی میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور وہ جھلمل جھلمل کرنے لگی۔

"کیسے ہیں میرے بال؟"

وہ سمجھ چکی تھی کہ لمبے گھنے بال میری کمزوری ہیں۔ شاید ان کی تعریف سننا چاہتی تھی، میں نے اسے مایوس نہیں کیا۔

"تمہارے بال شام اودھ کی طرح خوبصورت اور گھنے ہیں، جب یہ کھلتے ہیں تو ان کی سیاہی میں تمہارا سندر مکھڑا صبح بنارس کی مانند رنگ بکھیرنے لگتا ہے۔"

"تم مجھے پاگل کر دو گے۔"

"اب مجھے بالوں میں چھپا لو۔ یہ کالی گھٹائیں میرے چہرے پر کندھوں پر لہرا دو۔ مجھے اپنی ریشمی پناہ میں لے لو۔"

اس نے میرا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور نرم و ملائم بالوں کا گھنا جال میرے اوپر اس طرح پھیلا دیا کہ میں ان کے اندر چھپ گیا۔ مجھے ان کی گھنی چھاؤں میں ایک عجیب سا تحفظ محسوس ہو رہا تھا، اچانک وہ بولی۔

"کیشپ! ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھو کیا پوچھنا چاہتی ہو۔"

اس نے میرے چہرے سے بالوں کی سیہ چلمن ذرا سی سرکائی اور پوچھا۔

"دوسرا بیاہ کس سے کرو گے؟"

میں ایک دم اس کے کالے، ملائم جال کو توڑ کر باہر نکل آیا۔ "منجوری! تمہارے باپو نے کیا کہا تھا؟"

وہ گھبرا سی گئی۔ "باپ نے کہا تھا دوسرے لگن کے بارے میں کچھ نہیں پوچھنا۔"

"پھر تم کیوں پوچھتی ہو؟"

"باپو سے تھوڑی پوچھوں گی، تم سے پوچھا ہے، تم میرے مالک ہو، کیا تم سے بھی نہ پوچھوں۔"

"ہاں...... مجھ سے بھی نہ پوچھو۔"

یہ سنتے ہی اس کی نتھنی کا ستارا بجھ گیا اور وہ منہ پھیر کے بیٹھ گئی۔ میں نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے بازوؤں پر گرا لیا۔ "مجھ سے روٹھو نہیں زلفِ بنگال! سمے آنے پر تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"بتا دو گے نا؟"

"بتا بھی دوں گا دکھا بھی دوں گا، بھلا تم سے اپنی کوئی چیز چھپا سکتا ہوں۔"

وہ فوراً ہی مان گئی۔ اس کی طبیعت کا یہ پہلو مجھے اچھا لگا، جھگڑے کو طول دینا جانتی ہی نہ تھی اور بہت جلد تصفیہ کر لیتی تھی، اچانک بڑے کمرے میں کھٹکا ہوا۔ "شاید ماں کی آنکھ کھل گئی ہے۔"

"میں جاؤں؟" اس نے اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

"پہلے جوڑا تو باندھ لو۔"

وہ جلدی جلدی بال سمیٹنے لگی اور جوڑا باندھ کر کمرے سے نکل گئی۔ میں نے روشنی گل کر دی اور بستر پر لیٹا اپنے ذہن کو سونے کے لیے آمادہ کرنے لگا مگر اندھیرا ہوتے ہی ایک بار پھر مختلف خیالوں نے مجھ پر یلغار کر دی اور وسوسوں کے سانپ دماغ کی کوٹھریوں میں رینگنے لگے۔ تصور جیسے اڑتا ہوا ساؤ گاری میں جا پہنچا۔۔۔ وہ بوڑھی عمارت جو مکتی اور نروان کی تپسیا کے باوجود طلسم و اسرار کے غلافوں میں لپٹی تھی، جہاں جل پنا تھی، بونا شاستر و تھا، سروپ جی تھے، ان کا بوڑھا دادا ساگر ساؤ جی تھا جو جیتا تھا نہ مرتا تھا جہاں کے باسی اس کے مرنے کی دعائیں مانگتے تھے مگر جب اسے دورہ پڑتا سروپ جی دوا کے چند قطرے حلق میں ٹپکا کر اس مردے کو "زندہ" کر دیتے تھے اور ان سب کے علاوہ پروہت گنجال تھا جس نے اس چھوٹی سی دنیا میں اپنی "حکومت" قائم کر رکھی تھی کیونکہ ساؤ گاری کا کوئی باسی اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتا تھا، کبھی کبھی تو مجھے محسوس ہونے لگتا جیسے سروپ جی بھی اس کی مرضی کے خلاف نہیں چل سکتے اور اس کے سامنے اپنے آپ کو مجبور و بے بس سمجھتے ہیں لیکن ایک میں تھا جس نے جل پنا کی خاطر اس کی کھلی دشمنی مول لے لی تھی۔

یہ معما ہی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا وہ ناچ پوجا کے لئے کنواری لڑکیوں کا انتخاب کیوں کرتا اور ان پر یہ پابندی لگا دیتا ہے کہ وہ ساری عمر کنواری رہیں گی، کسی سے پریم نہیں کر سکیں گی۔ موہ مایا کی دنیا میں واپس نہیں جائیں گی۔ دشال رائے کی کہانی کے مطابق گنجال روپ تارا کو اگر تلہ سے اغوا کر کے لے گیا اور وہ اپنے پاؤں سے چل کر اسے چھوڑ گئی حالانکہ کہیں بھی جانا یا نرتکی بننا نہ چاہتی تھی مگر گنجال کی پراسرار قوت نے اسے اس طرح مسحور کر لیا تھا کہ چپ چاپ اس کے اشاروں پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو گئی اور اس نے بھائی کے پیار کو ٹھوکر مار دی۔ یہ خطرہ

میرے ذہن کو بار بار ڈس رہا تھا کہ وہ جل پنا کو بھی اپنے اسی طلسم میں اسیر کر کے میری محبت سے برگشتہ کر سکتا ہے۔ سندر متی کی آمد پر ساؤ گاری میں ''برہا ناچ'' کے بعد جل پنا نے میری طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھا تھا اور کسی تابع مہمل کی طرح پروہت گنجال کے ساتھ چلی گئی تھی۔ آئندہ بھی ایسا ہی ہو سکتا تھا بلکہ اس حقیقت کو جان لینے کے بعد کہ میں جل پنا سے پریم کرنے لگا ہوں وہ اسے اپنی پراسرار طاقت کا نشانہ ضرور بنائے گا اور بہت ہی زبردست تھی وہ پراسرار طاقت جس نے ایک رات مجھے موت کا سپنا دکھایا اور صرف یہ انتباہ کرنے کے لئے اپنی گپھا میں طلب کر لیا تھا کہ میں جل پنا سے پریم کرنا چھوڑ دوں۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے یا جل پنا نے اس کا کہانہ مانا تو بھسم کر دے گا اور یقیناً وہ ایسا کر سکتا تھا۔

اس نے وشال رائے سے روپ تارا کو چھین لیا تھا جس کی ارتھی رتنا گری کے شمشان میں جل گئی تھی۔ اب وہ جل پنا کو جو ماں کی بھٹکی آتما اور میری بھی کچھ لگتی تھی، مجھ سے چھین لینا چاہتا تھا مگر میں اسے اپنی دنیا میں واپس لانے کی پرتگیا کر چکا تھا، ایک سوال بار بار میرے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا کہ میں پروہت گنجال کی پراسرار طاقت کا مقابلہ کس طرح کر سکوں گا، ہو سکتا ہے نئے زمانے کے لوگ روحانی طاقتوں کے عمل کو توہم پرستی قرار دیں کیونکہ مغرب کی سائنس ان باتوں سے انکار کرتی ہے جنہیں ''روحانیات'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر میں خود ایسے واقعات سے دوچار ہو چکا تھا جس کی سائنس کی دنیا میں کوئی اہمیت نہیں۔ کیا انکار کر دینے سے کوئی حقیقت ختم یا نابود ہو جاتی ہے؟

میں نے سوچا پرانے زمانے کے رشی، منی، سادھو سنت جنگلوں، بیابانوں اور پہاڑی گپھاؤں میں خاموشی کے چلے کاٹ کر جو سحر آفریں طاقتیں حاصل کر لیتے تھے، ممکن ہے یورپ میں انہی کو مسمریزم اور ہپناٹزم کے نام سے یاد کیا جاتا ہو کیونکہ یہ سب ''علم توجہ'' کے کرشمے ہیں مگر خواب، رویا اور کشف کے بارے میں یورپی ماہرین نفسیات جو کچھ بیان کرتے ہیں ممکن ہے، خوابوں کی حد تک اس کی کوئی نفسیاتی وجہ درست بھی ہو لیکن ان کے اکثر تجزیے اس لئے غلط ہوتے ہیں کہ کشف و کرامت میں وہ خود صاحب تجربہ نہیں۔ ہمارے یہاں ہندو رشیوں، بودھ سادھوؤں یا مسلمان صوفیا کی بے شمار کرامتیں مشہور ہیں اور ان سب کو محض ''افسانے'' کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ رنگامتی تو کسی زمانے میں ''صوفیوں کا شہر'' سمجھا جاتا تھا اور یہاں کے سپیرے بھی پرانے صوفیا کی ایسی پراسرار داستانیں بیان کرتے ہیں جو سینہ بہ سینہ چلی آتی ہیں۔ یقیناً مشرق کے علم روحانیات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہے اور اس علم یا پراسرار قوت کو حاصل کرنے کے لئے بڑی توجہ، سخت ریاضت اور طویل وقت کی ضرورت ہے اور میرے پاس اس طاقت کے حصول کا کوئی ذریعہ تھا نہ وقت کہ میں پروہت گنجال ایسے گرگ باراں دیدہ سے

ٹکر لے سکتا لیکن ٹکر تو اس سے مجھے بہر حال لینا تھی۔

یہ خیال بار بار پریشان کر رہا تھا کیا اس پراسرار طاقت کو حاصل کرنے کے لئے کوئی آسان راستہ، کوئی شارٹ کٹ نہیں کہ میں پروہت گنجال سے نمٹ سکوں، اسے کیفر کردار تک پہنچا سکوں؟ بعض لوگ کسی علم اور ریاضت کے بغیر ہی بہت کچھ جان لیتے ہیں کیونکہ ان کے دماغ اتنے تیز اور شارپ ہوتے ہیں کہ کسی آفاقی ریڈار کی طرح کائنات کے بہت سے اسرار اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ اچانک بونے شاسترو کا خیال آیا جس کا ذہن میلوں دور سے میرے ساتھ رابطہ پیدا کر لیتا ہے اور صوفی عبدالجبار نے تو بتایا تھا کہ میں عام لوگوں سے بہت مختلف ہوں کیونکہ میرا دماغ روحانی طور سے بڑا ارفع، اعلیٰ، مہان اور شفاف ہے تو کیا صوفی عبدالجبار علم روحانیت کے سلسلے میں میری کوئی رہنمائی کر سکتے یا کسی ایسے مسلمان صوفی کا پتہ بتا سکتے ہیں جو مجھے پروہت گنجال سے مقابلہ کرنے کی روحانی قوت عطا کر سکے؟

یہی سوچتے سوچتے مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی، نہ جانے کب تک خیالوں کی دنیا میں بھٹکتا اور کیسی کیسی انہونی باتیں سوچتا رہا تھا مگر اب محسوس کرنے لگا گہرے اندھیروں میں ڈوبتا جا رہا ہوں اور میرا ذہن تاریک ویرانوں اور اجاڑ شمشانوں کے درمیان سے گزر رہا ہے کہ اچانک ایک عجیب سی آہٹ ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ہڈیوں کے کڑکڑانے کی آواز سننے لگا جیسے کوئی انسانی ڈھانچہ چل رہا ہو گھبرا کے آنکھ کھولی تو کیا دیکھتا ہوں کہ چکرورتی چاچا سفید کفن اوڑھے میرے کمرے کے ایک کونے میں چل پھر رہے ہیں اور اندھیرے میں ہولے ہولے میری طرف بڑھ رہے ہیں میں ایک بار پہلے بھی ان کا بھوت دیکھ کر ڈر گیا تھا مگر اس سمے تو انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر مجھے ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے اور ایسا زبردست خوف طاری ہوا کہ نہ تو بستر پر حرکت کر سکا نہ حلق سے کوئی آواز ہی نکل سکی۔

چاچا کا بھوت آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ میں ہڈیوں کے بجنے اور باہم رگڑ کھانے کی انتہائی خوفناک آواز سن رہا تھا اور ایسی لرزہ خیز تھی وہ آواز جیسے مکمل خاموشی میں کسی گردن کا منکا ٹوٹنے کی ''چیخ'' سنائی دیتی ہے۔ ہڈیوں کی ایسی ہی آواز میں نے پہلے بھی سنی تھی، لیکن آج تو وہ آواز میرے وجود میں اترتی جا رہی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی ہر ضرب میری گردن پر پڑ رہی ہو، چاچا کی مردہ آنکھیں کھلی تھیں اور بے حس و حرکت باہیں نیچے لٹک رہی تھیں۔ میں ڈر بھی رہا تھا اور من ہی من میں حیران بھی ہو رہا تھا کہ ایک مردہ آدمی چل کس طرح سکتا ہے۔ چاچا کا بھوت بالکل پلنگ کے قریب آ کر رک گیا۔ اس خوف سے میری جان اڑی جا رہی تھی کہ کہیں وہ پلنگ پر نہ چڑھ آئے۔ دراصل یہ وہی پلنگ تھا جس پر چاچا سویا کرتے تھے، میں نے چلانے کے لئے منہ کھولا مگر منہ سے آواز ہی نہیں نکلی اور یہ سوچ کر میں چیخنے، کسی کو مدد کے لئے پکارنے

اور بولنے کی طاقت کھو بیٹھا ہوں، میرا جسم کسی لاش کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔ اچانک چاچا کے ہونٹ ہلے اور میں ان کی آواز سننے لگا۔

''بے وقوف! مجھ سے ڈرتا کیوں ہے میں تجھے ایک سندیس دینے آیا ہوں۔''

''سندیس؟'' میں نے یہ لفظ دہرایا اور اپنے ہونٹوں سے اس کی آواز بھی سنی۔ میں بول سکتا تھا مگر نہ جانے چیخ کی آواز کیوں نہ نکلی تھی۔

چاچا کا بھوت کہہ رہا تھا ''تو میرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔''

''نہیں کروں گا، مورتی کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔''

میرا خیال تھا وہ مورتی کے بارے میں اپنی وصیت کی یاددہانی کرانے آئے ہیں تاکہ میں کہیں اسے اپنے ساتھ ساؤ گاری نہ لے جاؤں۔

''مگر میں نے ابھی تجھے کوئی حکم نہیں دیا۔''

میں چاچا کی آواز سن کر کانپ رہا تھا کیونکہ آج تک کسی مردے کو بولتے نہیں سنا تھا، ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''حکم کیا ہے؟''

''تو میرے ادھورے کام کو پورا کرے گا۔''

''کونسا کام؟''

''آنند بھکشو والی مورتی کی تلاش۔ یہی میرے جیون کا آدرش تھا جو پورا نہ ہو سکا۔''

''اس مورتی کو سروپ ساؤ جی بھی تلاش کر رہے ہیں اگر میں ان کی مدد کروں آپ کو اعتراض تو نہیں ہوگا؟''

''ہرگز نہیں بلکہ مورتی ڈھونڈ کر تجھے ان کی مشکل دور کرنی چاہئے۔''

''سروپ جی کی مشکل کیا ہے؟''

''یہ سوال انہی سے پوچھ یا خود سمجھنے کی کوشش کر۔''

''مگر آپ کلکتہ سے جو نقلی مورتی لائے تھے وہ منگل ساؤ کو دینے سے انکار کیوں کر دیا تھا؟''

''میں اس مورتی کے ذریعے خود اصل مورتی تک پہنچنا چاہتا تھا۔''

''وہ کس طرح؟''

''اس بات کا اظہار نہیں کر سکتا جس پر میں اپنے جیون میں عمل نہ کر سکا۔''

''مگر وہ جیون بھید کیا ہے جو مورتی کے ساتھ وابستہ ہے؟''

''وہ بھید تجھے خود معلوم کرنا ہوگا مگر خبردار اگر تو اسے معلوم کرے تو اپنے آپ کو اس سے دور رکھنا۔''

اچانک مجھے ایک نیا سوال سوجھا۔

''آپ جانتے ہیں ساؤ گاری کے مندر میں ناچنے والی نرتکی جل پنا آپ کی بھتیجی اور چندر بالا کی بیٹی ہے؟''

''ہاں جانتا ہوں، چندر بالا نے کایا پتھا کے ساتھ جا کر بڑی بھول کی تھی ماں کی اسی بھول کی سزا بھگت رہی ہے۔''

''میں اسے ساؤ گاری سے واپس لانا چاہتا ہوں۔''

''تجھے ہمت سے کام لینا ہوگا۔''

''مگر پروہت گنجال پراسرار طاقتوں کا مالک ہے، میں اس کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہوں؟''

''سن کیشپ! آدمی کے اندر اپنی شکتی ہو تو کوئی طاقت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی کیونکہ اس سنسار میں سب سے بڑی طاقت آدمی کی اپنی شکتی ہے۔''

''اپنی شکتی سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''آدمی کا اپنی ذات پر وشواس، اپنی قوت ارادی۔''

''اچھا یہ بتا دیں کیا میں اپنی شکتی سے گنجال کی پراسرار طاقتوں کو شکست دے سکوں گا؟''

''وہ واقعات جو ابھی رونما ہونے والے ہوں کسی کو بتائے نہیں جاتے اگر آدمی جان لے کہ کل کیا ہوگا تو قدرت کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔''

''مگر قدرت تو سپنے یا کشف کے ذریعے آدمی کو مستقبل کی خبر دیتی اور آنے والے حالات سے آگاہ کرتی ہے۔''

''ہاں قدرت ایسا کر سکتی ہے وہ آدمی کو بچاؤ دیتی ہے، اشارے کرتی ہے مگر کسی دوسرے کو کائنات کے بھید کھولنے کی آ گیا نہیں، تجھے اپنے مقصد کے لئے کوشش کرنی چاہیے کوشش ہی آدمی کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے لیکن مجھے یہ بتانے کی اجازت نہیں کہ تیری کوشش کا انجام کیا ہوگا۔ میں تجھے صرف یہ سندیس دینے آیا ہوں کہ تو میرا وارث ہے اور میں اپنے جیون میں جس آدرش کو پورا نہ کر سکا، اسے تجھے پورا کرنا چاہیے کیونکہ وہ کام جو مرنے والے ادھورے چھوڑ جاتے ہیں جینے والے پورے کرتے ہیں اور یہ دنیا اسی طرح چلی آ رہی ہے۔''

''کیا آپ میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟''

''صرف رہنمائی کر سکتا ہوں۔'' پھر پیلے رنگ کا ایک کاغذ میری طرف بڑھایا۔ ''اس پر ایک ہدایت لکھی ہے، اس پر عمل کرنا۔''

میں نے دایاں ہاتھ بڑھا کر پیلے رنگ کا کاغذ پکڑ لیا جو کسی چٹھی کی طرح تہہ کیا ہوا تھا، مجھے کاغذ دے کر چاچا کا بھوت پلٹا اور کفن کے اندر اپنی ہڈیاں کڑکڑاتا، ہولے ہولے چلتا مجھ سے

دور ہونے لگا۔ میں ایک بار پھر وہ دہشت انگیز آواز سننے لگا جو ہڈیوں کے باہم رگڑ کھانے سے پیدا ہورہی تھی۔ چند ہی گھڑیوں میں چاچا کا کفن بدوش بھوت کمرے کے اندھیرے میں غائب ہو گیا اور خوفناک آواز بھی بند ہوگئی جس نے مجھے ہراساں کر دیا تھا۔

اب میں پلنگ پر لیٹا لیٹا اپنے حواس درست کرنے اور سوچنے لگا کہ پیتل کی ایک بے جان مورتی کی طرح ایک مردے کا چلنا پھر بھی قدرت کا سمجھ میں نہ آنے والا راز ہے۔ شاید وہ مرنے والوں کے ذریعے جینے والوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ میں چاچا کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، آخر وہ نقلی مورتی کے ذریعے اصل مورتی تک کس طرح پہنچنا چاہتے تھے؟ مگر میری سمجھ میں تو کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی۔ چاچا کے بھوت نے مجھے سروپ جی کے ساتھ کام کرنے کی آگیا دے دی تھی لیکن ان کی مشکل میرے لئے ایک معما بن گئی۔

مجھے اس بات پر افسوس تھا کہ سندر متی اور منجوری کے بارے میں چاچا سے کچھ نہ پوچھ سکا پھر یہ سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کرنے لگا کہ اگر پوچھ بھی لیتا تو شاید وہ کچھ نہ بتاتے کیونکہ انہوں نے کہہ دینا تھا کہ کوئی مرنے والا آدمی قدرت کے اسرار و رموز منکشف نہیں کر سکتا، غیبی امور صرف قدرت کی دسترس میں ہیں، خیر جل پنا کی طرح مجھے سندر متی اور منجوری کے معاملات بھی خود طے کرنا تھے اور پروہت گنجال سے خود ہی نمٹنا تھا۔ اب مورتی کی تلاش میرا ایک آدرش تھا اور یہ آدرش مجھے پورا کرنا تھا۔ اسی عالم حیرت میں میری آنکھوں کے سامنے دھوئیں کے کثیف بادل سے گزرنے لگے اور میں ان کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے لگا۔ ناگہاں جیسے آکاش کی بلندیوں سے ایک سریلی سی آواز کانوں میں پڑی۔

"کیشپ بابو! کب تک سوئے رہو گے؟"

ساتھ ہی کسی نے کندھوں سے جھنجھوڑ دیا۔ اب جو آنکھ کھلی تو منجوری پلنگ کے پاس کھڑی مجھے جگا رہی تھی، میں اٹھ کر تکیے کے سہارے بیٹھ گیا۔ وہ مسکرا کے بولی۔

"بڑی گہری نیند سوتے ہو، کب سے جگا رہی ہوں۔"

میں اس بات پر حیران تھا کہ رات پھر ایک طویل سپنا دیکھتا رہا ہوں، مجھے اس کی غلافی آنکھوں میں بھی حیرت کی جھلکیاں نظر آئیں وہ میرے دائیں ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

میری نظر اپنے دائیں ہاتھ پر پڑی تو اس میں تہہ کیا ہوا ایک کاغذ تھا جسے میں نے بڑی احتیاط سے تھام رکھا تھا۔ یک لخت یاد آیا کہ یہ پیلا کاغذ تو رات چاچا نے دیا تھا مگر میں اس بات پر سخت متذبذب تھا کہ رات میں نے کوئی سپنا دیکھا یا چاچا کے بھوت سے فی الواقع آمنا سامنا ہوا تھا؟ یہ پیلا کاغذ بتا رہا تھا کہ وہ محض سپنا نہیں اور یہی خیال مجھے خوفزدہ کر رہا تھا کہ ایک

مردہ آدمی نے مجھ سے میل ملاقات کا سلسلہ شروع کر دیا ہے، میں نے کاغذ کو جلدی سے جیب میں رکھ لیا تو منجوری بولی۔

"کس کی چٹھی ہے؟"

"چٹھی؟" حیران تھا اس سوال کا کیا جواب دوں۔

"لگتا ہے کسی نے پریم پتر لکھا ہے، رات بار بار پڑھتے رہے اور ہاتھ ہی میں لے کر سو گئے۔"

اس کی غلط فہمی دور کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ کاغذ جیب سے نکال کر اس کے سامنے کھول دیا۔

"لو یہ پریم پتر تم بھی پڑھ لو۔"

کاغذ کے درمیان بنگلہ بھاشا میں صرف ایک فقرہ لکھا تھا۔

"منزل کی طرف کوچ کرو۔"

منجوری یہ الفاظ پڑھ کے دنگ رہ گئی، میں نے بھی اس عجیب و غریب ہدایت کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر مجھے کس منزل کی طرف کوچ کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ میری ایک منزل جل پنا تھی، دوسری سندر متی، تیسری منجوری اور تیسری منزل میرے پاس کھڑی تھی۔ بہر حال یہ بات ضرور سمجھ میں آ رہی تھی کہ فی الحال مجھے رنگا متی سے کوچ کرنے کو کہا گیا ہے۔

منجوری کی غلط فہمی تو کاغذ کا مضمون پڑھتے ہی دور ہو گئی، کچھ شرمندہ سی تھی مگر اب اسے ایک نئی فکر لاحق ہو گئی۔

"یہ تمہیں منزل کی طرف کوچ کرنے کا حکم کون دے رہا ہے؟"

میں نے چھت کی طرف انگلی اٹھا دی۔ "اوپر والا"

یہ بات منجوری کو بتانے کی نہیں تھی۔ بتا بھی دیتا تو اس کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی کہ رات اگر چاچا کا بھوت ہی میرے سپنے میں آیا تھا تو یہ پیلا کاغذ کہاں سے آ گیا؟ اسے ٹال دینا ہی مناسب سمجھا۔

"تم پریشان کیوں ہوتی ہو؟ کیا مجھے اپنی نوکری پر نہیں جانا؟"

"نوکری پر جانے کا حکم اوپر والا دیتا ہے کیا؟"

"میرا تمہارا ملاپ بھی تو اسی نے کرایا ہے۔"

اس نے تکرار ختم کی۔ "اب اٹھو تمہارے نہانے کے لئے پانی بھر دیا ہے۔"

میں نے پیلا کاغذ تہہ کر کے پھر جیب میں ڈال لیا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

"زلفِ بنگال! مجھ پر شبہ نہ کیا کرو، میں اپنی کوئی بات تم سے چھپاؤں گا نہیں۔"

"معاف کر دو نا۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیئے، میں نے بازوؤں میں سمیٹ کر اسے "معاف" کیا پھر اس کے آگے آگے کمرے سے نکلا۔

○

چاچا نے ''منزل'' کی طرف کوچ کرنے کی ہدایت تو کردی مگر اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ مجھے فوراً روانہ ہو جانا چاہئے۔ رنگا متی سے اپنی روانگی کی تاریخ مقرر کر چکا اور ماں کو بھی آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اس میں کوئی تبدیلی مناسب نہ سمجھی۔ روانگی میں صرف تین دن باقی تھے اور میں یہ دن منجوری کو دینا چاہتا تھا مگر رات کو کسی بزرگ کی روحانی پناہ یا رہنمائی کا خیال بار بار پریشان کرتا رہا، اس لئے صوفی عبدالجبار سے ایک بار پھر ملنا ضروری تھا۔

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی میں ان کے ہاں پہنچ گیا۔ وہ ایک بیمار کو دیکھ رہے تھے، میری آؤ بھگت کرکے اس کا نسخہ لکھنے میں مصروف ہو گئے پھر اسے دوا دے کر رخصت کیا تو میری طرف متوجہ ہوئے، میں نے کہا۔

''صوفی چاچا......! بار بار آپ کو تکلیف دیتا ہوں مگر کیا کروں آپ کے علاوہ کسی دوسرے پر بھروسہ بھی نہیں کرسکتا۔''

''ارے اس میں تکلیف کیسی، بولو اب کیا پریشانی ہے؟''

میں کسی تمہید کے بغیر مدعا بیان کرنے لگا۔

''مجھے کسی ایسے صوفی بزرگ اور مرشد کی ضرورت ہے جو مجھ پر اپنی روحانی طاقت کا سایا رکھ سکے اور مجھے دشمن کے وار سے بچاتا رہے، کیا آپ کسی ایسے بزرگ کا پتہ بتا سکتے ہیں؟''

وہ حیران سے ہو کر بولے۔ ''کون ہے تمہارا دشمن؟''

''صوفی چاچا! آدمی کے کئی سجن، کئی دشمن ہوتے ہیں میں اپنے دیش اور گھر سے دور ایک پہاڑی ویرانے میں کام کرتا ہوں، جہاں قانون کی سہاتا نہیں لے سکتا۔ ایسی جگہ دشمن سے بچنے کے لئے اگر کوئی روحانی پناہ مل جائے تو من کو شانتی رہے گی۔ اسی لئے کسی گورو کی تلاش ہے خواہ وہ کوئی مسلمان بزرگ ہی کیوں نہ ہو۔''

صوفی چاچا میری بات سن کر جیسے مراقبے میں چلے گئے پھر کچھ سوچ کر انہوں نے گردن اٹھائی اور کہنے لگے۔

''میں تمہارا مطلب سمجھ گیا کیشپ بیٹے! کسی بزرگ کی رہنمائی حاصل کرنا تمہاری روشن ضمیری کی علامت ہے۔ بزرگ تو کئی ہیں، کس کس کی طرف اشارہ کروں مگر ایک بات سے تمہیں ضرور آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اصل حفاظت کرنیوالا اللہ، ایشور اور بھگوان ہے، جس نے آدمی کو پیدا کیا۔ اس معاملے میں کسی انسان پر بھروسہ کرنا خواہ وہ روحانی طور سے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، ہمارے مذہب میں شرک ہے کیونکہ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ کو ہے، اگر وہ کسی کو ہلاک کرنا چاہے تو کوئی طاقت اسے بچا نہیں سکتی اور اگر وہ کسی کو بچانا چاہے تو کوئی

طاقت اسے ہلاک نہیں کرسکتی، تمہیں اسی ذات پر پورا بھروسہ ہونا چاہئے۔''

ان کی بات میں ایک وزن تھا، میں نے اس وزن کو محسوس کیا اور کہا۔ ''پھر بھی بزرگوں کا سایہ آدمی کو شکتی اور شانتی عطا کرتا ہے۔''

''بزرگ دعا یا پرارتھنا کرسکتے ہیں، کسی کو شکتی نہیں دے سکتے۔ اصل شکتی تو آدمی کے اپنے اندر ہوتی ہے۔''

ان کی بات سن کر میں چونک اٹھا۔ ''آپ کس شکتی کی بات کرتے ہیں صوفی چاچا!''

''وہ شکتی جو آدمی کی اپنی قوت ارادی سے پیدا ہوتی ہے مگر اس قوت کے لئے پہلے اپنی ذات کی پہچان ضروری ہے۔''

''اور اپنی ذات کی پہچان کس طرح ہوتی ہے؟''

''آدمی اس بات پر کامل یقین کرلے کہ وہ خدا کا بندہ اور اس کی خوبیوں کا نشان ہے، اسی کو صوفیا کی زبان میں ''اپنی پہچان'' یا خود آگہی کہتے ہیں۔ اپنی ذات کی یہ پہچان اس کے اندر قوت ارادی پیدا کرتی ہے اور قوت ارادی ایک ایسی شکتی اور طاقت عطا کر دیتی ہے جس کے سامنے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہوسکتے ہیں۔''

میں صوفی چاچا کی اس بات پر دنگ رہ گیا کیونکہ رات کو چاچا کے بھوت یا روح یا خیال کے ہیولے نے یا جو کچھ بھی اسے کہا جائے اپنی ذات پر وشواس اور قوت ارادی کے بارے میں بالکل یہی بات مجھے سمجھائی تھی۔ دونوں کا گیان بھی ایک تھا اور الفاظ بھی ملتے جلتے تھے اور اب مجھے پورا وشواس ہو گیا کہ اپنی ذات کی پہچان، بھگوان پر کامل یقین اور قوت ارادی ہی انسانی طاقت کا اصل سرچشمہ ہے، اس گیان اور عرفان سے میرے من کو ایک عجیب سی شانتی ملی اور ناگاہ محسوس ہوا کہ مجھے جس روحانی مرشد اور گورو کی تلاش تھی وہ تو خود صوفی عبدالجبار ہیں، میں نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

صوفی چاچا......! دھن بھاگ ہیں میرے کہ آپ جیسا گورو مل گیا۔''

''ارے...... مجھے گناہ گار کیوں کرتے ہو، میں نے تو صرف معاملے کی صورت بیان کی ہے۔''

''اور سارا معاملہ میری سمجھ میں آگیا، اب مجھے کسی دوسرے دروازے پر جانے کی ضرورت نہیں۔'' ان سے رخصت ہونے لگا تو بولے۔

''کیشپ بیٹے! تم نے کہا تھا کہ ایسی جگہ کام کرتے ہو جہاں تمہیں قانون کی مدد نہیں مل سکتی جبھی کسی کی روحانی پناہ چاہتے ہو مگر یاد رکھو اللہ کی مدد ہر جگہ مل سکتی ہے۔ ہے تو یہ مسلمانوں کا وظیفہ لیکن پسند کرو تو مشکل حالات میں ''یَاحَیُّ یَا قَیُّوم'' کا ورد کرلیا کرو کیونکہ خدا کی ذات ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والی اور مشکلات میں پکارنے والے کی دست گیری کرتی ہے تمہیں یہ

بھی بتا دوں کہ بعض صوفیا اسی ورد کو ''اسم اعظم'' کہتے ہیں۔''

میں نے کئی مسلمانوں سے ''اسم اعظم'' کی کرامت کا ذکر سنا تھا، اب صوفی چاچا نے اس بھید کی کنجی بتائی تو ''یا حی یا قیوم'' کے الفاظ ذہن نشین کر لئے اور ایک نئے وشواس کے ساتھ رخصت ہوا۔

باہر نکلا تو ڈھول کی آواز کان میں پڑی۔ یہ ڈھول رنگامتی شہر سے باہر کرنافلی کی دریائی بندر گاہ کی طرف بج رہے تھے۔ بندرگاہ کی طرف سے آنے والے ایک آدمی سے پوچھا۔ ''یہ ڈھول کیوں بج رہے ہیں؟'' اس نے بتایا۔

''چکمہ اور پانکھو قبیلوں کی کچھ ٹولیاں چندر گونا جا رہی ہیں، کل وہاں تھان مانا کا میلہ ہے؟''

تھان مانا کے میلے کا ذکر سن کر میرے ذہن پر ایک عجیب سی رو گزرنے لگی، میرے جی میں آئی کہ میں بھی یہ تہوار دیکھوں۔

ماں کی کہانی میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ''تھان مانا'' چٹا گانگ کے بودھ قبائل کا تہوار ہے جو چودہ قبائلی دیوتاؤں کی پوجا کرتے اور ہر سال ان کی یاد مناتے ہیں۔ چٹا گانگ شہر کی ایک پہاڑی پر تو یہ تہوار بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے مگر دریائے کرنافلی کے ساحلی شہر چندر گونا میں بھی ایک بڑا میلہ لگتا ہے۔ موگھ، مورنگ، چکمہ، پانکھو اور لوشیا قبیلوں کے بودھ لوگ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اس موقع پر بڑی خوشیاں مناتے، پہاڑی علاقے میں دیوتاؤں کے استھان پر حاضری دیتے، ہندوؤں کی طرح اپنے دیوتاؤں کا جلوس نکالتے، قربانیاں دیتے، چڑھاوے چڑھاتے اور ناچ گانوں سے جی بہلاتے ہیں۔

''تھان مانا'' کا سالانہ میلہ چٹا گانگ یا چندر گونا میں لگتا تھا اور میں نے کبھی یہ میلہ نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے کہ میرے سورگ باشی چاچا کو نہ تو میلوں ٹھیلوں سے دلچسپی تھی نہ ان قبائلی دیوتاؤں سے جن کی بودھ قبائلی پوجا کرتے تھے مگر آج میرے اندر آپ سے آپ ایک تحریک پیدا ہو رہی تھی کہ ''تھان مانا'' کا تہوار دیکھا جائے۔ اس تہوار پر بڑے بڑے بودھ سادھو اور پروہت اکٹھے ہوتے تھے اور میں معلوم کرنا چاہتا تھا، وہ لوگ اپنی روحانی شکتی کا اظہار کس طرح کرتے ہیں، سنا تھا بودھ پروہت اس موقعے پر روحانی طاقت کے عجیب وغریب کرشمے دکھاتے ہیں۔

گھر کی طرف چلتے چلتے فیصلہ کر لیا کہ کل کا دن منجوری کے ساتھ میلے میں گزاروں گا۔ شوق کی ایک زبردست لہر نے میرے من میں ہلچل سی مچا دی تھی، گھر آتے ہی ماں سے پوچھا۔

''ماں! تجھے چندر گونا گئے کتنا سمے ہو گیا؟''

اس نے تعجب سے میری طرف دیکھا۔ ''پگلے! چندر گونا میں اب میرا کون ہے جس سے

ملنے جاؤں گی۔ اسے چھوڑے مدت ہو گئی۔ جن دنوں تیری موسی چندر بالا چٹا گانگ کے اسپتال میں نوکری کرتی تھی، دو تین بار چٹا گانگ گئی اور اسٹیمر پر بیٹھے بیٹھے رستے میں چندر گونا کو بھی دیکھ لیا تھا مگر تجھے آج چندر گونا کیسے یاد آ گیا؟''

''کل وہاں تھان مانا کا میلہ ہے نا۔ سوچا تو اگر راضی ہو تو تیرے ساتھ منجوری کو بھی میلے کی سیر کرا لاؤں۔''

''ارے میری کوئی عمر ہے میلے دیکھنے کی ہاں تو کل منجوری کو ساتھ لے جا اور میلہ دکھالا۔''

منجوری فوراً بولی۔ ''ماں! تو بھی ساتھ چل نا، تیرا جی بہل جائے گا۔''

''میرا جی تم دونوں کو دیکھ کر بہل جاتا ہے، تم چلے جانا۔''

فیصلہ ہو گیا کہ میں اور منجوری ''تھان مانا'' کا میلہ دیکھنے سویرے ہی چندر گونا روانہ ہو جائیں گے اور شام کو لوٹ آئیں گے اس خوشی میں منجوری کو رات بھر نیند نہ آئی۔ اس نے میلے کی شہرت سنی تھی، دیکھا نہیں تھا۔ دیر تک بیٹھی پہلے ماں سے پھر مجھ سے تھان مانا کی باتیں کرتی رہی۔

دوسرے دن سویرے ہی اسے لے کر کرنافلی کی بندرگاہ پر آ گیا۔ دریا پر مسافروں کی بھیڑ تھی، آس پاس کے پہاڑی علاقوں پر آباد بودھ قبیلوں کی کئی ٹولیاں سالانہ تہوار منانے چندر گونا جا رہی تھیں۔ ایک بڑے اسٹیمر میں جگہ مل گئی۔ رنگامتی سے چندر گونا تک کا دریائی سفر دو گھنٹے میں طے ہو جاتا ہے، ہم نو دس بجے کے درمیان وہاں پہنچ گئے۔ چندر گونا میں دریا کا پاٹ چوڑا ہے، اسٹیمروں، لانچوں اور کشتیوں نے ہزاروں یاتریوں کو ساحل پر اتار دیا تھا اور ان کی بھیڑ سے ساحل پر بھی میلہ سا لگا تھا۔ بندرگاہ کے آس پاس کئی دکانیں سجی تھیں اور ناریل کے تیل میں تازہ مچھلی تلی جا رہی جس سے فضا میں سڑاند سی پھیل رہی تھی۔

چندر گونا کی پہاڑیاں سبزے سے لدی تھیں۔ ان پہاڑیوں پر مویشی اور بھیڑ بکریوں کے چھوٹے چھوٹے گلے چرتے نظر آیا کرتے تھے مگر آج ادھر ادھر آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے، دیوتاؤں کا استھان ایک پہاڑی پر تھا، دراصل میلہ اسی پہاڑی پر لگا تھا مگر میلے میں جانے سے پہلے ہم نے ساحل کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر رام گارتھ کے باغات کی خوشبودار چائے کا ایک ایک کپ پیا۔

ہمیں چار بجے کے اسٹیمر سے رنگامتی واپس جانا تھا، اس لئے چائے پیتے ہی پہاڑی استھان کی طرف چل دیئے۔ میں نے معلوم کر لیا تھا کہ سادھو اپنے روحانی شعبدے عموماً دوپہر کے بعد دکھاتے ہیں، اس لئے دوپہر تک گھوم پھر کے میلہ دیکھ سکتا تھا۔ منجوری ساڑی اور بلاؤز میں کسی شہری لڑکی کی طرح میرے ساتھ ساتھ لگی چل رہی اور اتنی خوش تھی کہ اس کا چہرہ گلاب کا پھول معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس کے جوڑے میں بھی گلاب کا پھول ٹانک دیا تھا۔ یہ بھی بتاتا چلوں

کے چکمہ لڑکیاں پھولوں کو بہت پسند کرتی ہیں اور منجوری بھی انہی میں سے ایک تھی۔

میلے میں کہیں بڑے بڑے ہنڈولے اور پنگوڑے تھے۔ کہیں تھیٹر، کہیں سوانگ بدلنے والے روپ دھارے، کہیں بین بجاتے ہوئے سپیرے جنہوں نے گلے میں سانپوں کے ہار پہن لئے اور کندھے پر ان کی بہنگیاں اٹھا رکھی تھیں۔ کہیں بانسری بجانے والوں نے اپنے ارد گرد بھیڑ جمع کر لی تھی اور کہیں جوتشی ماتھوں پر بڑے بڑے تلک لگائے لوگوں کو ان کی قسمت کا حال بتا رہے تھے۔ ''تھان مانا'' کے تہوار پر ڈھولک پر لوک ناچ بھی ہوتے ہیں۔ چکمہ اور بنگلہ گیت گائے جاتے ہیں لوگ رنگ دار لباس پہن کر آتے ہیں اور ان کے درمیان گیروے کپڑوں میں سر منڈے بودھ سادھو اور بھکشو بالکل الگ تھلگ سے دکھائی دیتے ہیں۔ میلے میں قسم قسم کی دلچسپیاں، قسم قسم کی دکانیں تھیں مگر یہاں بھی ناریل کے تیل کی سڑاند پھیلی تھی۔

منجوری کے ساتھ یہ میری پہلی تفریح تھی۔ اس لئے ہم نے جی بھر کے میلے کی سیر کی۔ ہنڈولے میں بھی بیٹھے اور لوک ناچ بھی دیکھے، ایک ناچ منڈلی سے نکل رہے تھے کہ نہ جانے کہاں سے ایک بھکاری سادھو ہمارا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کے پیالے میں دکھشنا کے پیسے ڈال دیئے پھر بھی رستے سے نہیں ہٹا، مجھے غور سے دیکھتا رہا۔ اچانک سادھوؤں کے مخصوص انداز میں انگلی اٹھا کر بولا۔

''شاید تمہارا نام تھارو کیشپ ہے اور رنگامتی سے آئے ہو۔''

میں حیران سا رہ گیا۔ ''ہاں نام بھی تھارو کیشپ ہے اور آیا بھی رنگامتی سے ہوں۔''

''جبھی یوں لگا تھا تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔''

مگر مجھے ہرگز یاد نہیں تھا کہ میں اس سادھو سے کبھی ملا ہوں۔ جیون میں پہلی بار میلے میں اس کی شکل نظر آئی تھی۔ کہنے لگا۔

''تم بھگوان کے نام لیوا دکھائی دیتے ہو۔ استھان پر چڑھاوا دو من کی مراد پوری ہو گی۔''

یہ کہہ کر وہ بھیڑ میں گھل مل گیا اور میں نے اسے دیوتاؤں کے استھان کی طرف جاتے دیکھا، میلے میں گھومتے پھرتے دوپہر ہو گئی۔ ہم نے ایک دکان سے روٹی اور تلی ہوئی مچھلی کھائی اور کچھ دیر وہیں آرام کیا۔ دوپہر ڈھلنے کے بعد استھان کی طرف چل دیئے۔ منجوری نے چلتے چلتے پوچھا۔

''کیا دیوتاؤں کو چڑھاوا دو گے؟''

''نہیں..... استھان پر سادھوؤں کے شعبدے دیکھوں گا مجھے ان کی روحانی شکتی کا اندازہ کرنا ہے۔''

منجوری نے چشم حیرت سے دیکھا اور میرے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ استھان پر بہت تھوڑے

لوگ تھے، ہم دونوں بھیڑ سے ہٹ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ اسی اثناء میں استھان کے مہا پروہت نے یاتریوں کو درشن دیئے۔ دیوتاؤں کے گن گائے اور چلا گیا پھر ایک جٹا دھاری سادھو استھان کے چبوترے پر آ کر معمولی قسم کے شعبدے دکھانے لگا۔ اس کا ایک ساتھی ایک ٹانگ، ایک پاؤں بلکہ صرف پاؤں کے انگوٹھے کے بل پر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جٹا دھاری سادھو نے منہ، ناک، کان گندھی ہوئی مٹی سے بند کر رکھے تھے بلکہ آنکھوں پر بھی مٹی کے گولے چڑھا لئے تھے گویا نہ وہ کچھ دیکھ سکتا تھا نہ سن سکتا تھا مگر اس حالت میں اس نے بعض لوگوں کے سوال سنے اور ان کے جواب دیئے، ان کے دل کی کامنائیں بتائیں حتیٰ کہ ان کے لباس اور کپڑوں کے رنگ بھی بیان کر دیئے۔

میرے لئے اس ''کرشمے'' میں دلچسپی کا کوئی پہلو نہ تھا، پھر بھی بڑی توجہ سے یاتریوں کے سوال اور سادھو کے جواب سنتا رہا کہ اچانک کہیں سے ایک خنجر اڑتا ہوا میری طرف آیا اور منجوری نے فوراً ہی مجھے زمین پر گرا دیا، خود بھی گر گئی۔ خنجر ہمارے سروں کے اوپر سنسناتا گزر گیا اور ایک یاتری کی ران میں کھب گیا جو کچھ فاصلے پر ہمارے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کے جسم سے گرم گرم جیتا جیتا خون بہنے لگا۔

استھان پر شور مچ گیا، کچھ لوگ ہماری طرف دوڑے، کچھ گھائل یاتری کی طرف اور اس افراتفری میں میں نے اس بھکاری سادھو کو ایک طرف بھاگتے دیکھا جس نے ناچ منڈلی کے سامنے ہمارا راستہ روک کر یہ اطمینان کر لیا تھا کہ میرا ہی نام تھارو کیشپ ہے اور میں رنگامتی سے آیا ہوں میں لوگوں کی بھیڑ کاٹتا ہوا اس کے پیچھے لپکا۔ اس کی آخری جھلک استھان کے عقبی حصے میں نظر آئی تھی مگر جب بھاگتا ہوا وہاں پہنچا اس کی پرچھائیں بھی دکھائی نہ دے سکی۔ نہ جانے وہ جادو کے پتلے کی طرح آناً فاناً کہاں غائب ہو گیا تھا۔ منجوری بھی میرے پیچھے ہی پیچھے بھاگی تھی، میں اس کے ساتھ استھان میں داخل ہوا اور مہا پروہت سے اس سادھو کے بارے میں پوچھا، وہ خود اس واقعے پر پریشان نظر آتا تھا۔ کہنے لگا۔

''میں اس سادھو کو نہیں جانتا جس کا حلیہ تم نے بیان کیا ہے۔''

''مگر وہ یہیں تھا۔ اسی استھان پر اس نے مجھ پر حملہ کیا ہے۔''

''استھان پر جگہ جگہ کے یاتری اور سادھو آتے ہیں، میں بھلا ہر ایک کو کیسے جان سکتا ہوں۔''

میں منجوری کو لے کر استھان سے باہر نکلا۔ لوگ ابھی تک گھائل یاتری کے گرد جمع تھے۔ اس کی ران سے خنجر نکال لیا گیا اور زخم باندھ دیا گیا تھا۔ میں نے وہ خنجر اپنے قبضے میں لے لیا۔ ''تھان مانا'' کے مذہبی تہوار پر آئے ہوئے یاتری اس واقعے پر قسم قسم کی چہ میگوئیاں کر رہے

تھے۔ استھان کے پروہتوں کا خیال تھا کہ پولیس کو اس حادثے کی [illegible] نہ دی جائے ورنہ دھرم استھان کی بدنامی ہوگی۔ اسی اثناء میں منجوری نے مجھے توجہ دلائی۔ ''ہمیں استھان سے، میلے سے، چندر گونا سے نکل جانا چاہیے، ہوسکتا ہے چھپا ہوا سادھو موقع پا کر پھر وار کرے۔''

میں اس کے ساتھ کرنافلی کی بندرگاہ کو ہولیا اور اس بات پر حیران ہو رہا تھا کہ صوفی عبدالجبار کی وہ بات جو انہوں نے منجوری کے بارے میں کہی تھی کتنی جلدی پوری ہوگئی کہ وہ کسی وقت میری رکھشا کرے گی۔ اگر اس نے ہوشیاری اور پھرتی سے کام لے کر مجھے زمین پر گرا نہ دیا ہوتا تو خنجر میرے سینے میں اتر جاتا۔ چلتے چلتے میں نے اسے تاکید کی کہ اس واقعے کا ذکر ماں سے ہرگز نہ کرے ورنہ پریشان ہوگی۔ پریشان تو منجوری بھی تھی مگر میں نے یہ کہہ کر اسے تسلی دی۔

''جس طرح بھگوان نے آج میری رکھشا کی ہے اسی طرح آئندہ بھی کرے گا۔''

بندرگاہ پر پہنچے تو رنگامتی کی طرف جانے والا اسٹیمر اپنا ''ہوٹر'' بجا رہا تھا۔ ہم بھاگم بھاگ اسٹیمر میں سوار ہوئے اور وہ بہاؤ کے مخالف رخ تیرنے لگا۔ شام کا سرمئی اندھیرا پھیل چکا تھا، جب ہم رنگامتی کے ساحل پر اترے۔

ماں نے مجھے اور منجوری کو دیکھا تو بولی۔

''اچھا ہوا تو آ گئے میرا من گھبرا رہا تھا۔''

ماں نے کھانا پکا رکھا تھا، ہم دونوں کھانا بھی کھاتے رہے اور اسے ''تھان مانا'' کی رونق اور دلچسپیوں کے قصے بھی سناتے رہے۔ ماں خوش تھی کہ نوکری پر جانے سے پہلے میں نے منجوری کو چندر گونا کے میلے کی سیر کرادی ہے۔

سویرے مجھے ساؤ گاری کی طرف روانہ ہونا تھا۔ منجوری نے میرا سفری سامان اٹیچی کیس میں رکھ دیا، میں نے چاچا کی کتاب ''مقدس مورتی'' اور نقلی مورتی جسے وہ کلکتہ سے لائے تھے۔ اپنے اٹیچی کیس میں محفوظ کر لی اور ماں نے اس کمرے پر پھر تالہ ڈال دیا جس میں چاچا کی کتابیں اور رجسٹر بند تھے۔ مجھے رہ رہ کر خیال آ رہا تھا چاچا نے تین دن پہلے مجھے ہدایت کی تھی ''منزل کی طرف کوچ کرو۔'' اگر اس ہدایت کے مطابق دوسرے دن سفر پر روانہ ہو جاتا تو شاید چندر گونا کے استھان پر خنجر زنی کا واقعہ پیش نہ آتا۔ میں نے سوچا کوئی پراسرار دشمن چاہتا ہے مجھے یہیں ختم یا گھائل کر دیا جائے اور میں ساؤ گاری کی طرف سفر نہ کرسکوں، باٹی پارہ نہ پہنچ سکوں مگر میری قسمت کے نوشتے میں ساؤ گاری کا دوسرا سفر بھی بہت پہلے سے لکھ دیا گیا تھا اور مجھے یہ سفر بہرحال کرنا تھا۔

رنگامتی میں گزرنے والی آخری رات میں نے منجوری کے لمبے، گھنے بالوں کے سائے میں

گزار دی اور اس رات کوئی سپنا نہیں دیکھا۔ منجوری سے پریم کی باتیں کرتا اور کبھی اس کی کالی زلفوں سے، کبھی نتھنی سے کھیلتا رہا، مجھے وہ حسین رات کبھی نہیں بھول سکتی کیونکہ اسی رات کے سندر لمحوں میں میں نے اپنے پریم کا دوسرا نروان حاصل کیا اور یہ عہد باندھا تھا کہ پروہت گنجال کو اسی کے بل میں گھس کر ماروں گا، شاید چندر گونا کے استھان پر حملہ کرنے والا سادھو بھی اسی کا فرستادہ تھا۔

دوسرے دن جب سورج رنگامتی کے پربتوں سے ہولے ہولے طلوع ہو رہا تھا، میں نے ماں کے چرن چھوئے، منجوری سے رخصت لی اور اپنا اٹیچی کیس اٹھا کر بندرگاہ کی طرف ہولیا۔ ساؤ گاری کا دوسرا سفر میرے جیون کا سب سے اہم سفر تھا اور میں ایک ایسے دشمن کی طرف جا رہا تھا جس نے رنگامتی میں بھی مجھے نظر انداز نہیں کیا تھا۔

○○○

(18)

گوشہ وصل

رنگامتی سے چٹا گانگ تک سات گھنٹے کا دریائی سفر میرے لئے نیا نہ تھا کئی بار کسی اسٹیمر یا لانچ پر دریائے کرنافلی سے گزرا تھا۔ اس کے دونوں کناروں پر جیون کی چہل پہل دیکھی تھی۔ چندر گونا تک تو اس ندی میں اتنے اینچ پیچ، اتنے گھماؤ اور کٹاؤ ہیں جیسے سانپ بل کھا کر دہرا، تہرا ہو جاتا ہے، البتہ چندر گونا سے چٹا گانگ تک یہ عظیم ندی بانس کی طرح سیدھے رخ بہتی ہے اور بنگالی مانجھی لمبی لمبی تانیں اڑاتے اس میں بڑی تیز رفتاری سے کشتیاں کھیتے ہیں جن کے گیتوں میں اس دھرتی کا روپ رچا بسا ہوتا ہے مگر آج کچھ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی مہماتی سفر پر جا رہا ہوں۔

ساؤ گاری کی طرف پہلا سفر بالکل اتفاقی اور ناگہانی طور پر پیش آیا تھا جس کی تفصیلات میرے قارئین پڑھ چکے ہیں مگر مہذب دنیا سے کوسوں دور رنتا گری کے ویرانے میں اس یکا و تنہا عمارت کی جانب یہ میرا دوسرا سفر تھا اور اس بار جہاں میرے ذہن میں خیالات کا ایک جھگھٹا تھا، وہاں میں پروہت گنجال سے نمٹنے کا ارادہ لے کر بھی جا رہا تھا جو پراسرار طاقتوں کا مالک اور ساؤ گاری پر حکومت کرتا تھا۔

لانچ چندر گونا کے گھاٹ پر لگی تو بہت سے بودھ یاتری جو ”تھان مانا“ کا تہوار دیکھنے آئے تھے، لانچ پر سوار ہوئے۔ یہ تہوار کل آدھی رات کو ختم ہو گیا تھا مگر بہت سے یاتری 14 دیوتاؤں کے استھان پر رات گزارنے کے بعد اب اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے اور گھاٹ پر ایک بھیڑ سی لگی تھی جو یاتری لانچ پر سوار ہوئے، ان میں مردوں کے ساتھ کچھ بوڑھی اور جوان عورتیں بھی تھیں جو رنگدار کپڑوں میں ملبوس تھیں۔ گیروے چولوں میں کچھ سادھو اور بھکشو بھی نظر آئے جنہیں دیکھتے ہی میں ہوشیار ہو گیا۔ سفر کے دوران ایک پل کے لئے غافل نہیں ہوا۔ سادھو اور بھکشو رنگونیا میں لانچ سے اتر گئے۔ ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی اترے اور دریائی سفر جاری رہا۔ تیسرے پہر لانچ چٹا گانگ کی بندرگاہ پر آ لگی۔

چٹا گانگ کا حسین شہر دریائے کرنافلی کے ذریعے خلیج بنگال سے ملا ہوا ہے اور دھند اور پانی کے درمیان خوابوں کا جزیرہ دکھائی دیتا ہے، بعض لوگ اسے ”اسلام آباد“ بھی کہتے ہیں کیونکہ مغلوں کے زمانے میں ایک گورنر اسلام خان نے اس کی ترقی میں بڑا حصہ لیا تھا۔ چٹا گانگ کے

اردگرد پہاڑیاں درختوں اور سبزے سے لدی ہوئی ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے کوئی سندر ناری سبز ساڑی پہنے سمندر میں جھانک رہی ہو۔ یہ سبز جنگلوں اور سنہرے ریشے کا دیش ہے، سونار بنگلہ۔

چٹا گانگ اور آس پاس کے پہاڑی علاقوں کی بیشتر آبادی بودھ قبیلوں پر مشتمل ہے جو آرین اور منگول نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ منگول نسل کی عورتیں خوبصورت سمجھی جاتی ہیں، جن کی لمبی آنکھوں اور بھاری پپوٹوں میں ”چشم تاتارا“ کی جھلک نظر آتی ہے۔

کہتے ہیں، شاہ تساندیا نے اس شہر کا نام ”تسیت تے گونگ“ (یعنی جنگ نہیں ہونی چاہئے) رکھا تھا۔ اسی نام نے بعد ازاں چٹا گانگ کی شکل اختیار کر لی۔ مغل سلطنت کے جھگڑے میں شاہ جہاں کا بیٹا شہزادہ شجاع اپنے بھائی اورنگزیب کے خوف سے بھاگ کر بنگال میں پناہ لینے آیا مگر بدنیت تساندیا نے اسے گرفتار کر لیا اور زندہ ہی بکرے کی کھال میں سلوا کر سمندر میں غرق کر دیا تھا ان مغل عورتوں نے جو شہزادہ شجاع کے ہمراہ پوربی بنگال بھاگ آئی تھیں۔“ سمندر میں کود کر جانیں دے دیں مگر اپنی عزت بچالی۔ دریائے کرنافلی کے اس پار ”عید گاہ“ نام کا ایک گاؤں اس واقعے کی یاد تازہ کرتا ہے کیونکہ شاہ تساندیا نے شہزادہ شجاع کو اسی گاؤں سے گرفتار کیا تھا۔

مغل قافلے سے کچھ آدمی بچ گئے اور چٹا گانگ کے علاقے ہی میں آباد ہو گئے تھے، ان کی نسل کے لوگ آج بھی ”کماچی“ کہلاتے ہیں۔ میں اپنے قارئین کو یہ معلومات جن کا اصل کہانی سے کوئی تعلق نہیں، محض اس لئے فراہم کر رہا ہوں کہ میرا دوسرا سفر بڑا عجیب اور پر خطر معلوم ہوتا ہے اور مجھے رنگامتی اور کرنافلی اور چٹا گانگ چھوڑتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے سونار بنگلہ کی یہ رونقیں پھر نہ دیکھ سکوں گا۔ میرا یہ سفر شہزادہ شجاع کا سفر بھی بن سکتا ہے جو ظالم تساندیا کا شکار ہوا۔ جب آدمی کوئی بات ٹھان کر نکلتا ہے تو کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ لڑائی میں ایک کی جیت دوسرے کی ہار لازمی ہے مگر میں آنے والے دنوں سے خوفزدہ نہیں کیونکہ صوفی عبدالجبار سے ملنے کے بعد یہ گیان مجھے حاصل ہو چکا ہے کہ جینے مرنے پر کسی کا اختیار نہیں۔ زندگی اور موت کے دروازے کون کھولتا، کون بند کرتا ہے؟ صرف دستِ تقدیر اور آدمی اپنی تقدیر سے بھاگ نہیں سکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں، تقدیر، قسمت یا آدمی کے لیکھ کچھ نہیں۔ دنیا کی گردش ازل سے اسی طرح جاری ہے اور اسی طرح جاری رہے گی۔ اس سنسار کی اسٹیج پر ہر آدمی اپنے حصے کا ناٹک کھیل کر رخصت ہو جاتا ہے اور آگے کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا مگر تقدیر ان لوگوں کے بھی ساتھ ہی ساتھ چلتی رہی ہے جو اسے نہیں مانتے اور تتھاگت بدھ نے کہا ہے ”کوئی چیز ہے جو آکاش پر لکھی جاتی ہے۔“

جذبات کی یہ عجیب سی رو بندر گاہ پر اترتے ہی میرے من سے گزرنے لگی تھی اور میں جذبات اور خیالات کی ایک بھیڑ کے درمیان شہر کی طرف بڑھ رہا تھا، یہ بھی بتاتا چلوں کہ چٹا گانگ کی تمام تر رونق بندرگاہ کے اردگرد گھومتی ہے جس نے اسے مشرق کا ایک خوبصورت روایتی شہر بنادیا ہے، باہر سے آنے والے پردیسی سیاح اسے ''سبز نیندوں کا شہر'' بھی کہتے ہیں۔

پانی، دھند اور سبز نیندوں کے اس شہر میں گھومنے پھرنے کے لئے میرے پاس بڑا سمے تھا، پروگرام کے مطابق مجھے رات کے آخری پہر ریل پر سوار ہونا اور برہمن باڑیہ کے ریلوے جنکشن سے گوہاٹی کے لئے ٹرین تبدیل کرنا تھی، تب کہیں سات تاریخ کو شام کی گاڑی سے باٹی پارہ پہنچ سکتا تھا جیسا کہ سندر متی کو چٹھی کے ذریعے اپنے آنے کی اطلاع بھیج چکا تھا، میں نے بندرگاہ سے کسی ایسے رکشہ پر بیٹھنا پسند نہیں کیا، جسے انسان کھینچ رہا ہو اور پیدل ہی شہر کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے خیال آیا کہ میں سندر متی کے ساتھ لگن رات منانے جارہا ہوں تو اس کے لئے لگن رات کا کوئی تحفہ بھی خرید لینا چاہئے۔

میری آپ بیتی پڑھنے والے ضرور سوچتے ہوں گے، میں نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ رنگامتی میں ماں نے سندر متی سے لگن توڑنے کی جو بات چلائی تھی وہ کس نتیجے پر پہنچی، آیا کوئی فیصلہ ہوا تھا یا نہیں؟ تو عرض کرتا ہوں کہ میں نے ماں سے وعدہ کرلیا تھا اگر منگل ساؤ چاچا کا قاتل نکلا تو سندر متی سے لگن توڑلوں گا، وہ بھی یہی چاہتی تھی، اس نے آپ سے آپ کوئی فیصلہ بھی کرلیا جس دن منجوری کا باپ وشال رائے ہمارے گھر سے رخصت ہوا اور منجوری وہیں رہ گئی اس دن ماں نے علیحدگی میں مجھے اپنے پاس بلایا اور سندر متی کے بارے میں اپنے فیصلہ سے آگاہ کردیا تھا۔

میں نے جان بوجھ کر اس واقعے کا ذکر نہیں کیا اور ماں کا فیصلہ اس موقع کے لئے اٹھا رکھا تھا کہ جب باٹی پارہ کی طرف کوچ کروں گا تب اپنے پڑھنے والوں کو ماں کے فیصلے سے آگاہ کروں گا تو مجھے علیحدگی میں بلا کر یوں کہا تھا اس نے کہ جب تو سندر متی کو بہت چاہتا اور اس کے ساتھ تیرا لگن بھی ہو چکا ہے اور میں تجھے سروپ جی کی بھیجی ہوئی انگوٹھی بھی پہنا چکی ہوں تو وہ ہر حال میں میری بہو ہے، خواہ منگل ساؤ تیرے چاچا کا قاتل ہو یا نہ ہو اور تجھے اپنے ہاتھ سے سروپ جی کی انگوٹھی اتارنے کی ضرورت نہیں۔''

یہ خلاف توقع فیصلہ سن کر میں نے حیرت پاش نظروں سے ماں کی طرف دیکھا تو اس نے بتایا تھا۔

''کیشپ بیٹے! تیرے چاچا سورگباش ہو چکے، منگل ساؤ بھی مر گیا۔ اب میں مرنے والوں کو تیری اور سندر متی کی خوشیاں کیوں چھیننے دوں۔ میں ان کی دشمنی تجھے میراث میں دینا نہیں چاہتی۔''

ماں نے یہ فیصلہ میرے پیار کی وجہ سے کیا تھا اس لئے کہ وہ میری مرضی پوری کرنے کا وچن دے چکی تھی، کچھ بھی ہو مگر اس دن ایک بار پھر مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ کتنی اونچی اور مہان عورت ہے جو پرانی نسل کی دشمنی نئی نسل میں تقسیم نہیں کرنا چاہتی۔ میں نے بھی اس پر واضح کر دیا کہ وشال رائے نے بیل گاڑی والے واقعے سے متعلق جو بیان دیا اور جو تفصیل سنائی ہے، اس کے مطابق منگل ساؤ نردوش ہے کیونکہ وہ چاچا کو روکنا چاہتا تھا۔ انہیں بیل گاڑی سے کچل دینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، حادثہ گاڑی بان کی غلطی سے پیش آیا، البتہ وہ وشال رائے کا دوشی ضرور تھا۔

یہ سن کر وہ مطمئن سی نظر آنے لگی لیکن اس بات پر بھونچکا سی رہ گئی تھی کہ وشال رائے نے مجھے دوسرے لگن کی آگیا دے دی اور منجوری سے بھی کہہ دیا کہ وہ دوسرے لگن پر اعتراض کرے گی نہ اس کا کارن پوچھے گی، ماں کے لئے یہ بالکل اچنبھا تھا کہ ایک باپ اپنی بیٹی پر سوتن لانے کو برا نہیں سمجھتا اور سماج اور رواج کے بالکل برعکس اپنے ہونے والے داماد کو دوسرا بیاہ کرنے کی آگیا دے دیتا ہے۔ اس طرح ماں نے بھی منجوری اور سندر متی کو بیک وقت بہو مان لیا تھا۔ اب میں اس کی آگیا سے سندر متی کے ساتھ لگن رات منانے جارہا تھا اور اسی لگن رات کے صدقے میں مجھے ماں کی بچھڑی آتما جل پنا کو اس کے چرنوں میں لے کر آنا تھا۔

سیٹھ لکشمی ناراین کی دکان سے میں نے سندر متی کے لئے سہ لڑا جڑاؤ ہار خریدا قیمت تو پانچ ہزار روپے تھی مگر ڈیزائن اور خوبصورتی میں شاید کوئی نولکھا ہار بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے، معاً میرا دھیان جل پنا کی طرف چلا گیا اور سوچا کہ اس کے لئے بھی کوئی شے خریدنی چاہئے پھر جڑاؤ کڑوں کی ایک جوڑی پسند کر لی اور قیمت چکا کر سات ہزار روپے کا چیک کاٹ دیا سیٹھ نے کسی حیل وحجت کے بغیر قبول کرلیا۔ اس کی معرفت تو بینک میں اپنا کھاتہ کھلا تھا۔

سندر متی اور جل پنا کے لئے تحفے خرید کر نکلا اور ریلوے اسٹیشن کی طرف جارہا تھا کہ اچانک میں نے ایک ان کہی آواز سنی اور انہی قدموں میں رک گیا کوئی کہہ رہا تھا۔

''پربھو! مجھے بالکل ہی بھول گئے ہو۔''

بونے شاسترو کی آواز نے ذہن کے ساتھ میرے جسم کو بھی ہلا کر رکھ دیا اور میں حیران و ششدر سا کھڑا سوچنے لگا، کیا یہ واقعی شاسترو کی آواز ہے جو سینکڑوں میل دور ساؤ گاری کی قدیم الایام عمارت میں بیٹھا ہے کہ میرے کان بج رہے ہیں یا میرا اپنا ذہن بول رہا ہے؟ بالکل یوں لگا تھا جیسے کوئی میرے خیال کی زنجیر ہلا رہا ہو۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آیا اس وقت شاسترو ہی مجھ سے مخاطب ہے کوئی دوسرا نہیں، میرے ہونٹ ہلنے لگے۔

''ارے بھوتنے! میں تو واقعی تجھے بھول گیا تھا مگر تو نے اچھا کیا کہ بروقت مجھے یاد دلا دیا۔

بول تیرے لئے کیا لے کر آؤں؟''

''پربھو! آپ تو جانتے ہو کہ میں زیور نہیں پہنتا، کپڑا اتنا بھی مالک سے مل جاتا ہے پھر خود ہی سوچو نا، میرے لئے کیا چیز لا سکتے ہو۔''

''اپنے بنگال کا کوئی تحفہ لاؤ، گاتا، پھڑ پھڑاتا ہوا تحفہ۔''

میں حیران کہ بنگال کا بولتا، گاتا، پھڑ پھڑاتا ہوا تحفہ کون سا ہو سکتا ہے۔ بنگالی نوجوان عموماً بانسری کے شوقین ہوتے ہیں، بانسری بولتی اور گاتی ضرور ہے مگر پھڑ پھڑاتی نہیں، پھر شاستر و کو بھی اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی ورنہ رتنا گری کے جنگلوں میں بانس بھی تھے اور نرکل بھی۔ وہ خود بانسری تیار کر سکتا تھا۔ میں نے پریشان سا ہو کر پوچھا۔

''ارے کس تحفے کی بات کرتا ہے؟''

''پربھو! بنگال کا سب سے سندر تحفہ بنگال کی مینا ہے، بولتی بھی ہے، گاتی بھی ہے، پھڑ پھڑاتی بھی ہے، بس میرے لئے ایک بنگالی مینا لے آؤ۔''

میں اس عجیب فرمائش پر چونک اٹھا۔

پھر شاستر و کی کوئی آواز نہیں آئی، شاید اس نے اپنا ذہنی رابطہ خود ہی منقطع کر دیا اور کسی کام میں مصروف ہو گیا تھا مگر میرے لئے تو یہ معاملہ کسی طلسم ہوشربا سے کم نہ تھا کہ وہ سینکڑوں میل دور رہ کر بھی مجھ سے باتیں کر لیتا ہے اس کے لئے میرے پاس ''ٹیلی پیتھی'' کی مثال موجود تھی اور دنیا میں ایسی بہت سی عجیب باتیں ہیں جو ابھی دریافت نہیں کی گئیں، پھر بھی میری حیرت چھپائے نہ چھپتی تھی کہ وہ دنیا کا ایک انوکھا پرش ہے اچانک خیال آیا اگر کوشش اور ریاض کروں تو شاید میں بھی یہ ذہنی رابطہ قائم کر سکوں اور کیا عجب اپنے ہم کلام کی کوئی دھندلی یا واضح تصویر بھی دیکھ لوں۔ اس خیال سے بدن میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی اور دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ یہ ذہنی تربیت ضرور حاصل کروں گا، ابھی اسی سوچ گم تھا کہ ایک آدمی بانس کے پنجرے اٹھائے گزرا، وہ پرندے بیچنے والا شکاری تھا، ایک پنجرے میں مینا بھی نظر آئی، میں نے اسے فوراً آواز دی۔

''اے بھیا! مینا کتنے میں بیچتے ہو؟''

وہ رک گیا۔ ''قیمت نہ پوچھو، گن پوچھو بابو! یہ بنگلہ، آسامی، اردو، انگریزی سبھی کچھ بولتی ہے جس زبان میں چاہو بات کر لو۔'' اس نے مینا کا پنجرہ مجھے پکڑا دیا اور میں نے ازراہ مذاق کہا۔ ''گڈ ایوننگ''

مینا چاخ سے بولی۔ ''گڈ ایوننگ سر!''

پھر میں نے بنگلہ بھاشا میں بات کی۔ ''تمی حالو چھے؟''

اس نے بھی بنگلہ ہی میں جواب دیا۔ ''امی بھالو باشو...... بھالو باشو''

شکاری کے اس بیان کی تصدیق ہو گئی کہ مینا کئی زبانیں جانتی اور واقعی بڑے گنوں والی ہے، بڑی مشکل سے پچاس روپے میں سودا اٹھا۔ میں شاستر و کے لئے بنگالی مینا خرید کر اسٹیشن کی طرف ہو لیا۔

منجوری کو رنگامتی میں چھوڑ آیا تھا، پھر بھی اس کا سایہ چٹا گانگ تک میرے ساتھ ہی ساتھ رہا اور وہ ریلوے اسٹیشن تک بار بار سمجھاتی رہی کہ میں سفر میں اپنا خیال رکھوں۔ دیکھ بھال کے گاڑی میں بیٹھوں اور غافل نہ رہوں، رات کے پچھلے پہر جب پو پھٹنے میں تھوڑی دیر تھی، ٹرین میں سوار ہوا تو منجوری کا خیال پلیٹ فارم پر رہ گیا اور یہاں سندر متی میرے ساتھ آ کر بیٹھ گئی کیونکہ ٹرین میں سوار ہو کر صرف اسی کے بارے میں سوچتا رہا۔

میں کئی باتیں قدرت کی مرضی یا تقدیر پر چھوڑ دینے کا عادی ہوں تقدیر بعض کام اپنے ذمے لے لیتی اور ان کا خود فیصلہ کرتی ہے جس طرح زندگی اور موت جیسے اہم فیصلے صرف قدرت کی مرضی سے ظہور میں آتے ہیں اس لئے میں ٹرین میں سوار ہو کر غافل تو نہیں تھا مگر اپنی دیکھ بھال کا فرض تقدیر یا قدرت کو سونپ کر خود سندر متی کے خیالوں میں کھو گیا۔

سندر متی سے ملاپ، پریم اور لگن بھی قسمت ہی کا فیصلہ تھا جس سے میں نہ بھاگ سکتا تھا نہ وہ اور سات تاریخ کو ریل میں بیٹھ کر چٹا گانگ سے رخصت ہوا تو سوچ رہا تھا کہ وہ لگن رات منانے کی کیسی کیسی تیاریاں کر رہی ہوگی، بناؤ سنگھار کرے گی، آنکھوں کی کوٹھریوں میں کاجل بھرے گی، مانگ میں گوٹے مقیش کی کترن سجائے گی اور بہترین لباس پہن کر (اور نجانے وہ لباس کیسا ہوگا) اپنے بدن کی خوشبو سے حویلی کو مہکا رہی ہوگی۔ انہی سوچوں میں ڈوبا، اپنے جسم میں ایک عجیب سا آنند محسوس کرتا اور ریل کے ہچکولے کھاتا اڑا جا رہا تھا کہ اچانک میرے خیالوں کا پنچھی اپنے پروں کو تولتا ہوا باٹی پارہ سے بھی آگے اور آگے ساؤ گاری کے ''مکتی گھر'' میں پہنچ گیا جہاں جل پنا بھگوان کی نرتکی کا روپ دھارے پیتل کے کڑے بجاتی، گھنگھریاں چھنکاتی، بھگتی ناچ کرتی تھی اور اس کے تصور سے میں کچھ پریشان سا ہو گیا، یوں لگا جیسے کسی نے جھنجھوڑ سا دیا اور پوچھا ہو ''کیا یہ سفر صرف سندر متی سے لگن رات منانے کے لئے ہے؟ اس کا اور کوئی مقصد نہیں ہے؟'' ''ایک اور مقصد بھی'' میں نے اپنے آپ کو جواب دیا۔ ''جل پنا کو اپنی دنیا میں واپس لانا میرے جیون کا سب سے بڑا آدرش ہے۔''

اور اپنے اس جواب سے مجھے کچھ تسلی ہوئی کہ میں سفر کا مقصد بھولا نہیں اور وہ بدقسمت لڑکی جو میرے اپنے ہی رشتوں میں بندھی ہوئی ہے، مجھے ہر موڑ پر یاد آ جاتی ہے جیسا میں نے ابھی عرض کیا ہے بعض باتیں تقدیر اور قسمت پر چھوڑ دی جاتی ہیں مگر یہ نہیں بتایا کہ کچھ چیزیں تقدیر

کے ہاتھ سے چھین لی جاتی ہیں اور آدمی ان کے فیصلے خود کرتا یا ان کی قسمت خود بناتا ہے تو جل پنا کا معاملہ کچھ ایسا ہی تھا۔ میں اسے تقدیر یا حالات کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس کے لئے مجھے حالات سے، تقدیر سے، ہر اس طاقت سے لڑنا تھا جو اس کی واپسی کا راستہ روکتی۔ تبھی میں ماں کو اس کی روٹھی ہوئی خوشیاں دلا سکتا تھا۔

میری سوچوں کے پنچھی اپنے پروں کو جھٹکتے اڑے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ ٹرین بھی پوری رفتار سے بھاگی جا رہی تھی کہ میں نے کھلی کھڑکی سے پوربی آکاش کو پہلے نیلا پھر سرخ ہوتے اور سورج کے گولے کو ابھرتے دیکھا، اسی لمحے گاڑی کی رفتار مدھم پڑ گئی اور وہ برہمن باڑیہ کے جنکشن پر ٹھہر گئی۔ ٹرین ڈھاکہ جا رہی تھی اور یہاں سے مجھے گوہاٹی کے لئے گاڑی تبدیل کرنا تھی میں اپنا اٹیچی کیس اور مینا کا پنجرہ اٹھائے پلیٹ فارم پر اترا تو مینا نے مجھے صبح کا سلام کیا۔ ''گڈ مارننگ سر''۔

''گڈ مارننگ۔'' میں نے مینا کے سلام صبح سے نیک شگون لیا اور اب احساس ہوا کہ سفر میں تنہا نہیں بلکہ باتیں کرنے والا ایک پنچھی میرے ساتھ ہے، سات تاریخ کے دن کا آغاز ''گڈ مارننگ سر'' کے الفاظ سے ہوا تھا اس لئے سیدھا ٹی اسٹال پر پہنچا جہاں چائے کے ساتھ گرم گرم پوری حلوہ بھی بک رہا تھا، میں نے پہلے مینا کا منہ میٹھا کرایا پھر پوری حلوے سے خود ناشتہ کیا۔

گوہاٹی کو جانے والی ٹرینؔ میں بیٹھا تو سوچوں کے پنچھی پھر اڑنے لگے۔ برہمن باڑیہ کے ریلوے اسٹیشن سے بہت سی من بھاتی چیزیں مینا کی کٹوریوں میں بھر دی تھیں اور خود بھی خیالوں میں کھو جاتا، کبھی مسافروں کا شور سن کر چونک اٹھتا تھا سفر کے دوران کئی مسافر ٹرین سے اترتے، کئی چڑھتے رہے۔ زندگی کے سفر میں یہی ہوتا ہے، بعض ساتھی بچھڑ جاتے اور بعض منزل تک ساتھ دیتے ہیں مگر یہ اتفاق ہی تھا کہ جو مسافر گوہاٹی سے سوار ہوئے ان سے کچھ رانگیا، کچھ اودل گوری کے اسٹیشنوں پر اتر گئے اور اودل گوری سے میں اپنے کمپارٹمنٹ میں تنہا رہ گیا۔ دوپہر کا کھانا گوہاٹی میں کھایا تھا۔ اب نیند سی آنے لگی مگر سونا نہ چاہتا تھا، مینا سے باتیں کرنے لگا اسے کئی چٹکلے یاد کرائے گئے تھے وہ مجھے چٹکلے سنا کر ہنساتی اور خود بھی ہنستی رہی۔

مینا بہترین رفیق سفر ثابت ہوئی، جس ماسٹر نے اسے مختلف بولیاں سکھائیں، چٹکلے حفظ کرائے اس کی محنت تو قابل دید تھی ہی مگر میرے لئے یہ انکشاف بڑا حیران کن تھا کہ وہ اپنے مخاطب کی بات بڑی توجہ سے سنتی اور جواب بھی دیتی ہے۔ وہ سنی ہوئی بات اس طرح دہرا دیتی کہ وہی اس کا جواب ہوتا، میں ہاتی پارہ تک اس سے باتیں کرتا رہا۔

پلیٹ فارم پر اترا تو پیگو نے آگے بڑھ کر پرنام کیا اور میرا اٹیچی کیس اٹھا لیا میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

پہلے سفر میں پیگو ہی مجھے لینے آیا تھا اور یہ ملاقات خلافِ توقع تھی۔ میرا تو خیال تھا وہ ساؤ گاری واپس چلا گیا ہوگا لیکن اسے پلیٹ فارم پر دیکھ کے حیرت ہوئی۔

''ارے پیگو! تم ابھی تک ساؤ گاری نہیں گئے؟''

''جس دن آپ کو ریل پر چڑھایا تھا اس کے دوسرے دن میں بھی ساؤ گاری چلا گیا تھا صاحب!''

''تو دوسری بار آئے ہو؟''

''ہاں...... مالکن نے چٹھی بھیج کر بلایا ہے۔''

''چٹھی بھیج کر بلانے کا کوئی خاص کارن تھا کیا؟''

''لکھا تھا، آپ سات تاریخ کو ہاتی پارہ پہنچ رہے ہیں اور کچھ دن حویلی میں ٹھہریں گے، اس لئے میں آ جاؤں آپ کی سیوا کے لئے کل ہی یہاں پہنچا۔''

''اوہ...... تو یہ بات ہے۔''

میں سمجھ گیا کہ سندرمتی مجھے کچھ دن ہاتی پارہ میں ٹھہرانا چاہتی ہے، پیگو میرے ہاتھ میں مینا کا پنجرہ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا، پوچھنے لگا۔

''کیا یہ بولتی ہے؟''

میں نے جواب میں مینا سے اس کا تعارف کرایا۔

''مینا یہ پیگو ہے، اس کا نام یاد کر لے۔''

''یہ پیگو ہے...... پیگو ہے...... اس کا نام......''

پیگو بنگال کا یہ جادو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ''کمال ہے صاحب!''

پلیٹ فارم سے نکلے تو میں نے چلتے چلتے پوچھا۔ ''سروپ جی کیسے ہیں؟''

''اچھے ہیں۔''

''اور تمہاری مالکن؟''

''سویرے سے آپ کی راہ دیکھ رہی ہیں۔''

''مگر میں نے تو لکھ دیا تھا کہ شام کی ٹرین سے آؤں گا۔''

''ان کا ہر دن آپ کو یاد کرتے چڑھتا ہے، ہر شام آپ کے انتظار کی گھڑیاں گنتے بیت جاتی ہے۔''

اس خبر سے میرے من کو ایک عجیب سی شانتی ملی اور سندرمتی کے پریم کی جوالا بھی بھڑکنے لگی، کیسی تڑپ، کیسی کشش تھی، اس کے پیار میں اور کس قدر ٹوٹ کے چاہتی تھی مجھے میں سوچنے لگا۔ وہ حسین ترین لباس پہن کے میری راہ دیکھ رہی ہوگی۔ بھلا کیسا ہوگا اس کا لباس؟

چلتے چلتے ذہن ڈوبنے لگا اور میرے خیال نے مجھے سندرمتی کی تصویر دکھائی، اس نے چاند کی کرنوں جیسا باریک اور سفید نقرئی لباس پہن رکھا تھا جو کرنوں کی مانند چمک دمک رہا تھا اور اس چمکتے دمکتے باریک لباس میں اس کا سندر بدن شاخ گل کی مثال پیش کر رہا تھا جس پر صبح کی دھند نے ہلکا سا پردہ ڈال دیا ہو۔ اس لباس میں سندرمتی مجھے آکاش کی کوئی اپسرا لگی جو چاندنی کا جوڑا پہن کر دھرتی پر اتر آئی ہو۔ بڑی ہی سندر تھی میرے خیال کی یہ تصویر۔

حویلی میں پہنچا تو وہ پھاٹک پر کھڑی تھی اور جونہی میں نے دروازے میں قدم رکھا اس نے لپک کر میرے پیر پکڑ لئے اور نجانے کتنے بوسے دیئے، ان پیروں کو جن پر سفر کی گرد تھی، یہ منظر پیگو نے حویلی کے آسامی چوکیدار اور اس کی بوڑھی پتنی نے بھی دیکھا۔ وہ جانتے تھے سندرمتی کے ساتھ میرا کیا سمبندھ ہے خود سندرمتی میرے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کرنے میں خوشی محسوس کرتی تھی مگر جب میں نے بانہوں سے پکڑ کے اوپر اٹھایا تو یہ دیکھ کر حیرت کی حد نہ رہی کہ اس نے گیروے رنگ کا ایک طویل چولہ پہن رکھا تھا جس میں اس کے پاؤں بھی چھپ رہے تھے۔

اس گیروے چولے میں وہ ایک تارک الدنیا راہبہ، ایک بھکشنی، ایک بیراگن نظر آ رہی تھی۔ بیراگنوں کی طرح بال بھی بکھرے ہوئے تھے جن میں کوئی خوشبو نہ تھی، مانگ میں افشاں نہ تھی، آنکھوں میں کاجل نہ تھا، ماتھے پر بندیا نہ تھی، یہ دیکھ کر مجھے ایک دھچکا سا لگا کیونکہ میں اسے دلہن کے روپ میں دیکھنے کا جو تصور لے کر آیا تھا وہ دھوئیں کی طرح اڑ گیا۔

یہ وہی سندرمتی تھی جو مشن اسکول میں پڑھتی، شہری لڑکیوں کی طرح سارے فیشن کرتی، نت نئے لباس پہنتی، صبح کی نشیلی ہوا کی طرح چلتی، پربت کے جھرنے کی مثل گنگناتی اور جب بولتی تو یوں لگتا تھا کوئی مینا چہچہا رہی ہو مگر آج اس نے تارک الدنیا راہبہ کی طرح گیروا چولہ پہن کے میرا سواگت کیا تھا، میں نے سب کے سامنے اس کی وجہ نہیں پوچھی اور اس کے ساتھ ساتھ حویلی میں داخل ہوا۔

اب کی بار مجھے ایک اور کمرے میں ٹھہرایا گیا جو سندرمتی کا کمرہ نہیں تھا، یہ تبدیلی بھی کچھ عجیب سی لگی، میں نے اور بھی کئی تبدیلیاں دیکھیں اور محسوس کیا کہ ساؤ خاندان کی پرانی حویلی کی بجائے کسی بودھ خانقاہ میں آ گیا ہوں جہاں ہر شے ایک نئے سانچے میں ڈھلی نظر آئی اور کچھ گھٹن سی محسوس ہوتی تھی، ایسا کیوں تھا؟ میں بالکل نہ سمجھ سکا۔

سب سے اہم تبدیلی سندرمتی کی بدلی بدلی سی حالت تھی، اس کے پیار میں بے شک کوئی فرق نہ آیا تھا مگر وہ پہلی سی شوخی، تیزی، طراری، بے باکی اور چلت پھرت نہیں تھی، میں سوچتا رہا کہ دیکھتے ہی مجھ سے لپٹ جائے گی، مجھے بات کرنے کی مہلت بھی نہیں دے گی اور خود ہی بولتی چلی جائے گی کہ جدائی کے یہ دن کیسے گزرے، برہا کی راتیں کس طرح بیتیں، کیا کیا خیال

آئے اور خیالوں میں کیا کیا باتیں ہوئیں مگر یہاں تو ایک دم نقشہ ہی بدل چکا تھا، نہ وہ شوخی تھی نہ تیکھی تیکھی باتیں کرنے کا انداز جو شریانوں میں خون کی حرکت تیز کر دیا کرتا تھا۔ بس چپ چپ، اداس اداس، کھوئی کھوئی لگ رہی تھی، اس پر کھلے بال اور گیروا چولہ۔ میں تو سوچتا ہی رہ گیا۔

گرم پانی سے نہایا تو بدن کی تھکاوٹ بے شک اتر گئی مگر سندرمتی کی بدلی بدلی حالت دیکھ کر ذہن بھاری بھاری لگنے لگا، کچھ کھانے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا، بھوک ہی مر گئی تھی۔ مگر سندرمتی کے اصرار پر چند نوالے لے لئے۔ اس نے بھی میرے ساتھ ہی ہاتھ روک لیا اور پیگو خالی برتن سمیٹ کر لے گیا۔ میں سوچ رہا تھا ضرور کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے، اور سندرمتی خود ہی اس تبدیلی کا سبب بیان کرے گی مگر جب اس نے کچھ نہ بتایا تو مجھی کو پوچھنا پڑا۔

''کیا تجھے میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟''

وہ کاؤچ پر بیٹھنے کی بجائے میرے چرنوں میں بیٹھ گئی تھی کہنے لگی۔

''میرا جیون بھی آپ ہیں اور میرے جیون کی خوشیاں بھی آپ۔''

''پھر یہ کیا صورت بنا رکھی ہے؟''

''جانتی ہوں آپ میرے لباس پر حیران ہیں۔''

''جانتی ہے تو پھر بولتی کیوں نہیں کہ یہ سب کیا ہے؟'' میں نے اسے توجہ دلائی۔ ''کیا تجھے معلوم ہے آج ہماری لگن رات ہے شب وصل ہے۔''

اس کی آنکھوں میں ایک کرن سی جھلملائی۔ ''اور یہی میرے جیون کی سب سے بڑی خوشی، سب سے بڑی آشا ہے۔''

''مگر کوئی دلہن لگن رات کو ایسا لباس پہنتی ہے؟'' میں نے اس کا گیروا چولہ کھینچا۔

''اس لباس کا بھی ایک کارن ہے۔''

''ہاں۔۔۔ ایک ہی کارن ہوتا ہے گیروے چولے کا تارک، دنیا، سنیاس۔''

''میں نے دنیا نہیں چھوڑی کیشی! صرف لباس بدلا ہے وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں۔''

''پھر کس نے پسند کیا ہے تیرے لئے یہ لباس؟''

''پتا جی نے، ان کا حکم ہے، میں لگن رات کو یہی لباس پہنوں۔''

میں بری طرح چونکا۔ ''تو سروپ جی نے بھیجا ہے یہ گیروا چولہ؟''

''بھیجا نہیں...... وہ خود لے کر آئے تھے۔''

''کیا مطلب؟''

میرے چہرے پر حیرت کی پرچھائیاں دیکھیں تو کہنے لگی۔

''آپ کی چٹھی آئی تو میں نے پتا جی کو لکھ دیا تھا کہ ہم سات تاریخ کو باٹی پارہ میں لگن رات منائیں گے اس لئے پیگو کو کچھ دنوں کے لئے بھیج دیں، کل پیگو کے ساتھ پتا جی بھی آ گئے اور بولے۔

''تجھے لگن رات ساؤ گاری میں منانا چاہیے یہی ہمارے خاندان کا دستور ہے۔''

میں نے جواب دیا۔ ''آپ مجھے ساؤ گاری کا پابند نہ کریں شاید میں وہ سب کچھ نہ کر سکوں جو آپ چاہتے ہیں، ہو سکتا ہے میں اس عمارت میں کبھی نہ رہوں اور اپنے پتی کے ساتھ باٹی پارہ کی اس حویلی میں آباد ہو جاؤں۔'' یہ سن کر پتا جی دنگ رہ گئے اور کچھ دیر گم صم رہے پھر کہنے لگے۔

''سندرمتی! تو میری اکلوتی بیٹی ہے، تیرے ساتھ اگر میرا کوئی بیٹا ہوتا تو جہاں تو چاہتی آباد ہو سکتی تھی، میں تجھے نہ روکتا مگر جب تو ساؤ خاندان کی واحد نشانی ہے تو تجھی کو وہ سب کچھ کرنا ہے جو ہمارے پرکھوں نے کیا ہے میرے بعد تو بھی ساؤ گاری میں جینے، ساؤ گاری میں مرنے کی پابند ہے اور اس دھرتی کا کوئی دوسرا تختہ تیرا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ گوچی ساؤ کی وصیت اور قسمت کا فیصلہ ہے۔''

''اگر میں گوچی ساؤ کی وصیت اور قسمت کا فیصلہ قبول نہ کروں؟''

''تو گوچی ساؤ کے شراپ کے ساتھ تجھے میری بددعا بھی لگے گی۔''

میں ان کا جواب سن کر سناٹے میں آ گئی کیونکہ یہ وہ شخص بول رہا تھا جسے دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی شے عزیز نہیں۔ میں جانتی تھی ان کے بعد مجھی کو ساؤ خاندان کا نام زندہ رکھنا ہے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ ساؤ گاری کو بھی چھوڑ نہ سکوں گی۔ پتا جی نے کہا۔

''میں نے تھارو کیشپ کو بھی بتا دیا تھا کہ تیرے ساتھ بیاہ کر لینے کے بعد وہ ساؤ خاندان کی رسموں اور گوچی ساؤ کی وصیت کا پابند ہو جائے گا اور تیرے ساتھ اسے بھی وہیں جینا مرنا ہوگا، اس نے یہ شرط مان لی، تبھی میں نے تیرا لگن قبول کیا تھا۔ اب تو یہ بات اپنے دل پر لکھ لے کہ میری موت کے بعد تجھے اور تیری موت کے بعد تیری اولاد کو بھی وہی کچھ کرنا ہے جو ساؤ خاندان تین سو سال سے پشت در پشت کرتا چلا آیا ہے۔ اگر تجھے یہ سب کچھ منظور ہے تو میں باٹی پارہ میں بھی لگن رات منانے کی اجازت دے سکتا ہوں اگر تو ساؤ گاری کو چھوڑ دینا چاہتی ہے اپنے پرکھوں کی رسموں کو ٹھکراتی ہے تو میری طرف سے تجھے بیاہ رچانے کی آگیا نہیں اور نہ تو اپنے باپ کی اشیرواد حاصل کر سکتی ہے۔

پتا جی کے آخری الفاظ میرے دل میں کٹاری کی طرح اتر گئے، میں نہیں جانتی تھی کہ میرا ساؤ گاری میں رہنا اتنا ضروری ہوگا مگر اب حقیقت کھلی تو پوچھا۔

''گوچی ساؤ نے دنیا سے دور سنسان پربتوں کے درمیان ساؤ گاری کی عمارت کیوں

بنوائی اور کس لئے نسل در نسل آباد رکھنے کی وصیت کی؟ جب تک مجھے اس کا کارن معلوم نہ ہوگا میں اس عجیب و غریب وصیت پر عمل نہیں کر سکتی میرے نزدیک کسی بات کی وجہ جانے بغیر اس پر کاربند رہنا پاگل پن ہے۔''

پتا جی میرا سوال سن کر بوکھلا سے گئے، ان کے پاس کوئی ایسا جواب نہیں تھا جو مجھے شانت کر سکے مگر جواب تو انہیں دینا تھا، بولے۔

''تو نے جو کچھ پوچھا ہے وہ میں تجھے اس سمے بتاؤں گا جب موت کے بستر پر لیٹ جاؤں گا، جب موت میرے سرہانے کھڑی ہوگی کیونکہ وہ ایک ایسا بھید ہے جو صرف مرتے سمے اپنی اولاد کو منتقل کیا جاتا ہے، اس سے پہلے نہ تو کچھ جان سکتی ہے نہ میں کچھ بتا سکتا ہوں۔''

میں حیران و ششدر رہ گئی کہ ساؤ گاری میں جینے مرنے کا کارن بھی اسی وقت جان سکوں گی، جب وہ پران تیاگ رہے ہوں گے، ان کے کہنے کے مطابق وہ کوئی بڑا ہی اہم بھید ہے جسے ساؤ خاندان کے بزرگ صرف موت کے بستر پر اپنے وارث کے حوالے کرتے اور اسے ساؤ گاری میں رہنے کا کارن بتاتے ہیں، اسی طرح وہ راز سربستہ نسل در نسل اور پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا پتا جی تک پہنچا ہے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ ان کی موت کے بعد میں اس بھید کو اپنے سینے میں چھپا کر ساؤ گاری کو آباد رکھوں۔ شاید وہ کوئی ایسی ہی پوشیدہ بات ہے جسے جان لینے کے بعد ساؤ خاندان کا ہر وارث سنسار کو تیاگ کر اس یکا و تنہا عمارت میں رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اب مجھے ساؤ گاری کے ساتھ پتا جی کی ذات بھی بڑی پراسرار معلوم ہونے لگی۔ میرے لئے اس عمارت میں کوئی دلچسپی نہیں، وہاں صرف پتا جی کے دادا سے ملنے جاتی ہوں جو اس عمر اور اس حالت میں بھی کہ ان کی سانس سینے میں اٹکی ہوئی ہے، مجھے بہت چاہتے ہیں، وہ پتا جی سے زیادہ میری خوشیوں پر دھیان دیتے اور میری ہر بات مان لیتے ہیں، میرے ذہن میں ایک نیا سوال ابھرا اور میں نے پتا جی سے پوچھا۔

''آپ کہتے ہیں گوچی ساؤ کی وصیت صرف اس وقت اپنی اولاد کو منتقل کی جاتی ہے جب موت سرہانے کھڑی ہو اور آدمی کا دم ٹوٹنے والا ہو مگر دادا تو ابھی جیتے ہیں پھر وہ وصیت ان کے بیٹے منگل ساؤ اور ان سے آپ تک کس طرح پہنچ گئی؟''

میرے اس سوال نے انہیں کچھ اور پریشان کر دیا۔ سوچ کر کہنے لگے۔ ''دادا نے اپنے بیٹے کو خاندانی راز سے اس وقت آگیا کیا تھا جب وہ سچ مچ مرنے والے تھے مگر موت پھیرا ڈال کے لوٹ گئی اور دادا نہ زندوں میں رہے نہ مردوں میں۔ اس طرح دادا کو موت ہی کے کارن وصیت کا بھید اپنے بیٹے تک پہنچانا پڑا تھا یہ دوسری بات ہے کہ بیٹا باپ سے پہلے چل بسا۔''

گویا پتا جی کی موت سے پہلے میں گوچی ساؤ کی وصیت اور خاندانی راز سے آگاہ نہیں ہو سکتی جس کے کارن میرا مرتے دم تک ساؤ گاری میں رہنا ضروری تھا، میں تڑپ کے رہ گئی۔

''مگر ساؤ خاندان کب تک اس وصیت پر عمل کرتا رہے گا کیا ساؤ گاری سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں؟''

''ہے ایک صورت''

میری دلچسپی بڑھی۔ ''پھر جلد بتایئے میں کس طرح ساؤ گاری کو چھوڑ سکتی ہوں۔''

''کہیں سے بھگوان بدھ کی وہ مورتی ڈھونڈ نکال جوان کے شاگرد آنند بھکشو نے بنوائی تھی۔ مورتی مل جائے تو ساؤ خاندان کو تین صدیوں کی تپسیا کا پھل مل جائے گا اور ساؤ گاری میں جینے مرنے کی پابندی ختم ہو جائے گی۔ مگر جب تک مورتی نہیں ملتی، ساؤ خاندان کے ہر وارث کو وہیں جینا وہیں مرنا ہوگا اور تو بھی میرے مرنے کے بعد وہیں بسیرا کرے گی ورنہ گوچی ساؤ کا شراپ تیرا جیون برباد کر دے گا اور تو ایک رات بھی چین سے نہ ہو سکے گی۔''

میں یہ ساری باتیں سن کر حیرتوں کے بھنور میں ڈوبتی چلی گئی۔۔۔ اور پاؤں کہیں لگتے نہ تھے کیونکہ اس بھنور کے نیچے دھرتی کہیں تھی ہی نہیں صرف گہراؤ ہی گہراؤ تھا یا پھر ساؤ گاری کا منحوس ویرانہ تھا جہاں مجھے اس وقت تک جینا تھا جب تک موت کا ہرکارہ میرے نام کی چٹھی لے کر نہیں آ جاتا۔

میں نے پہلے تو کبھی اس معاملے میں دلچسپی نہیں لی مگر اتنا ضرور جانتی ہوں میرے دادا منگل ساؤ بھی مورتی ڈھونڈتے رہے تھے، ان کے بعد پتا جی بھی اس کی تلاش میں ہیں اور اب مجھے وہ مورتی ایک سپنا یا خیال سا معلوم ہونے لگی ہے، ورنہ میرے باپ دادا نے اسے ڈھونڈ لیا ہوتا، میں یہ بھی سن چکی ہوں پتا جی نے آپ کو اسی مورتی کی تحقیق و تلاش کے لئے بلایا ہے اور آپ نے اپنی چٹھی میں لکھ دیا آپ اس مورتی کی تلاش کو اپنا آدرش بنا چکے ہیں کیونکہ وہی پتا جی کے اس گہرے دکھ کا علاج ہے جو انہوں نے اپنے سینے میں چھپا رکھا ہے۔

کیشی! آپ نے ٹھیک لکھا تھا کہ ان کا دکھ ایک گہرا بھید ہے اور مجھے ہدایت کی تھی کہ میں ان سے کچھ نہ پوچھوں کیونکہ وہ نہیں بتائیں گے اور میں کچھ پوچھنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتی تھی مگر جب ہیگو کے ساتھ وہ خود بائی پارہ چلے آئے اور ساؤ گاری کی بات چھیڑی تو مجھے ان سے سب کچھ پوچھنا پڑا، میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ وہ باتیں میرے جیون سے تعلق رکھتی ہیں اور اگر آپ نے کوئی ہدایت نہ کی ہوتی، تب بھی ان سے ضرور پوچھتی۔''

یہ کہہ کر سندر متی نے ایک گہری سانس لی اور میری طرف دیکھنے لگی غالباً یہ بتانا چاہتی تھی کہ اس نے میرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی جو کچھ باپ سے پوچھا وہ تو اسے پوچھنا ہی تھا، مجھے

کہنا پڑا۔

''میں نے تیری بات سن لی، تیرا مطلب سمجھ لیا، اب آگے بول۔''

''آگے بولنے کے لئے تو کچھ نہیں کیشی!'' اس نے بڑی بے چارگی، بڑی مایوسی کی حالت میں میرے پیر پکڑ لئے اور اپنا سر میرے گھٹنوں پر ٹیک دیا۔ پتا جی یہ آ گیا دے کر ساؤ گاری لوٹ گئے کہ تو اپنے پرکھوں کی راہ نہیں چھوڑ سکتی مگر جانے سے پہلے یہ گیروا چولہ مجھے دے گئے اور کہا۔ ''اسی چولے کے ساتھ اپنے پتی کا سواگت کرنا کہ وہ بھی جان لے کہ تو ساؤ گاری کی امانت ہے اور تیرے ساتھ اسے بھی گوچی ساؤ کی وصیت کا پالن کرنا ہے؟''

''بس..... اور کچھ نہیں کہا انہوں نے؟''

''اس نے گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا۔'' ہاں کچھ اور بھی کہا تھا۔''

''تو بتاتی کیوں نہیں۔''

''پتا جی بول گئے تھے، اگر تھارو کیشپ کہے تو یہ چولہ اتار کے لگن کا جوڑا پہن لینا مگر چولہ اتروانے کا مطلب یہ ہوگا وہ تجھے اور تیری ہونے والی اولاد کو ساؤ گاری میں نہیں رہنے دے گا اور بھگوان کی مورتی ڈھونڈ لائے گا میں نے پوچھا، پتا جی! مورتی نہ ملی تو؟ وہ بولے پھر تم دونوں کو وہی کرنا ہوگا جو میں کہہ چکا ہوں، اگر تھارو کیشپ تجھ سے سچا پریم کرتا ہے تو تیری آشا ضرور پوری کرے گا اور مورتی تیری خاطر ڈھونڈ لائے گا، بس کہہ دیا میں نے کہ ساؤ گاری سے نکلنے کا ایک ہی راستہ، ایک ہی دروازہ ہے، بھگوان کی مورتی، اور شاید کسی پریمی کا سچا پیار ہی اسے تلاش کر سکتا ہے۔''

میں اس بات پر چونک گیا۔ ''یہ کہا انہوں نے؟''

''ہاں یہی کہا تھا۔''

''کہیں تجھے سننے میں دھوکہ تو نہیں ہوا؟''

''نہیں کیشی! نہ میں نے سننے میں دھوکہ کھایا نہ سمجھنے میں غلطی کی۔ پتا جی کا ایک ایک لفظ مجھے یاد ہے، ان کے نزدیک کوئی سچا پریمی ہی مورتی کو تلاش کر سکتا ہے۔''

یہ سن کر میرا دماغ سنسنانے لگا اور دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہو گئیں۔ شاید سروپ جی نے غلط نہیں کہا تھا کیونکہ سچا پریم ہی آدمی میں وہ شکتی پیدا کرتا ہے جو پہاڑوں کو چکنا چور کر دیتی ہے، سندر متی پر امید نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''آپ گیروے چولے کا کارن جان گئے، میری اداسی کا مطلب سمجھ گئے، اب بولیے آپ ڈھونڈیں گے میرے لئے وہ مورتی؟''

''مگر تو ساؤ گاری کو چھوڑنا کیوں چاہتی ہے؟''

وہ تڑپ کر بولی۔ ''اس لئے کہ وہ منحوس عمارت تین سو سال سے میرے پرکھوں کو چاٹ رہی ہے، میں نہیں چاہتی وہ ہمیں اور ہماری اولاد کو کھا جائے۔''

''سروپ جی نے تجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ عمارت ساؤ خاندان کا مکتی گھر ہے، تین صدیوں سے وہاں نروان کی تپسیا اس لئے جاری ہے کہ بھگوان بدھ کے نزدیک نروان ہی آدمی کی اصل منزل ہے۔''

''انہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں سب کچھ جانتی ہوں اور خود بھی نروان پر گہرا وشواس رکھتی ہوں مگر میرا نروان ساؤ گاری میں نہیں اس بھرے پرے سنسار میں ہے جہاں آدمی صرف اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے بھی جیتا ہے، جہاں پاپ اور پن، بدی اور نیکی، اندھیرے اور اجالے میں جنگ ہو رہی ہے۔ کیشی! آپ بھی بودھ گیانی اور دھرم کی سچائیوں کو مانتے ہیں، مجھے بتائیے آدمی کو مکتی، دنیا چھوڑ دینے سے ملتی ہے یا وہ پاپ، بدی اور اندھیرے سے لڑ کر نروان حاصل کرتا ہے؟''

میں سندرمتی کی باتیں سن کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ حیران اس بات پر تھا، یہ جانتے ہوئے بھی وہ سروپ جی کی اکلوتی بیٹی اور ساؤ خاندان کی واحد نشانی ہے، اپنے بزرگوں کی روایت سے بغاوت کر رہی تھی اور گوچی ساؤ کی وصیت کے مطابق ساؤ گاری کے بندی گھر میں قید ہو جانے پر تیار نہ تھی اور خوش اس لئے تھا کہ وہ اپنی اولاد کو جنم دینے سے پہلے ہی اس کے اچھے مستقبل کے بارے میں سوچتی اور بالکل میری طرح نروان کا گیان رکھتی تھی مگر سب سے اہم اور سنسنی خیز انکشاف تو یہ ہوا تھا کہ گوچی ساؤ کی وصیت ایک راز سربستہ تھی اور ساؤ خاندان میں وہ راز پشت در پشت منتقل ہو رہا تھا اور خاندان کے بزرگ اسے صرف موت کے بستر پر ہی نئی نسل تک پہنچاتے تھے، غالباً اسی عجیب راز کی حفاظت کے لئے اس خاندان کی ہر پیڑھی اور ہر نسل ساؤ گاری میں جینے مرنے پر مجبور تھی۔

اب میں سمجھ گیا، منگل ساؤ نے رام گارتھ کے جنگل میں زخمی ہونے کے بعد اپنے زخموں کا علاج چٹا گانگ کے اسپتال میں کیوں نہ کیا اور اسی حالت میں باٹی پارہ کی طرف کیوں بھاگا تھا، صرف اس لئے کہ مرنے سے پہلے خاندانی راز، اپنے بیٹے سروپ ساؤ کو منتقل کر سکے۔ میں انہی خیالوں میں گم تھا کہ سندرمتی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''کیشی......! میں نے پوچھا کچھ آپ سے۔ کیا آپ وہ مورتی ڈھونڈ سکتے ہیں، مجھے ساؤ گاری کے نرک سے نکال سکتے ہیں؟''

یہ سوال اس نے غالباً اس لئے پوچھا تھا کہ میرے پریم کا امتحان لے۔ جب سروپ جی کہہ گئے تھے کہ کوئی سچا پریمی ہی مورتی کو ڈھونڈ سکتا ہے تو اس کا مطلب یہی تھا، مجھے اپنے سچے

پریم کا ثبوت دینا ہوگا اور یہ ایک ایسا مشکل، ایسا کڑا سوال تھا جس کا کوئی حتمی جواب نہیں دے سکتا تھا کیونکہ آنند بھکشو والی مورتی تاریخ کے کتنے ہی ورق الٹ کر نجانے کہاں گم ہو چکی تھی اور کئی بودھ حکومتیں اور سوسائٹیاں اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک ہار گئی تھیں۔ میں نے ضروری سمجھا کہ مورتی کی گمشدگی کے علاوہ اس کی تلاش میں حائل بعض مشکلوں کا ذکر بھی کر دوں تاکہ وہ معاملے کی صورتحال کو سمجھ لے مگر اس سے پہلے میں نے سوال کیا۔

''کیا تو نے اپنے پتا جی سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ مورتی ساؤ خاندان کی مشکلیں کس طرح دور کر سکتی ہے اور اس میں وہ کون سی خوبی ہے جسے پا لینے کے بعد ساؤ گاری میں مرنے جینے کی پابندی باقی نہ رہے گی؟''

''میں نے ان سے نہیں پوچھا، اگر پوچھ بھی لیتی وہ بتانے سے انکار کر دیتے۔''

''تو میں بتاؤں تجھے؟''

وہ حیرت پاش نظروں سے مجھے گھورنے لگی اور تحیر آمیز لہجے میں بولی۔

''آپ جانتے ہیں کیشی؟''

''ہاں......بھگوان شاکیہ منی بدھ کی راکھ ہے اس مورتی میں۔''

یہ انکشاف سن کر وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

''بھگوان بدھ کی راکھ۔''

''اور ایسی مقدس ہے وہ راکھ کہ صرف مورتی کو چھو لینے سے برسوں کے روگی اچھے ہو جاتے ہیں۔''

نئے انکشاف نے اسے دم بخود کر دیا مگر اسے مزید حیران کر دینے کے لئے ابھی میرے پاس بہت سے اسرار تھے، بہت سی معلومات تھیں۔ میں نے اسے یاد دلایا۔

''ایک مرتبہ تو نے کہا تھا نا کہ سارگلیان نے بھگوان کی مورتی کو چلتے دیکھا اور بولتے سنا تھا۔''

''ہاں...... کہا تھا کیونکہ یہ بات میں نے پتا جی سے سنی تھی، انہوں نے بھگوان کی ایک خاص مورتی کا ذکر کیا اور بتایا تھا کہ مہاراجہ اشوک کے زمانے میں ایک بودھ گورو سارگلیان نے بھگوان کی مورتی کو چلتے پھرتے دیکھا اور اس سے کلام کیا تھا۔''

''تو وہی مورتی ہے جسے سروپ جی ڈھونڈ رہے ہیں اور جسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ان کا باپ منگل ساؤ دنیا سے چل بسا۔''

سندرمتی کے چہرے پر حیرت کی بجلیاں ٹوٹ پڑیں۔ ہونٹ پھڑکنے، تڑپنے لگے اور سہمے لہجے میں بولی۔

''ہے بھگوان! یہ میں کیا سن رہی ہوں۔''

''جو کچھ تو نے سنا وہ تاریخ کی ایک سچائی ہے کیونکہ آنند بھکشو نے بھگوان کی چتا کی خاص راکھ پیتل کی ایک مورتی میں بند کر دی تھی جس کی وجہ سے بودھ دنیا میں اس مورتی کو مقدس سمجھا جاتا تھا اور جو کچھ تو اب سنے گی وہ شاید ساؤ خاندان کی بدنصیبی کا افسانہ ہے۔''

وہ ڈر رہی تھی کہ نجانے میں اب اور کیا انکشاف کرنے والا ہوں جرأت کر کے بولی۔

''میں بدنصیبی کا وہ افسانہ بھی سنوں گی کیشی!''

اب میں بھی کاؤچ سے اٹھا اور بالکل اس کے سامنے کھڑا ہو گیا لیکن اس خیال سے کہ جو بات اسے باپ سے معلوم نہیں ہو سکی اور جسے میں بھی نہیں جانتا، اس کے بارے میں قیاس آرائی مناسب نہ ہوگی، میں نے اس مورتی کا ذکر بھی نہ کیا جو گوپی ساؤ اناتھ بنڈو سے حاصل کر کے کھو چکا تھا اور صرف آنند بھکشو والی مورتی کے بارے میں بتانے لگا۔

''بھگوان کی وہ مورتی جسے سروپ جی ڈھونڈ رہے ہیں، کہاں ہے؟ اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ 1848ء میں کمپنی سرکار کے گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے اس مورتی کو کسی نامعلوم مقام پر بھیج دیا جان بوجھ کر غائب کر دیا تھا تاکہ بھگوان بدھ کی کرامت کا چرچا نہ ہو۔ اس وقت سے آج تک ہزاروں بودھ گیانی، بھکشو اور کھوجی اس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے کئی بودھ حکومتوں نے بھی کھوج لگانے کی کوشش کی مگر مورتی کسی کو نہیں مل سکی اور سب لوگ تھک ہار کے بیٹھ گئے۔ صرف ساؤ خاندان اس کی تحقیق و تلاش میں بھٹک رہا ہے اور مورتی کی گمشدگی اس کی بدنصیبی کا حصہ بن کے رہ گئی ہے، اب تو سمجھی کہ اس کی تلاش کوئی آسان کام نہیں مگر میں نے اسے ڈھونڈنے کی سوگند کھائی ہے۔''

سندرمتی کے چہرے پر مایوسی اور نراشا کے سائے کچھ اور گہرے ہو گئے، اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور افسردہ لہجے میں بولی۔

''مورتی جب نہیں ملی تو اب کہاں ملے گی۔''

میں نے اس کی مایوسی کو امید میں بدلنے کی کوشش کی۔ ''کہتے ہیں بلیدان دینے سے مشکل آسان ہو جاتی ہے۔''

''اگر بلیدان دینے سے مورتی مل جائے تو میں اپنے جیون کی آدھی خوشیاں قربان کر سکتی ہوں، بولیے آپ مجھ سے کس چیز کی قربانی چاہتے ہیں؟''

''تجھے مورتی کی تلاش میں میرا ساتھ دینا ہوگا جو کہوں گا ماننا پڑے گا۔''

''مجھے آپ کا ہر حکم قبول، ہر شرط منظور ہے، آپ جو قربانی مانگیں گے میں دوں گی۔''

''پھر یہ گیروا چولہ اتار دے اور لگن کا جوڑا پہن کیونکہ میں تجھے ساؤ گاری سے نکال لاؤں گا اور جیسا سروپ جی کہہ گئے ہیں مقدس مورتی کو ڈھونڈ کر اپنے سچے پریم کا ثبوت دوں گا۔''

اس پر ایک اور حیرت گزر گئی۔ ''سچ کیشی!''

پہلے وہ مورتی سروپ جی کے لئے ڈھونڈ رہا تھا اب تیرے لئے ڈھونڈوں گا کیونکہ میں بھی نہیں چاہتا کہ میرے وہ بچے جنہیں تو جنم دے گی، اپنا دودھ پلائے گی، ساؤ گاری کی منحوس عمارت کی بھینٹ چڑھ جائیں، مجھے امید ہے بھگوان میری رہنمائی کرے گا اور میں مورتی ڈھونڈ لوں گا۔''

یہ سنتے ہی اس کے چہرے سے نراشا کے سائے اڑ گئے۔ عارضوں سے مایوسی کی لہر لوٹ گئی اور ایک انجانی مسرت نے جسم میں خون کی گردش تیز کر دی جس سے اس کے عارض گلاب کی طرح سرخ اور شگفتہ ہو گئے۔ مدبھرے نین مستی سے چھلکنے لگے اور مجھے تیکھی، کٹیلی نشیلی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

''کیشی ......! صرف چند منٹ کی مہلت چاہتی ہوں، میں اپنے کمرے میں جا کر یہ چولہ اتار دوں گی، آپ کے لئے لگن جوڑا پہنوں گی۔ تو جاؤں؟''

''جا!'' اس کی یہ تبدیلی مجھے حیران کئے دیتی تھی۔

وہ بغلی دروازے کی طرف بھاگی جو اس کے کمرے میں کھلتا تھا مگر دروازے کے پاس پہنچ کے رکی اور پلٹ کے کہنے لگی۔

''جب میں آواز دوں تب میرے کمرے میں آ جانا۔''

یہ کہہ کر پھر پلٹی اور دروازے کے پٹ کھول کر چھپاک سے دوسرے کمرے میں غائب ہو گئی۔ میں نے کواڑ بند ہونے اور کنڈی چڑھنے کی آواز سنی۔

○

اس کے جانے کے بعد میں پھر کاؤچ پر بیٹھ گیا اور ان عجیب و غریب حالات پر غور کرنے لگا جن میں ساؤ گاری کے باسی گھرے ہوئے تھے، یہ حالات اس عمارت کے چاروں طرف کسی گہری، تاریک اور خطرناک خندق کی مانند پھیلے تھے اور کسی کو بھی باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔

ساؤ گاری کا دوسرا سفر بھی انتہائی سنسنی خیز ثابت ہوا ہر قدم پر ایک نئی بات سامنے آ رہی تھی، ہر موڑ پر ایک نیا انکشاف ہو رہا تھا اور سروپ جی کا یہ فقرہ میرے ذہن کے دالان میں پہاڑوں کی صدائے بازگشت کی طرح بار بار گونج رہا تھا کہ:۔

''کسی پریم کا سچا پیار ہی بھگوان کی مورتی کو تلاش کر سکتا ہے۔''

سوچا، سروپ جی جان چکے ہیں میں سندرمتی سے بے پناہ پریم کرتا ہوں، شاید اسی لئے انہوں نے مورتی کی تلاش سچے پریم کی شرط ٹھہرائی ہے تاکہ میں سندرمتی کو اپنے سچے پریم کا ثبوت دینے کے لئے مورتی ڈھونڈ لاؤں پھر خیال آیا اگر سندرمتی کے پریم کی قیمت ٹھہراتے تو

بالکل سیدھا راستہ اختیار کر سکتے تھے، وہ شرط لگاتے کہ میرا اور سندر متی کا ملاپ اسی وقت ہو سکتا ہے جب میں مورتی ڈھونڈ لاؤں مگر انہوں نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی۔ ہمیں لگن رات منانے کی آگیا دے دی اور صرف یہ بات یاد دلائی کہ ان کی موت کے بعد سندر متی اور میں ساؤ گاری میں رہنے اور گوچی ساؤ کی وصیت پر عمل کرنے کے پابند ہوں گے، یہ بات انہوں نے اس سے بھی کہی تھی جب ان کے دادا ساگر ساؤ جی نے مجھے اور سندر متی کو ایک رشتے میں باندھ دیا تھا۔

سندر متی کو گیروا چولہ پہنانے کا مقصد یہ یاد دلانا تھا کہ وہ ساؤ گاری کی امانت اور وہاں نروان کی تپسیا جاری رکھنے کی پابند ہے مگر میں نے یہ چولہ اتروا کر اعلان کیا تھا کہ سندر متی کو اسی ایک دروازے سے باہر نکال لاؤں گا جو سروپ جی نے کھلا رکھا ہے۔

اپنی سوچوں میں گم بیٹھا کہ ناگاہ دروازے کی کنڈی اترنے کی آہٹ سنی اور جلدی سے اٹھا، میں یہ دیکھنے کے لئے بے چین تھا کہ گیروا چولہ اتار کر سندر متی نے کون سا لباس پہنا ہے، اسی لمحے مدھم سی آواز کان میں پڑی۔

"کیشی! میرے سوَرگ میں آ جائیں۔"

اس نے کمرے کی بجائے "سوَرگ" کا لفظ استعمال کیا تھا اور میں برہما جی کی طرح بے خود سا ہو کر سوَرگ کے اس دروازے کی طرف بڑھا جس کے پیچھے کھڑی وہ مجھے بلا رہی تھی۔ کواڑ دھکیل کر، رنگین پردہ ہٹا کر جب اس کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کی آرائش اور سج دھج دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ بالکل یوں لگا جیسے جادونگری کے کسی حجلہ راحت یا سچ مچ سوَرگ کے کسی گوشے میں پہنچ گیا ہوں۔

دروازوں اور کھڑکیوں پر بڑے بڑے رنگین پردے آویزاں تھے، فرش پر قیمتی قالین بچھا تھا۔ وہ پلنگ جس پر دن کو سوئے سوئے میں نے ایک بھیانک سپنا دیکھا، اس وقت کسی خواب کا منظر پیش کر رہا تھا، اس پر مسہری آراستہ تھی اور چاروں طرف تازہ تازہ پھولوں کی لڑیوں اور سفید گوٹے کی تارکشی نے مسہری کو جنت نگاہ بنا دیا تھا۔ ایک کونے میں ساگوان کی گول میز پر کیروسین کا بڑا سا لیمپ روشن تھا جس پر شیشے کا خوبصورت نیلا گلوب اس کی روشنی کو اجلا کر رہا تھا۔ سامنے کی دیواروں کی انگیٹھی پر گلابی ساٹن کا غلاف تھا، اس غلاف کے لٹکتے ہوئے حاشیے پر مختلف رنگوں کی کانچ کی نلکیوں اور موتیوں کی جھالر جھول رہی تھی اور الماری کے قد آدم آئینے میں اس کا عکس قوس قزح کا سا نظارہ پیش کرتا تھا، یہ کمرہ جو واقعی سوَرگ کا نمونہ تھا، بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا مگر اس سوَرگ کی سرسوتی یا حوا ایک پردے کے پیچھے چھپ کے کھڑی تھی، جب اس نے دیکھا کہ اس کا برہما یا آدم اس کی جنت میں داخل ہو چکا ہے۔ رنگین پردے کی اوٹ سے نکل آئی اور اسے دیکھ کر میرے ہوش اڑنے لگے۔

اس نے چاندنی کی مانند سفید، باریک اور چاند کی کرنوں جیسا چمکتا دمکتا نقرئی لباس پہن رکھا تھا جس میں چاندی کی تار جھلمل جھلمل کر رہے تھے اور بڑا سندر تھا وہ لباس بالکل ویسا ہی جیسا میں نے ریلوے اسٹیشن کے باہر اپنے خیال کی چلمن میں دیکھا تھا۔ اس لباس میں وہ بالکل آکاش کی اپسرا نظر آ رہی تھی۔ یوں لگا اس نے صبح کی دھند کا سایہ اوڑھ لیا ہو اور سفید دھند کے اندر اس کا سندر، سڈول اور صحت مند جسم پھولوں کی ٹہنی کی طرح لچک رہا تھا، اس ہوش ربا نظارے نے چند لمحوں کے لئے مجھے مبہوت سا کر دیا۔

میں اس کے لباس پر کم اور اپنے خیال یا ذہنی گیان پر یا جو کچھ بھی وہ تھا زیادہ حیران ہو رہا تھا کیونکہ باٹی پارہ کے ریلوے اسٹیشن سے نکلتے ہی میں نے اپنے ذہن میں سندر متی کے لباس کی جو جھلک دیکھی، اس وقت وہ ہو بہو اس کی تصویر بنی میرے سامنے کھڑی تھی۔ میرے خیال کی تصویر اور اس اصل تصویر میں کوئی فرق نہ تھا۔ سندر متی نے بالکل وہی لباس پہنا تھا جو میں نے خیال میں دیکھا تھا۔ خیال اور حقیقت کی اس حیرت انگیز یکسانی نے مجھے احساس دلایا کہ میں اپنے خیال یا گیان یا قوت ارادی سے دروازوں، دیواروں فاصلوں کے اس پار بھی دیکھ سکتا اور ان چیزوں کا احاطہ کر سکتا ہوں جو انسانی آنکھ سے اوجھل ہوتی ہیں یعنی میرے ذہن کو گیان اور عرفان کی وہ رسائی حاصل ہو گئی ہے جسے لوگ "روحانی طاقت" کہتے ہیں اور جس کا پتہ میں نے صوفی عبدالجبار سے پوچھا تھا۔

اس احساس نے حیرت کے ساتھ مجھے ایک عجیب سی خوشی بھی بخشی۔ میں نہیں کہہ سکتا، یہ محض اتفاق تھا یا کوئی عارضی کیفیت تھی جس نے مجھے قبل از وقت سندر متی کی وہ تصویر دکھا دی جو ابھی حقیقت کا لباس پہننے والی تھی پھر بھی خیال یا عرفان کی یہ تصویر کشی میری ذہنی یا روحانی طاقت کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

مجھے گم صم سا دیکھ کر وہ پوچھنے لگی۔ "کیا سوچ رہے ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں، تیری سندرتا کے جلوؤں میں کھو گیا تھا۔"

اور اب جو دیکھا تو اس کی کنول سی آنکھوں میں کاجل بھی تھا۔ مانگ میں افشاں بھی تھی، ماتھے پر بندیا بھی اور بدن پر چاندنی کا سا لباس جو کچھ میں نے سوچا جو کچھ میں نے چاہا وہ اس کے عین مطابق تھی۔ سندر متی نے ایک نظر کمرے پر ڈالی دوسری اپنے لباس پر اور پوچھا۔

"کیا آپ کو یہ اچھا لگا؟"

"کمرہ یا تیرا لباس؟"

"کمرہ بھی، لباس بھی۔"

"دونوں ہی سندر ہیں، تیرا کمرہ سوَرگ سمان ہے اور اس لباس میں تو خود آکاش کی اپسرا

جان پڑتی ہے۔''

وہ اپنی تعریف سن کر خوش ہوگئی فوراً ہی میں نے کہا۔

''بس ایک چیز کی کمی رہ گئی۔''

وہ حیران سی ہوگئی۔ ''کس چیز کی کمی ہے؟''

''تو پریشان نہ ہو، وہ چیز میں لے آیا ہوں۔''

پھر کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سرخ کاغذ کا پیکٹ نکالا جس میں جڑاؤ ہار لپیٹ لیا تھا۔ یہ ہار میں نے ٹرین ہی میں اٹیچی کیس سے نکال کر جیب میں رکھ لیا تھا کہ جونہی سندر متی لگن کا جوڑا یا میرا پسندیدہ لباس پہن کر سامنے آئے، ہار اس کی گردن میں ڈال دوں مگر خلاف توقع اسے گیروا چولہ پہنے اور بدلا بدلا، بجھا بجھا سا دیکھ کر میں خود بھی بجھ کے رہ گیا تھا اور ہار نکالنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔ اب جو میرے ہاتھ میں ایک باریک سرخ کاغذ کا پیکٹ دیکھا تو اس کی آنکھوں میں جھلملاہٹ سی ہوئی۔

''یہ کیا ہے کیشی!''

''تیرے لئے لگن رات کا تحفہ۔''

میں نے پیکٹ کھول دیا تو ایک نفیس اور قیمتی جڑاؤ ہار دیکھ کر ایک دم چونکی، حیرت اور مسرت کی ملی جلی نظروں سے مجھے دیکھا۔ چہرے پر پیار کی چاندنی بکھر گئی۔ نینوں میں نشہ اور مستی بھر گئی۔ بولی۔

''بہت بڑھیا بہت سندر ہے۔''

میں نے ہار اس کی گردن میں ڈال دیا اور اسے کلائی سے پکڑ کے قد آدم آیئنے کے سامنے لے گیا۔

دیکھ یہ ہار تیرے لباس پر کیسا سج رہا ہے۔''

اور واقعی چاند کی کرنوں جیسے نقرئی لباس پر جڑاؤ ہار کا اضافہ بڑا ہی دلکش اور نظر افروز تھا۔ سونے کی پیلی پیلی نفیس لڑیوں میں ہیرے کی سفید سفید چمکتی دمکتی کنیاں اس مہارت سے جڑ دی گئی تھیں کہ اس کی گردن اور گریبان پر جھلمل کرتی روشنیوں کا ایک ہالہ سا لہ بن گیا اور ان چھوٹے چھوٹے نگینوں سے پھوٹنے والی کرنیں اس کے سندر عارضوں پر اس طرح منعکس ہو رہی تھیں جیسے بہتے پانی میں چاند کی شعاعیں ٹوٹتی پھوٹتی، بکھرتی، کانپتی، تھرتھراتی بہتی چلی جاتی ہیں۔

یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس نے سندر متی کو بھی تصویر حیرت بنا دیا وہ قد آدم آیئنے میں اپنے آپ کو دیکھتی اور جڑاؤ ہار کی جھلملاہٹوں کے ساتھ ساتھ اپنے سندر مکھڑے کی تجلیوں پر قربان ہوتی رہی پھر آپ سے آپ بولی۔

''واقعی اس لباس پر ایسے خوبصورت ہار کی کمی تھی۔''

''میں نے وہ کمی پور کر دی۔ ٹھیک کیا نا۔''

وہ ایک دم میری طرف پلٹی۔ ''آپ کے تحفے نے میرا لباس مکمل کر دیا ہے جس طرح آپ کا پیار میری ذات کی تکمیل کرتا ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے پیار میں سرشار ہو کر آنکھیں بند کر لی، اپنے مخصوص انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور ایک دیوی کی سی شان کے ساتھ کھڑی ہوگئی، اس لباس میں اس کا یہ انداز، یہ روپ آیئنے میں منعکس ہو کر کچھ اور بھی غضب ڈھا رہا تھا اور ایسا والہانہ تھا یہ انداز اور اتنا دلکش تھا یہ روپ کہ اگر دیوتا بھی دیکھ لیتے تو غش کھا جاتے حالانکہ میں دیوتاؤں کو نہیں مانتا اور جب وہ اپنے مخصوص انداز میں ایک دیوی کی طرح میرے سامنے کھڑی تھی، میں نے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو کے درمیان اس کے سندر بدن سے پھوٹنے والی متوالی مہک بھی محسوس کی بالکل وہی مہک جورپا کی بدھ سرائے میں محسوس کی تھی، شاید وہ خود بھی اپنے جسم کی اس کنواری مہک کے فشار سے بے تاب سی ہوئی جا رہی تھی کیونکہ اس کے جسم میں ایک عجیب سی سنسنی کی لہر دوڑنے لگی تھی۔

اسی حالت میں اس نے پوچھا۔ ''کیشی! آج کیسی لگتی ہوں آپ کو؟''

''دیویوں سے زیادہ سندر۔''

''ہاں...... آج تو مجھے اجنتا اور ایلورا کی دیویوں سے بھی زیادہ سندر ہونا چاہئے۔''

''کیوں بھلا؟''

''آج اپنے دیوتا سے ملاپ کی رات ہے۔''

''پھر وہ حکم دے جو رپا کی بودھ سرائے میں دینے والی تھی۔''

''آج میرے دیوتا حکم دیں گے اور میں تعمیل کروں گی۔''

اچانک مجھے شاعری سوجھی اور میں کہنے لگا۔

''سندر متی......!! اس لباس میں سپنوں کی شہزادی معلوم ہوتی ہے جس نے چاندنی کا جوڑا پہن لیا ہو، تیری قامت تڑکے کی دھند میں لپٹے سرو کی مانند ہے۔ تیرے ہونٹ انار کی کلیاں ہیں اور تیرے نین مد بھرے پیالے ہیں۔ آج تو سرتاپا جمال ہے......''

وہ اپنی تعریف سن کر خوش ہو رہی تھی اور اس کے گالوں کا رنگ کچھ اور شوخ ہوتا جا رہا تھا میں خاموش ہوا تو ہولے سے بولی۔

''کچھ اور بھی کہیے کیشی! آج میں اپنی تعریف سننا چاہتی ہوں۔''

''تو سن جس طرح رات سے رات سرگوشی کرتی ہے اور دن سے دن نکلتا ہے اسی طرح آج

''تیرا روپ بھی تیرے روپ پر نچھاور ہو رہا ہے۔''

''یہ روپ صرف آپ کے لئے ہے۔''

''اور تیرا سندر بدن ایک مقفل باغیچہ ہے جس سے پھوٹنے والی خوشبو پیار کے جنگل کو مہکا دیتی ہے۔''

''میرا بدن بھی آپ کی امانت ہے آج یہ امانت آپ کے سپرد کر دوں گی۔''

میں نے آگے بڑھ کر اسے اپنے بازوؤں پر اٹھا لیا۔ اس نے مسکرا کے آنکھیں کھول دیں اور اپنی خوبصورت کلائیوں کا ہار میرے گلے میں پرو دیا۔ اسی طرح گود میں اٹھائے میں اسے بستر پر لے گیا۔

وہ رات واقعی کائنات کی سب سے سندر، راحت بخش اور سرور انگیز رات تھی۔ شاید سورگ میں برہما جی نے بھی اپنی سرسوتی کے ساتھ ایسی ہی رات گزاری ہوگی جس کے نتیجے میں انسان نے جنم لیا۔

سندر متی کے پیار میں گرم جوشی تھی اور اس کے بدن کی راحتیں بھی انوکھی اور مثالی تھیں جن کا اظہار الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔ نشہ تو شراب بھی دیتی ہے مگر جب حلق سے نیچے اترتی ہے بچھو کی طرح کاٹتی ہے، اس کے برعکس سندر متی کے ملاپ اور پیار کا نشہ ایسا تھا جس میں سرور ہی سرور تھا، وہ میرے پیار کی شکتی کے سامنے بار بار پسپا ہوئی اور رات مجھے یہ گیان بھی حاصل ہوا کہ اس نے مجھ سے ملتے ہی اپنی ہار اور میری جیت کی انوکھی روایت کیوں نکالی اور کس لئے ہر معاملے میں اپنی شکست اور میری فتح چاہتی تھی۔ اس لئے کہ مرد کی مکمل فتح ہی عورت کی ذات کو مکمل کرتی ہے۔

سویرے جب وہ بیدار ہوئی بے حد خوش، بے حد مگن تھی اور اس کے عارضوں کا رنگ کچھ اور نکھر آیا تھا جیسے اس نے سوم رس پی لیا ہو اور اس کا نشہ انگ انگ میں دوڑتا چلا جائے، میرے آگے پیچھے بھاگی پھرتی تھی جیسے ہرنی جنگل میں چوکڑیاں بھرتی ہے۔ اسی دن پتہ چلا کہ اس نے ہاسٹل چھوڑ دیا اور حویلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے، میں نے پوچھا۔

''ہاسٹل کیوں چھوڑ دیا؟''

''وہ تو چھوڑنا ہی تھا۔ امتحان میں زیادہ دیر نہیں، اب اپنے پریم کے اسی سورگ میں رہوں گی۔'' ایک پل خاموش رہ کر اس نے بتایا۔ ''میں نے اسکول سے سات دن کی چھٹی لی ہے اور چھٹی کے دن ابھی باقی ہیں آپ کو یہ دن یہیں گزارنا ہوں گے۔''

میں جانتا تھا وہ پیار کے دنوں اور ملاپ کی راتوں کو طول دینا چاہتی ہے مگر اکٹھے سات روز کا قیام کچھ عجیب تھا، میں نے ایک بات نکالی۔

''تیرا امتحان قریب ہے سات چھٹیوں کی کیا ضرورت تھی؟''

''آپ ہی نے لکھا تھا، سات کا عدد مبارک ہوتا ہے، میں اپنے ملاپ کو مبارک بنانا چاہتی ہوں۔''

یہ عذر ایسا تھا جسے میں جھٹلانے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا سات کے مبارک عدد سے انکار کیسے کرتا۔ وہ کہنے لگی۔

''ساؤ گاری میں کوئی ایسا کام تو ہے نہیں کہ آپ کا وہاں پہنچنا ضروری ہو، آپ کو پورے سات دن یہاں رہنا ہوگا۔''

میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ ساؤ گاری میں کام ہو یا نہ ہو میرے قبیلے کی ایک ہرنی میری راہ دیکھ رہی ہوگی اور اگر جلد اس کے جنگل میں نہ پہنچا تو اداس ہو جائے گی لیکن اس نے مجھے سات روز تک ٹھہرنے کا جو مبارک جواز پیش کیا تھا، اسے قبول کرنا پڑا۔

پھر میں باقی کے چھ دن اور چھ راتیں بھی اس کے سورگ میں ٹھہرا اور یہ سورگ ہمارے پیار کی خوشبو سے مہکتا رہا، جب یہ دن پورے ہو گئے اور میری رخصت کی گھڑی آئی۔ سندر متی ایک بار پھر میرا راستہ روک کے کھڑی ہوگئی اور میرا ہاتھ تھام کے بولی۔

''کیشی ابھی نہ جائیں۔''

''تیرے سات دن پورے ہو گئے، اب کیا ہے؟''

''میرا جی گھبراتا ہے۔''

''جی پر قابو رکھ۔''

''کیسے قابو رکھوں...... متلی ہوتی ہے بار بار، ابکائی آتی ہے۔''

''ارے......'' میں نے ایک دم چونک کے دیکھا اور وہ شرما کے میرے ساتھ لگ گئی۔

اب تو مجھے فوراً ساؤ گاری پہنچنا چاہئے تاکہ وہاں کے معاملات جلد نمٹا کر مورتی کی تلاش میں نکل جاؤں۔

''پھر میں آپ کو نہیں روکتی مگر ساؤ گاری سے کب لوٹیں گے؟''

''تیرے انتظار کے دن زیادہ طویل نہیں ہوں گے مگر اب تجھے اپنا خاص دھیان رکھنا چاہئے۔''

سندر متی سے پیار کر کے اس کے سورگ سے نکلا تو پیگو اٹیچی کیس اور مینا کا پنجرہ اٹھائے میرا منتظر تھا۔ خلاف معمول آج مینا نے صبح کا سلام نہیں کیا ورنہ دیکھتے ہی پٹ سے بولنے لگتی تھی، سوچا آج میں ہی سلام کئے لیتا ہوں۔

''گڈ مارننگ مینا۔''

''گڈ مارننگ سر!''

"کیسی ہو؟"

"اچھی ہوں۔"

"اب ہم رتنا گری جائیں گے۔ سفر لمبا ہے۔"

"رتنا گری جائیں گے...... سفر لمبا ہے سفر...... سفر...... سفر۔

مینا پٹ پٹ بولتی رہی اور پیگو اسے اٹھائے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ حویلی سے باہر نکل کر ہم لاری اڈے کی طرف ہو لئے۔

○○○

(19)

بچھڑی آتما

رُپا کی بودھ سرائے تک سندرمتی کا تصور ساتھ ہی ساتھ رہا۔ وہ سات دن جو باٹی پارہ میں گزرے میرے جیون کے حسین اور سنہرے دن معلوم ہونے لگے۔ سندرمتی اپنے بھرپور پیار کی راحتوں کے ساتھ دل و دماغ پر چھا گئی۔ اس کی یاد ایک پل کے لئے محو نہ ہوتی تھی مگر رُپا کی بودھ سرائے میں ایک رات بسر کرنے کے بعد سویرے جب ساؤ گاری کے لئے کوچ کیا، میں اپنے دل میں عجیب سی دھمک، عجیب سی لرزش محسوس کرنے لگا۔ اب سندرمتی کی بجائے جل پنا کا خیال ستانے لگا تھا کہ نہ جانے اس کے یہ دن کیسے بیتے ہوں گے۔

میں پورے اکیس دن کے بعد ساؤ گاری کی طرف لوٹ رہا تھا، اس بار بھی وہی دونوں سائیس ہم سفر تھے جن کے ساتھ میں نے رُپا سے ساؤ گاری تک پہلا سفر کیا تھا۔ پیگو نے سرائے کے منتظم سے دوپہر کے کھانے کی ٹوکری لے لی تھی لیکن اب کے میں نے اس کھانے پر تعجب کا اظہار نہیں کیا۔ منزل معلوم اور سفر طے شدہ تھا، جب ہمارا چھوٹا سا قافلہ رُپا کے چوبی مکانوں، کہر میں ڈوبے درختوں اور گنگناتے جھرنوں سے نکل کر اپنے راستے پر ہولیا۔ میں نے سندرمتی کے تصور کو الوداع کہی۔ اب جل پنا کا خیال میرا ہم سفر تھا۔

ہم دیودار، مہاگنی اور بڑ کے جنگلات کے حاشیوں پر گھومتے اور زندگی کی دلچسپیوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور جلد ہی ان اونچے اونچے، ننگے ننگے پہاڑوں کے ٹیڑھے میڑھے راستوں پر پہنچ گئے جو اپنی پر ہول خاموشیوں پر خود بھی حیران و دم بخود تھے، خچروں کی ٹاپوں کی آواز ان خاموشیوں کے سینے پر جیسے خراش سی پیدا کر رہی تھی مگر ان گونگی سنگلاخ وادیوں کے درمیان سفر کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک ہی نقشہ تھا اور وہ نقشہ جل پنا کا تھا، میں نہیں جانتا کیوں۔

اس سفر میں رنگا متی سے چٹا گانگ تک منجوری میرے ساتھ تھی۔ باٹی پارہ سے رُپا تک سندرمتی نے ساتھ دیا۔ اب ساؤ گاری کی طرف جا رہا تھا تو جل پنا کا خیال ساتھ ہولیا تھا۔ رنگا متی سے ساؤ گاری کا طویل راستہ تین حصوں میں بٹ گیا اور میں سوچنے لگا شاید میرے جیون کا سفر بھی تین حصوں تین منزلوں میں بٹا ہوا ہے مگر میں نہیں جانتا تھا مجھے کونسی منزل پر کم اور کونسی منزل پر زیادہ ٹھہرنا ہے۔

میرے پیار کی پہلی منزل جل پنا تھی لیکن اس کا معاملہ کچھ مختلف بھی تھا اور کچھ عجیب بھی۔ دنیا میں ہر شخص کے حصے کا ایک پیالہ ہوتا ہے جس سے اگر وہ چند گھونٹ دکھ اور تکلیف کے پیتا ہے تو چند گھونٹ راحت و آرام کے بھی حاصل کرتا ہے مگر جل پنا کے پیالے میں تو صرف تلخیاں تھیں۔

پیدا ہوتے ہی ماں مرگئی، ہوش سنبھالا تو باپ چل بسا، نجانے دکامتی سے مانڈے تک کن حالات میں پہنچی تھی، اس کی زندگی کا یہ باب ابھی تک میری نظر سے اوجھل تھا۔ مانڈے میں گورو آہنی کے ناچ آشرم کی رونق بنی پھر ایک دن پروہت گنجال اور سروپ جی اسے ساؤ گاری لے آئے کیونکہ پروہت گنجال اور گورو آہنی نے ایک ساتھ اس کے بارے میں عجیب وغریب سپنا دیکھا تھا، پھر ساؤ گاری میں گنجال نے اس کی گردن میں ''بھگوان کی نرتکی'' کا طوق ڈال دیا، اسے اپنے دکھوں اور مایوسیوں کے اندھیرے میں اگر اجالے کی کوئی کرن نظر آئی تو صرف میں تھا، مگر میں نہ تو ابھی ان پراسرار حالات کو سمجھ سکا تھا جن کے تحت وہ ساؤ گاری لائی گئی نہ اس معمے کو حل کر پایا تھا کہ گنجال اسے اپنی دنیا میں واپس جانے سے کیوں روکتا اور کس مقصد کے لئے اسے سدا کنواری رکھنا چاہتا ہے، یہی وہ بے چینی تھی جو بار بار میرے دل کو کچوکے دیتی تھی۔

جل پنا کے ساتھ مجھے وشال رائے کی بہن روپ تارا بھی یاد آئی۔ اسے بھی پروہت گنجال ہی اگرتلہ سے اغوا کر کے ساؤ گاری لے گیا تھا اور اس پر بھی یہی پابندی تھی کہ عمر بھر کنواری رہے گی لیکن کیوں...... کیوں...... کیوں؟

میں نے اپنے ذہن سے تین مرتبہ پوچھا مگر جواب ایک بار بھی نہ ملا اچانک وشال رائے کی یہ بات ماضی کے کنویں سے نکل کر میری ساعت سے ٹکرانے لگی کہ روپ تارا کے بازو پر چاند گرہن کا نشان تھا اور جب پروہت گنجال نے وہ نشان دیکھا تو چونک اٹھا غالباً اس نشان کو دیکھ لینے کے بعد روپ تارا کے اغوا کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

ادھر شاسترو نے مجھے جل پنا کی جو کہانی سنائی اس میں بھی چاند گرہن کا ذکر تھا بلکہ وہ کہانی تو شروع ہی چاند گرہن سے ہوئی تھی، ایک برس پہلے چاند گرہن کی رات ادھر پروہت گنجال نے ساؤ گاری میں ادھر گورو آہنی نے مانڈے کے ناچ آشرم میں بھگوان بدھ کے درشن کئے اور جل پنا کے متعلق ''روحانی ہدایات'' حاصل کی تھیں۔ میں سوچنے لگا کیا ساؤ گاری میں لائی جانے والی کنواری لڑکیوں کا چاند گرہن سے بھی کوئی واسطہ ہے؟ میرے اندر کے تھارو کیشپ نے آہستہ سے جواب دیا۔

''ہے کوئی واسطہ۔''

''وہی تو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''جل پنا سے پوچھنا۔ وہ بتائیگی۔''

''اور بھگوان بدھ کو نرتکیوں سے کیا دلچسپی کہ وہ پروہت گنجال اور گورو آہنی کے سپنوں میں آ کر ''ناچ پوجا'' کا اشارہ کرتے ہیں؟''

''ارے بدھو! کیا تم بھی اس کہانی کو سچ سمجھ بیٹھے؟''

''پھر سچ کیا ہے؟''

''یہ تو سارا کھیل پروہت گنجال کا ہے۔ اسی نے گورو آہنی کو سپنا دکھایا تھا بھگوان کو نرتکیوں سے کوئی دلچسپی ہے نہ ناچ پوجا سے۔''

میرے اندر کے آدمی کا جواب بالکل صاف تھا۔ اس جواب سے میں کچھ مطمئن اور کچھ بے چین بھی ہوا کیونکہ اگر یہ سارا کھیل پروہت کا تھا تو اس میں سروپ جی بھی شامل تھے جس طرح منگل ساؤ روپ تارا کے اغوا میں گنجال کا شریک کار بنا اسی طرح سروپ جی جل پنا کو ساؤ گاری میں لانے کے لئے اس کے ساتھ برما گئے تھے۔ اب ایک اور الجھن پریشان کرنے لگی۔

''کیا کنواری لڑکیوں کو اغواء کر کے ساؤ گاری میں لانا بھی گوچی ساؤ کی وصیت کا حصہ ہے؟''

میرے دماغ میں دھماکہ سا ہوا، گوچی ساؤ ایک کسان کی کنواری کنیا کی عزت لوٹنا چاہتا تھا...... مگر وہ تو مرگئی، اس کا باپ بھی مرگیا۔ اسی حادثے کی خلش گوچی ساؤ کو بودھ دھرم میں لے آئی اور وہ نروان کی تلاش میں بھٹکنے لگا تھا۔ ''تو پھر کنواری لڑکیوں کا کیا معاملہ ہے؟'' میں نے سوچا بہت مگر سمجھ میں کچھ بھی نہ آسکا۔ جتنا سوچتا تھا الجھنیں اتنی ہی اور بڑھ جاتی تھیں۔

ہمارا مختصر سا قافلہ پانی کی اس لکیر کے کنارے جو رپا اور ساؤ گاری کے وسط میں واقع تھی، دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آگے بڑھا تو پریشان خیالات کی بھیڑ بھی ساتھ ساتھ چلی۔ اب کے میں ایک ارادہ ایک مقصد لے کر ساؤ گاری جا رہا تھا اور کوئی پراسرار آواز سرگوشی کر رہی تھی۔۔

''تھارو کیشپ! خبردار...... تھارو کیشپ! ہوشیار......''

سفر کے دوران کوئی ایسا واقعہ بھی نہیں ہوا جو مجھے چونکا دیتا مگر نہ جانے دل میں یہ دھمک سی کیسی تھی اور ذہن خطرے کا الارم کیوں دے رہا تھا۔

اس گہری لمبی اور چوڑی دراڑ سے گزر کر جو ساؤ گاری کی راہ میں ایک قدرتی مگر انتہائی خطرناک خندق کی طرح حائل تھی، ہم اس درے کی طرف بڑھے جس کے دونوں بازوؤں پر چھتری دار درخت بازو پھیلائے کھڑے تھے تو شام کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا اور میں اس اندھیرے میں محسوس کر رہا تھا جیسے پہاڑیوں اور چھتری دار درختوں کے درمیان ایک اور ہستی بھی ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی ہے اور دو آنکھیں اندھیرے کی چادر اور چھتریوں کی چلمن سے ہمیں جھانک رہی ہیں، یہ احساس بھی ہو رہا تھا کوئی مجھے روک لینا چاہتا ہے، میں نے ایک

دم خچر روک کر آہٹ سننے کی کوشش کی مگر نہ کوئی آہٹ سن سکا نہ یہ پتہ چلا کہ اگر کوئی پراسرار ہستی ہمارے ساتھ چل رہی ہے تو ہماری کس جانب اور کتنے فاصلے پر ہے۔

پیگو نے حیران سی نظروں سے مجھے دیکھا، وہ سمجھ گیا تھا، شاید میں کوئی خطرہ محسوس کر رہا ہوں لیکن میں نے اپنے احساس کو وہم پر محمول کر کے خچر آگے بڑھایا ابھی تھوڑی دور گئے تھے کہ ذہن پھر منتشر ہونے لگا اور اب کے میں اپنے ذہن میں پیروں کی چاپ بھی سن رہا تھا ننگے پیروں کی بہت ہلکی اور بے آواز سی چاپ۔ اس کے ساتھ ہی خیال نے ایک دھندلی دھندلی تصویر بھی دکھائی۔ اندھیرے میں لپٹی ایک مدھم سی تصویر۔ نہ جانے بھاری جبے میں لپٹا وہ آدمی تھا یا کوئی خبیث دیوتا یا غول بیابانی کا کوئی عفریت جو اپنے آپ کو پتھروں اور درختوں کی لمبوتری شاخوں میں چھپائے ننگے پاؤں چل رہا تھا کہ موقع ملے تو کچھ کر گزرے تصویر میں اس جبہ پوش کا صرف عقبی حصہ دکھائی دیا تھا، اس لئے اس کی صورت نہ دیکھ سکا مگر وہ بڑا مضطرب، بڑا بے چین سا نظر آتا تھا۔

ذہن سے یہ تصویر اچانک ہی زائل ہوگئی۔

آگے درہ تنگ ہو گیا اور راستہ کچھ ایسا تھا کہ کوئی بھی آدمی درختوں میں چھپ کر پتھروں کی اوٹ سے حملہ کر سکتا تھا بلکہ گردن بھی دبوچ سکتا تھا، میں نے خچر پھر روک لیا اور پیگو کو مدھم آواز میں کہا۔

"ذرا دیکھو، درے کی دائیں جانب درختوں کے پیچھے کون ہے؟"

پیگو نے پہاڑی چیتے کی طرح خچر سے چھلانگ لگائی اور جدھر میں نے اشارہ کیا تھا، لپکتا چلا گیا وہ بڑی تیزی اور پھرتی کے ساتھ پتھروں کو پھلانگتا اور چھتری دار درختوں کے درمیان سے گزرتا درے کی دوسری جانب اتر گیا۔ میرا خیال تھا وہ اس پراسرار ہستی کو ضرور پکڑ لے گا جو شاید حملہ کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں تھی لیکن پانچ چھ منٹ بعد لوٹ کے آیا تو بولا۔

"ادھر تو کوئی نہیں صاحب؟"

"تم نے اچھی طرح دیکھ لیا؟"

"اندھیرا بے شک بڑھ گیا ہے مگر میری آنکھیں اس اندھیرے میں سب کچھ دیکھ سکتی ہیں۔"

پھر یہ کہہ کر اس نے میری مزید تسلی کر دی۔

"ادھر کوئی دوسرا آدمی تو آتا جاتا نہیں ہاں درے تک کوئی بھی آجائے تو ساؤ گاری کا باسی ہو سکتا ہے۔"

میں چونک سا گیا۔ "اچھا تو کیا ساؤ گاری کا کوئی باسی ادھر آ سکتا ہے؟"

"مگر کوئی کیوں آنے لگا، ہم خود ساؤ گاری جا رہے ہیں۔"

میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ شاید کوئی "مہربان" اسی درے میں میرا "سواگت" کرنا چاہتا ہو۔ اندھیرا ابھی ہے، پہاڑوں کے پیچ وخم بھی ہیں اور بھاگ نکلنے کا موقع بھی مگر اس نے بتایا۔

"میں نے اچھی طرح تسلی کر لی ہے، ادھر کوئی نہیں۔"

سوچا ہو سکتا ہے، میرے وہم نے ذہن میں کسی چلتی پھرتی تصویر کی شکل اختیار کر لی ہو، میں نے کسی کو آنکھ سے تو دیکھا نہیں صرف میرے ذہن نے ایک جبہ پوش کی تصویر دیکھی اور ننگے پاؤں کی بے آواز سی چاپ سنی تھی۔ یہ خیال کا دھوکہ بھی ہو سکتا ہے ہمارا چھوٹا سا قافلہ آگے بڑھا اور ہم درے سے صحیح سلامت گزر آئے۔ کوئی بھی حادثہ یا واقعہ رونما نہیں ہوا۔ اب اس کے علاوہ اور کیا سمجھتا کہ میرے ذہن نے ایک سراب دیکھا تھا۔

میں اپنی آپ بیتی پڑھنے والوں کو شروع ہی میں بتا آیا ہوں کہ نصف میل طویل درے کا گھماؤ کاٹ کر آگے ایک وسیع اور ناہموار سی ڈھلان دور تک وادی کے قدموں میں اترتی چلی گئی ہے جہاں ڈھلان ختم ہوتی ہے وہاں دوسری طرف کی اونچائی پر ساؤ گاری کی یکا و تنہا عمارت کسی قلعے کی طرح کھڑی ہے۔ درے سے عمارت تک اڑھائی تین میل کی دوری ہے اور ڈھلان نما چٹیل میدان میں کہیں کہیں کوئی کبڑا درخت یا جھاڑیاں ہیں جو راستہ نہیں روکتیں۔ درے سے ساؤ گاری تک آنے جانے کی وجہ سے (اور یہ آنا جانا تین صدیوں سے لگا ہوا ہے) خود بخود ایک راستہ بن چکا ہے جس کے آس پاس گڑھوں میں عام طور پر برسات کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ ساؤ گاری کے دکھن میں وہ کالا پہاڑ ہے جس پر بجلیاں گرتی ہیں، یہ پہاڑ درے سے نکلتے ہی نظر آجاتا ہے۔

ہم درے کا گھماؤ کاٹ کر نکلے تو دور ڈھلان وادی کے حاشیے پر روشنی کا ایک مدھم سا دھبہ دکھائی دیا۔ یہ وہ روشنی تھی جو عموماً راتوں کو ساؤ گاری کے واحد پھاٹک کی برجی پر کی جاتی تھی تاکہ آنے والوں کی رہنمائی کر سکے، ہم روشنی کے اسی دھبے کی طرف بڑھنے لگے۔

اب اندھیرا کچھ اور گہرا، کچھ اور گاڑھا ہو گیا تھا۔ رات نے اپنے کالے پر پھیلا دیئے تھے اور پچھلی راتوں کا چاند کہیں دور۔۔ لامحدود خلاؤں کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا، ناگاہ میں نے خچر کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو درے کے گھماؤ پر جہاں سے ابھی ابھی نکل کر ہم چٹیل میدان میں داخل ہوئے تھے عین راستے میں ایک کالی پرچھائیں نظر پڑی جسے فاصلے کی دوری اور رات کی تاریکی کے باوجود میں اپنے وہم کی تصویر نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ ٹھیک اسی لمحے ایک شعلہ سا چمکا اور میں نے اس کالی پرچھائیں کو حرکت کرتے اور زمین پر جھکتے دیکھا اور یہ کوئی "اندھیرے کا سراب یا فریب نظر نہیں تھا تو درے سے گزرتے سمے میرے خیال نے جو تصویر دکھائی وہ میرا وہم نہ تھا کوئی آدمی، کوئی پراسرار وجود وہاں تھا ضرور جو پیگو کو اوپر آتے

دیکھ کر کسی پتھر کی اوٹ میں دبک گیا ہوگا اور پیگو کی بلی ایسی تیز آنکھیں بھی اسے دیکھ نہ سکی ہوں گی مگر اب میں نے اس کے بارے میں کوئی اطلاع دینا ضروری نہ سمجھا کیونکہ ہم بتدریج اس کالی پرچھائیں سے دور ہوتے جا رہے تھے اور اندھیرے نے اس کے وجود کو ڈھانپ لیا تھا۔

اب میں آپ ہی آپ حیران ہو رہا تھا کہ وہ پراسرار آدمی کون ہو سکتا ہے اور درے کے آس پاس منڈلانے کا مقصد کیا تھا؟

کہیں وہ شنکر یا خود پروہت گنجال ہی نہ ہو، مگر میں اس پہاڑی گلی سے نکل آیا تھا اور موت مجھ سے ہاتھ ملانے نہیں آئی تھی، اس واقعے سے اگر اور کچھ نہیں تو میں یہ ضرور سمجھ گیا کہ ساؤ گاری میں ہوا کس رخ چل رہی ہے، اب مجھے واقعی بڑی احتیاط اور ہوشیاری کی ضرورت تھی۔

اچانک اس احساس نے میرے پورے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑا دی کہ میرا خیال یا عرفان یا جو کچھ بھی وہ ہے دکھائی نہ دینے والی چیزوں کو دیکھ لیتا اور وقت سے پہلے اس کی خبر دے سکتا ہے۔

○

اس بار ساؤ گاری کے ساتوں گونگے بھکشوؤں میں سے کوئی بھی پھاٹک پر میرے استقبال کے لئے موجود نہ تھا۔ دراصل میری واپسی تاخیر سے ہوئی تھی اور میں سروپ جی کو یہ اطلاع بھی نہیں بھجوا سکا تھا کہ کب لوٹ رہا ہوں، اسی لئے کوئی میرے سواگت کو نہ آیا۔ خچروں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کی آواز سن کر پھاٹک کا چوکیدار مشعل لے کر باہر نکلا اور اسی نے مجھے خوش آمدید کہا مگر جب میں اور پیگو آگے پیچھے ڈیوڑھی سے گزر کر ساؤ گاری کے وسیع وعریض صحن میں داخل ہو رہے تھے (اور میں بتا چکا ہوں کہ اس قلعہ نما عمارت کا صحن یا پارک چار ایکڑ سے کم نہ تھا) میں نے سروپ جی کو گرم گون پہنے پوربی غلام گردش میں آتے اور بیرونی ڈیوڑھی کی سمت بڑھتے دیکھا بونا شاسترو لالٹین اٹھائے ان کے ساتھ ساتھ مینڈک کی طرح پھدکتا آ رہا تھا، شاید دور ہی سے گھنٹیوں کی آواز سن کر چوکیدار نے انہیں ہمارے آنے کی اطلاع کر دی تھی۔

سروپ جی کو دیکھ میں بھی صحن چھوڑ کر اس طویل غلام گردش میں ہولیا جو عمارت کے گرداگرد ایک گوٹ کی مانند پھیلی تھی اور جس کے ساتھ بارکوں کی طرح چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے مگر خالی ہی تھے کیونکہ ساؤ گاری کے باسی شمال مغرب میں ایک چھوٹے سے محلے میں رہتے تھے مجھے دیکھتے ہی سروپ جی دور سے بولے۔

"تھارو کیشپ! آ گئے تم۔"

"آ تو گیا ہوں مگر کچھ دیر ہو گئی۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

"میں دوسری بار تمہارا سواگت کرتا ہوں۔"

مگر یہ بات مجھے عجیب سی لگی کہ جب میں پہلی بار آیا وہ شمالی غلام گردش کی ڈیوڑھی کے پاس ہی کھڑے رہے تھے مگر اس مرتبہ خود پھاٹک کی طرف بھاگے آئے۔ سوچا پہلی بار میں ان کے ملازم کی حیثیت میں آیا تھا اور ممکن ہے انہوں نے وہ فاصلہ قائم رکھنا ضروری سمجھا ہو جو مالک اور ملازم کے درمیان ہوتا ہے مگر اس مرتبہ میں ان کے داماد کی حیثیت سے ساؤ گاری میں داخل ہوا ہوں، اس لئے وہ تھارو کیشپ کی بجائے دراصل اپنے داماد کا سواگت کر رہے ہوں اور یہ بات کچھ غلط نہ تھی، اس بار ان کے سلوک میں پدرانہ شفقت کا رنگ بھی تھا بولے۔

"تمہارے دیر سے آنے کا کارن میں سمجھتا ہوں، اگر دادا کی طبیعت پھر خراب نہ ہو گئی ہوتی تو تمہارے سواگت کے لئے میں بھی بائی پارہ میں ٹھہر جاتا مگر ان کی وجہ سے مجھے دوسرے دن ہی ساؤ گاری لوٹنا پڑا، خیر باقی باتیں ہم اوپر چل کے کریں گے۔"

گویا انہوں نے اشارہ کیا تھا کہ میں بائی پارہ میں گزرے دنوں کے متعلق کوئی غیر محتاط بات نہ کروں اور قارئین جانتے ہیں وہاں سندر متی سے میرا ملن ہوا اور یہی دیر سے آنے کا کارن تھا، اسی لمحے شاسترو نے لالٹین فرش پر رکھی اور دونوں ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا۔

"پربھو! اگر آپ کو فرصت ہو تو میرا بھی نمسکار قبول کر لو۔"

اب میں شاسترو کی طرف متوجہ ہوا۔ "ارے کیا حال ہے تیرا؟"

"آپ کے بعد بیمار پڑ گیا تھا، آج ہی بستر سے اٹھا ہوں۔"

وہ کچھ کمزور کچھ اداس نظر آ رہا تھا اور کچھ پریشان بھی۔ شاید یہ بیماری کا اثر تھا۔ پیگو اٹیچی کیس اٹھائے میرے پیچھے کھڑا تھا سروپ جی نے اسے ہدایت کی۔

"کیشپ کا سامان اوپر لے چلو۔"

میں ذرا چونکا۔ "اوپر" سے ان کی مراد وہ بالا خانہ تھا جس میں خود رہتے تھے مگر مجھے اسی کمرے میں رہائش پسند تھی جہاں پہلے ٹھہرا تھا کیونکہ وہاں جل پنا سے ملنے جلنے کی سہولت تھی اور اوپر پہنچ کر اس سے میل جول نہ ہو سکتا تھا پھر بھی میں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ سوچا کل کسی وقت اسی کمرے میں منتقل ہو جاؤں گا جس کا دروازہ جل پنا کے لئے ہر وقت کھلا ہوگا۔

پیگو سامان اٹھائے آگے بڑھا تو میں نے مینا کا پنجرہ پکڑ کے شاسترو کی طرف بڑھایا۔

"لے سنبھال یہ مینا تیرے لئے لایا ہوں۔"

بانس کی تیلیوں کا پنجرہ اور پنجرے میں مینا دیکھ کر جو مارے سردی کے دبکی سکڑی بیٹھی تھی، شاسترو کی جو حالت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے، کسی سحر زدہ آدمی کی طرح حیرت پاش نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"ارے..... دیکھتا کیا ہے میری طرف؟"

"پربھو!..... یہ مینا......" وہ آگے بڑھا۔

ہاں یہ بنگالی مینا ہے، بولتی بھی ہے گاتی بھی ہے، پھڑ پھڑاتی بھی ہے۔"

اس کی حیرت کچھ اور بڑھ گئی۔ "کیا آپ کو میرا اسندیس مل گیا تھا؟"

"سندیس مل گیا تھا جبھی تو لایا ہوں، بنگالی مینا، بڑے گن ہیں اس میں، انگریزی، اردو، بنگلہ آسامی سب بولیوں میں باتیں کرتی ہے۔"

"اچھا۔۔۔!" شاستر و کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

میں نے مینا سے انگریزی میں بات کی۔

"ہاؤ ڈو یو ڈو مینا۔"

"او کے سر۔" اس نے جواب دیا۔

حواس باختہ شاستر و کے ساتھ سروپ جی بھی اس کی انگریزی اور صاف لہجے پر حیران رہ گئے، اب میں نے اردو میں پوچھا۔

"مینا! ٹھنڈ تو نہیں لگتی؟"

مینا چلانے لگی..... "ٹھنڈ تو نہیں لگتی۔ ٹھنڈ تو نہیں لگتی... لگتی... لگتی..."

"سن لیا تو نے؟" میں شاستر و سے مخاطب ہوا۔ "اسے ٹھنڈ سے بچانا اور اچھی اچھی چیزیں کھلانا۔"

"اچھی اچھی چیزیں..... کھلانا..... کھلانا..... اچھی اچھی چیزیں......"

"کھلاؤں گا، کھلاؤں گا۔" شاستر و بولا۔

اور مینا نے اس کی نقل اتاری۔ "کھلاؤں گا..... کھلاؤں گا......"

میں نے مینا کو بتایا۔ "یہ شاستر و ہے۔"

اور اس نے فوراً دہرایا۔ "یہ شاستر و ہے..... شاستر و ہے۔"

مینا بلا کی ذہین اور سنی ہوئی بات کو دہرانے میں بڑی تیز تھی، سروپ جی بھی اس کی تعریف کرنے لگے۔ "بڑی گنی اور انوپ ہے یہ مینا، فوراً بات پکڑتی اور صاف بولتی ہے۔"

شاستر و یہ بنگالی تحفہ وصول کر کے بڑا خوش ہوا اور ہمارے آگے آگے چل پڑا اس کے ایک ہاتھ میں لالٹین دوسرے ہاتھ میں پنجرہ تھا، میں چاہتا تھا اس سے جل پنا کے بارے میں کچھ پوچھوں، وہ بھی کچھ کہنا چاہتا تھا مگر سروپ جی کی موجودگی میں ایسا مناسب نہ تھا، اس لئے میں خاموش رہا، اس نے بھی کچھ نہ کہا، میں سروپ جی کے ساتھ چلتا، باتیں کرتا ان کے بالا خانے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا تو شاستر و رہداری میں گوپی ساؤ کی مورتی کے پاس ہی رک گیا۔

"پربھو! اگر آگیا دے سکو تو میں جاؤں، مینا کو ٹھنڈ لگ رہی ہے۔"

میں چاہتا تھا، وہ بھی کچھ دیر کے لئے اوپر آ جائے تاکہ موقع پا کر یہ تو پوچھ سکوں کہ جل پنا کیسی ہے مگر اب اسے مینا کا خیال ستا رہا تھا، میں نے صبر کا گھونٹ بھر لیا۔

"اچھا شاستر و! سویرے ملاقات ہوگی، نیچے والے کمرے میں۔" پھر میں نے مینا کو بھی رخصت کیا۔ "گڈ نائٹ مینا۔"

"گڈ نائٹ سر!..... سویرے ملاقات ہوگی..... ملاقات ہوگی نیچے......"

شاستر و پنجرہ اٹھائے وہیں سے لوٹ گیا اور سروپ جی مجھے لے کر کھانے والے کمرے میں آ گئے، پیگو نے فوراً کھانا لگا دیا، مجھے اکیلے ہی کھانا پڑا۔ سروپ جی تو کھا چکے تھے، کھانے سے فارغ ہوا تو بولے۔

"سفر میں تھک گئے ہو گے، اب تمہیں آرام کرنا چاہئے۔"

"میرا خیال تھا ذرا دادا کو بھی دیکھ لوں۔"

"سویرے دیکھ لینا۔"

اور وہ اس کمرے کی طرف چلے جہاں مجھے آرام کرنا تھا، وہ سندرمتی ہی کا کمرہ تھا اور میں وہاں پہلے بھی ایک رات گزار چکا تھا، پیگو میرا اٹیچی کیس وہیں رکھ گیا تھا، کمرے میں پہنچے تو سروپ جی کو کچھ یاد آ گیا۔

"ارے کیشپ! میں نے پوچھا ہی نہیں، تمہاری چاچی کیسی ہے۔"

"اچھی ہے مگر آپ کو سن کر شاید تعجب ہو، اب میں اسے چاچی نہیں ماں کہتا ہوں۔"

"اس میں تعجب کی کوئی بات ہے۔ چاچی ماتا سمان ہوتی ہے پھر اس نے تو تمہیں پال پوس کر جوان کیا ہے، تم نے اسے ماں سمجھا اور ماں کہا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔"

اب میں نے وہ بات چلائی جسے شاید وہ بھی سننا چاہتے تھے اور اپنا ہاتھ بڑھایا۔

"یہ دیکھیں..... ماں نے آپ کی بھیجی ہوئی انگوٹھی مجھے پہنا دی تھی۔"

"میں سن چکا ہوں۔"

"مگر آپ سندرمتی کو گیروا چولہ پہننے کی ہدایت کیوں کر آئے تھے؟"

"اس نے بتایا نہیں تمہیں؟"

"کچھ اس نے بتایا ہے کچھ میں سمجھ گیا۔"

میں نے اٹیچی کیس کھول کر گیروا چولہ نکالا جسے باٹی پارہ سے اپنے ساتھ ہی لے آیا تھا۔

"آپ نے یاد دلایا ہے کہ اسے ساؤ گاری میں اپنے پرکھوں کی طرح رہنا ہوگا مگر میں یہ چولہ آپ کو لوٹا رہا ہوں۔ وہ ساؤ گاری میں نہیں رہنا چاہتی ہے۔"

میں نے چولہ انہیں واپس کیا تو ایک دو پل خاموش کھڑے مجھے دیکھتے رہے پھر بولے۔

''یہ نہ بھولو وہ ساؤ خاندان کی واحد نشانی ہے اور جس طرح ہر درخت کے لئے ایک زمین ہوتی ہے اسی طرح سندر متی کا بھی صرف ایک ٹھکانہ ہے اور ساؤ گاری ہے اس کا ٹھکانہ، ساؤ خاندان کا درخت اسی زمین سے اگا ہے اور اس کی جڑیں زمین کے پیٹ میں اتر چکی ہیں اسے اپنے درخت کی چھاؤں میں بیٹھنا ہوگا۔''

''وہ ایسے درخت کی چھاؤں میں بیٹھنے کو تیار نہیں جو خود ہی سوکھ رہا ہے۔''

''مگر شاخ اپنے درخت سے جدا نہیں ہو سکتی، جدا ہو جائے تو چولہے کا ایندھن بن جاتی ہے۔''

''وہ شاخ کسی اندھے کی لاٹھی بھی تو بن سکتی ہے۔''

سروپ جی پریشان سے ہو کر کاؤچ پر بیٹھ گئے، انہوں نے مجھے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر کہنے لگے۔

''میں تمہارے خیال کی تردید نہیں کرتا ٹھاروکیشپ! مگر یہ لفظوں کی بحث نہیں۔ خاندان کی ایک روایت اور وراثت ہے جو تبدیل نہیں ہو سکتی، اسے یہیں رہنا ہوگا جہاں اس کے پرکھوں کی ارتھیاں جل کر راکھ ہوئی ہیں۔''

''میں نے آپ کا فیصلہ سن لیا۔ اب میرا فیصلہ سن لیں۔ سندر متی آپ کی بیٹی اور میری پتنی ہے مگر نہ اسے یہاں رہنا ہے نہ مجھے۔''

وہ انتہائی بدحواسی کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔''

''تم بیٹی کو باپ سے اور شاخ کو درخت سے کاٹ دینا چاہتے ہو۔ حالانکہ میں نے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ سندر متی کے ساتھ بیاہ کر کے تم بھی ساؤ خاندان کی رسموں کے پابند ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد تمہاری راکھ ساؤ گاری پر بکھر جائے گی۔ اگر تم نے یا سندر متی نے ساؤ گاری کو چھوڑ دیا تو گوپی ساؤ کی بے چین آتما تم دونوں کا پیچھا کرے گی اور میرا آشیرواد بھی تمہیں کبھی نہ مل سکے گا۔''

وہ بڑے ناراض دکھائی دیتے تھے، آنکھوں میں غصے کی آگ تھی اور چہرے پر کسی انجانے خوف کا دھواں۔ میں نے ان کے جسم پر ایک ہلکی سی کپکپی دیکھی اور اٹھ کر انہیں پکڑ لیا۔

''آپ نے سندر متی کو ساؤ گاری سے نکلنے کا ایک راستہ بھی تو بتایا تھا۔''

''صرف ایک ہی راستہ ہے۔ مورتی کی تلاش۔''

''آپ کچھ سمجھے بھی..... میں نے چولہ کیوں لوٹا دیا؟''

انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا، میں نے بتایا۔

''اب مورتی کی تلاش میرے جیون کا آدرش ہے، میں اسے ڈھونڈ کر یہاں سے نکلنے کا

راستہ نکالوں گا۔ یہی قول سندر متی کو دیا ہے، یہی وعدہ آپ سے کرتا ہوں۔''

یہ سنتے ہی ان کی آنکھوں میں ایک ساتھ کئی دیپ جل اٹھے، دھواں دھواں سا چہرہ یک لخت روشن ہو گیا، جسم میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑ گئی اور کپکپاتی آواز میں بولے۔

''مورتی ڈھونڈ کر تم صرف سندر متی کی آشا پوری نہیں کرو گے مجھے بھی جیون کے سب سے بڑے روگ سے نجات مل جائے گی، بھگوان تمہیں اپنا قول پورا کرنے کی شکتی دے، میرے بیٹے!''

''مگر اس قول کے ساتھ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''پہلے آپ بیٹھ تو جائیں۔''

وہ میرے ساتھ ہی کاؤچ پر بیٹھ گئے۔ ''اب کہو کیا پوچھنا ہے تمہیں؟''

میں ایک دو لمحے چپ بیٹھا سوچتا رہا، آیا وہ میرے سوال کا جواب بھی دیں گے یا نہیں پھر یہ ٹھان کر کہ پوچھ لینے میں کیا حرج ہے، ان سے مخاطب ہوا۔

''میں اتنا تو جان گیا ہوں کہ آپ کو کسی خاص مقصد کے لئے مورتی کی تلاش ہے اور وہ مقصد صرف آپ کا نہیں پورے ساؤ خاندان کا ہے آپ کے بزرگ بھی مورتی ڈھونڈتے رہے ہیں، یہ بھی معلوم کر چکا ہوں کہ اس مورتی کو چھو لینے سے روگی اچھے ہو جاتے ہیں مگر آپ کا روگ جسمانی نہیں روحانی یا صاف لفظوں میں اندرونی روگ ہے جس کا علاج کسی ڈاکٹر یا وید حکیم کے پاس نہیں میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں، اس مورتی میں وہ کونسی خاص بات یا کوئی بھید ہے جو آپ کا خاندانی دکھ دور کر سکے اور ساؤ گاری سے نکلنے کا راستہ بھی نکال دے؟ اگر آپ مجھے یہ بتا دیں گے تو ہو سکتا ہے مورتی ڈھونڈنے میں کوئی آسانی پیدا ہو جائے۔''

میں اس حیرت اور پریشانی کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اپنے قارئین کے سامنے بیان نہیں کر سکتا جو میری بات سن کر سروپ جی کو ہوئی۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور نگاہِ حیرت سے مجھے اس طرح گھورنے لگے جیسے ان کے دیکھتے ہی کوئی قبر پھٹ گئی ہو اور میں اس قبر سے اچانک نمودار ہوا تھا۔ اسی عالم تعجب میں ان کے خشک ہونٹ کانپنے لگے، پھر اس طرح ہولے ہولے بولے جیسے پتھر کی مورتی بولنے لگے۔

''تو تم یہ ساری باتیں جان گئے ہو؟''

ان کا یہ انداز ایسا تھا جس طرح کوئی عقل مند کسی پاگل سے یا کوئی پاگل کسی عقل مند سے کوئی عجیب بات پوچھ رہا ہو۔

''میں تو اور بھی بہت سی معلومات حاصل کر چکا، بہت سی باتیں جان گیا ہوں۔''

''اور کیا جان گئے ہو؟''

میں نے ان کے اڑے اڑے چہرے کا جائزہ لیا اور بتایا۔

"پہلی بار جب میں ساؤ گاری آیا آپ نے مجھے گوچی ساؤ کی کہانی سنائی تھی کہ اس نے تبتی لاما اناتھ بنڈو کا رتنا گری کی اس وادی میں سواگت کیا جو بودھ گیا کی یاترا کے لئے ہندوستان جا رہا تھا مگر یہ نہیں بتایا کہ اناتھ بنڈو لہاسہ کی بودھ خانقاہ سے ایک مورتی بھی لایا تھا جسے چھو لینے سے روگی اچھے ہو جاتے تھے۔ گوچی ساؤ نے وہ مورتی حاصل کر لی مگر ایک دن جب آسام کے پوربی قبیلوں کی طرف جا رہا تھا کہ برہم پتر پار کرتے سمے کشتی الٹ گئی اور مورتی دریا برد ہو گئی تھی۔ تب سے ساؤ خاندان مورتی کی تلاش میں بھٹک رہا ہے۔ کیا آپ کچھ اور بھی سننا چاہیں گے؟"

جوں جوں میں یہ انکشاف کر رہا تھا، سروپ جی مارے حیرت کے پتھر سے ہوتے جا رہے تھے۔ گم صم، ساکت و جامد، حیران و پریشان، کچھ دیر اسی طرح حیرت زدہ سے بیٹھے رہے پھر پوچھنے لگے۔

"تمہیں یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

"جو آدمی ڈھونڈتا ہے کچھ پا لیتا ہے، میری معلومات کے مطابق اناتھ بنڈو والی مورتی اور آنند بھکشو والی مورتی میں جو پٹنہ کی کھدائی سے برآمد ہوئی اور جسے 1848ء میں کمپنی سرکار کے گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے کہیں غائب کر دیا تھا، ایک ہی جوہر پایا جاتا ہے اور وہ جوہر ہے بھگوان بدھ کی راکھ......"

یہ انکشاف ایسا تھا جس نے ان پر واقعی سکتہ سا طاری کر دیا۔ رنگ اچانک پیلا پڑ گیا اور اندر کے خول میں جیسے ان کی ذات کا دم ٹوٹنے لگا مگر اپنے اندر کے آدمی کو اس ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کیلئے وہ یک لخت کھڑے ہو گئے اور چھت کی طرف دیکھ کر بڑبڑائے۔

"میرے بھگوان! مجھے عذاب سے نجات دے یا اسے جھیلنے کی شکتی عطا کر۔"

"بھگوان خود آکاش سے اتر کے نہیں آتا سروپ جی! وہ آدمی کی نجات کے وسیلے اور اس کے دکھوں کا علاج پیدا کرتا ہے، مجھے بتایئے بھگوان کی مورتی یا پھر صاف صاف لفظوں میں تتھاگت شاکیہ منی کی راکھ میں وہ دوسری خوبی کیا ہے جو آپ کے دکھ دور کر سکتی ہے؟"

اب وہ کسی قدر سنبھل گئے اور اپنی حیرتوں پر قابو پا چکے تھے انہوں نے ہاتھ میری سمت لہرا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"تھارو کیشپ! مجھ سے وہ بات نہ پوچھو جو میں نہیں بتا سکتا، وہ چیز نہ مانگو جو تمہیں نہیں مل سکتی۔"

"میں نے وہ چیز کبھی نہیں مانگی جسے حاصل نہ کر سکوں، سوال کرتا ہوں تو جواب بھی چاہتا ہوں۔"

"مگر تم نے ایسا سوال کیا ہے جس کا جواب میرے پاس نہیں۔"

"جواب نہیں یا جواب دینا نہیں چاہتے؟"

"ایک ہی بات ہے کیونکہ جب یہ راز ایک امانت کی طرح میرے سپرد کیا گیا، میں نے وچن دیا تھا کہ موت کے بستر تک میری زبان خاموش اور ہونٹ بند رہیں گے۔"

"اگر میں مورتی ڈھونڈ لوں؟"

"تو ہر بات بدل جائے گی، میری زبان پر پڑا تالا کھل جائے گا اور تم وہ سب کچھ جان لو گے جو جاننا چاہتے ہو۔۔۔ مگر جب تک مورتی نہیں مل جاتی تم وہ بھید معلوم نہیں کر سکتے جو میرے سینے میں دفن ہے۔"

"اور اگر مورتی نہ مل سکی؟"

"تو اس سمے جب موت کے بستر پر میرے جیون کی جوت بجھنے لگے گی، میں تمہیں اور سندر متی کو اپنے پاس بلاؤں گا اور وہ بھید ایک امانت کی طرح تم دونوں کے سپرد کر دوں گا۔"

"موت کے سمے اگر ہم دونوں میں سے کوئی بھی آپ کے پاس نہ ہوا۔"

"ایسا نہیں ہو گا کیونکہ تم دونوں ساؤ گاری میں رہنے کے پابند ہو۔"

"ہو سکتا ہے آپ ہی اس وقت یہاں موجود نہ ہوں کیونکہ آپ کے پتا منگل ساؤ پر رام گارتھ کے جنگلوں میں حملہ ہوا تھا، وہ موقعے پر ہی پران تیاگ سکتے تھے۔"

"مگر میں وہ بھول نہیں کروں گا جو پتا جی نے کی تھی۔"

سروپ جی مورتی کا راز زبان پر لانے کے لئے تیار نہ تھے اور میں ان کا سینہ چیر کر وہ راز دریافت نہیں کر سکتا تھا جو تین صدیوں سے ساؤ خاندان کی امانت چلا آ رہا تھا، وہ بہت مایوس اور تھکے تھکے نظر آتے تھے، میں نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"آپ یہ نہ سوچیں میں اور سندر متی آپ کو یہاں تنہا چھوڑ کر چلے جائیں گے ہم تو صرف آپ کا دکھ بانٹنا چاہتے ہیں۔"

وہ میری طرف دیکھ کر ڈوبی ہوئی آواز میں کہنے لگے۔

"میرا دکھ ترازو میں تولنے والا یا بانٹنے والا نہیں۔ آدمی اپنی بوئی ہوئی فصل تو کاٹ لیتا ہے مگر اپنے پرکھوں کے بوئے ہوئے دکھ نہیں کاٹ سکتا۔ میرا دکھ مجھے ورثے میں ملا ہے۔"

"اور یہ دکھ آپ کے خاندان کے لئے گوچی ساؤ چھوڑ گیا تھا؟"

گوچی ساؤ کا نام سن کر ان کا جسم کانپ سا گیا مگر فوراً ہی سنبھل گئے۔

''تھارو کیشپ! جو بات تم نہیں جانتے اس کا ذکر کرنے سے کیا فائدہ۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کے اپنا دکھ اپنی اولاد کو منتقل نہ کروں اور مرنے سے پہلے ہی اس دکھ سے نجات پالوں جبھی میں مورتی ڈھونڈنے کا جتن کر رہا ہوں تمہیں بھی اس لئے بلایا تھا اب تم میرے بیٹے بن چکے ہو اور جیسا تم نے کہا ہے کہ مورتی ڈھونڈ لو گے تو مجھے میرے دکھوں کا صلہ مل جائے گا۔''

''خود ہی اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں میں انہیں لانا چاہتا تھا۔ اب میں اپنے مطلب کی طرف آیا۔

''بے شک میں نے یہی وعدہ کیا ہے کہ مورتی ڈھونڈ نکالوں گا مگر میرا کام صرف کوشش کرنا ہے۔ کامیابی بھگوان کے ہاتھ میں ہے، پھر بھی پوچھنا چاہتا ہوں اگر مورتی کھوج نکالوں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟''

''میری ساری دولت، ساری جاگیر، ساری جائیداد تمہاری ہوگی۔''

''وہ تو اب بھی ہے، جب سندرمتی میری ہوگئی آپ کا سب کچھ میرا ہوگیا۔''

''اور کیا چاہتے ہو؟''

''مجھے دولت، جاگیر، جائیداد سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''پھر؟'' وہ مجسم سوال بن گئے۔

''جو کچھ کہوں گا وہ مانیں گے آپ؟''

''کیا منوانا چاہتے ہو؟''

''کچھ باتیں ..... کچھ شرطیں۔''

''سنے بغیر تمہاری ہر بات منظور ہے۔''

''قول دیتے ہیں آپ؟''

''ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئے اور میں پھر کاؤچ پر آ بیٹھا۔ سروپ جی نے واپسی میں دیر نہیں لگائی۔ ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جو آتے ہی میری طرف بڑھایا، اس پر انگریزی زبان میں یہ عبارت تحریر تھی۔

''میں سروپ ساؤ جو سورگباش منگل ساؤ کا بیٹا اور ساؤ خاندان کا وارث ہوں، اقرار کرتا اور لکھ دیتا ہوں کہ اگر تھارو کیشپ نے مقدس مورتی ڈھونڈ لی اور وہ مورتی بھگوان بدھ کی ہے جو ان کے خاص شش آنند بھکشو نے بنوائی تھی تو میں اس کی ہر بات مانوں گا، ہر شرط کا پابند ہو جاؤں گا اور اگر وہ مورتی تلاش نہ کر سکا تو ساؤ خاندان کی روایات کا پابند ہوگا اور ساؤ گاری میں جیئے گا اور ساؤ گاری میں مرے گا۔'' یہ تحریر میں نے اپنی مرضی سے لکھی ہے، اسے کسی بھی

پنچایت یا کسی بھی عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔''

نیچے سروپ جی کے دستخط اور تاریخ درج تھی مگر جس بات نے مجھے حیران کر دیا، وہ اس تحریر کے دو گواہ تھے جن کے انگوٹھوں کے نشان کاغذ پر لگائے تھے۔ ایک نشان کے نیچے پیکو کا نام تھا اور تحریر کا دوسرا گواہ اجل بدوش دادا ساگر ساؤ جی تھا، مگر بوڑھے نے انگوٹھے کا نشان لگانے کے ساتھ کاغذ پر شکستہ حروف میں اپنے دستخط بھی کئے تھے، میں اس قرار نامے کو پڑھ کر حیران ہو رہا تھا کہ سروپ جی کہنے لگے۔

''دادا بڑھاپے اور بیماری کے کارن ٹھیک سے دستخط نہیں کر سکے، اس لئے ان کے انگوٹھے کا نشان بھی لگوا دیا، اب یہ تحریر ہمارے درمیان ایک معاہدہ ہے۔''

''میں تحریک کی بجائے صرف آدمی کی زبان ہی کو بہت سمجھتا ہوں لیکن یہ تحریر اس لئے اپنے پاس رکھ لیتا ہوں کہ آپ نے اپنی خوشی سے عطا کی ہے۔''

''مگر میں مرنے سے پہلے اس کا صلہ چاہتا ہوں۔''

''میں عمر میں، تجربے میں، ودیا میں آپ سے چھوٹا ہوں پھر بھی یہ ضرور جانتا ہوں کہ ہر بات کا ایک انت اور ہر کام کا ایک انجام ہوتا ہے اور آپ کے دکھوں کا خاتمہ بھی قریب ہے۔''

انہوں نے میرا ماتھا چوم لیا۔ ''کیشپ بیٹے! تم میری آخری امید ہو۔''

یہ کہتے کہتے ان کی پلکوں پر آنسوؤں کے ستارے کانپنے لگے اور اپنی بھیگی آنکھیں پونچھتے چپ چاپ کمرے سے نکل گئے، میں نے ان سے وہ بات منوالی تھی جسے عام حالات میں وہ کبھی نہ مانتے، اور اس آپ بیتی کے پڑھنے والے سمجھ گئے ہوں گے کہ میں ان سے کونسی بات منوانا چاہتا تھا۔

ان کے جانے کے بعد کپڑے بدل کر بستر پر لیٹا تو اس خیال سے میرے بدن میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی کہ یہ تو سندرمتی کا کمرہ اور سندرمتی ہی کا بستر ہے اور اس کی خواہش تھی کہ میں اس کمرے میں منتقل ہو جاؤں مگر میں نے انکار کر دیا تھا اور انکار اس لئے کیا تھا کہ سروپ جی کے ساتھ رہ کر میں جل پنا سے نہیں مل سکتا تھا۔ اچانک یوں لگا کہ سندرمتی خیال کے دائروں سے نکل کر میرے بستر پر آلیٹی ہے میں نے کچھ الجھن سی محسوس کی کیونکہ ساؤ گاری میں واپس آ کر صرف جل پنا کے متعلق سوچ رہا تھا اس لئے صاف صاف کہہ دیا۔

''سندرمتی! آج رات مجھے کسی اور کے لئے تنہا چھوڑ دے۔''

اور اس کے خیال کو رخصت کر کے جل پنا کے تصور میں ڈوب گیا، وہ میرے اپنے قبیلے کی لڑکی، میرے اپنے جسم کا حصہ تھی جسے میں اس بندی گھر سے نکال لے جانے کا ارادہ لے کر آیا تھا، میں دیر تک جل پنا کے بارے میں سوچتا رہا، پھر اسی کے تصور سے لپٹ کر گہری نیند سو گیا۔

○

سویرے پیگو نے آکر جگایا اور یہ بتا کر لوٹ گیا کہ نہانے کے لئے پانی گرم کر دیا ہے، پوربی سمت کا ایک دریچہ کھول کر باہر جھانکا تو جہاں تک نظر کام کر سکتی تھی، رتناگری کی وادی کو کہرے کی دبیز چادر میں لپٹے دیکھا۔ نیلے آکاش پر سورج کتنا ہی بلند ہو چکا تھا۔ مگر اس کی ٹھٹھری کرنیں دھند کے جال میں پھنس کر اپنی تمازت اور روشنی کھو بیٹھی تھیں۔ دھرتی کی چھاتی سے اٹھنے والے بخارات بھاپ کے دھوئیں کی طرح چاروں طرف پھیل گئے تھے اور انہوں نے رتناگری کی وادی اور وادی کی ہر شے کو گھیر لیا تھا۔

جب سے ساؤ گاری میں آیا، میں نے پہلی بار ایسی صبح دیکھی تھی، کہر کے بادل سورج کی روشنی کو روکے کھڑے تھے اور ان بادلوں نے پربتوں، ترائی کے جنگلوں، گھاٹیوں، میدانوں، اونچے نیچے ٹیلوں کو اپنی اڑتی، بکھرتی، بل کھاتی سفید لہروں میں اس طرح ڈھانپ لیا تھا کہ ہر شے دھندلی دھندلی دکھائی دیتی تھی اور دور کی گھاٹیاں اور جنگل تو بالکل نظر نہ آتے تھے۔

تخلیق کائنات کے پہلے دور میں جب زمین کا گولہ ٹھنڈا ہو رہا تھا اور آدم کی جنت ارضی تیار کی جا رہی تھی، دھرتی سے اسی طرح کہر اٹھتی اور ہر وقت دھند چھائی رہتی تھی، رتناگری کی وادی اور اس کے پربتوں اور جنگلوں کو دھند کے بادلوں میں ملفوف دیکھ کر یوں لگا جیسے یہ دھرتی جو لاکھوں صدیوں اور قرنوں کو پیچھے چھوڑ آئی ہے، آج بھی تخلیق کے عمل سے گزر رہی ہو۔

رتناگری کی اس کہر آلود صبح نے مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دی، مجھے اپنے قبیلے کی وہ ہرنی یاد آئی، جس کے ساتھ میں نے شمالی جنگلوں کے سورگ میں کچھ گھڑیاں گزاری اور اس کے پریم کا اقرار کیا تھا اور من میں اس سے ملنے کی لگن چوکڑیاں بھرنے لگی۔

گھڑی دیکھی تو ساڑھے آٹھ بج رہے تھے، سوچا میری وجہ سے آج سروپ جی کو ناشتہ کرنے میں دیر ہو جائے گی کیونکہ وہ نو بجے سے پہلے ہی ناشتہ کرنے کے عادی تھے، میں جلد جلد نہا کر کھانے کے کمرے میں پہنچا تو وہ میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے معذرت کی اور ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ ناشتے کی میز پر رسمی سی باتیں ہوتی رہیں، ناشتہ ختم ہوا اور پیگو برتن سمیٹنے آیا تو سروپ جی بولے۔

''مجھے تھوڑی دیر کے لئے اناتھ بنڈو کی سمادھی پر جانا ہے، جلد لوٹ آؤں گا تم ابھی دادا سے مل لینا وہ تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھے اور کمرے سے نکل گئے، میں نے پتھر کی سیڑھیوں پر ان کے قدموں کی آخری چاپ سنی اور سوچنے لگا آج انہوں نے اناتھ بنڈو کی سمادھی پر جانے اور میرے سامنے اس کا اعلان کرنے کی ضرورت کیوں سمجھی؟ رات میں نے اناتھ بنڈو والی مورتی کا ذکر کیا تھا اور غالباً وہی مورتی ساؤ خاندان کی بدنصیبی بن گئی تھی مگر اس کہر آلود صبح میں اناتھ بنڈو کی سمادھی

پر جانے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟

ہو گا کوئی مقصد بھلا مجھے اس مقصد پر غور کرنے کی فرصت کہاں تھی، میں تو جل پنا سے ملنے کو بے چین ہو رہا تھا، یقیناً شاسترو نے اسے میرے لوٹ آنے کی خبر دے دی ہو گی اور وہ بھی ملنے کے لئے تڑپ رہی ہو گی، ہو سکتا ہے سویرے سویرے سے اس کمرے میں آ بیٹھی ہو جہاں خود ناچ ودیا سیکھنے اور مجھے پریم ودیا سکھانے آتی تھی، اس خیال سے من کی بے چینی کچھ اور بڑھ گئی اور میں نیچے جانے کے ارادے سے اٹھا مگر اسی لمحے سروپ جی کی بات یاد آئی کہ مجھے ابھی دادا سے ملنا چاہئے شاید بڈھا میرا انتظار کر رہا تھا، میں صبح ہی صبح موت سے ملاقات کرنے پر تیار نہ تھا جبکہ زندگی نیچے میری راہ دیکھ رہی تھی، اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ پیگو دروازے پر نمودار ہوا اور بولا۔

''میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔''

''کہاں؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''دادا کے پاس۔ مالک کہہ گئے تھے میں آپ کو وہاں لے جاؤں اور ان کے کانوں میں سننے والا آلہ لگا دوں۔''

یہ صورت حال بڑی عجیب تھی کہ ٹھیک اس سمے جب زندگی کی سمت قدم بڑھانے والا تھا موت میرا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''ارے پیگو! میں ذرا نیچے سے ہو آؤں دادا سے پھر مل لوں گا۔''

''مگر انہیں آپ کی راہ دیکھتے پورا ایک گھنٹہ ہو چکا ہے۔''

یہ انکشاف بڑا سنسنی خیز تھا اور دلچسپ بھی کہ بوڑھے کو یک لخت مجھ سے اتنی دلچسپی ہو گئی ہے، کیا اس کا کارن سندر متی ہے میرا لگن ہے یا کوئی اور وجہ؟ میرے تصور میں بڈھے ساگر ساؤ جی کا لکڑی کی مانند سخت اور ٹھنڈا جسم گھوم گیا۔ جس پر ساؤ گاری کے بھوت کا شبہ ہوتا تھا گویا وہ شمشانوں سے بھاگا ہوا کوئی عفریت تھا۔ اچانک خیال آیا کہ 140 سال کا یہ بڈھا ساؤ گاری کی تاریخ کے وسط میں کھڑا ہے۔ ڈیڑھ صدی ادھر، ڈیڑھ صدی ادھر اور بیچ میں ساگر ساؤ جی، اس نے ساؤ خاندان کے بانی گوچی ساؤ کو تو نہیں مگر اس کے کسی بیٹے یا پوتے کو شاید دیکھا ہو کیونکہ شاسترو نے بتایا تھا کہ گوچی ساؤ اور بڈھے کے درمیان صرف چار پشتوں کا فاصلہ ہے، اس خیال کے آتے ہی ساگر ساؤ جی سے میری دلچسپی بھی بڑھ گئی اور میں نے جل پنا سے پہلے اسی سے ملنے کا فیصلہ کیا۔

پیگو کے ہمراہ بوڑھے کے تابوت نما کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنی مردہ سی ٹانگیں کائی کے بستر پر پھیلائے اور گول تکئے کے سہارے بیٹھا سچ مچ میرا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے

ہی اس کی آنکھوں میں کوئی چیز کیچوے کی طرح رینگنے لگی۔ پیگو نے بتایا کہ ناشتہ سے پہلے سروپ جی اسے ساتھ لے کر اس کمرے میں آئے اور بوڑھے کو تکیے کے سہارے بٹھا گئے تھے کیونکہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ اس اثناء میں اس نے طاقچے سے آلہ سماعت اٹھا کر اسپیکر میرے ہاتھ میں دے دیا اور اس کے دونوں چھوٹے چھوٹے گول ریسیور بوڑھے کے کانوں میں ٹھونس دیئے. میں نے اسپیکر میں بات کی۔

''دادا.......تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے؟''

''ہاں .....'' بوڑھے نے سر کو اثبات میں جنبش دی اور ''فف فف سس سس'' کر کے کہنے لگا۔ ''سروپ نے مجھے بتایا ہے کہ تم سندر متی کو ساؤ گاری میں نہیں رہنے دو گے اور بھگوان کی مورتی ڈھونڈ کر اسے یہاں سے لے جاؤ گے اور یہ بھی کہ تم نے مورتی کے بارے میں بہت سی معلومات کر لی ہیں۔''

''سروپ جی نے ٹھیک بتایا ہے۔''

یہاں میں اپنے قارئین کو بتا تا چلوں کے بوڑھا قدیم آسامی زبان بول رہا تھا جس کے بہت سے الفاظ متروک ہو چکے ہیں اور میری سمجھ میں نہ آسکے، بعض الفاظ اس کی ''فف فف سس سس'' کی نذر ہو گئے مگر اندازے سے میں ان کا مفہوم سمجھ لیتا تھا، یہاں اپنے اور بڈھے کے درمیان ہونے والی جو بات چیت درج کر رہا ہوں اس میں بہت سے الفاظ میں نے اپنی طرف سے شامل کر لئے ہیں جن سے بڈھے کا مفہوم ادا ہوتا ہے۔

جب اس نے مورتی کی بات چلائی میں نے کہا۔

''دادا! گوچی ساؤ نے جو مورتی اناتھ بنڈو سے حاصل کی تھی وہ دریائے برہم پتر میں کھو دی، دوسری مورتی انگریز گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے 1848ء میں کہیں غائب کر دی اس سے تم 68 سال کے ہو گے۔ کیا دوسری مورتی کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

''چرچا سنا تھا کہ وہ آنند بھکشو نے بنوائی تھی اور وہی اصل مورتی ہے جس میں بھگوان بدھ کی راکھ ہے۔''

''تم نے وہ مورتی حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کی؟''

''میں برما کی راج دھانی آوا میں گیا تھا اور شاہ آوا کو مورتی حاصل کرنے پر اکسایا کیونکہ میں انگریزوں سے مورتی نہیں لے سکتا تھا۔''

''کمپنی سرکار نے مورتی شاہ آوا کو بھینٹ کر دی تھی۔''

''وہ نقلی تھی کئی روگیوں نے اسے چھو کر دیکھا پر کوئی اچھا نہ ہو سکا، جبھی شاہ آوا نے نقلی مورتی کلکتہ بھجوا دی۔''

''اصلی اور نقلی مورتی کی کوئی پہچان بھی ہے۔''

''ہاں ہے......نقلی مورتی کی آنکھوں میں نقلی پنے جڑے گئے ہیں جبکہ کوشی نگر کے کاریگر نے جو مورتی بنائی اس میں اصلی پنے جڑے تھے۔''

اصلی اور نقلی پنوں والی بات بڈھے سے معلوم ہوئی چکرورتی چاچا نے اپنے مسودے میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا، ساگر ساؤ جی اپنے ماضی کی قبر کھودتے ہوئے بتانے لگا۔

''سن 1847ء کو جب کلکتہ میں مورتی کی پہلی نمائش کی گئی، میں نے اس کے درشن کئے تھے۔''

اچانک مجھے ایک نئی سوجھی اور میں نے پوچھا۔

''دادا......تمہارا بیٹا منگل ساؤ نقلی مورتی کے پیچھے بھی بھاگتا رہا وہ نقلی مورتی کیوں حاصل کرنا چاہتا تھا؟''

یہ بات سن کر بڈھا ایک دم چونک گیا۔ ''کس نے کہا تم سے؟''

''کسی نے نہیں۔ یہ سب کچھ میں نے خود معلوم کیا ہے مگر تم چونکے کیوں؟''

''منگل ساؤ نے یہ بات صرف مجھے بتائی تھی۔''

''وہ نقلی مورتی کے پیچھے کیوں لگ گیا تھا؟''

''اس لئے کہ جہاں نقلی مورتی جائے گی وہاں اصل مورتی آئے گی سایہ اپنے وجود کے ساتھ رہتا ہے۔''

اب چونکنے کی باری میری تھی۔ ''کون کہتا ہے؟''

''جوتش ودیا۔''

''پھر یہ جوتش ودیا جھوٹی ہے دادا''

''کیوں جھوٹی ہے؟''

''اس لئے جھوٹی ہے کہ آٹھ برس پہلے سایہ تو ایک جگہ پہنچ گیا تھا مگر اس کا وجود نہیں پہنچا۔''

بڈھے نے آنکھیں بند کر لیں، روئی کی مانند سفید بھنوئیں سکڑ کے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئیں اور وہ استغراق یا کسی دھیان میں کھو گیا، کچھ دیر کھویا رہا پھر اسی حالت میں بڑبڑایا۔

''موت نے بندھن توڑ دیا۔''

میں اس کی بات سن کر دنگ رہ گیا، بدن میں سنسنی دوڑ گئی گویا اس نے چاچا کی موت کا اشارہ کیا تھا لیکن سنبھل کر فوراً ہی پوچھا۔

''یہ جوتش ودیا سچی ہے تو شاہ آوا نے نقلی مورتی انگریز کو کیوں واپس کر دی تھی؟''

بڈھے نے آنکھیں کھول دیں اور جواب دیا۔

''اس سے تک کسی جوتشی نے مورتی کا پچھتر اور شگن نکالا ہی نہیں تھا۔''

میں حیران تھا کہ بڈھے کی جوتش ودیا کو کیا سمجھوں جوتش ایک علم ہے حساب غلط پڑ جائے تو آدمی بھٹک جاتا ہے۔ یہ خیال بھی آیا، اگر یہ علم اتنا ہی پورا اور پکا ہے تو کسی جوتشی نے کیوں نہ بتا دیا کہ اصل مورتی کہاں ہے؟ پھر بھی میں نے بڈھے کی دل شکنی مناسب نہ سمجھی، یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ساؤ خاندان تین صدیوں سے مورتی کی تلاش میں سرگرداں ہے اور ساؤ گاری میں جینے مرے کا کارن بھی یہی ہے کیونکہ مورتی مل جانے کی صورت میں یہ پابندی ختم ہو جاتی تھی، مجھے تعجب ہو رہا تھا ساگر ساؤ جی عمر کی ایک سو چالیس سیڑھیاں اتر کر کال روپی ساگر (بحرِاجل) کے کنارے بیٹھا ہے مگر اس انت کال یا جان کنی کے دنوں میں بھی اسے مورتی کی فکر کھائے جا رہی ہے، میں نے اس کی تسلی کے لئے کہا۔

''دادا مجھے جوتش ودیا سے کوئی مطلب نہیں مگر میں نے بھگوان کی مورتی ڈھونڈنے کی پرتگیا کی ہے اور ڈھونڈ کر رہوں گا۔''

میرے الفاظ سن کر بوڑھے کی میلی، دھندلی اور سفیدی چڑھی آنکھوں کے پیچھے کہیں آتما کی جوت روشن ہو گئی۔ جھریوں بھرے چہرے کی ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیاں چمک اٹھیں ایک انجانی سی خوشی میں خشک ہونٹ کپکپائے اور میں نے اس کی آواز سنی۔

''میرے نزدیک آؤ بیٹے!''

اس کے ساتھ ہی بوڑھے نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور جب میں اس کے قریب کھسک گیا اس نے اپنے خشک اور سرد ہاتھوں سے میرا چہرہ تھام کر ٹھنڈے ہونٹوں سے ماتھا چوم لیا۔ یوں لگا جیسے سچ مچ موت نے مجھے پیار کیا ہو۔ ایک سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں سرسراتی چلی گئی۔ بڈھا کہہ رہا تھا۔

''تمہاری پرتگیا پوری ہوگی۔''

میں نے کہا۔ ''دادا...... ایک بات پوچھوں۔''

اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ ''ابھی نہیں، ابھی نہیں۔ پر سمے آئے گا کہ تم سب کچھ جان لو گے۔''

ملاقات ختم ہوگئی، بڈھے نے اپنی دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا اور نقلی مورتی کے متعلق میرے دل میں عجیب سی الجھن، عجیب سی خوش فہمی پیدا کر دی مگر یہ ساری باتیں میں اوپر ہی چھوڑ آیا اور جب پتھر کا زینہ اتر رہا تھا تو صرف جل پنا کا خیال میرے ساتھ تھا۔

○

گوپی ساؤ کے مجسمے کے قریب سے گزر کر اور وسطی دروازہ عبور کر کے میں اس راہداری میں آ گیا جس کی پوربی سمت میرا کمرہ تھا مگر دروازہ پر کنڈی دیکھ کر ماتھا ٹھنکا میں تو سمجھتا تھا جل

پنا میرے انتظار میں بیٹھی ہوگی مگر ادھر دروازہ ہی بند پڑا تھا سوچا، ہوسکتا ہے وہ انتظار کر کے چلی گئی ہو، میں نے کنڈی کھولی اور اندر داخل ہوا۔

یہاں ایک اور اچنبھا میرا منتظر تھا۔ فرش پر گرد کی ہلکی سی تہہ جم رہی تھی، جس کا مطلب یہ تھا، میرے جانے کے بعد کمرہ کھولا ہی نہیں گیا۔ شاسترو اس کی صفائی ستھرائی کیا کرتا تھا مگر وہ میرے جاتے ہی بیمار پڑ گیا اور بتا چکا تھا کہ کل بستر سے اٹھا ہے، پھر صفائی کون کرتا، کمرے کی حالت اور فرش پر گرد کی تہہ سے میری یہ خوش فہمی بھی ختم ہو گئی کہ جل پنا میرا انتظار کر کے لوٹ گئی ہوگی۔ اگر وہ آتی تو فرش پر اس کے قدموں کے نشان ضرور ہوتے۔ میری پریشانی بڑھ گئی تو کیا شاسترو نے اسے میرے آنے کی خبر ہی نہیں دی۔

اب مجھے اس بونے پر غصہ آ رہا تھا ممکن ہے اپنی بینا کے شوق میں وہ بھول گیا ہو، ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ کواڑ چرچرائے اور شاسترو داخل ہوا، دن کے اجالے میں اس کی صورت دیکھی تو حیران رہ گیا، رنگت زرد پڑ چکی اور بڑا کمزور ہو گیا تھا، سوچا اس پر غصہ اتارنے کی ضرورت نہیں، دھیرے سے پوچھا۔

''کہاں رہ گیا تھا شاسترو!''

''پربھو! بینا کو سچ مچ ٹھنڈ لگ گئی، اسے تھوڑا سا قہوہ پلا کر آیا ہوں۔''

تو میرا خیال غلط نہیں تھا، وہ اپنی بینا کے شوق میں میری بینا کو بھول گیا تھا۔ ''یہ بول جل پنا کیوں نہیں آئی؟''

شاسترو نے آنکھیں پٹپٹائیں پھر گردن جھکا لی اور آہستہ بولا۔

''وہ نہیں آئے گی پربھو!''

''کیسے نہیں آئے گی، تو نے میرے آنے کی خبر تو کر دی ہے نا اسے؟''

''نہیں......'' اس کے ہونٹ پھڑکنے لگے۔

مارے تعجب اور غصے کے مجھے پھریری آ گئی مگر میں نے خود پر قابو پا لیا۔ ''تو جانتا ہے میں جل پنا سے پریم کرتا ہوں اور اس سے ملنے کے لئے بے چین ہوں تو نے اسے بتایا کیوں نہیں کہ میں آ گیا ہوں۔''

''کس کو بتاتا پربھو!''

''جل پنا کو اور کسے؟''

''وہ یہاں ہوتی تو میرے بتانے کی ضرورت نہ تھی خود ہی بھاگی آتی۔''

شاسترو کے الفاظ یکے بعد دیگرے بندوق سے نکلی گولیوں کی طرح میرے سینے میں اترتے چلے گئے اور میں بری طرح تڑپ گیا جیسے سچ مچ کسی نے مجھ پر فائر کر دیا ہو۔

''یہاں نہیں تو کہاں چلی گئی وہ؟''

کمرے میں گونجتی ہوئی آواز سے اندازہ ہوا کہ میں گلا پھاڑ کہ چلایا تھا۔شاسترو نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''چلی نہیں گئی، بھیج دی گئی ہے۔''

''کہاں بھیج دی گئی؟''

''اگر پرسوں بستر سے اٹھ گیا ہوتا تو یہ بھی جان لیتا کیونکہ گنجال نے پرسوں ہی اسے شنکر کے ساتھ کہیں بھیج دیا ہے۔''

''گنجال۔''اس ایک لفظ نے میری نبضوں میں آگ بھر دی، جس چاہتا تھا ابھی جا کر اس کا گلا دبا دوں۔''گنجال کہاں ہوگا، اس سمے؟''

''تھوڑی دیر پہلے میں نے اسے مندر میں دیکھا تھا۔''

''تو اسی سے پوچھتا ہوں۔''

میں غصے میں پلٹا تو شاسترو نے پھدک کے راستہ روک لیا۔

''ذرا شانت ہو جاؤ پربھو! پروہت گنجال سے لڑو گے تو معاملہ بگڑ جائے گا۔''

''معاملہ تو بگڑ چکا، تو راستہ چھوڑ دے۔''

اسے ایک طرف ہٹا کر میں باہر نکلا اور ڈیوڑھی سے گزر کر پچھلی غلام گردش میں ہو لیا۔ وسوسے، اندیشے، خطرے سانپوں کی طرح سر اٹھائے میرے دماغ میں پھنکار رہے تھے، گنجال نے جل پنا کو ساؤ گاری سے غائب کر کے میری غیرت پر وار کیا تھا۔اب ہر حال میں اس سے نمٹنا ضروری ہو گیا تھا، میں راہداری میں تیز تیز چلا جا رہا تھا اور اپنے پیچھے شاسترو کے پھدک پھدک کر چلنے کی آہٹیں بھی سن رہا تھا جو اس خیال سے میرے پیچھے ہو لیا تھا کہ کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے کچھ آہٹیں میرے اپنے ذہن میں بھی ہو رہی تھی مگر مجھے ان پر توجہ دینے کا ہوش ہی کہاں تھا، میں بگولے کی طرح اڑتا مندر کے دروازے پر پہنچ گیا اور ایک جھٹکے سے اندر داخل ہوا۔

مندر میں صندل کی ہلکی ہلکی خوشبو پھیلی تھی اور بھگوان شاکیہ منی کے اس عظیم الہیت مجسمے کے چرنوں میں جس کا سر چھت کو چھو رہا تھا، دو دیئے روشن تھے اور پروہت گنجال بھگوان کے چرنوں میں دھیان لگائے بیٹھا تھا۔اس نے میرے تیز اور مشتعل قدموں کی آہٹ سنی مگر ٹس سے مس نہیں ہوا، میں اس کے قریب پہنچ کر رکا تو اس کے من میں ایک ہلچل سی اٹھی آنکھیں بند کئے بولا۔

''کون ہے؟''

''ٹھاروکیشپ...... کچھ پوچھنے آیا ہوں۔''

''دھنباد کیشپ جی!''وہ کھڑا ہو گیا۔''کیا پوچھنے آئے ہیں آپ؟''

اس نے اپنی سانپ کی سی آنکھوں سے مجھے گھورا، میں نے آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال دیں ایک دو پل اسی حالت میں کھڑا رہا پھر پوچھا۔

''جل پنا کہاں ہے؟''

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی تحقیر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔''آپ ساؤ گاری میں آتے ہی جل پنا کے لئے پریشان کیوں ہو گئے؟''

''وہ شاگرد ہے میری۔''

''اب وہ آپ کی شاگرد نہیں صرف بھگوان کی نرتکی ہے۔''

''پھر بھی میں جاننا چاہتا ہوں وہ کہاں ہے؟''

اچانک میرے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا اور محسوس ہوا کہ گنجال کی تیز نظریں میری نظروں کو پیچھے دھکیل رہی ہیں ساتھ ہی وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

''میں آپ کو جواب دینے کا پابند نہیں۔''

میں نے اپنی نظریں پھر جما دیں، ان میں اپنے اندر کی پوری شکتی بھر دی اور ایک زبردست قوت ارادی کے ساتھ اس کے سامنے جم گیا پھر میں نے گنجال کی نگاہوں کو لڑکھڑاتے دیکھا۔

''پروہت گنجال! میں انکار سننے کا عادی نہیں۔''

اس نے کسی قدر کمزوری کا اظہار کیا۔''وہ ناچ بھگتی کا چلہ کاٹنے گئی ہے۔''

مجھ پر ایک بجلی سی گری۔''کہاں گئی ہے؟''

وہ پھر سنبھل گیا۔''یہ بتانا ضروری نہیں۔ بھگوان نے اس کی رکھشا اور سکھشا میرے سپرد کی ہے، میں اسے کہیں بھی بھیج سکتا ہوں۔''

میں نے اسے تند و تیز نظروں سے گھورا اور کڑک کر بولا۔''یہ ناٹک بند کرو گنجال اور مجھے جل پنا کے بارے میں ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔''

''آپ کو اس لہجے میں بات شوبھا نہیں دیتی، کیشپ جی! آپ اس سمے بھگوان کے مندر میں بھگوان کے سامنے کھڑے ہیں۔''

''میں نے کوئی غلط بات نہیں کی صرف جل پنا کے بارے میں پوچھا ہے۔''

''اس سے آپ کا کوئی سمبندھ نہیں۔''

''اور تمہارا کیا سمبندھ ہے، تمہیں کیا ادھیکار ہے اس پر؟ اسے میرا سوال اور لہجہ دونوں ناگوار گزرے۔

''میں ایک بار پھر آپ کو اپنا لہجہ بدلنے کے لئے کہتا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ جل پنا پر مجھے

بھگوان نے ادھیکار دیا ہے۔''

''کیا ہر کنواری لڑکی پر بھگوان ہی تمہیں ادھیکار دیتے ہیں تم جل پنا سے پہلے روپ تارا کو اگرتلہ سے بھگا لائے تھے اور اس پر بھی اپنا ادھیکار جتاتے تھے۔''

گنجال کا چہرہ یک لخت زرد پڑ گیا، گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں آپ کو اپنا ابھیمان کرنے کی آگیا نہیں دے سکتا۔''

''تمہیں بھی جل پنا کے ساتھ وہ سلوک کرنے کی اجازت نہیں جو روپ تارا کے ساتھ کر چکے ہو۔ روپ تارا مر گئی مگر میں جل پنا کو مرنے نہیں دوں گا۔ یاد رکھو اگر اسے کچھ ہو گیا تو تمہاری سات نسلوں کو بھی معاف نہیں کروں گا۔''

یک لخت پروہت گنجال نے اپنی کینچلی اتار کر پھینک دی اور پلٹ کر بولا۔

''کیشپ بابو! جل پریم کا پیتے ہو، آگ نفرت کی اگلتے ہو میں نے تمہیں سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر تم جل پنا کے پریم میں اندھے ہو چکے اور بھگوان کی نرتکی کو موہ مایہ کے سنسار میں واپس لے جانا چاہتے ہو۔ اسی لئے اسے یہاں سے دور بھیج دیا گیا ہے، اب تم اس سے کبھی نہ مل سکو گے۔''

''اور میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں، اگر جل پنا کو تین دن کے اندر واپس نہ لائے تو جو کچھ ہوگا دیکھ لو گے۔''

''مورکھ!'' وہ نفرت آلود لہجے میں گرجا۔ ''ایک اناتھ لڑکی کو چھیننے کی دھمکیاں دیتا ہے، اسے بھول جا نہیں تو بھسم کر دیا جائے گا۔''

''تو بھسم کرے گا مجھے جو خود پاپ کی آگ میں جل رہا ہے۔''

میں نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا، اس نے ایک بار پھر اپنا منہ پھیر لیا اور میری طرف ہاتھ لہرا کر کہنے لگا۔

''چلا جا مورکھ! چلا جا یہاں سے.....!

اچانک میرے ذہن میں ایک بے تکا سا سوال ابھرا اور کسی انجانی طاقت یا نامعلوم جذبے نے مجبور کر دیا کہ میں اس سوال کو زبان پر لے آؤں۔ اگرچہ میں اس کا مطلب خود بھی نہیں جانتا تھا لیکن کوئی مجھے اکسا رہا تھا اور میں نے اس کے اشارے پر پوچھ ہی لیا۔

''پروہت گنجال! تو کایا پلٹھا سے آخری بار کب ملا تھا؟''

کایا پلٹھا کا نام اس پر بجلی بن کر گرا اور بدحواسی میں بولا۔

''تو مجھ سے کایا پلٹھا کے بارے میں کیوں پوچھتا ہے..... میں..... میں کسی کایا پلٹھا کو نہیں جانتا..... ؟''

''کایا پلٹھا کا اس لئے پوچھا ہے کہ کہیں تو نے جل پنا کو بھی اسی کے پاس تو نہیں بھیج دیا؟''

وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ ''مجھ سے نہیں، جا کر سروپ جی سے پوچھ کہ انہوں نے جل پنا کو کہاں..... اور کیوں بھیج دیا میں نے جو کچھ کیا ان کی آگیا سے کیا ہے۔''

پروہت گنجال کے آخری الفاظ سن کر میں سکتے میں آ گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جل پنا کو ساؤ گاری سے نکلوانے کا کارن سروپ جی ہوں گے، شاید وہ بھی جان گئے کہ میں اور جل پنا ایک دوسرے سے پریم کرتے ہیں مگر ممکن ہے گنجال مجھے دھوکا دے رہا ہو اور سروپ جی کو یہ بھی علم نہ ہو کہ جل پنا کے ساتھ کیا بیت گئی ہے۔

''پروہت گنجال! تو نے جھوٹ تو نہیں بولا۔ بھگوان کے مندر میں؟ میرے اس سوال کا جواب سامنے سے نہیں پیچھے سے آیا۔

''نہیں تھارو کیشپ! گنجال نے ٹھیک کہا ہے، جل پنا کو میری ہی مرضی سے بھیجا گیا ہے۔''

پلٹ کر دیکھا تو مندر کی نیم تاریکی میں سروپ جی اور شاستر وا ایک بھاری ستون کے ساتھ کھڑے تھے اور انہوں نے میری اور پروہت گنجال کی پوری گفتگو سن لی تھی، میں بیان نہیں کر سکتا کہ سروپ جی کو موقع پر دیکھ کر میری کیا حالت ہوئی۔ وہ مندر کے نیم تاریک سایوں سے نکل کر ہولے ہولے میری طرف بڑھنے لگے۔

میں پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت، گم صم کھڑا تھا اور سروپ جی مندر کے ہلکے مدہم اندھیرے سے نکل کر ہولے ہولے میری طرف بڑھ رہے تھے۔

جس طرح الف لیلہ کا کوئی جن اچانک بوتل سے نکل آیا کرتا تھا، اسی طرح وہ بھی خلاف توقع بالکل ناگہاں نمودار ہوئے تھے حالانکہ میں سمجھتا تھا وہ شمالی پربت کے جنگل میں اناتھ بندو کی سادھی پر دھیان لگائے بیٹھے ہوں گے، سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ اتنی جلدی اور اتنی خاموشی سے لوٹ آئیں گے۔ میرے اور پروہت گنجال کے درمیان جو تلخ بات چیت ہوئی وہ انہوں نے سن لی تھی، اس نے جس کرودھ کے ساتھ مجھے جل پنا کے پریم کا مجرم ٹھہرایا، میں نے جن الفاظ میں اپنی بے چینی کا اظہار کیا، اس سے انہوں نے ضرور کوئی نتیجہ بھی اخذ کر لیا ہوگا۔

میں نہیں چاہتا تھا ساؤ گاری میں کسی پر بھی اور خاص طور پر سروپ جی پر میرے اور جل پنا کے تعلق کا بھید کھلے مگر اس خبر نے میرے ہوش اڑا دیئے تھے کہ گنجال نے اسے ساؤ گاری سے باہر کسی نامعلوم جگہ بھیج دیا ہے جس پر میں اپنے جذبات قابو میں رکھ سکا نہ گنجال مجھے پریم کا مجرم ٹھہرانے سے باز رہا اور بات بڑھ گئی، میں سمجھ رہا تھا وہ مجھے جل پنا سے دور رکھنا چاہتا اور ہمارے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہو گیا ہے مگر سروپ جی کے یہ الفاظ تو میرے دل اور ذہن پر بجلی بن کر گرے کہ وہ ان کی مرضی سے کہیں بھیجی گئی یا ساؤ گاری سے نکالی گئی ہے۔

میرے اور جل پنا کے پریم کا راز ان پر بھی فاش ہوگیا اور مجھے گنجال کی بجائے دراصل سروپ جی کا سامنا کرنا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھے اور مجھ سے صرف دو تین قدموں کے فاصلے پر آ کے رک گئے، بظاہر بڑے پرسکون دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن اس سکون کی تہہ میں کچھ اور بھی تھا، بھگوان کے چرنوں میں جلنے والے دیوں کی روشنی ان کے سراپا پر تھرتھرائی اور میں نے اس کانپتی روشنی میں ان کے چہرے پر کچھ دیکھا، کچھ پڑھا اور ایسی عبارت تھی وہ جس کا ہر لفظ آگ میں جلا بجھا تھا، وہ پل دو پل چپ چاپ کھڑے مجھے گھورتے رہے پھر بولے۔

''تھارو کیشپ! تم نے سن لیا نا جل پنا کو میری آگیا سے بھیجا گیا ہے اب بولو تمہیں کیا کہنا ہے؟''

میں سوچنے لگا ان کے سوال کا جواب کسی دوسرے سمے پر اٹھا رکھوں یا جو کچھ مجھے کہنا ہے پروہت گنجال اور بونے شاستر دکی موجودگی میں کہہ دوں، یک لخت میرے اندر کے آدمی نے سرگوشی کی۔ ''نادان نہ بنو اور اپنے آپ کو سنبھالو۔''

اس کا مطلب یہ تھا، مجھے اپنے پریم کے اظہار یا اقرار میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ میں جل پنا سے پریم تو کرتا ہوں مگر اس کا اعتراف کسی مناسب وقت کیلئے چھوڑ دینا بہتر ہوگا۔ میں نے یہ اندرونی مشورہ قبول کر لیا اور سروپ جی سے مخاطب ہوا۔

''جب وہ آپ کی آگیا سے بھیجی گئی ہے تو کہنے کے لئے کیا باقی رہ جاتا ہے اب صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ آئی بھی آپ کی مرضی سے تھی؟''

وہ کچھ پریشان سے ہو گئے پھر فوراً سنبھلے اور بولے ''یہی سمجھ لو۔''

''میں تو وہی سمجھوں گا جو آپ کہیں گے۔''

''اور میں کہتا ہوں کہ وہ اپنی خوشی سے یہاں آ گئی تھی۔''

''کیا یہاں سے جاتے ہوئے بھی خوش تھی؟''

وہ میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے ہچکچا رہے تھے، کہنے لگے۔ ''ہم اس سے جل پنا کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔''

''پھر کونسی بات کرنا چاہتے ہیں؟''

''تھوڑی دیر پہلے تم نے روپ تارا کا ذکر کیا اور دوش لگایا تھا کہ وہ اغوا کر کے لائی گئی تھی، کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے اس کا؟''

اس سوال نے مجھے چونکا دیا، نہ جانے ان کا مقصد کیا تھا میں نے سوچ کر جواب دیا۔ ''ہاں ہے ثبوت میرے پاس''

''وہی میں سننا چاہتا ہوں۔''

یہ ذکر میری مرضی کے عین مطابق تھا، روپ تارا مر چکی لیکن وشال رائے ابھی زندہ اور اغوا کا جیتا جاگتا ثبوت تھا، میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ نہیں جانتے وہ یہاں زبردستی لائی گئی تھی؟''

''اگر جانتا تو پوچھتا کیوں۔''

''تو پھر سنیے۔ پروہت گنجال نے روپ تارا کو آپ کے پتا منگل ساؤ کے ذریعے اگرتلہ سے اغوا کیا تھا، اسے بودھ مندر میں بھگوان کی نرتکی بننے اور سدا کنواری رہنے کی پیشکش کی گئی اس نے انکار کر دیا، آپ کے پتا نے اس کے بھائی وشال رائے کو پانچ ہزار روپے دان دینے کا لالچ بھی دیا مگر وہ پھر بھی نہیں مانا۔ اسی رات روپ تارا کو آشرم سے غائب کر دیا گیا۔ وشال رائے رپٹ لکھوانے ریاستی پولیس کے پاس پہنچا اور نراش لوٹا، شاید انسپکٹر کا منہ پہلے ہی بند کر دیا گیا تھا۔ وہ بے چارہ پاگل ہو گیا اور دیوانہ وار اپنی بہن کو ڈھونڈتا رہا، اسے منگل ساؤ اور پروہت گنجال کی تلاش تھی لیکن ساؤ گاری کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔''

میں نے گنجال کی طرف دیکھا وہ مجھ سے آنکھیں چرا رہا تھا، سروپ جی نے پوچھا۔ ''پھر کیا ہوا۔''

''وہ دنیا سے منہ چھپا کر بیٹھ گیا اور ایک دن تقدیر کا لکھا سامنے آیا، آپ کو یاد ہوگا۔ اس واقعے کے دو سال بعد آپ کے پتا ایک بھکشو کے ساتھ چٹا گانگ کی بودھ کانفرنس میں شریک ہوئے تھے اور رام گارتھ کی طرف جاتے ہوئے ان پر گھنے جنگل میں حملہ ہوا تھا۔''

''ہاں...... وہ اسی حملے کے کارن سورگباش ہو گئے۔''

''آپ کو معلوم ہے ان پر حملہ کس نے کیا تھا؟''

''نہیں...... واپسی پر ان کا گھاؤ اتنا بگڑ گیا تھا کہ انہیں کچھ ہوش نہ رہا اور حملے کے بارے میں کچھ بھی نہ بتا سکے، جب میں بائی پارہ پہنچا مجھ سے بھی تنہائی میں صرف مطلب کی باتیں کیں۔''

''تو میں بتاتا ہوں، وہ حملہ وشال رائے نے کیا تھا جس نے چٹا گانگ سے ان کا پیچھا کیا اور رام گارتھ کے جنگلوں میں گھیر لیا اس کے وار سے بھکشو تو وہیں چت ہوئے مگر منگل ساؤ گھائل ہو کر بھاگ نکلے اور سیدھے بائی پارہ پہنچے۔ ان پر جس ''داؤ'' سے حملہ کیا گیا وہ زہر میں بجھا ہوا تھا جبھی اتنی جلدی چل بسے۔''

یہ کہانی سن کر سروپ جی تو حیران رہ گئے البتہ پروہت گنجال بے حد پریشان نظر آنے لگا جیسے اس نے کوئی بھیانک خطرہ محسوس کر لیا ہو، تڑپ کر بولا۔

''تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟''

''میں وشال رائے سے مل چکا ہوں۔''

"کیا سمبندھ ہے تمہارا وشال رائے سے؟"

"وہی جو کایا پلٹھا سے ہے۔"

مگر میں اب یقین کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ گنجال نہ صرف کایا پلٹھا سے واقف بلکہ شاید اس کی اچانک موت کے راز سے بھی آگاہ تھا کیونکہ یہ نام سنتے ہی اس کا پورا شریر ہل گیا اور یہ رد عمل ظاہر کرتا تھا وہ جان بوجھ کر کوئی بات چھپا رہا ہے، چند لمحے عجیب سی خاموشی طاری رہی، پھر گنجال میں ذرا جرأت پیدا ہوئی اور بولا۔

میں نے وشال رائے کے بارے میں پوچھا ہے، تم اس سے کب ملے تھے؟ وہ خود کہاں ہے؟"

میں بتانے ہی والا تھا وہ رنگامتی کے شمال مشرق کی پہاڑی پر اپنی بستی میں رہتا ہے کہ ناگاہ خیال گزرا، اگر وشال رائے کا پتہ بتا دیا تو وہ شاید اس کا جیون خطرے میں پڑ جائے گا، گنجال کے خفیہ ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ جائیں گے اور ایک جیتا جاگتا گواہ ختم کر دیا جائے گا میں نے جواب دیا۔

"پروہت گنجال! منگل ساؤ سے زیادہ اسے تمہاری فکر تھی اور اگر موت نے اسے تھوڑی سی مہلت دے دی ہوتی تو وہ تمہیں بھی ڈھونڈ لیتا۔"

"کیا وشال رائے مر گیا؟" گنجال کی ساری پریشانی جیسے ختم ہوگئی۔

"وہ تو اسی دن مر گیا تھا جب تم روپ تارا کو اگرتلہ سے لے بھاگے تھے پھر بھی وہ مر مر کے جیتا اور تمہیں ڈھونڈتا رہا مگر اس کی موت تمہارا جیون بن گئی ہے۔"

میں یہ جھوٹ صرف وشال رائے کی زندگی بچانے کے لئے بول رہا تھا جسے گنجال نے سچ سمجھ لیا اور اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی، اس نے اپنی سانپ کی سی آنکھوں سے مجھے گھور کر دیکھا اور بولا۔

"مجھے یہ سن کر دکھ ہوا کہ وشال رائے مر چکا ہے ورنہ وہی یہ گواہی دے سکتا تھا کہ روپ تارا اپنے پیروں سے چل کر ہمارے ساتھ آئی تھی کسی نے اسے مجبور نہیں کیا تھا۔"

"اگر وہ یہی سمجھتا جو تم کہہ رہے ہو تو منگل ساؤ کو قتل کیوں کرتا؟"

"وہ قتل نہیں ہوئے ایک حادثے کا شکار ہوگئے تھے، رام گارتھ کے جنگل سے گزرتے سمے ان پر کسی خونی باگھ نے حملہ کر دیا تھا، خود میں نے اور سروپ جی نے ان کے شریر پر پنجوں کے نشان دیکھے تھے۔"

"یہ درست ہے کیشپ!" سروپ جی نے فوراً تائید کی۔ "پتا جی کے شریر پر پنجوں کے نشان دیکھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ کسی باگھ نے انہیں گھائل کر دیا ہے۔"

"مگر وہ باگھ نہیں ایک کالا چیتا تھا جو اس درخت سے کودا جس کے نیچے وشال رائے نے آپ کے پتا اور بھکشو کو گھیر لیا تھا۔ چیتے کا ایک پنجہ وشال رائے کے کندھے پر بھی پڑا جس سے اس کا ہاتھ بہک گیا اور خود بھکشو کی لاش پر گرا۔ اگر چیتا نہ کودا ہوتا تو وشال رائے کا دوسرا وار بھی اپنا کام کر جاتا اور آپ کے پتا جی کو بھاگنے کی مہلت نہ ملتی۔"

سروپ جی یہ تفصیل سن کر دنگ رہ گئے مگر گنجال نے حجت نکالی۔

"اچھی کہانی گھڑی ہے تم نے مگر یہ جھوٹی کہانی سنا کر سروپ جی کو پریشان کیوں کر رہے ہو؟"

"نہ میں کسی کو پریشان کرنا چاہتا ہوں نہ یہ کہانی جھوٹی ہے۔"

"وشال رائے مر چکا ہے، تم پر وشواش کون کرے گا۔"

"حملے کے سمے وہ اکیلا نہ تھا اس کے دو ساتھی اور بھی تھے، وہ دونوں زندہ ہیں اور اس واقعے کی گواہی دے سکتے ہیں۔"

"آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"کہنا یہ چاہتا ہوں کہ روپ تارا کا اغوا تم نے کیا اور اس کی سزا منگل ساؤ کو بھگتنا پڑی۔"

گنجال کا چہرہ یک لخت کسی جہنمی عفریت کی طرح خوفناک ہوگیا اور سروپ جی سے کہنے لگا "سن رہے ہیں آپ۔ یہ مورکھ مجھ پر کیا دوش لگا رہا ہے۔"

سروپ جی نہ جانے کن وچاروں میں کھو گئے تھے انہوں نے گنجال کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور چپ چاپ سر جھکائے کچھ سوچتے رہے، البتہ میں نے جواب ضرور دیا اور یہ تھا میرا جواب۔

"پروہت گنجال! جس کہانی کو تم جھوٹی کہتے ہو وہ ایک دکھی پریوار کا مرثیہ ہے، روپ تارا نے تم سے رحم کی التجا کی تھی۔ دَیا کی بھیک مانگی مگر تم نے اس کی ایک نہ مانی۔ اب میں بتاتا ہوں کہ ایک دن تم کسی سے اپنے جیون کی بھیک مانگو گے اور وہ بھیک تمہیں نہیں ملے گی بلکہ تمہاری جھولی میں موت ڈال دی جائے گی۔" گنجال یوں چونکا جیسے اپنے آپ سے ڈر گیا ہو مگر وہ بھڑکا نہیں، کچھ بولا نہیں اس کی جگہ سروپ جی بولے۔

تھارو کیشپ! ساؤ گاری میں بعض اسرار ایسے ہیں جو نسل در نسل چلے آتے ہیں اور انہیں افشا کرنے کا حکم نہیں۔ ان میں ناچ پوجا کے لئے نرتکی کا چناؤ بھی ایک روحانی بھید ہے۔ میں تمہاری غلط فہمی دور کرنے کی خاطر صرف اتنا بتا دیتا ہوں کہ ہر ناچنے والی لڑکی "بھگوان کی نرتکی" نہیں بن سکتی۔ اس کی ایک خاص علامت یا نشانی ہوتی ہے، اسی علامت کی وجہ سے وہ بھگوان کی چہیتی سمجھی جاتی ہے اور اس کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ عمر بھر کنواری رہے۔ اپنی نرتکی کا چناؤ بھگوان خود کرتا ہے۔ وہ اس کے من میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ وہ ناچ پوجا کے لئے موہ مایا کے سنسار کو تیاگ دے اور دنیا سے ناتا توڑ لے۔ اس طرح نرتکی اپنی مرضی سے ساؤ گاری

میں آ جاتی ہے۔ اس کے لئے تم کسی کو مجرم نہیں ٹھہرا سکتے کیونکہ یہ اغوا نہیں ایک غیبی بلاوا ہے، اگر پتا جی اور پروہت گنجال روپ تارا کو یہاں لے آئے تو اس میں ان کا کوئی دوش نہیں تھا کیونکہ روپ تارا وہ خاص علامت رکھتی تھی جو ''بھگوان کی نرتکی'' بننے کا نشان ہے، ہو سکتا ہے اس نے اپنے بھائی کے سامنے یہاں آنے سے انکار بھی کیا ہو مگر جب بھگوان نے خود اس کے دل میں یہ بات القا کر دی کہ نرتکی بننا اس کے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے تو اس نے خود ہی وشال رائے کو چھوڑ دیا۔ وشال رائے گیان اور عرفان کے یہ بھید نہیں جانتا تھا، اس لئے وہ سمجھا ہوگا کہ روپ تارا کو اغوا کر لیا گیا جبھی اس نے پتا جی کو انتقام کا نشانہ بنایا اور ان پر زہریلے داؤ سے حملہ کیا جیسا تم کہتے ہو، میں تمہاری کہانی کو جھوٹی نہیں سمجھتا، ضرور اسی طرح ہوگا، جیسے تم نے بیان کیا ہے۔ روپ تارا کی جدائی سے اس کے پریوار کو جو دکھ پہنچا اس کا بدلہ صرف بھگوان ہی دے گا یہ تو ''الکھ پرش کی مایا۔ کہیں دھوپ کہیں سایہ۔'' والی بات ہے، اپنے کھیل وہی جانتا ہے پھر بھی وشال رائے کی موت کے بعد اس کے بال بچوں کی سہائتا کے لئے تم جتنی رقم مانگو میں دے سکتا ہوں۔''

سروپ جی کا یہ بھاشن سن کر دم بخود رہ گیا۔ ساؤ گاری کی ہر بات انوکھی اور نیاری تھی، میرے لئے یہ بالکل اچنبھا تھا کہ ایک خاص علامت والی لڑکی ہی بھگوان کی نرتکی بنتی اور بھگوان اسے خود گیان دیتا یا الہام کرتا ہے وہ اس کی نرتکی بنے اور جب یہ بات اس کے من میں ڈال دی جاتی ہے تو انکار نہیں کرتی حالانکہ روپ تارا کی کہانی سن کر میں یہ سمجھ رہا تھا کہ منگل ساؤ اور پروہت گنجال نے اس کے بازو پر چاند گرہن کا نشان دیکھا تو نرتکی بننے پر زور دیا اور اس بات میں اب کوئی شک وشبہ نہ رہ گیا تھا کہ کسی لڑکی کے جسم پر چاند گرہن کا نشان ہی وہ خاص علامت تھی جس کا سروپ جی نے ذکر کیا تھا۔ میرا دماغ سنسنا کر رہ گیا وہ مجھے چپ دیکھ کر بولے۔ ''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا تھارو کیشپ۔''

''وشال رائے کا پریوار آپ کی سہائتا قبول نہیں کرے گا۔''

وہ منہ سے کچھ نہیں بولے صرف ہاتھ مل کے رہ گئے اور میں نے اپنی حیرت کا اظہار کر دیا۔

''مگر ایک بات نے مجھے ضرور پریشان کر دیا ہے۔''

''کس بات نے پریشان کر دیا ہے تمہیں؟''

''بھلا بھگوان کو کسی نرتکی سے کیا لینا دینا۔ کہیں آپ کا یہ مطلب تو نہیں ہندو شاستروں کے دیوتا اندر کی طرح گوتم سدھارتھ بھی جو بدھ بن گئے، لڑکیوں کا ناچ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں؟''

''تم نے ٹھیک سمجھا ہے۔''

''مگر بدھ تو دیوتاؤں اور ان کے کرتبو کو نہیں مانتے تھے۔''

سروپ جی نے حیران نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تم بودھ دھرم کے اتنے بڑے گیانی ہو کر بھی یہ نہیں جانتے کہ بدھ برہما اور اندر اور کچھ دیوتاؤں کے وجود پر وشواس رکھتے اور سمجھتے تھے کہ وہ بھی آدمی کی مانند دکھ سکھ سے گزرتے ہیں۔ بودھ دھرم کے پرانے شاستر ''للت بستار'' میں تو یہی لکھا ہے اور جب بدھ اندر دیوتا کو مانتے تھے تو کیا اندر کی طرح انہیں ناچ بھاؤ سے لگاؤ نہیں ہوگا؟''

میں نے ان کی بات بڑے دھیان سے سنی اور بتایا۔

''بدھ برہما اور اندر کو اس روپ میں نہیں مانتے تھے جس روپ میں ہندو مانتے ہیں۔''

''تھارو کیشپ! میں بحث نہیں چاہتا مگر یہ اعتقاد ضرور رکھتا ہوں کہ تتھا گت رشیوں اور صوفیوں کی طرح ادویت بادی (ہمہ اوست کے ماننے والے) تھے۔ ان کے نزدیک سب کچھ پرماتما ہے جو مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوتا ہے، یعنی ہر شے میں پرماتما کا روپ ہے اور اندر بھی اسی کا ایک روپ ہے۔ جو ہندو شاستروں کے بقول آکاش کے نادیدہ گوشوں میں چھپ کر سندر ناریوں اور کنواریوں کو ناچتے دیکھ کر آنند لیتا ہے مگر ہمارے بھگوان کی نرتکی کے لئے کنوار پن کی شرط ضروری ہے کیونکہ کنواری لڑکی کے ہردے میں کوئی دوسرا نہیں ہوتا اور تتھا گت کو یہی روپ پسند ہے، بس میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔''

انہوں نے عجیب وغریب فلسفہ پیش کیا تھا جسے ابھی تک میرا ذہن قبول نہیں کر پایا تھا یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ بدھ ہندو رشیوں اور مسلمان صوفیا کی طرح ہر شے میں پرماتما کا روپ مانتے اور ''ہمہ اوست'' کے قائل تھے، وہ خود بھی بھگوان کا ایک روپ تھے جبھی ہم بودھ لوگ انہیں بھگوان کے نام سے یاد کرتے ہیں مگر وہ اندر دیوتا کی طرح سندر ناریوں بلکہ صرف کنواریوں ہی کو اپنی نرتکی کے روپ میں دیکھنا کیوں پسند کرتے ہیں، یہ میری سمجھ سے بالا تھا پھر کنواریاں بھی وہ جن کے شریر پر چاند گرہن کا نشان ہو۔۔۔ ایک عجیب اور ناقابل فہم معمایا راز تھا اور یہ راز ساؤ گاری کی پراسرار عمارت سے باہر نہ نکلا تھا کیونکہ سروپ جی کے بقول ان رازوں میں سے ایک تھا جو ساؤ خاندان میں نسل در نسل چلے آرہے تھے۔

شاید اس طرح وہ مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ میں جل پنا کے معاملے سے الگ تھلگ رہوں اور پروہت گنجال کے اس کھیل میں دخل نہ دوں جو ناچ پوجا کے نام سے کھیلا جا رہا ہے۔ انہوں نے واضح کر دیا تھا یہ ناٹک یا ناچ بھگتی کا کھیل یا جو کچھ بھی اسے کہا جائے، ایک ایسا راز سربستہ ہے، جسے افشا نہیں کیا جا سکتا۔ میری تسلی کے لئے سروپ جی نے اس بھید کا صرف ایک گوشہ بے نقاب کیا اور اتنا ہی بتایا تھا کہ ''بھگوان کی نرتکی'' کا اعزاز صرف اس کنواری کو ملتا ہے جس کے شریر پر ایک خاص علامت ہوتی ہے اور میں سمجھ گیا تھا کہ خاص

علامت چاند گرہن کا نشان ہے، وہ اس بات پر بھی اصرار کر رہے تھے کہ ''بھگوان کی نرتکی'' کا سدا کنواری رہنا ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کے سارے بھاشن کا مطلب یہ تھا، میں جل پنا کو بھول جاؤں، اس کے جیون سے نکل جاؤں۔ مگر کیا یہ ممکن تھا؟

''میں اس بات کو نہیں مانتا کہ بھگوان کو کسی نرتکی کی ضرورت ہے اور وہ اندر دیوتا کی طرح ناچ دیکھ کر انند لیتے ہیں کیونکہ ''انند'' کا شبد ہی تتھا گت نے اپنے جیون سے خارج کر دیا تھا۔''

سروپ جی اور پروہت گنجال نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''دھیرج تھارو کیشپ ! ذرا دھیرج ..... '' سروپ جی مجھے سمجھانے لگے۔ ''چلو بھگوان کو نہ سہی مگر ساؤ گاری کو ''بھگوان کی نرتکی'' چاہیے اور کیوں چاہیے؟ یہ بھید تمہیں نہیں بتایا جا سکتا۔''

''روپ تارا کے ساتھ ایک انیائے ہوا جسے آپ نے بھگوان کی مرضی یا قسمت کا لکھا قرار دیا لیکن میں جل پنا کے ساتھ یہ انیائے نہیں ہونے دوں گا۔''

سروپ جی میری بات سن کر متحیر رہ گئے مگر گنجال کڑک کر بولا۔

''کون ہوتے ہو تم جل پنا کے؟''

''جب تم سے بات کروں گا تمہیں جواب بھی دوں گا، اس سمے سروپ جی سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''کیا پوچھنا ہے تمہیں؟'' سروپ جی مجھ سے مخاطب ہوئے۔

''جل پنا کو ساؤ گاری سے کیوں نکال دیا گیا؟''

''کارن جاننا چاہتے ہو؟''

''ہاں ۔۔۔''

''تو میرے ساتھ آؤ۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹے اور چپ چاپ مندر کے دروازے کی طرف چلنے لگے میں حیران تھا کہ انہوں نے پروہت گنجال اور شاسترو کے سامنے وہ بات کیوں نہ کہہ دی جو مجھے علیحدگی میں بتانا چاہتے تھے اور اسی حیرت میں ان کے پیچھے ہو لیا۔ پروہت اور شاسترو میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

○

دھند کبھی کی چھٹ چکی تھی اور رتنا گری کے آکاش پر سورج کا سنہرا رتھ کتنا ہی سفر طے کر چکا تھا۔

میں سروپ جی کے پیچھے پیچھے ان کے کمرہ ملاقات میں داخل ہوا، جب ہم بیٹھ گئے وہ کہنے لگے۔

''تھارو کیشپ ! میرے دادا، پیگو اور اس کی پتنی کے سوا ساؤ گاری میں یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ سندر متی سے تمہارا بیاہ ہو چکا ہے، جبھی میں نے پروہت گنجال اور شاسترو کے سامنے تمہارے سوال کا جواب نہیں دیا اور تمہیں یہاں لے آیا ہوں، کیا اب بھی تم پوچھنا چاہو گے کہ جل پنا کو ساؤ گاری سے کیوں نکال دیا گیا؟''

ان کے اس لہجے سے میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنے والے ہیں۔ انہوں نے سندر متی کے بیاہ کا حوالہ دے کر بہت کچھ کہہ دیا تھا اور اب ضروری نہ تھا کہ میں اپنا سوال دہراؤں، میری آپ بیتی پڑھنے والے بھی جان گئے ہوں گے۔ سروپ جی کا مقصد کیا تھا، اس خیال ہی سے میرا دل دھک دھک کرنے لگا کہ وہ میری اور جل پنا کی پریم کی کہانی سن چکے ہیں اور اسی کارن اس غریب لڑکی کو ساؤ گاری سے نکال دیا گیا ہے۔ یہ بڑا ہی تکلیف دہ معاملہ تھا، میں نے سوچا شاید سمے آ گیا ہے جب مجھے بھی سروپ جی سے وہ بات کہہ دینی چاہیے جو دوسروں کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس لئے جواب دیا۔

''میں نے مندر میں جو کچھ پوچھا تھا یہاں بھی وہی پوچھنا چاہتا ہوں۔''

وہ میری جرأت پر متعجب سے ہوئے پھر کہنے لگے۔

''اگر تم اپنے سوال کا جواب سننا ہی چاہتے ہو تو سنو۔ تمہارے رنگا متی جانے کے بعد ایک دن پروہت گنجال میرے پاس آیا اور یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ تم بھگوان کی نرتکی جل پنا سے پریم کرتے ہو۔ میں نے اس بات پر وشواس نہیں کیا کیونکہ میرے سامنے تم سندر متی کے پریم کا اقرار کر چکے تھے۔ پھر سندر متی سے تمہارا الگن بھی ہو گیا اور اپنی ماں سے آگیا لینے کے لئے تم رنگا متی چلے گئے تھے۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے، گنجال کو غلط فہمی ہوئی ہو میں نے جل پنا سے ملنا ضروری سمجھا اور اس سے پوچھا تو وہ انکار نہ کر سکی۔ اس نے بتایا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے پریم کرتے اور اناتھ بنڈو کی سمادھی پر عہد و پیمان بھی کر چکے ہو، اس دیوانی لڑکی نے التجا کی کہ میں اسے تم سے بیاہ کرنے کی آگیا دے دوں، میں پریم کی یہ کہانی سن کر کانپ اٹھا کیونکہ ''بھگوان کی نرتکی'' کسی سے پریم نہیں کر سکتی تم نے سندر متی کو اپنی پتنی مان لیا تھا۔ تھوڑے دن کے بعد مجھے سندر متی کی چٹھی ملی جس میں اس نے لکھا تھا کہ تمہاری ماں نے اسے اپنی بہو سویکار کر لیا ہے اور تم سات تاریخ کو باٹی پارہ پہنچ رہے ہو۔ اس کے بعد ضروری ہو گیا تھا کہ جل پنا کے ساتھ صاف بات کی جائے، میں نے اسے سمجھایا کہ بھگوان کی نرتکی ہونے کے ناتے اس کا کسی اور سے پریم کرنا پاپ ہے مگر وہ یہی کہتی رہی۔ ''میں کیشپ بابو کو اپنا بھگوان مانتی اور انہی سے پریم کرتی ہوں۔''

اس کی ہٹ کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ جل پنا ساؤ گاری سے ہٹا دی جائے اور پروہت

گنجال کو آگیا دے دی وہ اسے مانڈے کے ناچ آشرم میں گوردآبنی کے پاس واپس بھیج دے جہاں سے وہ آئی تھی مگر گنجال نے بتایا۔ ''جل پنا کو مانڈے نہیں بھیجا جا سکتا۔ وہ بھگوان کی نشان زدہ نرتکی ہے اور اس کے دل میں سنسار کے موہ مایا کی جو ترنگ اٹھی ہے اسے دور کرنے کے لئے اب وہ ناچ بھگتی کا چلہ کاٹے گی۔''

''تو اسے یہ چلہ کاٹنے کے لئے کہیں بھیج دو۔''

میں پروہت گنجال کو بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ سندرمتی سے تمہارا بیاہ ہو چکا ہے اور اب جل پنا کا تمہارے جیون سے نکل جانا ضروری ہے، گنجال نے میری آگیا کا پالن کرتے ہوئے اسے رخصت کر دیا تو یہ ہے کارن جل پنا کو ساؤ گاری سے نکالنے کا۔

تھاروکیشپ! میرے بیٹے! میں نے تم سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ اس لڑکی کا باپ ہوں جس کی قسمت کے تم مالک بن چکے ہو جو تمہاری پتنی ہے، اس ناتے سے مجھے ادھیکار تھا کہ میں یہ سب کچھ کرتا۔ میں اب چاہتا ہوں اگر تم نے کبھی جل پنا سے پریم کیا بھی تھا تو اسے بھول جاؤ، تم نہیں جانتے بھگوان کی نرتکی سے پریم کرنا اور اسے موہ مایا کی دنیا میں واپس لے جانا کتنا بڑا پاپ ہے، تمہارے سامنے ایک راستہ اور ایک منزل ہے، تم نے اس منزل پر پہنچنے کی پرتگیا کی ہے اور سندرمتی کو بھی ساؤ گاری سے نکال لے جانا چاہتے ہو۔ اس لئے تمام شیطانی وسوسوں کو ترک کر کے اپنی منزل کی طرف گامزن ہو جاؤ جو وچن مجھے اور سندرمتی کو دے چکے ہو اسے پورا کرو۔''

میں سوچ رہا تھا۔ شاید پروہت گنجال نے انہیں مشورہ دیا ہوگا کہ جل پنا کو ساؤ گاری سے باہر بھیج دیا جائے لیکن یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی اور سروپ جی نے اسے میرے جیون سے اس لئے نکال دیا تھا کہ ان کی بیٹی کا مجھ سے بیاہ ہو گیا تھا۔ یہ باپ کی کمزوری تھی، یا فی الواقع بھگوان کی نرتکی کا کسی آدمی سے پریم کرنا ساؤ گاری کے ''مکتی گھر'' کو تباہ کر سکتا اور نرتکی کے ساتھ اس کا پریمی بھی جل کر بھسم ہو سکتا تھا جیسا پروہت گنجال نے کہا تھا؟

میں نے پہلے خیال کو ترجیح دی۔ یقیناً سروپ جی یہی چاہتے تھے سندرمتی کے ساتھ بیاہ کر لینے کے بعد میں کسی دوسری لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں۔ میں سر پکڑ کے بیٹھ گیا، انہوں نے سماج اور رواج پر چلتے ہوئے جل پنا کو مجھ سے دور کر دیا تھا مگر یہ بھول گئے تھے کہ ساؤ گاری قانون، سماج اور رواج سے کوسوں دور ہے، وہ خود مہذب دنیا سے الگ تھلگ ایک ویرانے میں رہتے اور یہاں کوئی سماجی اور رواجی ادھیکار نہ رکھتے تھے۔

میرے من میں ایک طوفان بپا تھا۔ سروپ جی نہیں جانتے تھے، انہوں نے کیا کر دیا اور مجھے کتنی بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے اچانک خیال آیا کہ ان سے بھاری غلطی سرزد ہو گئی ہے اور ایسی غلطی تھی وہ جس نے مجھے ایک نیا سہارا دیا۔

آپ کہتے ہیں ہر نرتکی بھگوان کا الہام یا القا پا کر ساؤ گاری میں آتی ہے اور وہ اس کی مرضی کی پابند ہو جاتی ہے۔''

''بے شک ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''اور جل پنا کو بھی بھگوان نے یہاں بھیجا تھا؟''

''کیوں نہیں۔''

''تو اسے نکالنے سے پہلے آپ نے بھگوان کی آگیا لے لی تھی۔ پوچھ لیا تھا اس سے؟''

یہ سنتے ہی وہ گھبرا گئے، پریشان ہو گئے۔ ان کا چہرہ کچھ تاریک سا پڑ گیا جیسے اس پر شام کا سایہ اتر آیا ہو۔ ان کے پاس میرے سوال کا کوئی جواب نہ تھا، اچانک ان کی گھبراہٹ خفگی میں بدل گئی۔

''تھاروکیشپ! معلوم ہوتا ہے، تم جل پنا کی لگن رکھتے ہو اور پروہت گنجال کی طرح اب مجھے بھی پوچھنا ہے کہ تمہارا اس لڑکی سے کیا سمبندھ ہے؟''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں مگر آپ نے جو کچھ پوچھا ہے، اس کے بتانے کا سمے ابھی نہیں آیا کیونکہ ابھی تو آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ جل پنا کون ہے؟''

''کون ہے؟''

''کایاپتھا کی بیٹی، جسے زبردستی ساؤ گاری میں لایا گیا۔''

وہ تڑپ کر کھڑے ہو گئے۔ ''تو تم اس کے باپ کو جانتے ہو مگر یہ جھوٹ ہے کہ اسے زبردستی لایا گیا، وہ کسی حیل وحجت کے بغیر اپنی مرضی سے ہمارے ساتھ آئی تھی۔''

''اگر آپ بیٹھ جائیں تو میں کچھ عرض کروں۔''

وہ اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پھر کرسی پر بیٹھ گئے۔ ''کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔''

میں نے سوچا۔ دیکھوں تو سہی ان کے من میں جل پنا کے لئے دیا کا کوئی گوشہ ہے یا نہیں۔

''اگر آپ وعدہ کریں کہ پروہت سے بات نہیں کریں گے تو میں بتاؤں جل پنا یہاں کیسے لائی گئی تھی؟''

وہ حیرانی نظروں سے مجھے گھورنے لگے۔ ''میں خود لایا تھا، اسے مانڈلے کے ناچ آشرم سے پھر بھی وعدہ کرتا ہوں تم جو کہو گے گنجال کو نہیں بتاؤں گا۔''

''آپ نے کہا تھا، ناچ بھگتی بھی ساؤ گاری کے ان سربستہ رازوں میں سے ایک راز ہے جو صرف موت کے بستر پر دوسری نسل کو منتقل کئے جاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا ناچ بھگتی کے پیچھے کون سا راز چھپا ہوا ہے مگر یہ بھی نہیں چاہتا کہ کسی مظلوم لڑکی کے جیون کی بربادی کا دوش آپ

پر آئے، اس لئے آپ کو جل پنا کی کہانی سناتا ہوں۔''

سروپ جی حیران بھی تھے اور کہانی سننے کے مشتاق بھی۔ قارئین جانتے ہیں میں نے یہ کہانی بونے شاسترو سے سنی تھی کہ جل پنا مانڈے کے ناچ آشرم سے ساؤ گاری میں کس طرح لائی گئی۔ اس نے بعض ایسی باتیں بھی بتائی تھیں جن میں نے الجبرا کی طرح کچھ نتیجے اخذ کئے تھے۔ میں قارئین کو بتاتا چلوں کہ تاریخ و آثار کی چھان بین کے ساتھ ساتھ مجھے حساب اور الجبرا سے بھی لگاؤ ہے چنانچہ میں نے سروپ جی سے جو بات چیت کی وہ کچھ شاسترو کی معلومات اور کچھ میرے قیاسات پر مبنی تھی، میں نے انہیں بتایا۔

''سب سے پہلے تو یہ بات نوٹ کر لیں کہ گنجال جل پنا کے باپ کایا پتھا کو اچھی طرح جانتا ہے مگر انکار کرتا ہے۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس معاملے میں شنکر اس کا آلہ کار ہے، مجھے بتایئے ایک برس پہلے جب چاند گرہن کی رات پروہت گنجال نے ایک عجیب و غریب سپنا دیکھا اور بتایا کہ بھگوان نے اسے درشن دیئے اور مانڈے کے ناچ آشرم سے جل پنا نام کی ایک لڑکی کو ساؤ گاری میں لانے کی آگیا دی تو کیا اس بات کی تصدیق شنکر نے نہیں کی تھی کہ مانڈے میں ایک ناچ آشرم بھی ہے؟''

''ہاں اسی نے تصدیق کی اور بتایا تھا کہ وہ چند برس پہلے مانڈلے گیا تھا جہاں اس نے گورو آبنی کے ناچ آشرم کو دیکھا۔''

''پھر جب گنجال نے آپ کے ساتھ مانڈلے جانے کا پروگرام بنایا تو شنکر نے وہاں جانے سے انکار کیوں کر دیا تھا؟''

''اس نے کہا تھا، آشرم کے نیپالی چوکیدار سے اس کا جھگڑا ہو گیا تھا جس کے کارن چوکیدار کی ایک آنکھ پھوٹ گئی اگر وہ ہمارے ساتھ گیا تو ہو سکتا ہے چوکیدار کوئی نیا جھگڑا کھڑا کر دے اور جس مقصد کے لئے ہم مانڈلے جا رہے ہیں وہ پورا نہ ہو سکے۔''

''مگر میں آپ کو بتایا ہوں، شنکر کا نہ تو چوکیدار سے جھگڑا ہوا نہ شنکر کے کارن اس کی آنکھ پھوٹی کیونکہ اس بے چارے کی ایک آنکھ تو لڑکپن ہی میں پھوٹ گئی تھی، جب وہ کھٹمنڈو میں رہتا تھا۔''

سروپ جی اس انکشاف پر حیران و ششدر رہ گئے، کرسی پر پہلو بدلا اور سوال کر دیا۔

''اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ نیپالی چوکیدار کی ایک آنکھ لڑکپن ہی میں پھوٹ گئی تھی؟''

''چوکیدار کے لڑکپن کی تصویر جو کھٹمنڈو میں اتاری گئی تھی۔ آج بھی اس کے بٹوے میں موجود ہے۔''

سروپ جی بڑے بے چین اور پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ ''مگر شنکر نے جھوٹ کیوں بولا کہ چوکیدار کی آنکھ اس کے ساتھ جھگڑے کے کارن پھوٹی تھی۔''

''اس کا جواب ذرا میں ٹھہر کے دوں گا۔''

وہ حیران سے ہو کر پوچھنے لگے۔ ''کیا تم مانڈے گئے تھے۔ چوکیدار سے ملے تھے؟''

''نہیں ۔۔۔ اس کے باوجود مجھے سب کچھ معلوم ہے جس طرح میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جل پنا کا باپ کایا پتھا برما کے شہر حکامتی کا ایک بڑا زمیندار تھا۔'' سروپ جی میرے انکشافات پر تصویر حیرت بنتے جا رہے تھے اور ان کی حیرتوں میں اضافہ کرنے کے لئے ابھی میرے پاس کچھ اور بھی تھا، میں نے کہا۔

''جب آپ نے گنجال کے ہمراہ مانڈلے کا سفر کیا اور گورو آبنی کے ناچ آشرم میں پہنچے اس سے پوچھا ہوگا۔ جل پنا اس کے ناچ آشرم میں کیسے پہنچی؟''

''گورو آبنی نے بتایا تھا وہ حکامتی کی ایک اناتھ اور بے سہارا لڑکی ہے جسے ایشور کا کوئی نامعلوم بھگت تین چار برس پہلے آشرم میں چھوڑ گیا تھا اور پھر لوٹ کے نہیں آیا۔''

''اب میں آپ کو بتاؤں وہ ایشور کا وہ ''بھگت'' کون تھا؟''

''کون تھا وہ مہاپرش؟''

''پروہت گنجال کا چیلا شنکر۔۔۔''

''شنکر۔۔۔؟'' سروپ جی پر جیسے حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

میں نے انہیں یاد دلایا۔ ''تھوڑی دیر پہلے آپ نے پوچھا تھا کہ شنکر نیپالی چوکیدار سے جھگڑنے اور اس کی آنکھ پھوٹنے کا جھوٹ کیوں بولا تو یہ جھوٹ اس لئے بولا تھا، اس نے کہ جس رات شنکر جل پنا کو گرو آبنی کے حوالے کر کے آشرم سے نکل رہا تھا نیپالی چوکیدار نے اس کی صورت دیکھ لی تھی شنکر آپ کے ساتھ مانڈے اس لئے نہیں گیا تھا کہ چوکیدار اسے پہچان لے گا اور شاید یہ راز بھی فاش کر دے کہ وہی تو جل پنا کو آشرم میں چھوڑ گیا تھا۔''

سروپ جی حیرت پاش نظروں سے مجھے دیکھنے لگا، غالباً اس بات پر حیران تھے کہ میں نے یہ سنسنی خیز معلومات کہاں سے حاصل کیں۔ میں بتا چکا ہوں کہ شاسترو کی باتیں سن کر مجھے شنکر پر شبہ ہوا اور جل پنا کی کہانی پر سوچ بچار کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ شنکر کا چوکیدار کی آنکھ پھوٹنے والا جھوٹ یوں ہی نہیں ہو سکتا دراصل وہ گورکھے کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا، یہ سوچ کر میں نے فرض کر لیا تھا کہ وہی رات کے اندھیرے میں جل پنا کو گورو آبنی کے ناچ آشرم میں چھوڑ گیا ہوگا، اگرچہ یہ محض ایک قیاس تھا اور میں اس کی تفصیل نہ جانتا تھا مگر جیسا کہ قارئین کو آگے چل کر معلوم ہوگا میرا قیاس غلط نہ تھا۔ جل پنا کو مانڈلے کے ناچ آشرم تک لانے والا شنکر ہی تھا، جس نے خود کو جل پنا پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔

میں نے جو کچھ بتایا اس سے سروپ جی کی نظروں میں شنکر اور گنجال کے کردار کچھ مشکوک

سے ہو کر رہ گئے شاید وہ سوچ رہے تھے کہ جل پنا کے معاملے میں کہیں گڑ بڑ ضرور ہوئی ہے مگر میں جانتا تھا، انہیں میری باتوں پر جو تعجب ہوا ہے ابھی تک یقین میں تبدیل نہیں ہو سکا، وہ اسی کیفیت میں بولے۔

''معلوم ہوتا ہے تم جل پنا کے بارے میں بڑی معلومات رکھتے ہو۔''

اچانک مجھے موسی چندر بالا کی تصویر کا خیال آیا جو میں ماں سے مانگ لایا تھا، میں نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر تصویر نکالی اور سروپ جی کے ہاتھ میں دے دی تاکہ انہیں کچھ اور حیران کر سکوں۔ تصویر میں چندر بالا اپنی بڑی بہن کسم بالا کے ساتھ کھڑی تھی، سروپ جی تصویر دیکھ کر بری طرح چونکے، میں نے پوچھا۔

''اس تصویر میں آپ کسی کو پہچانتے ہیں؟''

''ان میں ایک تو جل پنا ہے مگر دوسری......''

میں نے ان کی بات کاٹ دی۔ ''یہ جل پنا نہیں ہے سروپ جی!''

''پھر کون ہے؟ شکل تو ہو بہو اسی سے ملتی ہے۔''

''جل پنا کی بدنصیب ماں چندر بالا ہے۔''

سروپ جی ماں بیٹی کی اتنی مکمل مشابہت پر واقعی تصویر حیرت بن گئے اور بولے۔ ''مگر دوسری عورت کون ہے؟''

چندر بالا کی بڑی بہن......''

میں نے بہن کا نام بتایا نہ ظاہر کیا کہ یہی میری چچی کسم بالا ہے، جسے ماں کی طرح پیار کرتا ہوں۔ اگر نام بتا دیتا تو سروپ جی ضرور ساری بات سمجھ جاتے کیونکہ وہ ماں کے نام اور رنگا متی کے پتے سے بھی واقف تھے۔ وہ کچھ حیران سے ہو رہے تھے۔

''ٹھاکر کیشپ! چندر بالا بنگالی نام ہے مگر جل پنا اور کایا پنتھا دونوں برمی نام ہیں۔''

''کایا پنتھا اپنی جوانی کے دنوں میں شکار کھیلنے سندر بن آیا تھا، انہی دنوں چٹا گانگ میں اسے چندر بالا سے پریم ہو گیا اور واپسی پر اسے بھی اپنے ساتھ برما لے گیا تھا۔ جل پنا ان دونوں کی بیٹی ہے۔''

''مگر تمہیں یہ تصویر کہاں سے ملی؟''

''تصویر کہاں سے ملی یا میں چندر بالا اور کایا پنتھا کے بارے میں اور کیا کچھ جانتا ہوں...... یہ ساری باتیں سمے آنے پر بتاؤں گا مگر اب تو آپ کو مجھ پر وشواس ہوا نا کہ میں جل پنا کے بارے میں صحیح معلومات رکھتا ہوں اور میں نے کوئی جھوٹ بات نہیں کہی۔''

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو مگر......؟''

انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ چہرے پر بے چینی کے سائے رینگنے لگے۔

''آپ اتنے پریشان کیوں ہو گئے؟''

''ایک معما میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' وہ بولے۔ ''اگر شنکر ہی جل پنا کو مانڈلے کے ناچ آشرم میں چھوڑ آیا تھا تو گنجال سے یہ بات چھپی نہ رہ سکتی تھی، پھر اس نے یہ ظاہر کیوں کیا کہ جل پنا کو نہیں جانتا اور چاند گرہن کی رات ادھر گنجال نے ادھر گورو آبنی نے ایک جیسے سپنے کس طرح دیکھ لئے جن میں انہیں جل پنا کے بارے میں گیان ہوا؟''

میں کہنے ہی والا تھا کہ یہ پروہت گنجال کا ''اندر جال'' ہے مگر کسی پراسرار طاقت نے میری زبان پکڑ لی۔ سوچا سروپ جی جتنا سوچیں گے ان کے شکوک اتنے ہی بڑھیں گے اور خود ہی کوئی رائے قائم کر لیں گے مجھے تو جل پنا کی فکر تھی اور میں اسی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

''کیا آپ جانتے ہیں گنجال نے جل پنا کو کہاں بھیج دیا ہے؟''

''نہیں۔۔۔ مگر جہاں بھی ہو گی اسے اپنی بھول کا پرائشچت کرنا اور ناچ بھگتی کا چلہ کاٹنا ہو گا۔''

''اور یہ چلہ کب تک کاٹے گی وہ؟''

''جب تک اس کے من سے موہ مایا کا میل دھل نہیں جاتا۔ ہو سکتا ہے دو تین مہینے یا دو تین برس لگ جائیں۔''

ان کے آخری الفاظ میرے ذہن میں شعلے بن کر ناچنے لگے۔ دل جلنے تپنے لگا۔

''مگر اس کی فوری واپسی چاہتا ہوں، وہ آپ ہی کے حکم پر نکالی گئی ہے اب آپ ہی اس کی واپسی کی آگیا دے دیں اور پروہت گنجال کو ہدایت کر دیں کہ اسے تین دن کے اندر واپس بلا لے۔''

''میں یہ آگیا نہیں دے سکتا۔''

اور وہ بڑی برہمی، بڑے طیش میں کھڑے ہو گئے، میں انہیں اس حالت میں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ان کے انکار کا مطلب یہ تھا، وہ جل پنا کو مجھ سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ سوچا اب مجھے ''ترپ کا پتا'' استعمال کرنا چاہئے۔ میں بھی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''کل رات آپ نے مجھے ایک تحریر دی تھی، اس پر دادا اور پیگو کے انگوٹھے بھی لگوائے تھے۔ اس لکھت میں آپ نے وعدہ کیا ہے کہ میری ہر بات مانیں گے۔''

سروپ جی نے چونک کر مجھے دیکھا پھر منہ دوسری طرف پھیر لیا اور کہنے لگے۔

''میں اپنے لکھے سے انکار نہیں کرتا مگر اس پر عمل اسی سمے ہو گا جب تم بھگوان کی مورتی ڈھونڈ لاؤ گے۔ اگر یاد نہ ہو تو اس لکھت کو ایک بار پھر پڑھ لو...... مورتی ڈھونڈ لاؤ اور جو چاہے

منوالو۔"

یہ انہوں نے غلط نہیں کہا تھا۔ اس تحریر میں یہی شرط تھی کہ بھگوان کی مطلوبہ مورتی ڈھونڈ لاؤں تو وہ میری کسی بات سے انکار نہیں کریں گے، گویا مورتی کی تلاش تک میرا "ترپ کارڈ" بھی بے کار تھا۔ میں عجیب شش و پنج میں پڑ گیا، شاید ان کے دل میں اب جل پنا کے لئے دیا کا کوئی گوشہ نہ تھا مگر میں اپنی ماں کی بچھڑی آتما کو بے سہارا نہ چھوڑ سکتا تھا بولا۔

"آپ نہیں جانتے اس کا واپس آنا کیوں ضروری ہے۔"

ان پر میری التجا کا کوئی اثر نہ ہوا۔ "شاید اب وہ ساؤ گاری میں کبھی واپس نہ آ سکے۔"

میں تڑپ کے رہ گیا۔ "کیوں"

"بعض باتیں بتانے کی نہیں سمجھنے کی ہوتی ہیں۔"

"تو پھر میں سمجھتا ہوں، اسے ساؤ گاری سے نکال کر آپ نے بھول کی۔ اگر واپس نہیں بلائیں گے تو انیائے ہوگا۔"

وہ سرد لہجے میں بولے۔ "تمہیں جل پنا کی اتنی چنتا نہیں کرنی چاہئے۔"

"اس کی چنتا اور بڑھ گئی ہے۔" میں نے گرم لہجے میں جواب دیا اور ان پر ایک نئی بجلی گرا دی۔ "اب مجھے بھگوان کی مورتی سے پہلے جل پنا کو ڈھونڈنا ہوگا اور میں ڈھونڈ لوں گا۔"

یہ کہہ کر تیزی سے پلٹا، وہ بھی جلدی سے گھومے اور چلائے۔ "تھارو کیشپ! رک جاؤ۔"

مگر میں رکے بغیر کمرے سے باہر آ گیا اور یہ نہ دیکھ سکا کہ الفاظ کی جو بجلی ان پر گرا آیا تھا اس نے کیا کچھ جلا دیا۔

○○○

(20)

ساتواں بھکشو

میں سمجھتا تھا، ساؤ گاری میں میری جنگ صرف گنجال سے ہے مگر جنگ تو سروپ جی سے شروع ہو گئی تھی، جنہوں نے میرے پریم کی سزا جل پنا کو دی اور اسے ساؤ گاری سے نکال دیا تھا۔ راہداری میں چلتے چلتے سوچا، کیا اس بے چاری کو اس لئے نکالا گیا ہے کہ میرے اور سندر متی کے درمیان نہ آنے پائے یا معاملہ کچھ اور ہے؟ سروپ جی نے اپنے خاندانی راز اور ساؤ گاری کی قدیم رسموں کی خاطر، جن کی پابندی وہ ضروری سمجھتے تھے، اپنی بیٹی کی کامنا ٹھکرا دی تھی کہ وہ ساؤ گاری میں نہیں رہے گی اور اسے صرف اس شرط پر میرے ساتھ لگن رات منانے کی آگیا دی تھی کہ جب تک بھگوان کی مورتی مل نہیں جاتی، ہم دونوں ساؤ گاری کو نہیں چھوڑ سکتے تو ایسا پراسرار، ایسا بھیانک، ایسا زبردست تھا اس بوڑھی عمارت کا گورکھ دھندا جس نے ایک طرف سندر متی کو جکڑ لیا اور دوسری طرف جل پنا کو نکال باہر کیا تھا جب میں نے جل پنا کے لئے ان کی تحریر کو "ترپ کارڈ" کے طور پر استعمال کرنا چاہا تو کیا کہا تھا انہوں نے کہ "مورتی کو ڈھونڈ لاؤ اور جو چاہے منوالو۔" اس فقرے پر غور کیا تو پتہ چلا، سندر متی سے بیاہ کے باوجود انہیں میرے جل پنا سے پریم کرنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا بشرطیکہ میں مورتی ڈھونڈ لاؤں تو سب باتوں کی جڑ یہ مورتی تھی۔

میں سروپ جی کے سامنے جل پنا کے پریم کا اقرار کرتے ڈرتا نہ تھا، صرف مصلحت نے روک دیا تھا، یہ خدشہ بھی تھا اگر میں نے جل پنا کے ساتھ اپنے خاندانی تعلق کا بھید کھول دیا تو شاید گنجال اس کا خاتمہ ہی کر دے نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ وسوسہ سانپ کی طرح پھن اٹھائے بیٹھا تھا کہ وہ کایا پنتھا کو جانتا ہے مگر جاننے سے انکار کرتا ہے تو ضرور اس انکار کے پیچھے کوئی چال ہے، کوئی جال ہے، یہی سوچتا ڈیوڑھی عبور کر کے ساؤ گاری کے صحن میں آ گیا، میں نہیں جانتا تھا، اب مجھے کیا کرنا ہے کہاں جانا ہے، میرے اندر ایک کشمکش ہو رہی تھی جل پنا کو ڈھونڈنے اور واپس لانے کا فیصلہ تو کر چکا تھا مگر کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ جاؤں تو کدھر، اس اثناء میں شاسترو کسی گوشے سے نکل کر میری طرف رینگ آیا وہ بڑا پریشان نظر آ رہا تھا اور جیسے صرف بات چلانے کے بہانے بولا۔

"پربھو! آپ مالک کے ساتھ اوپر ہی بسیرا لوگے یا نیچے والا کمرہ صاف کر دوں؟"

''اب ساؤ گاری کا کوئی کمرہ میرا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا شاسترو!''

وہ میری بات سن کر بے چین ہو گیا۔ ''پربھو! آدمی کسی کمرے میں ہو یا کمرے سے باہر اس کا بوجھ تو دھرتی ہی اٹھاتی ہے۔''

میں شاسترو کے اس فقرے پر بالکل توجہ نہ دے سکا کیونکہ ذہن کسی اور طرف نکل گیا اور میں سوچنے لگا تھا، یہ شاسترو کا بچہ سینکڑوں میل دور بیٹھ کر مجھ سے ذہنی رابطہ پیدا کر لیتا ہے تو کیا جل پنا کا کھوج نہیں لگا سکتا؟ اس خیال کے آتے ہی دل میں آس کا دیا سا جھلملانے لگا۔

''ارے شاسترو! تیرے اندر کا بھوت جاگتا ہے یا سو گیا؟''

وہ سمجھ ہی نہ سکا کہ میں کہنا کیا چاہتا ہوں اور اپنی منطق بگھارنے لگا۔

''ایک بھوت ہر آدمی کے اندر ہوتا ہے پربھو! اور جب آدمی کی ارتھی کسی شمشان میں جل جاتی ہے تب اس کا بھوت اکیلا رہ جاتا اور ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے۔''

''ارے میں تیرے اس بھوت کی بات کرتا ہوں جسے تو نے مرنے اور جلنے سے پہلے ہی میرے پیچھے لگا رکھا ہے جو کبھی کبھی میرے دماغ میں گھس کر بیٹھ جاتا اور تیرا سندیس مجھے پہنچایا کرتا ہے، یاد ہے کچھ دن پہلے تو یہاں ساؤ گاری میں تھا مگر تیرا بھوت چٹا گانگ میں میرا پیچھا کر رہا تھا کہ تیرے لئے بنگال کا بولتا، گاتا، پھڑ پھڑاتا ہوا تحفہ لے کر آؤں، جبھی میں نے بنگالی مینا خریدی تیرے لئے......''

اس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔ ''وہ بھوت نہیں پربھو!''

''پھر کیا ہے؟''

''میرے من کی تڑپ، میری آتما کی شکتی جو آپ کا پیچھا کرتی اور من کے تار ہلا دیتی ہے۔''

''کیا تیرے من کی شکتی جل پنا کا پیچھا نہیں کر سکتی، کیا تیری آتما یہ کھوج نہیں لگا سکتی کہ وہ کہاں بھیج دی گئی ہے؟''

''جل پنا کی آتما میرا سندیس سنے تب نا......''

''کیا مطلب ہے تیرا؟''

وہ افسردہ لہجے میں بتانے لگا۔ ''تین دن پہلے جب میں نے سنا کہ جل پنا ساؤ گاری سے چلی گئی یا اسے نکال دیا گیا ہے، میرا من بڑا بے کل ہو گیا۔ تنہائی میں ذہن اسے ڈھونڈنے اور اس سے باتیں کرنے نکلا، جیسے کبھی کبھی آپ کے پیچھے نکل جاتا ہے، پر وہ نہیں ملی، نہیں بولی۔ تب میں سمجھا کہ میرے اندر کا شاسترو جسے آپ میرا بھوت کہتے ہو اس کے پاس نہیں پہنچ سکتا۔''

''کیوں نہیں پہنچ سکتا؟''

''وہ اس لئے پربھو! کہ من کو من کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے اور آتما آتما سے بولتی ہے، جب

ایک دوجے میں یہ خاص لگاؤ ہو تبھی آدمی دور بیٹھ کر ایک دوجے سے بات کرتا ہے، آپ کا من میرے من کی سن لیتا ہے مگر جل پنا کا من آپ جیسا نہیں جو دور سے میری بات سن لے۔''

اس کے جواب نے مجھے نراش کر دیا، دل میں آس کا دیا جو ابھی روشن ہوا تھا بجھنے لگا مگر میں نے اس پر اپنے وشواس کا سایہ ڈال دیا کہ وہ بجھنے نہ پائے اور شاسترو سے کہا۔

''ارے ایک بار پھر کوشش کر کے دیکھ شاید جل پنا کی آتما تیری آتما کی بات سن لے اسے بڑا لگاؤ تھا تیرے ساتھ، تو آواز دے گا تو ضرور بولے گی۔''

''اچھا پربھو! آپ کہتے ہو تو ایک بار پھر کوشش کروں گا۔''

''سن شاسترو! میں جل پنا کے بغیر ایک دن بھی ساؤ گاری میں نہیں رہ سکتا۔ وہ واپس نہ آئی تو ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''ایسی بات نہ بولو پربھو! مالک سے پوچھو کہ جل پنا کہاں ہے؟ کب لوٹے گی؟''

''ارے وہی تو نہیں چاہتے کہ جل پنا لوٹ کے آئے۔''

''کیوں نہیں چاہتے؟''

''تو نہیں سمجھ سکے گا۔''

وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ''لگتا ہے بات بگڑ گئی۔''

''سب کچھ بگڑ گیا، شاسترو! شاید میں آج کل میں یہاں سے چلا جاؤں۔'' میں نے ذرا اونچی آواز میں کہا اور اس سے پہلے وہ کچھ کہتا عقب سے آواز آئی۔ ''کچھ نہیں بگڑا۔''

پلٹ کر دیکھا تو سروپ جی بیرونی غلام گردش سے نکل کر ہماری طرف آ رہے تھے، وہ معمول سے کچھ تیز تیز چلتے میرے قریب آ کے رکے اور بولے۔

''تم بھی کہیں نہیں جاؤ گے کیونکہ اب ساؤ گاری ہی تمہارا مسکن ہے۔''

''وہ تو ہے پر میرا من شانت ہو تب نا۔''

''اگر میری کسی بات سے تمہیں دکھ پہنچا ہے تو اسے بھول جاؤ۔''

میں سمجھ ہی نہ پاتا کہ شاسترو کے سامنے مجھے ان کی کسی بات کا جواب دینا چاہیے یا نہیں اس لئے چپ ہی بھلی سمجھی۔ انہوں نے بڑے پیار سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کیشپ! تم میرے دکھ بانٹنے آئے تھے، پھر مجھے چھوڑ کر کیسے چلے جاؤ گے یہاں سے؟''

ان کے لہجے میں وہی محبت ''وہی شفقت تھی جس کا اظہار اکثر کرتے رہتے تھے، یک لخت وہ بونے شاسترو کی طرف گھوم گئے۔

''تو بھی سن لے شاسترو! اگر ٹھاردو کیشپ چلا گیا تو میں مرنے سے پہلے ہی مر جاؤں گا۔''

اور یہ کہتے ہوئے ان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ بونا شاسترو ان کی کلپنا دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

اب میں بھی بول پڑا۔ ''اگر میں گیا تو اپنے من کی شانتی ڈھونڈنے جاؤں گا۔''

''میں تمہارے لئے پریشان ہوں کیشپ! بھگوان سے پرارتھنا کروں گا کہ وہ تمہارے من کو شانتی دے۔''

یہ کہہ کر وہ بڑی بے چینی کے ساتھ آگے بڑھے اور مندر کی طرف چلے گئے، ہم دونوں چپ کھڑے انہیں جاتا دیکھتے رہے، مجھے یوں لگا جیسے میں انہیں چھوڑ کر کہیں نہ جا سکوں گا مگر میرا من قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا اور جل پنا کی یاد مجھے کچوکے دے رہی تھی، میں تصور میں دیکھ رہا تھا کہ اس کے کومل پاؤں چلہ کشی کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور بونے شاسترو کی آواز بھی سن رہا تھا۔

''پربھو! کیا آپ نے مالک کو بتا دیا ہے کہ جل پنا سے پریم کرتے ہو؟''

''میرے بتانے یا نہ بتانے سے کیا ہوتا ہے جل پنا انہیں سب کچھ بتا چکی ہے، جبھی اسے ساؤ گاری سے نکال دیا گیا۔''

اچانک خیال آیا میں نے اناتھ بنڈو کی سمادھی پر اس کے ساتھ پریم کا بندھن باندھا اور اس نے کہا تھا، اس پوتر استھان پر جو آدمی جھوٹ بولتا ہے، اس پر اناتھ بنڈو کا شراپ پڑتا ہے۔ یہ جان لینے کے بعد میں اپنے قول سے پھرنے اور جل پنا سے منہ موڑنے کی بھول ہرگز نہ کر سکتا تھا، پھر اب تو معاملے کی صورت ہی کچھ اور ہو چکی تھی، وہ میرے پریوار، میرے جسم کا ایک حصہ تھی اور اس کی رکھشا کرنا میرا فرض میرا دھرم تھا۔

دل میں اس کے پیار کا شعلہ اتنی تیزی سے بھڑکنے لگا جیسے کوئی درخت جل اٹھتا ہے اور اس کے شریر کی گرمی، جس نے کئی بار من میں الاؤ سے دہکا دیئے تھے، آگ کی طرح میری نس نس میں تیرتی چلی گئی۔ جیسے مجھے پھونک ڈالے گی اور تصور میں مجھے اناتھ بن کے اس سورگ میں لے گیا، جہاں ہم ایک دوسرے کے قریب ہوئے تھے اور دھیان اناتھ بنڈو کی سمادھی کی طرف اڑنے لگا، جہاں پہلی بار ہم نے ایک دوسرے کے پریم کا اقرار کیا تھا، اب میں ایک بار پھر اس سمادھی پر جانا اور ایک اور بندھن باندھنا، ایک اور وچن دینا چاہتا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت جل پنا کو مجھ سے چھین نہیں سکتی۔ وہ جہاں بھی ہو گی، میں اسے واپس لاؤں گا اور اتنی زبردست تھی میرے من کی یہ کلپنا کہ فوراً سمادھی پر جانے اور دیا ہوا قول دہرانے کا فیصلہ کر لیا اور شاسترو سے مخاطب ہوا۔

''میں اناتھ بن کی طرف جا رہا ہوں، شاید دیر سے لوٹوں، سروپ جی پوچھیں تو بتا دینا۔''

وہ فکر مند لہجے میں بولا۔ ''میں روک تو نہیں سکتا پربھو! مگر گنجال سے یدھ مول لے چکے ہو۔''

''پھر کیا ہے؟'' میں اسے نہیں بتا سکتا تھا کہ اصل یدھ تو سروپ جی سے ہو رہا ہے۔

''بس ہوشیار رہنا ذرا۔''

''ارے شاسترو! آدمی کا مرنا جینا تو بھگوان کے ہاتھ میں ہے پھر بھی تو نے خبردار کر دیا تو اچھا کیا۔''

وہ اپنے حجرے کی طرف اور میں ساؤ گاری کے پھاٹک کی سمت ہو لیا مگر ابھی زیادہ دور نہ گیا تھا کہ وہ گونگے بھکشو جنہوں نے پہلے سفر میں ساؤ گاری کے پھاٹک پر میرا سواگت کیا تھا۔ بھوتوں کی طرح ایک قطار میں آتے دکھائی دیئے، اس سردی میں بھی ان کے پاؤں ننگے اور جسموں پر صرف گیروے چولے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بڑے میکانکی انداز میں رکے، جھکے اور بے آواز آگے بڑھ گئے میں ان کی ایک سی حرکات وسکنات پر ہمیشہ حیران ہوا تھا، جیسے وہ مشینی آدمیوں کی طرح بجلی سے چلتے اور ایک ہی اشارہ و حرکت کے پابند ہوں اور کبھی کبھی یہ سوچنے لگتا تھا، شاید وہ اس دھرتی کے باسی نہیں بلکہ کسی دوسری دنیا سے یہاں آ گئے ہیں، جب وہ سب کے سب آگے پیچھے چلتے میرے قریب سے گزرے تو اچانک خیال آیا کہ آج وہ سات کی بجائے چھ کیوں ہیں؟

پھر اس شبہے میں شاید وہ سات ہوں اور میری نظر چوک گئی ہو، پلٹ کر دیکھا انہیں ایک ایک کر کے گنا تو واقعی چھ تھے اور یہ بات خلاف معمول تھی کیونکہ جب سے ساؤ گاری میں آیا تھا، ہندو شاستروں کے سات خبیث دیوتاؤں کی طرح ان ساتوں کو ہمیشہ اکٹھے دیکھا تھا مگر آج وہ چھ تھے میں حیران ہوا کہ ساتواں گونگا بھکشو ان میں کیوں نہیں؟ پھر یہ سوچ کر کہ ممکن ہے وہ بیمار پڑ گیا ہو ساؤ گاری کے پھاٹک کی طرف بڑھا۔

○

ساؤ گاری کے اتر میں واقع اناتھ بن کا راستہ میرا دیکھا بھالا تھا، وہ پگڈنڈی جس پر میں ایک شام جل پنا کے ساتھ جنگل سے لوٹا میرے پیروں تلے بچھی جاتی اور مجھے رتنا گری کے سورگ کی طرف کھینچ رہی تھی، میں ایک عجیب سی کیفیت میں ڈوبا چلا جا رہا تھا جیسے مجھے کوئی پکار رہا ہو یا پھر میرے اپنے من کی کلپنا مجبور کر رہی تھی کہ اس سجدہ گاہ محبت تک جاؤں جہاں میں نے ایک بچھڑی آتما کو گلے لگایا تھا۔

یہ بھی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب کوئی پریمی اپنی محبوبہ سے بچھڑ جاتا یا جدا کر دیا جاتا ہے، اس کے قدم آپ سے آپ اس مقام کی طرف اٹھنے لگتے ہیں، جہاں اس نے پہلی بار پریم کا اقرار کیا اور محبت کا پیمان باندھا ہو۔ وہ مقام ملاقات جدائی کے دنوں میں اس کی زیارت گاہ بن جاتا ہے کیونکہ وہ اس فضا میں سانس لیتا یا اس دھرتی کی مٹی کو چومتا ہے تو بے چین دل کو خود بخود تسکین سی مل جاتی ہے، شاید پیار کا یہی ازلی دستور مجھے بھی اس سورگ میں لئے جا رہا تھا جہاں

جل پنا نے مجھ سے پریم کا اظہار کیا اور میں نے سدا ساتھ رہنے اور اسے ساؤ گاری سے نکال لے جانے کا قول دیا تھا، اس کے علاوہ ایک اور طاقت بھی دامن کشاں تھی جسے عام زبان میں ''آوازِ غیب'' کہا جاتا ہے، میں محسوس کر رہا تھا کہ کچھ دنوں سے عجیب و غریب آوازیں میری رہنمائی کر رہی تھیں کوئی ان دیکھی طاقت مجھے کسی نامعلوم منزل کی طرف لے جاتی تھی، اناتھ بن کا یہ سفر بھی کچھ ایسا تھا۔

میں پہاڑی ٹیلوں کو ایک طرف چھوڑتا آگے بڑھتا رہا، مگر اپنے آپ سے غافل نہ تھا، بونے شاسترو نے جس خطرے کی طرف اشارہ کیا تھا، اس کا ہر قدم پر احساس تھا اور بار بار میری نظریں اپنے دائیں بائیں، آگے پیچھے دوڑ جاتی تھیں، جھاڑیوں اور کائی کے میدان سے گزر کر جب گھاٹیوں اور چٹانوں کے حلقے میں داخل ہوا کیونکہ یہ مڑا تڑا رستہ ان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا تھا تو ترچھی گھاٹیوں کے وہ کٹاؤ بھی نگاہ میں تھے جہاں سے کسی پوشیدہ دشمن کے اچانک حملے کا امکان ہو سکتا تھا مگر اناتھ بن تک کسی کی پرچھائیں بھی نظر نہ آ سکی۔ اس پہاڑی کے قریب پہنچ کر جس گہرے کھڈ میں گرنے سے جل پنا نے مجھے بچایا تھا میں کچھ دیر کو یہ دیکھنے کے لئے رک گیا کہ وہ بوڑھا سانپ جو اس دن دکھائی دیا تھا آج بھی نظر آتا ہے یا نہیں مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا، سوچا آج عورت میرے ساتھ نہیں، شاید اسی لئے ناگ دیوتا نے درشن نہیں دیئے۔

ٹھیک اسی مقام سے جہاں جل پنا مجھے ساتھ لے کر گھنے جنگل میں داخل ہوئی تھی میں دیکھا بھالتا جنگل کے بیچوں بیچ بہتے چشمے کی طرف ہو لیا اور کبھی کبھی اپنے ہی قدموں کی آہٹ سے چونک چونک جاتا تھا، ایک تو خطرے کا احساس، دوسرے اونچے پربتوں کا پر ہول سناٹا اور گھنے جنگل کا گہرا سکوت ایک پراسرار خوف میں ڈھل کر دل پر چھا رہا تھا، یہ خوف اس لئے بھی تھا کہ میں اس گھنے جنگل میں اکیلا تھا۔ کم از کم میں یہی سمجھ رہا تھا اور اگر کوئی دوسرا تھا بھی تو میرے دشمن کے سوا اور کون ہوگا، لیکن بھیانک سکوت، تنہائی اور خوف کے عالم میں بھی پیار کی وحشت مجھے اناتھ بنڈو کی سمادھی کی جانب کھینچے لئے جا رہی تھی ورنہ آدمی کے اعصاب کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہوں ایسی خوفناک تنہائی اس کے من کو ضرور ہراساں کر دیتی ہے۔

چشمے کے دونوں کناروں پر کائی، نرسلوں اور جھاڑیوں کی قدرتی باڑ کے ساتھ ساتھ سیتا برچھ، مہاگنی اور برگد کے درختوں کی گھنی چھاؤں تھی، میں ان کے درمیان سے گزرتا، جھاڑیوں اور جھکی شاخوں سے بچتا سمادھی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک کچھ فاصلے پر کھٹکا سن کر انہی قدموں رک گیا۔ نہ صرف رک گیا بلکہ بڑی پھرتی کے ساتھ جھاڑیوں میں دبک بھی گیا تھا کیونکہ یہ جاننا بے حد ضروری تھا کہ میرے سوا اگر کوئی دوسرا بھی اس گھنے جنگل میں موجود ہے تو

کون ہے اور مجھ سے کس سمت، کتنے فاصلے پر ہے؟

میں چار پانچ منٹ تک اونچی اونچی، پھیلی پھیلی جھاڑیوں میں دبکا رہا مگر پھر کوئی کھٹکا سنائی دیا نہ کوئی آہٹ محسوس ہوئی، اٹھ کر اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی جنگل کے خاموش درختوں اور بے ہنگم جھاڑ جھنکاڑ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ شاید وہ کھٹکا میرا وہم تھا یا کوئی خرگوش میرے قدموں کی چاپ سن کر بھاگا اور کسی جھاڑی میں دبک گیا تھا، صرف نصف فرلانگ دور گھنے درختوں کے بیچ بڑ کا وہ اونچا اور قدیم الایام درخت نظر آ رہا تھا۔ جس کے نیچے تپتی لاما اناتھ بنڈو کی سمادھی تھی، میں چشمے سے ذرا ہٹ کر جھاڑیوں کو ہٹاتا، اس مقدس برگد کی طرف بڑھنے لگا جس کے ساتھ میرے پریم، دھرم کی عقیدتیں وابستہ تھیں اور جونہی سانپوں کی مانند جھولتی ان گنت جٹاؤں کے قریب پہنچا، اچانک ٹھٹھک سا گیا، میں پھر ایک آہٹ سن رہا تھا مگر اب یہ آہٹ باہر سے نہیں بلکہ میرے اندر سے آ رہی تھی اور میرا کانشش یا اندر کا آدمی کہہ رہا تھا۔

''تھارو کیشپ! خبردار...... تم یہاں اکیلے نہیں ہو۔''

میں نے چونک کر، گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا لیکن دور و نزدیک کوئی بھی نہیں تھا اور کوئی تھا تو ضرور مجھ سے ڈر کر کہیں چھپ گیا تھا، برگد کی زمین تک جھولتی جٹاؤں کی چلمن سے وہ محرابی کھنڈر نظر آ رہا تھا جس کے درمیان سفید پتھروں کی سمادھی تھی، اس سمادھی کے کئی پتھر مرورِ ایام سے اکھڑ گئے تھے اور یوں لگا جیسے جل پنا کی اچانک جدائی نے میرے دل کی محراب میں گہری دراڑیں ڈال دی ہیں اور ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ جب میں جٹاؤں کی چلمن ہٹاتا سمادھی کی طرف بڑھا، دل پر چھایا ہوا خوف یک لخت جاتا رہا اور اب وہاں جل پنا کے پریم اور اس کی تکلیف دہ یاد کے علاوہ کوئی اور جذبہ نہ تھا۔

اس مقام پر پہنچتے ہی میری آنکھوں میں وہ منظر گھومنے لگا، جب سندر زتکی میرے کندھے پر سر رکھے مجھ سے لپٹی کھڑی تھی اور میرے بازو اس کی کمر کے گرد حمائل تھے، اسی جگہ ہم دونوں پریم کی ڈور میں بندھ گئے اور ہم نے ایک دوسرے سے عہد و پیمان کئے تھے، جل پنا نے مجھ پر بھروسا کیا اور مجھے اپنا دیوتا، اپنا بھگوان مان لیا تھا، اس کے پریم کی سچائی میرے دل میں کرب کی ایک لہر پیدا کرتی گزرنے لگی۔ وہ میری زبان سے صرف ایک لفظ سننا چاہتی تھی، ایک ایسا لفظ جو اس کے پورے جیون کا صلہ ہوتا۔ وہ ایک لفظ ''پریم'' تھا اور میں نے اس کے دکھ بھرے جیون کا یہ صلہ اسے بخش دیا تھا۔ اسے زندہ رہنے کی آس دلائی تھی مگر اس کی یہ آس توڑ دی گئی، اس کے جیون کا صلہ چھین لیا گیا اور اس خیال ہی سے میرا دل ڈوبا جا رہا تھا کہ نہ جانے اس برگشتہ قسمت کو کہاں پھینک دیا گیا ہے اور اب وہ کس حال میں ہوگی۔

میں چند لمحے انہی کیفیت میں ڈوبا اور اپنی ناکامی کا ماتم کرتا رہا پھر نظر اٹھائی تو گھنے،

تاریک جنگل کا منظر کچھ دھندلا دھندلا سا لگا شاید میں اچھی طرح دیکھ نہ سکتا تھا مگر اسی پل احساس ہوا کہ میری پلکیں بھیگ چکی ہیں اور آنکھوں میں تیرتے پانی نے منظر کو دھندلا کر رکھ دیا ہے۔ وہ پوتر آنسو جل پنا کے پریم کا نذرانہ تھے جو آپ سے آپ میرے گریبان پر آ گرے، میں نے اسی کرب کی حالت میں اپنا ہاتھ سمادھی کی نیم شکستہ محرابی دیوار پر رکھا اور جھک کر اس دھرتی کو بوسہ دیا جہاں کھڑے ہو کر بھگوان کی ترنگی سے اپنے پریم کا اقرار کیا اور اسے اپنا بنایا تھا، جب میں اس دھرتی کو چوم رہا تھا، دل میں درد کی شدید لہر اٹھی اور پلکوں سے کچھ گرم گرم آنسو ٹوٹ کر مٹی میں جذب ہو گئے۔ اسی طرح جھکے جھکے میں اناتھ بنڈو کی روح کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے پوتر آتما۔! جو اس سمے آکاش کے ابدی مکتی گھر میں تتھاگت کے ساتھ بیٹھی ہے، گواہ رہنا کہ میں نے کایا پتھا کی مظلوم بیٹی کو جو قول دیا تھا، اس پر آج بھی قائم ہوں اور مرتے دم تک قائم رہوں گا۔ اگر وہ قسمت کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو ہے تو بھی اسے مٹی میں نہیں ملنے دوں گا، وہ میرے گھرانے کی بچھڑی ہوئی آتما ہے، مجھے شکتی عطا کر کہ اسے ڈھونڈ سکوں اور دکھوں کی آگ میں جلنے سے بچالوں۔''

جب میں دھرتی پر سجدہ ریز ہو کر اور سمادھی کی دیوار پر ہاتھ رکھے یہ پرارتھنا کر رہا تھا، میرے من مندر میں آپ سے آپ کچھ گھنٹیاں سی بجنے لگیں اور ان گھنٹیوں میں جل پنا کے کڑوں میں چھنکنے والی پیتل کی چھوٹی چھوٹی گھنگریوں کی موسیقی بھی تھی، جیسے بیسیوں ''جل پنائیں'' کڑے بجاتی اور گھنگریاں چھنکاتی میرے من مندر میں ناچ رہی ہوں اور ایسا ہو رہا تھا وہ مدھر سنگیت کہ مجھ پر نیند سی طاری ہونے لگی اور میں سوچنے لگا شاید اناتھ بنڈو کی روح مجھے کوئی نیا گیان، نیا عرفان بخشنے والی ہے مگر ابھی گھنٹیوں کے شور اور گھنگریوں کی موسیقی کے درمیان میرے ذہن نے کوئی الہامی آواز نہ سنی تھی کہ ناگہاں میں سوکھے پتوں کے چرمرانے کی آواز سن کر چونک گیا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ سمادھی کی طرف کون آ رہا فوراً ہی اٹھا، میری نظر سب سے پہلے پورب کی سمت اٹھی اور میں نے برگد کی زمین تک جھولتی جٹاؤں کی چلمن کے پیچھے کچھ دور ایک گیروے سائے کو حرکت کرتے دیکھا مگر دوسرے ہی لمحے وہ سایہ جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔

اس گھنے جنگل میں اگرچہ دن کو بھی شام کا سا ملگجا لگا رہتا تھا مگر جو کچھ میں نے دیکھا وہم تھا نہ نظر کا دھوکا۔ کوئی چہرہ تو بے شک دکھائی نہ دے سکا لیکن گیروے جبے کی جھلک صاف نظر آئی تھی اور لبادے میں لپٹے ہوئے آدمی کی یہ جھلک بالکل ویسی ہی تھی جیسی ایک دن پہلے ریا سے ساؤ گاری کی طرف آتے ہوئے پہاڑی درے میں ذہن نے مجھے دکھائی تھی درے میں موت

مجھ سے ہاتھ ملانے نہیں آئی تھی اور پیگو کی تلاش کے باوجود اس پراسرار وجود کو نہ پا سکا تھا جو ننگے پاؤں بے آواز چلتا تھا مگر اناتھ بن میں میری آنکھوں نے اسے دیکھ لیا اور پورے بدن میں سنسنی کی ایک تیز لہر دوڑتی چلی گئی، حفاظت کے لئے میں نے فوراً اپنی کمر سے خنجر نکال لیا، جسے کپڑوں کے نیچے چھپائے رکھتا تھا، میرے قارئین سمجھ گئے ہوں گے، یہ وہی خنجر تھا جو مجھ پر چندر گونا میں ''تھان مانا'' کے بودھ تہوار پر پھینکا گیا تھا۔ خنجر کو مضبوطی سے تھام کر میں سمادھی کی محرابی دیوار کی اوٹ سے پورب کی سمت جھانکنے لگا، میرا خیال تھا دشمن شاید کسی جھاڑی کے پیچھے چھپ گیا ہے اور موقع پا کر آگے بڑھے گا مگر یہ خیال غلط ثابت ہوا، وہ گیروا سایہ پھر نظر آیا جو ننگے پیروں سمادھی کی جانب بے آواز بڑھ رہا تھا، اس کی یہ جرأت حیران کن تھی معاً خیال آیا کہیں ایسا تو نہیں کہ بہت سے گیروے سائے مجھے اسی بوڑھے برگد کے نیچے گھیرنے کے لئے چاروں طرف سے بڑھ رہے ہوں۔ ادھر ادھر دیکھا اور مطمئن سا ہو گیا کیونکہ آنے والا ایک ہی تھا جو سامنے سے آ رہا تھا، میرے اور اس کے درمیان صرف لمبی لمبی جٹاؤں کی چلمن حائل تھی کبھی کبھی برگد کے خشک پتے اس کے ننگے پیروں کے نیچے چرمرا کر مجھے اس کی آمد سے مطلع کر دیتے، وہ جو کوئی بھی تھا، پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا میری جانب بڑھ رہا تھا، اس کی چال سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ بے خوف ہونے کے علاوہ وہ پورا چاق و چوبند اور معاملے کی نوعیت کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہے۔

میرا دل دھڑکنے اور دماغ سنسنانے لگا۔ ''کون ہے یہ؟'' پھر اس سوال کو نظر انداز کر کے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا، وہ جٹاؤں کو ہٹاتا آگے بڑھا تو گیروا ہیولا کچھ صاف ہوا کیونکہ ایک جگہ رک کر وہ مجھے دیکھنے اور کھوج لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ غور سے دیکھا تو دنگ رہ گیا، وہ ننگے پاؤں، سر سے ٹخنوں تک گیروے چولے میں ملفوف ساؤ گاری کے ان سات گونگے بھکشوؤں میں سے ایک تھا جنہوں نے اپنی زبانیں کٹوا دی تھیں اب یاد آیا میں ساؤ گاری سے نکل رہا تھا تو اس کے صحن میں سات کی بجائے چھ بھکشو دیکھ کر حیران ہوا تھا کہ خلاف معمول ساتواں بھکشو ان کے ساتھ کیوں نہیں۔ یہ معمہ اب کھلا کہ ساؤ گاری کا ''ساتواں بھوت'' میری نگرانی کے لئے پہلے ہی کہیں چھپ گیا تھا یہ گونگے بھکشو پروہت گنجال کے چیلے سمجھے جاتے تھے۔

''بہت اچھا...... اگر گنجال موت کے دروازے پر دستک دے رہا ہے تو یہ دروازہ کھول دیا جائے گا۔''

''ساتواں بھوت'' لمبی لمبی جٹاؤں کے درمیان کھڑا ابھی تک سمادھی کی طرف گھور رہا تھا، اب ضروری تھا، میں خود کو اس پر ظاہر کر دوں تاکہ جو کچھ ہونا ہے ہو جائے اور اگر گنجال یا اس کے چیلے چانٹے مجھے محض ایک بودھ گیانی سمجھ بیٹھے ہیں تو ان کی یہ غلط فہمی دور کر دی جائے۔

ساؤ گاری کے گونگے بھکشو بول نہیں سکتے تھے مگر سننے، سمجھنے کی صلاحیت سے محروم نہ تھے۔ میں شکستہ دیوار کی اوٹ سے نکل کر ناگہاں اس کے سامنے آ گیا اور بولا۔

"میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں، آگے آ جاؤ۔"

گونگے بھکشو نے میری آواز سنی، ہاتھ میں خنجر دیکھا تو بڑی گھبراہٹ میں اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ امان چاہتا ہے، میں کچھ حیران، کچھ پریشان سا ہوا کہ ماجرا کیا ہے، اس کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ سوچا ہو سکتا ہے مجھے دھوکا دے رہا ہو اور اس نے اپنی کٹار بھاری جبے میں چھپا رکھی ہو۔ وہ اپنے حلق سے "غوں، غاں" کی آوازیں نکال کر مجھے کچھ سمجھا بھی رہا تھا مگر اس کا "حرف مطلب" سمجھنے سے عاری تھا۔

"قریب آ کر بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو۔"

وہ برگد کی جٹائیں ہٹاتا آگے بڑھا، قریب آیا تو دونوں ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا پھر یک لخت میرے چرنوں میں گر گیا۔ میں اس حرکت پر دنگ رہ گیا۔ یہ سب کچھ خلاف توقع تھا، اسے بازو سے پکڑ کے اٹھایا، چہرہ غور سے پڑھا تو اس پر کچھ اور ہی مضمون لکھا تھا، میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے میرا پیچھا کیوں کیا، تمہیں تو اس سے اپنے ساتھی بھکشوؤں کے ساتھ ساؤ گاری میں ہونا چاہئے تھا۔"

اس نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑ دیئے، حلق سے آوازیں نکالنے اور اشاروں سے کچھ بتانے لگا، میرے پلے خاک بھی نہ پڑا۔ میں گونگوں کی بولی سمجھنے میں بڑا اناڑی ہوں۔ اچانک ذہن میں ایک ترکیب آئی اور اسے بتایا۔

"میں کچھ باتیں پوچھتا ہوں تم صرف "ہاں" یا "نہیں" میں سر ہلا کر جواب دو۔"

وہ جواب دینے پر تیار ہو گیا تو میں نے پوچھا۔

"کیا تمہیں پروہت گنجال نے میرا پیچھا کرنے کی ہدایت کی ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔"

"پھر کس کی آ گیا سے اور کیوں آئے ہو یہاں؟"

پہلے اس نے انکار میں سر ہلایا جس کا مطلب تھا۔ "کسی کی آ گیا سے نہیں" پھر انگلی سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا گویا کہہ رہا تھا "میں اپنی مرضی سے آیا ہوں۔"

"کل رات تم نے درے میں بھی میرا پیچھا کیا تھا؟"

اس نے پہلی بار اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا مجھ سے کوئی کام ہے؟ کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

سر کی جنبش پھر اثبات میں تھی، میرا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔

"کس کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو؟"

اس نے ڈانس کا پوز بنایا، پاؤں کی ایڑی زمین پر ماری جیسے پاؤں میں بندھے گھنگرو بجا رہا ہو اور میں اس ایکشن کو دیکھ کر حیرت زدہ سا رہ گیا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر حلق سے آواز نکال کر اور ہاتھوں سے اشارے کر کے کچھ بتانے لگا، اب اس کا مطلب کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا اور جو کچھ میں سمجھ سکا یہ تھا کہ کل رات وہ درے میں مجھ سے ملنا اور جل پنا کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا تھا مگر نہیں بتا سکا۔

"کل کیوں نہ بتا سکے؟" میں نے پوچھا۔

وہ ہاتھ کے اشارے سے کچھ سمجھاتا رہا جب میں نہ سمجھ سکا تو نیچے بیٹھ کر اس نے آسامی زبان میں زمین پر "پیگو" کا نام لکھ دیا۔

"کیا اس لئے کہ پیگو میرے ساتھ تھا؟"

اس نے زور سے اثبات میں سر ہلایا گویا "ہاں" کہا۔

"اور تم ڈرتے تھے کہ جو کچھ مجھے بتاؤ گے پیگو سروپ جی اور پروہت گنجال سے کہہ دے گا۔"

اس کا جواب پھر اثبات میں تھا اور یہ انکشاف بڑا سنسنی خیز تھا کہ ساؤ گاری کا ایک گونگا بھکشو جل پنا کے بارے میں مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس ڈر سے سامنے نہ آ سکا کہ اس کی بات سروپ جی اور پروہت گنجال تک پہنچ جائے گی، میں نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"کیا جانتے ہو جل پنا کے بارے میں؟"

اس نے انگلی سے زمین پر ٹوٹی پھوٹی آسامی میں پھر ایک لفظ لکھ دیا۔

"قید......"

میں نے اندازہ لگایا، وہ معمولی سا پڑھا لکھا ہے اور فقروں کی بجائے صرف ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں جواب لکھ سکتا ہے مگر اس کا لکھا ہوا ایک ہی لفظ "قید" انگارے کی مانند میرے دل پر پڑا اور میں تڑپ کر بولا۔

"کہاں قید ہے وہ؟"

اس نے زمین پر تیسرا لفظ لکھا...... "دور......"

"اس جگہ کا نام نہیں جانتے؟"

بھکشو نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم نے دیکھی ہے وہ جگہ؟"

اب جواب اثبات میں تھا یعنی جگہ اس کی دیکھی ہوئی تھی مگر اس کا نام نہیں جانتا تھا۔ میں نے دریافت کیا۔

"کیا مجھے وہاں تک پہنچا سکتے ہو؟"

یہ بڑا عجیب و غریب اور سمجھ میں نہ آنے والا معاملہ تھا کہ ساؤ گاری کا گونگا بھکشو سروپ جی اور پروہت گنجال کے منصوبے کے خلاف نہ صرف جل پنا کی اسیری کی خبر دے رہا بلکہ مجھے اس جگہ تک لے جانے پر تیار بھی تھا جہاں اسے قید کر دیا گیا حالانکہ سروپ جی کے بقول وہ ناچ بھگتی کا چلہ کاٹنے گئی تھی، میرے ذہن میں ایک سوال بگولے کی مانند اڑنے اور چکر کھانے لگا کہ اس گونگے بھکشو کو جس کا نام مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ مدایا تھا، ساؤ گاری کے تالاب میں رہ کر اس کے مگر مچھ سے بیر مول لینے کی کیا ضرورت ہے، کہیں اس میں بھی کوئی چال تو نہیں؟ آخر پوچھ ہی لیا۔

"تم یہ ساری باتیں مجھ سے کیوں کر رہے ہو، کیا تمہیں پروہت گنجال کا ڈر نہیں؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیا ساؤ گاری میں نہیں رہو گے؟"

جواب پھر نفی میں تھا۔

"کیوں؟" میری حیرتوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔

مدایا نے زمین پر ایک لفظ لکھا "پرائشچت"

"پرائشچت کرنا چاہتے ہو؟"

جواب اثبات میں ملا۔

"کس بات کا پرائشچت، کوئی پاپ کیا ہے تم نے؟"

مدایا کا سر جھک گیا۔ میں نے دیکھا اس کے چہرے پر ندامت کا سایہ اور آنکھوں میں کوئی گہرا غم دفن تھا۔ اس کی خاموشی بول رہی تھی مگر میں اس کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔

"اگر تم مجھ سے کوئی چال نہیں کھیل رہے تو تمہیں اس نام کی سوگند جس کی پوجا کرتے ہو مجھے سب کچھ بتا دو جبھی میں تم پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔"

میں نے اس کے جسم میں ایک تبدیلی محسوس کی جیسے اپنے آپ سے ڈر رہا ہو لیکن پھر ہولے ہولے اس کا خوف دور ہونے لگا اور وہ مجھ پر اعتماد کر کے کچھ بتانے، کچھ سمجھانے لگا، اس نے زمین پر کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ لکھے۔ ہاتھوں سے اشارے کئے، حلق سے آوازیں نکالیں اور اس طرح ایک کہانی بیان کرتا رہا۔ میں اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا اور کبھی کبھی درمیان میں کچھ پوچھ بھی لیتا۔ یہ کہانی طویل تھی اور عجیب و غریب بھی وہ کافی دیر تک "آں غاں" کرتا، ہاتھ

نچاتا، زمین پر بار بار کچھ لکھتا رہا اور میں بڑی حیرت، بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کی بات کو سمجھتا رہا، مدایا نے مختلف ترکیبوں سے جو کچھ بتایا وہ بڑا حیرت انگیز بلکہ سنسنی خیز تھا۔ میں جو کچھ سمجھ سکا اس کی تفصیل اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں، گونگے مدایا کی یہ کہانی کچھ اس طرح ہے۔

"کچھ برس ہوئے، میں نے پروہت گنجال اور شنکر کے ساتھ ریاست منی پور کے ان پوربی قبیلوں کی یاترا کی جو برما کی سرحد کے ساتھ آباد ہیں۔ وہاں سنتھالی قبیلے کے کچھ لوگ بھی رہتے ہیں، پروہت گنجال اسی قبیلے کے ایک مہنت کے پاس گیا تھا جس کے جھونپڑے ٹھیک سرحدی پہاڑی پر تھے، وہاں پہنچتے ہی شام کے سمے گنجال نے مجھے بڑے جھونپڑے میں بلایا اور کہا میں شنکر کے ساتھ سرحد پار کر کے برمی شہر ہمالن میں جاؤں اور وہاں سے ایک آدمی کو اٹھا لاؤں، میں انکار نہ کر سکا۔ ان دنوں میری صحت بہت اچھی تھی اور ایک دو آدمیوں کو آسانی سے پچھاڑ لیتا تھا، میں یہ پوچھے بغیر کہ وہ آدمی کون ہے اور اسے زبردستی اٹھا لانے کا کارن کیا ہے، شنکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ ایک سنتھالی اور اس کا گھوڑا بھی ہمارے ساتھ تھا۔

ہمالن شہر سرحد سے چودہ پندرہ میل اندر اور دریائے چن ون کے کنارے آباد ہے جس آدمی کو ہمیں لانا تھا وہ دریا کے نچھمی گھاٹ پر ایک مچھیرے کے جھونپڑے میں ٹھہرا تھا، رات کے دس بجے ہم وہاں پہنچ گئے، گھاٹ پر دور دور گنتی کے پانچ سات جھونپڑے تھے، سنتھالی نے کالی رات کے اندھیرے میں ایک جھونپڑے کی طرف اشارہ کیا جو سب سے الگ تھلگ تھا اور بتایا۔

"اس جھونپڑے میں صرف دو آدمی ہیں، ایک بوڑھا مچھیرا دوسرا جوان برمی ہے جو اس کا مہمان ہے، بوڑھے مچھیرے کو شنکر سنبھال لے گا تم جوان آدمی کو اٹھا لاؤ۔"

وہ خود گھوڑا لئے ایک طرف کھڑا رہا اور میں شنکر کے ساتھ جھونپڑے میں داخل ہو گیا جس کا دروازہ بھی شنکر ہی نے آہٹ کیے بغیر کھولا۔ بوڑھا بے سدھ سو رہا تھا۔ شنکر اس کے سرہانے کھڑا رہا، میں نے مہمان پر ہاتھ ڈالا تو جاگ اٹھا اور مجھے پکڑنے لگا۔ میں نے اس کے پر ڈنڈے سے چوٹ لگائی تو لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا، میں اسے کندھے پر اٹھا لایا۔ بڈھے کی آنکھ نہیں کھلی کیونکہ سب کچھ جھٹ پٹ ہو گیا تھا، پھر اسے گھوڑے پر لادا اور ہم رات کے اندھیرے میں سرحد پار کر آئے۔ برمی آدمی چوٹ کھا کر ایسا بے سدھ ہوا تھا کہ اسے سفر میں بھی ہوش نہ آ سکا۔

بے سدھ برمی اسی حالت میں پروہت گنجال کے سپرد کر دیا گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد گنجال گھبرایا ہوا اس جھونپڑے میں آیا جہاں میں اور شنکر ٹھہرے تھے اور بولے۔

"مدایا......! تم نے برمی کو کاری چوٹ لگا دی، وہ تو مر گیا ہے، ابھی سنتھالی کے ساتھ جاؤ اور اس کی لوتھ چن وِن ندی کنارے پھینک آؤ۔"

یہ سنتے ہی کہ میرے ہاتھ سے ایک جیتے جاگتے آدمی کا خون ہو گیا ہے، ہاتھ پاؤں پھول

گئے۔ سنتھالی لوتھ کو گھوڑے پر لادے باہر کھڑا تھا، ہم دونوں رات کے اندھیرے میں سرحد عبور کر کے پھر چند دن دریا پر پہنچے اور لوتھ گھاٹ پر پھینک کر یو پھٹے لوٹ آئے۔

میں اس آدمی کو نام سے نہیں جانتا صرف صورت دیکھی تھی، وہ صورت آج بھی یاد ہے کیونکہ ساؤ گاری میں آنے کے بعد وہ برمی کبھی کبھی میرے سپنے میں آتا اور میں سوتے سوتے بڑبڑانے لگتا۔

''میں خونی ہوں...... میں پاپی ہوں۔''

میرا من بہت بے کل رہنے لگا۔ آتما پر ایک بوجھ سا آپڑا۔ یہ ڈر بھی تھا کہ کسی نے میری بڑبڑاہٹ سن لی تو کیا جواب دوں گا، ایک دن پروہت گنجال نے مجھے اپنی زبان کٹوا دینے کا حکم دے دیا اور کہا۔

''یہی تمہارے پاپ کا پرائشچت ہے، اپنی آتما کا بوجھ ہلکا کر دو۔''

برمی آدمی کی موت نے مجھے اتنا بے چین، اتنا پریشان کر دیا تھا کہ میں نے اپنی زبان کٹوا دی اور کئی دن بستر سے اٹھ نہ سکا، یہ دکھ بھوگنے سے آتما کا بوجھ کچھ ہلکا ضرور ہو گیا، پر من کی بے کلی دور نہ ہوئی اندھیری راتوں میں وہ صورت کبھی کبھار مجھے پریشان کرنے آجاتی تھی اور میں بھگوان سے گڑگڑا کر پرارتھنا کرتا کہ وہ میرے من کو شانتی دے۔

چار دن پہلے ایک کام کیلئے میں پروہت گنجال کے کمرے میں گیا مگر ابھی باہر ہی تھا کہ اس کی آواز سن کر چونک گیا، وہ شنکر کو سمجھا رہا تھا۔

''کل کا سورج جل پنا کو ساؤ گاری میں نہ دیکھے، اسے لے کر سویرے ہی نکل جاؤ۔''

''تھاپا نے پوچھا تو کیا کہوں؟''

''وہ جانتا ہے کہ بندی گھر میں آنے والوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے۔''

''جل پنا کا من ٹوٹ جائے گا گورو دیو!''

''من ہی توڑنا ہے، اس کا وہاں ایک ایسا آدمی ہے جسے دیکھ کر اس کے سر سے پریم کا بھوت اتر جائے گا اور وہی کرے گی جو میں چاہوں گا۔''

پھر گنجال نے شنکر کو رخصت کر دیا، وہ دروازے سے نکلا تو میں داخل ہوا اور اپنی اشارتی بولی میں پوچھا۔

''کیا جل پنا ساؤ گاری سے جا رہی ہے؟''

گنجال اس بات پر چونکا پھر بولا۔ ''تمہیں اس معاملے میں دخل دینے کی آ گیا نہیں۔''

میں نے اپنے من کی بات کہہ دی۔

''وہ بھگوان کی نرتکی ہے، اس کے ساتھ انیائے نہیں ہونا چاہئے۔''

گنجال نے مجھے جھڑک دیا۔ ''اپنا منہ بند رکھو۔ تم خود پاپی اور خونی ہو، تمہیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے نہیں تو تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا۔''

یہ دھمکی سن کر میں کانپ اٹھا مگر اس کے ساتھ ہی ساؤ گاری کا پروہت میری نظروں میں گر گیا۔ میں نے اس کا ایک گھناؤنا روپ دیکھ لیا تھا، جس کام سے گیا تھا وہ بھی نہ کر سکا اور چپ چاپ کمرے سے نکل آیا، وہاں سے نکلتے ہی نہ جانے کیوں یہ بات میرے من میں بیٹھ گئی کہ اگر میں جل پنا کی کوئی سہائتا کر سکوں تو ہو سکتا ہے، میرے پاپ کا پرائشچت ہو جائے اور میری آتما کو وہ شانتی مل جائے جسے ڈھونڈ رہا ہوں۔

سب سے پہلے مجھے اس بندی گھر کو دیکھنا تھا جس میں جل پنا کو قید کیا جا رہا تھا۔۔۔ دوسرے دن ابھی پو پھٹنے والی تھی کہ شنکر جل پنا کو خچر پہ لے کر نکلا میں نے بھی ساؤ گاری کو چھوڑا اور چھپ کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔

سورج چڑھا تو ہم آگے پیچھے شمالی پربت کے حاشیے پر سفر کر رہے تھے اور ہمارے درمیان کہر کی ہلکی سی چادر تنی تھی۔ اس کہر میں یہ دیکھ کر حیران سا رہ گیا کہ جل پنا چپ چاپ خچر پر سوار تھی جیسے سو رہی ہو مگر جاگ رہی تھی اور کبھی کبھی گردن موڑ کر دھند میں لپٹے پربتوں کو حیرت سے دیکھتی تھی۔ راستہ بڑا کٹھن تھا کیونکہ اتر کی سمت پربت اٹھارہ بیس ہزار فٹ تک اونچے ہوتے چلے گئے ہیں۔ برف سے ڈھکی چوٹیوں اور گھاٹیوں کے بیچ چلنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ دھند چھٹی تو میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ شنکر کا رخ کانگٹو کی طرف تھا اور یہ راستہ تبت کو جاتا ہے چودہ پندرہ میل کا بڑا دشوار گزار سفر طے کر کے ڈھلتی دوپہر کے سمے شنکر کانگٹو کے قریب پہنچ گیا اور وہاں سے پہاڑیوں کے ساتھ پچھم کی سمت چلنے لگا، یہی اونچے پہاڑ آسام اور تبت کے درمیان سرحد کا کام دیتے ہیں۔

تیسرے پہر گھاٹی اتر کے وہ ایک گہری وادی میں پہنچا، وہاں پتھروں کے چھوٹے چھوٹے گھروندوں میں کچھ لوگ رہتے تھے، وہ کوئی بستی نہیں بلکہ ایک پہاڑی خانقاہ معلوم ہوتی تھی جس کے آس پاس آٹھ دس حجرے یا گھروندے نظر آئے۔

شنکر خچر کی لگام تھامے اس درہ نما وادی میں چلتا خانقاہ کے دروازے پر رک گیا۔ اس اثناء میں کچھ پہاڑی عورتیں اور مرد بھاری، موٹے جبے پہنے جادو کے پتلوں کی طرح چھوٹے چھوٹے گھروندوں سے نکل آئے اور انہیں حیرت سے دیکھنے لگے پھر ایک ادھیڑ عمر قبائلی سردار پہاڑی خانقاہ کے دروازے پر نمودار ہوا جس نے شنکر کا سواگت کیا، میں گھاٹی پر ایک چٹان کی اوٹ سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر ان کی باتیں نہ سن سکتا تھا، ادھیڑ عمر قبائلی سردار (غالباً وہی تھاپا تھا) شنکر اور جل پنا کو لے کر خانقاہ کے اندر چلا گیا، ان کے اندر جاتے ہی ایک آدمی نے خچر کو

پالان اتارا اور اسے اصطبل میں لے جا کر باندھ دیا۔ خانقاہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا، عورتیں مرد اپنے اپنے گھروندوں میں چلے گئے تھے، یہ سب کچھ بڑا عجیب اور حیرت انگیز تھا، یوں لگ رہا تھا، وہاں جل پنا نہیں بلکہ کوئی ارتھی اتاری گئی ہے جسے تھاپا نے وصول کیا اور خانقاہ کے اندر چلا گیا، وہی پہاڑی غالباً بندی گھر ہے جس میں بھگوان کی نرتکی کو قید کر دیا گیا ہے۔

یہ دیکھ کر میں اس گھاٹی سے واپس چل پڑا کیونکہ شام ہونے والی تھی اور اندھیرا چھانے سے پہلے میں کسی محفوظ جگہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔ رات ایک پہاڑی غار میں بسر کی، دوسرے دن رتنا گری میں لوٹ آیا مگر ساؤ گاری کے اندر نہیں گیا، اب وہاں میرے لئے کچھ نہ تھا، سنا تھا آپ واپس آنے والے ہیں میں آپ کا انتظار کرنے اور رستے کے آس پاس بھٹکنے لگا جو رپا سے ساؤ گاری کو آتا ہے، کل شام کے اندھیرے میں اسی راستے پر آپ کو پیگو اور دو سائیسوں کے ہمراہ آتے دیکھا مگر پیگو کے سامنے آپ سے ملنا اور کچھ کہنا ٹھیک نہ تھا، میں جانتا تھا، آپ سیر کے عادی ہیں اور کسی سمے ساؤ گاری سے سیر کرنے نکلیں گے تو ملاقات کروں گا اور اس طرح آج آپ سے ملاقات ہوگئی۔“

یہ تھی گونگے مدایا کی کہانی جسے میں نے اس کی آواز سن کر، ہاتھوں کے اشارے سمجھ کر اور زمین پر لکھے الفاظ پڑھ کر ترتیب دیا اور کہانی سن کر میں نہ صرف حیران رہ گیا، بلکہ جل پنا کی اسیری پر نبضوں میں آگ سی تیرنے لگی جی چاہا مدایا کو ساتھ لے کر فوراً کانگٹو کی طرف چل پڑوں مگر یہ سفر مجھے سوچ سمجھ کر کرنا تھا، میں نے کہا۔

”مدایا۔۔۔! کل کو سورج نکلنے پر اناتھ بن میں میرا انتظار کرو میں سیر کے بہانے ساؤ گاری سے نکلوں گا کیونکہ اس عمارت سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے؟“

اس نے اشاروں سے بتایا کہ وہاں سے نکلنے کا ایک خفیہ راستہ بھی ہے جو شمال مغربی کونے میں ہے میں نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے زمین پر ایک نیا لفظ لکھا۔ ”باؤلی“

”کیا وہاں کوئی باؤلی ہے؟“

مدایا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”میں اس باؤلی میں اتر جاؤں تو ساؤ گاری سے نکل آؤں گا؟“

اس نے پھر سر ہلایا گویا ”ہاں“ کہا۔

پھر کل پو پھٹنے سے پہلے ہی جب ساؤ گاری کے باسی سو رہے ہوں گے میں باؤلی کے رستے باہر آ جاؤں گا تم مجھ سے وہیں ملو۔“

مدایا نے سر کو اوپر نیچے دو بار جنبش دی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ وہیں میرا انتظار کرے گا، اچانک مجھے نیا خیال آیا۔

”مدایا۔۔! تم سوتے کہاں ہو، کھاتے کیا ہو؟“

وہ ہولے سے مسکرایا پھر پوربی پربت کی ترائی کی طرف ہاتھ اٹھا دیا، دن تیسرے پہر سے گزر رہا تھا، جب یہ ملاقات ختم ہوئی، وہ مجھ سے رخصت ہو کر پوربی پربت کی طرف ہو لیا اور میں نے ساؤ گاری کا راستہ لیا۔

○

گونگے مدایا نے حیرت انگیز انکشاف کر کے یہ تو بتا دیا تھا کہ جل پنا کہاں بھیج دی گئی ہے مگر اسے پہاڑی خانقاہ سے نکال کر لے آنا کوئی آسان کام نہیں تھا، اگر وہ خانقاہ واقعی ایک بندی گھر ہے تو ضرور وہ لوگ جن کا مدایا نے ذکر کیا اس کے پہرے دار ہی ہوں گے۔

میں ساؤ گاری تک یہی سوچتا رہا کہ جل پنا کو وہاں سے کیسے نکالا جا سکتا ہے مگر کوئی ترکیب ذہن میں نہیں آ رہی تھی، یہ سب کیا دھرا سروپ جی کا تھا، جس سے پروہت گنجال کو من مانی کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ساؤ گاری میں داخل ہوا تو شام کا جھٹپٹا لگ رہا تھا، شاسترو سے خلاف توقع صحن ہی میں مڈبھیڑ ہوگئی، اس نے بتایا۔

”مالک بہت پریشان ہیں پربھو!“

”وہ کیوں پریشان ہیں؟“

”آپ نے دوپہر کا کھانا جو نہیں کھایا۔ پہلے ان سے مل لو۔“

”مل لوں گا مگر یہ بتا جل پنا سے رابطہ قائم ہوا تیرا؟“

”من کے تار نہیں ملے پربھو!“

یہ کہہ کر وہ اداس ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں جل پنا کا غم لہر لینے لگا۔

”شاسترو! کیا ساؤ گاری میں کوئی باؤلی بھی ہے؟“

اس نے چونک کر، آنکھیں پٹپٹا کر مجھے دیکھا۔

”ہے پربھو! مگر باؤلی کیوں، جل پنا وہاں تو نہیں ہوگی۔“

”پھر بھی میں باؤلی دیکھنا چاہتا ہوں۔“ سوچا کم از کم شاسترو کے ساتھ اس کا رستہ تو معلوم کر لوں۔“

”کل دکھلاؤں گا۔“

”ارے کل نہیں، ابھی چل۔“

”کیا مالک سے نہیں ملو گے پربھو!“

”پہلے باؤلی دیکھوں گا۔“

شاسترو چپ چاپ میرے آگے آگے چلنے لگا، چلتے چلتے بولا۔ ”باؤلی میں جل پنا تو نہیں

گی پھر......" وہ سوچ رہا تھا کہ میں اچانک باؤلی کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہوں مگر ابھی اسے کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا، وہ یک لخت رک گیا۔

"باؤلی پر جانے کا راستہ تو گونا دادا کے محلے سے گزرتا ہے، وہ لوگ ہمیں جاتے دیکھیں گے تو کیا سمجھیں گے۔"

"کوئی دوسرا رستہ نہیں؟"

"ہے تو پر ـــ" اس نے ایک پل سوچا پھر کہا۔ "آپ یہیں ٹھہریں میں بھاگ کے ڈیوڑھی کی چابی لے آؤں۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف لپکا میں ساؤ گاڑی کی غلام گردش میں کھڑا اس بونے کی حاضر دماغی کے بارے میں سوچنے لگا۔ باؤلی کا خفیہ راستہ دیکھنے کا مقصد یہی تھا، میں کسی کو ساؤ گاری سے نکلنے کی خبر نہیں دینا چاہتا تھا تا کہ پروہت گنجال کہیں مجھے راستے ہی میں نہ روک لے ابھی شاسترو سے کچھ کہا تو نہیں تھا مگر اس کا چھوٹا سا ذہن بہت دور کی سوچ لیتا تھا، اس نے واپسی میں دیر نہیں لگائی پھر مجھے لے کر تنگ سی راہ داری میں داخل ہوا جو اتر کی جانب جاتی تھی، ایک بار پہلے بھی اس راہداری سے گزر چکا تھا، جب ایک شام جل پنا میرا انتظار کرتی میرے بستر پر سو گئی تھی اور میں نے شاسترو سے کوئی دوسرا کمرہ کھولنے کے لئے کہا تھا، پچاس ساٹھ قدم چلنے کے بعد یہ اس راہداری سے مل جاتی تھی جو عمارت میں شرقاً غرباً پھیلی تھی، پہلی بار وہ مجھے لے کر پورب کی سمت مڑ گیا تھا مگر اس بار پچھمی جانب ہولیا۔

یہ راہداری پتھر کے ایک زینے پر ختم ہوئی جو اوپر جاتا تھا۔ ہم دوسری منزل پر پہنچے، یہاں سے رستہ پورب کی طرف مڑ گیا۔ ہم اس راہداری میں چلتے چلتے ایسی جگہ پہنچے جہاں سے ایک اور راہداری انگریزی کے حروف T کی شکل بناتی اتر کو چلی گئی تھی۔ شاسترو مجھے لے کر اتر کی راہداری میں چلنے لگا اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ راہداری اس نچلی راہداری کے عین اوپر واقع تھی جس سے گزر کر میں سروپ جی کے بالا خانے پر جایا کرتا تھا۔ اتری راہداری میں چلتے چلتے میں نے کہا۔

"ارے شاسترو! یہ ساؤ گاری تو نری بھول بھلیاں ہے۔"

"ہاں پربھو! گوپی ساؤ کا ذہن بھی ایک گورکھ دھندا تھا جس نے یہ عمارت بنوائی کیونکہ نروان حاصل کرنے کیلئے پیچ در پیچ رستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔"

شمالی راہداری ایک سنگی زینے پر ختم ہوئی جو نیچے جاتا تھا، یہ زینہ اتر کے ہم تاریک سی ڈیوڑھی میں پہنچے جسے غالباً برسوں سے کھولا ہی نہیں گیا تھا۔ شاسترو نے اس کا مقفل دروازہ کھولا تو ہمارے سامنے ساؤ گاری کا لمبوترا شمالی صحن تھا۔ یہ دراصل دو منزلہ رہائشی عمارت کا پچھلا

حصہ تھا جو قلعہ نما فصیل تک خالی چھوڑ دیا گیا اور ویران پڑا تھا کہیں کہیں گھاس اور خود رو جنگلی پودے اُگے تھے اور فصیل کے ساتھ ساتھ جھاڑ جھنکاڑ پھیلا تھا۔ ہم اس عقبی صحن کے پچھمی کونے کی طرف ہو لئے۔

میں بتا چکا ہوں۔ ساؤ گاری کی قلعہ نما عمارت آٹھ ایکڑ رقبے پر پھیلی تھی۔ رہائشی حصہ قریباً چار ایکڑ زمین پر مشتمل تھا جس میں دو منزلہ، ایک منزلہ مکانات، حجرے، زینے، مندر، غلام گردشیں، ایک دوسری کو قطع کرتی راہداریاں بھول بھلیوں کی مانند بکھری تھیں۔ رہائشی عمارتوں کا عقبی حصہ یا پچھلا صحن ایک چوڑی مگر لمبی راہداری کے مشابہ تھا جو شمالی فصیل کے ساتھ ساتھ دور تک پھیلا تھا۔ پچھمی کونے تک پہنچنے کے لئے ہمیں کافی فاصلہ طے کرنا پڑا۔

اس کونے میں سرخ پتھروں کی ایک چھوٹی چوکور باؤلی تھی جسے موٹے چوبی تختوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ کناروں پر گھاس اور کائی اگ رہی تھی۔ میں نے ایک تختہ ہٹایا تو باؤلی میں اترنے کی پتھریلی سیڑھیاں دکھائی دیں۔ یہ سیڑھیاں تیرہ چودہ فٹ کی گہرائی تک اترتی تھیں، باؤلی کی تہہ میں بھی سرخ پتھروں کا فرش تھا جس کی درزوں سے گھاس پھوٹ نکلی تھی اور فرش پر کہیں کہیں تھوڑا پانی جمع ہو گیا تھا۔ غالباً پچھلے دنوں کی موسلا دھار بارشوں میں پانی چوبی تختوں سے اندر بہہ گیا تھا، میں نے پہلی سیڑھی پر پاؤں رکھا تو شاسترو میرا ارادہ معلوم کر کے بولا۔

"پربھو! اندر جا کر کیا کرو گے؟"

"ارے دیکھتا ہوں اندر سے کیسی ہے؟"

"باؤلی برسوں سے بند پڑی ہے اگر اندر کوئی سانپ ہوا تو؟"

میں جانتا تھا سانپ نہیں ہوگا، اگر ہوتا تو گونگے مدایا کا رستہ روکتا جو باؤلی کی سرنگ سے باہر نکلا تھا، میں اصل میں سرنگ ہی دیکھنا چاہتا تھا اور سیڑھیاں اتر تا 13-14 فٹ نیچے تہہ میں پہنچ گیا۔

ایک تو شام کا ملگجا اندھیرا، اس پر باؤلی کی چوبی چھت جو رہی سہی روشنی کو بھی اوپر ہی روک لیتی تھی اندر گہری تاریکی تھی پھر بھی اس تاریکی میں میری نظروں نے سرنگ کا دھانہ ڈھونڈ لیا جس کا رخ پچھم کی جانب تھا۔ سرنگ کے اندر کچھ دکھائی نہ دے سکا، میں نے باؤلی کے فرش پر کھڑے ہو کر اس کا اچھی طرح جائزہ لیا پھر سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آ گیا تو شاسترو نے پوچھا۔

"کچھ ملا پربھو!"

"تو نے ٹھیک کہا تھا جل پنا یہاں نہیں ہے۔"

"مگر آپ جل پنا کو ڈھونڈنے کب آئے ہو۔"

''پھر؟'' میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

''اس باؤلی میں باہر نکلنے کا ایک رستہ ہے۔''

وہ سمجھ گیا تھا میں کیوں آیا ہوں، ہنس کر جواب دیا۔

''ارے شاسترو! ساؤ گاری میں داخل ہونے کا رستہ تو آتے ہی دیکھ لیا تھا آج باہر نکلنے کا رستہ دیکھا ہے، آدمی کو ہر رستے کی خبر رکھنی چاہئے۔''

''مگر اس رستے جاؤ گے کہاں پربھو؟''

''جل پنا کے پاس۔''

یہ الفاظ خود بخود زبان پر آ گئے جنہیں سن کر میں حیران ہوا مگر شاسترو کی حالت تو دیکھنے والی تھی۔ مارے حیرت کے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ ایک دو پل اسی طرح کھڑا رہا پھر سنبھلا اور بولا۔

''مگر وہ ہے کہاں؟''

''جہاں بھی ہوگی میں پہنچ جاؤں گا۔''

پھر نہ اس نے کچھ پوچھا نہ میں نے کچھ بتایا، شام کا اندھیرا اور گہرا ہو گیا تھا ہم جس رستے آئے تھے اسی رستے واپس ہو لئے۔

○

سروپ جی سے ملاقات کھانے کی میز پر ہوئی مجھے دیکھتے ہی ان کی ظاہری پریشانی دور ہو گئی مگر اندر کوئی بات ان کے من کو اتھل پتھل کئے دیتی تھی، کھانے کے دوران بہت کم باتیں ہوئیں، انہوں نے ایک بار پوچھا۔

''تھارو کیشپ! مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟''

''نہیں'' کہہ کر میں چپ ہو رہا۔ جل پنا پر نئی مصیبت انہی کے کارن آئی تھی، اپنی بیٹی کی خاطر وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ جل پنا اب ساؤ گاری میں واپس آئے یا مجھ سے ملے، اس لئے میرا دل احترام کے باوجود ان کی طرف سے کچھ میلا ہو گیا تھا، مگر اپنی کمزوری کے ساتھ جو ہر باپ میں پائی جاتی ہے، سروپ جی بڑے دور اندیش آدمی تھے۔ انہوں نے میرے چہرے سے بھانپ لیا کہ میں کچھ اکھڑا اکھڑا سا لگتا ہوں۔ کہنے لگے۔

''ساؤ گاری میں میرے خاندان کا ماضی دفن ہے اور میں دکھوں کی ڈھیری پر بیٹھا ہوں، تمہارے آنے سے میری ایک آس بندھی ہے، مجھے چھوڑ کر کہیں جانا نہیں۔''

''آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا، اب تو ساؤ گاری میرے نصیب میں لکھ دی گئی ہے۔''

''میں تمہیں اور سندرمتی کو اپنے دکھ دے کر مرنا نہیں چاہتا۔'' ان کے لہجے میں ایک

عجیب سا کرب تھا۔ ''میرے دکھ میرے ہی ساتھ جل جائیں تو اچھا ہے تاکہ تم دونوں سکھ کا جیون گزار سکو۔''

''آپ نراش نہ ہوں۔'' میں نے انہیں تسلی دی۔ ''دکھ سکھ دھوپ چھاؤں کی طرح آتے جاتے رہتے ہیں بھگوان کرے آپ کو دادا کی طرح لمبی عمر ملے۔''

میرے یہ دعائیہ الفاظ ان پر بجلی بن کر گرے اور وہ ہاتھ کا لقمہ چھوڑ کر یک لخت اس طرح کھڑے ہو گئے گویا میں نے ان پر تلوار چلا دی ہو، کسی بھیانک حقیقت نے انہیں دہشت زدہ کر دیا۔ جسم کانپ گیا اور چہرہ دھواں دھواں سا نظر آنے لگا۔

مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ساگر ساؤ جی ارذل عمر کو پہنچ چکا اور جیون کے جس عذاب میں مبتلا تھا، اسے دیکھ کر کوئی بھی شخص ایسے جینے پر موت کو ترجیح دیتا، اس کا اجل بدوش بڑھاپا دیکھنے والوں کے لئے عبرت کا نشان تھا۔ جبھی ساؤ گاری کے باسی بھگوان سے پرارتھنا کرتے تھے کہ وہ زندگی کے عذاب سے چھوٹ جائے مگر ہر دن اس کی منحوس عمر میں اضافہ کر کے گزر جاتا تھا، ہر رات اسے نئے کچوکے دے کر بیت جاتی تھی۔

سروپ جی میری زبان سے لمبی عمر کی دعا سن کر بری طرح تڑپ اٹھے اور بولے۔

''تھارو کیشپ! مجھے جینے کی بددعا نہ دو۔ میں لمبی عمر نہیں چاہتا۔''

میں نے اٹھ کر انہیں سنبھال لیا۔ شریر کو ہاتھ لگایا تو کسی مردے کی مانند ٹھنڈا ہو رہا تھا جیسے دہشت اور خوف نے جیون کی گرمی چوس لی ہو۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ بھی دادا کی طرح ......''

انہوں نے ایک جھٹکے سے میری بات کاٹ دی۔

''میں تمہارا مطلب سمجھتا اور تمہارے لفظوں کا رخ پہچانتا ہوں مگر تم نے دادا کا نام لیا تو نوالہ ہاتھ سے چھوٹ گیا جیسے جیون کی پتوار ہاتھ سے چھوٹ گئی ہو اور میرا شریر ڈول گیا کیونکہ دادا کی لمبی عمر قدرت کا انتقام ہے اور یہ انتقام طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔''

ساؤ گاری کے رہنے والے بھی یہی سمجھتے تھے، بڈھے کو کسی کا شراپ لگا ہے اور وہ جینے کا عذاب بھوگ رہا ہے مگر آج سروپ جی کی زبان سے یہی بات سن کر میں سوچنے لگا، کیا کسی پاپ اور اتیاچار کی سزا اتنی خوفناک بھی ہو سکتی ہے۔

یہ بھی ایک اچنبھا تھا کہ اگر دادا واقعی قدرت کے انتقام کا شکار تھا تو سروپ جی اس کی اتنی عزت کیوں کرتے تھے کہ اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دیتے اور اسے تنہا چھوڑ کر ساؤ گاری سے بھی شاذ و نادر ہی نکلتے تھے، وہ اس کی ہر بات یوں مانتے تھے جیسے ان کا دیوتا، ان کا بھگوان وہی بڈھا ہو۔ یہ عجیب و غریب برتاؤ دادا کی غیر معمولی شخصیت کی نشاندہی کرتا تھا، میں پوچھنا

چاہتا تھا۔

"قدرت کا انتقام کس جرم کی سزا میں؟"

مگر سوال کرنے کا حوصلہ نہ ہوا، اب تو مجھے بھی ساگر ساؤ جی کی ذات بڑی اہم، بڑی پراسرار معلوم ہونے لگی تھی اور ساؤ گاری کے ناقابل فہم بھیدوں کی طرح وہ بھی ایک سربستہ راز نظر آنے لگا تھا۔

میں نے سروپ جی کو دوبارہ کرسی پر بیٹھا دیا اور ان کی دلجوئی کے لئے کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں، بھگوان دادا کی مشکل آسان کردے گا، آج کل تو وہ کچھ بدلے بدلے اور خوش دکھائی دیتے ہیں۔"

"مگر اس تبدیلی کا کارن بھی جانتے ہو؟"

"تبدیلی کا کارن تو نہیں جانتا، البتہ انہیں بدلا بدلا ضرور پایا ہے، کیا خبر یہی تبدیلی ان کے روگ کی دوا بن جائے۔"

سروپ جی نے ایک دھماکہ خیز انکشاف کیا۔

"وہ اس لئے بدلے بدلے اور خوش نظر آتے ہیں کہ سندر متی سے تمہارا بیاہ ہو گیا اور تم دونوں نے ساؤ گاری کی بجائے باٹی پارہ کی حویلی میں لگن رات منائی ہے۔"

میں حیران تھا، بھلا ہماری لگن رات سے اجل بدوش بڈھے کی تبدیلی کا کیا سمبندھ ہو سکتا ہے۔ سروپ جی خود ہی بتانے لگے۔

"تم جانتے ہو، سندر متی میری اکلوتی بیٹی اور ساؤ پریوار کی اکیلی یادگار ہے، اپنے خاندان کے مخصوص حالات کی وجہ سے میں ڈیڑھ دو سال پہلے ہی اس کی شادی کر دینا چاہتا تھا تاکہ ساؤ گاری کو اس کا وارث مل جائے اور میں اس اطمینان کے ساتھ جان دے سکوں کہ میرے بعد بھی وہ سلسلہ چلتا رہے گا جو ہمارے پرکھوں نے جاری کیا تھا، مگر دادا نے مجھے اس کا بیاہ کرنے سے روک دیا اور کہا۔ "وہ اپنا بر خود ڈھونڈ لے گی۔"

تم یہ سن کر حیران ہو گے دادا سندر متی سے بہت زیادہ پیار کرتے اور سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر کسی دیوی کی آتما ہے، ایک سال پہلے کی بات ہے جب میں دادا کے کمرے میں گیا سندر متی ان کے سامنے ہاتھ جوڑے، آنکھیں بند کئے بالکل کسی دیوی کی طرح کھڑی تھی اور وہ اس کی تعریف کر رہے تھے کہ اس کے روپ میں دراصل ایک دیوی نے جنم لیا ہے اور سندر متی اپنی تعریف سن کر خوش ہو رہی تھی، تم خود سوچ سکتے ہو جب وہ سندر متی کو دیوی مانتے ہیں تو تمہارے بارے میں ان کا وچار کیا ہوگا، تم ایک دیوی کے دیوتا سمان پتی ہو۔"

میں اس انکشاف پر نقش حیرت بن گیا۔ سندر متی کبھی کبھی پریم کی مستی میں میرے سامنے

بھی ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کر کے ایک دیوی کی سی شان کے ساتھ کھڑی ہو جاتی اور اپنی تعریف سن کر خوش ہوتی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ یہ روپ یہ انداز تو اس کی ذات کا ایک انگ تھا جس کا شعور اس کے ذہن میں ساگر ساؤ جی نے پیدا کیا، میں یہ معمہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ اپنی پڑپوتی کو دیوی کے روپ میں کیوں دیکھنا چاہتا ہے۔ سروپ جی نے ایک اور انکشاف کیا۔

"دادا اب میری بات نہیں سنتے، ان کی ساری توجہ سندر متی اور تم پر ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے آخر آپ ان کے پوتے اور ساؤ گاری کے رکھوالے ہیں۔"

"میں ڈوبتی ہوئی شام ہوں تم اور سندر متی ایک چڑھتی صبح ہو، ان کی آشا کا اجالا ہو۔"

"اگر دادا مجھے اور سندر متی کو اتنا چاہتے ہیں تو ہم دونوں بھی کوشش کریں گے کہ ان کے بڑھاپے کو سکھی رکھیں اور وہ ہمارے ہی ہاتھوں میں پرلوک سدھاریں۔"

جس طرح "دادا کی عمر" والے دعائیہ فقرے نے سروپ جی پر بجلی گرادی اور وہ تڑپ اٹھے تھے اسی طرح دادا کے پرلوک سدھارنے کی بات کا بھی ان پر بڑا گہرا اور شدید اثر ہوا لیکن یہ اثر بڑا خوشگوار تھا۔ ان کے چہرے کا وہ سارا تکدر دور ہو گیا جو دعائیہ فقرے سے پیدا ہوا تھا۔ دادا کے پرلوک سدھارنے کے الفاظ سن کر ان کی آنکھوں میں امید کے دیے سے روشن ہو گئے اور وہ بڑے خوش نظر آنے لگے۔

میرے قارئین نے جان لیا ہوگا کہ بڈھے کی موت کسی شادی کی شہنائی سے کم مسرت انگیز نہ تھی، سروپ جی نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا۔

"کیشپ بیٹے! بھگوان تمہاری زبان مبارک کرے اور دادا تمہارے ہی ہاتھوں پرلوک سدھاریں، جس دن وہ کال روپی ساگر میں ڈوب جائیں گے وہ ان کی اور ہماری نجات کا دن ہوگا۔"

مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی کہ سروپ جی بڈھے کی موت کا کتنی بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں اور مجھے ساگر ساؤ جی پر ترس آ گیا، اسی لمحے میرے ذہن میں ایک انوکھا خیال ابھرا اور میں نے سروپ جی سے پوچھا۔

"اگر میں بھگوان کی مورتی ڈھونڈ لاؤں اور دادا اس مقدس مورتی کو چھو لیں تو کیا ان کا روگ بھی جاتا رہے گا۔"

انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"ہاں... ان کا روگ سدا کے لئے دور ہو جائے گا اور وہ خوشی سے پران تیاگ دیں گے کیونکہ مورتی کی تلاش ہی ساؤ پریوار کے پرکھوں کا مقصد حیات رہا ہے، مورتی مل جائے تو دادا کے جیون کا عذاب کٹ جائے گا۔"

"اور ساؤ گاری کے مندر میں ناچ پوجا کی گھنٹیاں نہیں بجیں گی؟"

"نہیں بجیں گی۔"

"اور کسی نرتکی پر بھگوان کی خاطر سدا کنواری رہنے کی پابندی نہیں ہوگی۔"

"نہیں ہوگی۔"

ہمارے درمیان یہ باتیں کچھ اس طرح ہوئیں جیسے کسی عامل اور معمول کے درمیان ہوتی ہیں، ہم دونوں کچھ دیر سحر زدہ آدمیوں کی مانند چپ چاپ بیٹھے رہے پھر سروپ جی یک لخت کھڑے ہوگئے، میں بھی اٹھا، وہ سونے سے پہلے دادا سے ملنے کے عادی تھے اور میں جانتا تھا یہاں سے سیدھے بڈھے کے تابوت نما کمرے میں جائیں گے مگر رخصت ہونے سے پہلے انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگے۔

"تھارو کیتھپ! بعض باتیں کہنے کی نہیں ہوتیں پھر بھی تمہیں اپنا بیٹا سمجھ کر کہہ رہا ہوں کہ میرے کسی برتاؤ سے اگر تمہارے من میں کوئی ملال آیا ہو تو اسے بھلا دینا، مجھے ساؤ گاری میں وہی کرنا پڑتا ہے جو دادا کی مرضی کے مطابق ہو، اس عمر میں بھی جب وہ چل سکتے ہیں، نہ اپنے آپ بیٹھ سکتے ہیں، سن سکتے ہیں نہ اچھی طرح بول سکتے ہیں، ساؤ گاری پر انہی کا حکم چلتا ہے، میں تو اس بساط کا ایک مہرہ ہوں، دادا کے ہاتھ مجھے چلاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئے اور جاتے جاتے پیگو کو جو برتن سمیٹنے آیا تھا ہدایت کر گئے کہ وہ میرے آرام کا خیال رکھے۔

میں بھی اپنے کمرے میں آ گیا اور یہ سندرمتی کا کمرہ تھا جہاں پیگو کی پتنی تارا نے میرے لئے بستر بچھا دیا اور گھونگھٹ نکالے پوچھنے لگی۔ "مالک! سونے سے پہلے آپ کے لئے قہوہ لیکر آؤں؟" میں نے اسے قہوہ لانے سے منع کر دیا۔ وہ چلی گئی، سروپ جی کی باتوں نے مجھے شش و پنج میں ڈال دیا تھا، سوچنے لگا شاید انہوں نے جل پنا کو محض اس لئے ساؤ گاری سے نکال دیا ہے کہ کہیں دادا کو میرے اور اس کے پریم کا پتہ نہ چل جائے، اگر پریم کہانی بڈھے کے کانوں تک پہنچ گئی تو اسے دکھ ہوگا کیونکہ سروپ جی کے بقول وہ سندرمتی کو دیوی اور مجھے دیوتا سمان سمجھتا تھا اور ہمارے بیاہ سے اس کی حالت بدل گئی تھی، پھر وہ کیوں پسند کرنے لگا کہ کوئی تیسری لڑکی میرے اور سندرمتی کے درمیان حائل ہو، یہ صرف میرا قیاس تھا، اصل بات سروپ جی جانتے تھے

پروگرام کے مطابق کل پو پھٹنے سے پہلے ہی مجھے ساؤ گاری سے نکل جانا تھا مگر جانے سے پہلے چکرورتی چاچا کا مسودہ اور نقلی مورتی جسے رنگا متی سے ساتھ لے کر آیا تھا، محفوظ کرنا چاہتا تھا، میں نے اٹیچی کیس کھول کر دونوں چیزیں نکالیں، انہیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور اپنے اوور

کوٹ میں چھپا کر کمرے سے نکلا، ابھی زینے کی طرف راہداری میں تھا کہ پیگو سے مڈبھیڑ ہو گئی جو زینے کا دروازے بند کر کے لوٹ رہا تھا، مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا اور حیرت سے بولا۔

"کیا باہر جا رہے ہیں صاحب!"

یہ بھی بتا دوں۔ شاسترو اگر مجھے "پربھو" کہہ کر مخاطب کرتا تو پیگو "صاحب" کہتا تھا کیونکہ سندرمتی نے اسے ہدایت کر رکھی تھی کہ مجھے "صاحب" کہہ کے بلایا جائے۔ میں نے اسے بتایا۔

"تھوڑی دیر نیچے چہل قدمی کروں گا، دروازہ کھلا رکھنا۔" اس نے پلٹ کے دروازہ کھول دیا اور میں زینہ اتر کے نیچے آ گیا، مجھے صرف شاسترو کے حجرے تک جانا اور اپنی امانت اس کے سپرد کر کے لوٹ آنا تھا، اس کا حجرہ پچھلی غلام گردش میں مندر کے قریب ہی تھا۔۔ میں ساؤ گاری کی راہداریوں اور غلام گردشوں سے واقف ہو چکا تھا۔ انہیں عبور کرتا پچھلی جانب پہنچا اور حجرے پر دستک دی تو شاسترو نے دروازہ کھولا اور پہلی بار وہ بھی رات کے سمے مجھے اپنے دروازے پر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

"ارے بھوتنے! دیکھتا کیا ہے مجھے اپنے حجرے میں آنے کے لئے نہیں کہے گا؟"

"مگر پربھو! یہ سورج رات کو کیسے نکل آیا؟"

"میرا ستارہ سورج نہیں چاند ہے۔"

"پھر تو آپ کا رات کو نکلنا ٹھیک ہوا پربھو! اندر آ جاؤ۔"

جونہی میں نے حجرے میں قدم رکھا پٹاخ سے آواز آئی۔

"اندر آ جاؤ پربھو! گڈ نائٹ......" میں جل پنا کی پریشانی میں مینا کو بھول ہی گیا تھا، اس نے میری آواز سنی، صورت دیکھی تو پہچان لیا۔

"گڈ نائٹ مینا۔" میں نے جواب دیا۔

اب شاسترو بتانے لگا۔

"یہ۔ "میں نا" نہیں پربھو! "ہے نا" ہے اور بہت بولتی ہے جبھی اس کا نام میں نے شیاما رکھ دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر شیاما کے بارے میں ہم پھر بات کریں گے یہ بتا تیرے پاس کوئی ایسی خفیہ جگہ ہے جہاں تو میری ایک امانت رکھ سکے؟"

شاسترو نے الوؤں کی طرح اپنی آنکھیں پھاڑ کے مجھے دیکھا پھر اس کی نظریں حجرے کا طواف کرتی اپنی کھاٹ کے پیچھے والی دیوار میں خالی آتشدان پر آ کے ٹک گئیں۔

"اس کی چمنی کے اندر دیوار کا ایک پتھر گر جانے سے کافی بڑا سوراخ ہو چکا ہے وہاں کسی کا دھیان پہنچ سکتا ہے نہ ہاتھ کیونکہ کوئی بھی اس چمنی میں گھس نہیں سکتا۔"

میں نے غور سے آتشدان اور اس کے دودکش کو دیکھا۔

''مگر پربھو! ایسی کونسی امانت ہے جو میرے پاس رکھوانا چاہتے ہو۔''

''ایک کتاب کا مسودہ اور ایک مورتی۔''

اس نے پھر آنکھیں پٹپٹائیں۔ ''میں تو سمجھا تھا ہیرے موتی رکھواؤ گے۔''

میں نے اوورکوٹ سے پوٹلی نکالی۔ ''یہ پوٹلی دنیا بھر کے ہیرے موتیوں سے زیادہ مہنگی ہے، اپنے جیون کی سب سے قیمتی پونجی تیرے پاس چھوڑنے آیا ہوں۔''

اس کی آنکھوں کے گوشوں سے حیرت جھانکنے لگی، جگہ تو مجھے بھی پسند آئی مگر اب سوال یہ تھا۔ پوٹلی دودکش کے سوراخ میں رکھی کیسے جائے، بونے شاستر دنے پوٹلی پکڑی۔ لالٹین اٹھا کے آتشدان کے ایک کونے میں رکھی اور اندر گھس گیا، پھر میں نے اسے کسی بندر کی طرح دودکش میں غائب ہوتے دیکھا، چندلمحوں بعد وہ پھر نمودار ہوا اور آتشدان سے نکلا تو سر کے بال، منہ اور کپڑے کالک، دھول، جالے سے آٹے پڑے تھے، باہر نکلتے ہی اس نے دونوں ہاتھ جھاڑ دیئے اور میں اس کی ہیئت کذائی پر ہنس دیا۔

''ہنسو نہیں پربھو! میرا بگڑا حلیہ تو ٹھیک ہو جائے گا مگر آپ کی امانت ایسی جگہ رکھ دی ہے جہاں میرے سوا کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔''

''اپنا حلیہ ٹھیک کرنا بھول نہ جانا کہیں۔''

''حلیہ تو ابھی ٹھیک کرلوں گا مگر لوگ دوسروں کے پاس اپنی امانتیں اس سمے رکھواتے ہیں جب کہیں باہر جارہے ہوں تو کیا آپ بھی کہیں جارہے ہو پربھو۔۔۔!''

''ہاں۔۔۔یہی بتانے آیا ہوں۔''

''کہاں جاؤں گے؟''

''جہاں جل پنا قیدی کردی گئی ہے۔'' اس پر جیسے گولی چل گئی، پھدک کر ایک قدم پیچھے ہٹا اور پریشان سا بولا۔

''کہاں قیدی کردی گئی ہے وہ؟''

''یہاں سے دور ایک پہاڑی خانقاہ میں۔'' پھر میں اسے بتانے لگا، تو جل پنا کے من کا تار نہ ہلا سکا مگر میں نے اس کا کھوج لگا لیا ہے اور کل پو پھٹنے سے پہلے باؤلی کے رستے ساؤ گاری سے نکل جاؤں گا ہوسکتا ہے واپسی میں دو تین دن لگ جائیں، کچھ اور بھی ہوسکتا ہے لیکن سروپ جی میرے بارے میں پوچھیں تو کچھ بتانا نہیں ہاں انہیں تسلی ضرور دینا کہ میں لوٹ آؤں گا تو کہہ سکتا ہے شاید میں رپا یا باٹی پارہ چلا گیا ہوں، بس اب میرے پاس زیادہ سمے نہیں، پیگو انتظار کررہا ہوگا میں لوٹوں تو وہ اوپر کا دروازہ بند کرے۔ اس لئے چلتا ہوں۔''

اور میں بونے شاستر وکو گرداب حیرت میں چھوڑ کر حجرے سے نکلا اور غلام گردش میں چلنے لگا۔

○

رات کے پچھلے پہر اچانک میری آنکھ یوں کھل گئی جیسے کسی الارم نے مجھے جگا دیا ہو، گھڑی دیکھی تو رات کے تین بج رہے تھے، میں نے بستر سے اٹھ کر تیار ہونے میں صرف چند منٹ لگائے پھر آہستہ سے دروازہ کھولا اور دبے پاؤں کھانے والے کمرے سے ہوتا زینے کی طرف بڑھا زینہ اتر کر ایک پل کے لئے گوچی ساؤ کے مجسمے کے پاس رکا پھر اسے پرنام کرتا راہداری سے گزرتا ڈیوڑھی سے نکلا اور ساؤ گاری کے چاروں طرف گوٹ کی مانند پھیلی غلام گردش میں ہولیا مگر اسی لمحے پچھمی جانب سے جدھر مجھے جانا تھا اندھیرے میں ایک گول مٹول سا سیاہ دھبہ حرکت کرتے دیکھ کر انہی قدموں پر ٹھٹک گیا۔ گول دھبہ میری طرف بڑھ رہا تھا، جب وہ تھوڑے فاصلے پر رہ گیا تو مدھم سی آواز سنائی دی جیسے ہوا ہولے سے سرسرا کر گزر جائے۔

''رک کیوں گئے پربھو!''

میری جان میں جان آئی۔ یہ بونا شاستر و تھا، میں نے دبے پاؤں آگے بڑھ کے سرگوشی کی۔

''ارے تو اس سمے یہاں کیا کررہا ہے؟''

''آپ کا انتظار۔۔۔''

میں دنگ رہ گیا۔۔۔ ''وہ کیوں؟''

''سوچا کہیں آپ رستہ نہ بھول جاؤ۔ میں باؤلی تک ساتھ ہی چلتا ہوں۔''

اوپر نیچے کی سب راہداریوں کے گھماؤ پھراؤ میرے ذہن میں تھے اس ڈیوڑھی پر تالا نہیں ڈالا گیا تھا جس کا دروازہ شمالی صحن میں کھلتا تھا تاکہ مجھے باہر نکلنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے مگر شاستر و میری رہنمائی کے لئے خود آ گیا تھا جس سے مجھے بڑا اسہارا مل گیا۔

ہم دونوں اندھیرے میں بھوتوں کی طرح چلتے، راہداریوں کی بھول بھلیاں عبور کرتے زینے چڑھتے اترتے شمالی ڈیوڑھی سے نکلے اور عقبی صحن کی لمبی پٹی سے گزرتے باؤلی پر پہنچے، ساؤ گاری کی پراسرار عمارت رات کے اندھیرے میں لپٹی تھی کالے آکاش پر ستاروں کے جھمکے اور تر نگل بہت آگے نکل گئے تھے، کوئی آواز نہ تھی، رات کے پچھلے پہر شاید شمالی ہوائیں بھی کہیں دبک کر سوگئی تھیں، ہم دونوں نے ہولے سے سرخ پتھروں کی باؤلی سے ایک چوبی تختہ ہٹایا اور میں ٹارچ لے کر باؤلی میں اترا تو شاستر و دھیرے سے بولا۔

''پربھو! جل پنا کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہے ہو بھگوان آپ کی رکھشا کرے۔''

''بھگوان ہی رکھشا کرے گا شاستر و! تو پرارتھنا کرنا۔''

''میں تو آج رات بھی پرارتھنا ہی کرتا رہا ہوں، ایک پل کے لئے نہیں سویا۔''

شاسترو کی آواز آنسوؤں میں بھیگ رہی تھی، ساتھ ہی اس نے ایک پوٹلی میری طرف بڑھائی۔ ''ارے یہ کیا ہے؟''

''سفر پر جا رہے ہو پربھو! اور بھوک سفر میں بھی لگتی ہے، میں نے تھوڑا سا بھوجن باندھ دیا ہے، رستے میں کھالینا۔''

میں نے پوٹلی پکڑی۔ شاسترو کا شکریہ ادا کیا اور ٹارچ کی روشنی میں باؤلی کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ پوری اکیس سیڑھیاں اتر کر تہہ میں پہنچا اور سرنگ کے دہانے پر روشنی کا دائرہ پھینکا۔ دہانے کا ایک پتھر کھلا تھا، میں جھک کر اسی راستے سرنگ میں داخل ہوا جو قریباً نصف فرلانگ لمبی اور اتنی اونچی تھی کہ آدمی بخوبی چل سکتا تھا، یہاں بھی فرش کے پتھروں کی درزوں میں گھاس اگ رہی تھی، میں روشنی میں اچھی طرح دیکھ بھال کے آگے بڑھتا رہا، سرنگ ایک چکردار گول زینے پر ختم ہوئی، زینے پر بھی چھت تھی مگر چھت میں ایک شگاف تھا اور اس شگاف سے آکاش کا ایک چھوٹا سا سیاہ ٹکڑا نظر آتا تھا جس پر دو تین ستارے جھلملا رہے تھے۔

میں نے چھت کے شگاف پر روشنی ڈالی تو گونگے مدایا کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ اوپر آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

اطمینان سے اوپر چڑھا اور شگاف سے باہر نکلا تو ساؤ گاری کی پچھلی فصیل کے پاس کھڑا تھا، میرے نکلتے ہی مدایا نے وہ بھاری پتھر چھت کے شگاف میں دوبارہ فٹ کر دیا جسے اٹھا کر اس نے میرے باہر نکلنے کا رستہ بنایا تھا۔

کھلی فضا میں سردی کا احساس ہوا، رتنا گری کی وادی پر جس کے چاروں طرف اونچے پربت اور گھنے جنگل تھے ابھی تک اندھیرا چھایا تھا، میں نے ایک بار پھر آکاش پر نظر ڈالی تو صبح کا ستارہ شُکر (زہرہ) پوربی پربت پر بڑی تیزی سے چمک رہا تھا۔

ہاتھ کے اشارے سے گونگے مدایا کی خیر خبر پوچھی تو اس نے ''سب ٹھیک ہے'' کا سگنل دیا اور یہاں سے ہمارا وہ سفر شروع ہو گیا جسے کانگنو کے آس پاس ختم ہونا تھا۔

○○○

(21)

بندی گھر

دھرتی اور پربتوں کی چھاتی سے ہلکی ہلکی دھند اٹھ رہی تھی، اسی دھند میں ہم اُتر کی طرف ہو لئے۔ سفر طویل نہ تھا مگر پہاڑی راستے بڑے کٹھن اور دشوار گزار تھے، شمالی پربتوں کا سلسلہ اٹھارہ ہزار فٹ بلند ہے، جن کے پیچھے وہ بیس ہزار فٹ اونچی چوٹیاں اور گھاٹیاں ہیں جو ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ برفانی ہواؤں میں ٹھٹھرتے اور پہاڑوں کے حاشیوں پر چلتے ہم دوپہر کے قریب کانگنو پہنچ گئے۔ کانگنو تبت اور آسام کے درمیان داخلے کا دروازہ ہے مگر ہم نے وہاں سے پچھم کا رخ کیا پھر ڈیڑھ دو گھنٹے بعد اس گھاٹی کی اوٹ میں تھے، جہاں سے درہ نما وادی میں پہاڑی خانقاہ اور اس کے اردگرد پتھر کے گھروندے تھے۔ میں نے اڑھائی تین سو فٹ نشیب میں واقع اس چھوٹی سی بستی کا بغور جائزہ لیا۔ آمنے سامنے بارہ تیرہ پتھر کے گھروندوں کی وجہ سے درمیان میں ایک گلی بن گئی تھی اور جہاں گلی ختم ہوتی تھی وہاں خانقاہ کا بڑا دروازہ تھا۔ یوں سمجھنا چاہئے یہ گھروندے دراصل خانقاہ کے حفاظتی حلقے تھے۔ اس وقت گلی خالی پڑی تھی مگر خانقاہ کے دروازے پر بیٹھا ایک قبائلی شاید اپنے جوتے کی مرمت کر رہا تھا، اس کے پاس ہی پہاڑی نسل کا ایک خونخوار سا کتا کھڑا دُم ہلا رہا تھا، بھیڑوں کا باڑا جو گلی شروع ہوتے ہی پوربی جانب نظر آیا خالی تھا۔ البتہ قریب ہی ایک چھوٹے سے اصطبل میں کچھ خچر اور گھوڑے تھے۔

ہم نے اسی گھاٹی کی اوٹ میں بیٹھ کر کھانا کھایا اور سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے، میرے ذہن میں ایک ترکیب تو یہ تھی کہ مدایا کو لے کر جو ساؤ گاری کے ساتوں گونگے بھکشوؤں میں پہلی حیثیت رکھتا تھا، سیدھا خانقاہ میں جاؤں اور سردار تھاپا سے کہوں کہ پروہت گنجال نے جل پنا کو واپس بلایا ہے شنکر بھی گونگے مدایا کو گنجال ہی کا ایلچی سمجھے گا مگر میری موجودگی اسے شک میں ڈال سکتی تھی، اگر اکیلا مدایا سردار تھاپا یا شنکر سے ملے تو شاید اس کی بات پر وشواس کر لیا جائے۔

دوسری ترکیب یہ تھی ہم دونوں چوری چھپے خانقاہ میں داخل ہوں اور تھاپا کے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر جل پنا کو چھڑا لائیں۔ مگر یہ ترکیب خطرناک تھی، ہم صرف دو اور خانقاہ کے اندرونی نقشے سے بھی واقف نہ تھے، یہ بھی علم نہ تھا اندر کتنے آدمی ہوں گے اور جل پنا

کو کہاں اور کس حال میں رکھا گیا ہے؟ اگر یہ خانقاہ واقعی ایک بندی گھر کی حیثیت رکھتی تھی تو اس کے پہرے دار خالی ہاتھ نہ ہوں گے اور ان سے مقابلہ بھی آسان نہ ہوگا۔

ابھی میں اسی شش و پنج میں تھا کہ درہ نما وادی سے قریباً نصف پون میل پورب کی جانب ایک چراگاہ میں بھیڑیں چرتی دکھائی دیں، ایک چرواہا تنہا ان کی دیکھ بھال کر رہا تھا اچانک ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور خیال آیا شاید چرواہے سے کچھ کام کی باتیں معلوم ہو سکیں۔ میں نے مدایا کو وہیں چھوڑا اور پورب کی طرف نشیب میں اترتا چلا گیا۔ چرواہے کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے سوچ لیا تھا کہ اپنے آپ کو بھولا بھٹکا اور بھوکا مسافر ظاہر کروں گا مگر جونہی میں چٹانوں کے حلقے سے نکل کر نشیبی چراگاہ میں داخل ہوا دور ایک کتا بھونکا، اس کی آواز پر چرواہے نے فوراً اپنی کمان اٹھائی ترکش سے تیر نکال کر چلہ کھینچا اور میرا نشان لیا میں فوراً جھکا اور کھڑا ہو کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے، ایک خونخوار پہاڑی کتا میری جانب بھاگا آ رہا تھا میں چلایا۔

''ارے روکو۔''

چرواہا میرے جھکنے اور ہاتھ جوڑنے سے سمجھ گیا تھا میں ایک بے ضرر مسافر ہوں۔ لباس سے بھی اجنبی لگ رہا تھا۔ اس نے کتے کو پکارا تو وہ نہ صرف رک گیا بلکہ بدلے ہوئے لہجے میں بھونکتا واپس ہو لیا، جیسے شکایت کر رہا ہو کہ اسے شکار پر حملہ کرنے سے کیوں روک دیا گیا ہے۔

میں ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ چرواہے نے کمان دوسرے ہاتھ میں تھام لی اور مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اس نے کتے کو پکڑ لیا تھا۔ میں ہولے ہولے چلتا قریب پہنچا تو بری طرح چونکا، چرواہے کے روپ میں ایک جوان خوش شکل قبائلی لڑکی میرے سامنے کھڑی تھی، میں اندازہ نہ لگا سکا، وہ آسامی، تبتی، بھوٹانی یا نیپالی ہے۔ ہمالیہ کے ان پربتوں پر کہیں کہیں جو قبیلے رہتے ہیں وہ اپنے رہن سہن، لباس، رنگ روپ اور ناک نقشے میں ایک سے ہیں صرف زبان یا لہجے سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔

میں نے لڑکی کو اور اس نے مجھے حیرت اور دلچسپی کی ملی جلی نظروں سے دیکھا، چند لمحے ہم ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر میں آسام کی قبائلی زبان میں بتانے لگا۔

''میں ایک مسافر ہوں، رستہ بھول گیا ہوں۔''

وہ نہ صرف میری بات سمجھ گئی بلکہ اسی زبان میں بولی۔

''کہاں جاؤ گے؟''

''ریا...''

''ریا یہاں سے پورے دو دن کی مسافت پر ہے اور تم کانگٹو کے آس پاس پھر رہے ہو۔''

''کانگٹو... پھر تو مر گئے۔'' میں نے سر پکڑ لیا۔

مجھے پریشان دیکھ کر کہنے لگی۔ ''چنتا نہ کرو۔ میں تمہیں اپنی بستی میں لے چلتی ہوں۔ رات وہاں ٹھہرو سویرے چلے جانا۔''

یہ سن کر میں نے خوف کا اظہار کیا۔ اس نے پوچھا۔

''کیا ہماری بستی میں ٹھہرنے سے ڈرتے ہو؟''

''سنا ہے ادھر ایک قبیلہ بھولے بھٹکے مسافروں کو لوٹ لیتا یا اپنا بندی بنا لیتا ہے۔''

میں نے ہوا میں تیر چلایا تھا مگر وہ نشانے پر جا بیٹھا۔ لڑکی کچھ پریشان ہو گئی۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا میرا اندیشہ غلط نہیں۔ اسے مجھ سے کچھ ہمدردی ہو گئی تھی بولی۔

''جب میں تمہارے ساتھ ہوں گی تو کوئی تمہاری طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکے گا، میرا بابو بڑا سخت ہے۔''

''کون ہے تمہارا بابو؟''

''تھاپا بہادر...... بستی کا سردار۔''

میں بری طرح چونکا کہ تھاپا بہادر کی لڑکی ہے اور وہ سمجھی میں ڈر گیا ہوں، غالباً سوچ رہی تھی کہ میری مدد کس طرح کر سکتی ہے۔ میں نے کہا۔

''تم بستی کے باہر کوئی جگہ بتاؤ جہاں میں رات بسر کر سکوں۔''

لڑکی سوچ میں پڑ گئی۔ ''ایک جگہ ہے تو سہی مگر رات کیسے کاٹو گے تمہارے پاس کوئی کمبل نہیں اور نہ وہاں لکڑیاں ہوں گی کہ جلا کر تاپ سکو۔ رات بڑی ٹھنڈ ہوتی ہے یہاں۔''

''چنتا نہ کرو، میرا اوور کوٹ بڑا گرم ہے۔ بس تم رات کاٹنے کی جگہ دکھا دو۔''

''آؤ میرے ساتھ۔''

میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ کتا دم ہلاتا ہمارے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ چلتے چلتے مجھے لڑکی کی تعریف سوجھی۔ ''تم بہت اچھی ہو۔''

اس کی نظریں میرے چہرے پر پھسل گئیں پھر شرما کے بولی۔ ''تم بہت اچھے ہو۔''

مجھے معاملہ دلچسپ نظر آیا۔ سوچا اگر لڑکی پر تھوڑی سی توجہ دوں تو شاید کام آ سکے۔ ''نام کیا ہے تمہارا۔''

''بانکی۔'' اس نے مسکرا کے جواب دیا۔

''بڑا سندر نام ہے۔''

''تمہیں اچھا لگا میرا نام؟''

''ہاں من کو بھاتا ہے۔''

''اور تمہارا......''

"مجھے پردیسی کہہ لو۔"

"پردیسی نام نہیں ہوتا۔ اصل نام بتاؤ۔"

"تھارو کیشپ۔"

اس کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔ "میں تمہیں پردیسی تھارو کہوں گی۔"

میں بھی اس کی طرف دیکھ کے مسکرایا۔ جوانی کی شراب اس کے جسم میں دوڑ رہی تھی، وہ اپنے ہی نشے میں چور درہ نما وادی کے شمالی گوشے کی طرف بڑھتی رہی اور مجھے ایک غار نما گھروندے میں لے آئی، میں نے غور سے دیکھا۔

"واہ...... یہ تو ایک پہاڑی گھر ہے۔ صرف اس کا دروازہ نہیں۔"

"کبھی دروازہ بھی تھا۔" وہ میری طرف گھوم گئی۔ "ذرا اندھیرا ہو جائے تو میں تمہارے لئے کھانا اور کمبل لے آؤں گی۔"

معاملہ کچھ اور آگے بڑھا یقیناً وہ مجھ میں دلچسپی لے رہی تھی اچانک میں نے کہا۔

"بانکی! اگر کوئی پردیسی تم سے پیار کرنے لگے تو......؟"

وہ کانپ گئی اور خوفزدہ لہجے میں بولی۔ "تھاپا بہادر اسے جان سے مار دے گا۔"

پھر وہ بتانے لگی۔ "تین برس پہلے یہاں ایک پردیسی ٹھہرا تھا جو تمہاری طرح رستہ بھول گیا۔ میری بڑی بہن رنگی اسے ملنے لگی پردیسی کو اس سے پیار ہو گیا تھا مگر ایک رات تھاپا بہادر نے دونوں کو ملتے دیکھ لیا۔ اس نے پردیسی کو رنگی کے سامنے مار ڈالا، گھر کا دروازہ اکھاڑ کے پھینک دیا اور لڑکی کو گھسیٹتا لے گیا۔ وہ بے چاری پردیسی کے غم میں مر گئی، تب سے اس گھر کا دروازہ نہیں لگا اور یہ خالی پڑا ہے۔" یہ کہتے کہتے وہ غمگین ہو گئی۔

"اور آج تم مجھے یہاں لے آئی ہو۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا مگر نہ میں بڑھا نہ وہ آگے آئی اور اس طرح ہمارے درمیان ایک فاصلہ قائم رہا پھر ہم آگے پیچھے بے دروازے کے اس گھر سے نکلے۔ میں نے ضروری سمجھا کہ اسے مدایا کی موجودگی سے بھی آگاہ کر دوں۔

"میرا ایک ساتھی بھی ہے مگر بول نہیں سکتا بے چارہ۔"

بانکی کے چہرے پر ایک سایہ سا گزر گیا۔ "میں صرف ایک آدمی کا کھانا اور کمبل لا سکتی ہوں۔"

"ہم دونوں ایک ہی کھانے اور ایک ہی کمبل میں گزر کر لیں گے۔"

وہ کچھ بولی نہیں اور چراگاہ کی طرف چلنے لگی۔ اس نے کتے کو اشارہ کیا تو وہ بھیڑوں کے پیچھے بھاگا اور بھونکتا انہیں اکٹھا کرنے لگا۔ پھر بانکی نے انہیں بستی کی طرف ہانک دیا اور

میں چٹانوں کی آڑ لیتا گھاٹی چڑھنے لگا۔

مدایا نے مجھے چرواہی کے ساتھ دیکھ لیا تھا میں نے بتایا۔ "وہ تھاپا کی بیٹی ہے، اس نے رات گزارنے کے لئے ایک جگہ دکھائی ہے اگر کہو تو وہیں چلیں؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ہم گھاٹی سے اتر کر اس غار نما گھروندے میں آ گئے، جو بستی کے شمال مشرقی گوشے میں ایک چٹان میں واقع تھا مگر آس پاس کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ اس چٹان کے پیچھے دس بارہ فٹ چوڑی اور پچاس ساٹھ فٹ گہری ایک بھیانک کھائی دور تک چلی گئی ہے جو ایک خندق کی طرح خانقاہ اور بستی کے عقب سے گزر رہی تھی۔ عقبی دیوار میں جو کسی فصیل کی مانند اونچی تھی کافی بلندی پر صرف ایک سلاخ دار موکھا نظر آیا جو روشنی اور ہوا کے لئے رکھا گیا تھا، یہ گہری کھائی پورب کی جانب سو ڈیڑھ سو قدم کے فاصلے پر ختم ہوتی تھی، جہاں اونٹ کے کوہان کی طرح کچھ بے ترتیب ٹیلے کھڑے تھے، یہ سب کچھ دیکھ کر ہم غار نما گھروندے میں واپس آئے تو میں نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہم پچھلی جانب سے خانقاہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔"

مگر مدایا نے اشاروں سے بتایا کہ اندر جانے کے لئے اسی جانب سے کوشش کرنا بہتر ہو گی، پھر اس نے گیروے جبے کے نیچے سے مضبوط اور موٹی ریشمی رسی کے تین گچھے نکال کے میرے سامنے رکھ دیئے، ہر گچھے کی رسی اٹھارہ بیس فٹ لمبی تھی اور دو رسیوں کے سروں پر فولاد کے آدھ آدھ انچ موٹے کنڈے بندھے تھے۔ یہ سب دیکھ کر میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ مدایا ایک مضبوط کمند ساتھ لے کر آیا تھا، میں نے اشارہ کیا کہ وہ گچھے ابھی اپنے چولے کے نیچے ہی چھپا کے رکھے مبادا بانکی دیکھ لے۔

میں اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا مگر وہ ابھی تک نہیں آئی تھی اور میں سوچ رہا تھا، آئے گی یا نہیں؟ اگر وہ نہیں آتی تو ہمیں اس گھروندے کو چھوڑ کر دوسرا ٹھکانہ ڈھونڈنا تھا کیونکہ ہم بڑی آسانی سے پکڑے جا سکتے تھے۔ شام ہولے ہولے رات میں ڈھل رہی تھی جب باہر پیروں کی چاپ ابھری اور ساتھ ہی بانکی کی سرگوشی سنائی دی۔

"پردیسی ..... تھارو......"

"اندر آ جاؤ بانکی!" میں اٹھ کر کھلے دروازے کی طرف بڑھا۔

"کہاں ہو تم؟" ایک تنہا سایہ اندر داخل ہوا۔

میں نے ٹارچ روشن کی، بانکی نے میرے ساتھ گونگے بھکشو کو بھی دیکھا پھر کھانا اور کمبل میری طرف بڑھا کے بولی۔

"شام کو تھاپا بہادر کا ایک مہمان آ گیا، دونوں بھوجن کر کے ابھی ابھی خانقاہ میں گئے تو مجھے

آنے کا سے ملا، کمبل تو ایک ہی ہے پر کھانا تم دونوں کے لئے لائی ہوں۔"

میں دونوں چیزیں مدایا کے سامنے رکھ کر بانکی کی طرف پلٹا۔

"تمہاری اس دَیا کا بدلہ نہیں دے سکتا بانکی!"

"یہ سب کسی بدلے کے لئے نہیں ہے" پھر اس نے ٹارچ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ دِیا بتی تو بجھا دو کوئی دیکھ نہ لے۔"

میں نے ٹارچ بند کر دی اور غار نما گھروندے میں یک لخت اندھیرا چھا گیا، اس اندھیرے میں بانکی ذرا میرے قریب کھسک آئی اور دھیرے سے بولی۔ "کیا تمہارا ساتھی بالکل گونگا ہے؟"

"ہاں" میں نے جوان قبائلی جسم کی قربت محسوس کی تو اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے چھڑایا نہیں، اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر میں نے وہ ہاتھ چوم لیا، بانکی کا سانس تیز تیز چلنے لگا، میں نے دوسرا ہاتھ بڑھا کے اسے ساتھ لگا لیا۔ وہ کسمسائی مگر پیچھے نہیں ہٹی، میرے ساتھ لگی رہی پھر بولی۔

"یہ گھر خانقاہ سے دور نہیں پر رات کو ادھر آتا کوئی نہیں، تم باہر نکلو تو بتی نہ جلانا۔"

"کیوں......؟" میری انگلیاں اس کے گالوں کو چھو رہی تھیں۔

"خانقاہ کی پچھلی دیوار میں ہوا کا موکھا ہے کسی نے اس موکھے سے بتی کی چمک دیکھ لی تو کام بگڑ جائے گا۔

"کیا خانقاہ میں رات کو بھی پہرے دار ہوتے ہیں۔"

"صرف دو تین پہرے دار ہوتے ہیں دیکھ بھال کے لئے۔"

میں نے یہ نہیں پوچھا، وہ کس کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور کہاں......

"پھر تو بتی ہرگز نہیں جلاؤں گا۔"

"اب میں جاتی ہوں، سویرے آؤں گی۔"

میں اس کے ساتھ ہی باہر آ گیا اور ایک جھٹکے سے پھر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ہولے سے کہنے لگی۔

"یہ کیا کرتے ہو پردیسی! سویرے تم چلے جاؤ گے۔"

اس کی آواز اتنی مدھم تھی جیسے اپنے آپ سے ڈر رہی ہو، میں نے پوچھا۔

"تم کتنے دن چھپا سکتی ہو ہمیں؟"

"بس ایک، دو دن"

تمہارا پیار دو دن کے لئے بھی مل جائے تو جیون کا سپنا پورا ہو جائے گا۔"

وہ مسکرائی۔ "اب جانے دو۔ سویرے بتاؤں گی آ کر۔"

پھر میرے بازوؤں سے نکلی اور اندھیرے میں ایک طرف بھاگتی چلی گئی، میں نے اس کے دل میں پریم کی جوت جلا دی تھی، اب تھاپا بہادر کی لڑکی میرے کام آ سکتی تھی۔

اندر آ کر مدایا کے ساتھ کھانا کھایا پھر کمر سیدھی کرنے کے لئے فرش پر لیٹ گیا، بانکی کی اطلاع بڑی اہم تھی کہ رات کو خانقاہ میں صرف دو آدمی ہوتے ہیں میں ان سے نمٹنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ بارہ بجے تو کمبل وہیں چھوڑ دیا اور ہم دونوں باہر نکلے باہر بلا کی سردی اور اونچے پربتوں کا پرہول سناٹا تھا یا پھر دھرتی اور آکاش کے درمیان ٹھہرا، سہما ہوا چپ چاپ اندھیرا، اس سے یہ خطرہ نہیں تھا کوئی ہمیں دیکھ لے گا۔ اس لئے کبھی کبھی ٹارچ کی روشنی کرتے اور پورب کی طرف اونچے نیچے ٹیلوں کے بیچ سے گزر کر ہم پھر پچھم کو مڑے اور گہری بھیانک کھائی کے دوسرے کنارے پہنچے۔ مدایا نے رسی کے تینوں گچھوں کو اکٹھا کر کے مضبوط گرہیں لگا دی تھیں۔ میں نے خانقاہ کی عقبی دیوار پر اسی طرح روشنی ڈالی کہ ہوا کے لکھے سے وہ اندر نہ جا سکے۔ مدایا نے کمند کا فولادی کنڈا گھما کر موکھے پر پھینکا جو کھائی کے اوپر سے اڑتا ہوا نشانے پر پڑا لیکن دیوار سے ٹکرا کر کھائی میں گرا دوسری بار بھی یہی ہوا مگر تیسری بار فولادی کنڈا موکھے کی سلاخ میں پھنس گیا، مدایا نے رسی کو کھینچ کر دو جھٹکے دیئے پھر کمند کے ساتھ جھولتا بھیانک کھائی سے گزرتا خانقاہ کی عقبی دیوار سے جا لگا اپنے پاؤں دیوار پر ٹکاتا کمند کے سہارے آہستہ آہستہ موکھے تک پہنچا اور موکھے کی سلاخوں کو پکڑ کر چھت پر چڑھ گیا۔

یہ کام انتہائی خطرناک تھا، اگر کمند ٹوٹ جاتی، کنڈا موکھے کی سلاخ سے اچٹ جاتا یا رسّی ہاتھ سے چھوٹ جاتی تو مدایا سیدھا موت کی گہری کھائی میں گرتا مگر وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ان مرحلوں سے گزرا، خانقاہ کی چھت پر پہنچ کے اس نے کمند کا کنڈا گھما کر میری طرف پھینکا، جسے میں نے پہلی ہی کوشش میں دبوچ لیا اور مدایا کی طرح کھائی کے اوپر جھولتا خانقاہ کی دیوار پر پاؤں لگاتا موکھے تک اور وہاں سے چھت پر جا پہنچا۔ چھت پر ایک اور موکھا تھا جس کی دو زنگ خوردہ سلاخیں توڑنے میں کچھ مشکل پیش آئی مگر ہم نے یہ کام بھی بڑی ہمت اور خاموشی کے ساتھ پورا کیا، پھر کمند دیوار کے موکھے سے اتار کر بڑی آہستگی سے چھت کے موکھے میں لٹکا دی گئی اور ہم باری باری خانقاہ کے ایک کمرے میں اتر گئے جو اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ اندر گھمبیر خاموشی تھی شاید پہرے دار سو رہے تھے۔ اب ہمیں اس کمرے سے نکلنا اور یہ معلوم کرنا تھا کہ جل پنا کہاں قید ہے، ابھی میں نے ٹارچ نکالنے کے لئے اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ اندھیرے میں کہیں ایک کھٹکا ہوا پھر آناً فاناً بڑے دھماکے سے کمرے کا دروازہ کھلا اور مشعل کی روشنی میں چار قبائلی تیز نوکیلے بھالے اٹھائے عفریتوں کی طرح اندر داخل ہوئے۔

یہ سب کچھ اتنی جلد ہو گیا کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی حرکت نہ کر سکا اور بھالوں کی نوکیں ہمارے جسموں سے آلگیں۔

ابھی حیرت کا یہ لمحہ دور نہ ہوا تھا کہ نیزہ بردار پہرے داروں کے ساتھ ہی پروہت گنجال اور شنکر ایک قبائلی سردار کے پیچھے پیچھے جس کے ہاتھ میں بندوق تھی، کمرے میں پہنچ گئے غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہی سردار تھاپا بہادر تھا اور بانکی نے جس مہمان کے آنے کی خبر دی تھی وہ پراسرار گنجال ہی تھا جسے یوں ایکا ایکی آتے دیکھ کر ہم پر سکتہ سا گزر گیا۔ پروہت گنجال کی سانپ کی سی آنکھیں مجھ پر ٹک گئیں پھر وہ اپنے روایتی پرسکون انداز میں بولا۔

''کیشپ جی! آپ ایسے بودھ گیانی کو چوروں کی طرح چھت پھاڑ کر رسّی کے سہارے کمرے میں اترتا دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا، اگر آپ دروازہ کھٹکھٹاتے تو تھاپا بہادر آپ کے لئے خانقاہ کا دروازہ کھول دیتا۔''

طنز کے زہر میں بجھے ہوئے یہ الفاظ میرا کلیجہ کاٹ گئے، اگرچہ بولنے کی کوئی گنجائش نہ رہ گئی تھی پھر بھی جواب تو مجھے دینا تھا اور یہ تھا میرا جواب۔

''مجھے بھی ساؤ گاری کے دھرماتما پروہت کو لٹیروں کے سرغنے کے روپ میں یہاں دیکھ کر کچھ کم حیرت نہیں ہوئی۔''

''اس کے سکون میں کوئی تبدیلی نہ آئی وہ اسی لہجے میں مخاطب ہوا۔

کیشپ جی! آپ یہاں بھی میرا ابھیمان کر رہے ہیں، یہ بات ٹھیک نہیں، آپ اور میں اس سمے یہاں کیوں ہیں؟ یہ میں بتائے دیتا ہوں۔'' پھر وہ مدایا کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔

''میں جانتا تھا مدایا ساؤ گاری سے نکل کر کیا کرے گا، اس نے وہی کچھ کیا جس کی مجھے توقع تھی، یہ آپ کو لے کر یہاں پہنچ گیا تو مجھے بھی پیچھے پیچھے آنا پڑا، آپ نے ساؤ گاری کے مندر میں ایک بار مجھ سے کایا پلٹھا کے بارے میں پوچھا تھا تو بتاتا ہوں کہ یہی مدایا چند برسوں پہلے ایک برمی زمیندار کو دریائے چن وِن کے ایک جھونپڑے سے اٹھا لایا تھا پر مدایا کی چوٹ سے وہ مر گیا تو یہ اسی رات لاش دریا کنارے پھینک آیا۔ وہ برمی کایا پلٹھا ہی تھا اور مدایا آج بھی اپنے آپ کو اس کا قاتل سمجھتا ہے، اگر یہ ساؤ گاری ہی میں رہ کر اپنے پاپ کا پرائشچت کرتا تو اچھا تھا، کیوں مدایا! میں نے کوئی بات جھوٹ تو نہیں کہی؟''

گونگے مدایا کی گردن جھک گئی تھی، میں برمی کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ پہلے بھی سن چکا تھا۔ مگر یہ انکشاف لرزہ خیز تھا کہ وہی کایا پلٹھا تھا۔ اب گنجال مجھ سے کہنے لگا۔

''کیشپ جی! میں نے آپ کو بہت سمجھایا کہ بھگوان کی نرتکی سے پریم آپ کے جیون کا ناش کر دے گا، پر آپ نہیں سمجھے۔ اب بھی اگر مجھے وشواش دلائیں کہ آپ ایسی بھول پھر نہیں

کریں گے اور جل پنا سے کوئی سمبندھ نہ رکھیں گے تو آپ کو بڑی عزت کے ساتھ ساؤ گاری واپس بھیج دیا جائے گا۔''

میں نے دوٹوک جواب دیا۔

''پروہت گنجال! مجھے افسوس ہے میں نے تمہارا مشورہ نہ پہلے مانا تھا، نہ اب مانوں گا۔''

اس کے لہجے میں ذرا تبدیلی آ گئی۔ ''پھر مجھے بھی افسوس ہے تم یہاں سے باہر نہیں نکل سکو گے۔''

''تو کون ہوتا ہے مجھے روکنے والا؟''

گنجال کے اندر کسی سانپ نے لہر لی اور وہ ایک بار پھر اپنی کینچلی اتار کے بولا۔

''جو آدمی میری بات نہیں مانتا اس کا جیون نشٹ ہو جاتا ہے۔'' پھر اس نے قبائلی سردار سے کہا۔ ''تھاپا بہادر! اس ہٹیلے اور نادان پریمی کو ذرا نیچے والی کوٹھری دکھاؤ۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹا۔ تھاپا نے دو پہریداروں کو اشارہ کیا جنہوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا اور پروہت گنجال کے پیچھے چلے، تھاپا بہادر خود بندوق اٹھائے میرے عقب میں تھا۔ یہ بھی بتا دوں ہم ہوا کے موکھے سے خانقاہ کے جس کمرے میں اترے اس میں کوئی مورتی تھی نہ پوجا پاٹ کا سامان۔ بلکہ خانقاہ کا ایک رہائشی کمرہ تھا، شنکر دو پہریداروں اور مدایا سمیت وہیں رک گیا۔ میں جب کمرے سے نکلا تو اپنے عقب میں مدایا کی ایک بھیانک چیخ سن کر لرز گیا۔

دروازے سے نکلتے ہی مشعل بردار ایک تنگ سی راہداری میں ہو لیا جو بل کھا کر ایک بوسیدہ زینے پر ختم ہو گئی۔ مشعل کی روشنی میں گنجال میرے پہریدار میں اور تھاپا آگے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگے جو جگہ جگہ سے ٹوٹی پھوٹی تھیں، یوں لگتا تھا ہم کسی گہرے کنویں میں اتر رہے ہیں۔ پیچ کھاتی سیڑھیاں ختم ہونے میں نہ آتی۔ میری عادت ہے کہ کوئی زینہ چڑھتے اترتے اس کی سیڑھیاں گنتا رہتا ہوں تو پوری پچاس سیڑھیاں اترنے کے بعد ہم کالے پتھروں کی ایک کوٹھری میں پہنچے اور گنجال نے حکم دیا۔

''قیدی کا چہرہ دکھاؤ۔''

اس کوٹھری کے ایک دروازے پر موٹا تالا پڑا تھا۔ تھاپا بہادر نے آگے بڑھ کر تالے میں چابی گھمائی اور دونوں پٹ کھول دیئے تو کوٹھری کے اندر ایک اور کوٹھری نظر آئی جس کا دروازہ لوہے کی سلاخوں کا تھا۔ سلاخوں کے پیچھے مشعل کی روشنی ایک قیدی کے چہرے پر تھرتھرائی اور داڑھی مونچھوں کے بے ہنگم بالوں نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا، بدن پر غلیظ چیتھڑے جھول رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا اسے مہینوں یا شاید سالوں سے نہلایا نہیں گیا۔ وہ ہمیں حیرت پاش نظروں سے دیکھتا سلاخیں تھام کے کھڑا ہو گیا۔

گنجال کے حکم پر دونوں پہرے دار مجھے اس بدنصیب قیدی کے قریب لے آئے جس کی آنکھوں میں حرماں نصیبی کی بجھی راکھ کے سوا کچھ نہ تھا، پروہت گنجال اس کی بدبختی پر ایک نظر ڈال کے مجھ سے کہنے لگا۔

''ساؤ گاری کے مندر میں تم نے کایا پتھا کے بارے میں دوسری بار پوچھا تھا اور میں بھی دوسری بار جواب دے رہا ہوں کہ تم اس سے دکامتی کے زمیندار کایا پتھا کے سامنے کھڑے ہو۔''

یہ الفاظ میرے کانوں میں کسی بم کی طرح پھٹے۔ ذہن میں ایک ساتھ بیسیوں چیخوں کا شور اٹھا اور ایک زبردست بینگ کے ساتھ مجھ پر سکتہ سا چھا گیا، میں پھٹی پھٹی، ساکت آنکھوں سے اس بدنصیب قیدی کو دیکھنے لگا۔

''مگر تم نے کہا تھا کایا پتھا کو مدایا نے مار ڈالا تھا۔''

گنجال نے زہر آلود لہجے میں جواب دیا۔

''مدایا کا یہی وچار ہے، جل پنا بھی یہی سمجھتی ہے کہ اس کا باپ مر چکا کیونکہ کایا پتھا کی ارتھی دکامتی کے شمشان میں جلا دی گئی تھی مگر میں جس آدمی سے انتقام لیتا ہوں اسے زندہ رکھتا ہوں اور رانت کال (جان کنی) کی حالت میں ڈال دیتا ہوں، وہ لاش جو دریائے چن ون کے کنارے پھینکی گئی کسی اور آدمی کی تھی جس کا چہرہ بگاڑ کر کایا پتھا کے کپڑے پہنا دیئے گئے تھے۔ اصل کایا پتھا کو میں نے یہاں بھجوا دیا تھا، جو کئی برس سے اس کوٹھڑی میں اپنا جیون بھوگ رہا ہے۔''

میں گنجال کی اس سنگدلی پر دم بخود رہ گیا، وہ کہہ رہا تھا۔

''کایا پتھا نے میرا کہا نہیں مانا، تم نے بھی نہیں مانا۔'' پھر وہ قیدی سے مخاطب ہوا جو حیرت زدہ ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ''کایا پتھا! یہ تمہاری بیٹی جل پنا کا پریمی تھارو کیشپ ہے اسے سمجھاؤ کہ بھگوان کی نرتکی کا پیچھا چھوڑ دے۔''

''تھارو...... کیشپ......'' کایا پتھا کے ہونٹ پھڑ پھڑائے، ذہن ماضی کے اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا، پھر وہ بری طرح لرزنے کانپنے لگا اور اس کے پورے وجود پر ایک بھونچال سا طاری ہو گیا، وہ مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا، اسی اثناء میں تھاپا بہادر نے لوہے کا جنگلا کھولا اور مجھے کایا پتھا کی کوٹھڑی میں دھکیل کر اسے پھر مقفل کر دیا۔ گویا کایا پتھا کی طرح مجھ پر بھی بیرونی دنیا کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب پروہت گنجال انتہائی خطرناک لہجے میں بولا۔

''تھارو کیشپ! تم بھگوان کی ایک مورتی کا کھوج لگانے ساؤ گاری آئے تھے، پریم کی لیلا رچانے نہیں، تم نے میری بات ٹھکرا دی اب یہاں بیٹھے جل پنا کے نام کی مالا جپتے رہو۔ میں

برس دو برس بعد تمہاری خبر لینے آتا رہوں گا۔''

یہ کہہ کر گنجال، تھاپا اور پہرے داروں کے ساتھ پلٹا اور کوٹھڑی کا چوبی دروازہ بند کر دیا گیا جس سے ہم دنوں قبر جیسے گہرے اندھیرے میں ڈوب گئے۔ کایا پتھا مجھے کندھوں سے پکڑے کہہ رہا تھا۔

''کیا تم رنگامتی میں رہنے والے چکرورتی سہائے کے بھتیجے تھارو کیشپ ہو؟''

''ہاں......''

''چندر بالا کی بہن کسم بالا ابھی جیتی ہے یا......''

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں اسی کی بچھڑی آتما کو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔''

''میرے بھگوان......''

وہ کسی گہرے غم میں ڈوب گیا مگر اس کی باتوں کے حوالوں نے اس امر کی تصدیق کر دی تھی کہ وہ کایا پتھا ہے اور اس کی طرح اب میں بھی گنجال کا قیدی تھا۔



پروہت گنجال، تھاپا بہادر اور پہرے داروں کے جاتے ہی خانقاہ کی اس زیر زمین کوٹھڑی میں گھور اندھیرا چھا گیا، جہاں مجھے کایا پتھا کے ساتھ قید کر دیا گیا تھا۔ یہ اندھیرا میرے اندر بھی تھا اور باہر بھی۔ جس طرح اس بند کوٹھڑی میں کوئی کھڑکی، کوئی موکھا اور کوئی درز بھی ایسی نہ تھی جہاں سے اُجالے کی کوئی بھولی بھٹکی کرن اندر آ سکتی اسی طرح میرے دل و دماغ کی کھڑکیاں بھی جیسے کسی نے بند کر دی تھیں اور اندر باہر جانب تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اس احساس نے ذہن ماؤف کر دیا تھا کہ میں گنجال کے خطرناک جال میں پھنس گیا ہوں اور اب شاید کبھی سورج نہ دیکھ سکوں گا۔

یہ احساس کایا پتھا کی طویل اسیری سے پیدا ہوا جو کم و بیش پانچ برس سے اس بندی گھر میں گرفتار بلا اور بدترین حالت کو پہنچ چکا تھا، اسے ایک نظر دیکھ لینے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ اپنے ہوش و حواس کھو چکا یا ابھی اس میں سوچنے سمجھنے کی قوت باقی ہے اس کی ظاہری حالت کسی پاگل بھکاری کی سی تھی جس کے گندے جسم پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔

خانقاہ کی یہ کال کوٹھڑی جہاں پہنچنے کے لئے پوری پچاس سیڑھیاں اترنا پڑی تھیں، وادی کی سطح سے قریباً 38-40 فٹ نیچے گویا ناف زمیں میں واقع تھی اور یہاں سے کوئی آواز نہ تو اوپر جا سکتی تھی نہ اوپر سے نیچے آ سکتی تھی کیونکہ مہیب کنوئیں کی سی گہرائی کے علاوہ بیچ میں بند دروازے حائل تھے۔ کچھ دیر پہلے جب گنجال کے حکم پر مجھے اس کوٹھڑی کے بدنصیب قیدی کا چہرہ دکھایا گیا تو میں نے مشعل کی روشنی میں اس کے سیلے، سیاہ مگر مضبوط پتھروں کی چنائی سے

بھانپ لیا تھا کہ انہیں توڑ کر فرار ہونا کسی آدمی کے بس کی بات نہیں۔ یہ ایک بھیانک قید خانہ تھا بلکہ اس کال کوٹھڑی کو ''زندہ مردے'' کی قبر کہنا زیادہ مناسب ہوگا جو بطن زمین میں اُتری ہوئی اور اہرام مصر کی مانند خوف انگیز تھی جنہیں لاشیں رکھنے کے بعد چاروں طرف سے بند کر دیا جاتا تھا۔

اصل میں یہ ایک گہری اور اندھیری قبر ہی تھی جہاں کایا پلٹھا کو پانچ برس سے مسلسل عذاب دیا جا رہا تھا۔ اسی ''عذاب قبر'' نے اس کے جسم اور چہرے کا حلیہ بگاڑ دیا نہ جانے وہ کس جرم کی سزا بھگت رہا تھا؟ دنیا کے ساتھ اس کی اپنی بیٹی بھی یہی سمجھتی تھی وہ مر چکا اور اس کی ارتھی حکامتی کے شمشان میں جلائی جا چکی ہے مگر کایا پلٹھا مہذب دنیا سے کوسوں دور اس پہاڑی خانقاہ میں زندہ درگور تھا اور اب مجھے بھی اندھیری قبر میں اس کا حصے دار بنا دیا گیا تھا۔

کوئی شخص جو اس قسم کے غیر معمولی حالات سے نہ گزرا ہو میری پریشانی اور چنتا کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اچانک گرفتاری اور اسیری سے میرے اعصاب بری طرح جھنجھنا اٹھے تھے اور کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

ساؤ گاری سے روانہ ہوتے سمے خطرے کا احساس تو ضرور تھا مگر یہ نہیں سوچا تھا جل پنا کو رہا کرانے کی مہم میری اپنی گرفتاری پر ختم ہوگی۔ اس بات پر بھی دھیان نہیں دیا تھا کہ پہاڑی خانقاہ کسی ظالم زمیندار کے نجی بندی گھر سے کہیں زیادہ خوفناک اور بھیانک ہوگی جسے دیکھتے ہی جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، بعض کہانیوں میں پرائیویٹ جیلوں کا لرزہ خیز حال پڑھا تھا مگر یہ زیر زمین کال کوٹھڑی ان سے زیادہ خوفناک تھی میں حیران تھا قیدی یہاں زندہ کیسے رہتا تھا۔

پروہت گنجال میرے تصور سے بڑھ کر خطرناک اور وحشی نکلا تھا جس کے نئے روپ نے مجھے دہلا دیا۔ میں اپنی بے وقوفی یا بدقسمتی پر حیران بھی تھا اور کڑھ بھی رہا تھا کہ خود اس کے بنائے ہوئے بل میں آ گھسا ہوں جہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

میری طرح کایا پلٹھا بھی خاموش اور چپ چاپ بیٹھا تھا غالباً یہ جان لینے کے بعد کہ میں اس کی بے سہارا بیٹی کا پریمی اور اسی کو ڈھونڈتا ہوا اس مصیبت میں آ پھنسا ہوں۔ اس کے ہونٹوں کو چپ لگ گئی تھی، اس نے مجھ سے رنگامتی اور چکرورتی چاچا کے بارے میں پوچھا اور یہ بھی سمجھ گیا تھا میں اس کا کیا لگتا ہوں اسی تعلق سے شاید میری اسیری کے صدمے نے اسے گم صم کر دیا کیونکہ اس کال کوٹھڑی میں داخل ہونے کے بعد باہر کی دنیا سے میرا سمبندھ ٹوٹ گیا تھا۔ اب میں یہاں سے نکل سکتا تھا، نہ جل پنا کی کوئی مدد کر سکتا تھا جو اسی خانقاہ کے کسی کمرے میں ''ناچ بھگتی'' کا چلہ کاٹ رہی تھی۔

میں نے سوچا کایا پلٹھا من ہی من میں اپنے اور میرے نصیبوں کو کوس رہا ہوگا اور اندر ہی

اندر کسی شکستہ کھنڈر کی طرح ٹوٹ پھوٹ رہا ہوگا، ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار اور ایک ہی کوٹھڑی کے بندی تھے، وہ اس فضا میں سانس لینے اور جینے کا عادی تھا جب کہ اندھیرے اور گھٹن سے میرا دل گھبرا رہا تھا، ڈوب رہا تھا، نیچے ہی نیچے، میرا آج کا سارا دن سفر اور بھاگ دوڑ میں گزرا تھا، ایک پل کے لئے بھی چین نہ ملا پھر کمند کے ذریعے کھائی پھلانگنے، عقبی دیوار چڑھنے اور چھت کے موکھے کی آہنی سلاخیں اکھاڑ کے خانقاہ کے کمرے میں اترنے سے جسم پھوڑے کی طرح دُکھنے لگا تھا، خیال آیا تھکاوٹ اور رتجگے سے دل گھبرانے لگا ہے اگر کچھ دیر سو لوں تو جسم کی تھکن کے ساتھ من کی بے کلی دور ہو جائے گی پھر کچھ سوچ بھی سکوں گا۔

کہتے ہیں نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے لیکن آج رات اس ''گور غریباں'' میں جہاں تقدیر نے مجھے دھکیل دیا اس کا گزر شاید ممکن نہ تھا کیونکہ آنکھوں کے دوار چوپٹ کھلے تھے اور خوف کی ایک ٹھنڈی ٹھنڈی لہر پورے شریر میں دوڑتی پھرتی تھی۔

آدمی کو کتنا ہی گہرا صدمہ کیوں نہ پہنچے اس کی فطرت کا اصول یہ ہے کہ کسی سے دو باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، مجھے اور کایا پلٹھا کو بھی اپنے دکھ بانٹنے کی ضرورت تھی، سوچا نیند تو آئے گی نہیں کیوں نہ باتیں کر کے رات کاٹی جائے ویسے بھی میں کایا پلٹھا کی قید کا کارن جاننا چاہتا تھا کہ پروہت گنجال اس سے کس بات کا بدلہ لے رہا ہے میں نے اس کا نام لے کر آواز دی۔

''کایا پلٹھا......! کیا سوچ رہے ہو؟''

اندھیرے میں کچھ فاصلے پر اس کا وجود ایک کالے دھبے کی مانند نظر آتا تھا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے پھر کہا۔

''چپ کیوں ہو گئے، کچھ بولو نا۔''

پھر جواب نہ آیا پھر پوچھا۔

''کیا سو گئے؟''

میں خود حیران تھا کوئی آدمی اتنی جلدی سو کس طرح سکتا ہے ابھی تین چار منٹ پہلے وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا مگر اس کی مسلسل چپ نے مجھے پریشان کر دیا، میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے جھنجھوڑنے اور جگانے کی کوشش کی۔

''کایا پلٹھا......! کیا میری بات کا جواب بھی نہیں دو گے؟''

میرا ہاتھ لگتے ہی وہ بستر پر ڈھے گیا۔ میں چونکا اور گھبرا کے اس کی طرف جھپٹا، اندھیرے میں ٹٹول کر پکڑا تو شریر کسی مردے کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا جس میں جیون کی کوئی گرمی نہ تھی۔ میرے ہوش اڑ گئے، میں چلایا۔

''کایاپلتھا... کایاپلتھا......!''

مگر بولتا کون؟ میں اس خیال سے کانپ اٹھا کہ شاید مر گیا ہے پھر کلائی پکڑی اور نبض ڈھونڈنے لگا، پل دو پل تو کچھ پتہ نہ چلا کہ نبض چل رہی ہے یا بند ہو گئی، ہر آن چنتا بڑھ رہی تھی کہ میری انگلی کے نیچے جیسے کوئی چیونٹی سی رینگتی، سرسراتی محسوس ہوئی، اس کے جسم میں جیون کی لہر ہولے ہولے ڈوب رہی تھی، مجھے ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔

اب اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا کہ اس نے مجھے پہچان لیا اور میری اسیری کا دکھ برداشت نہ کر سکا تھا۔ اس خیال سے اس کے دل کو اچانک صدمہ پہنچا تھا کہ اس کی طرح میں بھی زرگ کے کنوئیں میں آ گرا ہوں اور اب یہیں ایڑیاں رگڑتا رہوں گا، اسی صدمے نے اس کے ہوش و حواس چھین لئے اور وہ مردے کی طرح ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

ایک ایسے آدمی کا مرنا جسے لوگ برسوں سے مردہ سمجھ رہے تھے جسے میں نے غیر متوقع طور پر زندہ دیکھ لیا تھا، میرے لئے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا وہ اس بے بسی اور بے کسی کی موت مرے مگر اس کال کوٹھڑی میں جہاں ہوا اور اجالے کا بھی گزر نہ تھا میرے پاس اس کے فوری علاج کے لئے کچھ نہ تھا، گھبراہٹ سے میرے اپنے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے، پھر بھی ہمت کر کے اندھیرے میں جلد جلد اس کی ہتھیلیاں سہلانے لگا، ساتھ ساتھ من ہی من میں پرارتھنا بھی کرتا رہا کہ اے بھگوان! اگر تو نے مجھے ایک ایسے بدنصیب آدمی سے ملا دیا ہے جو دنیا کے لئے مر چکا ہے تو پھر اسے یوں نہ مرنے دے اور میرے لئے جیتا رکھ۔

شاید یہ میری پرارتھنا کا اثر تھا جو دل سے نکلی تھی یا ہاتھ سہلانے کا نتیجہ اس کے مردہ جسم میں حرکت پیدا ہوئی، میں نے جلدی سے نبض ٹٹولی تو کسی کیچوے کی طرح ہولے ہولے سرکنے لگی مگر جسم ابھی تک ٹھنڈا تھا مجھے کچھ حوصلہ ہوا، اب میں نے ماتھا سہلایا، کانوں کی لویں مسلیں پھر ہاتھوں سے ٹھنڈے ٹھار پاؤں رگڑنے لگا حتیٰ کہ رگڑ سے میرے ہاتھ جل اٹھے۔ اس طرح کایا پلتھا کے شریر میں جیون کی گرمی لوٹ آئی اور اس کے حلق سے ایک دلخراش سی آہ نکلی۔

کوئی اور وقت ہوتا تو یہ ٹھنڈی، دکھ بھری آہ سن کر جو اس کی ستم رسیدہ زندگی کا بڑا ہی المناک اور مختصر سانوحہ تھا، میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہوتا مگر اس سے یہی دکھ بھری سسکی سن کر میں خوشی کے مارے اچھل گیا کیونکہ یہ سسکی یا آہ سرد اس کے جیون کا ثبوت تھی، میں نے پاؤں سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''کایاپلتھا......! کیا تمہیں ہوش آ گیا، میری بات سمجھ رہے ہو؟''

''ہاں......!'' اس نے بڑی مدھم آواز میں جواب دیا۔

''بھگوان کا شکر ہے۔''

''اگر تم نہ ہوتے تو مر جاتا اور شاید اچھا ہوتا۔''

یہ کہہ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر میں نے اٹھنے نہیں دیا۔

''ابھی لیٹے رہو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

''آرام......'' اس نے پھر ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ ''یہ لفظ میں نے برسوں کے بعد سنا ہے مگر اس کے معنی اب بھول چکا ہوں۔''

''غم نہ کرو۔'' میں اسے تسلی دینے لگا۔ ''تم نے دکھ بھوگے ہیں، سکھ بھی پاؤ گے۔''

''سکھ میرے لئے اس جیون میں نہیں۔''

یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی اور اس نے پھر چپ سادھ لی جیسے کسی بھنور میں ڈوب رہا ہوں میں ڈرا کہ کہیں دوبارہ ہوش نہ کھو بیٹھے۔ اس نے اتنے دکھ اٹھائے تھے کہ سکھ کا تصور ہی بھول گیا۔ اب اس کے دل میں جینے کی تمنا تھی، مرنے کا خوف نہ تھا مگر میں چاہتا تھا وہ زندہ رہے اور ایک بار پھر اپنی بیٹی کو دیکھ لے اور اس سے چپ رہنے کی بجائے کچھ نہ کچھ بولتا رہے کیونکہ اندھیرے میں جو موت کی طرح کالا اور بھیانک تھا، صرف بات چیت ہی زندگی کی علامت تھی، وہ مجھے اور میں اسے دیکھ نہ سکتا تھا ہمارے درمیان آواز ہی جیون کا رابطہ تھا، میں نے کہا۔

''تم چپ کیوں ہو گئے، کچھ بولتے رہو نا۔''

اندھیرے میں صرف ایک سسکی سنائی دی اور ایسی جگر خراش تھی وہ سسکی کہ میں پریشان ہو گیا۔ اسے دیکھنے کی حسرت دوچند ہو گئی، اچانک خیال آیا میں بھی کیسا احمق ہوں، میرے اوور کوٹ کی جیب میں ٹارچ موجود ہے اور میں روشنی کے لئے ترس رہا ہوں، مدایا بھکشو اور میری گرفتاری کے بعد نہ ہماری تلاشی لی گئی نہ کوئی چیز چھینی گئی، جب پروہت گنجال کے اشارے پر مجھے کایاپلتھا کی کوٹھری میں دھکیل کر باہر تالا ڈال دیا گیا تب بھی کسی نے تلاشی کی ضرورت نہ سمجھی۔ ہو سکتا ہے تھاپا اور اس کے قبائلی پہرے داروں کو خیال ہی نہ آیا ہو کہ میرے پاس کچھ ایسی چیزیں بھی ہو سکتی ہیں جنہیں کسی قیدی کے پاس نہیں رہنے دیا جاتا یا پھر اس 38-40 فٹ گہرے کنوئیں میں کسی بھی شے کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

کچھ بھی سہی اس خیال سے من کو ایک عجیب سی ڈھارس ملی کہ میری چیزیں چھینی نہیں گئیں، جیب میں ہاتھ ڈال کر فوراً ٹارچ نکالی اور روشنی کا دائرہ کایاپلتھا کے چہرے پر پھینکا، وہ اچانک روشنی دیکھ کر بری طرح چونکا، میں بھی دنگ رہ گیا، اس کے چہرہ کپاس کے پھول کی مانند زرد ہو رہا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں وہ رو رہا تھا مگر ان آنسوؤں کے علاوہ میں نے اس کی آنکھوں میں بدبختی کی ایک ایسی پرچھائیں بھی دیکھی جو کسی ویران اور شکستہ کھنڈر کا

نصیب بن جاتی ہے۔کایا پلٹتھا بھی ایک ٹوٹا پھوٹا ویران کھنڈر ہی تھا۔

ناگہاں تیز روشنی دیکھ کر اس نے ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور حیرت زدہ سا بولا۔

''ارے تمہارے پاس بیٹری ہے؟''

''ہاں......ساتھ لے کر آیا تھا۔''

''پہرے داروں نے چھینی نہیں؟''

''شاید جلدی میں بھول گئے۔''

''ذرا اسے بند کرو۔''

میں نے ٹارچ بند کر دی اور وہ اٹھ کر کالی دیوار کے سہارے بیٹھ گیا۔

کایا پلٹتھا کی ظاہری حالت دیکھ کر گمان ہوتا تھا اس کوٹھری میں قید کی سختیاں سہہ سہہ کر پاگل ہو چکا ہے مگر اس کی دماغی حالت بالکل ٹھیک تھی، البتہ اپنی رہائش سے نراش اور جیون سے بیزار تھا۔اس کے نزدیک مرنے جینے میں کوئی فرق نہیں تھا۔ایک خاص بات جس کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں یہ تھی کہ ہمارے درمیان ساری بات چیت بنگلہ بھاشا میں ہوئی۔برمی ہونے کے باوجود وہ بنگلہ بڑی روانی سے بولتا تھا۔

چند لمحے عجیب سی خاموشی میں گزر گئے، غالباً وہ اپنی بھیگی پلکیں پونچھتا اور خود کو سنبھالتا رہا پھر کہنے لگا۔''تم نے اپنا نام تھاروکیشپ بتایا تھا نا؟''

''ہاں۔''میں سوچنے لگا شاید وہ مجھ سے جل پنا کے بارے میں پوچھے گا کہ میں اسے کیسے جانتا ہوں، کب اور کہاں ملا تھا مگر اس نے جو کچھ پوچھا وہ میری توقع سے زیادہ حیران کن تھا۔

''تھاروکیشپ! جانتے ہو میں تمہارا کیا لگتا ہوں؟''

میں چونکا سوچا اسی سے سنوں۔''کیا لگتے ہو؟''

وہ اپنائیت کے لہجے میں بولا۔''تمہاری ایک موسی تھی چندر بالا، میں اس کا پتی ہوں۔تم بہت چھوٹے تھے جب وہ میرے ساتھ برما چلی گئی مگر جس دن جل پنا نے جنم لیا اسی دن چندر بالا ہمیشہ کے لئے مجھ سے روٹھ گئی وہ چاہتی تھی اگر اس کے ہاں بیٹی ہوئی تو اس کا بیاہ تمہارے ساتھ کرے گی، وہ بہت چاہتی تھی تمہیں لیکن اسے سورگ باش ہوئے سترہ برس ہو چکے ہیں۔''

تو یہ تھا کایا پلٹتھا جو کچھ بھولا نہ تھا، اس ہولناک قید نے اس کی ظاہری حالت بگاڑ دی مگر ذہن سے ماضی کی یادیں محو نہ کر سکی تھی، وہ رشتے ناتوں کو سمجھتا، مجھے میرے نام سے پہچانتا اور یہی اس بات کا ثبوت تھا کہ ابھی مرا نہیں، اندر سے جیتا جاگتا ہے، اب ضروری تھا کہ میں بھی اسے کچھ بتاؤں، کچھ کہوں تا کہ اس کے من میں جیون کی تڑپ اور اس بندی گھر سے نکلنے کی لگن پیدا ہو مگر سوچ رہا تھا، بات شروع کہاں سے کروں، نہ جانے اس نے میری چپ سے کیا نتیجہ

اخذ کیا، پریشان سا ہو کے کہنے لگا۔

''کیا تمہیں میری بات پر وشواس نہیں کہ میں رشتے میں تمہارا موسا ہوں؟''

مجھے اپنی بات کا آغاز مل گیا۔''میں جانتا ہوں تم میرے کون ہو اور جل پنا میری کیا لگتی ہے مگر سنا تھا موسی چندر بالا کے سورگ باش ہونے کے بعد تم بھی پرلوک سدھار چکے ہو اور جل پنا اس دنیا میں اکیلی ہے، جب مجھے پتہ چلا وہ پروہت گنجال کے پراسرار جال میں پھنس گئی ہے اور اسے ساؤ گاری سے نکال کر اس پہاڑی خانقاہ میں قید کر دیا گیا ہے تو اس کی تلاش میں نکلا اور اس کال کوٹھڑی میں پہنچ گیا جہاں جل پنا تو نہیں ملی، تم مل گئے۔''

''مگر تمہیں جل پنا کا پتہ کیسے چلا اور کس نے بتایا کہ تمہارا اس سے کوئی ناتا ہے؟''

میں نے کوٹ کی جیب سے جو اوورکوٹ کے نیچے پہن رکھا تھا، وہ تصویر نکالی جو پہلے سروپ جی کو دکھا چکا تھا، دراصل جب میں اپنے گھر سے ساؤ گاری کے لئے روانہ ہوا تو یہ تصویر جل پنا کو دکھانے کے لئے ساتھ لے آیا تھا تا کہ وہ جان لے کہ ہمارا آپس میں کیا سمبندھ ہے، اب وہی تصویر ٹارچ کی روشنی میں کایا پلٹتھا کے سامنے کر دی۔

''یہ دیکھو۔میں اپنے رشتے ناتے جیب میں لئے پھرتا ہوں۔''

تصویر دیکھتے ہی وہ حیرت اور خوشی کے مارے اچھل پڑا۔

''یہ تو چندر بالا اور جیجی کسم بالا کی تصویر ہے، اس کی ایک کاپی تمہاری موسی کے پاس بھی تھی۔''

''اسی تصویر سے مجھے پتہ چلا تھا کہ جل پنا سے میرا کیا ناتا ہے، کیونکہ اس نے ہو بہو اپنی ماں کی شکل پائی ہے۔''

وہ چند لمحے تصویر کو بڑی دلچسپی سے دیکھتا رہا پھر اچانک کایا موسا نے ٹارچ میرے ہاتھ سے لے لی، روشنی میں میرا چہرہ بڑے غور سے دیکھنے لگا اور بولا۔

''میں نے آج سے پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا مگر چندر بالا اکثر تمہارا نام لیتی اور تمہیں یاد کر کے رویا کرتی تھی، اس نے تمہیں گود میں کھلایا اور تمہاری پرورش کے لئے اسپتال میں نوکری کر لی تھی۔اگر جیجا جی تمہیں اس کی گود سے چھین نہ لیتے، اس سے خفا نہ ہوتے تو وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ برما لے جاتی، پر بھگوان کو کچھ اور ہی منظور تھا، وہ چل بسی اور میرا گھر اجڑ گیا۔مجھے میری بیٹی سے، میری دھرتی سے، ہوا سے، روشنی سے محروم کر کے اس کال کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا۔''

یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔بدنصیبی کایا پلٹتھا کے روپ میں میرے سامنے کھڑی تھی، یہ وہ آدمی تھا جو موت کے اندھیروں میں جی رہا تھا، اس کے آنسو

دیکھ کر میری آتما کانپ گئی، اچانک اس نے ٹارچ میرے حوالے کر دی۔

''اسے سنبھال کے رکھو اور سیل ضائع نہ کرو، اس اندھیرے مقبرے میں ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے کبھی کبھی ہمیں روشنی کی ضرورت ہوگی۔''

میں نے ٹارچ بند کر دی اور تصویر جیب میں رکھ لی، اچانک وہ پریشان سا ہو کر بولا۔

''مجھے ڈر ہے کہیں وہ بیٹری تم سے چھین نہ لیں۔''

''مگر میرے پاس تو کچھ اور بھی ہے۔''

''اور کیا ہے؟''

میں نے اپنی کمر سے بندھا ہوا خنجر نکالا اور ٹارچ کی روشنی میں اسے دکھایا اس نے حیرت اور کسی اچنبھے کا اظہار نہیں کیا۔

''کچھ اور بھی ہے؟''

میں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ویسٹرن کی گھڑی اور ہیرے کی یہ انگوٹھی ہے، جیب میں کچھ نقدی بھی ہوگی۔''

''خنجر بے کار ہے مگر بیٹری روشنی دیتی، گھڑی وقت بتاتی اور نقدی یا ہیرے کی انگوٹھی کسی پہریدار کی وفاداری خرید سکتی ہے۔ یہ چیزیں کہیں چھپا دو، کام آئیں گی۔ مگر ٹھہرو......'' وہ اِدھر اُدھر پاگلوں کی طرح دیکھ کر کہنے لگا۔ ''یہاں تو انہیں چھپانے کی کوئی جگہ نہیں۔''

میں نے ٹارچ کی روشنی میں کوٹھڑی کی سپاٹ دیواروں کو دیکھا جو سیاہ رنگ کے پتھر کی بھاری سلوں سے تعمیر کی گئی تھیں، چھت اونچی تھی جس کے شہتیر اور کڑیوں تک رسائی ناممکن تھی، یہ مہیب قید خانہ یا تہہ خانہ کسی روشن دان یا ہوا کے موکھے سے بھی محروم تھا۔ عقبی دیوار میں فرش زمین سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا چوبی کواڑ نظر آیا، جیسے کسی ڈربے کا تختہ ہو، جونہی روشنی اس پر پڑی کایا پلٹتھا بتانے لگا۔

''یہ پیشاب گاہ کا راستہ ہے۔''

کواڑ دو فٹ اونچا اور دو فٹ ہی چوڑا تھا، میں نے حیرت سے پوچھا۔

''اِس رستے سے گزرتے کیسے ہو؟''

''چوپاؤں کی طرح اپنے ہاتھ اور گھٹنے فرش پر ٹیک کر چلنا یا رینگنا پڑتا ہے۔''

اس نے بند کواڑ کھول دیا اور بوتھنوں سے ٹکرائی پیچھے ایک چھوٹا سا ڈربہ نما حجرہ تھا جسے اس کوٹھڑی کے قیدی کا بیت الخلاء کہنا چاہئے۔ میں اسے بھی دیکھ لینا چاہتا تھا، ہم دونوں گھوڑی بن کے آگے پیچھے اس کواڑ سے گزرے اور بیت الخلا میں داخل ہوئے، یہ ایک مستطیل ڈربہ تھا جس کی لمبائی تو کوٹھڑی کے برابر لیکن چوڑائی ایک گز سے زیادہ نہ تھی، یہاں بھی کوئی ہوا دان یا

موکھا نہیں تھا۔ بائیں کونے کی جانب فرش میں ایک چھوٹا سا گول سوراخ جس کا قطر چھ انچ ہوگا کہیں نیچے ہی نیچے چلا گیا اور سوراخ کے راستے جس کی گہرائی کا اندازہ مشکل تھا، بول و براز کہیں نیچے جا گرتا تھا۔ اسی سوراخ سے بدبودار ہوا اس ڈربے میں داخل ہوتی اور کواڑ کھلنے پر کال کوٹھڑی تک پہنچتی تھی، رفع حاجت کے بعد صفائی کے لئے ٹین کا ایک چھوٹا سا زنگ آلود ڈبہ پڑا تھا، جس میں مشکل سے آدھا گلاس پانی بھر سکتا تھا۔

یہ تھا اس بھیانک تہہ خانے کے قیدی کا بیت الخلا۔ کایا پلٹتھا نے بتایا۔ ''دو وقت کے کھانے کے ساتھ پینے کا جو تھوڑا سا پانی ملتا ہے اسی سے چند گھونٹ رفع حاجت کے لئے بچا لیتا ہوں ہاتھ، منہ دھونے کے لئے پانی نہیں ملتا۔ نہانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مجھے نہائے پانچ برس ہو گئے ہیں۔''

میں اس اذیت ناک، ذلیل عذاب کا ذکر سن کر کانپ اٹھا، اس بندی گھر میں قیدی کو تازہ ہوا، روشنی اور جسم کی صفائی تک سے محروم کر کے جانوروں سے بھی بدتر بنا دیا گیا تھا۔ یہ کوئی قانونی جیل خانہ نہیں تھا جہاں قیدی کو کوئی انسانی سہولت مل سکتی۔ ایک نجی قبائلی بندی گھر تھا جس میں کسی مصیبت زدہ کو بند کر دینے کا مطلب ہی جیون کی ساری راحتیں چھین کر اسے بدترین اذیت دینا اور یہ احساس دلانا تھا کہ وہ جانوروں سے بھی کم حیثیت رکھتا ہے۔ جانوروں کو چارہ پانی کے ساتھ کھلی ہوا، روشنی اور نیلے آکاش کے نیچے جینے کے بہت سے سامان حاصل ہوتے ہیں مگر بطن زمین کے اس خوفناک تہہ خانے کا قیدی ان ساری چیزوں سے محروم تھا اور اب کایا پلٹتھا کے ساتھ مجھے بھی یہ اذیت ناک عذاب بھوگنا تھا مگر اس سمے ان باتوں پر سوچ بچار کرنے کی فرصت نہ تھی، میں تو اپنی چیزیں چھپانے کے لئے جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔

کایا پلٹتھا کی طرح اب یہ خیال مجھے بھی پریشان کرنے لگا تھا کہ اگر تھاپا بہادر کے آدمی میری جامہ تلاشی لینا بھول گئے ہیں تو ہو سکتا ہے، وہ سویرے ہی کوٹھڑی میں آ دھمکیں اور یہ چیزیں چھین کر لے جائیں۔ ان کی آمد سے پہلے انہیں کسی جگہ محفوظ کر دینا ضروری تھا مگر اس ڈربے میں بھی کوئی ایسی جگہ نہ مل سکی۔

چاروں طرف سے مایوس ہو کر مجھے اس گول سوراخ کا خیال آیا جو بول و براز نیچے گرنے کے لئے بنایا گیا تھا، میں نے ناک پر رومال رکھا اور ٹارچ کی روشنی میں جھک کر دیکھنے لگا اس کے اندر کہیں کوئی کھڈا یا موری ہو جہاں کہیں چھپایا جا سکے مگر وہ تو بے انداز گہرا، پائپ کی طرح سیدھا اور کوئی بیس فٹ نیچے جا کر کچھ ٹیڑھا ہو گیا تھا، اس گندے سوراخ سے چونکہ ہوا اوپر آ رہی تھی اس لئے ضرور اس کا نچلا دہانہ کسی خلا میں واقع تھا ممکن ہے نیچے کوئی بہت بڑا گڑھا ہو، جہاں غلاظت گرتی تھی مگر 38-40 فٹ گہرے تہہ خانے کے نیچے کسی گڑھے کا تصور بڑا عجیب

تھا۔ ناگہاں خیال آیا کہیں اس بیت الخلا کی پچھلی دیوار اس گہری کھائی کے کنارے پر تو نہیں اٹھائی گئی جسے میں اور مدایا کجھشو کمند کے ذریعے پھلانگ کر خانقاہ کی چھت پر چڑھے تھے؟

میرے ذہن نے اس خیال کی تائید کی، گویا ہم اس وقت ایک ایسی کوٹھڑی میں تھے جس کی عقبی دیوار گہری کھائی میں اتری ہوئی تھی اور اس خیال کے آتے ہی تہہ خانے کی ہولناکی کا تصور کچھ اور بھیانک ہو گیا کیونکہ کھائی سو فٹ سے کم گہری نہ تھی۔

بیت الخلا کے سوراخ سے ہٹ کر میں نے فرش کو پاؤں سے ٹھوک ٹھوک کر دیکھا تو ایک سل کچھ ڈھیلی لگی۔ میں نے ٹارچ کایا پنتھا کو پکڑا کے وہیں بیٹھ گیا اور خنجر کی نوک سے اس کی درزوں میں بھرا ریت ملا سخت چونا اکھاڑنے لگا۔ پندرہ بیس منٹ کی لگاتار محنت کے بعد وہ بھاری سل اکھاڑ ڈالی۔ نیچے سخت پتھریلی مٹی کی تہہ تھی جسے خنجر کی نوک سے کاٹ کاٹ کر بیت الخلا کے سوراخ سے نیچے پھینکتا چلا گیا اور ایک چھوٹا سا گڑھا کھود لیا۔ پھر خنجر، گھڑی، انگوٹھی، نقدی اور ٹارچ کاغذ میں لپیٹ کر جو میرے کوٹ کی جیب میں موجود تھا، سب چیزیں گڑھے میں دبا دیں اوپر پتھر کی سل رکھی اور اس کی درزوں کو پتھریلی مٹی اور اکھڑے ہوئے چونے سے بھر کے ہموار کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر ہم نے اندھیرے میں اس ڈربے کا کواڑ ٹٹولا اور چوپاؤں کی طرح آگے پیچھے چلتے وہاں سے نکلے، کوٹھڑی میں آتے ہی میں نے کایا پنتھا کے جسم پر جھولتے گندے چیتھڑے اتروا دیئے اور اپنی قمیض پہننے کو دی مگر اس نے قمیض نہیں لی۔

”قمیض میں نے پہن لی تو تم کیا پہنو گے؟“

”میرے پاس بنیان ہے۔“

”بنیان مجھے دے دو۔“

بنیان کے ساتھ چھوٹا کوٹ بھی اسے پہنا دیا جس سے اس کا حلیہ بدل گیا اور جسم بھی گرم ہوا، اس برفانی علاقے میں سردی کے باوجود اگر وہ ٹھنڈ سے بچا رہا تو وجہ غالباً یہ تھی کہ پانچ برس کے دوران اس کے جسم پر میل کی کئی تہیں جم گئیں اور مسام بند ہو گئے تھے۔

میرے اندازے کے مطابق اب صبح کا تڑکا ہونے والا تھا اگر اس بستی میں کوئی مرغ تھا تو ضرور اس نے بانگ دی ہو گی مگر اس زیرِ زمین تہہ خانے میں نہ تو ہم روشنی دیکھ سکتے، نہ باہر کی کوئی آواز سن سکتے تھے، یہ سوچ کر نہ جانے دن کو یہاں کیا حالات پیش آئیں ہم تھوڑی دیر کے لئے سو جانا چاہتے تھے، کایا پنتھا نے بتایا۔

”دوپہر کے کھانے سے پہلے اس کنویں میں کوئی نہیں اترتا۔“

اس بندی گھر میں یہ میری پہلی رات تھی، رتجگے اور جسمانی مشقت سے شریر تھکن سے چور

ہو رہا تھا، ٹھنڈے فرش پر لیٹے لیٹے میں ان واقعات پر غور کرنے لگا جو اس کال کوٹھڑی میں پہنچنے تک پیش آئے تھے، پھر نہ جانے کب نیند آئی اور کب میں سو گیا۔

○

آنکھ اس وقت کھلی جب کوٹھڑی کا بیرونی دروازہ کھلا اور ایک نامعلوم سا ملگجا اجالا اندر لپکا۔ کوٹھڑی کا پہریدار دوپہر کا کھانا دینے آیا تھا۔

کایا پنتھا کبھی کا بیدار ہو چکا تھا مگر اس نے مجھے نہیں جگایا تاکہ اپنی نیند پوری کر لوں۔ میں دروازے کا کھٹکا سن کر جاگا اور اٹھ کے بیٹھ گیا، پہرے دار نے لوہے کی سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر رات کا خالی برتن اٹھا لیا اور کایا پنتھا کے ساتھ میرا کھانا بھی اندر رکھ دیا۔ روٹیاں دو تھیں ایک کایا اور دوسری میرے لئے مگر پیلے رنگ کی پتلی دال کا کٹورا ایک ہی تھا۔ وہ دال کا کٹورا اندر رکھ چکا تو میں نے بڑی پھرتی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر میری گرفت مضبوط تھی وہ ہکا بکا سا مجھے دیکھنے لگا۔ کایا پنتھا بھی دم بخود تھا کہ ایکا ایکی مجھے کیا ہو گیا ہے؟

میں آسام کی قبائلی زبان میں جو آسام اور تبت کی سرحد پر کانگنو کے آس پاس بولی جاتی ہے بولا۔ ”تم تھاپا بہادر کے آدمی ہو یا پروہت گنجال کے؟“

”پروہت جی ہم سب کے گورو ہیں۔“

”تو پھر جا کر اس سے کہہ دو کہ وہ جیت گیا میں ہار گیا مگر اس بندی گھر میں وہ میرے ساتھ جانوروں کا سا سلوک نہیں کر سکتا۔“

پہرے دار حیرت وششدر رہ گیا، میں نے اس کی حیرت میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔

”پروہت گنجال کو میرا سندیس دو کہ میں کھانے سے پہلے نہانا چاہتا ہوں، نہانے کے لئے پانی بھجوا دے۔“

پہرے دار کی آنکھوں میں حیرت نے ایک اور کروٹ لی، یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے میری دماغی حالت پر شبہ ہو، میں نے پوچھا۔

”میرا سندیس پہنچا دو گے نا؟“

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”پہنچا دوں گا۔“

میں نے ہاتھ چھوڑ دیا اور قبائلی پہرے دار آہنی جنگلے کے باہر والی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا چھوڑ کر تیزی سے پلٹا اور تہہ خانے کی سیڑھیاں پھلانگتا اوپر بھاگ گیا۔

مجھے وقت کا ٹھیک اندازہ نہ ہو سکا، کایا نے بتایا تھا کہ کھانا دو بار دیا جاتا ہے، دن کو بارہ بجے اور رات کو آٹھ بجے تو اس وقت بارہ بج چکے تھے اور شاید پروہت گنجال بھی بھوجن کر رہا ہو گا۔

کایاپلٹھا کسی پنچھی کی طرح سہما بیٹھا تھا کہنے لگا۔

''تم نے گنجال کو سندیس بھیج کر اچھا نہیں کیا۔''

میں نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی اور کھانا دیکھ کے حیران رہ گیا۔ مٹی کے ایک گندے پیالے میں جسے شاید کبھی دھویا نہیں گیا تھا، پیلا پیلا رنگ دار پانی بھرا تھا اور اس پیلے پانی کے اندر کہیں دال کے چند دانے پیالے کی تہہ میں بیٹھے تھے، روٹی اٹھا کر دیکھی تو نہ جانے کون سے آٹے کی تھی بلکہ وہ آٹا تھا ہی نہیں، ایک لقمہ توڑ کر چکھا تو تھوہر کی طرح کسیلا اور کڑوا لگا۔ کایا سے پوچھا۔

''کیا یہی روٹی ملتی ہے یہاں؟''

''نہیں۔ رات کے کھانے میں بھات ملتا ہے، پیچ کی کڑی ہوتی ہے مگر نہ روٹی سے پیٹ بھرتا ہے اور نہ بھات سے۔''

ابھی اس نے بات ختم کی تھی کہ سیڑھیوں پر آہٹ سنائی دی مگر یہ کئی قدموں کی ملی جلی آہٹ تھی۔ چند ہی لمحوں بعد پروہت گنجال اور تھاپا بہادر آگے پیچھے زینہ اترتے نظر آئے۔ ان کے پیچھے تین پہرے دار تھے۔ انہیں دیکھتے ہی کایاپلٹھا کچی ٹہنی کی طرح کانپ گیا کیونکہ تھاپا بہادر کے ہاتھ میں بندوق کی بجائے چمڑے کا ایک ہنٹر تھا۔

پروہت گنجال بیرونی کوٹھری میں داخل ہوا اور اپنے مخصوص انداز میں چلتا آہنی جنگلے کے پاس آ کر رک گیا۔ میں نے اسے اس نے مجھے دیکھا اور بولا۔

''کیشپ جی! میں یہاں سے ساؤ گاری لوٹنے ہی والا تھا کہ آپ کا سندیس ملا جبھی سیوا کے لئے حاضر ہو گیا ہوں آپ نے مجھے ہار جیت کا کہلوا بھیجا ہے میں تو نہیں جانتا کہ ہار کیا ہے، جیت کیا ہے، آپ بھی اس بات کو بھول جائیں۔''

''پروہت گنجال......! تم نے مجھے اپنا بندی بنایا ہے یہ تمہاری جیت ہے۔''

''میں نے آپ کو بندی نہیں بنایا۔''

''پھر میں کس کے حکم پر قید میں ہوں؟''

میری آواز اونچی تھی مگر اس کا لہجہ نرم تھا۔

''دھیرے کیشپ جی ذرا دھیرے، یہاں آپ میرے نہیں، تھاپا بہادر کے بندی ہیں کیونکہ تھاپا اس بستی کا مالک ہے اور آپ چوروں کی طرح چھت کے راستے خانقاہ میں گھسے تھے۔''

''مگر تھاپا بہادر کو مجھ سے کیا بیر ہو سکتا ہے؟ جھگڑا تو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔''

''میں نے بول دیا نا کہ آپ تھاپا کے بندی ہیں، میرے نہیں۔ پھر بھی آپ کی بات سننا چاہتا ہوں، کہیے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟''

''مجھے یہاں سے نکل جانے دو۔''

''اگر ایسا نہ ہو سکے تو؟''

''تو بات بہت آگے بڑھ جائے گی اور اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''میں تو آپ کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ کرتا رہا ہوں کیشپ جی! آپ ایک بودھ گیانی ہیں اور میں آپ جیسے گیانیوں کا سیوک ہوں۔ پرنتو! آپ ہی مجھ سے الجھتے اور جھگڑتے رہے ہیں. پھر بھی آ گیا دیکھئے، اب آپ کیسا برتاؤ چاہتے ہیں؟''

اس کی میٹھی باتوں اور زہر آلود لہجے سے میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ اپنی شرط منوائے بغیر مجھے رہا کرنے پر آمادہ نہیں، سوچا بحث بے کار ہے اور یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔

''نہانے کے لئے پانی مانگا تھا۔''

گنجال نے ایک نظر تھاپا پر ڈالی پھر جواب دیا۔

''تھاپا بہادر اپنے کسی بندی کو نہانے کی آگیا نہیں دیتا، ویسے بھی پوری پچاس سیڑھیاں اتر کر یہاں پانی لانا کوئی سہل کام نہیں پھر بھی میں تھاپا سے کہوں گا، وہ آپ کے نہانے کا پربندھ کر دے۔''

اسی لمحے تھاپا نے آگے بڑھ کر آہنی جنگلے کا تالا کھولا اور مجھے بازو سے پکڑ کے باہر کھینچ لیا پھر فوراً ہی اسی پہرے دار نے جو کھانا لے کر آیا تھا، میرے جسم سے اوور کوٹ اتار کر جنگلے میں پھینک دیا اور پلٹ کر میرے جبڑے پر ایک زبردست گھونسا رسید کیا۔ میں لڑکھڑا کے تھاپا بہادر پر گر پڑا۔ ابھی سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ تھاپا نے ہنٹر کے چوبی دستے سے مجھے پیچھے دھکیل دیا اور پیچھے ہٹ کر مجھ پر ہنٹر برسانے لگا۔ کوٹھڑی میں کایاپنتھا کی بھیانک چیخ گونجی۔ وہ جس بات سے ڈرتا تھا وہی پیش آ گئی۔ مگر یہ سب کچھ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

تھاپا کے ہنٹر پے در پے مجھ پر برس رہے تھے، قمیض پھٹ گئی تھی، ایک دو جگہ سے میرا ماس اُدھڑ گیا اور خون نکل آیا تھا مگر تھاپا کی وحشت میں کوئی کمی نہ آئی۔ پروہت گنجال ایک طرف کھڑا یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ یہی کچھ دیکھنے یہاں آیا تھا۔ اچانک ہنٹر کا چرمی رسہ میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے اسے جھٹکے سے کھینچا تو تھاپا منہ کے بل میرے قدموں میں گرا مگر اس سے پہلے کہ میں ہنٹر اس سے چھین لیتا، تینوں قبائلی پہرے دار بھوکے کتوں کی طرح مجھ پر پل پڑے۔ ایک نے پنڈلی کی ہڈی پر ٹھوکر ماری دوسرے نے گردن پر ضرب لگائی، تیسرے نے پیٹ میں مکا رسید کیا، میں تیورا کے گرا تو تھاپا بہادر نے اٹھ کر اپنا بوٹ میری گردن پر رکھ دیا، گلے پر دباؤ پڑنے سے سانس رکنے لگی، ادھر تینوں پہرے دار ہاتھوں اور لاتوں سے مجھے پیٹ

رہے تھے، ادھر کایاپلٹھا کی چیخیں سسکیوں میں ڈھل گئی تھیں اور وہ ہاتھ جوڑ کے فریاد کر رہا تھا۔

''نہ مارو...... اسے نہ مارو۔''

مگر کسی نے اس کی چیخ پکار پر دھیان نہیں دیا جیسے وہ ایک بے کار وجود تھا، میری گردن پر تھاپا کا بوجھ کچھ اور بڑھ گیا تو اپنے ہاتھ چھڑا کر میں نے اس کا پاؤں ہٹانے کی کوشش کی مگر تھاپا بڑی تیزی سے میرے ہاتھوں پر ہنٹر کا دستہ مارنے لگا جس سے ہاتھ زخمی ہو گئے اور میں نے انہیں کھینچ لیا۔ درد کی شدت ہوش و حواس گم کیے دیتی تھی، پاؤں بدستور میری گردن پر تھا، اچانک پروہت گنجال کی آواز بلند ہوئی۔

''چھوڑ دو۔ آج اتنا ہی گیان بہت ہے۔''

اس کے اشارے پر ان درندوں نے مجھے چھوڑ دیا، تھاپا نے بھی پاؤں گردن سے ہٹا لیا، میرے جسم پر جگہ جگہ گھاؤ تھے اور قمیض جو تار تار ہو چکی، خون سے لتھڑ گئی تھی۔ میں ایک ایسے شکار کی طرح گھائل تھا جس کے پیچھے کتے چھوڑ دیے گئے ہوں، اب گنجال اپنے مخصوص لہجے میں مخاطب ہوا۔

''کیشپ جی! آپ نے جان لیا ہوگا کہ مجھ سے الجھنے کا انت کیا ہوتا ہے، پر میں اب بھی سمجھتا ہوں اگر آپ کے سر سے جل بنا کے پریم کا بھوت اتر جائے تو مجھے کہلوا بھیجنا۔''

اس نے میرے زخموں پر نمک چھڑک دیا، کلیجے میں آگ سی بھڑک اٹھی، میں ہمت کر کے اٹھا اور اپنا زخمی ہاتھ جس سے خون بہہ رہا تھا اس کی طرف لہرا کے بولا۔

''پروہت گنجال! آج تو نے مجھے موت کا ادھیکار دے دیا ہے۔''

نہ جانے میری آواز میں، الفاظ میں، لہجے میں کیا تھا، مگر کچھ تھا ضرور کہ وہ اچانک خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ سب لوگ حیران رہ گئے وہ فوراً سنبھلا اور اس نے ایک بار پھر اپنی کینچلی اتار کے پھینک دی، اب اس کی آواز میں سانپ کا زہر گھلا ہوا تھا۔

''مورکھ! رسّی جل گئی مگر بل نہیں گیا، مجھے موت کی دھمکی دیتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ خود موت کے دوارے کھڑا ہے، تھاپا بہادر کی جیل میں رہنے والے بندی کچھ سے بیت جانے پر اپنے آپ کو پہچان نہیں سکتے۔ اس کوٹھڑی کا اندھیرا تیری صورت بگاڑ دے گا۔''

''پھر بھی یہ بات اپنے دل پر لکھ لے، میں نے جو کچھ کہہ دیا ہے وہی ہوگا۔''

''تیری ہوا بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتی، یہی کوٹھڑی تیری قبر بن جائے گی۔''

''میں اس وقت تک نہیں مر سکتا، جب تک تیرا ناش نہ کر لوں، تو دھرتی کے آخری کنارے تک بھاگے گا، میں دھرتی کے آخری کنارے تک تیرا پیچھا کروں گا۔''

میرے ان الفاظ نے ایک بار پھر اسے خوفزدہ کر دیا اور وہ گھبرا کے تھاپا کی طرف دیکھنے لگا،

''سن رہے ہو یہ مورکھ کیا کہتا ہے؟''

اسی لمحے تھاپا ایک بار پھر مجھ پر ٹوٹ پڑا، اس کے بوٹ کی پہلی ٹھوکر پنڈلی پر پڑی، میں لڑکھڑا کے گرا، دوسری اور تیسری ٹھوکر سر پر پڑی، اتنی شدید تھی وہ ضرب کہ میرے اوسان جاتے رہے اور آنکھوں کے ساتھ ذہن کے کواڑ بھی بند ہو گئے......!

○○○

تھارو کیشپ اس لعنتی بندی گھر سے کیسے رہا ہوا؟
''مقدس مورتی'' کا دوسرا حصہ ملاحظہ فرمایئے!

○